سلسلہ "ایمانی خزائن" میں شامل

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ

# عمدة التفاسير

جلد اول

حضرت نانوتویؒ کے تفسیری افادات پر مشتمل

مقدمہ

من جانب مفتی عبد القدوس ترمذی مدظلہ

کاوش


بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم غُفِرَلَهٗ

تلمیذ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

فاضل جامعہ ام القری مکہ مکرمہ ⊙ مدرس دورہ تفسیر جامعہ بنوریہ کراچی

ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ

سلسلہ ’’ ایمانی خزائن‘‘ میں شامل

# عمدة التفاسير

## جلد اول

حضرت نانوتویؒ کے تفسیری افادات پر مشتمل قابل اعتماد کتاب

مقدمہ من جانب

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد القدوس ترمذی دامت برکاتہم العالیۃ

☆☆☆☆☆☆

کاوش بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم غَفَرَ اللّٰہُ ذُنُوۡبَہٗ وَسَتَرَ عُیُوۡبَہٗ

تلمیذ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ و فاضل جامعہ ام القری مکہ مکرمہ

جامعة الطيبات للبنات الصالحات محلّہ کنور گڑھ گلی نمبر ۴ گوجرانوالہ 03338150875

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ


نام کتاب: عمدۃ التفاسیر

کاوش: بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم غفرلہ

مقدمہ: حضرت مولانا مفتی عبد القدوس ترمذی دامت برکاتہم

طبع اول: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ، مارچ ۲۰۱۸ء

ناشر: جامعۃ الطیبات للبنات الصالحات محلہ کنور گڑھ گلی نمبر ۴ گوجرانوالہ


## ﴿میں تو اس قابل نہ تھا﴾

**الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔**

بندہ کو اپنی تحریرات پر تقاریظ لینے کا شوق نہیں رہا جس کی ایک وجہ یہ کہ اس سے طباعت میں تاخیر ہو جاتی ہے اسی لئے دروس ختم نبوت، آیات ختم نبوت، الکلام الفصیح فی اثبات حیاۃ المسیح **علیہ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام** اور حق الیقین بان سیدنا محمد ﷺ آخر النبیین پر کوئی تقریظ نہیں چھاپی گئی۔ ہاں بسا اوقات فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد القدوس ترمذی دامت برکاتہم سے کچھ لکھنے کی درخواست کر دیتا ہوں تا کہ پڑھنے والا راقم کو ان مضامین میں تنہا نہ سمجھ لے۔ بندہ موصوف کی رائے کو سب اہل حق کی ترجمانی سمجھتا ہے۔ موصوف جو لکھتے ہیں دیکھنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''عمدۃ التفاسیر'' کی طباعت میں تاخیر ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود مفتی صاحب سے درخواست کر دی کیونکہ ان کے ایک نظر دیکھنے سے دِل کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے درخواست تو کی تھی تقریظ کیلئے انہوں نے دیکھ کر کتاب کیلئے جاندار مقدمہ عنایت فرما دیا۔ مفتی صاحب مدظلہ سے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت مفتی عبد الشکور ترمذیؒ ایسی کتاب کی تمنا کرتے تھے۔ تو یہ کتاب بظاہر اس عاجز کی محنت ہے مگر در حقیقت ایسے اللہ والوں کی دعاؤں کا اثر ہے ورنہ بندہ تو اس قابل نہیں اور کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دعا کسی کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کام کسی سے لے لیتے ہیں امام اہل سنتؒ کی کتاب تسکین الصدور کے بارے میں مفتی جمیل احمد تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میری تمنا تھی جو اللہ نے مولانا کے ہاتھوں پوری فرما دی (از تسکین الصدور ص ۲۶، ۲۷) راقم کی کتاب 'حق الیقین' کے بارے میں مولانا تقی عثمانی نے فرمایا کہ جب سے نذیر مرزائی کی کتاب دیکھی تھی، دِل میں داعیہ تھا کہ کوئی کہ اس کا جواب لکھے۔ ایک ساتھی کتاب: آیاتِ ختم نبوت مولانا مجاہد الحسینی صاحب مدظلہ کے پاس فیصل آباد لے گئے وہ کہنے لگے کچھ دن پہلے کتاب: **فتح الجواد فی آیات الجہاد** دیکھی تو دِل میں خیال آیا کہ کوئی ایسی کتاب بھی ہو جس پر 'آیاتِ ختم نبوت' لکھا ہو۔

<u>دار العلوم جھنگ اور معہد الفقیر کے بارے میں:</u>

ایک بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ بندہ کا کچھ عرصہ دار العلوم جھنگ اور معہد الفقیر سے اصلاحی تعلق رہا مگر کچھ عرصہ سے یہ تعلق ختم ہو چکا ہے۔ اس بات کا اظہار اس لئے کیا کہ لوگ اس کتاب کو معہد الفقیر کا فیض نہ سمجھ لیں بلکہ راقم کے اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ سابق صدر مدرس مدرسہ اشرف المدارس فیصل آباد، مفسر قرآن حضرت صوفی عبد الحمید صاحب سواتیؒ، مولانا عبد الشکور ترمذیؒ اور امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحبؒ فضلائے دیوبند کی تعلیم و تربیت اور ان کی دعاؤں کے ثمرات سمجھیں۔ تفسیر کے ساتھ حق کے دفاع، اور ہر باطل کے رد کا طریقہ ہم نے حضرت امام اہل سنتؒ سے لیا ہے۔

نوٹ: تصحیح کی کوشش کی گئی ہے پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو نشاندہی کر کے عند اللہ ماجور ہوں

فقط: بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم عفی عنہ

گوجرانوالہ

۲۱ رجمادی الاخری ۱۴۳۹ھ ، ۹ مارچ ۲۰۱۸ء

# وَاجْعَلْهُ لَنَا

# حُجَّةً

# يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے اللہ قرآن کو ہمارے دِل کی بہار بنادیجئے

**اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ ، اِبْنُ عَبْدِکَ ، اِبْنُ أَمَتِکَ ، نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ ، مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ ، عَدْلٌ فِیَّ قَضَآؤُکَ ، أَسْأَلُکَ بِکُلِّ اسْمٍ ھُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ ، أَوْ عَلَّمْتَہٗ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ ، أَوْ أَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ ، وَنُوْرَ صَدْرِیْ ، وَجِلَآءَ حُزْنِیْ ، وَذَھَابَ ھَمِّیْ .**

ترجمہ: اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کے بیٹا ہوں تیری بندی کا بیٹا ہوں (یعنی میرے ماں باپ بھی تیرے ہی بندے ہیں) میری پیشانی (یعنی میری ہستی) تیرے ہاتھ میں ہے، میرے اندر تیرا حکم ہی چلتا ہے، تیرا ہر فیصلہ میرے حق میں عین انصاف ہے، میں تجھ سے ہر اس نام کے (توسل) سے، جو تو نے اپنے لئے رکھا ہے، یا تو نے وہ نام اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا تو نے اسے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اسے علم غیب (کے خزانے) میں اپنے پاس رکھا ہے سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور اور میرے غم کے ازالہ اور میرے پریشانی کو دور کرنے کا ذریعہ بنادے۔

اے اللہ اس دعا کو ہمارے حق میں قبول فرما آمین

**وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ**

فضیلت: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی اللہ کا بندہ کسی مصیبت یا رنج و غم میں گرفتار ہو اور وہ یہ دعا پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مصیبت، پریشانی اور رنج و غم کو دور فرما دیں گے اور اس کے رنج و غم کو خوشی اور مسرت سے بدل دیں گے (مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱، نیز دیکھئے حصن حصین اردو ص ۱۹۹)

# فہرست کتاب ''عمدۃ التفاسیر'' جلد اول

**نوٹ:** جہاں نئی آیات کی تفسیر آئے گی وہاں عربی میں اسے نمایاں کیا جائے گا ☆ ''ح'' سے مراد حاشیہ ہے اور سطر نمبر سے صفحے کی سطر نمبر مراد ہے۔
☆ خاص مضامین کے شروع میں ☆ کا نشان ہوگا جیسے حضرت نانوتویؒ کے مضامین ☆ بڑے عنوانات شروع سطر سے لائے جائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ﴿انتساب﴾

نبی کریم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد قرآن کریم کو جمع کرنے کا سب سے پہلے فکر کرنے والے حضرت عمرؓ ہیں۔انہوں نے حضرت صدیقؓ سے کہہ کر اس کو یکجا کروایا (بخاری ج۲ص۷۴۵) حضرت صدیقؓ کی طرح حضرت عمرؓ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے بیحد محبت کرنے والے اور قرآن وحدیث کو پورے طور عمل میں لانے والے تھے نبی ﷺ سے محبت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ وفات کے قریب اپنے بعد خلافت کیلئے جن صحابہ کرامؓ کے نام ذکر کئے اُن کے بارے میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب دنیا سے تشریف لے کر گئے تو ان سے راضی تھے (بخاری ج۱ص۵۲۴)

کتنے ایسے موقع ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے عرض کیا: **دَعْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَضْرِبْ عُنُقَ ھٰذَا الْمُنَافِقِ** (بخاری ج۱ص۱۸۰، ج۲ص۶۱۲، ج۲ ص۷۲۸، ۷۲۹، ج۲ص۱۰۲۶) ''اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں'' آنحضرت ﷺ جن دنوں ازواج مطہرات **رضی اللہ عنھن** سے ناراض تھے حضرت عمرؓ نے عرض کیا تھا: **وَاللّٰہِ لَئِنْ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِضَرْبِ عُنُقِھَا لَاَضْرِبَنَّ عُنُقَھَا** (مسلم ج۲ص۱۰۶) ''اللہ کی قسم اگر مجھے رسول اللہ ﷺ میری بیٹی گردن مارنے کا حکم دیں میں اس کی گردن ماردوں''۔[چونکہ اس کے بعد تمام ازواج مطہراتؓ نے آخرت کو پسند کرلیا اور نبی کریم ﷺ اُن سے راضی ہوگئے اس لئے کسی کو ان پر تنقید قطعاً جائز نہیں ان کو ادب واحترام کے ساتھ یاد کرنا ضروری ہے] ایک منافق اور یہودی حضرت عمرؓ سے فیصلہ کرانے گئے، حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ اس کا فیصلہ نبی کریم ﷺ دے چکے ہیں تو اس منافق کی گردن اتاردی (**لباب النقول علی ھامش تفسیر الجلالین** ص۲۵۱)

اپنے زمانہ خلافت میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا وظیفہ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ رکھا، بیٹے کیلئے دو ہزار اور حضرت اسامہؓ کیلئے پانچ ہزار۔حضرت ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ میں ان سے زیادہ غزوات میں شریک رہا ہوں تو آپ نے فرمایا: **اِنَّ اُسَامَۃَ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْکَ وَاَبُوْہُ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ مِنْ اَبِیْکَ** (اسد الغابۃ ج۱ص۶۵) ''اسامہ سے رسول اللہ ﷺ کو تجھ سے زیادہ محبت تھی اور اس کے باپ حضرت زید سے رسول اللہ ﷺ کو تیرے باپ سے زیادہ محبت تھی''۔حجر اسود کو چومتے ہوئے فرمایا میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان اگر نبی کریم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا (بخاری ج۱ص۲۱۷، کتاب الحج باب ماذکر فی الحجر الاسود) یعنی آپ عقل کو ہمیشہ شریعت کے تابع رکھا کرتے تھے۔

آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے قسم کے ساتھ فرمایا **مَا لَقِیَکَ الشَّیْطَانُ سَالِکًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَکَ فَجًّا غَیْرَ فَجِّکَ** (۱) (بخاری ج۱

---

۱) اس سے حضرت عمرؓ کی نبی ﷺ پر افضلیت کا وہم نہ کیا جائے نبی ﷺ بہرحال سب سے اعلیٰ ہیں۔حضرت عمرؓ کو جو فضائل ملے وہ نبی ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی محبت اور اطاعت کی وجہ سے ملے دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ کی ہیبت سے ایسے شرارتی دور بھاگتے تھے مگر نبی ﷺ کے اخلاق عالیہ سے بہت سے ایسے لوگ قریب ہوئے اور انہوں نے ایمان قبول کیا اور مسلمانوں کی فوج بنے حتیٰ کہ آپ کا قرین بھی اسلام لے آیا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُکِّلَ بِہٖ قَرِیْنُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِیْنُہٗ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ قَالُوْا وَاِیَّاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاِیَّایَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلَیْہِ فَاَسْلَمَ فَلَا یَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ** (مسلم تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی ج۴ص۲۱۶۷ حدیث نمبر۲۸۱۴ مشکوۃ ج۱ص۲۶ حدیث نمبر۶۷) ترجمہ: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا ایک ہمنشین جنوں سے اور ایک ہمنشین فرشتوں سے مقرر کیا گیا ہے صحابہؓ نے عرض کیا اور آپ کیلئے بھی اے اللہ کے رسول فرمایا میرے لئے بھی مگر اللہ نے میری مدد کی وہ اسلام لے آیا وہ مجھے اچھی بات ہی کہتا ہے۔

ص ۵۲۰)''اگر کبھی شیطان آپ کو کسی راستے پر چلتا دیکھ لیتا ہے تو اسے چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو لیتا ہے''

حضرت عمرؓ فتنوں کے راستے میں رکاوٹ تھے (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۱) جب تک حضرت عمرؓ موجود رہے امت مسلمہ بڑے بڑے فتنوں سے بچی رہی نہ امت میں گروہ بندی تھی نہ فرقہ واریت۔ نبی کریم ﷺ کے بعد خلافت کی بارے میں انصارؓ سے بات چیت کے دوران حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کیلئے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کا نام پیش کیا فرمایا:'' بَايِعُوْا عُمَرَ اَوْ اَبَاعُبَيْدَةَ ابْنَ الْجَرَّاحِ '' ''عمر کی یا ابو عبیدہ بن جراح کی بیعت کرلو''، تو حضرت عمرؓ نے کہا: '' بَلْ نُبَايِعُكَ اَنْتَ فَاَنْتَ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ '' '' بلکہ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار ہیں ہم میں سب سے بہتر اور رسول اللہ ﷺ کو سب سے محبوب ہیں''۔

پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کی بیعت کی پھر دوسرے حضرات نے بھی حضرت صدیق ؓ کی بیعت کر لی (بخاری ج ۱ ص ۵۱۸، ج ۲ ص ۱۰۱۰) حضرت عمرؓ کے فوری بیعت کرنے سے اس نازک ترین موقع پر پیش آنے والا اختلاف ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا اللہ تعالیٰ ان کو سب مسلمانوں کی طرف سے بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

<u>قرآن کریم سے گہرا تعلق:</u>

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم سے سے اتنا تعلق تھا کہ فجر کی پہلی رکعت میں سورت یوسف اور سورت نحل جیسی سورتیں تلاوت کیا کرتے تھے (بخاری ج ۱ ص ۵۲۳) ایک شخص نے کہا آپ عدل نہیں کرتے آپ اس کو سزا دینے لگے تو حضرت حر بن قیس رضی اللہ عنہ نے قرآن کا یہ حکم یاد دلایا: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (الاعراف:۱۹۹)''معافی کی عادت بنائیں اور نیکی کا حکم کریں اور جاہلوں سے کنارہ کریں'' اور کہا یہ جاہلوں سے ہے، حضرت عمرؓ آیت مبارکہ سن کر وہیں رک گئے ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ ''اور حضرت عمرؓ کتاب اللہ کے پاس ٹھہر جاتے تھے'' (بخاری کتاب التفسیر ج ۲ ص ۶۶۹) یعنی جب کتاب اللہ کا حکم سنتے تو اپنی رائے کو ترک کر کے فوراً کتاب اللہ پر عمل کیا کرتے تھے۔

یہ عاجز اپنی اس کاوش کا

# انتساب

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وعنہم کی طرف کرتا ہے اس امید پر کہ اللہ اس عاجز کو، اس کے جملہ متعلقین ومعاونین اور اس کی کتب کے پڑھنے پڑھانے والوں کو اپنی اور اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے اور قرآن وحدیث سے گہرا تعلق نصیب کرے نیز ہر قسم کے ظاہری باطنی فتنوں سے بچا کر ہمارے ایمان کو ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دے ،

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ آمین

فقط

بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم

غَفَرَ اللّٰهُ ذُنُوْبَهٗ وَسَتَرَ عُيُوْبَهٗ

جامعۃ الطیبات للبنات الصالحات گوجرانوالہ

۵ بجکر ۳۰ منٹ بعد از عصر بروز منگل

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲ مارچ ۲۰۱۱ء

مفتی سید عبد القدوس ترمذی مدظلہم
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

# مقدمہ "عمدۃ التفاسیر"

## بِاسْمِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ

**بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ:** یہ ایک مسلمہ حقیقت اور روشن صداقت ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک قیامت تک کے لیے جو پسندیدہ دین ہے وہ فقط دینِ اسلام ہے۔ **قال جل مجدہ: ان الدین عند اللہ الاسلام** (آل عمران:۱۹) دین اسلام پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ حق تعالیٰ کا واضح ارشادگرامی ہے: **ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین** (آل عمران:۸۵) خود جناب سرکار دوعالم حضرت نبی کریم ﷺ بھی ارشاد فرماتے ہیں: **لو کان موسیٰ حیًا لما وسعہ الا اتباعی** (شعب الایمان للبیہقی: رقم الحدیث ۱۷۳)

**اصل مدار کتاب وسنت پر ہے:**

دین اسلام کا اصل مدار قرآن وسنت پر ہے لیکن شریعت کے بہت سے احکام کا تعلق امتِ مسلمہ کے اجماع اور قیاس صحیح سے ہے جن کی حجیت قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ اس لیے اجماع اور قیاس بھی شریعتِ اسلامیہ میں حجت ہیں۔ قیاس دراصل کوئی مستقل اصل نہیں بلکہ اصول ثلاثہ قرآن وسنت اور اجماع سے ہی ماخوذ ومستنبط ہے اسی لیے اصولیین نے اپنی کتب میں تصریح فرمائی ہے: **القیاس مظھر لا مثبت** (نورالانوار:ص ۲۲۸، باب القیاس)

بہرحال اس میں شک نہیں کہ اصل سرچشمۂ ہدایت اور اصل الاصول قرآن وسنت ہیں۔ اجماع اور قیاس صحیح سے جو احکام اخذ کئے جاتے ہیں وہ بھی قرآن وسنت کے مطابق ہیں اس لیے ان کو شریعت کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔

**مطاعِ مطلق اللہ جل شانہ ہیں پھر اس کے رسول ﷺ:**

دین اسلام میں مطاع بالذات حق تعالیٰ شانہ پھر حضرت نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یا ایھا الذین امنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم** (النساء:۵۹) "اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو (بیان القرآن)

اولوالامر کی اطاعت کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے مطابق حکم دیں، اسی لیے ان کی اطاعت کا حکم عطف کے ذریعہ دیا گیا ہے، اس کے لیے مستقل **أطیعوا** کا صیغہ نہیں لایا گیا، اسی لیے **فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول** (النساء:۵۹) میں اولوالامر کی طرف رد (رجوع) کا حکم نہیں دیا گیا۔

حاصل یہ کہ مسلمانوں کے ذمہ اصل اطاعت اللہ تعالیٰ کی اور جناب نبی کریم ﷺ کی ہے جبکہ مجتہدین کرام یا حکام اسلام علماءِ کرام کی پیروی اس صورت میں ہے جب وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت نبی کریم ﷺ کی منشا کے مطابق حکم دیں ورنہ **لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق** (مسند البزار: رقم الحدیث ۱۹۸۸) حق تعالیٰ کے ارشاد گرامی: **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** (النساء:۸۰) میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اس لیے آپ کی مخالفت بھی حق تعالیٰ کی مخالفت ہوگی، **کما لا یخفیٰ**۔

## قرآن کو سمجھنے کیلیے سنت کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اکرم ﷺ کے حکموں پر چلنے کے لیے قرآن وسنت پر چلنا ہوگا لیکن قرآن کریم حق تعالیٰ کا ایسا مبارک جامع اور مقدس کلام ہے جو فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ مقام پر ہونے کے ساتھ اعجاز وایجاز پر مشتمل ہے اور اس میں حق تعالیٰ نے تمام احکام کی تفصیلات وجزئیات کو بیان نہیں فرمایا، بلکہ اصول کلیہ بیان فرمائے گئے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ: **تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** (النحل:۸۹) میں اسی کا ذکر ہے۔اسی لیے حق تعالیٰ نے اس کی مراد کو سمجھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ پر انزال قرآن کی وجہ یہ ارشاد فرمائی ہے: **وأنزلنا اليک الذكر لتبين للناس مانزل اليهم ولعلهم يتفكرون** (النحل:۴۴)

چنانچہ قرآن کریم کی تبیین، توضیح وتشریح جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے فرمائی، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے براہِ راست آپؐ سے قرآن کریم کے الفاظ کو پڑھا اور اس کے معانی ومطالب بھی آپؐ سے سیکھے۔حضرات تابعین کرام رحمہم اللہ نے صحابہ کرامؓ سے اور تبع تابعینؒ نے تابعینؒ سے **وهلم جرا الٰى يومناهذا**۔

## امتِ مسلمہ کی طرف سے خدمتِ قرآن کی ایک جھلک:

بحمداللہ تعالیٰ آج تک یہ سلسلہ اسی طرح چلا آرہا ہے اور قیامت تک یونہی جاری رہے گا، پھر جیسے قرآن کریم کے الفاظ محفوظ ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے معانی اور اس کے صحیح مطالب کی حفاظت کا وعدہ بھی اپنے ذمہ لیا ہے، **كمـاقال تعالىٰ انا نحن نزلنا الذكرو انا له لحفظون** (الحجر:۹) اور اس عظیم مقصد کے لیے ہر دور میں ایک جماعت کو اس کے لیے پیدا فرمایا جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اس خدمت کے لیے وقف کردیا، چنانچہ چودہ سو سال کے عرصہ میں قرآن کریم کی سینکڑوں ہزاروں تفاسیر اہل حق نے تحریر فرمائیں۔

محدثِ کبیر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ ''مشکلات القرآن'' کے مقدمہ '' یتیمۃ البیان'' میں فرماتے ہیں:

**حدثني صديقي الفاضل الذكي مولانامحمد لطف الله الفشاوري عن امام العصرشيخنا رحمه الله انه قال قد بلغت تفاسير القرآن المؤلفة الٰى مائتي الف ،اهـ** (یتیمۃ البیان ص ۲۶) بظاہر اتنی تعداد مشکل معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کی خدمت امت کے علماء کرام نے سب سے زیادہ کی ہے، تعداد چاہے کچھ بھی ہو ان تفاسیر کا ایک معتد بہ حصہ آج بھی امت کے پاس موجود ہے جن سے مسلمان برابر استفادہ کررہے ہیں اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔

## قرآن کی تفسیر ہر کسی کے بس میں نہیں:

قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر ہر شخص کے بس کی بات نہیں کیونکہ صرف عربی زبان دانی کی بنیاد پر اس کا صحیح ترجمہ وتفسیر نہیں کی جاسکتی، اس کے معانی ومطالب سمجھنے کے لیے صرف زبان دانی کافی ہوتی تو عرب کے لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی انہیں مطالب ومعانی قرآن سمجھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔حضرات علماء کرام نے تفسیر کے لیے پندرہ علوم کو ضروری قرار دیا ہے۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ''الاتقان'' میں اس پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ان پندرہ علوم کے نام یہ ہیں: لغت، نحو، صرف، اشتقاق، معانی، بیان، بدیع، علم قراءت، اصول دین، اصول فقہ، اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ، فقہ، حدیث، علم الموہبت۔

علماءِ حق نے قرآن کریم کی جو تفاسیر تحریر فرمائیں ان میں اصولِ تفسیر اور اس کے لیے بنیادی اور ضروری علوم کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن کریم کی تفسیر کی گئی ہے اصولِ تفسیر اور اس کے لیے ضروری علوم کے بغیر اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرنا تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے جس پر سخت وعید آئی ہے۔چنانچہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: **مـن قـال فـي القرآن بغيرعلم فليتبوأمقعده من النار** (الترمذی: رقم الحدیث ۲۹۵۰) ایک اور حدیث میں ہے: **مـن قال في القرآن برأيه فاصاب فقد أخطأ** (الترمذی: رقم الحدیث ۲۹۵۳) ان احادیث سے تفسیر بالرائے کی مذمت واضح ہے۔

## اہل السنۃ والجماعۃ کا امتیاز:

اہل سنت کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ قرآن کریم کو دین کی اساس ماننے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سنت یعنی آپ کے ارشادات اور آپ کے طرزِ عمل کو اس کی شرح اور اس کے اجمال کی تفصیل سمجھتے ہیں، اور جو چیزیں قرآن کریم میں بیان نہیں کی گئیں اور سنت میں ان کا بیان ہے ان کے نزدیک وہ بھی واجب الاتباع اور جزوِ دین ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی یہ حیثیت تسلیم کر لینے کے بعد وہ جماعتِ صحابہ کرامؓ کی یہ حیثیت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کا جو منشا انہوں نے سمجھا اور جن امور پر ان کا اجماع ہو گیا وہ بھی واجب الاتباع ہیں اور کسی مسلمان کو حق نہیں کہ ان کے اجتماعی مسلک اور ان کے اجماعی فیصلوں کے خلاف اپنی رائے رکھے۔

## سلف صالحین کے فہم پر اعتماد ضروری ہے:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مکتوب گرامی جس کو "سنن ابوداود" کتاب السنۃ میں سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، انہوں نے اس میں اہل سنت کے مسلک کی واضح طور پر ترجمانی فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

**ولئن قلتم لم أنزل اللّٰہ آیۃ کذا ولم قال کذا لقد قرأوا منہ ما قرأتم وعلموا من تأویلہ ما جھلتم و قالوا بعد ذلک کلہ بکتاب و قدر** (سنن ابوداود، باب فی لزوم السنۃ) یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تقدیر کے منکرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ تم جن آیتوں کو پڑھ کر تقدیر کا انکار کر رہے ہو صحابہ کرامؓ نے بھی انہی آیات کو پڑھا تھا وہ براہِ راست رسول اللہ ﷺ کے صحبت یافتہ تھے اس لیے قرآن کریم کو تم سے بہتر سمجھتے تھے، اس کے باوجود وہ عقیدۂ تقدیر کے قائل تھے جس سے واضح ہے کہ تم ان آیات کو سمجھنے میں غلطی پر ہو۔

غرضیکہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک اور ان کا بنیادی اصول یہی ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے اس مکتوب میں بیان فرمایا ہے یعنی دین کے بارہ میں صحابہ کرامؓ کی جماعت پر پورا اعتماد کرنا اور ان کے مقابلہ میں اپنے علم وفہم کو ناقص اور نارسا سمجھتے ہوئے ان کے اجماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کی پوری پوری تقلید کرنا جمہور امت کا یہی مسلک رہا ہے اور یہی وہ صحیح مسلک ہے جس کو ترمذی کی حدیث میں **ما أنا علیہ وأصحابی** سے تعبیر فرمایا گیا ہے (انظر مشکوۃ ص ۳۰)

خلیفۂ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں جب خوارج نے قرآن کا نعرہ لگایا تھا حضرت علیؓ نے قرآنِ کریم کو اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا اور فرمایا **:أیھا المصحف حدِّث** ۔اس کے بعد حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: قرآن کریم میرے کہنے سے نہیں بول رہا۔ اس تدبیر سے آپ نے ان کو یہ بتلایا کہ قرآن کریم کی پیروی کی یہی صورت ہے کہ جو قرآن کریم کو سمجھنے والے ہیں وہ جو کچھ قرآن کریم سے سمجھ کر بتلائیں ان کی پیروی کی جائے اور یہ کہ جن لوگوں نے قرآن کریم اور دین کو براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ دین اور قرآن کو سمجھتے ہو؟

مقصد یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے مطلب اور معنی سمجھنے اور ان کے مفہوم ومراد کے متعین کرنے میں سلف صالحین کے فہم پر اعتماد کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر قرآن وسنت کے صحیح معنی اور مراد کو سمجھنا درست نہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی المتوفی ۱۰۳۴ھ ارشاد فرماتے ہیں:

سعادت آثارا آنچہ ما وشمار الازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب وسنت بر نہجیکہ علماءِ اہل حق **شکر اللّٰہ سعیھم** از کتاب وسنت آں عقائد را فہمیہ اند واز جا اخذ کردہ چہ فہمیدن ما وشما از حیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام ایں بزرگواراں نباشد زیرا کہ مبتدع وضال احکام باطلہ خود را از کتاب وسنت فہمیدہ واز اں جا اخذ می نمایند و **الحال انہ لایغنی من الحق شیئا** (مکتوبات دفتر اول حصہ سوم ص ۳۳ مکتوب ۱۵۷ طبع امرتسر)

## سلف صالحین کی ذکر کردہ تفسیر کے خلاف تفسیر مقبول نہیں:

علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ تعالیٰ "الصارم المنکی" میں تحریر فرماتے ہیں:

**ولا یجوز احداث تأویل فی آیۃ وسنۃ لم یکن علی عھد السلف ولا عرفوہ ولا بینوہ للامۃ فان ھذا یتضمن أنھم جھلوا الحق فی**

هذا وضلوا عنه واهتدیٰ الیه هذا المعترض الماخر فکیف اذا کان تأویلاً یخالف تأویلهم ویناقضه وبطلان هذا التاویل أظهر من أن یطلب فی ردہ (الصارم المنکی ص ۴۲۷) اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کریمہ یا حدیث شریف کا جو مطلب اور معنی حضرات سلف صالحین نے سمجھا، بعد کے لوگ جو معنی ومطلب اس کے خلاف بیان کریں تو بعد والوں کا ذکر کردہ وہ معنی ومطلب مردود ہوگا۔

## ﴿تفسیر میں گمراہی کے اسباب﴾

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم ''تفسیر بالرائے'' کی صورتیں اور ''تفسیر میں گمراہی کے اسباب'' بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

علم تفسیر جہاں ایک انتہائی شرف وسعادت کی چیز ہے وہاں اس نازک وادی میں قدم رکھنا بے حد خطرناک بھی ہے، کیونکہ اگر انسان کسی آیت کی غلط تشریح کر بیٹھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ایسی بات منسوب کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی، اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑی گمراہی کیا ہوسکتی ہے؟ جن لوگوں نے ضروری شرائط پوری کئے بغیر قرآن کریم کی تفسیر میں دخل اندازی کی ہے، وہ کافی محنت خرچ کرنے کے باوجود اس بدترین گمراہی میں مبتلا ہوگئے ہیں، اس لئے یہاں ایک نظر اُن اسباب پر بھی ڈال لینی ضروری ہے جو انسان کو تفسیر قرآن کے معاملے میں گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

**۱) نا اہلیت:**

تفسیر قرآن میں گمراہی کا سب سے پہلا اور سب سے خطرناک سبب یہ ہے کہ انسان اپنی اہلیت وصلاحیت کو دیکھے بغیر قرآن کریم کے معاملے میں رائے زنی شروع کردے، خاص طور سے ہمارے زمانے میں گمراہی کے اس سبب نے بڑی قیامت ڈھائی ہے، یہ غلط فہمی عام ہوتی جارہی ہے، کہ صرف عربی زبان پڑھ لینے کے بعد انسان قرآن مجید کا عالم ہوجاتا ہے، اور اس کے بعد جس طرح سمجھ میں آئے قرآن کریم کی تفسیر کرسکتا ہے، حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی علم وفن ایسا نہیں ہے جس میں محض زبان دانی کے بل پر مہارت پیدا ہوسکتی ہو آج تک کبھی کسی ذی ہوش نے انگریزی زبان پر مکمل عبور کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کیا ہوگا کہ وہ ڈاکٹر ہوگیا ہے اور میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ کر دنیا پر مشق ستم کرسکتا ہے، اسی طرح کوئی شخص محض انجنئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کرکے انجینئر بننے کا دعویٰ نہیں کرسکتا اور نہ قانون کی اعلیٰ کتابیں دیکھ کر ماہر قانون کہلاسکتا ہے اور اگر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے تو یقیناً ساری دنیا اسے احمق اور بیوقوف کہے گی۔ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ تمام علوم وفنون محض زبان دانی اور نجی مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتے، بلکہ ان کے لئے سالہا سال کی محنت درکار ہے، انہیں ماہر اساتذہ سے پڑھا جاتا ہے اس کے لئے بڑی بڑی درسگاہوں میں کئی کئی امتحانات سے گزرنا ہوتا ہے، پھر کسی ماہر فن کے پاس رہ کر ان کا عملی تجربہ کرنا پڑتا ہے تب کہیں انسان ان علوم کا مبتدی کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

جب ان علوم وفنون کا حال یہ ہے تو تفسیر قرآن جیسا علم محض عربی زبان سیکھ لینے کی بنا پر آخر کیسے حاصل ہوگا؟ آپ گزشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ علم تفسیر میں درک حاصل کرنے کے لیے کتنی وسیع معلومات درکار ہوتی ہیں۔

قرآن کریم عام کتابوں کی طرح کوئی ایسی مسلسل کتاب نہیں ہے جس میں ایک موضوع کی تمام باتیں ایک ہی جگہ لکھی ہوئی ہوں بلکہ وہ دنیا کی تمام کتابوں کے برخلاف اپنا ایک جداگانہ اور ممتاز اسلوب رکھتا ہے، لہٰذا کسی آیت کو قرار واقعی طور پر سمجھنے کے لیے اول تو یہ ضروری ہے کہ اس آیت کی مختلف قراءتوں، اس موضوع کی تمام دوسری آیات اور ان کے متعلقات پر پوری نگاہ ہو، پھر آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ بہت سی آیتیں کسی خاص واقعاتی پس منظر سے وابستہ ہوتی ہیں، جسے سبب نزول کہا جاتا ہے، اور جب تک سبب نزول کی مکمل تحقیق نہ ہو اس کا پورا مفہوم نہیں سمجھا جاسکتا، نیز یہ حقیقت بھی آپ کے سامنے آچکی ہے کہ قرآن کریم بہت سی مجمل باتوں کی تشریح وتفسیر سرکار دوعالم ﷺ کے ارشادات پر چھوڑ دیتا ہے، لہٰذا ہر آیت میں یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی قولی یا عملی تعلیم موجود ہے یا نہیں؟ اور اگر موجود ہے تو وہ تنقیدِ روایات کے مسلّم اصولوں پر پوری اُترتی ہے یا نہیں؟ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے جو نزول قرآن کے عینی شاہد تھے، اس آیت کا کیا مطلب سمجھا تھا؟ اگر اس بارے میں روایات کے درمیان کوئی تعارض واختلاف ہے تو اسے کیونکر رفع کیا جاسکتا ہے؟

پھر عربی زبان ایک وسیع زبان ہے، جس میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی اور ایک معنی کیلئے کئی کئی لفظ ہوتے ہیں، لہٰذا جب تک اُس زمانے کے اہل عرب کے محاورات پر عبور نہ ہو کسی معنی کی تعیین بہت مشکل ہوتی ہے، اس کے علاوہ صرف الفاظ کے لغوی معنی جاننے سے کام نہیں چلتا، کیونکہ عربی میں نحوی ترکیبوں کے اختلاف سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ بات عربی لغت و ادب پر مکمل عبور کے بغیر طے نہیں کی جا سکتی، کہ اس مقام پر کون سی ترکیب محاوراتِ عرب کے زیادہ قریب ہے؟ اور سب سے آخر میں قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے اسرار و معارف ایسے شخص پر نہیں کھولتا جو اس کی نافرمانی پر کمربستہ ہو، لہٰذا تفسیر قرآن کے لیے اللہ کی بندگی اس کے ساتھ تعلقِ خاص، طاعت و تقویٰ اور حق پرستی کے بے لاگ جذبے کی ضرورت ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ تفسیر قرآن کے لئے صرف عربی زبان کی معمولی واقفیت کام نہیں دے سکتی، بلکہ اس کے لیے علم اصول تفسیر، علم حدیث، اصول حدیث، اصول فقہ، علم نحو، علم صرف، علم لغت، علم ادب اور علم بلاغت میں ماہرانہ بصیرت اور اس کے ساتھ طہارت و تقویٰ ضروری ہے، ان ضروری شرائط کے بغیر تفسیر کی وادی میں قدم رکھنا اپنے آپ کو گمراہی کے راستے پر ڈال دینے کے مرادف ہے، اور اسی طرز عمل کے بارے میں سرورِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ جو شخص قرآن میں بغیر علم کے گفتگو کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ (علوم القرآن ۳۵۹ تا ۳۶۲)

## ۲) قرآن کریم کو اپنے نظریات کے تابع بنانا:

تفسیر قرآن کے سلسلے میں دوسری عظیم گمراہی یہ ہے کہ انسان اپنے ذہن میں پہلے سے کچھ نظریات متعین کر لے۔ اور پھر قرآن کریم کو اُن نظریات کے تابع بنانے کی فکر کرے۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے نشان دہی فرمائی ہے (اصول التفسیر، لابن تیمیہ ص 23 مطبوعہ مکتبہ علمیہ لاہور)

قدیم زمانے سے باطل فرقوں، ظاہر پرستوں اور اپنے وقت کے فلسفے سے مرعوب لوگوں نے تفسیر قرآن میں یہی گمراہ کن طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور الفاظ قرآنی کو توڑ موڑ کر اپنے نظریات کے مطابق بنانے کی کوشش کی ہے، حالانکہ یہ طرز عمل دنیا کے کسی بھی معاملہ میں حق و انصاف کے مطابق نہیں ہے۔ خاص طور سے قرآنِ کریم کے بارے میں یہ طریق کار اختیار کرنا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس کے برابر کوئی ظلم نہیں ہو سکتا قرآن کریم نے جگہ جگہ اپنے آپ کو "ہدایت" کی کتاب قرار دیا ہے "ہدایت" کے معنی یہ ہیں کہ "جس شخص کو منزل کا راستہ معلوم نہ ہو اسے راستہ دکھلانا" لہٰذا قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس شخص کی طرح خالی الذہن رکھے جسے اپنی منزل کا پتہ معلوم نہ ہو، اس کے بعد دل میں یہ اعتقاد پیدا کرے کہ قرآن کریم جو راستہ بتائے گا وہی میرے لیے صلاح و فلاح کا موجب ہوگا، خواہ اسے میری محدود عقل قبول کرے یا نہ کرے، اگر میری عقل ایسی ہی قابل اعتماد تھی کہ میں اس کے زور پر سب کچھ معلوم کر سکتا تھا تو پھر قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس اعتقاد کے ساتھ جب انسان قرآن کریم کی طرف رجوع کرے گا، اور اُن آداب و شرائط کو ملحوظ رکھے گا جو قرآنِ کریم سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہیں تو اسے بلاشبہ ہدایت حاصل ہوگی اور وہ منزل مراد کو پالے گا۔

اس کے برعکس اگر کسی شخص نے محض اپنی عقل کی بنیاد پر کچھ مخصوص نظریات اپنے ذہن میں پہلے سے بٹھالئے، اور پھر قرآن کریم کو اُن مخصوص نظریات کی عینک سے پڑھنا شروع کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی اس مقدس کتاب کو ہدایت حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض اپنے عقلی نظریات کی تائید حاصل کرنے کے لیے پڑھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی عقل پر اتنا بھروسہ کرتا ہو، اپنی عقل کو قرآن کا خادم نہیں، بلکہ (معاذ اللہ) قرآن کو اپنی عقل اور خواہشات کا خادم بنانا چاہتا ہو قرآن کریم اسے ہدایت کی روشنی عطا کرنے سے بے نیاز ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی صحیح مراد تک پہنچنے کے بجائے اپنی گمراہی کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے، اور اسے ہدایت کی توفیق نہیں ہوتی۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے: يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا [البقرة: ۲۶] اللہ تعالیٰ اس (قرآن) کے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت بخشتا ہے۔ لہٰذا قرآنِ کریم سے ہدایت حاصل کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے ذہن کو دوسرے نظریات سے خالی کر کے

ایک طالبِ حق کی طرح قرآنِ کریم کی طرف رجوع کیا جائے، اوراس کی مراد سمجھنے کے لیے جن علوم کی ضرورت ہے ان کو حاصل کر کے اس کی تفسیر معلوم کی جائے اور اس طرح جو کچھ ثابت ہو اس پر ایک سچے مومن کی طرح ایمان رکھا جائے اور جو شخص اتنی استطاعت نہ رکھتا ہو یا اسے اپنے ذہن پر اعتماد نہ ہو اس کے لیے سیدھا راستہ یہی ہے کہ وہ خود " تفسیر قرآن" کی وادی میں قدم رکھنے کے بجائے ان لوگوں کی تفسیر پر بھروسہ کرے، جنھوں نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کی ہیں، اور جن کی علمی بصیرت اور للّٰہیت وخدا ترسی پر اُسے زیادہ اعتماد ہو۔ (علوم القرآن ص ۳۷۱،۳۷۲)

۴) زمانے کے افکار سے مرعوبیت:

تفسیر قرآن کے سلسلے میں تیسری گمراہی یہ ہے کہ انسان اپنے وقت کے فلسفیانہ اور عقلی نظریات سے ذہنی طور پر مرعوب ہو کر قرآن کریم کی طرف رجوع کرے اور تفسیر قرآن کے معاملے میں اُن نظریات کو حق وباطل کا معیار دے دے، یہ گمراہی دراصل دوسری گمراہی کے ذیل میں خود بخود آ جاتی ہے، لیکن چونکہ ہمارے زمانے میں مغربی افکار سے مرعوبیت نے خاص طور سے بڑی قیامت ڈھائی ہے اس لئے یہاں اس گمراہی کو مستقل طور سے ذکر کیا جا رہا ہے۔

تاریخِ اسلام کے ہر دَور میں ایسے افراد کی ایک جماعت موجود رہی ہے، جو قرآن وسنت کے علوم میں پختگی پیدا کئے بغیر اپنے زمانے کے فلسفے کی طرف متوجہ ہوئے، اور وہ فلسفہ ان کے ذہنوں پر اس بُری طرح مسلّط ہو گیا کہ وہ اس کے بنائے ہوئے فکر ونظر کے دائروں سے باہر نکلنے کی صلاحیت سے ہی محروم ہو گئے، اس کے بعد جب انہوں نے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا، اور اس کی بہت سے باتیں انہیں اپنے آئیڈیل فلسفے کے خلاف محسوس ہوئیں تو انہوں نے اس فلسفے کو جھٹلانے کے بجائے قرآن کریم میں تحریف وترمیم شروع کر دی، اور اس کے الفاظ کو کھینچ تان کر اپنے فلسفیانہ افکار کے مطابق بنانا شروع کر دیا۔

جب مسلمانوں میں یونانی فلسفے کا چرچا ہوا، اور لوگوں نے قرآن وسنت کے علوم میں پختگی پیدا کئے بغیر اس فلسفے کو حاصل کرنا شروع کیا، تو یہی فتنہ پیش آیا، اور بعض لوگ جو یونانی فلسفے سے بُری طرح مرعوب ہو گئے تھے، قرآن کریم کو توڑ موڑ کر اس فلسفے کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگ گئے، ان میں بہت سے لوگ مخلص بھی تھے، اور سچے دل سے یہ سمجھتے تھے کہ یونانی فلسفہ ناقابلِ تردید ہے اور قرآن وسنت کی متوارث تفسیر اس کے لائے ہوئے فکری سیلاب کا مقابلہ نہیں کر سکے گی، اس لئے اس تفسیر کو بدل کر قرآن وسنت کی ایسی تشریح کرنی چاہئے جو یونانی فلسفے کے مطابق ہو، لیکن درحقیقت یہ قرآن وسنت اور اسلام کے ساتھ ایک نادان دوستی تھی جس نے اسلام کی کوئی خدمت کرنے کے بجائے مسلمانوں میں نظریاتی انتشار برپا کیا، اور معتزلہ اور جہمیہ جیسے بہت سے نئے فرقے پیدا کر دیئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پختہ کار علمائے دین جنہیں قرآن وسنت کے علوم میں رسوخ حاصل تھا، اور جو قرآن وسنت کے مقابلے میں وقت کے کسی چلتے ہوئے نظامِ فکر سے مرعوب نہیں تھے، اُن کی ایک بڑی جماعت کو دوسرے کام چھوڑ کر ایسے لوگوں کی تردید میں مصروف ہو جانا پڑا، اور انہوں نے یونانی فلسفے کی فکری غلطیوں کی نشان دہی کر کے ایسے لوگوں کی مدلّل اور مفصّل تردید کی جو اس فلسفے کے اثر سے قرآن وسنت میں معنوی تحریف کے مرتکب ہوئے تھے، غرض ایک عرصے تک فکری مباحث اور تصنیف ومناظرہ کا بازار گرم رہا، اور فریقین کی طرف سے اپنے اپنے موقف کی تائید میں پورے کتب خانے تیار ہو گئے۔

پختہ کار علماءِ دین کا موقف یہ تھا کہ قرآن کریم کسی انسان کی نہیں اُس خالقِ کائنات کی کتاب ہے جو اس دنیا اور اس میں ہونے والے واقعات کی رتی رتی سے باخبر ہے، اور اس دنیا کے بدلتے ہوئے حالات سے اس سے زیادہ کوئی باخبر نہیں ہو سکتا، لہٰذا قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کے بیان کردہ حقائق سدا بہار، اور ناقابلِ ترمیم ہیں، جن احکام وقوانین اور نظریات پر زمانے کی تبدیلی اثر انداز ہو سکتی تھی اُن کے بارے میں قرآنِ کریم نے خود کوئی معیّن بات کہنے کے بجائے ایسے جامع اصول بیان فرما دیئے ہیں جو ہر تبدیلی کے موقع پر کام آ سکیں، اور اُن کی روشنی میں ہر بدلے ہوئے ماحول میں رہنمائی حاصل کی جا سکے، لیکن جو باتیں قرآنِ کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان فرما دی ہیں، یا جن کی واضح تفسیر رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے، وہ زمانے کی تبدیلی سے بدلنے والی باتیں نہیں ہیں۔

فلسفہ اور سائنس کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اس کے وہ بیشتر نظریات جو قطعی مشاہدہ پر مبنی نہیں ہیں، مختلف زمانوں میں بدلتے رہے ہیں، اور جس زمانے میں جو نظریہ رائج رہا وہ لوگوں کے ذہن وفکر پر اس بُری طرح چھا گیا کہ لوگ اس کے خلاف کوئی بات سننے کے لئے تیار نہ رہے، لیکن جب زمانے کے کسی انقلاب نے اس نظریئے کی کایا پلٹی تو وہی نظریہ اتنا بدنام ہوا کہ اس کو منہ سے نکالنا بھی دقیانوسیت کی علامت بن گیا، اب اس کی جگہ کسی نئے نظریئے نے ذہنوں پر اپنا سکہ بٹھایا، اور

اس کی گھن گرج نے ہر مخالف رائے کا گلا گھونٹ دیا، پھر ایک عرصہ گزرنے پر یہ نیا نظریہ بھی اپنی آن بان کھو بیٹھا، اور کسی تیسرے نظریئے نے اس کی جگہ لے لی، فکرِ انسانی کی تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے، اور جب تک حقیقت کی پیاس انسان کو قطعی مشاہدے تک نہیں پہنچا دیتی اُس وقت تک یہی ہوتا رہے گا، اس کے برخلاف قرآن کریم نے جن حقائق کی طرف واضح رہنمائی عطا کی ہے، وہ چونکہ ایک ایسی ذات کے بیان کئے ہوئے ہیں جس کے سامنے یہ پوری کائنات اور اس میں ہونے والے حوادث ہاتھ کی ہتھیلی سے زیادہ واضح اور بے غبار ہیں، اس لئے فکر اور فلسفے کی اس آنکھ مچولی کو اس کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا، آپ زمانے کے جس نظریہ سے مرعوب ہو کر قرآن کریم کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے، ہو سکتا ہے کہ وہی نظریہ عہدِ جہالت کی یادگار ثابت ہو، اور آپ اسے زبان پر لاتے ہوئے بھی شرمانے لگیں۔

راسخ العقیدہ اہل علم کا یہ طرزِ فکر تجربے سے بالکل سچا ثابت ہوا، آج فلسفہ اور سائنس کی ترقیات نے یونانی فلسفے کی دھجیاں بکھیر دی ہیں، اور اس کے نہ صرف بہت سے طبعی، عنصری اور فلکیاتی نظریات غلط قرار پا گئے، بلکہ اُن کی بنیاد پر مابعد الطبیعی (Metaphysical) نظریات کی جو عمارت اٹھائی گئی تھی، وہ بھی زمین بوس ہو چکی ہے، جن لوگوں نے یونانی فلسفے کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر قرآن وسنت کو موم کی ناک بنایا تھا، آج اگر وہ زندہ ہوتے تو یقیناً اُن کی ندامت و شرمندگی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔

لیکن حیرت ہے کہ سطح پرستوں کا ایک گروہ تاریخ سے کوئی سبق لینے کے بجائے مغربی افکار سے متاثر و مرعوب ہو کر قرآن وسنت کی ایسی تفسیر گھڑنے کی فکر میں ہے جو مغرب کے چلے ہوئے نظریات پر فٹ ہو سکے، یہ گروہ تفسیر کے تمام معقول اور معروف اصولوں کو توڑ کر صرف ایک اصول کی بنیاد پر قرآن کریم کے ساتھ مشق ستم میں مصروف ہے، اور وہ اصول یہ ہے کہ اللہ کے اس کلام کو کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر مغربی افکار کے مطابق بنا دیا جائے، یہ لوگ کبھی یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ جس کلام پر وہ تاویل و تحریف کی مشق کر رہے ہیں وہ کس کا کلام ہے؟ جن نظریات کی خاطر وہ خدا کے کلام میں کھینچ تان کر رہے ہیں، وہ کتنے پائیدار ہیں؟ اور جب فکرِ انسانی کا قافلہ ان نظریات کو روند کر اور آگے بڑھے گا تو اس قسم کی تفسیروں اور تشریحات کا حشر کیا ہوگا؟ (علوم القرآن ۳۷۶۔۳۷۲)

لہٰذا اگر قرآن کریم کو اپنے نظریات کا تابع بنانے کے بجائے اُس سے واقعۃً رہنمائی حاصل کرنی ہے، تو اسے رائج الوقت نظریات کی عینک سے پڑھنے کے بجائے اُس طرح پڑھیئے جس طرح سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے پڑھا تھا، اور اس کی تشریح و تفسیر کے وقت مروّجہ افکار کے شور و غل سے متاثر ہونے کے بجائے وہ اصول استعمال کیجئے جو تفسیر کے فطری معقول اور واقعی اصول ہیں، ان اصولوں کے ذریعہ جو باتیں قرآن کریم سے واضح طور پر ثابت ہو جائے اُسے جھینپ جھینپ کر اور شرما شرما کر نہیں، بلکہ پورے یقین و ایمان اور خود اعتمادی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیجئے، اور زمانے کے مروّجہ نظریات ہزار اس کے خلاف ہوں، یہ یقین رکھئے کہ حق وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان کر دیا، اگر انسانیت کی قسمت میں کوئی فلاح لکھی ہے تو وہ ہزار ٹھوکریں کھانے کے بعد اس کے بیان کئے ہوئے حقائق تک پہنچ کر رہے گی (علوم القرآن ص ۳۸۴)

## ۴) <u>قرآن کریم کے موضوع کو غلط سمجھنا:</u>

تفسیر قرآن کے بارے میں چوتھی گمراہی یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کریم کے موضوع کو ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھتے، اور اس میں وہ باتیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس کے موضوع سے خارج ہیں، مثلاً بعض حضرات اس جستجو میں رہتے ہیں کہ قرآن کریم سے کائنات کے تمام سائنسی اور طبعی حقائق مستنبط کئے جائیں، اور سائنس کے مسلّمات کو قرآن سے ثابت کیا جائے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر قرآن سے سائنس کے یہ مسائل ثابت نہ ہو سکے تو (معاذ اللہ) یہ قرآن کریم کا نقص ہوگا، چنانچہ وہ پورے خلوص کے ساتھ قرآنی آیات سے سائنسی مسلّمات ثابت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، اور بعض اوقات اس غرض کے لئے قرآنی الفاظ کو غلط معنی پہنا دیتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا اصل موضوع سائنس نہیں ہے، اس میں اگر کہیں کائناتی حقائق کا ذکر آیا ہے تو ضمنی طور سے آیا ہے۔ لہٰذا اگر اس میں کہیں سائنٹفک حقیقت واضح طور سے مل جائے تو اُس پر بلاشبہ ایمان رکھنا چاہئے، لیکن سائنس کا کوئی مسئلہ پہلے سے ذہن میں رکھ کر قرآن کریم سے اُسے زبردستی نکالنے کی کوشش ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص طب کی کتاب میں قانون کے مسائل تلاش کرنے لگے، قرآن کریم نے اپنا موضوع اور مقصدِ نزول مبہم نہیں چھوڑا، بلکہ

بیسیوں آیات میں یہ واضح کردیا ہے کہ اُسے کیوں نازل کیا گیا ہے؟ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیے:

**قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ☆ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** (المائدہ:۱۶،۱۵)

تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے، اور کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں، اور اُن کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں، اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت کرتے ہیں۔

**يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَ نَا مِنْ م بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ** ( المائدہ:۱۹) اے اہل کتاب! تمہارے پاس یہ ہمارے رسول آ پہنچے ہیں جو تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں، ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ (عرصہ سے) موقوف تھا، تا کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا نہیں آیا، نہ ڈرانے والا، تو (اب) تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا

**وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ هُمْ عَمَّا جَآءَ كَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ** (المائدہ:۴۸) ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے، جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں ہیں اُن کی بھی تصدیق کرتی ہے، اور ان کتابوں کی محافظ ہے تو اُن کے باہمی معاملات میں اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے، اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر اُن کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے، تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقہ تجویز کیا تھا، اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت میں کر دیتے، لیکن ایسا نہیں کیا، تا کہ جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرمادیں تو نیکیوں کی طرف دوڑو، تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے، پھر وہ تم سب کو جتلا دیگا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ (علوم القرآن ۳۸۶ تا ۳۸۸)

یہ محض چند مثالیں ہیں، اور اگر صرف انہی پر غور کر لیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کا اصل مقصد انسان کو آخرت کی تیاری پر آمادہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی تعلیم و ترغیب ہے، اور جتنی باتیں اس میں تاریخی واقعات یا کائنات و آفاق سے متعلق آئی ہیں وہ سب اسی بنیادی موضوع کی تائید و تقویت کے لئے آئی ہیں، لہٰذا اگر اس میں سائنس کا کوئی مشہور مسئلہ موجود نہ ہو تو نہ یہ کوئی عیب کی بات ہے اور نہ تعجب کی، کیونکہ یہ اس کا موضوع ہی نہیں ہے، اسی طرح اگر ماضی یا مستقبل کا کوئی واقعہ قرآن مجید میں نہ ملے تو یہ بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ تاریخ کی کتاب نہیں، بلکہ اس میں جستہ جستہ واقعات عبرت اور موعظت کے لیے بیان کئے گئے ہیں (علوم القرآن ۳۹۱)

## ﴿برصغیر پاک و ہند میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر﴾

برصغیر میں قرآنِ کریم کی تفسیر "البحر المواج" کے نام سے آٹھویں صدی ہجری کے عالم علامہ شمس الدین دولت آبادی نے لکھی، یہ شیخ قاضی عبد المقتدر الشریحی الکندی کے تلامذہ میں سے تھے۔

نویں صدی ہجری کے عالم شیخ علی بن احمد المہائمی المتوفی ۸۳۵ھ نے عربی میں " **تبصیر الرحمن** " کے نام سے چار جلدوں میں تفسیر لکھی جو مصر میں طبع ہوئی مہائم بمبئی کے قریب ساحل دریا پر ایک شہر کا نام ہے، مہائمی اسی شہر کی طرف نسبت ہے۔

سلطنتِ مغلیہ کے فرماں روا سلطان ہند محمد اکبر المتوفی ۱۰۱۴ھ کے دور میں اکبر کے دربار کے عالم ابوالفیض فیضی نے بھی "سواطع الالہام" کے نام سے غیر منقوط تفسیر لکھی، اگر چہ یہ تفسیر غیر منقوط ہے اور اس لحاظ سے مصنف کی محنت اور کاوش قابل داد ہے، لیکن اس میں فیضی نے بہت تکلف سے کام لیا، مہمل الفاظ کے استعمال کی وجہ سے یہ سارا عمل "مہمل" بن گیا۔ حضرت علامہ بنوری قدس سرہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے صحیح فرمایا: **وھو فسر القرآن کله بالحروف المھملة وتکلف فی ھذہ الصنعة حتّٰی اصبح مھملاً**۔ (یتیمۃ البیان ص ۴۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ کے تلمیذ رشید بیہقیِ وقت مفسر، محدث، فقیہ، صوفی وقاضی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ نے عربی میں ''تفسیر مظہری'' کے نام سے دس جلدوں میں تفسیر تحریر فرمائی۔

جناب نواب صدیق حسن خان مرحوم (متوفی ۱۳۰۷ھ) والی ریاست بھوپال کی ''تفسیر فتح البیان'' بھی اپنے دور کی مشہور تفسیروں میں شمار کی جاتی ہے۔

جناب مولانا فخر الدین علی بن حسین واعظ کاشفی المتوفی ۹۳۹ھ نے فارسی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی جو ''تفسیر حسینی'' کے نام سے مشہور ہے۔ان کے فارسی ترجمہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔قرآن کریم کا فارسی ترجمہ ملا واعظ حسین کاشفی رحمہ اللہ نے کیا، ان سے قبل ایک فارسی ترجمہ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ المتوفی ۶۹۱ھ کی طرف بھی منسوب ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے گیارہویں صدی ہجری میں ''فتح المنان'' کے نام سے فارسی میں ترجمہ فرمایا جس سے دیگر علماء حضرات کے لیے دوسری زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ کی راہ کھل گئی اور آپ کے بعد آپ کے جانشین مسند الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ نے فارسی زبان میں ''فتح العزیز'' کے نام سے تفسیر لکھی، اس کی پہلی جلد: **وأن تصوموا خیر لکم** تک ہے جبکہ آخری دو جلدیں سورۃ الملک سے والناس تک پر مشتمل ہیں۔

ہندوستان میں قدیم ترین اردو ترجمہ شاہان دہلی حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ) اور حضرت شاہ عبد القادر (متوفی ۱۲۳۰ھ) کا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ)، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) رحمۃ اللہ علیہما کے تلمیذ رشید دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ العالم المعروف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۹ھ) نے اپنے ترجمہ قرآن مجید کے مقدمہ میں ان ترجموں کا تعارف کراتے ہوئے ذیل کے نہایت جامع الفاظ رقم فرمائے ہیں:

''ہر چند ترجمہ تحت لفظی میں بعض خاص فائدے ہیں، مگر ترجمہ سے جو اصل فائدہ اور بڑی غرض یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو قرآن شریف کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ یہ غرض جس قدر بامحاورہ ترجمہ سے حاصل ہو سکتی ہے تحت لفظی ترجمہ سے کسی طرح ممکن نہیں، چنانچہ شاہ عبد القادر جو بامحاورہ ترجمہ کے بانی اور امام ہیں انہوں نے بامحاورہ ترجمہ کو اختیار فرمانے کی یہی وجہ بیان کی ہے، اور یہی وجہ ہے جو اسلاف ممدوحین کے بعد اس زمانہ میں جس نے اس میدان میں قدم رکھا اس نے جناب شاہ صاحب ممدوح کا اتباع کیا اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کو اختیار کیا۔ جس پر کسی کا یہ شعر یاد آتا ہے۔ شعر

ہر مرغ کہ پر زد بہ تمنائے اسیری　　　اول بشگوں کرد طوافِ قفسِ ما

اور یہ امر بھی خوب معلوم ہو گیا کہ جیسے حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کمال ہے کہ تحت لفظی ترجمہ کا التزام کر کے ایک ضروری حد تک سہولت اور مطلب خیزی کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا ایسے ہی حضرت مولانا عبد القادر رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کمال ہے کہ بامحاورہ ترجمہ کا پورا پابند ہو کر پھر نظم ترتیب کلمات قرآنی اور معانی لغویہ کو اس حد تک نباہا ہے کہ زیادہ کہتے ہوئے تو ڈرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ہم جیسوں کا ہرگز کام نہیں۔ اگر ہم ان کے کلام کی خوبیوں کو اور ان اغراض واشارات کو، جو ان کے سیدھے سیدھے مختصر الفاظ ہیں سمجھ جائیں تو ہم جیسوں کے فخر کے لیے یہ امر بھی کافی ہے''۔ (ص ۱، ۲)(۱)

والد ماجد حضرت فقیہ العصر مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

حضرت شیخ الہند نے تو حضرت شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمہ کی خدمت کو اپنے ذمہ لیا اور حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ میں جو بعض الفاظ ومحاورات متروک ہو گئے تھے یا بعض مواقع میں ترجمہ کے الفاظ مختصر تھے، حضرت شیخ نے غور واحتیاط کے ساتھ ان الفاظ متروکہ کی جگہ الفاظ مستعملہ کو اختیار کیا اور اختصار واجمال کے موقعوں میں کوئی مختصر لفظ زائد کر کے اجمال کی تفصیل فرما دی۔ اس خدمت کے بعد حضرت شاہ صاحب دہلوی کا یہ ترجمہ قرآن اور صدقہ فاضلہ مسلمانان ہند اور اردو دان عوام کے لیے قابل استفادہ ہو گیا اور اس ترجمہ کے فوائدِ مخصوصہ سے فیض یاب ہونا آسان ہو گیا۔

---

۱) حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے محاسن اور خوبیوں کی تفصیل کے لیے کتاب ''محاسن موضح قرآن'' مؤلفہ حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی کا مطالعہ کیا جائے۔ اپنے موضوع پر بڑی مفصل اور جامع کتاب ہے۔ عبد القدوس ترمذی

## حاشیہ شیخ الاسلام:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمہ کی اس عظیم خدمت کے بعد فوائد قرآن حاشیہ پر لکھنے شروع فرمائے تھے، سورۂ نساء تک لکھے تھے کہ حضرت شیخ کی وفات ہوگئی، بعد میں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے ان کی تکمیل فرمائی یہ فوائد حضرت علامہ کا ادبی شاہکار ہے ان میں بڑی مشکل مباحث کو عام زبان میں نہایت آسان کر کے بیان کر دیا گیا، بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد دریا کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے، نہایت ہی قابل قدر اور لائق اعتناء ہیں۔

## تفسیر بیان القرآن:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں بعض آزاد پسند لوگوں نے جو ترجمے کیے تھے ان کے بالمقابل علماءِ متدینین کے تراجم مقبولہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضرت شیخ الہند تحریر فرماتے ہیں:

''اس کے علاوہ علماءِ متدینین زمانہ حال کے متعدد تراجم یکے بعد دیگرے بحمد اللہ شائع ہو چکے ہیں جو لوگوں کو مذکورہ بالا خرابیوں سے بچانے کے لیے کافی ووافی وشافی ہیں۔ چنانچہ بندہ کے احباب میں بھی اول مولوی عاشق الٰہی صاحب سلمہ ساکن میرٹھ نے ترجمہ کیا اس کے بعد مولانا اشرف علی سلمہ نے ترجمہ کیا، احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا ہے جو ان خرابیوں سے پاک صاف اور عمدہ ترجمے ہیں''۔ (مقدمہ ص ۱)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا ترجمہ اور آپ کی تفسیر ''بیان القرآن'' فہم مطالب قرآن کے لیے کافی اور شکوک وشبہات کے ازالہ کے لیے وافی ہے، زمانہ حال کی تفسیروں میں اس کو امتیازی اور خصوصی مقام حاصل ہے اس کا حکیمانہ اسلوب بیان اور محققانہ طرزِ استدلال انوکھا اور نرالا ہے اس لیے عوام سے زیادہ یہ تفسیر علماءِ کرام اور طلباءِ علوم عربیہ کے لیے کارآمد اور مفید ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ علوم متداولہ آلیہ اور معقولات کی اصطلاحات سے واقفیت کے بغیر اس تفسیر سے پوری طرح استفادہ نہیں کیا جاسکتا، علوم آلیہ علم معقول میں مہارت کے بعد ہی اس تفسیر کے مطالب سے کما حقہ استفادہ ہوسکتا ہے۔

تفسیر بیان القرآن کے بارہ میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''مولانا انور شاہ صاحب نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اردو میں یہ تفسیر عوام کے لیے ہوگی، مگر یہ تو علماء کے دیکھنے کے قابل ہے''۔ (معارف ماہ صفر ۶۳ ھ)

اس ترجمہ کی خصوصیات کا تعارف کراتے ہوئے علامہ موصوف رقم طراز ہیں:

''قرآن پاک کا سلیس وبامحاورہ اردو ترجمہ جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی جس سے حقیر کی نظر میں بڑے بڑے تراجم خالی ہیں، قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے اس لیے تمام اردو خوانوں کے فہم سے باہر ہے، مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے اس ترجمہ میں دونوں خوبیاں یکجا ہیں۔ یعنی ترجمہ صحیح اور زبان فصیح ہے۔ اس ترجمہ میں ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے اس زمانہ میں کم فہمی یا ترجموں کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں ان کا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی اس ترجمہ کے پڑھنے سے پیش نہ آئیں اور پھر قرآن پاک کے لفظوں سے عدول بھی ہونے نہ پائے اس لیے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین میں ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہیں۔ یہ مولانا تھانوی کی عظیم الشان خدمت ہے''۔

پھر تفسیر کا تعارف اور اس کی خصوصیات کا تذکرہ نہایت جامعیت کے ساتھ حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''اس تفسیر کی حسب ذیل خصوصیتیں ہیں۔ سلیس وبامحاورہ حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ ''ف'' کے اشارہ سے آیت کی تفسیر، تفسیر میں روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے۔ فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔ لغات اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق فرمائی گئی ہے۔ شبہات وشکوک کا ازالہ کیا گیا ہے۔ صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کیے گئے ہیں۔ تمام کتب تفسیر کو سامنے رکھ کر ان میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے۔ حواشی کے ذیل میں اہل علم کے لیے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات حل کیے گئے ہیں۔ یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقۃً مفید ہے کہ تیرھویں (۱) صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے، اس لیے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور مختلف تحقیقات اس میں یکجا مل جاتی ہیں''۔ (معارف مذکور ص ۹۱) [حاشیہ ۱۔ صحیح چودھویں صدی معلوم ہوتا ہے۔ ش]

البتہ یہ ضرور ہے کہ تفسیر ''بیان القرآن'' کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ایسے حضرات اہل علم کو ہی ہوسکتا ہے جنہوں نے مطالب قرآنی کے سمجھنے اور سمجھانے اور درس وتدریس میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ صرف کیا ہو اور تفسیر قرآن سے متعلق علوم کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا ان کو اتفاق ہوا ہو، ایسے ہی حضرات پر اس تفسیر کی صحیح عظمت و وقعت اور قدر و منزلت کا انکشاف ہوتا ہے اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس شان اور اس پایہ کی تفسیر کا وجود اہل علم کے لیے بڑی نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہے، سرسری نظر کے ساتھ مطالعہ کرنے اور علومِ متعلقہ تفسیر سے مہارت وواقفیت حاصل کیے بغیر عام طور پر اس تفسیر کے محاسن اور دقائق عیاں اور ظاہر نہیں ہوتے (۱)

## تفسیر ''معارف القرآن'' کا تعارف:

[مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں کہ] تفسیر ''بیان القرآن'' کے دقیق وعمیق مطالب تک رسائی چونکہ ہر شخص کے لیے مشکل تھی اس لیے کئی مرتبہ اس حقیر [یعنی مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ] کے دل میں خیال آیا کہ کوئی صاحب علم وفہم اور ماہر علوم قرآن وسنت اس کے مشکل و مغلق مقامات کی تشریح وتفسیر کر کے ان کو حل کر دے تا کہ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا یہ علمی فیض ہر خاص وعام تک بآسانی پہنچ سکے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بابرکت خدمت ہمارے مرشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے حصہ میں لکھی تھی، حضرت مفتی صاحب موصوف نے ''بیان القرآن'' کی مشکلات اور مغلقات کو حل کرنے میں بہت محنت برداشت فرمائی اور ''معارف القرآن'' میں اس تفسیر کے مشکل مقامات کو بہت آسان زبان اور دلپذیر پیرایہ بیان میں منتقل فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کی اس تفسیری خدمت کو بڑا ہی قبول عام عطا فرمایا ہر طبقہ کے مسلمانوں نے اس سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جب کوئی ایڈیشن طبع ہوتا ہے ہاتھوں ہاتھ نکل جاتا ہے اس کے طرز بیان اور سلاست زبان کے سامنے بڑے بڑے زبان دانوں اور مشہور ومعروف طرز نگاروں کو عاجز ہوتے دیکھا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ''معارف'' کے عنوان کے تحت مسائل حاضرہ پر سیر حاصل تحقیقات کا نہایت گرانقدر اضافہ فرما دیا گیا ہے کہ بعض موضوعات پر تو بڑا تفصیلی مقالہ مرتب ہو گیا، ایسے کئی مقالات ''معارف القرآن'' کی زینت ہیں۔

اس تفسیر معارف القرآن کے محاسن اور فوائد کا تعارف ''البلاغ'' کے مفتی اعظم نمبر میں بڑی تفصیل سے کرایا گیا ہے۔ برادرم مولانا محمد سلیم اللہ خان صاحب کے مضمون ''مفتی اعظم اور ان کی تفسیر'' میں بھی بہت عمدہ طریقہ سے تعارف کرایا گیا ہے اور اس ناچیز [یعنی مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ] کے مضمون ''حضرت مفتی اعظم کی تفسیری خدمات'' میں بھی اس تفسیر کے بعض خصوصی مضامین کا تعارف کرایا گیا ہے۔

اس زمانہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ تفسیر بڑی قابل قدر اور نہایت اہم اور مفید مضامین پر مشتمل ہے پھر زبان نہایت صاف، شستہ اور اسلوب بیان دلنشیں اور بہت عمدہ ہے۔ اس زمانہ میں لکھے پڑھے طبقہ کے لیے اس تفسیر میں بے حد جاذبیت ہے اور ان کی رہنمائی کا سامان بھی اس میں کافی وافی موجود ہے۔ اس تفسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے کسی دوسری تفسیر کے مطالعہ کی ضرورت اس طبقہ کے لیے باقی نہیں رہتی۔

## ''تلخیص البیان'':

''بیان القرآن'' کا خلاصہ ''تلخیص البیان'' کے نام سے حضرت مرشدی مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۳۴۹ھ میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے کیا تھا۔ مادہ تاریخ اختتام حضرت مولانا مرحوم نے اس بیت سے نکالا تھا۔

طلبت له التاريخ من عند هاتف

فنادى "لتلخيصُ البيان" عجيب

اور یہ خلاصہ حمائل کے حاشیہ پر اشرف المطابع تھانہ بھون میں شائع بھی ہوا تھا، مگر طباعت میں روشنائی درست نہ لگنے کی وجہ سے بعض جگہ نا قابل استفادہ

---

۱) ''بیان القرآن'' کے متعلق تفصیل کے لیے حضرت والد صاحب قدس سرہ کا مقالہ آپ کی کتاب ''اشرف المعارف'' میں قابل ملاحظہ ہے۔ عبدالقدوس ترمذی

ہوگیا تھا۔ حضرت مولانا قدس سرہ کا اشتیاق تھا کہ دوبارہ یہ خلاصہ اچھے قابل استفادہ طریقہ پرشائع ہوجائے، اللہ تعالیٰ نے ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۴۳۷ گارڈن ایسٹ کراچی ۵ پاکستان کو توفیق وہمت عطافرمائی کہ اس نے حضرت مولانا مرحوم کی یہ عظیم تفسیری خدمت بہت عمدہ کاغذ پر خوشخط جلی قلم میں قرآن کریم کے حاشیہ پرطبع کراکر عام کردی۔ **جزاھم اللّٰہ خیرًا و نفعنابہ و ایاھم۔**

## حاشیہ تبیان:

حضرت مولانا سعید احمد تھانوی مرحوم (برادر حضرت مولانا ظفراحمد تھانوی مرحوم) نے ''بیان القرآن'' کا حاشیہ اردو لکھنا شروع کیا تھا مگر مکمل نہ ہوسکا جتنا لکھا ہے وہ خوب ہے، ''بیان القرآن'' کے حاشیہ پر''تبیان'' کے حوالہ سے جو عبارت ہے یہ حاشیہ حضرت مولانا سعید احمد مرحوم کا ہی ہے۔

## تتمۃ البیان:

مکمل بیان القرآن پرنظر ثانی کے بعد بعض مضامین کا اضافہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا، ترجمہ میں اصلاحات وتشریحات فرمائیں، ان کو اس عاجز نے بعض افاضل (۱) کے مجموعہ سے ترتیب دیا ہے۔ مکتبۃ الحسن عبدالکریم روڈ قلعہ گوجرسنگھ لاہور نے جو''بیان القرآن'' تین جلدوں میں شائع کیا اس کے آخر میں اس''تتمۃ البیان'' کو لگادیا گیا ہے۔(۲)

## سبق الغایات فی نسق الآیات:

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اگرچہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں قرآن مجید کے اول سے آخر تک ہر سورت اور ہر آیت کا ربط ماقبل کے ساتھ نہایت سہل اور قریب تقریر میں بالالتزام بیان فرمایا ہے، مگر ربط آیات قرآنیہ میں ایک مستقل رسالہ بنام''**سبق الغایات فی نسق الآیات**'' بھی ارقام فرمایا ہے اس کو غور سے ملاحظہ کرنا بھی ربط آیات قرآنیہ میں ذوق پیدا کرنے کے لیے بہت مفید ہے۔

## اہل علم کے لیے مشورہ:

طلباء اور ترجمہ قرآن مجید کی تعلیم یا درس وتدریس میں مشغول علماء کرام کی خدمت میں احقر کا مشورہ ہے کہ اگر وہ تفسیر''بیان القرآن'' اور ترجمہ وحاشیہ حضرت شیخ الاسلام کو بالالتزام اپنے مطالعہ میں رکھیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ مطالبِ قرآنیہ کے حل کے لیے کسی اور تفسیر کی ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ مسائل حاضرہ کی مزید تحقیق اور تفاصیل کے لیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر''معارف القرآن'' کا مطالعہ از بس ضروری اور حد درجہ مفید ہے۔ اسی طرح ''معارف القرآن'' کا مطالعہ انگریزی دانوں اور جدید تعلیم یافتوں کے لیے بہت مفید ہے۔ آسان زبان میں قرآن کریم کے مفہوم ومطلب کو سمجھنے کے ساتھ نئے نئے مسائل کی تحقیقات سے بھی وہ واقف ہوں گے اور ان کے لیے ان کے شبہات جدیدہ کا ازالہ اور حل بھی اس میں موجود ہے اور اس کا اسلوبِ بیان اور طرزِ ادا بھی نہایت سلیس اور عام فہم نئے مذاق کے لوگوں کے لیے بھی دل پسند اور لائق قبول ہے۔ ان سب محاسن کے ساتھ سلف صالحین کے اتباع کا التزام ہر جگہ کیا گیا ہے، پوری تفسیر میں کسی جگہ بھی سلف صالحین کی اتباع سے انحراف نہیں ہو پایا۔

## زمانہ حال کے بعض جدید تراجم اور نئی تفسیریں:

برخلاف زمانہ حال کے بعض جدید تراجم اور نئی تفسیروں کے کہ ان کے تراجم اور تفسیروں میں سلف صالحین کی موافقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا، پھر چونکہ نئے تعلیم یافتہ

---

۱) اس سے مراد مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم کی کتاب''حکیم الامت نقوش وتأثرات'' ہے۔ عبدالقدوس

۲) افسوس کہ اس طباعت کی تیسری جلد سے متعلقہ حصہ''تتمۃ البیان'' شائع ہونے سے رہ گیا ہے، امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں مکمل شائع ہوگا۔ **واللّٰہ الموفق۔** عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

لوگوں کو ان کی انشاء پردازی اور طرزِ نگارش سے محبت وانس ہوتا ہے اور قرآن کریم کے صحیح مفاہیم اور مطالب سے وہ نا آشنا ہوتے ہیں اس لیے وہ اسی بات کو درست اور منشاء قرآنِ کریم کے موافق سمجھ لیتے ہیں جو ان کو الفاظ کی بندش اور سحر نگاری سے بتلایا گیا ہے، چنانچہ ایسے بعض تراجم پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی اصلاحات وتنبیہات شائع ہو چکی ہیں۔

## ترجمہ نذیریہ اور ترجمہ مرزا حیرت:

مثلاً ڈپٹی نذیر احمد صاحب اور مرزا حیرت کے ترجموں پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصلاحات وتنبیہات تحریر فرمائیں اور ''اصلاح ترجمہ دہلویہ'' اور ''اصلاح ترجمہ مرزا حیرت'' کے نام سے مستقل رسائل کی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اس زمانہ میں ایک قرآن شریف کا ترجمہ طبع ہوا ہے، اس میں وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ [البقرۃ:۱۸۴] کی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ جو شخص روزہ نہ رکھے وہ فدیہ دیدے، اس سے لوگوں کو جرأت بڑھ گئی اور بجائے روزہ کے فدیہ کو کافی سمجھ لیا۔ یاد رکھو کہ یہ تفسیر اس آیت کی بالکل غلط ہے''۔

سورۂ یوسف میں ہے: وَذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ ''استباق'' کا ترجمہ ان مترجم صاحب نے ''کبڈی کھیلنا'' کیا ہے۔ یہ ترجمہ نقلاً بھی بالکل غلط ہے اور عقلاً بھی، نقلاً تو اس لیے کہ لغۃً ''استباق'' کے معنیٰ ہیں آپس میں اس طرح دوڑنا کہ دیکھیں کون آگے نکلے اور عقلاً اس لیے کہ کبڈی کھیلنے میں اتنی دور نہیں جایا کرتے کہ جس سے محافظ بچہ کی نسبت بھڑیے کے کھا جانے کا احتمال ہو، اگر ایسا ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام ضرور جرح فرماتے''۔ (وعظ الصوم ص ۱۷، ۱۸)

''اسی طرح روزہ کے بارہ میں اس قدر گڑبڑ کی ہے کہ جس کی حد نہیں، اور آیت کی تفسیر بالکل اپنی رائے سے خلاف مقصود کی ہے۔ یُطِیْقُوْنَ کا ترجمہ اثبات کا کیا اور نسخ سے انکار کر دیا حالانکہ یہ آیت معنیٰ اثبات پر منسوخ ہے اور عدم نسخ کی تقدیر پر معنیٔ نفی پر محمول ہے تو ایک توجیہ پر تو اصول کے جاننے کی ضرورت ہے اور دوسری توجیہ پر عربیت کے جاننے کی ضرورت ہے''(ضرورۃ العمل فی الدین ص ۱۶)

## تفسیر القرآن:

سرسید کی ''تفسیر القرآن'' میں بکثرت خلافِ تعلیمات اسلام عقائد مذکور ہیں اور جگہ جگہ اجماع اہل اسلام کے خلاف مضامین درج ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تفسیر کے عقائد زائغہ کو بزبان فارسی ایک جدول میں جمع فرمایا تھا، جدول امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۲۲۵ تا ص ۲۸۷ پر افادۂ عوام کے لیے شائع ہو چکا ہے۔ ان عقائدِ باطلہ کی وجہ بطلان بتلانے کے لیے اس جدول میں ایک خانہ بھی ہے جس میں وجہ بطلان کا ذکر کر دیا گیا ہے، یا نشان مقام کتاب ''البرھان'' کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔

## کتاب ''البرھان'':

بزبان اردو تین جلدوں میں سرسید کی ''تفسیر القرآن'' کی ایک جلد کا بے نظیر جواب ہے جس کی جلد اول انجمن اسلامیہ گلزار ابراہیم مراد آباد اور جلد ثانی اور ثالث گلزار احمدی مراد آباد کے زیر اہتمام طبع ہوئیں۔ یہ حضرت مولانا محمد علی صاحب بچھرایونی کے قلم حقیقت رقم کا شاہکار ہے اس کی مکمل فہرست مضامین حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مذکورہ جدول کے بعد امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۲۸۸ تا ص ۳۲۴ پر شائع فرمادی ہے۔ اس فہرست مضامین سے سرسید کی ''تفسیر القرآن'' کے عقائدِ زائغہ اور اوہام باطلہ کا کافی حد تک علم حاصل ہو سکتا ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ ان تفاسیر اور تراجم کے تذکرہ کے بعد جو اہل حق کے مسلک کے مطابق ہیں فرماتے ہیں:

''اس کے علاوہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مرزا حیرت، محمد علی قادیانی لاہوری کے تراجم مخدوش اور بڑے مشتبہ ہیں، اہل سنت والجماعت کے بنیادی عقائد سے انحراف اور اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کا صحیح الزام ان پر ہے اور رہے گا۔ بعض مفسرین مثلاً سرسید احمد خان اور حکیم احمد حسن امروہی نے صریحاً قرآنی مضامین میں تحریف سے کام لیا ہے قرآنی مراد ومنشا کو اپنے محمل سے ہٹانے کی کوششیں ان کی طرف سے بے حد افسوس ناک ہیں''۔

## سرسید احمد خان کی تفسیر کے بارہ میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی رائے:

حضرت مولانا سید یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''انہوں نے بڑی جسارت کے ساتھ (ملائکہ) کے وجود کا انکار کیا، اور کہا کہ انسان ہی کی ملکی قوتوں اور خیر کی صلاحیتوں کا نام شریعت میں ''ملک'' ہے۔ اسی طرح شیطان کے وجود کو بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ فطرت انسانی کی کمزوریوں اور اس کی شر آمیز جدوجہد کی تعبیر قرآن ''شیطان'' سے کرتا ہے.... اور معاد میں وہ صرف روحانی کے قائل ہیں، فلاسفہ کی طرح آسمانوں کے وجود، روح، نبوت کی حقیقت پر انہوں نے اسلامی نقطہ نظر سے بہت دور ہٹ کر گفتگو کی ہے، حد تو یہ ہے کہ نبوت کو وہبی نہیں بلکہ کسبی کہتے ہیں۔ نبوت کی صفات میں تاویلات کرتے ہوئے نبی اور مصلح کے باہمی فرق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے خوارق کے منکر ہیں اور تمام ہی ضروریاتِ دین میں رکیک تاویلات کے قائل ہیں..... بہرحال ان کی تفسیر تاویلات وتحریفات سے پر ہے، قدم قدم پر ان کی ذہنی مرعوبیت اور یورپ کی عقل پرستی کی اندھادھند تقلید ان کے مضامین میں نمایاں ہے۔ غالباً مولانا عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر ''حقانی'' سرسید احمد مرحوم ہی کے جواب میں لکھی گئی، اس لیے کہ ''حقانی'' میں رکیک تاویلات وتحریفات کے شافی جوابات موجود ہیں'' (ص ۴۴ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جون ۱۹۵۷ء)

## تفسیر ''ترجمان القرآن'':

یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی مرقومہ ترجمہ وتفسیر ہے۔ اس میں بھی بہت سے مضامین اہل حق کی تحقیقات کے خلاف درج ہوگئے ہیں اور جب اس تفسیر کی پہلی جلد سورۂ انعام تک شائع ہوئی تھی اسی وقت سے اس پر تبصرہ اور تنقید کا حق علماء حق نے ادا کرنا شروع کر دیا تھا، چنانچہ فتاویٰ امدادیہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ جلد ۴ میں توحید الحق کے نام سے ایک مفصل مضمون از ص ۶۵۶ تا ص ۶۷۹ شامل ہے۔ جس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے نظریۂ وحدتِ ادیان پر قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں بھرپور تنقید کی گئی ہے اور اس کے ضمیمہ از ص ۶۷۹ تا ص ۶۸۴ میں اس تفسیر کے بعض مقامات کی نشاندہی کے ساتھ کلام کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی (اہل حدیث) نے اپنی تفسیر سورۂ فاتحہ ''واضح البیان میں'' تفسیر ''ترجمان القرآن'' کے اس نظریہ پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ نیز ''مشکلات القرآن'' کے مقدمہ ''یتیمۃ البیان'' بزبان عربی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تفسیر ''ترجمان القرآن'' کے خلافِ حق تفردات پر بہت صاف صاف لکھا ہے۔ پھر اس کا ترجمہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں بھی شائع ہو چکا ہے جس کو ہم اس مقدمہ کے بعد بعینہٖ درج کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی سابق ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند مرحوم نے اپنی کتاب ''قصص القرآن'' میں جو خدمت انجام دی ہے وہ بہت ہی قابل قدر اور لائق شکر ہے مولانا مرحوم نے اس تفسیر ''ترجمان القرآن'' کے ایسے مقامات پر بڑے بسط وشرح کے ساتھ بحث کی ہے، جن میں مولانا آزاد کا قدم جادۂ اعتدال سے ڈگمگا گیا تھا اور ان کا راہوارِ قلم حق وتحقیق کے خلاف راہ پر گامزن ہو گیا تھا۔ مولانا احمد رضا صاحب بجنوری شارح بخاری نے اپنی شرح بخاری ''انوار الباری'' میں بھی جا بجا اس تفسیر پر کلام کیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عدم نزول کا تھا کیونکہ ان کے نزدیک جن امور پر نجات موقوف ہے ان کا ذکر قرآن کریم میں صراحۃً ہونا ضروری ہے، چنانچہ حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

**وقد شاع له مكتوب في بعض جرائد الاردوية وصدع فيه بان الامور التي عليها مدار النجاة لابد أن يصرح بها القرآن كصراحة وأقيموا الصلوٰة، بل أصرح منه ولابد أن يامر بأن يصدق به فكلما جاء في القرآن أمر في غير الامور التي عليها مناط النجاة ولم يكن منتظمًا في سلك العقائد فلايلزم المرء قبوله واعتقاده قال ومن اعتقادي انه لاينزل المسيح ابن مريم عليه السلام فكتبت اليه في ذلك كيف نعتقد ذلك وقد صح في نزوله أحاديث وتواترت فما قولك فيها؟ فأجاب ذكر نزوله في سلسلة أشراط الساعة وليس مما يدخل في العقيدة. (يتيمة البيان ص ٦٥)**

حضرت بنوری رحمہ اللہ کی اس عبارت سے واضح ہے کہ زائغین کا اصول یہ ہے کہ وہ اس وقت تک کسی بھی شرعی حقیقت اور عقیدہ کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جب تک لفظاً اس کی صراحت قرآن کریم میں نہ ہو، حدیثِ متواتر اور امت کے اجماع اور قیاس صحیح سے جو چیز ثابت ہو اسے تسلیم کرنے کے لیے ایسے حضرات تیار نہیں ہیں، اپنے اسی اصول کی بنیاد پر انہوں نے بہت سے حقائق اور اسلامی عقائد کا انکار کر دیا اور امت کو ضلالت وگمراہی کے راستہ پر ڈال دیا، **والی اللہ المشتکیٰ۔**

چونکہ اس طرح کی تمام تنقیدات اور تبصرہ جات مختلف اصحاب قلم کے ذریعہ متفرق طور پر شائع ہوئے ہیں ان سے استفادہ ہر شخص کے لیے مشکل ہے اس لیے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ کوئی صاحب قلم ''ترجمان القرآن'' کے متعلق لکھے گئے ان تمام تحریرات سے استفادہ کر کے ایک مجموعہ مرتب کر دے جس کو دیکھ کر ''ترجمان القرآن'' کی صحیح حیثیت اور تفسیروں میں اس کا مقام معلوم ہو جائے۔ اب رسالہ ''خدام الدین'' لاہور میں اس تفسیر کی تیسری جلد پر تبصرہ نظر سے گزرا۔ ''خدام الدین'' کے اس تبصرہ کو دیکھ کر اس ضرورت کا احساس قوی ہوا۔ اور اس تفسیر کی شرعی حیثیت متعین کرنے کی پہلے سے زیادہ ضرورت واہمیت بڑھ گئی، اس لیے بنام خدا مختصر طریقہ پر اس مجموعہ کی ترتیب شروع کر دی ہے، **واللہ الموفق والمعین۔**

اس مجموعہ کی ترتیب وتالیف میں نہ صرف یہ کہ متذکرہ مضامین اور تنقیدات سے استفادہ کیا جائے گا بلکہ انہی مضامین کا اجمالی خلاصہ ضروری ترمیم واضافہ کے ساتھ نئے طریقہ پر مرتب کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا تاکہ ان کو آسانی کے ساتھ ایک جگہ مرتب شکل میں اس تفسیر کے متعلق ضروری مباحث دستیاب ہو سکیں اور وہ ان سے فائدہ حاصل کر سکیں اس لیے جو شخص بھی ''ترجمان القرآن'' کے مطالعہ کا شوق رکھتا ہو اور اس کے محاسن پر اس کو اطلاع ہو اس کو اس مجموعہ سے رہنمائی حاصل کر کے اس تفسیر کے نقائص ومعائب پر مطلع ہونا بھی ضروری ہے۔

## تفسیر ''تفہیم القرآن''

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' کا حال بھی ''ترجمان القرآن'' سے ہی تقریباً ملتا جلتا ہے اور دونوں تفسیروں کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی مقامات پر ایک دوسرے کے موافق ہیں جبکہ وہ تحقیق علماء سلف کے خلاف ہو جاتی ہے اس پر علماء عصر اپنی آراء کا اظہار کرتے رہے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی اعظم پاکستان نے بھی اپنی مایہ ناز تفسیر ''معارف القرآن'' میں ''تفہیم القرآن'' کے بعض اغلاط پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے اور حق وباطل کو واضح فرما دیا ہے۔ اس لیے ''تفہیم القرآن'' کے مطالعہ کرنے والوں کو تفسیر ''معارف القرآن'' کی طرف رجوع کرنا چاہئے ورنہ سخت خطرہ ہے کہ ناظرین ''تفہیم القرآن'' کے غلط مضامین کو صحیح سمجھ کر غلطی اور گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے اپنے مقدمہ ''یتیمۃ البیان'' میں زمانہ حال کی تفسیروں کے ساتھ ''تفہیم القرآن'' پر بھی تنقید کی ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ اس سلسلہ میں احقر کا مختصر رسالہ (۱) ''ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نظریات پر ایک نظر'' بھی مفید ہوگا۔ اس رسالہ میں تفسیر ''تفہیم القرآن'' کے کئی مقامات پر مختصر طریقہ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ (ماہنامہ الحقانیہ: شعبان، رمضان، شوال ۱۴۳۵ھ)

حضرت والد ماجد قدس سرہ کے مضمون میں جن قابل اصلاح تفاسیر کا ذکر ہے ان کے علاوہ بعض مزید تفاسیر کا ذکر بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔

## الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن:

یہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے تفسیری امالی ہیں جو ان کے شاگرد جناب مولانا موسیٰ جار اللہ نے قلم بند کیے ہیں۔ حضرت مولانا سندھی مرحوم امامِ انقلاب اور حضرت اقدس مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کے شاگرد اور فاضل دیوبند ہیں، استخلاص وطن کے لیے ان کی بڑی خدمات ہیں لیکن روس اور

---

۱) عرصہ ہوا یہ رسالہ الگ شائع ہوا تھا۔ تین سال قبل مجلہ ''الحقانیہ'' بابت ربیع الاول ۱۴۳۲ھ تا جمادی الاول ۱۴۳۲ھ تین قسطوں میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ عنقریب ان شاء اللہ الگ شائع کیا جائے گا۔ عبدالقدوس

ماسکو جانے کے بعدان کے نظریات میں تبدیلی اور ایسا انقلاب آیا کہ ان کے بعض افکار ونظریات جمہور سے متصادم ہوگئے (۱) اسی لیے اس دور کے حضرات علماء کرام نے ان کے ایسے افکار ونظریات کی بروقت تردید فرمائی جس کی تفصیل کتاب ''مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار کا تحقیقی جائزہ'' مؤلفہ جناب مولانا مفتی محمد رضوان صاحب زیدمجدہم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ان سے منسوب تفسیر ''الہام الرحمٰن'' میں سیدنا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے رفع جسمانی اورنزول کے مسئلہ سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ نہایت خطرناک ہے(۲)، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سے متعلق لکھتے ہیں:

''بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ ، یہ کلمہ قرآن میں ایک بار استعمال نہیں ہوا بلکہ اس کلمہ کی بہت سی مثالیں اور نظائر ہیں جسے اجتماعیت میں مقام عالی حاصل ہو تو قرآن اسے رفع کے ساتھ موصوف کرتا ہے، ہمارا ایمان ہے کہ اللہ نے مسیح کا درجہ بلند کیا......... یقیناً اللہ نے اس کا مقام بلند کیا (یہی رفع کا معنی ہے) نیز ہمیں یہ ضرورت نہیں کہ قرآن کی تفسیر میں رفع جسمانی کے قائل ہوں، متکلمین ہماری مخالف کرتے ہیں تو یہ اختلاف آج کا نہیں بلکہ شروع سے اسلام میں چلا آرہا ہے'' (ص ۳۹۶)

حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول من السماء، ان کے نزدیک یہ حکم قرآن نہیں ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''ہم یہ مانتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مسیح نازل ہوں گے مگر اس مسئلہ کو قرآن سے کوئی تعلق نہیں الخ۔ (ص ا ''تتمۂ'' الہام الرحمٰن)

## بلغۃ الحیران:

تفسیر ''بلغۃ الحیران'' کے متعلق اگرچہ مشہور ہے کہ وہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ رشید حضرت گنگوہی قدس سرہ کی تفسیر ہے مگر حقیقت حال یہ ہے کہ ''بلغۃ الحیران'' حضرت مولانا مرحوم کے اپنے قلم سے تحریر کردہ ان کی تصنیف نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کا ترجمہ پڑھاتے ہوئے حضرت مولانا مرحوم نے جو تقاریر فرمائی تھیں ان کو مولانا محمد نذر شاہ صاحب عباسی اور مولانا غلام اللہ صاحب مرحوم نے قلم بند کرلیا تھا، انہی کی املائی تقریر کے مجموعہ کا نام ''بلغۃ الحیران'' ہے۔ اس میں مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم نے بعض بعض مقامات پر اپنی تقریریں بھی لکھ دی ہیں، چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے نام مولانا محمد نذر شاہ عباسی لکھتے ہیں:

تفسیر ''بلغۃ الحیران'' میری اور غلام اللہ خان کی تصنیف ہے، چنانچہ دیباچہ سے ظاہر ہے مولانا حسین علی صاحب سے ترجمہ پڑھا اور ان کی تقریریں لکھیں اور بعض مقام پر کچھ اپنی تقریر بھی لکھ دی ہے۔ (امدادالفتاویٰ ج ۶ ص ۱۱۹)

مزید یہ کہ ''بلغۃ الحیران'' کے فاضل جامع نے صرف اپنی اور اپنے استاذ کی تقریر لکھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض دوسرے اہل علم کی تحقیقات کو بھی ''بلغۃ الحیران'' میں درج کردیا ہے، اس لیے ''بلغۃ الحیران'' میں جو تفردات اور خلاف جمہور مضامین موجود ہیں ان کی نسبت حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کی

---

۱) حضرت صوفی عبدالحمید سواتی ؒ بعض نظریات میں بعض نظریات میں مولانا سندھیؒ کو متفرد مانتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کچھ نظریات کے نسبت کرنے میں ان کے تلامذہ نے غلطی کی ہے (دیکھئے مولانا سندھی اور ان کے علوم وافکار ص ۱۲)۔ محمد سیف الرحمٰن قاسم۔ (۲) حضرت صوفی صاحبؒ فرماتے ہیں:

مسئلہ حیات ونزول مسیح علیہ السلام امت کے جمیع طبقات کے درمیان ایک مسلمہ مسئلہ ہے اور یہ اعتقادی مسئلہ ہے اس میں تشکیک پیدا کرنا ازحد غلط اور گمراہ کن بات ہے قرآنی آیات میں اور صحیح اور صریح احادیث مبارکہ میں اس کی مکمل تشریح موجود ہے حضرت حکیم الامت امام شاہ ولی اللہؒ اور ان کے پیروکار اور علماء دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے اور مولانا سندھیؒ کا بھی یہی عقیدہ ہے موسیٰ جاراللہ صاحب نے مولانا سندھیؒ کی نسبت سے اس مسئلہ میں جو تشکیک نقل کی ہے بالکل غلط ہے۔ (ایضاً ص ۴۳)

علاوہ ازیں مرزائیوں کا پورا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اجل کے ساتھ فوت ہوچکے ہیں اور نزول کی متواتر احادیث میں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اس سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ نہ قرآن سے ثابت نہ احادیث نبویہ سے نہ کسی مسلمان عالم سے۔ الغرض مرزائی مرزا قادیانی کو مسیح کہیں یا نبی کہیں مرزا کے کہنے سے ہی مانتے ہیں قرآن وحدیث سے یا علماء اسلام سے تو ان کے پاس کچھ نہیں۔ مزید تفصیلات کیلئے الکلام الفصیح اور حق الیقین کو دیکھیں۔ محمد سیف الرحمٰن قاسم۔

طرف کرنا محل نظر ہے اس میں بعض ایسی خطرناک عبارات موجود ہیں جن کی بنیاد پر حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اس کتاب کو اپنی مِلک میں رکھنے کو بھی گوارا نہیں فرمایا تھا۔(امداد الفتاویٰ ج۶ص۱۲۲)

حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے پہلے اپنی کتاب "یتیمۃ البیان" میں اس کو اہل حق کی تفسیر میں شمار فرمایا لیکن جب بعد میں انہیں اصل صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے "یتیمۃ البیان" کے نئے ایڈیشن میں اس کے کئی مقامات کو اہل حق کے خلاف قرار دیتے ہوئے اس پر نظر ثانی کے لیے حکم فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

**ثم ظهر فيما بعد أنّ اماليه هذه فيها مؤاخذات وانتقادات زل فيها القلم عن الجادة القويمة لاندری هل هی من الضابط أوصاحب الامالی فيستأنف النظرفيها ورأيت فی عدة مواضع مايحتاج الی التنبيه علی التقصيرفی التفسير،فمنهاآية ذبح البقرة ومنها فی قوله فاتوابسورة من مثله وفی قوله لا تقولوا راعنا وفی آية تحويل القبلة وفی قوله فمن يكفر بالطاغوت وفی آية الكرسی وغيرها وسمعت أن بعض الافاضل من أهل العصر قدقام بالرد عليه فافرد فيه تأليفًا والی الله المشتكیٰ.** (یتیمۃ البیان ص۵۴)

یہ ساری تفصیل احقر کے والد ماجد فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "ھدایۃ الحیران فی جواہر القرآن" نیز احقر کی مرتبہ کتاب "توضیح البیان" میں موجود ہے۔

## جواہر القرآن:

"بلغۃ الحیران" کے بارہ میں پہلے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ یہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی طرف منسوب تفسیری افادات ہیں جو مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم نے ضبط کئے، بعد میں انہوں نے افادات کی روشنی میں مستقل تفسیر "جواہر القرآن" کے نام سے لکھی، اس کی پہلی جلد سورۂ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل شائع ہوئی تو اسے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بہت سے مقامات پر حضرت مؤلف نے جمہور کے مسلک کی مخالفت کی ہے اور ان کا قلم جادۂ حق سے ہٹ گیا ہے۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے اس کے سات مقامات پر تفصیلاً اور ۲۵ مقامات پر اجمالاً کلام فرمایا اور اپنی تنقیدی تحریر حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ العزیز کو بھیجی انہوں نے تائید فرمائی اور اس تحریر کو مؤلف "جواہر" جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب کو بھیجنے کا حکم فرمایا تا کہ اگر وہ رجوع کر لیں تو پھر اسے شائع نہ کیا جائے، حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے حسب الحکم یہ تحریر فاضل مؤلف "جواہر" کو بھیجی لیکن انہوں نے نہ اس تحریر کو قبول فرمایا اور نہ ہی جواب لکھا، اس لیے اسے حسب حکم حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ "ھدایۃ الحیران فی جواہر القرآن" کے نام سے شائع کر دیا گیا۔

"ہدایۃ الحیران" پر حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کے علاوہ مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ اور حضرت فقیہ العصر مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ حضرت مولانا مفتی محمد وجیہہ رحمہ اللہ کی تصدیقات بھی شامل ہیں اشاعت کے بعد حضرت مؤلف نے مولانا سجاد احمد بخاری صاحب مرحوم سے اس کا جواب لکھوایا تھا جو "اقامۃ البرہان" کے نام سے شائع ہوا۔ اس جوابی کتاب کے دیکھنے سے واضح ہے کہ حق کی طرف رجوع کی بجائے مؤلف "جواہر" و مؤلف "اقامۃ البرہان" کو خلاف مسلک جمہور اپنے خیالات و آراء کے حق و صحیح ہونے پر اصرار ہے، علاوہ ازیں جوابی کتاب کا انداز بیان بھی نہایت جارحانہ اور اہل حق کے انداز تحریر کے بالکل خلاف ہے۔ احقر نے اس کا اجمالی جواب "توضیح البیان" کے نام سے لکھ دیا ہے جو "ہدایۃ الحیران" کے ساتھ ہی طبع ہو رہا ہے حضرت والد ماجد اور حضرت فقیہ وقت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ نے اس جواب کی تائید فرمائی، **فللہ الحمد**۔

مخدوم العلماء بانی جامعہ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ "ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن" پر اپنی تصدیق میں تحریر فرماتے ہیں:

مؤلف "جواہر القرآن" نے اکثر جگہ فرق ضالہ کی موافقت کی اور جمہور اہل سنت کی مخالفت کی ہے، لہٰذا مؤلف "جواہر القرآن" جب تک اس اعتزال وشذوذِ عقیدہ سے رجوع نہ کریں تب تک کسی شخص کو "جواہر القرآن" کا مطالعہ کرنا جائز نہیں اور جو مطالعہ کر چکے ہیں ان کو کتاب "ہدایۃ الحیران" کو غور سے پڑھنا ضروری ہے، شاید اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے اور وہ صحیح عقائد پر قائم ہو جائیں، **وما ذلک علی اللہ بعزیز** ۔ اور جو جو حضرات اس عقیدے پر قائم ہیں جو "جواہر القرآن"

میں لکھے ہیں ان کے درس میں شریک ہونا ممنوع ہے۔واللّٰہ یھدی السبیل (ہدایۃ الحیر ان فی جواہر القرآن ص ۱۵۳) حضرت رحمہ اللہ کے اس ارشاد گرامی سے ایسی تفاسیر کے مطالعہ اور ایسے حضرات کے درس قرآن میں شرکت کا حکم واضح ہے۔

جناب مولانا حمید الدین صاحب فراہی کی تفسیر اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں بھی بکثرت ایسے مقامات پائے جاتے ہیں جو بلاشبہ واجب الاصلاح ہیں، اس لیے عام طبقہ کے لیے یہ تفاسیر بھی ضرر سے خالی نہیں۔یہی حال جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات اور تفسیری مجموعہ کا بھی ہے، اس لیے اس سے بھی احتراز لازم ہے۔

## ﴿چند مشہور اور مفید تفاسیر﴾

### ۱) تفسیر ابن جریر:

اس تفسیر کا اصل نام ''جامع البیان'' ہے اور یہ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ، المتوفی ۳۱۰ھ کی تالیف ہے، یہ تفسیر تیس جلدوں میں ہے اور بعد کی تفاسیر کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

### ۲) تفسیر ابن کثیر:

یہ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی شافعی رحمہ اللہ، المتوفی ۷۷۴ھ کی تفسیر ہے، ان ہی کی تفسیر چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔دراصل یہ تفسیر ''تفسیر ابن جریر'' سے مستفاد ہے، محدثین کی تحریر کردہ تفاسیر میں روایت اور درایت کے اعتبار سے اس کی نظیر مشکل ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

**لو کان یغنی کتاب عن کتاب لکان ھو تفسیر ابن کثیر فانہ أغنی عن تفسیر ابن جریر** (یتیمۃ البیان ص ۴۲)

### ۳) تفسیر کبیر:

یہ حضرت علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر ہے اس کا اصل نام ''مفاتیح الغیب ہے۔سورۃ الفتح تک کا حصہ انہوں نے خود لکھا ہے، سورۃ الفتح سے آخر تک کا حصہ قاضی شہاب الدین الخولی الدمشقیؒ (متوفی ۶۳۹ھ)، یا شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولیؒ (متوفی ۷۷۷) نے مکمل فرمایا۔ امام العصر علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

**لم أر مشکلا من مشکلات القرآن الا والامام تنبہ لہ وکان یقول ان الامام یغوص فی المشکلات بید أنہ ربما لایظفر بحل بعض المشکلات بحیث تطمئن بہ القلوب وتقتنع بہ النفوس وکان شیخنا یقول ان ماقیل فی حق تفسیرہ "فیہ کل شیء الا التفسیر" کما حکاہ صاحب الاتقان ھو حط عن قدرہ الجلیل ومنزلتہ السامیۃ ولعلہ قول من غلبت علیہ سرد الروایات فقط من غیر ذکر لطائف القرآن وعلومہ** (حوالہ مذکور ص ۴۳)

### ۴) تفسیر قرطبی:

اس کا اصل نام ''الجامع لاحکام القرآن'' ہے۔یہ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح القرطبیؒ (متوفی ۶۷۱ھ) کی تفسیر ہے۔بنیادی طور پر اس کا موضوع احکام کا استنباط ہے لیکن تفسیری نقطہ نظر سے بھی یہ بہترین تفسیر ہے جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

### ۵) احکام القرآن للجصاص:

یہ امام ابوبکر جصاص رازیؒ (متوفی ۳۷۰) کی تفسیر ہے، اس میں آپ نے متعلقہ آیات سے احکام کا استنباط فرمایا ہے، اپنے موضوع پر یہ بہترین اور ممتاز مقام کی حامل تفسیر ہے۔

## ۶) تفسیر مظہری:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمہ اللہ کے خلیفہ خاص اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تلمیذ رشید اپنے دور کے عظیم فقیہ قاضی اور مفسر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) کی تفسیر ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ تفسیر کے ساتھ اس میں احکام و مسائل بھی بیان فرمائے گئے ہیں، اس تفسیر کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

## ۷) روح المعانی:

پورا نام اس کا "روح المعانی فی تفسیر قرآن العظیم والسبع المثانی" ہے۔ تیس جلدوں پر مشتمل یہ عظیم خزانہ ہے، اس میں تفسیر کے ضمن میں علوم آلیہ و عالیہ کا جا بجا تذکرہ پایا جاتا ہے، اس لحاظ سے یہ خاصی جامع تفسیر ہے جسے بغداد کے مشہور علام علامہ محمود آلوسیؒ (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے بڑی عرق ریزی اور محنت سے لکھا ہے، کوئی مفسر اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ علامہ بنوری رحمہ اللہ اس کے بارہ میں فرماتے ہیں:

**وعندی بمنزلة "فتح الباری" لصحیح البخاری فی غزارة المادة ونصاعة التعبیر وبراعة التحبیر غیر انه لما کان فتح الباری شرحا لکلام مخلوق فقضی به الدین الذین کان علی رقاب الامة من شرح الصحیح ووفاه حقه، وکلام الله سبحانه وتعالیٰ أجل من ان یقدم بأعباء حقه أحد من البشر وان استنفدوا فیه القویٰ والقدر.**

## ۸) تفسیر حقانی:

ابو محمد حضرت مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۵ھ نے "فتح المنان فی تفسیر القرآن" کے نام سے آٹھ جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی، اس میں سر سید احمد خان کی تفسیر کا خوب رد ہے، اسی طرح دیگر باطل نظریات کی بھی تردید موجود ہے۔ علامہ حقانیؒ نے قرآن کریم کا ترجمہ اور اس کی صحیح تفسیر و تشریح کے ساتھ ترکیب لکھنے کا بھی اہتمام فرمایا ہے، اپنے موضوع پر زبردست تفسیر ہے۔ "البیان فی علوم القرآن" کے نام سے اس کا مقدمہ بھی بڑا ہی مفید ہے جو مستقل حیثیت کا حامل ہے۔ "تفسیر حقانی" ردِ فرقِ ضالہ میں بعد میں لکھی جانے والی تفاسیر کا ماخذ ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اپنی "تفسیر بیان القرآن" میں بھی اس سے استفادہ کیا ہے، حضرت مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ کو ردِ فرقِ باطلہ اور ان کے ساتھ مناظروں میں بھی بڑی مہارت تھی ان کی تفسیر اور مقدمہ میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے۔

آپ گمتھلہ ضلع کرنال میں ۱۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے بعد میں دہلی منتقل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ احقر کے جد امجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ کے جد امجد حضرت مولانا محمد عبداللہ ترمذی ثم گمتھلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۹۳ھ) سے بھی مفسر حقانی رحمہ اللہ نے استفادہ کیا ہے۔

## ۹) احکام القرآن للعلامۃ التھانوی:

چودہویں صدی ہجری کا یہ عظیم تفسیری شاہکار ہے جو اٹھارہ جلدوں میں بزبان عربی تقریباً چھ ہزار مسائل واحکام پر مشتمل ہے، اس کا موضوع آیات قرآنیہ سے احکام و مسائل کا استنباط ہے۔ حضرت حکیم الامت مجدد ملت محی السنۃ مفسر اعظم مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے قرآن کریم کی منازل سبعہ کے مطابق اس عظیم کام کو درج ذیل تفصیل کے مطابق اپنے احباب واصحاب میں تقسیم فرمایا تاکہ بسہولت اور جلد از جلد اس کام کی تکمیل ہو سکے۔

پہلی دو منزلیں علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمہ اللہ، تیسری اور چوتھی منزل حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ، پانچویں چھٹی منزل حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ساتویں منزل شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کو دیں۔ تمام حضرات نے اپنی مفوضہ منزلیں مکمل فرمادیں لیکن علامہ ظفر احمد عثمانی دوسری منزل تحریر نہ فرما سکے، اسی طرح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی منزل میں اختصار اور بعض آیات سے احکام کا استنباط نہ تھا، اس کام

کی تکمیل کے لیے ہمارے مخدوم ومکرم شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم الاسلامیہ لاہور نے حضرت والدِ گرامی فقیہِ وقت حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ وہ اس کام کی تکمیل کریں۔ چنانچہ انہوں نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے چار سال کی مدت میں چار جلدوں میں منزل ثانی اور دو جلدوں میں ساتویں منزل کا تکملہ تحریر فرمادیا۔

نیز''احکام القرآن'' کی چوتھی منزل بھی حضرت شیخ مولانا مشرف علی تھانوی حفظہ اللہ کی درخواست پر حضرت فقیہ العصر مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ نے ادارہ اشرف التحقیق دارالعلوم الاسلامیہ کے تحت تحریر فرمائی۔ اب اس عظیم تفسیر کی پانچ جلدیں ادارۃ القرآن کراچی اور تیرہ جلدیں ادارہ اشرف التحقیق لاہور سے شائع ہورہی ہیں۔ اپنے موضوع پر یہ لاجواب اور بے نظیر تفسیر ہے اس میں دورِ حاضر کے مسائل اور اکابر علماء حق ومشائخ عصر کی جدید تحقیقات وعلوم سے بھی بحث کی گئی ہے اور بعض مسائل پر مستقل رسالہ تحریر کردیا گیا ہے۔

ادارہ القرآن کراچی کے مطبوعہ حصہ کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے۔''اعلاء السنن'' کے بعد اپنے موضوع پر اتنی جامع تفسیر پہلے شائع نہیں ہوئی، **هذا ما أظن والله أعلم بالصواب۔**

## ۱۰) معارف القرآن للشیخ الکاندھلوی رحمہ اللہ:

آٹھ جلدوں میں یہ تفسیر اردو زبان میں علوم قرآن کی جامع تفسیر ہے۔ سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور وسابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند شارح بخاری ومشکوٰۃ المصابیح عظیم مفسر ومحدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۹۴ھ) نے یہ تفسیر سورۃ رحمٰن تک تحریر فرمائی تھی کہ آپ دنیا سے رحلت فرماگئے، اس کا تکملہ آپ کے جانشین مؤلفِ علوم القرآن ومترجم ہدایہ جامع علوم آلیہ وعالیہ تلمیذ رشید شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور حضرت الاستاذ مولانا محمد مالک کاندھلوی (المتوفی ۱۴۰۹ھ) نے فرمایا، طلبہ اور علماء کرام کے لیے یہ تفسیر بہت ہی مفید اور نافع ہے۔ حضرت شیخ کاندھلوی رحمہ اللہ نے اس میں علم تفسیر کے ساتھ اپنی خاص مناسبت کے پیش نظر آیات قرآنی کی زبردست تفسیر فرمائی ہے، مفسرین اور حکماءِ اسلام کے علوم ومعارف کو جابجا حوالہ اور بسط وتفصیل سے نقل فرمایا ہے۔

## ۱۱) ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن:

امام اہل السنۃ والجماعۃ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے حق تعالیٰ نے احقاقِ حق اور ابطال باطل دونوں شعبوں میں خوب کام لیا ہے، آپ نے اپنے سیال قلم اور فصیح زبان سے دین کی بڑی خدمت فرمائی اور مسلکِ حق اہل السنۃ والجماعۃ کی ترجمانی کا حق ادا فرمادیا۔ علوم آلیہ کی تدریس کے ساتھ علوم عالیہ قرآن وحدیث کی آپ نے جو خدمت فرمائی امت مسلمہ اس سے ہمیشہ مستفید ہوتی رہے گی۔ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں آپ نے عرصہ دراز تک علوم قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی خدمت سرانجام دی، حضرت شیخ رحمہ اللہ قرآن کریم کا ترجمہ طلبہ درس نظامی کو سارا سال پڑھاتے اور ماہ شعبان المعظم ورمضان المبارک میں آپ ہر سال ترجمہ کے ساتھ تفسیر بھی ارشاد فرماتے تھے اس دورۂ تفسیر سے ہر سال سینکڑوں علماء وطلبہ استفادہ کرتے تھے، آپ تفسیر کے اس درس میں قرآن کریم کا سلیس اور نفیس وسہل ترجمہ فرماتے اور پھر جامع تفسیر پڑھاتے، جس میں صحیح تفسیر کو باحوالہ بیان فرماکر اہل باطل کی غلط تفاسیر کا رد بھی فرماتے، آپ کی ہر بات مدلل، باحوالہ اور نہایت جامع ہوتی جو بلاشبہ اہل حق متقدمین ومتاخرین کی تفاسیر کا حاصل اور نچوڑ ہوتی تھی، حضرت شیخ نے دورہ تفسیر قرآن کریم حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تلمیذ رشید حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے کیا تھا اس لیے آپ ان کے حوالے بھی کہیں کہیں دیتے، لیکن چونکہ آپ جمہور مفسرین کی تفسیر کے پابند اور اس سے انحراف کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے تھے اس لیے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے جن تلامذہ نے اپنی تفسیر میں جمہور کے مسلک سے انحراف کیا ہے آپ اس کی برملا تردید فرماتے اور حضرت مولانا رحمہ اللہ کی طرف ایسی تفاسیر کی نسبت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ قرآن کریم کے علوم ومعارف سے شغف اور ان کی نشر واشاعت اور صحیح ترجمانی کا آپ کو اس قدر ذوق تھا کہ آپ گکھڑ کی مسجد میں بھی وہاں کی پنجابی زبان میں درس قرآن کریم ارشاد فرماتے تھے، آپ نے اس طرح کئی بار پورے

قرآن کریم کا درس ارشاد فرمایا، بحمد اللہ تعالیٰ آپ کا ارشاد فرمودہ وہ درس محفوظ کرلیا گیا جسے بڑی محنت وعرق ریزی سے آپ کے تلمیذ رشید اور جامعہ ریحان المدارس کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا محمد نواز بلوچ مدظلہم نے اردو میں منتقل فرمایا اور اس میں بڑی احتیاط سے کام لیا اور ذمہ داری کا مظاہرہ فرمایا، جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

آپ کا یہی درس ''ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن'' کے نام سے ۲۱ جلدوں میں طبع ہو رہا ہے۔ اہل علم کے علاوہ عامۃ الناس کے لیے بے حد مفید ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ کو بھی یہ سعادت حاصل ہے کہ ۱۴۰۹ھ کے دورہ تفسیر میں احقر نے شرکت کی اور حضرت شیخؒ سے استفادہ کا موقع ملا، دوران درس حضرت کے افادات کو مختصراً قلم بند بھی کیا تھا، لیکن ابھی تک حضرت کے یہ دروس شائع نہیں ہوئے، **لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔**

## ۱۲) معالم العرفان:

مفسر قرآن حضرت صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ بانی جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ فاضل دیوبند ولکھنو معقول ومنقول کے جامع اسلامی احکام کے اسرار وحکم پر ان کی گہری نظر تھی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے علوم ومعارف کے بڑے مداح تھے۔ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کو بڑے شغف سے پڑھاتے تھے، حدیث پاک اور قرآن کریم سے آپ کو خاص عشق تھا، خدمت قرآن کریم کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ مسجد نور میں جو درس ارشاد فرماتے تھے وہ بیس ضخیم جلدوں میں منصۂ شہود پر آچکے ہیں، اردو زبان میں یہ ایک مفصل اور جامع تفسیر ہے جو علماء وطلبہ کے علاوہ عصری علوم وفنون سے منسلک افراد کے لیے بھی بے حد مفید ہے، عصری مسائل اور عہد حاضر کے چیلنج بھی ان کے سامنے ہیں ان پر بھی وہ جابجا کلام فرماتے ہیں جن سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے بہت سے سوالات واعتراضات کا جواب ہوجاتا ہے، اس لیے یہ تفسیر بہت سے محاسن اور خوبیوں کا جامع ہے۔

## ۱۳) توضیح القرآن:

حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ کے ترجمہ ''موضح فرقان'' اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تفسیری فوائد کے بعد عوام وخواص میں اردو محاورات کی تبدیلی اور دور حاضر کے جدید تقاضوں کی وجہ سے ایک عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ قرآن کریم کا عام فہم اور سلیس ترجمہ اور اس کے ساتھ تفسیری فوائد بھی لکھے جائیں۔ اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے شیخ الاسلام محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کو موفق فرمایا۔ آپ نے جہاں قرآن کریم کا سلیس عام فہم ترجمہ کیا وہیں اردو داں طبقہ پر بھی احسان فرمایا کہ قرآن کریم کا سلیس عام فہم ترجمہ تحریر فرمانے کے ساتھ ہر سورۃ کا شان نزول اور مرکزی مضمون نیز آیات قرآنی کے جامع فوائد بھی تحریر فرمادیے، آپ کا یہ ترجمہ اور تفسیری فوائد عوام وخواص علماء طلبہ سب کے لیے یکساں مفید اور نافع ہیں، مسلمانوں کے ہر طبقہ میں ان کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے، **فللہ الحمد ولہ الشکر۔**

## ۱۴) کشف البیان:

رئیس المحدثین سابق صدر وفاق المدارس ورئیس جامعہ فاروقیہ کراچی حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس امر کا بہت اہتمام تھا کہ قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کے نام پر جن حضرات نے جمہور کی مخالفت کی اور وہ مسلمانوں کی گمراہی کا سبب بنے ان کا تعاقب کیا جائے۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ نے قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کے لیے مواد جمع فرمایا، حضرت کے ان افادات کو ترتیب دی جارہی ہے ایک جلد شائع ہوچکی ہے جس میں صحیح ترجمہ وتفسیر کے ساتھ باطل نظریات کا بھی رد کیا گیا ہے، آپ کے یہ افادات قسط وار ماہنامہ ''الفاروق'' میں بھی طبع ہو رہے ہیں آپ کی یہ عظیم خدمت امت کے لیے عظیم تحفہ اور خاصے کی چیز ہے، خدا کرے کہ مکمل طور پر مرتب ہوکر جلد شائع ہوجائے، آمین۔

یہ چند تفاسیر کا تذکرہ بطور نمونہ کے کردیا گیا ہے، یہاں احاطہ وتفصیل مقصود نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے تفسیر کے موضوع پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔

# ﴿عمدۃ التفاسیر کی افادیت واہمیت﴾

گزشتہ صدی اور موجودہ پندرہویں صدی ہجری میں بھی قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کے عنوان سے بہت خدمت کی گئی۔ اس دور میں جہاں صحیح اور مستند تفاسیر لکھی گئیں وہاں بہت سے حضرات نے ترجمہ اور تفسیر کے نام پر قرآن کریم کے معانی اور مطالب اور اس کی تفسیر میں تحریف کا ارتکاب بھی کیا ہے، اہل حق نے ایسے تراجم اور تفاسیر کا بروقت رد کیا اور قرآن کریم کی صحیح تفسیر سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا۔

عرصہ دراز سے ضرورت تھی کہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر لکھی جائے جس میں صحیح ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ ایسی تفاسیر اور تراجم کا رد بھی ہو جنہوں نے ترجمہ اور تفسیر میں تحریف کی اور اصول تفسیر سے ہٹ کر جمہور کے مسلک سے انحراف اور اعتزال وشذوذ کی راہ اختیار کی۔ اسی طرح اس کی بھی ضرورت تھی کہ غیر مسلموں نے قرآن کریم پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا بھی جواب دیا جائے، حق تعالیٰ نے اس عظیم خدمت کے لیے ہمارے فاضل دوست حضرت مولانا سیف الرحمٰن قاسم دامت برکاتہم کو منتخب فرمایا اور انہیں یہ توفیق دی کہ انہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ''عمدۃ التفاسیر'' کے نام سے ایک ایسی جامع تفسیر کا آغاز فرمایا جس میں قرآنِ کریم کی صحیح تفسیر اور ترجمہ کے ساتھ غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب اور دیگر مفسرین جنہوں نے تفسیر کے نام پر اپنے نظریات کو پیش کیا ہے۔ ایسے نام نہاد مفسرین کے افکار ونظریات کا حوالہ دے کر ان کا رد بھی فرمایا ہے، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دے کر انہوں نے تمام مسلمانوں اور اہل حق کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے، جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

احقر نے ''عمدۃ التفاسیر'' جو سردست پہلے ربع پر مشتمل ہے اسے دیکھا تو خوشی اور مسرت کی انتہاء نہ رہی، دل باغ باغ ہو گیا اور بے ساختہ زبان سے نکلا

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

احقر کے والدِ ماجد فقیہِ وقت یادگارِ اسلاف ترجمانِ مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ علماءِ دیوبند کی عرصہ سے تمنا تھی کہ اس طرح کی تفسیر لکھی جائے، حق تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کی یہ تمنا حضرت مولانا محمد سیف الرحمٰن قاسم مدظلہم کے ذریعہ پوری کرادی، **وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم**۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت اور تمام خدماتِ دینیہ کو قبول فرمائیں اور انہیں نافع ومفید بنائیں، آمین۔

فاضل مؤلف زید مجدہم بحمد اللہ اسم بامسمّٰی ہیں، ان کے نام میں ''سیف'' کی اضافت حق تعالیٰ کے مبارک نام ''رحمٰن'' کی طرف ہے، اس کا تقاضہ یہی ہے کہ بیان اور تحریر میں ''تلوار'' کی شان نمایاں ہو، چنانچہ فاضل موصوف نے ابطالِ باطل کے لیے کئی کتابیں تحریر فرمائی ہیں، ان میں بھی مضاف الیہ سے زیادہ مضاف کی جھلک غالب ہے، اس طرح ماشاء اللہ ہمارے مولانا فرقِ باطلہ کے لیے ''سیف اللہ'' ہیں یہ اس لیے عرض کر دیا کہ قارئین صرف اندازِ بیان پر ہی نظر نہ رکھیں اور بلاوجہ اس پر تبصرہ نہ کرتے رہیں بلکہ اصل مقصد اور موضوع پر نظر رکھیں کسی دانا کا قول ہے۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

''سیف الرحمٰن'' کے بعد نام کا ایک لازمی جز ''قاسم'' بھی ہے، ان کی تالیفات، تصنیفات میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے علوم ومعارف بکثرت ملتے ہیں، فاضل مؤلف نے کئی کتب حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ کی خدمات پر تحریر فرمائی ہیں، اس تفسیر میں بھی انہوں نے حضرت نانوتوی قدس سرہ کے علوم ومعارف کو جابجا ذکر فرمایا ہے۔ اس طرح اپنے نام میں لفظ ''قاسم'' کا خوب حق ادا کیا ہے، **فللہ درہ وعلی اللہ أجرہ**۔

''عمدۃ التفاسیر'' کی مزید خصوصیات مؤلف مدظلہم نے بیان فرمادی ہیں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، احقر نا کارہ اس کا اہل نہیں کہ وہ کسی علمی موضوع پر قلم اٹھائے یا کسی کتاب پر اپنی رائے کا اظہار کرے لیکن چونکہ مولانا محمد سیف الرحمٰن قاسم زید مجدہم سے خاص تعلق ہے وہ اسی تعلق کی بنا پر اپنی تالیف وتصنیف احقر کو دکھا دیتے ہیں اور ان کی فرمائش ہوتی ہے کہ احقر بھی کچھ لکھ دے، احقر نے ''تقریظ وتصدیق'' کی بجائے ''تقدیم'' کے عنوان سے چند صفحات لکھ کر موصوف کی فرمائش پوری کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اصل کے ساتھ ملحق فرمائے اور برادرِ موصوف کی خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔ فقط

احقر عبد القدوس ترمذی

خادم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

سلخ ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ/فروری ۲۰۱۸ء

# پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ، اَمَّا بَعْدُ!

اللہ کا ہمارے اوپر بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی امت سے بنایا اور آپ علیہ السلام کی وساطت سے قرآنِ کریم عطا فرمایا جو نبی ﷺ کا معجزہ اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے، قرآن کے اُسلوب سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں جس کا یہ کلام ہے وہ کسی چھوٹے بڑے سے، امیر غریب سے، بادشاہ یا وزیر سے نہ ڈرتا ہے نہ دبتا ہے پھر اس میں اچانک ایسے مضامین آجاتے ہیں جو انسانی کلام میں نہیں ہوتے مثلاً دِلوں پر مہر، کانوں پر مہر، آنکھوں پر پردہ، ہر چیز کا اللہ کے آگے سجدہ ریز ہونا وغیرہ۔

قرآن کتاب ہدایت ہے مگر اس سے ہدایت حاصل کرنے کیلئے اہل علم کا تلمذ ضروری ہے کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ دیکھے انسان کی فطری زبان کیا ہے؟ اس نے کچھ بچے منتخب کئے اور پالنے والوں کو حکم دیا کہ ان بچوں سے کوئی بات نہ کریں ان کے کانوں میں کسی بولی کی آواز نہ جائے تاکہ پتہ چلے کہ بڑے ہو کر کونسی زبان بولتے ہیں؟ جب وہ بچے بڑے ہوئے تو کوئی زبان نہ بول سکے کیونکہ کوئی آواز ان کے کانوں میں پڑی ہی نہ تھی۔ ہمارے پاس جاپان کی مصنوعات ہوتی ہیں لیکن ان پر لکھی ہوئی عبارت کا کچھ پتہ نہیں چلتا کیونکہ ہمیں اس کے پڑھانے والے نہ ملے۔ ثابت ہوا کہ کوئی شخص بغیر استاد کے نہ کسی زبان کو سیکھ سکتا ہے نہ کوئی لکھائی پڑھ سکتا ہے۔ جب دنیا کی زبان کے یہ حال ہے تو وحی کی زبان بغیر معلم کے کیسے سمجھ آئے گی؟ ڈاکٹروں کی تحریریں ڈاکٹر سمجھتے ہیں، سائنس کی کتاب کو سائنس والے سمجھتے ہیں اس طرح علماء ومشائخ کی باتیں سمجھنے کیلئے علماء ومشائخ کی شاگردی اور ان کی صحبت کو اختیار کرنا ہوگا۔

## اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ :

ایک مرتبہ اس عاجز نے معماروں کے ساتھ کام کرنے والے ایک مزدور سے پوچھا کہ تم معماروں کے ساتھ کام کرتے رہتے ہو وہ جو کچھ کرتے ہیں تمہارے سامنے کرتے ہیں۔ سالہا سال اُن کے ساتھ کام کرنے کے باوجود تم مزدوری کر کے تھوڑے پیسے کماتے ہو تم معمار بن کر کام کیوں نہیں کرتے عزت بھی ہو کمائی بھی۔ وہ کہنے لگا ہمارے کچھ ساتھی بطورِ معمار کام کرتے ہیں مگر ان کے کام میں شکوہ رہتا ہے پھر اُس نے بتایا کہ معمار کے ساتھ رہنے اور ان کو کام کرتے دیکھنے سے کام نہیں آتا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کسی معمار سے بات کر کے اس کی شاگردی میں آئیں اُس کو کوئی کام ملے گا وہ کہے گا ہم دوستری کا کام کریں گے دوستریوں کی اجرت صرف استاد کو ملے گی شاگرد کو کچھ نہ ملے گا اس طرح ایک عرصہ ساتھ رہ کر کام کریں تب یہ مستری اپنے راز بتاتے ہیں، اپنے گُر سمجھاتے ہیں اور صحیح کام آتا ہے۔ اس مزدور کی بات سن کر میں نے کہا واقعی نبی کریم ﷺ نے سچ فرمایا: اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ ترجمہ: ''علم تو سیکھ کر ہی آتا ہے'' (بخاری ج ۱ ص ۱۶ تخریج کیلئے دیکھیں فتح الباری ج ۱ ص ۱۶۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وَالْمَعْنٰی لَیْسَ الْعِلْمُ الْمُعْتَبَرُ اِلَّا الْمَاْخُوْذَ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَوَرَثَتِہِمْ عَلٰی سَبِیْلِ التَّعَلُّمِ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۶۱) ''قابل اعتبار علم وہی ہے جو انبیاء سے سیکھ کر لیا جائے یا ان کے ورثہ یعنی علمائے دین سے''۔

محض اپنے مطالعہ پر اعتماد کر کے دین کو سمجھنا فتنے سے خالی نہیں ایسے لوگ عموماً گمراہ ہو جاتے ہیں۔ قاضی کوٹ ضلع گوجرانوالہ کا ایک شخص قاضی ضیاء الدین ۱۸۸۵ء میں قادیان جا کر مرزا قادیانی کا مرید ہو گیا۔ یہ شخص اپنے مطالعہ پر اعتماد کرنے سے گمراہ ہوا۔ اس کے ماننے والوں نے لکھا ہے کہ قاضی صاحب کو عربی اور علوم دینیہ میں کافی مہارت تھی اور انہوں نے زیادہ تر علم اپنے گھر میں رہ کر اور مطالعہ کے ذریعے حاصل کیا ہوا تھا (مرزائیوں کی کتاب اصحاب احمد ج ۶ ص ۲۲)

## ترجمۂ قرآن اساتذہ سے پڑھیں:

دینی کتابیں بالخصوص قرآن پاک کا ترجمہ کسی صحیح العقیدہ باعمل عالم دین سے پڑھنا چاہئے قرآن کریم کا اُردو زبان میں سب سے پہلا ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے کیا اور اس کے ساتھ لکھا کہ اس کو اُستاد سے پڑھا جائے۔ شاہ صاحبؒ کے الفاظ یوں ہیں: ہندی معنی آسان ہیں ہر ایک سے پڑھے جاتے ہیں پر

اُسے بھی استادی سند چاہیے کہ معنی قرآن شریف کے بغیر سند کے اعتبار نہیں رکھتے (موضح قرآن ص۲) اگر سارا ترجمہ کسی استاد سے پڑھنے کا موقع نہیں ملتا تو جو بات نہ سمجھ آئے وہ کسی عالم سے سمجھ لی جائے اپنی سمجھ پر انحصار نہ کیا جائے۔

اکابر کی اتباع کے فوائد:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ﴿اَلْبَرَکَۃُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ﴾ (مستدرک حاکم ج ا ص ۶۲) (برکتیں تمہارے بڑوں کے ساتھ ہیں) اکابر پر اعتماد کرنے سے قرآن وحدیث کا صحیح مفہوم سمجھ آتا ہے اور انسان بہت سے فتنوں سے بچ جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر عمل نصیب ہوتا ہے۔ اکابر کی پیروی کرنے والوں کے اندر عاجزی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں میں برکتیں عطا فرماتا ہے اور ان کو مقبولیت سے نوازتا ہے۔ یہی لوگ اگلی نسلوں تک دین کو پہنچاتے ہیں۔

بڑوں سے نہ پڑھنے کی وجہ سے انسان غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے اس کو جو کچھ سمجھ آئے وہ اسے حرف آخر سمجھے گا اور کسی کی اصلاح کو قبول نہ کرے گا وہ کہے گا میں نے قرآن خود سمجھا ہے مجھ پر کسی کا احسان نہیں، اس میں تکبر ہوگا، جہل مرکب میں پڑ جائے گا کچھ نہ جاننے کے باوجود کہے گا مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ اصلاحِ باطن کی اس کو کچھ فکر نہ ہوگی اپنی منشا کے مطابق باتیں قرآن سے نکالنے کی فکر کرے گا۔

اس عاجز کے اساتذہ:

اس عاجز کو موقوف علیہ تک فیصل آباد مدرسہ اشرف المدارس محلّہ فرید گنج (گورونانک پورہ) میں علم حاصل کرنے کا موقع ملا تفسیر الجلالین اور تفسیر بیضاوی حضرت مولانا غلام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فاضل دیوبند سے پڑھیں ترجمہ قرآن کا کچھ حصہ حضرت مولانا عبد العلیم جالندھریؒ فاضل خیر المدارس سے اور کچھ حصہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فاضل خیر المدارس سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ دورۂ حدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جامعہ نصرۃ العلوم کا معیارِ تعلیم دیگر جامعات سے منفرد تھا ایک تو اس وجہ سے کہ امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ اور مفسر قرآن صوفی عبدالحمید سواتیؒ جیسے عظیم اساتذہ وہاں پڑھایا کرتے تھے جن کو اللہ نے اعلیٰ علمی تحقیق بھی عطا فرمائی تھی، تصنیف کا عظیم ملکہ بھی مرحمت فرمایا تھا حضرت امام اہل سنتؒ کو علمی و تحقیقی خدمات اور حوالہ جات کی کثرت کی وجہ سے حضرات علماء دیوبند کا ترجمان مانا جاتا تھا۔ کوئی شخص آپ کے درس کی سماعت کر لیتا یا آپ سے ایک ملاقات کر لیتا وہ آپ کے علم واخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ علماء کے ہاں آپ کے مقام کا اندازہ تسکین الصدور کی تقریظات سے ہوتا ہے۔

جامعہ نصرۃ العلوم میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت صوفی عبدالحمید سواتیؒ مسلم شریف اور ترمذی شریف کے ساتھ حجۃ اللہ البالغہ کا کچھ حصہ پڑھایا کرتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ صبح آتے ہی قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر پڑھا کرتے تھے پندرہ پارے ایک سال اور پندرہ پارے دوسرے سال۔ موقوف علیہ اور دورۂ حدیث والوں سے باقاعدہ اس کا امتحان بھی ہوتا تھا۔ پھر شعبان رمضان کی تعطیلات میں حضرت پورے قرآن پاک کا دورۂ تفسیر کرایا کرتے تھے جس میں کئی سو طلبہ اور مدرسین شرکت کیا کرتے تھے اور مدرسہ میں ایک عجیب رونق ہوا کرتی تھی۔

حضرت امام اہل سنتؒ کے درس کی خصوصیات:

آپ بڑی بڑی کتابیں یوں بے تکلفی سے پڑھاتے جیسے ایک استاد بچوں کو نورانی قاعدہ پڑھاتا ہے۔ دورۂ تفسیر میں سبق کی ترتیب یوں ہوتی کہ کوئی طالب علم پہلے تلاوت کرتا پھر حضرت ایک رکوع کا ترجمہ فرماتے، ربط اور شان نزول بتاتے اور بیسیوں کتب کے حوالہ جات کے ساتھ آیات کی تفسیر فرماتے اگر کسی شخص نے قرآن پاک کی آیت سے غلط استدلال کیا ہوتا تو حضرت اس کو ذکر کر کے باحوالہ اس کا رد بھی فرماتے، کہیں صرفی نحوی تحقیقات بیان فرماتے۔ پھر اسی طرح ہر ہر رکوع کا ترجمہ وتفسیر کیا کرتے تھے۔ حضرتؒ کا یہ انداز بڑا عجیب اور مؤثر تھا۔ پھر حضرتؒ دورانِ درس اپنی مختلف کتابوں کے حوالے بھی دیا کرتے تھے کہ یہ مسئلہ میں نے اپنی فلاں کتاب میں لکھا ہے اس کی تفصیل وہاں دیکھیں۔ جس سے طلبہ میں حضرتؒ کی کتابوں کا ذوق بھی پیدا ہوتا تھا۔

اس عاجز کو پہلی مرتبہ حضرتؒ کے سبق میں اس وقت حاضری کا موقع ملا(ا) جب دورۂ حدیث سے قبل تعطیلات میں گوجرانوالہ کچھ عزیزوں سے ملنے آیا تھا تفسیر کے دوران سنا کہ فلاں بدعتی نے اپنی کتاب میں اس آیت کے بارے میں یہ لکھا ہے اور اس کا جواب یوں ہے۔ایسا انداز اور حضرات کے ہاں نہ پایا تھا یہ انداز بہت ہی پیارا لگا۔اور اس عاجز کی بیشتر کتب میں اہل حق کی ترجمانی کی بنیاد بنا۔سنا ہے کہ حضرت مولانا عبدالشکور ترمذیؒ کا بھی ایسا ہی انداز تھا مگر اس عاجز کو ان سے استفادے کا موقع نہ مل سکا۔صرف ایک مرتبہ تھوڑی دیر حاضری کا شرف ہوا،اور ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

---

ا) حضرت امام اہل سنتؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت کمالات سے نوازا تھا۔آپ کی مختصر سوانح ذخیرۃ الجنان جلد اول کے شروع میں دیکھی جا سکتی ہے ذیل میں آپ کی امانت ودیانت کے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

راقم الحروف نے زمانہ طالب علمی میں فن صرف میں ایک کتاب لکھی راقم کی پیدائش فیصل آباد کی ہے رہائش بھی اس وقت وہیں تھی بعض رشتہ داروں کی وساطت سے اس کا مسودہ حضرت صوفی صاحبؒ تک پہنچایا حضرت نے کمال شفقت سے اس پر تقریظ لکھ دی۔راقم کو شوق تھا کہ حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب بھی کچھ لکھ دیں اس کیلئے گوجرانوالہ گیا وہاں سے گکھڑ گیا اور حضرت سے درخواست کی حضرت نے فرمایا میرے پاس وقت نہیں اور بغیر پڑھے میں تقریظ دے نہیں سکتا۔دوسرے دن حضرت دورۂ تفسیر کیلئے تشریف لائے تو جونہی گاڑی سے اترے تو حضرت صوفی صاحب کی تقریظ دکھائی اور عرض کیا کہ حضرت صوفی صاحبؒ نے جو لکھ دیا اس پر آپ دستخط فرما دیں تو حضرت نے فرمایا مولانا کیا یہ شہادت زور نہیں ہے؟ بات تو کڑوی لگی مگر تھی سچی اور آئندہ کیلئے علم کا ایک باب کھل گیا۔اب میں سوچتا ہوں تو بڑا دکھ ہوتا ہے کہ میں نے حضرت کے سامنے اتنی جرأت کیوں کی؟ اللہ تعالیٰ اس گستاخی کو معاف فرمادے آمین۔پھر حضرت کا کمال دیکھئے کہ ایک طالب علم کو ''مولانا'' کہہ کر بات کی۔اس کے بعد حضرت کے پاس دورۂ حدیث کیا دورۂ تفسیر کیا مگر تقریظ طلب کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ایک مرتبہ گکھڑ سے گوجرانوالہ آتے جاتے کار میں حضرت نے کچھ صفحات دیکھے تب شفقت فرمائی اور تقریظ عنایت کی اور تقریظ میں لکھا کہ میں نے اس کا کچھ حصہ دیکھا ہے۔

ذخیرۃ الجنان میں حضرت کے واقعات میں لکھا ہے کہ آپ کا معمول تھا کہ تبلیغی سفر میں کرایہ وغیرہ طلب نہ کرتے تھے اگر کوئی خود دے دیتا تو قبول کر لیتے ایک مرتبہ ساہیوال جامعہ رشیدیہ جلسے میں تشریف لے گئے واپسی پر انہوں نے کرایہ کیلئے ایک لفافہ ہاتھ میں تھما دیا آپ نے اس کو جیب میں رکھ لیا واپس آ کر کھولا تو اس میں پانچ سو روپے تھے آپ کو بڑی حیرت ہوئی کہ گکھڑ سے ساہیوال آمد ورفت کا کرایہ (اس زمانے میں) ۳۵ روپے سے زائد نہیں انہوں نے پانچ سو روپے کیسے دے دیئے؟ اسی دن خط لکھ کر مطلع کیا کہ آپ نے غلطی سے پانچ سو روپے دے دیئے ہیں واپسی کی کیا صورت ہوگی؟ بذریعہ بنک ڈرافٹ بھیجوں یا بذریعہ منی آرڈر۔تو ان کی طرف سے جواب موصول ہوا کہ ناظم نے غلطی سے پچاس کی جگہ پانچ سو لفافے میں بند کر دیے تھے دیا ہے چنانچہ بقایا رقم ان کو بذریعہ منی آرڈر واپس کر دی گئی۔(از ذخیرۃ الجنان ج ا ص ی،ک)

قاری عبیداللہ عامر سابق مدرس نصرۃ العلوم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ حضرت کے ساتھ سفر میں کہیں گئے۔وہاں سے آگے جانا پڑا تو قاری صاحب نے علاقے کے لوگوں کو کہا گاڑی کا انتظام کرو حضرت نے کہا ان سے کیوں کہہ دیا ہم اپنے خرچ پر جائیں گے۔واپسی پر ایک علاقے میں حضرت کے شاگرد مل گئے انہوں نے کار کرائے پر لے کر دی اور قاری صاحب کو کرائے کیلئے پیسے دے دیئے راستے میں کار ٹھیک نہ رہی۔اس کی رفتار بہت کم ہو گئی تو حضرت نے خادم سے یعنی قاری عبیداللہ عامر مدظلہ سے فرمایا اس کو کرایہ دے کر فارغ کر دو لاہور میں اس کو فارغ کر دیا اور بس وغیرہ میں بیٹھ کر آئے حضرت نے خادم سے پوچھا کہ کتنے پیسے بچے؟ انہوں نے بتا دیا کہ اتنے بچے ہیں فرمایا وہ ان کو منی آرڈر سے بھیج دو ان کو رقم ملی تو گوجرانوالہ قاری صاحب کے پاس آ گئے جب ان کو حضرت کا حکم سنایا تو بہت ہی متاثر ہوئے۔

قاری صاحب ہی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں حضرت نے فرمایا خرچ کا حساب لکھ لینا جب سفر پورا ہوا تو حساب مانگا۔دیکھا تو فرمانے لگے حساب درست نہیں کیونکہ فلاں موقع پر میں نے کہا مانگنے والی اس عورت کو اتنے روپے دے دو ان کا یہاں اندراج نہیں وہ میرے کہنے پر دیئے تھے ان کو میرے حساب میں لکھنا چاہئے تھے۔

آخر میں حبیب رسول ﷺ کا ایک واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔نفیس آرٹ والے اسعد صاحب کہتے ہیں کہ بٹالہ سٹور کے حاجی شاہ زمان صاحب نے بتایا کہ جب حضرت کافی ضعیف تھے حرمین شریفین کے سفر میں خدام اُن کو وہیل چیئر پر بٹھا کر مسجد نبوی میں لے گئے جب مواجہہ شریف کے سامنے پہنچے تو خدام نے دیکھا کہ حضرت وہیل چیئر سے اتر کر کھڑے ہیں اور رو رو کر سلام عرض کر رہے ہیں۔خدام حیران رہ گئے کہ حضرت سے کھڑا نہیں ہوا جاتا اچانک کس طرح کھڑے ہوئے۔

باطل کا رد ضروری کیوں؟:

اگر قرآن کریم کے غلط ترجمے یا غلط تفسیر کا رد نہ کیا جائے تو عوام سمجھیں گے کہ یہ بھی تو قرآن کا ترجمہ اور قرآن کی تفسیر ہے اس طرح خطرہ ہے کہ عوام باطل کو حق اور کفر کو اسلام سمجھ بیٹھیں اس لئے علمائے حق نے ہر دور میں باطل تفاسیر کا رد کیا ہے۔ دیکھئے علامہ زمخشری صرف نحو لغت اور بلاغہ کے بہت بڑے امام تھے مگر تھے معتزلی۔ انہوں نے تفسیر الکشاف میں معتزلہ کے نظریات کا دفاع کرنے کی کوشش کی تو علمائے اہل سنت نے اس میں پائے جانے والے باطل نظریات کے رد میں کتابیں لکھیں بعض ایسی کتابیں تفسیر الکشاف کے ساتھ حاشیہ میں چھپتی ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاوی ج ۶ ص ۲۷۵ تا ص ۳۲۴ میں سرسید کی تفسیر پر گرفت ہے۔ اور تفسیر بیان القرآن ایسے فتنوں کے ازالہ کیلئے لکھی چنانچہ فرماتے ہیں: بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض سے نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمے شائع کرنے شروع کئے جن میں بکثرت مضامین خلاف قواعد شرعیہ بھر دیئے جن سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی (خطبہ تفسیر بیان القرآن ص ب)

تفسیر عثمانی میں بھی جا بجا فتنوں کا رد ملے گا۔ حضرت امام اہل سنتؒ نے مفتی نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر کے رد میں کتاب ''تنقید متین'' لکھی۔ تفسیر ''جواہر القرآن'' چھپی تو مولانا عبدالشکور ترمذیؒ نے اکابر کے مشورہ سے اس کے رد میں کتاب لکھی ''**هداية الحيران في جواهر القرآن**''۔ جب حضرت ترمذیؒ صاحب کی کتاب کے خلاف ''سجاد بخاری صاحب'' نے کتاب ''اقامۃ البرہان'' لکھی تو حضرتؒ کی سرپرستی میں ان کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم نے اس کے جواب میں کتاب لکھی ''**توضيح البيان لما في هداية الحيران**'' یعنی کتاب اقامۃ البرہان کا اجمالی جائزہ۔ ہدایۃ الحیران اور توضیح البیان دونوں ایک ساتھ چھپتی ہیں دونوں کے مجموعی صفحات چھ سو کے قریب ہیں۔

غلط تفسیر پر خاموش رہنے والوں کے بارے میں مفتی اعظم کا ارشاد:

مرزائیوں کی غلط تفسیر کا رد کرتے ہوئے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے درد دل کے ساتھ لکھتے ہیں:

کیا یہ قہر نہیں کہ ایک شخص قرآن کی آیت کے معنی قواعد لغت کے خلاف اور خود تصریحات قرآن کے خلاف اور پھر ڈیڑھ سو سے زائد احادیث نبویہ کے خلاف اور سیکڑوں صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہ تفسیر کے خلاف صاف صاف علی الاعلان بیان کرتا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ کہاں سے آتا ہے؟ مسلمان ہیں کہ ہنس ہنس کر سنتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ قرآن کی یہ تفسیر ہو یا دوسری، ہمارا کیا جاتا ہے؟ لیکن یاد رہے کہ ہمیشہ یہ صورت رہنے والی نہیں بلکہ **قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ** (عنقریب وہ نادم وشرمندہ ہوں گے)

مسلمانو! اگر تم نے خدائے قدوس کے کلام متین کی تحریف کو ٹھنڈے دل سے سنا اور قرآن کو لاوارث سمجھ کر چھوڑ دیا تو یاد رہے کہ خدائے علیم وخبیر اس کو اس طرح نہ چھوڑے گا اس نے کلام پاک کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ جو شخص اس کی حفاظت پر دست درازی کرے اس کو عذاب خداوندی سے بچنے کیلئے کوئی قلعہ بنالینا چاہئے لیکن **لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ** (ختم نبوت کامل ص ۱۲۷، ۱۲۸) بہر حال باطل تفاسیر کا رد اہل علم کی ذمہ داری ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

کچھ لوگ کہیں گے کہ امت میں پہلے ہی بہت اختلاف ہے اس لئے اختلافی مسائل نہ بیان کئے جائیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف کے ذمہ دار تو وہ ہیں جنہوں نے محکمات کے خلاف نظریات اپنائے اور ان کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اگر ہم ان مسائل میں نرمی کریں تو اصل حقیقت عوام کو کیسے معلوم ہوگی؟ ہم باطل کا رد کر کے اختلاف کو ختم کر کے حق جماعت کے ساتھ جڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اگر حق کے اظہار سے اختلاف پڑتا ہے تو پڑتا رہے ایسا اختلاف تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر بھی پڑا۔ ارشاد باری ہے: ''**وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ**'' (النمل: ۴۵)
بہر حال حق کو پیش کرنے والا ہرگز مجرم نہیں۔ مجرم تو حق کو قبول نہ کرنے والا ہی ہے۔

ذیل میں اس موضوع کی مناسبت سے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مکالمہ کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

دریابادی: ایک فتویٰ تکفیر شیعہ کی نقل ملفوف ہے اس پر علاوہ دوسرے اکابر علماء کے ہمارے مولانا کے دستخط بھی ثبت ہیں، کیا عرض کروں مجھے شرح صدر اب بھی نہیں شیعوں کو مبتدع، فاسق العقیدہ، گمراہ اور جو کچھ بھی کہہ لیا جاوے اس کا میں بھی پوری طرح قائل لیکن کافر اور خارج از اسلام کہنے سے جی دل لرز اٹھتا ہے۔

حکیم الامت: یہ علامت ہے آپ کے قوتِ ایمانیہ کی مگر جنہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے ان کا منشا بھی وہی قوتِ ایمان ہے کہ جس کو ایمانیات کا منکر دیکھا بے ایمان کہہ دیا۔

دریابادی: اگر یہ گمراہ فرقہ یوں ہی خارج از اسلام ہوتا رہا تو مسلمان رہ ہی کتنے جائیں گے؟

حکیم الامت: اس کا کون ذمہ دار ہے؟ کیا خدانہ کردہ اگر کسی مقام میں کثرت سے لوگ مرتد ہو جاویں اور تھوڑے ہی مسلمان رہ جائیں تو کیا اس مصلحت سے اُن کو بھی کافر نہ کہا جاوے گا؟

دریابادی: شیعوں سے مناکحت اگر تجربہ سے مضر ثابت ہوئی ہے تو بس تہدیداً اس کو روک دینا کافی ہوگا۔

حکیم الامت: اس تہدید کا عنوان بجز اس کے کوئی بھی نہیں غور فرمالیا جاوے۔

دریابادی: میرا دل تو قادیانیوں کی طرف سے ہمیشہ تاویل ہی تلاش کرتا رہتا ہے۔

حکیم الامت: یہ غایت شفقت ہے مگر اس شفقت کا انجام سیدھے سادھے مسلمانوں کے حق میں عدم شفقت ہے کہ وہ اچھی طرح ان کا شکار ہوا کریں گے۔

............

دریابادی: حضرت حاجی امداد اللہؒ کا جو مکتوب سرسید احمد خان کے نام تھا مجھے اتنا پسند آیا تھا کہ میں نے اسے اہتمام کے ساتھ ''سچ'' میں شائع کیا تھا پس میری ناقص رائے میں اسی کو معیار بنالینا چاہئے اور اسی کے مطابق معاملہ تمام گمراہ فرقوں سے رکھنا چاہئے یعنی نہ مداہنت اور نہ ایسی مخالفت کہ ان میں اور آریوں عیسائیوں میں کوئی فرق ہی نہ رہ جائے۔

حکیم الامت: لیکن اگر وہ خود ہی اپنے آپ کو کافر بنائیں (بالنون) تو کیا ہم اس وقت بھی ان کو کافر نہ بتائیں (بالتاء) دنیا میں آج تک اپنے آپ کو کسی نے کافر نہیں کہا بلکہ کوئی عیسائی کہتا ہے کوئی یہودی مگر چونکہ ان کے عقائد کفریہ دلائل سے ثابت ہیں اس لئے ان کو کافر ہی کہا جائے گا الخ (امداد الفتاوی ج ۴ ص ۵۸۴، ۵۸۵، تاریخی مضامین ص ۴۷)

<u>فتنوں کے بارے میں علامہ کشمیریؒ کا فکر:</u>

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کا علمی مقام کسی مدرس پر مخفی نہیں ان کے بارے میں مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ قادیانیت کے رد اور اس کے تعاقب میں خرچ کیا وہ یہ فرماتے تھے کہ جب یہ قادیانی فتنہ بڑھنے لگا تو میں اپنے استاد حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا یہ ملاقات طویل مدت کے بعد ہوئی تھی میں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر کمزوری اور اضمحلال کے آثار ہیں میں نے خیریت دریافت کی فرمایا خیریت کیا پوچھتے ہو زندگی برباد ہوئی؟ کون کہہ رہا ہے عمر برباد ہوگئی جس شخص نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت اور اسلامی علوم کی تحقیق اور حضور ﷺ کی احادیث کی خصوصی تحقیق میں صرف کر دی اور جس کے ہزاروں شاگرد ہیں آج ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش جو کوئی عالم موجود ہوگا گو براہِ راست تو ان کا شاگرد زندہ نہیں رہا لیکن ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں یا شاگردوں کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اس مجمع میں بھی جو علمائے کرام موجود ہیں ان میں سے بھی کوئی استثناء نہ ہوگا کوئی ان کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا کوئی ان کے

شاگردوں کا شاگرد ہوگا یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا............

والد صاحبؒ فرماتے ہیں: میں نے پوچھا حضرت کیا بات ہوئی؟ فرمایا عمر برباد ہوگئی ہم مدرسوں میں معتزلہ کے مذاہب پڑھاتے رہے اور اُن کا رد کرتے رہے خوارج کرامیہ مرجۂ جہمیہ کے مذاہب پڑھاتے رہے اوران کا رد کرتے رہے اور فقہی مسائل کے اندر فقہ حنفی کی ترجیح بیان کرنے میں ہم نے ساری توانائیاں خرچ کر ڈالیں لیکن یہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا جو رسول اللہ ﷺ کی ختمِ نبوت کے خلاف ایک بڑا چیلنج بن کر ہمارے سامنے آ گیا ہے مسلمانوں کو مرتد اور کافر بنا رہا ہے امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے خلاف اتنی بڑی بغاوت کا فتنہ اٹھا ہے اور ہم مدرسوں میں بیٹھے ہوئے ہیں فرمایا تم میری خیریت پوچھتے ہو جب سے اس قادیانی گروہ کے حالات پڑھے ہیں اور دیکھے ہیں میری بھوک بھی اڑ گئی ہے نیند بھی اڑ گئی ہے (۱) اور والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کے بعد ان کی یہ کیفیت تھی کہ ان کا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا بس وہ یہی کہتے تھے کہ اس فتنہ کی سرکوبی میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ خرچ کرنا چاہتا ہوں...........

---

۱) جیسے مرزائیوں کی پاکٹ بک اور الحق المبین وغیرہ کتابیں دیکھنے کا موقع ملا وہ کہے گا واقعی حضرت شاہ صاحبؒ کے فکر مند ہونا بالکل بجا تھا۔ ایک وجہ یہ ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے جبکہ مرزا قادیانی کہتا ہے عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے وہ نازل نہ ہوں گے آنے والا مسیح میں ہوں۔ اور وفات مسیح کا عقیدہ محمد علی لاہوری کے کہنے کے مطابق مرزائیت کا بنیادی پتھر ہے (دیکھئے کتاب مجاہد کبیر ص ۲۳) یعنی جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قائل ہو جائے اسے مرزے کے باقی کفریات کا آسانی سے قائل کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ مرزائی قرآن کریم کی بعض آیات میں تحریف کر کے وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر استدلال کرتے ہیں اور مرزائیوں کی تحریف کا جواب ہر مولوی نہ دے سکتا تھا۔ علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ کو پریشانی تو لگنی چاہئے تھی کیونکہ وہ استاذ العلماء تھے اکثر علماء ان کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تھے۔

چونکہ مرزائیوں کی تحریفات کا جواب دینا ہر کسی کے بس میں نہ تھا اس لئے دیگر فرقِ باطلہ کے برخلاف مرزائیوں نے سب سے زیادہ زور قرآن کریم کے اپنے مزاج سے کئے ترجمے اور تفسیر پر دیا۔ اپنی جماعت میں درسِ قرآن کا سلسلہ جاری کیا، مختلف زبانوں میں قرآن کے ترجمے کئے (دیکھئے مجددِ اعظم ج ۲ ص ۱۳۸۹، ج ۳ ص ۱۶۶، ۱۶۷) اسی کو وہ آیت: **وجاهدهم به جهادا كبيرا** [الفرقان:۵۲] کے مطابق جہادِ کبیر کہتے ہیں (مجددِ اعظم ج ۲ ص ۱۱۳۷، ج ۲ ص ۱۳۸۹، ج ۳ ص ۱۶۶، ۱۶۷) مرزائیوں نے محمد علی لاہوری کے حالات پر جو کتاب لکھی اس کا نام رکھا "مجاہدِ کبیر" اس لئے کہ اس نے قرآن کریم کا اردو اور انگلش میں ترجمہ کر کے۔ تفسیری حواشی لکھ کر جہادِ کبیر کیا۔ حالانکہ مرزائی قرآن کو لے کر جہاد نہیں کرتے بلکہ قرآن کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ قرآنی مضامین میں ہیر پھیر کی اپنے کفریات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

<u>مرزائی، لاہوری ہوں یا قادیانی ان کا قبلہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے:</u>

جیسے ہمارے ایمان کی بنیاد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے مرزائی لاہوری ہوں یا قادیانی ان کے دین ومذہب کی بنیاد مرزا کی ذات ہے اگر یہ قرآن کا نام لیتے ہیں تو مرزے کے کہنے سے۔ قرآن کی تفسیر کرتے ہیں مرزے کے مطابق، اور جس حدیث کو چاہتے ہیں قبول کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں رد کر ڈالتے ہیں ذیل میں اس کے کچھ شواہد ملاحظہ ہوں۔ مرزا قادیانی ایک جگہ لکھتا ہے: اور تمام بھلائی قرآن میں ہے جیسا کہ آج سے بائیس برس پہلے براہین احمدیہ میں یہ الہام موجود ہے **قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم واحد والخير كله في القرآن لا يمسه الا المطهرون** (دافع البلاء ص ۲۳، در روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۹) یعنی مرزا کہتا ہے کہ میرے الہام میں ہے کہ ہر خیر قرآن میں ہے تو مرزا اگر قرآن کو مانتا ہے تو اپنے الہام سے۔ اپنے الہام کو قرآن کے تابع نہیں قرآن کو اپنے الہام کے تابع کرتا ہے۔

پھر وہ قرآن وحدیث سے یوں بھی استہزاء کرتا ہے کہ تفسیر کا اصل معیار اپنے آپ کو قرار دیتا ہے (دیکھئے برکات الدعا در روحانی خزائن ج ۶ ص ۲۴) احادیث نبویہ کے بارے میں کہتا ہے کہ خدا نے مجھے اختیار دیا جس کو چاہوں قبول کروں جس کو چاہوں رد کروں (دیکھئے روحانی خزائن ج ۱۷ ص ۵۱، ج ۱۹ ص ۱۳۹)

اور مرزائی ان سب کفریات میں مرزا قادیانی کی طرفداری کرتے ہیں چنانچہ مفتی صاحب نے ختم نبوت کامل میں جب مرزے کے اصول تفسیر پر احتجاج کیا تو قاضی نذیر مرزائی نے مرزے قادیانی کی حمایت میں کافی صفحات سیاہ کر ڈالے (دیکھئے قاضی نذیر مرزائی کی کتاب: الحق المبین ص ۱۷۶ تا ص ۱۹۷) راقم الحروف نے حق الیقین کے باب نمبر ۱۳ میں جو تیسری جلد کے ص ۱۲۱ تا ۱۹۷ تک جاتا ہے قاضی نذیر کے تمام شبہات کا ٹھوس جواب دے ڈالا ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذلک۔ (باقی آگے)

چنانچہ اس کے بعد حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس سلسلے میں خود بڑی زبردست کتابیں تالیف کیں اس مسئلے کے جتنے علمی پہلو تھے اور علمی گوشے تھے ان کو اپنی دور رس اور دقیقہ رس تحقیق سے حل کیا اور ضخیم ضخیم کتابیں لکھیں **اِكْفَارُ الْمُلْحِدِيْن** آپ کی تصنیف بھی اسی سلسلے میں ایک بڑا علمی کارنامہ ہے اس وقت عام طور سے یہ سوال اٹھایا جاتا تھا میاں! یہ قادیانی کلمہ **لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** پڑھتے ہیں قرآن کو بھی مانتے ہیں تمام رسولوں کو بھی مانتے ہیں سب فرشتوں کو بھی مانتے ہیں یوم آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں نماز بھی مسلمانوں کی طرح پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں پھر بھی ان کو مسلمان کیوں نہیں کہا جاتا اور ان کو کافر کیوں کہا جاتا ہے اسی موضوع کی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی وہ مشہور عربی کتاب تالیف کی جس کا نام **اِكْفَارُ الْمُلْحِدِيْن** ہے اس میں اس پہلو کے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) <u>مرزائیوں کی کچھ تفسیروں کا ذکر:</u>

[۱] لاہوری مرزائیوں کے امیر محمد علی لاہوری نے قرآن کا دو جلدوں میں ترجمہ کیا، تفسیر لکھی جس کا نام ہے "بیان القرآن"۔ اس نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ بھی کیا۔

[۲] مرزا قادیانی کے بیٹے اور دوسرے جانشین مرزا محمود کے نام سے مرزائیوں کی طرف سے شائع شدہ تفسیر کی تین کتب تو میرے پاس ہیں ایک "تفسیر صغیر" یہ ایک جلد میں ہے، دوسرے "تفسیر کبیر" یہ دس جلدوں میں ہے اور پورے قرآن کریم کی تفسیر نہیں۔ بلکہ کچھ حصے کی ہے۔ ایک تفسیر کا مقدمہ ہے جس کا نام ہے دیباچہ تفسیر القرآن۔ جو ۳۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس دیباچہ کے ص ۳۲۱ میں ایک عنوان ہے "پیشگوئی دربارہ ظہور مسیح موعود"۔ آگے عنوان ہے "ظہور مسیح موعود"۔ اس کے دو صفحوں کے بعد ہے "حضرت مسیح موعود کے پیشگوئی کے مطابق مصلح موعود کا ظہور" (دیباچہ تفسیر القرآن از مرزا محمود ص ۳۲۱ تا ۳۲۳)

مطلب یہ کہ اس مختصر کتاب میں ایک تو اس نے قرآن کی رو سے مرزا قادیانی کے مسیح ہونے کا دعوی کیا۔ جو لاہوری اور قادیانی دونوں گروپ مانتے ہیں دوسرے اس میں مرزا محمود نے دعوی کیا کہ وہ مرزا قادیانی کی ایک پیشگوئی کا مصداق ہونے کی وجہ سے مرزا کا دوسرا جانشین ہے اور لاہوری مرزائی اس کے منکر ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن کے ترجمے اور تفسیر سے ان کا مقصد کیا ہے؟

۳) مرزائیوں کے چوتھے خلیفہ مرزا طاہر کا بھی ایک ترجمہ اور مختصر حواشی بھی مرزائیوں کے طبع کروائے ہیں۔

۴) مرزا قادیانی کے مرید جمال الدین سیکھوانی کا ایک نواسہ ہے "نور الدین منیر"۔ اس نے "احکام القرآن" کے نام سے کتاب لکھی میرے پاس اس کا سورۃ البقرۃ پر لکھا ہوا حصہ ہے۔

<u>مرزائیوں کی یہ محنت آخرت میں بے فائدہ ہے:</u>

اللہ تعالی نے ایک موقع پر یہودیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ** (البقرۃ: ۸۵) اس سے پتہ چلا کہ پورے قرآن کریم کی تصدیق کرنے سے نجات ہوگی کچھ حصے کو ماننے اور کچھ کے انکار کرنے سے نجات نہیں بلکہ اس کی وجہ سے انسان کو سخت ترین عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس لئے مرزائیوں کی تفاسیر میں کہیں کوئی اچھا نکتہ بھی ہو تو آخرت میں مفید نہیں کیونکہ ان کا مقصد قرآن کو سمجھنا سمجھانا اور اس پر عمل کرنا نہیں بلکہ ان کا مقصد قرآن سے مرزائیت کو ثابت کرنا ہے یا یوں کہو کہ ان کی نیت قرآن کے تابع ہونے کی نہیں بلکہ قرآن کو مرزائیت کے تابع کرنے کی ہے۔ چونکہ وہ قرآن کریم سے اپنے کفریات کی تائید لینا چاہتے ہیں اس لئے مرزائی قرآنی آیات کا ایسا معنی بتائیں گے جس سے ان کا مطلب نکلے اور اسی پر وہ اصرار کریں گے اگرچہ مرزائیوں کے علاوہ کوئی اس معنی کو نہ مانے۔

<u>مرزائیوں کی تحریف کی ایک مثال:</u>

دیکھئے ساری امت کہتی ہے کہ **سورۃ التکویر** کی ابتدائی آیات میں احوال قیامت کا ذکر ہے "**وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ**" کا مطلب یہ ہے کہ جب نامۂ اعمال کھولے جائیں گے مگر مرزا قادیانی نے ان آیات میں تحریف کرکے کہا ان میں مرزا کے زمانے کے ذکر ہے لہذا مرزا قادیانی اپنے دعووں میں سچا ہے چنانچہ مرزا قادیانی لکھتا ہے **واذا الصحف نشرت** اور جس وقت کتابیں منتشر کی جائیں گی اور پھیلائی جائیں گی یعنی اشاعت کتب کے وسائل پیدا ہو جائیں گے۔ یہ چھاپے خانوں اور (باقی آگے)

کہ کسی ملحد اور بے دین اور زندیق کو کافر قرار دینے کے کیا اصول ہیں؟ کیا شرائط ہیں؟ کن پابندیوں کی بنیاد پر کسی کو کافر کہا جاسکتا ہے؟ اور اس پر پڑنے والے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کی تمام تعلیمات کو مانتا ہے لیکن کوئی ایک چیز جس کا ثبوت قرآن کریم، سے صراحۃً ہوا ہو، یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ سے ہو اس کی حقانیت سے منکر ہو جائے باقی سب کو مانتا ہے بس ایک چیز کا انکار کرتا ہے تو وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ڈاک خانوں کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانوں میں ان کی کثرت ہو جائے گی (شہادت القرآن، روحانی خزائن ج ۶ ص ۳۱۸) یہی مطلب لاہوری مرزائی کے رہنما ڈاکٹر بشارت احمد نے مجدد اعظم ج ۳ ص ۲۲۰، اور قادیانی مرزائی عبدالرحمٰن خادم نے مکمل تبلیغی پاکٹ بک ص ۱۱ میں کیا۔

<u>حیات عیسیٰ علیہ السلام کی مختصر بحث:</u>

قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی روایات متواتر ہیں ان کے تواتر کو مرزائی بھی مانتے ہیں (دیکھئے مجدد اعظم ج ۱ ص ۲۸۸) اور ان کا نازل ہونا ان کے زندہ ہونے کی دلیل ہے مگر مرزائی نہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ مانتے ہیں نہ ان کے نازل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ مرزے کے ہاں سب سے اہم عقیدہ یہی ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام عام اموات کی طرح موت اجل کے ساتھ فوت ہو چکے ہیں وہ ہرگز نازل نہ ہوں گے۔ اور اس باطل عقیدے کی تبلیغ اس کے ہاں ہر فرض سے اہم فرض ہے چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد کہتا ہے:

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے جب آپ کی بیعت کی تو آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا کہ میں قرآن مجید پڑھایا کرتا ہوں کچھ اس کے بارے میں مجھے ہدایات دیجئے فرمانے لگے قرآن میں جو **یاعیسیٰ انی متوفیک** آتا ہے وہاں **متوفیک** کے معنی **ممیتک** پڑھایا کرو جیسا کہ بخاری میں حضرت ابن عباس سے اس کے معنی **ممیتک** مروی ہیں یعنی اے عیسیٰ میں تجھے موت دینے والا ہوں باقی جس طرح چاہے مرضی پڑھاؤ (مجدد اعظم ج ۱ ص ۴۳۲) تفصیلی بحث دیکھنی ہو تو **الکلام الفصیح** یا **حق الیقین** کو پڑھیں۔ مختصر بات یہ ہے کہ اگر مرزے کے دل میں قرآن کا ادب ہوتا تو کہتا اچھی طرح مطالعہ کر کے پڑھانا تفسیر میں من مرضی سے بچنا، مگر یہ اس کو تفسیر کے معاملہ میں کھلی چھٹی دے رہا ہے۔ علاوہ ازیں **ممیتک** سے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی زمانہ ماضی میں وفات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حال کیلئے بھی ہوتا ہے استقبال کیلئے بھی۔ امت مسلمہ احادیث متواترہ کی رو سے کہتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد موت اجل کے ساتھ فوت ہوں گے مگر مرزا نبی ﷺ کی امت سے ہوتا تو امت کی موافقت کرتا۔ اور نبی ﷺ کی تکذیب نہ کرتا۔

<u>مرزائیوں کا ایک اور باطل نظریہ:</u>

مرزا قادیانی کہتا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنا علاقہ چھوڑ کر کشمیر چلے گئے تھے وہیں ان کی وفات ہوئی۔ مرزائیوں کی مرزا قادیانی کی اس بات پر بڑا فخر ہے چنانچہ مرزے کا لڑکا مرزا قادیانی کے کارنامے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

آپ نے زبردست تاریخی دلائل سے یہ بات ثابت کردی کہ واقعہ صلیب کے بعد مسیح اپنے ملک سے ہجرت کر کے کشمیر کی طرف آگئے تھے اور پھر آپ نے براہین قاطعہ سے سری نگر محلہ خانیار میں مسیح کی قبر بھی ثابت کردی (تبلیغ ہدایت ص ۱۳۷) لاہوری مرزائی بھی مرزے کے ہاں میں ہاں ملاتے ہیں (دیکھئے مجدد اعظم ج ۱ ص ۴۲۱، ۴۲۲) حالانکہ یہ نظریہ بجائے خود بہت بڑا کفر ہے اس لئے کہ نبی کا امت کو چھوڑ کر چلے جانا منصب نبوت کے خلاف ہے [دیکھئے آنحضرت ﷺ ہجرت کیلئے مکہ مکرمہ سے نکلے تو ایک رات بھی اکیلے نہ رہے حضرت ابوبکر صدیق ؓ آپ کے ساتھ تھے] اور مرزائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام چھپ کر نکل گئے۔ پھر مرزائیوں کے اس نظریہ میں ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کشمیر میں مانتے ہیں اسی زمانے میں پولس یہودی منافق نے عیسیٰ کی امت کو گمراہ کر ڈالا۔ اس طرح عیسائیوں کی قیامت تک کی گمراہی کے ذمہ دار عیسیٰ علیہ السلام ٹھہرتے ہیں جبکہ اسلام کہتا ہے کہ اللہ نے ان کو آسمان پہ اٹھالیا۔ اور اللہ جو چاہے کرے پولس نے اس وقت گمراہ کیا جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تھے اس لئے وہ امت کی گمراہی کے ذمہ دار نہیں۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے راقم کی کتاب **الکلام الفصیح فی اثبات حیاۃ المسیح** ص ۱۷۱ تا ۱۹۱۔ اور **حق الیقین بان سیدنا محمدا** ﷺ **آخر النبیین** ج ۱ ص ۲۷۷ تا ۲۸۵، ص ۳۰۲۔ <u>[مرزائیوں کی کتاب: احکام القرآن کے بارے میں]</u>

یہ بات اوپر گزری ہے کہ مرزائی نے ''احکام القرآن'' کے نام سے کتاب لکھی میرے پاس اس کی سورۃ البقرہ پر لکھی ہوئی جلد ہے (باقی آگے)

...........اس لئے اگر اس نے رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کسی ایسی تعلیم میں سے کسی ایک چیز کا انکار کیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو العیاذ باللہ جھوٹا کہہ دیا تقبیح کردی اور رسول ﷺ کو جھوٹا کہنے والا مسلمان کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ قادیانی سب چیزیں مانتے ہیں لیکن ختم نبوت کے جو معنی قرآن اور سنت نے مقرر اور متعین کر دیئے ان کا انکار کرتے ہیں الخ (ہفت روزہ ختم نبوت ۱۸ تا ۲۴ ربیع الثانی بمطابق ۱۶ تا ۲۲ راکتوبر ۱۹۹۳ء شمارہ نمبر ۲۰ جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۲۱، ۲۲)

راقم الحروف کہتا ہے کہ مرزائی اگرچہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم سب انبیاء کو مانتے ہیں اور مسلمانوں والا کلمہ پڑھتے ہیں مگر اس کے برخلاف ہے یہ سب انبیاء کے منکر ہیں نیز یہ مسلمانوں والا کلمہ نہیں پڑھتے بلکہ ہمارے کلمہ، ہماری نماز، ہماری اذان و اقامت بلکہ ہمارے قبلہ تک کا مذاق اڑاتے ہیں کیونکہ قادیانی کہتا ہے:

''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ''اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی (ایک غلطی کا ازالہ ص ۴، روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۷) خانہ کعبہ آخری نبی ﷺ کا پسندیدہ قبلہ ہے جب یہ آنحضرت ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے تو ان کو خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا کوئی حق نہیں (مزید دیکھئے آیات ختم نبوت ص ۱۰۴ تا ص ۱۱۶ نیز ص ۲۶۳ تا ص ۲۸۱، دروس ختم نبوت ص ۴۹ نیز ص ۲۱۲ تا ۲۲۳)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۔اس میں اس نے احکام القرآن کے نام سے مرزائیت کو بھر دیا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال ﴾ ارشادِ باری ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ (البقرۃ:۱۱۸) اس کے تحت یہ مرزائی لکھتا ہے کہ اس میں یہ حکم مضمر ہے کہ اگر کسی مدعیٔ نبوت کے حق میں دلائل اور نشانات موجود ہوں تو اس کی صداقت کو قبول کر لینا چاہئے (احکام القرآن ص ۳۱۰) **اقول:** مرزا قادیانی کے بعد بہت سے مدعیانِ نبوت ہوئے تمہارے کسی خلیفہ نے ان میں سے کسی کو قبول کیوں نہ کیا؟ ان سے دلائل ونشانات کا مطالبہ کیوں نہ کیا؟[۲] جب نبی ﷺ کے بعد کسی کو نبوت ملنی ہی نہیں تو اب کسی مدعیٔ نبوت کے حق میں دلائل اور نشانات ہو نہیں سکتے اس لئے تحقیق کی غرض سے کسی مدعیٔ نبوت سے دلائل ونشانات طلب کرنے والا کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ایک قطعی عقیدے میں شک کر گیا۔

دوسری مثال ﴾ ایک جگہ لکھتا ہے: حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے احمدی جماعت میں شامل ہونے والوں کے لئے دس شرائطِ بیعت میں ایک شرط یہ رکھی تھی کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے (ایضاً ص ۲۱۱) **اقول:** دیکھا آپ نے کہ یہ شخص مرزے کا، اور مرزائیوں کا ذکر کس طرح ادب سے کر رہا ہے۔

تیسری مثال ﴾ ایک جگہ لکھتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ سب مومنین ایک مرکزی نظام یعنی خلافت کے ماتحت رہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ نعمت جماعت احمدیہ کو حاصل ہے اور (اس وقت سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بطور خلیفۃ الخامس قیادت کر رہے ہیں) (ایضاً ص ۱۵۱)

**اقول:** یہاں اس نے اپنے طور پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ لاہوری مرزائیوں کا بھی رد کیا ہے جس میں مسلمانوں کو قادیانی بننے کی ترغیب ہے۔

چوتھی مثال ﴾ منافقین کے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ قرآن مجید نے انہیں اپنے دعویٰ ایمان میں جھوٹا قرار دیا ہے (المنافقون۔۲) مگر حضرت رسول کریم ﷺ نے انہیں کبھی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا بلکہ ان کے اعتراف کے مطابق انہیں مسلمان ہی تسلیم کیا حضرت اقدسؑ کی اس سنت سے اور قرآنی تعلیمات سے جو دین میں ہر قسم کے جبر کو ناجائز قرار دیتی ہیں...... یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی فرد کو مذہب وہی ہے جس کا وہ خود اظہار یا اعتراف کرتا ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دینی عقیدہ میں اختلاف کی بنا پر اپنی تشریح کو سچا سمجھتے ہوئے اسے غیر مسلم قرار دے۔ قرآنی تعلیمات کی رو سے نہ اسے انفرادی طور پر نہ اجتماعی طور پر نہ حکومتی سطح پر کسی کو عقیدہ کی تشریح میں اختلاف کی بنا پر غیر مسلم قرار دینے کا حق پہنچتا ہے ایسا کرنا اسلام کی نئی تعریف کرنے کے مترادف ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا (ایضاً ص ۱۱۷، ۱۱۸)

**اقول:** [۱] اس کا مقصد یہ ہے کہ علمائے اسلام مرزائیوں کو کافر نہ کہیں اور پاکستان قومی اسمبلی کا مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دینا اسلام کے خلاف ہے حالانکہ جو کافر ہے اس کو مسلمان کہنا جھوٹ ہے۔ جو دین ہر جگہ سچ کی تعلیم دیتا ہے وہ کسی کافر کو مسلمان کہنے کی اجازت کیسے دے گا؟[۲] جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو منافقین کے جنازے سے روک دیا، اور اس کے بعد نبی ﷺ یا صحابہ کرامؓ نے کسی ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھا جس کے بارے میں پتہ ہو کہ یہ منافق ہے ہاں کسی کو علم نہیں تو الگ بات ہے۔ جب ایک عمل منسوخ ہو گیا تو اس کو استدلال میں پیش کرنا کیونکر درست ہے؟ [۳] مسلمانوں کو ایسی باتیں سنانے والے خود نہ مسلمانوں کے پیچھے نماز درست مانتے ہیں (باقی آگے)

لاہوری مرزائی بھی قادیانی مرزائیوں کی طرح مرزا قادیانی کو نزول مسیح کی احادیث کا مصداق مانتے ہیں اور مرزا قادیانی کو اس کے دعووں میں سچا مانتے ہیں (دیکھئے لاہوری مرزائیوں کی کتاب اختلاف سلسلہ احمدیہ ص۲۲) اس لئے لاہوری مرزائی بھی مرزے کو مسیح مان کر مرزے کی نبوت کے قائل ہیں اگرچہ دھوکہ دینے کیلئے کہیں کہ ہم اس کو نبی نہیں مانتے۔اور مرزے کی کامل تصدیق کی وجہ سے اس کے باقی کفریات میں بھی شریک ہیں۔

<u>علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ کا مرزا قادیانی اور مرزائیوں سے شدید نفرت کا اظہار:</u>

مولانا محمد یوسف بنوریؒ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ: ''جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے **''لعین ابن اللعین** لعین قادیاں'' اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی۔فرماتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں؟ ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کے اظہار کرنے پر مجبور ہیں ورنہ محض تردید وتنقید سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو علمی اختلافات ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں (خاتم النبیین ص۲۴) ذیل میں بطور شاہد کے حضرت شاہ صاحبؒ کی آخری تصنیف ''خاتم النبیین'' کے چند مقامات ملاحظہ ہوں: [۱] اکنوں ایں شبہہ کہ نبوت 'نبی ساز' نماند شبہہ شیطانیہ وقیاس سوفیانہ واحمقانہ است ومزاحمت است با صاحب امر کہ مالک الملک است وایں اولاً ابلیس آغاز کرد کہ برائے اذناب خود ارث گذاشت حق تعالیٰ فرمودہ کہ ما خاتم الانبیاءؑ راختم عیبین گردانیدیم، <u>ایں شقی</u> می گوید کہ برائے تراشیدن انبیاء آمدند وایں گونہ صریح معارضہ ومناقضہ حضرت حق ابلیس کردہ کہ ارث وی <u>بایں شقی</u> رسید (خاتم النبیین ص۴۳) غور کریں کہ اس عبارت میں حضرت نے مرزا قادیانی کو دو مرتبہ شقی کہہ کر غصے کا اظہار کیا ہے۔ پھر مرزائیوں کی دلیل کو شبہہ شیطانیہ اور قیاس احمقانہ قرار دیا [۲] ایں لعین (ص۷۹ سطر۱۴) [۳] ایں اسودِ کاذب (ص۸۰ سطر۱۶) [۴] اذنابِ ایں مخذول (ص۸۰ سطر۱۲)، ایں ملحد واذناب وے (ص۱۰۱ سطر۱۰) یعنی یہ ملحد اور اس کے چیلے چانٹے (ص۲۴۱ سطر۲ نیچے سے)

دیکھئے حضرت کہیں مرزے کو شقی کہا کہیں مخذول کہیں ملحد اور ایک جگہ اسے اسودِ کاذب کہہ دیا۔اس لئے اگر ہم سے قرآن کے ترجمہ یا تفسیر میں تحریف کرنے والوں کے بارے میں کوئی ایسا لفظ لکھا جائے تو اسے تشدد نہیں غیرتِ ایمانی کا تقاضا قرار دینا۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہ مسلمانوں کی نماز جنازہ کے قائل ہیں (حوالہ جات کیلئے دیکھئے دروس ختم نبوت ص۵۷م۵۸) اور جو لوگ مرزے پر ایمان نہیں لاتے مرزا قادیانی ان کو **ذریۃ البغایا** کہتا ہے (آئینہ کمالات اسلام در روحانی خزائن ج۵ص۵۴۷،۵۴۸) اور **ذریۃ البغایا** کا معنی ہے کنجریوں کی اولاد۔کیا یہ عجیب نہیں کہ دعوے تو مرزے نے کئے اور خراب نسب کے ہو جائیں اس کو نہ ماننے والے۔قومی اسمبلی نے تو مرزائیوں کو ایسے الفاظ نہیں کہے۔پھر جو ایک مرتبہ **ذریۃ البغایا** ہو چکے مرزے پر ایمان لانے کی صورت میں وہ حلالی کیونکر ہوں گے؟

[۴] ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایمان تو اولاد نہیں لاتی اور کنجریاں مائیں بن گئیں اگرچہ وہ دنیا سے جا چکی ہوں۔اگر مرزائی کہیں کہ **بغایا** سے کنجریاں نہیں باغی مراد ہیں تو بھی مرزے کو کیا حق ہے کہ نہ ماننے والوں کی ماؤں کو باغی کہے؟

[۵] فتح خان ہوشیار پوری ایک مرزائی تھا اس نے مرزے کو چھوڑ دیا تو مرزائی کہتے ہیں وہ مرتد ہو گیا (سیرۃ المہدی ج۱ص۶۹،۷۰۔روایت ۸۸) ہمیں کفر کے فتووں سے باز رکھنے والے بتائیں کہ مرزائیوں نے فتح خان کو کس آیت کی رو سے مرتد کہا؟ [۶] علامہ اقبالؒ کے والد مرزے سے متاثر ہو گئے علامہ اقبالؒ کے سمجھایا تو انہوں نے مرزے کو خط میں لکھا کہ آپ میرا نام اپنی جماعت سے الگ رکھیں تو مرزا قادیانی نے جواب میں لکھوایا کہ وہ جماعت سے الگ نہیں بلکہ اسلام سے بھی الگ ہیں (سیرۃ المہدی ج۳ص۲۴۹ روایت ۸۵۸) مرزائی بتائیں کہ مرزے کو یہ حق کس نے دیا کہ مسلمانوں کو کافر کہے اور جو مرزائی اس کی بیعت سے نکل جائے اس کو مرتد قرار دے؟

[۷] دین اسلام اس دین کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ لے کر آئے اور اس بات کو مرزا قادیانی بھی مانتا ہے (دیکھئے عسل مصفی ج۲ص۵۳۰،۵۳۱ بحوالہ ست بچن، در روحانی خزائن ج۱۰ص۲۷۳،۲۷۴) اس لئے ہم تو اس کو کافر کہتے ہیں جو نبی ﷺ کے دین میں داخل نہیں اور اس کو مرتد کہتے ہیں جو آپ ﷺ کے دین سے نکل جائے۔مرزائیو! تم مسلمانوں کو کافر یا مرتد کیوں کہتے ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ تم عملی طور پر اسلام مرزا کے دین کو قرار دیتے ہو تمہارا نبی ﷺ کے دین سے کچھ تعلق نہیں۔

اکابر کی کچھ تفاسیر:

الحمدللہ ہمارے اکابر نے تفسیر کے موضوع پر بہت اچھی اور معیاری کتابیں لکھی ہیں مثلاً تفسیر عثمانی، حضرت تھانویؒ کی بیان القرآن یہ دونوں مختصر ہیں۔ تفسیر معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی، تفسیر معارف القرآن مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کی اور تفسیر انوار البیان مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ کی، تفسیر معالم العرفان جو حضرت صوفی عبدالحمید سواتیؒ کے درسی افادات کا مجموعہ ہے اور تفسیر ذخیرۃ الجنان جو حضرت امام اہل سنتؒ کے درسی افادات کا مجموعہ ہے۔

یاد رہے کہ معارف القرآن کے نام سے منکر حدیث غلام احمد پرویز نے بھی ایک کتاب لکھی تھی۔ بیان القرآن کے نام سے محمد علی لاہوری مرزائی کی تفسیر بھی ہے یہ دونوں کتابیں تفسیر کے نام سے قرآن کی تکذیب وتردید کرتی ہیں۔

مولانا حسین علیؒ اور حضرت تھانویؒ کی تفسیری خدمات:

مولانا حسین علیؒ واں بچراں ضلع میانوالی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کے شاگرد تھے انہوں نے تفسیر پر بہت کام کیا۔ ان کے تلامذہ اور مریدوں میں امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ بھی ہیں حضرت امام اہل سنتؒ کو اپنے اساتذہ میں زیادہ عقیدت ومحبت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے اور امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے تھی۔ کوئی شک نہیں کہ مولانا حسین علیؒ نے تفسیر پر بہت کام کیا بہت علماء نے ان سے فیض پایا مگر تحریری کام زیادہ حضرت تھانویؒ کا ہے پھر مولانا حسین علیؒ اپنے علاقے کی ضرورت کے مطابق زیادہ کام توحید پر کیا، اور حضرت تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن بڑی جامع اور حیران کن کتاب ہے۔ جس میں ربط آیات کو ذکر کرنے کا اہتمام ہے، سوالات مقدرہ کے جوابات ہیں جا بجا علمی ابحاث ہیں حضرت امام اہل سنتؒ بیان القرآن پر بہت اعتماد کرتے تھے اور کثرت سے اس کے حوالے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ راقم کی چاہت ہے کہ تفسیر کا دورہ کرانے والے حضرات اپنے اشتہارات میں جس طرح مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں حضرت تھانویؒ کا ذکر بھی کیا کریں۔

راقم کا دورۂ تفسیر کروانا:

ایک مرتبہ دورۂ تفسیر کے بعد تقسیم اسناد کے موقع پر حضرت شیخؒ یعنی امام اہل سنتؒ نے طلبہ سے فرمایا کہ اب ہم نے یہ ذمہ داری تمہارے اوپر ڈال دی ہے اس وقت اپنی نااہلی کو دیکھتے ہوئے تصور بھی نہ تھا کہ مجھے بھی یہ کام کرنا ہوگا۔ مگر تدریس کی لائن میں جڑے رہنے کی برکت سے جیسے اور کئی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا کئی مرتبہ دورۂ تفسیر کرانے کی سعادت بھی حاصل ہوئی سب سے پہلا دورۂ تفسیر ۲۰۰۲ء میں شعبان رمضان کی تعطیلات کے دوران **جامعۃ الطیبات للبنات الصالحات** میں پس پردہ طالبات کو کرایا۔ جس کا افتتاح فقیہ العصر مفتی عبدالقدوس صاحب ترمذیؒ نے فرمایا تھا۔ حضرت امام اہل سنتؒ اور دیگر اساتذۂ کرام کی طرح نہ ہمارا حافظہ نہ مطالعہ، نہ ویسا تقویٰ طہارت نہ علمی وسعت وگہرائی۔ لیکن ان حضرات سے نسبت کی برکات تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی۔

سبب تالیف:

پہلے دورۂ تفسیر میں ایک امتیازی کام یہ ہوا کہ ہر سبق کے بعد تفسیر کے بارے میں کچھ سوالات دیئے گئے۔ وقت کی قلت کی وجہ سے طالبات کو سوالات حل کر کے دکھانے کا موقع تو نہ مل سکا مگر وہ سوالات محفوظ ہوگئے۔ بعض حضرت نے سوالات کو دیکھا، تو راقم الحروف سے ان کے حل کا مطالبہ کیا، راقم الحروف نے ان کو حل کیا تو سوچا کہ ان سے استفادے کی بہتر صورت یہ ہے کہ قرآن پاک کا پورا متن مع ترجمہ ساتھ دیا جائے اور دورے کی پوری تقریر اور کچھ تحقیقی ابحاث دی جائیں۔ آخر میں سوالات ہوں تاکہ پڑھنے پڑھانے والوں کیلئے سہولت ہوجائے۔ یہ کام کئی سالوں سے شروع کیا تھا ارادہ تو یہ تھا کہ ساری تفسیر مکمل شائع ہو مگر اس میں کافی تاخیر نظر آئی اس لئے نمونے کے طور پر یہ ربع پارہ شائع کرنے کا ارادہ بنا۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ باقی کام کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچا دے آمین۔ اور جو سوالات حل کئے ہیں ان کو بھی مع جوابات شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

**''عمدۃ التفاسیر'' کی کچھ خصوصیات:**

اس کتاب میں درج ذیل امور کا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی ہے:

[۱] صرف توحید یا ختم نبوت پر زور نہ دیا جائے بلکہ کامل دین کو پیش کیا جائے اور کامل دین ہی کو اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے ارشادِ باری ہے **اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً**۔ اللہ کرے ہمارا کوئی عمل اس کو پسند آجائے ورنہ وہ جس پر چاہے گرفت کر سکتا ہے [۲] بعض سورتوں میں کچھ ایسی آیات نشاندہی کی گئی ہے جن کو اُن سورتوں کی مرکزی آیت کہا جا سکتا ہے جیسے سورت فاتحہ میں **ایاک نعبد و ایاک نستعین** [۳] سورتوں اور آیتوں کے مابین ربط کو بیان کیا گیا ہے حضرت امام اہل سنتؒ اس کا خاص اہتمام کرتے تھے اور اس کو مشکل مضمون بتاتے تھے [۴] جیسے حضرت تھانویؒ نے آیات پر عنوانات قائم کئے ہیں ان کی اتباع میں ہم نے بھی عنوانات قائم کئے اور کوشش کی کہ اگلے عنوان کا پچھلے عنوان سے ربط بھی ظاہر ہو۔ یعنی آیات کے آیات سے ربط کی طرح عنوان کا عنوان سے بھی ربط نظر آئے ہو۔

[۵] حق کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ باطل کے رد کی کوشش کی بھی گئی تا کہ پڑھنے والے طلبہ وطالبات ایسے فتنوں سے آگاہ ہو جائیں اور کسی فتنے سے متاثر نہ ہوں [۶] جن کا رد کیا گیا ہے [جیسے ستیارتھ پرکاش، مرزائیوں کی تفسیر کبیر، تفسیر نعیمی وغیرہ] کوشش کی گئی ہے کہ اُن کی عبارات نقل کر کے رد کیا جائے تا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ ہماری بات نقل نہ کی [۷] اگر چہ بعض جگہ نیا انداز نظر آئے گا مگر اپنی رائے سے کچھ نہیں لکھا جو کچھ لکھا ہے دلیل سے لکھا ہے اگر کوئی مضمون امت سے کاٹنے والا ہو تو میں اس سے بری ہوں کیونکہ صراطِ مستقیم امت کے ساتھ جڑے رہنے میں ہے اور امت کے ساتھ جڑنے کا دوسرا نام اکابر کی اتباع ہے۔ ہاں دلائل نئے ہو سکتے ہیں انداز جدید ہو سکتا ہے۔

[۸] ہمارے ہاں تفسیر کی بنیاد آیاتِ محکمات ہیں انہیں کی روشنی میں عقائد کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ ہر شخص کو یہ سمجھ آجائے کہ اکابر کے ساتھ جڑے رہنے سے ہی قرآن وحدیث کی صحیح سمجھ آتی ہے جو کچھ اکابر نے کہا وہ عین قرآن کی مراد ہے [۹] کوشش کی گئی ہے کہ مشکل مضامین کو ایسے آسان پیرائے میں بیان کیا جائے جو خطباء حضرات عوام کو سمجھا سکیں [۱۰] ائمہ مجتہدین سب ہی قابل قدر ہیں چونکہ ہمارے ہاں فقہِ حنفی پر عمل ہے اس لئے ضرورت کے مطابق دلائل فقہِ حنفی دے کر وجہ ترجیح بیان کی ہے جس کا منشا یہ نہیں کہ دوسرے ائمہ نے معاذ اللہ غلط کہا اور نہ یہ کہ اُن کے پاس دلیل نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کو مطمئن کرنا مقصد ہے کہ الحمد للہ ہمارا عمل بغیر دلیل کے نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں نہ اس کو چھوڑنے کی ضرورت ہے اور نہ اپنے بڑوں کے بارے میں بدگمان ہونے کی۔ اس بارے میں ہمیں امام طحاویؒ سے پورا اتفاق ہے۔ آپ **باب التطبیق فی الرکوع** سے پہلے رفع یدین کی بحث میں فرماتے ہیں: **قال ابو جعفر فما أردت بشيء من ذلک تضعیف أحد من أھل العلم وما ھکذا مذھبی ولکن أردت بیان ظلم الخصم لنا** (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵۶۔ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) ''ابو جعفر یعنی امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ اس سے میرا مقصد اہل علم میں سے کسی کو ضعیف کہنا نہیں اور نہ میرا یہ مذہب ہے لیکن ہمارا مقصد مخالفین کے ظلم کو بیان کرنا ہے'' کہ ہمارا عمل بغیر دلیل کے نہیں وہ ہمیں پھر کہتے ہیں کہ تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں [۱۱] ہندو عیسائی مرزائی اور دیگر فرق باطلہ کے ساتھ ہمارا اختلاف راجح مرجوح کا نہیں اس لئے ان پر تنقید کرتے وقت اگر کوئی سخت لفظ لکھا جائے تو اختلاف کی حیثیت کو واضح کرنے کیلئے ہوگا کیونکہ اگر ہم مرزا قادیانی وغیرہ کے ساتھ بھی ویسا ہی ادب کا رویہ رکھیں جیسے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھتے ہیں تو باطل کو حق اور کفر کو اسلام کہنے والی بات ہوگی۔ اور کفر کے سرغنوں کیلئے سخت الفاظ کا استعمال آپ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے حوالے سے اوپر دیکھ چکے ہیں [۱۲] تفسیر نعیمی وغیرہ میں اگر ہمارے اکابر کو کچھ کہا ہے تو ہم نے دلیل کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے

تنبیہ: یہ ٹھیک ہے کہ اس کتاب سے عام قاری پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا مگر ہم نے اس کو عام قاری کیلئے نہیں لکھا ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس سے طلبہ کرام فائدہ اٹھائیں جن کو عوام کی رہنمائی کرنی ہوتی ہے یا وہ شخص جس کو ایسی ابحاث درکار ہوں۔

## لَا تَنْظُرْ اِلٰی مَنْ قَالَ وَانْظُرْ اِلٰی مَا قَالَ:

مباحثہ شاہجہانپور ص ۱۷، ۱۸ میں ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے نہایت عاجزی کے ساتھ سب کو دعوت اسلام دیتے ہوئے فرمایا:

اے حاضرانِ جلسہ! یہ کمترین بغرض خیر خواہی کچھ عرض کیا چاہتا ہے سب صاحب بگوش ہوش سنیں میری یہ گزارش بہ نظر خیر خواہی دنیا نہیں، بلحاظِ خیر اندیشی

دین وآخرت ہے۔غرضِ اصلی میری یہ ہے کہ وہ عقائد واحکام جن کو عقائدِ دینی اور احکامِ خداوندی سمجھتا ہوں سب حاضرانِ جلسہ کو بالاجمال سناؤں اور اس لحاظ سے مجھ کو یہ وہم ہے کہ شاید حاضرانِ جلسہ میری بدافعالی اور خستہ حالی پر نظر کر کے میری گذارش پر کچھ دل نہ لگائیں اور دل میں یہ فرمائیں کہ

''خود را فضیحت ودیگراں را نصیحت''

مگر اہلِ عقل خود جانتے ہوں گے کہ طبیب کا بدپرہیز ہونا مریض کو مضر نہیں اسی طرح اگر میں خود اپنے کہے پر عمل نہ کروں اور دوسروں کو سمجھاؤں تو کیا نقصان ہے جو میری گزارش کو قبول نہ فرمائیں۔علیٰ ھٰذا القیاس منادی کرنے والے کا بھنگی ہونا حکام دنیا کے احکام قبول کرنے اور تسلیم کرنے کو مانع نہیں اس کو کوئی نہیں دیکھتا کہ سنانے والا بھنگی ہے غریب ہوں یا امیر۔عام لوگ ہوں یا نواب، بھنگی کی زبان سے احکامِ شاہی سن کر سرِ نیاز خم کر دیتے ہیں۔

جب حکامِ دنیا کے احکام کی اطاعت میں یہ حال ہے تو احکم الحاکمین خداوندِ رب العالمین کے احکام کی اطاعت میں بھی میری خستہ حالی پر نظر نہ کیجئے اس سے بھی کیا کم کہ مجھ کو بمنزلہ ایک بھنگی کے سمجھئے۔غرض مجھ کو نہ دیکھئے اِس کو دیکھئے کہ میں کس کے احکام سناتا ہوں اور کس کی عظمت وشان سے مطلع کرتا ہوں۔انتہی۔

<u>راقم الحروف کی درخواست:</u>

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ میں ایک بھنگی سے بھی گیا گزرا ہوں کسی فرقے سے ذاتی عداوت یا ذاتی اختلاف نہیں اللہ کے فضل وکرم سے زمانہ طالبعلمی میں کتاب ''مفتاح الصرف''لکھی جس کا باعث یہ ہوا کہ صرف کے اندر نئی آسان، تحقیقی اور جاندار تراتیب سامنے آئیں۔یقین نہ ہو تو کتاب ''مفتاح الصرف'' کا آخری حصہ اور کتاب ''تحفۃ المشتاق''یعنی الحاق کی بحث کو دیکھ لیں اگر یہ عاجز علم صرف ہی پڑھاتا رہتا[جیسے بعض علماء ''ارشاد الصرف'' ہی میں زندگی گزار دیتے ہیں دوران سال اس کی تدریس کرتے ہیں چھٹیوں میں اس کا دورہ کرواتے ہیں]تو طلبہ کی خدمت بھی ہوتی اور کسی سے اختلاف بھی نہ ہوتا۔لیکن جب تفسیر کے نام سے ایسی کتابیں نظر آتی ہیں جن میں کسی میں ختم نبوت کا انکار ہے(دیکھئے مرزا بشیر الدین محمود کی کتاب تفسیر کبیر تحت قولہ تعالیٰ **صراط الذین انعمت علیھم**) کسی میں انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار ہے(دیکھئے محمد علی لاہوری مرزائی کی کتاب بیان القرآن ج ۱ص ۳۲۲) کسی میں مرزا قادیانی جیسے ملعون کو مسیح کہا جا رہا ہے(ایضاً ج ۳ص ۱۵۱۷) کسی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ذہن سازی کی جاتی ہے، کسی میں تیجا ساتواں دسواں اور چہلم وغیرہ قبیح رسومات کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے(خزائن العرفان سورۃ البقرۃ تحت قولہ **ومما رزقنٰھم ینفقون**،سورۃ النساء ف ۲۰) کسی میں اکابر کی مخالفت کر کے امت سے کاٹا جا رہا ہے[حالانکہ ہمارے لئے اکابر کی اتباع ہی صراط مستقیم ہے]تو ڈرتا ہوں کہ کہیں کل قیامت کے دن اللہ کے حضور یہ قرآن میرے خلاف گواہی نہ دے دے کہ جب میرے اوپر یہ ظلم ہو رہا تھا تو اس نے میرا دفاع نہ کیا ارشادِ نبوی ہے:**اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَکَ اَوْ عَلَیْکَ** (مسلم حدیث نمبر ۲۲۳ کتاب الطہارۃ باب فضل الوضوء) بس یہ مجبوری ہے میرے لکھنے کی ورنہ میں جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ نہ میری اتنی معلومات ہیں نہ میں اس کا اہل ہوں اس لئے میری حیثیت کو یا میرے عمل کو نہ دیکھئے جس دردِ دل کے ساتھ اس کو لکھا ہے اس کا لحاظ کیجئے اور میرے ساتھ اس کارِ خیر میں معاون بننے کی کوشش کریں۔آخر آپ کو بھی تو خدا کے حضور پیش ہونا ہے خدا کیلئے ایسی باطل تفاسیر کے سامنے سدِ سکندری بن جائیں اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

<u>فتنوں سے آگاہ کرنا،اور حق کا دفاع کرنا اساتذہ کی ذمہ داری ہے:</u>

ہر زمانے میں علمائے کرام فتنوں کے سدباب کیلئے فکرمند رہے اس لئے ایک مدرس کا کام صرف یہ نہیں کہ مروجہ شروح کو سامنے رکھ کر کتاب کی وضاحت کر دے یا امتحانی سوالات کے مطابق تیاری کروا دے بلکہ ایمان کی حفاظت کا فکر سب سے مقدم ہونا چاہئے۔حضرت مولانا عبد الشکور ترمذیؒ کی سوانح میں لکھا ہے:

جس مجلس میں فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کو تفسیر ''جواہر القرآن'' اور اس کے رد میں لکھی ہوئی کتاب ''ھدایۃ الحیران'' کا مسودہ دکھایا غالباً اسی مجلس میں یہ بات بھی آئی کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ طالب علم آٹھ سال تک ہمارے مدرسے میں پڑھتا

ہے مختلف اساتذہ کرام، علماء عظام سے علم حاصل کرتا ہے جو علم و عمل کے پہاڑ، معقول اور منقول کے ماہر ہوتے ہیں ہمارے ہی مدارس طلبہ کو ہر قسم کی سہولتیں بھی فراہم کرتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دو مہینے کسی دوسری جگہ دورۂ تفسیر پڑھنے سے ان کا ہم مسلک ہو جاتا ہے؟ اس کا ذکر بڑے تعجب میں کیا گیا۔

حضرت مفتی اعظمؒ کے ارشاد سے تائید:

اس کے بعد لکھا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا بھائی اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں طالب علم کو صرف کتاب پڑھائی جاتی ہے جس فن اور موضوع کی کتاب ہے استاد طالب علم کو وہی پڑھا دیتا ہے ہدایہ پڑھانے والا بس ہدایہ پڑھا رہا ہے اور جلالین والا جلالین۔ کتاب تو محنت سے پڑھا دی جاتی ہے جس میں محنتی طالب علم ماہر بن جاتا ہے لیکن مسلک نہیں پڑھایا جاتا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد علم و فنون میں تو خوب ماہر ہوتا ہے مگر مسلک مزاج اور ذوق کا اسے پتہ نہیں ہوتا دوسرے حضرات ایک دو ماہ میں صرف تفسیر ہی نہیں پڑھاتے بلکہ اس مختصر وقت میں تفسیر تو پڑھانا ممکن ہی نہیں بلکہ وہ حضرات تفسیر کے نام سے اپنا مسلک پڑھاتے ہیں طالب علم کے ذہن میں اپنے نظریات اور مسلک ڈالا جاتا ہے اسی کی خصوصی تربیت اس کو دی جاتی ہے اس لئے اس مختصر مدت میں وہ انہی کا ہو جاتا ہے جو آٹھ دس سال کے عرصہ میں اس کو نہیں ملی تھی وہ دو ماہ میں مل گئی یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ طالب کو صرف کتاب نہیں پڑھانی چاہئے بلکہ کتاب کے ساتھ ساتھ اس کو اکابر کا مسلک و مشرب ان کے عقائد و نظریات بھی پڑھائے جائیں اور اکابر کا ذوق و مزاج بھی سکھایا جائے اس کے لئے ملک کے بڑے ادارے اگر اہتمام کریں تو جلد فائدہ کی امید ہے (حیاۃِ ترمذی ص ۳۷۹)

**اشکال:** آپ نے ہندوؤں کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے اس کی کیا ضرورت تھی؟ نہ یہاں ہندو رہتے ہیں اور نہ کتاب "ستیارتھ پرکاش" ملتی ہے۔ علاوہ ازیں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس کا جواب دیا ہوا ہے۔

**جواب:** جو نظریاتی فتنہ ایک دفعہ پیدا ہو وہ ختم نہیں ہوتا، اس نام سے یا کسی اور نام سے چلتا رہتا ہے۔ عبدالکریم شہرستانیؒ فرماتے ہیں:

جب ابلیس کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی تو اس نے فرشتوں کے سامنے خدا تعالیٰ پر سات قسم کے اعتراض کئے شہرستانیؒ فرماتے ہیں کہ جتنے بھی کفر و ضلال کے فرقے ہیں ان کے شبہات ان سات کے اندر اندر ہی ہیں (تفصیل کیلئے دیکھئے **الملل والنحل لعبد الکریم الشهرستانی** ج ۱ ص ۱۶ تا ص ۲۰) چونکہ ہندو اور دیگر منکرین اسلام ختم نہیں ہو گئے ہندوستان میں تو حکومت ہی ہندوؤں کی ہے اس لئے ستیارتھ پرکاش میں لکھے ہوئے اعتراضات اور لوگوں سے بھی آ سکتے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے جواب الگ کتاب میں ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ستیارتھ پرکاش کا مکمل رد تفسیر کے ساتھ ساتھ ہو۔ اور اپنے انداز میں ہو۔ جس طرح عیسائیوں کی کتاب "الفرقان الحق" پر تبصرہ بھی اس تفسیر میں دیا ہے۔

اس کتاب کی ایک اور خصوصیت:

دیگر کتبِ تفسیر کی نسبت اس کتاب میں حضرت نانوتویؒ کے افادات کو خاص طور پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس اعتبار سے اگر اس کتاب کو "تفسیراتِ قاسمیہ" کہا جائے تو بجا ہے۔ عوام تو آپ کو فقط "بانی دار العلوم دیو بند" کی حیثیت سے جانتی ہے جبکہ آپ اسلام کے بہت بڑے ترجمان بھی تھے، اور ردِ ادیانِ باطلہ کے بہت بڑے امام بھی۔ حضرت نانوتویؒ کی ایک کتاب کا نام "حجۃ الاسلام" ہے اور حضرتؒ کو بھی حجۃ الاسلام کہتے ہیں حضرتؒ کو حجۃ الاسلام کیوں کہتے ہیں؟ اس کا جواب آپ کو نیچے کی سطور میں ملے گا۔

اسلام کی ترجمانی اور حضرت نانوتویؒ کا حجۃ الاسلام ہونا:

۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۷ء میں ہندوستان کے علاقہ "شاہجہانپور" میں ہندوؤں عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین مباحثے ہوئے جن میں ان مذاہب کے نمائندوں کو اپنے اپنے مذہب کی حقانیت بیان کرنی تھی مباحثہ کروانے والے ہندو تھے۔ وہاں مسلمانوں کی طرف سے جو حضرات پیش ہوئے ان میں سرفہرست مولانا

محمد قاسم نانوتویؒ تھے آپؒ نے وہاں نہایت مختصر وقت میں عجیب وغریب انداز سے دین اسلام کی حقانیت اور دوسرے ادیان کا بطلان ثابت کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی نبوت ہی ثابت نہ کی بلکہ آپ ﷺ کا اعلیٰ اور آخری نبی ہونا بھی ثابت کیا، اور یہ منوا کر آئے کہ اب نجات صرف آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی اتباع میں ہے۔ ایمان تو اللہ کی توفیق سے ملتا ہے مگر ان کو حضرت کی باتوں کا جواب نہ آیا اور ہر طرف اسلام زندہ باد کے نعرے لگ گئے۔ مباحثوں میں کامیابی سے ہر طرف آپ کی شہرت ہوگئی۔ اور آپ کو حجۃ الاسلام کہا گیا۔

بڑی خوش نصیبی ہے کہ ان مباحثوں کی روئیدادیں چھپ گئیں جن میں حضرت کے بیانات اور غیر مسلموں کی طرف سے کئے گئے اعتراضات اور ان کے جوابات سامنے آئے۔ حضرت کی اور تصانیف میں بھی ایسے مضامین ملتے ہیں بہرحال آپ اپنے زمانے میں مجدد اسلام بھی تھے اور رد ادیان باطلہ کے امام بھی۔

<u>حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کی اشاعت کے بارے میں حضرت شیخ الہندؒ کی فکر:</u>

حضرت کے تلامذہ کی چاہت تھی کہ حضرت کے علوم کی اشاعت ہو، اور ان سے خوب استفادہ کیا جائے چنانچہ حضرت نانوتویؒ کے جانشین شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ کتاب ''حجۃ الاسلام'' کی اشاعت کے وقت اس کے شروع میں لکھتے ہیں:

اب طالبان حقائق اور حامیانِ اسلام کی خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے کہ تائید احکام اسلام اور مدافعت فلسفہ قدیمہ وجدیدہ کیلئے جو تدبیریں کی جاتی ہیں ان کو بجائے خود رکھ کر حضرت خاتم العلماء کے رسائل کے مطالعہ میں بھی کچھ وقت ضرور صرف فرماویں اور پورے غور سے کام لیں اور انصاف سے دیکھیں کہ ضروریات موجودہ زمانہ حال کے لئے وہ سب تدابیر سے فائق اور مختصر اور بہتر اور مفید تر ہیں یا نہیں۔ اہل فہم خود اس کا تجربہ کچھ تو کر لیں میرا کچھ عرض کرنا اس وقت غالباً دعوی بلا دلیل سمجھ کر غیر معتبر ہوگا اس لئے زیادہ عرض کرنے سے معذور ہوں اہل فہم وعلم خود موازنہ وتجربہ فرمانے میں کوشش کر کے فیصلہ کر لیں۔

باقی خدام مدرسہ عالیہ دیوبند نے تو یہ تہیہ بنام خدا کر لیا ہے کہ تالیفات موصوفہ مع بعض تالیفات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ وغیرہ تصحیح اور کسی قدر توضیح وتسہیل کے ساتھ عمدہ چھاپ کر اور نصاب تعلیم میں داخل کر کے اُن کی ترویج میں اگر حق تعالیٰ توفیق دے تو جان توڑ کر ہر طرح کی سعی کی جائے اور اللہ کا فضل حامی ہو تو وہ نفع جو اُن کے ذہن میں ہے اوروں کو بھی اس کے جمال سے کامیاب کیا جائے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

کیا فائدہ فکر بیش وکم سے ہوگا ہم کیا ہیں؟ جو کام ہم سے ہوگا جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا (حجۃ الاسلام ص ۳)

مگر افسوس کہ حضرت شیخ الہندؒ اپنی کثیر مصروفیات کی بنا پر اس کے علاوہ کسی اور کتاب پر یہ کام نہ کر سکے۔ (دیکھئے تحفہ لحمیہ طبع کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ص ۲)

<u>حضرت نانوتویؒ کی عظیم کرامت رد مرزائیت کے بارے میں بے مثال خدمات:</u>

راقم الحروف نے ''حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت'' میں عقیدۂ ختم نبوت اور شان رسالت کے بارے میں حضرتؒ کی عبارات کو جمع کرنے کی کوشش کی اس کے علاوہ اپنی اور کئی کتابوں میں حضرت نانوتویؒ کی عبارات کو لانے پر محنت کی۔ بالخصوص کتاب ''**حق الیقین بان سیدنا محمدا ﷺ آخر النبیین**'' جو مرزائیوں کی کتاب ''**الحق المبین فی تفسیر خاتم النبیین** '' کے جواب میں ہے اس میں اس کا زیادہ اہتمام کیا۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح سامنے آگئی کہ رد مرزائیت میں جتنا کام حضرت نانوتویؒ کی کتب میں پایا جاتا ہے اور علماء کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ اور یہ اس اعتبار سے حضرت کا عظیم کارنامہ بلکہ حضرتؒ کی کرامت ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے زمانہ میں مرزا قادیانی کا فتنہ ظاہر نہ ہوا تھا۔ حضرت کی وفات ہوئی ۱۲۹۷ھ میں اور مرزا قادیانی پر پہلا فتوی کفر لگا ۱۳۰۱ھ میں۔ پھر کسی کو ہماری بات پر یقین نہ ہو تو کتاب ''**حق الیقین بان سیدنامحمدا ﷺ آخر النبیین**'' طبع شدہ ہے پڑھ کر تسلی کر لے۔

<u>اس کتاب میں حضرتؒ کے کلام کو لانے کی وجوہات:</u>

شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ حضرتؒ کی خدمات اپنی جگہ مگر جب حضرت نے تفسیر کی کوئی کتاب نہیں لکھی تو حضرت کے افادات کا اتنا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت؟ تو جواب یہ ہے کہ حضرت کے افادات کو لانے کی چند وجوہات ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کے افادات کو لانے کی پہلی وجہ:

اگر چہ حضرتؒ نے تفسیر کے نام سے مستقل کتاب نہ لکھی مگر تفسیر کے حوالے سے حضرت نانوتویؒ کی خدمات بہت زیادہ ہیں اور یہ دعوی تب ہی سمجھ آئے گا جب حضرت کی عبارات پیش کی جائیں گی۔ حضرت کے عقیدت مندوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی خدمات کو اجاگر کریں۔ مرزائیوں کو دیکھئے انہوں نے اس بارے میں کتابیں لکھ ڈالیں کہ مرزا قادیانی نے قرآنی آیات کی کس کس طرح تفسیر کی اور وہ مرزا کی تحریروں میں یا مرزائیوں کے لٹریچر میں کہاں کہاں ملے گی؟

دوسری وجہ: ہم نے ردِ باطل کا بھی اہتمام کیا ہے اور ہمارا دعوی ہے کہ ردِ باطل کے حوالے سے حضرتؒ کی خدمات زیادہ بھی ہیں اور بڑی جاندار بھی۔ ان شاء اللہ یہ کتاب پڑھ کر آپ کو یقین ہو جائے گا کہ حضرت نانوتویؒ واقعی ردِ ادیانِ باطلہ کے امام تھے۔

تیسری وجہ: بریلوی، مرزائی اور بعض غیر مقلدین [جن کا ذکر سید بادشاہ تبسم شاہ بخاری نے اپنی کتاب: ختم نبوت اور تحذیر الناس ص ۴۶۰ تا ص ۴۶۴ میں کیا] کہتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ ختم نبوت کے منکر تھے اور بریلوی ایسی باتیں تفسیر نعیمی وغیرہ میں بھی لکھتے ہیں اس لئے ہم تفسیر میں حضرتؒ کے مضامین لائیں گے تا کہ ان کا دفاع بھی ہو اور ختم نبوت کے اس مظلوم مجاہد سے بہتان کا ازالہ بھی۔ اور منکرین ختم نبوت کا رد بھی۔

چوتھی وجہ: کہا جاتا ہے کہ حضرت کی کتابیں بہت مشکل ہیں آسانی سے سمجھ نہیں آتیں حالانکہ ان کی بعض کتابیں بہت آسان ہیں جیسے حجۃ الاسلام، مباحثہ شاہجہانپور، میلہ خدا شناسی، ہدیۃ الشیعہ ہاں بعض کتابیں مشکل ہیں مگر مشکل کہہ کر کتابوں کو ایک طرف رکھ دینا وفاداری نہیں بے وفائی ہے۔ اگر مشکل ہونے کی وجہ سے چھوڑنا ہے تو نورانی قاعدہ ایک طرف رکھ دو کیونکہ اس کی بعض تختیاں خاص طور پر ''وَالصّٰفّٰتِ'' وغیرہ مشکل ہیں کہ ان کے ہجے نہ عام استاد کروا سکتا ہے نہ ہر بچہ کر سکتا ہے۔ استفادے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے آسان کتابیں پڑھو پھر آہستہ آہستہ مشکل کی طرف آؤ نہ یہ کہ مشکل کی وجہ سے آسان سے بھی محروم رہو۔ واللہ الموفق۔

پانچویں وجہ: حضرت نانوتویؒ مظلوم ہیں اور مظلوم کی مدد کرنا بڑا ثواب اور مظلوم کو بے یار و مددگار چھوڑنا سخت گناہ ہے۔ حضرتؒ ایک تو اس وجہ سے مظلوم ہیں کہ ان کو منکرِ ختم نبوت زمانی کہتے ہیں حالانکہ وہ ختم نبوت زمانی کے منکر ہرگز نہیں دوسرے اس وجہ سے مظلوم ہیں کہ ان کی سب کتابوں کو مشکل کہہ کر ان کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کی متنازع فیہا عبارات کو حل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، ان کی دیگر کتب سے استفادہ نہیں کرتے۔ اور قدرت کے ہوتے ہوئے مظلوم کی مدد نہ کرنے پر بڑی وعیدیں آئی ہیں راقم الحروف نے حق الیقین ج ۳ ص ۵۸۲ تا ص ۵۸۴ میں اس بارے میں روایات با حوالہ نقل کر دی ہیں ایک روایت کا مفہوم یوں ہے کہ جس نے قدرت کے باوجود مسلمان کی مدد نہ کی ساری مخلوق کے سامنے رسوا ہوگا، ایک حدیث قدسی میں ہے: اللہ فرماتے ہیں میں ایسے بندے سے انتقام لوں گا۔

یہ چند وجوہات ہیں جن کی وجہ سے راقم الحروف نے حضرت نانوتویؒ کے افادات لانے کا ارادہ کیا۔ کوشش ہوگی کہ مفہوم پر اکتفاء نہ کریں عبارات ان کے الفاظ میں ہوں تا کہ ان سے اجنبیت دور ہو، سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو، افادیت سامنے آئے، یہ شبہ بھی دور ہو کہ ان کا کلام تو محض فلسفیانہ ہوتا ہے۔

اہل علم سے درخواست:

علماء وطلباء سے درخواست ہے کہ اس تحریر میں کتابت کی غلطی ہو یا کوئی بات سلف صالحین کے مسلک کے خلاف معلوم ہو تو ضرور مطلع فرمائیں، اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے قبر میں ہم سب کو اپنے اپنے وقت پر اللہ کی طرف سے ''صَدَقَ عَبْدِیْ'' سننا نصیب ہو، قیامت کے دن عرش کے سائے کے نیچے جگہ ملے، نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں آئے۔ حساب کی سختی سے بچ جائیں اور آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے محرومی نہ ہو۔ آمین

فقط

بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم

غَفَرَ اللّٰهُ ذُنُوْبَهٗ وَسَتَرَ عُيُوْبَهٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۂ فاتحہ

**اللہ کی تعریفیں بے شمار ہیں:**

اس سورت کا ایک نام سورۃ الحمد ہے۔ ہندو اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنی تعریف کیوں کی؟ ان کی باتوں میں نہ آئیں اللہ کی ذات تو ایسی ہے کہ اگر سب سمندر سیاہی اور سب درخت قلمیں بن جائیں سب جن وانس لکھنے لگ جائیں تو نہ اس کی معلومات پوری ہوں اور نہ اس کی تعریفیں اور خوبیاں ختم ہوں (دیکھئے عثمانی ص ۴۰٦ تحت سورۃ الکہف: ۱۱۰، ص ۵۵۰ تحت سورۃ لقمان: ۲۷)

**مرکزی آیت اور اس کا مضمون:**

یہ بات آگے آ رہی ہے کہ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے اور آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سورۂ فاتحہ کا خلاصہ۔ اس مرکزی آیت سے معلوم ہوا کہ مومن کا اصل بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے اگر بندوں سے استعانت کرتا ہے تو یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ اللہ کے بنائے ہوئے اسباب ہیں کام ہوگا تو اللہ کے حکم سے ہی ہوگا۔ مومن سخت گرمی میں پانی پیتا ہے تو عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ پیاس اللہ کے حکم سے ہی بجھے گی اس لئے پانی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھتا ہے پینے کے بعد الحمد للہ کہتا ہے۔ اس لئے مومن کا کسی بندے سے مدد لینا یا وسائل اختیار کرنا بھی اللہ ہی سے استعانت ہے۔

**حضرت نانوتویؒ کا ارشاد:**

آپ فرماتے ہیں: کلام پاک خداوند کریم میں بھی بعضی عبارتیں ایسی ہیں کہ وہ بندوں کی طرف سے علی العموم فقط، یا رسول اللہ ﷺ ہی کی طرف سے ہیں......... چنانچہ سورۃ فاتحہ اسی قسم کی ہے خاص کر اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے لے کر آخر تک جس کا یہ مضمون ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہمیں سیدھی راہ چلا الخ ظاہر ہے کہ یہ عبارت خداوندِ کریم نے بندوں کی طرف سے بنا کر ان کے حوالہ کردی ہے کہ وقتِ حضورِ دربارِ خداوندی ، یعنی وقت نماز کے، اس طور پر خداوندِ کریم سے عرض معروض کیا کریں (ھدیۃ الشیعۃ ص ۳۴۰، ۳۴۱)

حضرتؒ کی اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ سورت ہمارے لئے ایک درخواست فارم کی طرح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ داخلے کا فارم اس وقت تک ملتا ہے جب تک داخلہ جاری ہوتا ہے۔ جب داخلہ بند ہو جائے تو فارم نہیں ملا کرتے تو اس سورت کا باقی رہنا اس کی دلیل ہے کہ جس ہدایت کو آپ ﷺ لے کر آئے وہ باقی ہے اگر وہ باقی نہ ہوتی تو اللہ اس سورۃ کو اٹھا لیتے تا کہ نیا نبی آئے تو اپنے ساتھ ہدایت کا فارم بھی لے کر آئے۔ تو جب نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت موجود ہے اور اس دعا کے ساتھ مل سکتی ہے تو پھر کسی اور نبی کی کیا ضرورت ہے؟ معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں ☆ صیغہ جمع متکلم سے معلوم ہوا کہ امام کی قراءت کی وجہ سے مقتدی پر قراءت نہیں واللہ اعلم مزید تفصیل اگلے صفحات میں اور "آیاتِ ختم نبوت" ص ٦۲، ٦۳، اور "حضرت نانوتویؒ اور خدماتِ ختم نبوت" ص ۳۵۸ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

# سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱)

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

**ترجمہ** سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے☆ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے☆ روز جزا کا مالک ہے☆ (اے اللہ) ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں☆ ہمیں سیدھے راستے پر چلاتے رہنا☆ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا☆ نہ تو ان پر (تیری طرف سے) غضب نازل کیا گیا، اور نہ وہ گمراہ ہوئے☆

---

۱) کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کا باب نمبر ۱۳ بائبل اور باب نمبر ۱۴ اسلام کے رد میں ہے باب نمبر ۱۴ میں قرآن کریم پر ۱۵۹، اعتراضات کئے ہوئے ہیں بعض مکرر ہیں تو بعض نمبروں کے نیچے ایک سے زیادہ اعتراض ہیں۔ راقم کی کوشش ہوگی کہ ان کے جوابات بھی دیئے جائیں، یہ کتاب پنڈت دیانند سرسوتی کی لکھی ہوئی ہے جو مباحثہ شاہجہانپور میں حضرت نانوتویؒ کے سامنے آیا تھا حضرتؒ نے قبلہ نما اور انتصار الاسلام بھی اس کے اعتراضات کے جوابات میں لکھی ہیں۔ ستیارتھ پرکاش کا تیرھواں چودھواں باب جن میں بائبل اور قرآن کریم پر اعتراضات ہیں وہ ستیارتھ پرکاش کی پہلی طبع میں نہ تھے بعد میں پنڈت نے خود بڑھائے ہیں ہمارے پاس ستیارتھ پرکاش کا جو نسخہ ہے اس کے دیباچہ میں وہ لکھتا ہے: لیکن آخری دو باب اور اپنا اعتقاد کسی باعث سے پہلی دفعہ شائع نہ ہوسکا اس دفعہ یہ بھی شائع کئے گئے ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۱، ۲)

پنڈت دیانند سرسوتی کی چالاکی: قارئین کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے لکھتا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف سے میرا اصلی مقصد صداقت کا اظہار ہے یعنی جو سچائی ہے اس کو سچائی اور جو جھوٹ ہے اس کو جھوٹ ہی بیان کرنا ہے میں نے راستی کا اظہار سمجھا ہے۔ سچ کی جگہ جھوٹ اور جھوٹ کی جگہ سچ کا اظہار کرنا صداقت نہیں ہے بلکہ جو بات جیسی ہے اسے ویسا ہی کہنا لکھنا اور ماننا صداقت ہے جو آدمی متعصب ہوتا ہے وہ اپنے جھوٹ کو بھی سچ اور دوسرے مخالف مذہب کے معتقد کے سچ کو بھی جھوٹ ثابت کرنے میں مستعد ہوتا ہے اس لئے صداقت کو حاصل نہیں کرسکتا (ستیارتھ پرکاش ص ۲) [ستیارتھ پرکاش کا ترجمہ: سچے معانی کا اظہار۔ دیکھئے ص ۹] ☆ آج کل ہر مذہب میں بہت سے علماء ہیں ان کو چاہئے کہ تعصب چھوڑ کر عالمگیر اصول اختیار کریں یعنی جو باتیں سب کے لئے قابل تسلیم اور ہر مذہب میں سچی (یکساں) ہیں ان کو مانیں اور جو باتیں ایک دوسرے کی مخالف ہیں ان کو ترک کر کے آپس میں محبت سے برتاؤ رکھیں تا کہ دنیا کو پورا فائدہ پہنچے (ایضاً ص ۳) نیز کہتا ہے: اس کتاب کی تصنیف میں یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ جو باتیں سب مذاہب میں سچی ہیں وہ سب کے غیر مخالف ہونے کی وجہ سے تسلیم کی گئی ہیں اور جو باتیں (مختلف) مذاہب میں جھوٹی ہیں ان کی تردید کی گئی ہے چنانچہ مختلف مذاہب کی پوشیدہ یا ظاہر بری باتیں عالم اور ان پڑھ سب خاص و عام کے سامنے پیش کردی گئی ہیں تا کہ سب آپس میں سوچ بچار کر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوئے ایک ہی سچے دھرم کو قبول کریں (ایضاً ص ۴)

**اقول:** یہ شخص در اصل اور ادیان سے بدظن کر کے اپنی طرف کھینچ رہا ہے وہ در پردہ کہتا ہے کہ سچائی کا معیار میں ہوں ورنہ وہ بتائے کہ اس کو کیسے پتہ چلا کہ اس مذہب میں یہ بات سچی ہے یہ بات سچی نہیں۔ سچائی کا معیار اس کے ہاں اس کا اپنا دین ہے اس کے اپنے نظریات ہیں چنانچہ وہ اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۹ میں ہندوؤں کی کتاب ''وید'' کے بارے میں لکھتا ہے: ''جو کوئی کسی سے پوچھے کہ تمہارا مذہب کیا ہے تو یہی جواب دینا کہ ہمارا مذہب ''وید'' ہے یعنی جو کچھ ویدوں میں لکھا ہے ہم اس کو مانتے ہیں''۔ (باقی آگے)

## ﴾سورۃ فاتحہ سے متعلقہ چند ابحاث﴿

### اس سورۃ کی اہمیت

آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں مگر کامل سورت جو سب سے پہلے نازل ہوئی وہ یہی سورت ہے، یہ سورت ایک حیثیت سے پورے قرآن کا متن ہے اور سارا قرآن اس کی شرح (معارف القرآن مفتی صاحب ج۱ ص۲۷) ایسی اور سورت نہیں (معارف القرآن مفتی صاحب ج۱ ص۴۳) بعض روایات کے مطابق یہ قرآن کریم کی سب سے عظیم سورت ہے (بخاری ج۲ ص۷۴۹)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ویدوں کے بارے میں ہی لکھتا ہے کہ "ان کو منزہ عن الخطا اور مستند مانتا ہوں......ان کے سند کیلئے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں (ایضاً ص ۷۹۳)

<u>مثال سے وضاحت:</u>

سیدھی سچی بات ہے کہ اگر کوئی شخص شادی کے بعد بغیر اولاد کے فوت ہوگیا اب اس کی نسل نہیں ہوسکتی مگر پنڈت کہتا ہے کہ اس کی بیوہ کسی غیر آدمی سے زنا کرے تو جو اولاد ہوگی وہ فوت شدہ خاوند کی سمجھی جائے گی خاندان بھی اس کا مانا جائے گا وارث بھی اس کی ہوگی مگر پنڈت اس زنا کا نام نیوگ رکھتا ہے چنانچہ لکھتا ہے (سوال) دوبارہ شادی اور نیوگ میں کیا فرق ہے؟ (جواب) اول جس طرح بیاہ کرنے میں لڑکی اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر خاوند کے گھر جارہتی ہے اور اس کا باپ کے ساتھ کچھ خاص تعلق نہیں رہتا (اس کے برعکس) بیوہ عورت اپنے پہلے خاوند کے ہی گھر میں رہتی ہے (دوم) اس نیوگ کرنے والی عورت کے لڑکے شادی شدہ خاوند کی جائداد کے وارث ہوتے ہیں اور بیوہ عورت کے لڑکے نیوگ کرنے والے کے نہ لڑکے کہلاتے ہیں اور نہ اس کو گوتر [یعنی خاندان، ذات۔ راقم] اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی اس کا دعوی ان لڑکوں پر ہوتا ہے بلکہ وہ (اس عورت) کے مرحوم خاوند کے لڑکے شمار کئے جاتے ہیں، اس کے گوتر اور اس کی جائداد کے دعوے دار ہوکر اسی کے گھر میں رہتے ہیں (سوم) ازدواج میں عورت اور مرد کو باہم خدمت اور پرورش کرنی ضرور ہے اور نیوگ کرنے والے مرد وعورت کا ایسا کچھ بھی تعلق نہیں رہتا (چہارم) ازدواج میں مرد وعورت کا تعلق تاحیات رہتا (ہے) اور نیوگ کرنے والے مرد وعورت کا بعد ادائے رسم نیوگ قطع تعلق ہوجاتا ہے (پنجم) ازدواج سے مرد وعورت مل کر گھر کے کام پورے کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور نیوگ کرنے والے مرد وعورت اپنے گھر کے کام کیا کرتے ہیں (ستیارتھ پرکاش ص۱۴۷) جو فرق اس نے ازدواج اور نیوگ میں لکھے وہی فرق ازدواج اور زنا میں ہیں۔ پنڈت زنا اور نیوگ میں فرق یہ کرتا ہے کہ نیوگ میں یہ ضروری ہے کہ آپس کی رضامندی ہو، اور کنبے میں اقرار ہو کہ ہم یہ نیوگ اولاد کیلئے کر رہے ہیں (ستیارتھ پرکاش ص۱۵۰) یعنی زنا میں بتانا ضروری نہیں اور نیوگ میں بتانا ضروری ہے۔ تو نیوگ بتا کر زنا ہوا۔ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد سب کے علم میں ہے کہ بیوہ کے پہلے خاوند کی نہیں مگر پنڈت اس اولاد کو بیوہ کے فوت ہوئے خاوند کی اولاد کہہ رہا ہے۔

ثابت ہوا کہ کہ سچائی کا معیار اس کے ہاں اس کا اپنا مذہب ہے جبکہ سچائی کا معیار دین اسلام ہے چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ جو مباحثے کئے ان میں ثابت کر دیا کہ اب نجات صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہے جس طرح موجودہ گورنر کے ہوتے ہوئے پہلے گورنر کی بات ماننا حکومت کے نزدیک باعث نجات نہیں بلکہ اگر پہلا گورنر موجود ہو تو اسے بھی موجودہ گورنر کی بات ماننی ہوگی اسی طرح آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد پہلے انبیاء علیہم السلام کی اتباع میں نجات نہیں ستیارتھ پرکاش کا مصنف پنڈت دیانند سرسوتی بھی وہاں موجود تھا مگر اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ تفصیل کیلئے پڑھئے مباحثہ شاہجہانپور۔

### ہندوؤں کے "بسم اللہ" پر اعتراضات

ہندوؤں کا کہنا ہے کہ: مسلمان کہتے ہیں کہ قرآن کلام اللہ ہے لیکن اس قول [یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ راقم] سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کوئی اور ہے کیونکہ اگر قرآن کلام اللہ ہوتا تو بجائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے "شروع واسطے ہدایت آدمیوں کے" لکھا ہوتا۔ اگر کہا جائے کہ خدا آدمیوں کو ایسا کہنے کی تعلیم دیتا ہے تو بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس سے گناہ کا آغاز بھی خدا کے نام سے ہونا صادق آئے گا اس طرح تو اس کا نام بھی خراب ہوجائے گا۔

اگر وہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے تو اس نے دنیا میں آدمیوں کے آرام کے لئے جانوروں کو مارا، اور بہت دکھ دلا کر ان کو گوشت کھانے کی (باقی آگے)

اس سورت کے بہت سے نام ہیں اور ناموں کی کثرت عظمت کی دلیل ہوا کرتی ہے جیسے کوئی آدمی کئی عہدوں پر کام کرتا ہو ہر عہدے کے مطابق اس کا نام ہے اس سورت کے چند نام یہ ہیں **فاتحة الکتاب** ( کیونکہ یہ قرآن کے شروع میں نیز نماز میں بھی قراءت اس سے شروع ہوتی ہے ) **سورة الحمد ، ام القرآن ،سبع مثانی ، وافیہ ، کافیہ ، اساس ، شفاء** (صحابی کے دم کرنے اوراس پر بکریاں لینے کا واقعہ مشہور ہے ) **تعلیم المسئلة** (دعاء سکھائی گئی ) **سورة الشکر ، سورة الدعاء ، سورة الرقیة ، واقیة ، سورة الکنز ، سورة الصلوة** (معالم العرفان ج ا ص ۹۲ تا ۹۹ )

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ) اجازت انسان کو کیوں دی؟ کیا وہ بے گناہ جانور خدا کی مخلوق نہیں ہیں؟ اگر خدا کے نام سے بری باتوں کا آغاز نہیں تو یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ خدا کے نام پر اچھی باتوں کا آغاز ہے اور بری باتوں کا نہیں۔

موجودہ الفاظ مبہم ہیں کیا چوری زنا کاری جھوٹ اور اور گناہوں کا آغاز بھی خدا کے نام پر کیا جاوے۔ایسے مبہم حکم کے ہونے کی وجہ سے تو قصاب وغیرہ مسلمان گائے وغیرہ جانوروں کا گلا کاٹنے میں بھی ''بسم اللہ'' پڑھتے ہیں۔

مسلمانوں کا خدا رحیم بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس کی رحمت جانوروں پر نہیں ہے اور اگر مسلمان لوگ اس کا مطلب نہیں جانتے تو اس کلام کا نازل ہونا بے فائدہ ہے اور اگر مسلمان اس کے معنی اور کچھ نکالتے ہیں تو پھر اصل مطلب کیا ہے؟ (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۳، ۶۹۴)

**الجواب:** [۱] جی ہاں اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیم دے رہے ہیں کہ تم ہر اچھے کام کی ابتدا اللہ کے نام سے کیا کرو، اور اللہ کے نام سے اچھے کاموں کی ابتدا کرنے میں انسانوں کی ہدایت ہے۔مشرکین مکہ اپنے بتوں کے نام سے ابتداء کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: **بِاسْمِ اللّٰتِ ، بِاسْمِ الْعُزّٰی** اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے بابرکت نام کے ساتھ کام شروع کرنے کا حکم دیا(تفسیر الکشاف ج ا ص ۲۹)

اس میں تو اعتراض کی بات کوئی نہیں مگر وجہ پنڈت خود بتا چکا ہے کہ ''بہت سے ضدی متعصب لوگ (ایسے ) ہوتے ہیں جو متکلم کے مدعا کے برعکس تحویل کرلیا کرتے ہیں خاصکر اہل مذاہب کیونکہ مذہبی تعصب سے ان کی عقل تاریکی کے پردہ میں آ کر دور ہو جاتی ہے'' (ستیارتھ پرکاش ص ۸) ''جو آدمی متعصب ہوتا ہے وہ اپنے جھوٹ کو بھی سچ اور دوسرے مخالف مذہب کے معتقد کے سچ کو بھی جھوٹ ثابت کرنے میں مستعد ہوتا ہے اس لئے صداقت کو حاصل نہیں کرسکتا'' (ستیارتھ پرکاش ص ۲)

پنڈت اپنے مذہبی تعصب اور ضد کی وجہ سے ''بسم اللہ'' کا یہ مطلب لیتا ہے کہ گناہ کو بھی خدا کے نام سے شروع کیا جائے۔ارے گناہ خدا کی نافرمانی کو کہتے ہیں اور خدا تعالیٰ نہ گناہ کا حکم دیتا ہے اور نہ گناہ کو پسند کرتا ہے بلکہ وہ تو گناہوں سے منع کرتا ہے اس لئے گناہ کرنا ہرگز منشا خداوندی نہیں کہ اس کو خدا کے نام سے شروع کیا جائے بلکہ اس کے برعکس اگر بندے کو گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اللہ کا نام لے کر اس کی پناہ حاصل کرے جیسے یوسف علیہ السلام کو جب عزیز مصر کی بیوی نے گناہ کی دعوت دی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا معاذ اللہ اور وہاں سے نکلے۔(سورۃ یوسف:۲۳)

[۲] ہندوؤں کو حلال جانوروں پر ہی رحم کیوں آتا ہے؟ ان کے عقیدے کے مطابق جیسی روح انسان میں ہے ویسی ہی روح خونخوار جانوروں میں، کیڑے مکوڑوں میں بلکہ درختوں میں ہے اور یہ سب اس زندگی سے پہلی زندگی جو کسی کو یاد بھی نہیں اس میں کیے ہوئے اعمال کا بدلہ پا رہے ہیں کیونکہ ہندوؤں کے ہاں اعمال کا بدلہ تناسخ کی شکل میں ملتا ہے اور دوسرے جنم میں انسان درخت بھی ہوسکتا ہے شیر اور بچھو بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ستیارتھ پرکاش میں ہے :(سوال):ایشور [یعنی اللہ تعالیٰ۔ فیروز اللغات جدید ص ۹۸۔راقم] نے کئی جیؤوں کو[یعنی روحوں کو(فیروز اللغات جدید ص ۱۷۱)راقم]انسان، کئی ایک کو شیر وغیرہ خونخوار حیوانات کا کئی ایک کو ہرن گائے وغیرہ چوپاؤں کا،کئی ایک کو درخت وغیرہ کا، کیڑے مکوڑوں وغیرہ کا جنم دیا ہے اس سے پرماتما[یعنی خدا احکم الحاکمین (فیروز اللغات جدید ص ۱۶۴)راقم] میں طرفداری آتی ہے۔(جواب):طرفداری نہیں آتی کیونکہ ان جیؤوں سے پہلے پیدائش میں کیے ہوئے اعمال کا اگر لحاظ (کئے) بغیر جنم دیتا تو طرفداری ہوتی (ستیارتھ پرکاش ص ۲۹۲)

ہندو بتائیں کہ انہیں درختوں پر رحم کیوں نہیں آتا؟ ان کا میوہ کیوں کھاتے ہیں؟ ان کی لکڑی کیوں کاٹتے ہیں کیوں جلاتے ہیں؟ زہریلے کیڑے مکوڑوں کو کیوں مارتے ہیں؟ مچھروں کو مارنے کیلئے سپرے کرتے ہیں، سانپ بچھو نظر آجائے اسے مارتے ہیں۔کسی بھی بیماری کے جراثیم ہوں ان کو ختم کرتے ہیں انہیں ان ننھے منے (باقی آگے)

## موضوع اور مرکزی آیت

اس کی پہلی تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے اور آخری تین آیتوں میں انسان کی طرف سے دعا کی درخواست کا مضمون ہے جو رب العزت نے اپنی رحمت سے خود ہی انسان کو سکھایا ہے اور درمیانی ایک آیت میں دونوں چیزیں مشترک ہیں کچھ حمد وثنا کا پہلو ہے کچھ دعاء درخواست کا۔(مظہری بحوالہ معارف القرآن مفتی صاحب ج۱ص۹۷)یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس سورۃ کا موضوع تو ہدایت کی دعا ہے اور اس سورۃ کا خلاصہ اور اس کی مرکزی آیت ہے ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ''(معارف القرآن ج۱ص۹۸)اس آیت کے بارے میں حدیث قدسی ہے هٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ (مسلم ج۱ص۲۹۶ حدیث۳۹۵)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جانداروں پر رحم کیوں نہیں آتا؟ [۳] گوشت کھانے کیلئے جانوروں کو ذبح کرنا نہ اسلامی عقیدے کے خلاف ہے نہ ہندومت کے۔اسلامی عقیدے کے خلاف اس لئے نہیں کہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا،مخلوق کو انسان کے فائدہ کیلئے بنایا،اور انسان کو اپنی بندگی کیلئے بنایا،جس طرح پھل سبزیاں انسان کی غذا ہیں اسی طرح بعض جانوروں کو بھی اللہ نے انسان کی غذا بنادیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان جانوروں کا بھی مالک ہے اور ہمارا بھی مالک ہے وہ ہمیں حکم دے رہا ہے ان کو کھانے کا،پنڈت!تو کون ہے منع کرنے والا؟تو ان جانوروں کا خالق نہیں تو ان کا مالک نہیں۔البتہ یہ بھی اللہ کا حکم ہے کہ جن جانوروں کو ذبح کرکے کھالینا اس نے حلال کیا ہے ان جانوروں کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔اگر ذبح کرتے وقت اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیا جائے یا جانور کو غیر اللہ کی خوشنودی کیلئے ذبح کیا جائے تو حلال نہ ہوگا۔

جانوروں کو ذبح کرنا ہندوؤں کے عقیدے کے خلاف اس لئے نہیں کہ ہندو کہتے ہیں مرنے کے بعد ارواح مختلف جسموں جاتی ہیں اور اپنے اعمال کا بدلہ پاتی ہیں اس طرح جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے وہ ان کے سابقہ جنم میں کئے برے اعمال کا بدلہ ہے۔اور ان جانوروں کو اس سزا کا ملنا قانون کے مطابق انصاف ہے۔اللہ تعالیٰ اس سزا کو روک نہیں سکتا تو جب اللہ تعالیٰ اس کو روک نہیں سکتا تو تم کون ہو روکنے والے؟

اب اس بارے میں ہندوؤں کی کچھ عبارات ملاحظہ ہوں:

**نمبر۱:** ستیارتھ پرکاش میں ایک جگہ ہے:(سوال)انسان اور دیگر حیوانات کے اجسام میں جیو(یعنی روح) یکساں ہے یا مختلف نوع کے؟ (جواب)جیو(روح) یکساں ہیں لیکن پاپ پن (گناہ وغیرہ۔راقم)کے مل جانے سے پاک اور ناپاک ہوجاتے ہیں (سوال)انسان کا جیو(روح) حیوانات وغیرہ میں حیوانات وغیرہ کا انسان کے جسم میں،عورت کا مرد کے اور مرد کا عورت کے جسم میں جاتا آتا ہے یا نہیں؟(جواب)جاتا آتا ہے(ستیارتھ پرکاش ص۳۲۵)

**اقول:** ان عبارات میں اس کی تصریح ہے کہ انسان کی روح گناہوں کی وجہ سے جانوروں میں جاتی ہے۔اس لئے جن جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے ہندوؤں کے اس نظریہ کے مطابق وہ ان کے سابقہ جنم میں گناہوں کی سزا ہے۔اس میں مسلمانوں کا کیا قصور؟

**نمبر۲:** ایک اور جگہ لکھا ہے:(سوال) پرمیشور[یعنی اللہ تعالیٰ۔راقم] تینوں زمانوں کا علم رکھتا ہے اس لئے آئندہ کی باتیں جانتا ہے اس کے علم میں جو ہوگا جیو[یعنی روح۔راقم] وہی کرے گا اس لئے جیو[یعنی روح۔راقم] خود مختار نہیں اور جیو[یعنی روح۔راقم] کو ایشور[یعنی خدا تعالیٰ۔راقم] سزا بھی نہیں دے سکتا کیونکہ جیسا ایشور[یعنی خدا تعالیٰ۔راقم] کے علم میں ہوتا ہے ویسا ہی جیو[یعنی روح۔راقم] کرتا ہے۔(جواب)......پرمیشور[یعنی خدا تعالیٰ۔راقم] کا علم ہمیشہ یکساں رہتا ہے ماضی اور مستقبل جیوؤں[یعنی روحوں۔راقم] کیلئے ہے ہاں جیوؤں[یعنی روحوں۔راقم] کے افعال کے لحاظ سے تینوں زمانوں کا علم پرمیشور[یعنی خدا تعالیٰ۔راقم] میں ہے لیکن یہ ذاتی نہیں جیسا خود مختاری سے جیو[یعنی روح۔راقم] کرتا ہے ویسا ہی ہمہ دانی سے ایشور[یعنی خدا تعالیٰ۔راقم] جانتا ہے یعنی ماضی حال مستقبل کا علم رکھنے اور پھل دینے میں ایشور[یعنی خدا تعالیٰ۔راقم] خود مختار اور جیو قدرے زمانہ حال کا علم رکھنے اور فعل کرنے میں آزاد ہے۔ایشور[یعنی خدا تعالیٰ۔راقم] کا علم ازلی ہونے سے جیسا (اس کو) فعل کا علم ہے ویسا سزا دینے کا بھی علم ہے دونوں علم اس کے سچے ہیں لیکن فعل کا علم سچا اور سزا کا علم جھوٹا کبھی نہیں ہوسکتا اس لئے اس میں نقص واقع نہیں ہوتا(ستیارتھ پرکاش ص۲۵۱)(سوال) جیو[یعنی روح۔راقم] خود مختار ہے یا نہیں؟(جواب)اپنا کام کرنے میں خود مختار ہے اور ایشور[یعنی خدا تعالیٰ۔راقم] کے قانون کے مطابق سزا وجزا پانے میں خود مختار نہیں(ستیارتھ پرکاش ص۲۴۸) اگر جیو[یعنی روح۔راقم] خود مختار نہ ہوتو اس کو نیک وبد اعمال کی جزا وسزا نہ مل سکے(ایضاً ص۲۴۸)

(باقی آگے)

اس سورۃ کا منفرد اسلوب

اس سورت میں تین الفاظ جمع متکلم کے ہیں اور واحد متکلم کا کوئی لفظ نہیں ہے [اور ایسا اسلوب قرآن کریم میں صرف اسی ایک سورت کا ہے] جمع متکلم کو متکلم **مع الغیر** بھی کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان دوسروں کو ساتھ ملا کر بات کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز باجماعت میں اس سورت کی قراءت میں امام مقتدیوں کا ترجمان ہوتا ہے امام کی دعا بھی سب کیلئے اور اس کے بعد آمین بھی سب کیلئے اس لئے امام کی قراءۃ کے وقت مقتدیوں کو خاموش رہنا چاہئے [مزید تفصیل سورۃ بقرۃ تحت قولہ: **وارکعوا مع الراکعین** اور سورۃ الاعراف تحت قولہ: **واذا قرئ القرآن الآیۃ** میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول:** اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوؤں کے عقیدے میں بندے جو کچھ کرتے ہیں اپنے اختیار سے کرتے ہیں خدا تعالیٰ کو علم تو ہے کہ بندے کیا کریں گے مگر وہ ان کو روک نہیں سکتا تو جب ہندوؤں کے ہاں خدا تعالیٰ باوجود قادرِ مطلق ہونے کے بندوں کو روک نہیں سکتا تو ہندو مسلمانوں کو حلال جانور ذبح کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟ کیا بندوں کا اختیار خدا کے اختیار سے بھی زیادہ ہے؟ شاید کوئی ہندو کہے کہ ہم تمہیں اس لئے روکتے ہیں کہ تمہارا اگلا جنم اچھا ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ گذشتہ جنم کو ہم نے نہ دیکھا نہ اس کو جانتے ہیں اور اگر بالفرض تھا تو آئندہ جنم میں بھی انسان ہوں گے کیونکہ ہم پہلے جنم میں کونسا ہندو تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر استقامت عطا فرمائے آمین۔

**نمبر ۳:** ایک جگہ لکھا ہے: (سوال) ایشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] اپنے بھگتوں کے (یعنی اپنے بندوں کے۔ فیروز اللغات جدید ص ۱۳۹) گناہ معاف کر سکتا ہے یا نہیں؟ (جواب) نہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۲۴۸) (سوال) پرمیشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] کی حمد وثنا اور پرستش کرنی چاہئے یا نہیں؟ (جواب) کرنی چاہئے (سوال) کیا تعریف وغیرہ کرنے سے ایشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] اپنا قانون توڑ کر حمد اور دعا کرنے والوں کا گناہ معاف کر دے گا؟ جواب: نہیں (ایضاً ص ۲۳۵)

(سوال) پرمیشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] رحیم اور منصف ہے یا نہیں؟ (جواب) ہے۔ (سوال) یہ دونوں صفات متضاد ہیں اگر انصاف کرے تو رحم اور انصاف کرے تو رحم نہیں رہ سکتا کیونکہ اعمال کا پورا پورا ثمرہ دینا انصاف ہے اور گنہگار کو بغیر سزا دیئے چھوڑ دینا رحم ہے۔ (جواب) انصاف اور رحم کا فرق برائے نام ہی ہے کیونکہ انصاف سے جو مطلب حاصل ہوتا ہے وہی (رحم سے) حاصل ہوتا ہے سزا دینے کا مقصد یہ ہے کہ انسان گناہ کرنے سے باز آئے عذاب نہ پائے دوسرے کی تکلیف دور کرنا ہی رحم ہے۔ جو معنی رحم اور انصاف کے تم نے کئے ہیں وہ درست نہیں کیونکہ جس نے جیسا برا کام کیا ہو اس کو ویسی ہی سزا دینی چاہئے اسی کا نام انصاف ہے اور مجرم کو سزا نہ دی جائے تو رحم نہیں رہتا کیونکہ ایک مجرم ڈاکو کو چھوڑ دیا جاوے تو وہ ہزاروں نیک لوگوں کو عذاب پہنچاتا ہے جب ایک کے چھوڑنے سے ہزاروں آدمیوں کو نقصان پہنچے تو وہ کس طرح کا رحم ہو سکتا ہے؟ رحم یہی ہے کہ ڈاکو کو قید خانے میں ڈال کر گناہ سے بچایا جائے ڈاکو کو مار دینے سے اس ڈاکو پر اور دیگر ہزاروں پر رحم ہوتا ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۲۴۳)

**اقول:** مجرم کو سزا دینا ہی مصلحت نہیں کتنی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مجرم کو چھوڑ دیا جائے تو وہ سچی توبہ کر کے دوسروں کو بھی جرم سے روکتا ہے اور سزا ملنے پر وہ اور زیادہ جری ہو جاتا ہے بہر حال ان عبارتوں سے پتہ چلا کہ ہندوؤں کے ہاں اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو بخش نہیں سکتا، اس کا انصاف بھی یہی ہے رحم بھی یہی ہے کہ گناہ گار کو سزا ضرور ملے اور سزا ملتی ہے اگلے جنم میں۔ اور اگلے جنم سے مراد مستقبل ہی نہیں بلکہ ہر ذی روح اس وقت سابقہ جنم کے اعمال کی جزا یا سزا پا رہا ہے۔ اس لئے جن جانوروں کو مسلمان ذبح کرتے ہیں ہندوؤں کے عقیدے کی رو سے یہ پہلے جنم میں کئے ہوئے گناہوں کی سزا ہے۔ اور اس سزا کو ہندوؤں کے کہنے کے مطابق خدا بھی معاف نہیں کر سکتا بندوں سے یہ اس کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟

**نمبر ۴:** (سوال) اگر پرمیشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] جیو [یعنی روح۔ راقم] کو نہ بناتا، اور اس کو طاقت عطا نہ کرتا تو جیو [یعنی روح۔ راقم] کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے پرمیشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] کی ترغیب سے ہی جیو [یعنی روح۔ راقم] کام کرتا ہے (جواب) جیو [یعنی روح۔ راقم] کبھی پیدا نہیں ہوا ازلی ہے جیسے ایشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] اور جہان کی علت مادی۔ اور جیو [یعنی روح۔ راقم] کا جسم اور حواسوں کے آلے پرمیشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] کے بنائے ہوئے ہیں لیکن یہ سب جیو [یعنی روح۔ راقم] کے ماتحت ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۲۴۹) **اقول:** معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے ہاں جسم اور حواس کے اعضاء یعنی کان ناک آنکھ وغیرہ اگرچہ خدا کے پیدا کردہ ہیں مگر ارواح اور اجسام کا مادہ بلکہ ساری کائنات کا مادہ ہمیشہ سے ہے خدا کا پیدا کردہ نہیں۔ جیسے عیسائی کہتے ہیں خدا تین ہیں ہندو بھی اس اعتبار سے تثلیث کے قائل ہیں کیونکہ (باقی آگے)

## تمام تعریفوں کا حقدار اللہ ہی ہے

مخلوق میں جو خوبی ہے وہ اللہ کے دینے سے ہے اس لئے جب کسی مخلوق کی تعریف کی جائے تو خالق کی خود بخود ہو جائے گی اگر چہ کرنے والا اس کی نیت نہ بھی کرے۔ جیسے مکان کی تعریف ہو تو بنانے والا مستری خوش ہوتا ہے کہ میری تعریف ہے مالک مکان خوش ہے کہ میرے مکان کی تعریف میری تعریف ہے جبکہ اللہ کے سارے کمالات اس کے اپنے ہیں وہ ہر عیب سے پاک ذات ہے اس لئے جب اللہ کی تعریف ہوگی تو وہ تعریف مخلوق کی نہ بنے گی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جب ارواح واجسام جب خود موجود ہوئے تو ان کا وجود خدا کا دیا ہوا نہ ہوا، ان کا وجود اپنا ہوا، اور جس کا وجود اپنا ہوا سی کو خدا کہتے ہیں (تفصیل دیکھئے مباحثہ شاہجہانپور ۹۷ تا ص ۸۴)

### ﴿سورۃ الفاتحہ پر ہندؤوں کے اعتراضات مع جوابات﴾

**پہلا اعتراض:** ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۴ میں پہلی دو آیات مع ترجمہ لکھ کر کہتا ہے:

اگر قرآن کا خدا کل جہان کا پروردگار، رحمٰن اور رحیم ہوتا تو اور مذہب والوں کو اور جانداروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے مروانے کا حکم نہ دیتا اگر وہ رحمٰن ہے تو گنا ہگاروں کو بخش دے گا اور اگر ایسا ہے تو اس کا حکم کہ کافروں یعنی ان کو جو قرآن اور پیغمبر پر اعتقاد نہیں رکھتے قتل کر دکیوں نازل ہوتا؟ پس ثابت ہوا کہ قرآن کلام اللہ نہیں۔

**الجواب:** [۱] پنڈت کو اسلام سے ضد ہے ورنہ اس میں قابل اعتراض بات تو کوئی نہیں خود پنڈت اللہ تعالیٰ کے بارے میں لکھتا ہے: جو کبھی فنا نہیں ہوتا، اسی کی پرستش کرنی واجب ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۱۵ آخری دوسطر) نیز لکھتا ہے: حمد وثناء دعا پرستش سب سے افضل ہی کی جاتی ہے سب سے افضل اس کو کہتے ہیں جو صفات افعال اور خواص میں صداقت اور سچے بیوہاروں میں سب سے بڑھ کر ہو پس ان سب افضل تر وجودوں میں بھی جو نہایت ہی افضل ہے وہ پرمیشور ہے جس کے برابر نہ کوئی ہوا ہے نہ ہے نہ ہوگا۔ جب برابر نہیں تو اس سے بڑھ کر کوئی کیونکر ہوسکتا ہے؟ جیسے پرمیشور کی راستی، انصاف رحم قدرت اور ہمہ دانی وغیرہ بے شمار صفات ہیں ویسے اور کسی جاندار یا بے جان کے نہیں ہیں...... اس لئے انسان کو واجب ہے کہ پرمیشور کی حمد وثناء عبادت اور پرستش کرے۔ اس کے سوائے اور کسی کی بھی نہ کرے کیونکہ برہما، وشنو مہادیو نام والے، ناموں کے فاضل دیوزرگ دیت ناموں وغیرہ ناموں والے ادنیٰ درجہ کے آدمی بھی زمانہ سلف میں (ہوئے ہیں) اور دیگر عام اشخاص نے بھی پرمیشور میں ہی اعتقاد رکھ کر اس کی حمد وثناء مناجات اور پرستش کی ہے اس کے سوا اور کسی کی نہیں ویسا ہی ہم سب کو کرنا واجب ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۲۰،۲۱)

[۲] بیشک اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے مگر مجبور نہیں خود مختار ہے چاہے تو بخش دے چاہے پکڑ لے فرمایا: وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡهُ يُحَاسِبۡكُمۡ بِهِ اللّٰهُ ‌ؕ فَيَـغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ (البقرۃ:۲۸۴) نیز فرمایا: نَبِّئۡ عِبَادِىۡۤ اَنِّىۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ(49) وَ اَنَّ عَذَابِىۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِيۡمُ (الحجر:۴۹،۵۰)

رہا حکم جہاد تو جیسے اور ملکوں کی فوج ملک کیلئے لڑتی ہے اسلامی حکومت کی فوج اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے لڑتی ہے اور ہر کافر سے نہیں لڑتی بلکہ صرف ان کافروں سے جو اسلام کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔ اگر جہاد پر اعتراض ہے تو ہر ملک کی فوج قابل اعتراض ہے انڈیا اور امریکہ کی فوج بھی قابل اعتراض ہے بلکہ اقوام متحدہ کی فوج بھی۔

[۳] خود ستیارتھ پرکاش کا چھٹا باب ہے طرز حکومت کے بیان میں (ص ۱۷۹) اس کے ص ۱۸۱ میں عنوان ہے "راجہ کے اوصاف از روئے وید"۔ اس میں ہے:

ایشور [یعنی اللہ تعالیٰ۔ راقم] ہدایت کرتا ہے کہ اے اہلکاران سلطنت! تمہارے آگینہ [یعنی آگ برسانے والا ہتھیار۔ حاشیہ] دغیرہ استر اور توپ، بندوق، تیر کمان، تلوار وغیرہ شستر (اسلحہ جنگ) دشمنوں کو روکنے کے لئے قابل تعریف اور مضبوط ہوں اور تمہاری فوج قابل تعریف ہو جس سے تم ہمیشہ فتحیاب ہوا کرو لیکن جو برا اور انصاف سے بعید کام کرتا ہے اس کے لئے مذکورہ بالا چیزیں نہ ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب تک انسان دھرم پر قائم رہتے ہیں راج ترقی پر رہتا ہے جب برے کام کرنے لگ جاتے ہیں تب غارت ہو جاتا ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۱۸۲) دوسری جگہ لکھا ہے:

جب کبھی رعایا پرور راجہ پر کوئی اپنے سے کمزور یا مساوی یا قوی تر (راجہ) لڑائی میں چیلنج (طلب) کرے تو چھتریوں کے دھرم کو یاد کر کے میدان جنگ میں جانے سے کبھی گریز نہ کرے یعنی ایسی ہوشیاری سے اس کا مقابلہ کرے کہ اپنی ہی فتح ہو۔ ۴۔ جو راجہ جنگ میں ایک دوسرے کے مار ڈالنے کے خواہاں اور حتی الوسع بے دھڑک ہو کر پیٹھ دکھائے بغیر جنگ کرتے ہیں وہی کامیابی کی راحت حاصل کرتے ہیں۔ ۵۔ اس اصول سے کبھی منحرف نہ ہونا چاہئے لیکن بسا اوقات دشمنوں پر فتح پانے کی غرض (باقی آگے)

پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ کیلئے وہ کمالات مانے جائیں گے جن میں کسی لحاظ سے نقص نہیں۔ بھوک پیاس کا بروقت لگنا نیند کا آنا، صاحبِ اولاد ہونا انسان کیلئے خوبی ہے مگر اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے کیونکہ جسے بھوک پیاس لگے وہ کھانے پینے کا محتاج ہے نیند موت کی بہن ہے، اولاد بڑھاپے میں انسان کے کام آتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر طرح کی کمزوری سے پاک ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے ان کے سامنے سے چھپ جانا واجب ہے کیونکہ (مصلحت یہی ہے) کہ ایسی تدبیر عمل لائے جن سے دشمن مغلوب ہو اور خود ایسی بیوقوفی سے تباہ نہ ہو (ستیارتھ پرکاش ص ۱۹۵، ۱۹۶) کیا یہ ظلم نہیں کہ ہندو فوج کو لڑا کا بنائے اور اسلامی حکومت سے چاہے کہ اس کی فوج ہی نہ ہو۔

**دوسرا اعتراض:** آیت "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" پر اعتراض کرتا ہے:

کیا خدا ہمیشہ انصاف نہیں کرتا کسی خاص دن انصاف کرتا ہے؟ یہ تو اندھیر کی بات ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۴)

**الجواب:** دراصل تمہارے عقیدے میں خدا تعالیٰ تمہارے قانون کا پابند ہے نہ وہ اپنی مرضی سے فیصلہ کر سکتا ہے نہ کسی گناہ گار کو بخش سکتا ہے محض عاجز و بے بس ہے، ہمارے عقیدے میں اللہ تعالیٰ کسی قانون کا پابند نہیں بلکہ مالک ہے نہ صرف یہ کہ وہ سزا و جزا دے سکتا ہے بلکہ جس پر چاہے دعویٰ بھی کر سکتا ہے۔ تمہارے عقیدے میں اللہ تعالیٰ قانون کے آگے ہر طرح عاجز و بے بس ہے۔ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ چاہے انصاف کرے چاہے مہربانی کر کے گناہ گار کو بخش دے ہاں اس کی طرف سے ظلم نہیں ہوتا۔ اصل تکلیف تمہیں اس بات کی ہے کہ ہم خود کو گناہگار کہہ کر بھی خدا کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور کوئی شخص کتنا ہی گناہگار ہو جب تک زندہ ہے اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا مانتے ہیں۔

پھر تمہارے ہاں انصاف صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہگار کو سزا دے جبکہ ہمارے عقیدے میں اللہ تعالیٰ کے احکام بھی عدل پر مشتمل ہیں مثلاً اس نے مردوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق احکام دیئے عورتوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق۔ غریبوں کو ان کی ہمت کے مطابق احکام دیئے اور سرمایہ داروں کو ان کی ہمت کے مطابق۔

آیتِ کریمہ میں قیامت کے دن کا بالخصوص اس لئے ذکر کیا کہ اس دن سب کو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا مشاہدہ ہوگا۔ ہندو جو تناسخ کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جزا سزا دینے میں خود مختار نہیں سمجھتے ان کو بھی اس دن نظر آئے گا کہ اصل حکومت و بادشاہت اللہ کی ہے۔

**تیسرا اعتراض:** آیت "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" پر یوں اعتراض کرتا ہے:

اسی کی بندگی کرنا اور اسی سے مدد لینا تو ٹھیک ہے لیکن کیا برا کام کرنے میں بھی اس کی مدد مانگنی چاہیئے۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۴)

**الجواب:** آیتِ کریمہ کے دو حصے ہیں پہلے حصے کے مضمون کو ہندو مانتے ہیں اس لئے اس پر اس نے اعتراض نہ کیا [مگر اس کی تائید بھی نہ کی] چنانچہ پنڈت لکھتا ہے:

انسان کو واجب ہے کہ پرمیشور کی حمد و ثناء عبادت اور پرستش کرے۔ اس کے سوائے اور کسی کی بھی نہ کرے کیونکہ برہما، وشنو مہادیو نام والے، ناموں کے فاضل و بزرگ دیبت ناموں وغیرہ ناموں والے ادنیٰ درجہ کے آدمی بھی زمانہ سلف مین (ہوئے ہیں) اور دیگر عام اشخاص نے بھی پرمیشور میں ہی اعتقاد رکھ کر اس کی حمد و ثناء مناجات اور پرستش کی ہے اس کے سوا اور کسی کی نہیں ویسا ہی ہم سب کو کرنا واجب ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۲۰، ۲۱) اللہ تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے: جو کبھی فنا نہیں ہوتا، اسی کی پرستش کرنی واجب ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۱۵ آخری دو سطر)

دوسرے حصے پر اعتراض بنتا تو نہیں کیونکہ برا کام گناہ ہے اور گناہ کی شریعت میں اجازت نہیں، اس کیلئے خدا سے مدد چاہنے کا کیا مطلب؟ اعتراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہندوؤں کے ہاں ایسا کوئی معبود نہیں جس سے وہ مناجات کریں، جس سے وہ اپنی ضرورتیں طلب کریں کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق خدا اتنا بے بس ہے کہ سوائے گذشتہ جنم کے گناہوں کی سزا کے اور کچھ کر نہیں سکتا یہی اس کا انصاف ہے یہی اس کا رحم ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۲۴۳)

ہندوؤں کو تکلیف اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کا خدا جس سے وہ دعائیں کرتے ہیں اتنا با اختیار کیوں ہے کہ اسے ہر ہر ممکن پر قدرت ہے اور وہ گناہوں کو بخش بھی سکتا ہے مگر یاد رہے کہ ہندو اعتراض کر کے اللہ تعالیٰ کے اختیار چھین نہیں سکتے۔ ہندوؤ! تمہاری نجات بھی اس میں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو حاجت روا مشکل کشا دفریاد رس اور عالم الغیب مانو، اور اس کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کرو۔ (باقی آگے)

**خدا تعالیٰ کا اپنی تعریف کرنا بالکل درست ہے**

بعض غیر مسلم کہتے ہیں کہ قرآن میں جابجا اللہ کی تعریف ہے اور خود اپنی تعریف کرنا اچھا کام نہیں، معلوم ہوا کہ یہ خدا کا کلام نہیں اس کے جواب میں چند نکتے کی باتیں یاد رکھیں ☆ ہمارے لئے اپنے منہ سے اپنی تعریف اچھی نہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس مت کرو ☆ انسان اپنی تعریف نہ کرے لیکن بتاؤ اپنے تعارف میں تو کچھ کہتا ہے یا نہیں، یہ کہے گا میں فلاں کا بیٹا ہوں فلاں کا بھائی ہوں فلاں جگہ رہتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اگر تعارف ہو تو بھی سراسر تعریف ہی ہوگی کیونکہ وہاں سب کمالات ہیں اللہ نام ہی اس ذات کا ہے جس میں تمام صفات کمال ہیں اور وہ ہر ہر عیب سے پاک ہے، اگر اس کیلئے اپنی تعریف اچھی نہیں تو وہ اپنے بارے میں کچھ بتا ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ جو کچھ اپنے بارے میں کہے گا سراسر تعریف ہوگی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **چوتھا اعتراض:** آیت: ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' کا ترجمہ کرتا ہے ''دکھلا ہم کو سیدھا راستہ'' پھر کہتا ہے:
اور سیدھا راستہ کیا مسلمانوں ہی کا ہے اوروں کا نہیں؟ سیدھے راستے پر مسلمان کیوں نہیں چلتے کیا؟ اس کا سیدھا راستہ برائی کی طرف تو لے جانے والا نہیں؟ اگر اچھی باتیں سب مذاہب میں مشترکہ ہیں تو پھر مسلمانوں میں کچھ خصوصیت نہ رہی اور اگر اچھی باتیں نہیں مانتے تو ثابت ہوا کہ وہ متعصب ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۴)

**الجواب:** [۱] اس دعا پر تو اس سے اعتراض نہ ہو سکا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ واقعی صراط مستقیم وہ عظیم نعمت ہے جس کی ہر شخص کو ضرورت ہے۔ مگر آسمانی کتب میں صراط مستقیم کا ذکر صرف قرآن میں ہے اور اس کی دعا بھی قرآن نے ہی سکھائی ہے اگر ''وید'' میں یہ دعا ہوتی تو پنڈت اس کا ذکر کرتا۔

[۲] بہر حال اصل دعا پر تو اعتراض نہ کر سکا اس لئے اِدھر اُدھر چلا گیا، کہتا ہے کیا سیدھا راستہ مسلمانوں ہی کا ہے؟ ارے جس قرآن نے صراط مستقیم کا ذکر کیا ہے اس نے مختلف طریقوں سے صراط مستقیم کی حقیقت بھی سمجھائی ہے۔ کہیں فرمایا ''وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' (آل عمران:۱۰۱) کہیں فرمایا: ''وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ'' (یٰس:۶۱) کہیں فرمایا: ''وَاِنَّکَ لَتَدْعُوْھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' (المؤمنون:۷۳) کہیں فرمایا: ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ'' (الفاتحہ:۷) اور یہ نعمت مسلمانوں میں ہے اوروں میں نہیں کیونکہ دوسرے مذاہب کے لوگ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہیں کرتے ہاں البتہ مسلمان کوئی خاص قوم یا برادری نہیں اگر پنڈت دیانند سرسوتی ایمان لے آتا تو صراط مستقیم پر ہوتا اور اگر کوئی مسلمان خدانخواستہ اسلام چھوڑ دے تو صراط مستقیم سے محروم ہو جائے۔ [۳] مسلمان صراط مستقیم پر چلتے ہیں ان کا راستہ برائی کی طرف نہیں لے جاتا مگر اس دعا کو مسلمان اس لئے کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ہدایت پر جمے رہیں کسی ہندو کے وساوس کا شکار نہ ہو جائیں [۴] ٹھیک ہے دوسرے مذاہب میں بھی بعض باتیں اچھی ہیں مگر کامل ہدایت صرف دین اسلام میں ہے اور یہ بات تعصب نہیں عین حقیقت ہے۔ کیونکہ پہلے انبیاء کی تعلیمات محفوظ نہیں۔ صرف آنحضرت ﷺ کی تعلیمات محفوظ ہیں اور آپ سے یہ عقیدہ بھی قطعی تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ اللہ کے آخری رسول ہیں عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول کے بعد آپ ہی کی شریعت کو نافذ کریں گے۔ اس لئے اب صراط مستقیم آپ ﷺ کی اتباع میں منحصر ہوگئی اور یہی بات قرآن کہتا ہے۔

[۴] تعصب مسلمانوں میں نہیں تعصب پنڈت دیانند سرسوتی میں ہے جو اپنے معتقدین سے کہتا ہے کہ: جو کوئی کسی سے پوچھے کہ تمہارا مذہب کیا ہے تو یہی جواب دینا کہ ہمارا مذہب وید ہے یعنی جو کچھ ویدوں میں لکھا ہے ہم اس کو مانتے ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۲۶۹) نیز ویدوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ ان کو منزہ عن الخطا اور مستند مانتا ہوں...... ان کے سند کیلئے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں (ایضاً ص ۷۹۳)

**اقول:** [۱] ارے جب تو نبی نہیں، وید کا نزول تجھ پر نہیں ہوا، یہ کتابیں تجھ سے بہت پہلے کی ہیں تو تو کیسے کہتا ہے کہ اس کے لئے سند کی ضرورت نہیں بتا تو سہی تجھے یہ کتابیں کن واسطوں پہنچی ہیں [۲] مسلمانوں کا دین نبی کریم ﷺ سے متواتر ہے۔ علاوہ ازیں ان کے پاس نہ صرف یہ کہ اپنے دین کی سند ہے، بلکہ ہر ہر راوی کے نام اور ان کے حالات محفوظ ہیں چونکہ نبی ﷺ نے اپنے اوپر جھوٹ بولنے سے سختی سے منع بھی کر دیا تھا، اس لئے علماء اسلام مسائل بتانے میں اور روایت کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے رہے اور لیتے ہیں۔ اس قدر قطعی دین کے مقابلہ میں پنڈت کا کردار دیکھئے کہ ان ویدوں کو پیش کرتا ہے جن کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ ان کو نازل ہوئے ایک ارب ستانوے کروڑ انتیس لاکھ اور کئی ہزار برس گزر چکے ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۲۹۵، ۲۹۶) اول تو یہ پنڈت کا دعویٰ ہی ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں دوسرے اس عبارت (باقی آگے)

اگر اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف نہ کرتا تو ہمیں اس کی اعلیٰ صفات کا کیا پتہ چلتا بندے کو اس کی معرفت کیسے ہوتی؟ ☆ اللہ کی ہر صفت اعلیٰ، اس کا ہر کام عمدہ ہے عیب نام کی تو وہاں چیز کوئی نہیں۔ تو اللہ کی حمد وثنا عین صدق ہے ان میں مبالغہ آمیزی نہیں ہے ☆ اللہ کی حمد وثنا تو اسلام کی بنیاد ہے اگر اس پر اعتراض ہو جائے تو اسلام کی بنیاد ہی ختم ہو جائے مسنون دعائیں اکثر وبیشتر اللہ کی حمد وثنا ہی ہوتی ہیں ☆ کافر اللہ پر اعتراض کر کے خوش ہوتا ہے حالانکہ اللہ پر اعتراض کرنے کی سزا دائمی دوزخ ہے، دعا کرو اللہ ہمیں ذکر واستغفار کی کثرت عطا فرمائے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں خط کشیدہ الفاظ زیادہ قابل غور ہیں کئی ہزار سے کیا مراد ہے چار ہزار بھی کئی ہزار ہے نو ہزار بھی کئی ہزار ہے۔ پھر اس سے اوپر کتنے سو کتنے سال ہوئے، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ اس لئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہندو اپنی کتاب کے نزول کا وقت بھی نہ بتا سکے۔ پھر یہ کہنا کہ ویدوں کیلئے سند کی ضرورت نہیں کس قدر حماقت کی بات ہے۔

**پانچواں اعتراض** آیت ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کے تحت ایک تو اس نے تناسخ کا عقیدہ ذکر کیا دوسرے قرآن کے عربی زبان میں ہونے پر اعتراض کیا اس کے الفاظ یوں ہیں:

سب مسلمان تناسخ اور پہلی پیدائش کے نیک وبد اعمال کو نہیں مانتے تو بعض پر رحمت کرنے سے اور بعض پر نہ کرنے سے خدا طرفدار ٹھہرتا ہے کیونکہ سوائے نیک وبد اعمال کے آرام وراحت دینا بے انصافی ہے اور بلا وجہ کسی پر مہربانی کرنا اور کسی سے نفرت کرنا نامناسب ہے اس لئے خدا یونہی مہربانی یا نفرت نہیں کر سکتا۔ اور جب انسان کے پہلے جنم کے اعمال ہی نہیں تو کسی پر مہربانی کرنا اور کسی پر نفرت کرنا ناممکن ہے۔

اس سورت کی شرح میں یہ الفاظ کہ ''یہ سورۃ اللہ صاحب نے بندوں کے منہ سے اس لئے کہلائی کہ ہمیشہ اسی طرح کہا کریں'' لکھے ہوئے ہیں اگر یہ درست ہے تو الف با وغیرہ حروف بھی خدا نے پڑھائے ہوں گے۔ اگر کہو کہ بغیر حرف جاننے کے اس سورۃ کو پڑھ لیا تو بتائے کہ زبانی ہی اللہ صاحب انسانوں سے کہلاتے تھے اگر یہ درست ہے تو سارا قرآن زبانی ہی پڑھایا ہوگا۔ یہ بھی قابل غور بات ہے کہ جس کتاب میں متعصبانہ باتیں پائی جاویں وہ کلام اللہ نہیں ہو سکتی مثلاً عربی میں قرآن نازل کرنے سے صرف باشندگان عرب کے لئے اس کا پڑھنا آسان اور غیر ملک والوں کیلئے مشکل ہے اور اس سے خدا طرفدار ٹھہرتا ہے اور اگر خدا دنیا کے سب ملکوں کے واسطے انصاف کی نظر سے (قرآن کو ایسی زبان میں نازل کرتا جو اور) ممالک کی زبانوں سے علیحدہ سنسکرت زبان کی طرح کہ جس میں وید نازل کئے سب ممالک کیلئے یکساں کوشش سے حاصل ہونے والی ہوتی تو یہ اعتراض ہرگز نہ ہوتا (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۵)

**الجواب:** [۱] اصل مضمون کا تو پنڈت رد نہ کر سکا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جو قرآن نے بتائی مگر اس نے اس کا اقرار نہ کیا اور غیر متعلقہ سوالات کر دیئے حالانکہ اس کو مضمون کی صداقت کا کھلے دل سے اقرار کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس نے لکھا ہے ''اس کتاب کی تصنیف میں یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ جو باتیں سب مذاہب میں سچی ہیں وہ سب کے غیر مخالف ہونے کی وجہ سے تسلیم کی گئی ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۴) نیز کہتا ہے: میں بھی اگر کسی ایک مت [یعنی ایک مذہب۔ راقم] کا طرفدار ہوتا تو آج کل کے لوگوں کی طرح اپنے ہی مذہب کی تعریف وتائید واشاعت کرنے میں اور اور مذاہب کی مذمت کر کے ان کو زک پہنچانے اور نیست ونابود کرنے کے لئے تیار ہوتا لیکن ایسی باتیں انسانیت سے بعید ہیں کیونکہ جس طرح حیوان زور آور ہو کر کمزوروں کو نقصان پہنچاتے اور مار بھی ڈالتے ہیں اسی طرح انسان اگر جامہ انسانیت پہننے کے باوجود ویسی ہی خاصیت ظاہر کرے تو وہ انسان نہیں بلکہ حیوان کی مانند ہے اور جو طاقتور ہو کر کمزوروں کی حفاظت کرتا ہے وہی انسان کہلاتا ہے اور جو خود غرضی کے بس میں ہو کر دوسروں کا نقصان کرتا رہتا ہے وہ گویا حیوانوں کا بھی بڑا بھائی ہے (ایضاً ص ۴) بہر حال اس آیت کے مضمون کی حقانیت کا اقرار نہ کر کے اور غیر متعلقہ اعتراضات کر کے پنڈت دیانند سرسوتی اپنے بقول: ''انسان نہیں بلکہ حیوان کی مانند'' ثابت ہوا۔ [۲] ﴿تناسخ کا رد﴾ مجرم کو سزا دینے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں عام آدمی تو اپنے دل کو سکون دینے کیلئے مجرم کو سزا دیتا ہے مثلاً ایک آدمی کسی کے بھائی کو قتل کر دے وہ سزا میں قاتل کے بیٹوں کو مار دے۔ اور حاکم جرم کو روکنے کیلئے سزا دیتے ہیں اس لئے وہ ایسی سزا دیتے ہیں جس سے لوگ عبرت حاصل کریں جیسے شریعت میں چور کی سزا ہے ہاتھ کاٹنا، تو جو شخص بھی چور کا ہاتھ کٹا دیکھے گا یا سنے گا وہ ڈر کر چوری نہ کرے گا۔

زمانہ ماضی میں اللہ کی طرف سے مجرموں کو بڑی سخت سزائیں ملی ہیں مختلف انبیاء کے نافرمانوں کے واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ ان سزاؤں کو (باقی آگے)

☆بندے کے منہ پر تعریف کرنا اچھا نہیں لگتا لیکن پس پشت تعریف کرنا تو کسی کے نزدیک معیوب نہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چھپ سکتا نہیں جو بھی اس کی تعریف کرے گا اس کے سامنے ہوگا ☆اگر اللہ کی تعریف سامنے درست نہ ہو، یا اللہ کیلئے اپنی تعریف درست نہ ہو تو جائز تعریف کا لفظ ہی مٹا دینا ہوگا شاعر نے کیا خوب کہا: حمد را با تو نسبتے ست درست بر در ہر کہ رفت بر در تست

حمد کو تیرے ساتھ درست نسبت ہے جس دروازے پر جائے تیرے دروازے پر ہے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سن کر قلب سلیم والا توبہ کر لیتا ہے۔ مگر جو شخص اللہ کے وعدوں کو نہیں مانتا اور مجرموں کو ملنے والا سزاؤں کو سن کر بھی عبرت نہیں لیتا اس کی سزا آخرت میں ہوگی آخرت کی سزا ہم نے دیکھی نہیں مگر نصوص قطعیہ میں ہمیں اس کی خبر دی گئی ہے۔ اور وہ سزا مجرم کی بے خبری میں نہ ہوگی بلکہ جرم کے اقرار کے بعد سزا ملے گی مثلاً قبر میں جب سوالات کے صحیح جواب نہ دے گا تب عذاب قبر شروع ہوگا، قیامت کے دن مجرم اپنے جرم کو جان لے گا تب اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

دنیا میں اللہ جس کو جس حال میں چاہتا ہے رکھتا ہے بیشک اس نے انسان کا انجام لکھا ہوا ہے مگر بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے اختیار سے کرتا ہے اگر چہ اس اختیار کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے مگر بندے کو وہ نظر نہیں آتا، اس لئے وہ بداعمالیوں کیلئے تقدیر کو بہانہ نہیں بنا سکتا کیونکہ تقدیر کا اس کو علم نہیں بندے کو تقدیر کا پتہ عمل کے بعد چلتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں انسان اس دنیا میں پہلی مرتبہ نہیں آیا بلکہ وہ پہلے بھی اس دنیا میں تھا، مرنے کے بعد اس کو پھر اس دنیا میں آنا ہوگا جزا کیلئے بھی سزا کیلئے بھی۔ ان کے ہاں دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ پہلے جنم کی سزا یا جزا ہے اور اس کیلئے اللہ تعالیٰ مجبور محض ہے مگر ہندوؤں کے پاس اس کی سوائے اس کے کوئی دلیل نہیں کہ اگر تناسخ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ طرفدار ٹھہرتا ہے۔

اب ذیل میں تناسخ کے بارے میں پنڈت دیانند سرسوتی کی کچھ عبارات ملاحظہ فرمائیں

(سوال) جنم [یعنی پیدائش۔ راقم] ایک ہے یا بہت؟ (جواب): بہت۔ (سوال) اگر بہت ہیں تو پہلے جنم [یعنی پہلی زندگی۔ راقم] کی باتیں یاد کیوں نہیں رہتیں؟

(جواب): جیو [یعنی روح۔ راقم]...... تینوں زمانوں کی باتیں جاننے والا نہیں اس لئے وہ باتیں یاد نہیں رہتیں (ستیارتھ پرکاش ص ۳۲۱) اور چونکہ یاد نہیں رہتیں اس لئے جیو آرام سے ہے نہیں تو سب جنموں کے دکھوں کو دیکھ دیکھ کر دکھی ہو کر مر جاتا جو شخص پہلے اور پچھلے جنم کے حالات جاننا چاہے وہ بھی نہیں جان سکتا کیونکہ جیو کا علم اور ذات ادنیٰ ہے یہ بات ایشور کے جاننے کی ہے جیو کی نہیں (ایضاً ص ۳۲۲) (سوال) جب جیو [یعنی روح۔ راقم] کو پہلے جنم کا علم نہیں اور ایشور [یعنی خدا تعالیٰ] اس کو سزا دیتا ہے تو جیو کا سدھار [یعنی اصلاح۔ راقم] نہیں ہو سکتا کیونکہ جب اس کو اس بات کا علم ہو کہ میں نے فلاں کام کیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہے تب ہی وہ برے کاموں سے بچ سکے گا (ایضاً ص ۳۲۲)

**اقول** سوال تو بالکل معقول ہے کہ سزا عبرت کیلئے ہونی چاہئے یہ کیسی سزا ہے کہ نہ تو مجرم کو جرم کا پتہ ہے نہ کسی اور انسان کو؟ مثلاً تم کہتے ہو کہ جو اپاہج ہے وہ سابقہ جنم کے گناہوں کی وجہ سے اپاہج ہے مگر نہ اپاہج کو سابقہ جنم کا علم ہے نہ کسی اور کو حتی کہ دیانند سرسوتی کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ اور جب سابقہ جنم کا علم نہیں تو اس کے گناہوں کا علم کیسے ہوگا؟ تو اس سزا سے عبرت کس کو ہوگی؟ انسان اپاہج ہونے کے ڈر سے کس گناہ سے بچے گا؟ اب پنڈت سے اس کا جواب سنئے۔

(جواب):...... جب جنم سے لے کر وقتاً فوقتاً حکومت، دولت، عقل، علم، افلاس بے وقوفی وغیرہ سکھ دکھ دنیا میں دیکھتے ہو تو تم کو پہلے جنم کا علم کیوں نہیں ہوتا؟ جیسے اگر ایک طبیب اور ایک عام آدمی کو کوئی بیماری ہو تو اس کی تشخیص طبیب کر لیتا ہے اور (علم طب) سے بے بہرہ نہیں کر سکتا کیونکہ ایک نے طبابت سیکھی ہے اور دوسرے نے نہیں لیکن بخار وغیرہ بیماریوں کے ہونے سے جو طبیب نہیں وہ بھی اتنا جان سکتا ہے کہ مجھ سے کوئی بدپرہیزی ہوگئی ہے جس سے یہ بیماری لاحق ہوئی۔ ویسے ہی دنیا میں سکھ دکھ وغیرہ کی کمی بیشی دیکھ کر پہلے جنم کا قیاس کیوں نہیں کر لیتے؟ اور اگر جنم کو نہ مانو تو پرمیشور طرفدار ہو جاتا ہے کیونکہ (ایک کو بلاقصور) افلاس وغیرہ دکھ اور (دوسرے کو) پہلے نیکی کئے بغیر حکومت دولت اور عقل کیوں دی؟ پس ظاہر ہوا پہلے جنم کے نیک وبداعمال کے مطابق جزا دسزا کے دینے سے پرمیشور پورا پورا منصف رہتا ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۳۲۲، ۳۲۳)

یعنی تناسخ کی دلیل صرف یہ ہے کہ زندگی کی پریشانیوں کو سابقہ جنم کے گناہوں کی سزا نہ مانا جائے تو ان لوگوں کے ہاں اللہ تعالیٰ منصف نہیں ٹھہرتا مگر (باقی آگے)

نوٹ: اللہ کو حمد پہ ناز نہیں حمد کو ناز ہونا چاہئے کہ اس کو اللہ نے پسند کرلیا۔ متنبّی اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے:

جَفَخَتْ وَهُمْ لَا يَجْفَخُوْنَ بِهَا بِهِمْ شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الْاَغَرِّ دَلَائِلُ

ان پر وہ کمالات فخر کرتے ہیں جو روشن نسب کی دلیل ہیں [جیسے سخاوت، بہادری] اور وہ ان [کمالات] پر فخر نہیں کرتے

☆اللہ تعالیٰ کو تعریف سجتی بھی ہے، اچھی بھی لگتی ہے، تعریف کرنے والے سے وہ خوش بھی بہت ہوتا ہے اور تعریف کرنے والے کی دعائیں بھی قبول کرتا ہے اور جنت بھی عطا فرماتا ہے، ارشادِ نبوی ہے: مَا اَحَدٌ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ ، وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ : وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ (دیکھئے شرح السنة للبغوی ج۹ ص۲۶۷ تا ۲۶۹، بخاری ج۲ ص۶۶۷، ۶۶۸، ۱۱۰۳) ''اللہ سے زیادہ کسی کو اپنی تعریف پسند نہیں اسی لئے اس نے اپنی تعریف فرمائی'' اور ایک روایت میں ہے ''اسی لئے اللہ نے اس پر جنت کا وعدہ فرمایا'' رسول اللہ ﷺ نے سجدے میں دعا کرتے ہوئے فرمایا اَللّٰهُمَّ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ (مسلم ج۱ ص۳۵۲ حدیث ۴۸۶) ''اے اللہ میری میں تیری پوری تعریف نہیں کرسکتا تو ایسا ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس پر ایک قوی اعتراض ہوتا جس کو خود پنڈت نے ذکر کیا مگر ضد اور تعصب کی وجہ سے ہدایت نہ پاسکا چنانچہ پنڈت کہتا ہے:

(سوال) ایک جنم ہونے سے بھی پرمیشور [یعنی اللہ تعالیٰ۔ راقم] منصف ہوسکتا ہے جیسے سب کا مالک راجہ جو کرے وہ انصاف ہے، باغبان اپنے باغ میں چھوٹے بڑے پیڑ لگاتا ہے کسی کو کاٹتا، کسی کو اکھیڑتا اور کسی کی حفاظت کرتا اور بڑھاتا ہے جس کی جو چیز ہے وہ اس کو جیسا چاہے رکھے کیونکہ اس کے اوپر کوئی بھی دوسرا انصاف کرنے والا نہیں جو اس کو سزا دے سکے اور نہ ہی کوئی ایسا ہے کہ جس سے ایشور ڈرے۔ (جواب) پرماتما [یعنی حق تعالیٰ۔ راقم] چونکہ انصاف پسند اور انصاف کرنے والا ہے بے انصافی کبھی نہیں کرتا اس لئے وہ قابل پرستش اور بڑا ہے جو انصاف کے خلاف کرے وہ ایشور [یعنی خدا۔ راقم] ہی نہیں جیسے باغبان بلاوجہ رستے پر یا بے موقع درخت لگانے، نہ کاٹنے کے لائق درختوں کو کاٹنے نہ دے، نہ بڑھانے کے لائق درختوں کو نہ بڑھانے سے برا خیال کیا جاتا ہے اسی طرح بلاسبب (کوئی کام) کرنے سے ایشور [یعنی حق تعالیٰ۔ راقم] پر اعتراض آوے گا۔ پرمیشور [یعنی اللہ تعالیٰ۔ راقم] کیلئے انصافاً کاروائی کرنی ضروری ہے کیونکہ وہ ذات سے پاک اور منصف ہے اگر سودائی آدمی کی طرح کرے تو دنیا کے اچھے منصف سے بھی ادنیٰ اور ناقابل تعظیم ہو۔ کیا اس جہاں میں قابلیت سے اچھا کام کئے بغیر اور برا کام کئے بغیر سزا دینے والا بدنام بے عزت نہیں ہوتا پس ایشور نہ بے انصافی کرتا ہے نہ کسی سے ڈرتا ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ص۳۲۳)

یعنی ہندوؤں کے ہاں خدا تعالیٰ نہ حاجت روا ہے، نہ مشکل کشا، نہ فریاد رس ہے نہ دعائیں قبول کرنے والا، اس لئے نہ اس سے مدد مانگی جائے، نہ اس سے دعا کی جائے، کائنات کا نظام خدا تعالیٰ تو نہیں چلاتا۔ اس کا کام بس بندوں کے پہلے جنم کے اعمال کی جزا، سزا دینا ہے۔ اس جزا، سزا سے ہی سارا نظام چل رہا ہے کیونکہ سزا کی وجہ سے کسی روح کو درخت میں ڈالتا ہے، کسی کو شیر میں کسی کو چیتے میں، کسی کو گدھے میں، کسی کو بکرے میں، کسی کو بھینس میں۔ تو ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کے مطابق کائنات کا رب بندوں کے اعمال ہیں نہ کہ خدا تعالیٰ۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

[۳] کہتا ہے عربی میں نازل ہونے سے خدا تعالیٰ کا طرفدار ہونا لازم آتا ہے سنسکرت میں آتا تو طرفداری لازم نہ آتی۔ ارے اللہ تعالیٰ کتاب نازل کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو سمجھ کر عمل کریں نبی عربی ہوں، ان کی قوم عربی ہو اور کتاب سنسکرت میں ہو تو سمجھے گا کون؟ خود تو چاہتا تھا کہ تیری کتاب کیلئے لوگ ہندی بھاشا زبان سیکھیں مگر جب لوگوں نے تیری کتابوں کیلئے ہندی بھاشا زبان نہ سیکھی تو تیرے ماننے والوں نے ستیارتھ پرکاش کا اردو میں ترجمہ کیا (ستیارتھ پرکاش مقدمہ ص۲۰)

اگر قرآن سنسکرت میں ہوتا تو کبھی یا مٹ چکا ہوتا یا صرف درسگاہ میں رہ جاتا اس کو سمجھنے والے نہایت قلیل لوگ ہوتے اور خدا تعالیٰ طرفدار ٹھہرتا، اور اس کے نبی ﷺ پر اعتراض ہوتا کہ آپ کی زبان عربی ہے تو قرآن غیر عربی کیوں ہے؟ بہر حال قرآن کا بعینہٖ محفوظ ہونا اور جس زبان میں نازل ہوا، اس زبان کے بولنے اور لکھنے والوں کا باقی رہنا قرآن کی حقانیت کی عظیم دلیل ہے، جس کی وجہ سے بندوں پر اللہ کی حجت پوری ہوتی ہے مگر متعصب پنڈت کو یہ خوبی بھی خرابی دکھائی دیتی ہے۔

فرمائی'' نیز فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ (مسلم ج۱ص۲۰۳حدیث نمبر۲۲۳بحوالہ مشکوۃ ج۱ص۹۳)''الحمدللہ سے ترازو بھرجاتا ہے''۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے کہا: یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ فرشتے حیران ہوئے کہ کیسے لکھیں؟ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اللہ نے فرمایا جیسے بندے نے کہا ویسے ہی لکھ لو، قیامت کے دن میرے پاس آئے گا میں خود ہی اس کا ثواب دوں گا۔ (ابن کثیر ج۱ص۲۴)

## اللہ تعالیٰ کے بڑا کرنے میں اور ہماری توسیع میں فرق

ہم کسی کی توسیع کریں مثلاً مکان کو بڑا کریں تو ایک طرف سے بڑا کرتے ہیں مثلاً ایک منزلہ مکان کو دو منزلہ بنالیں یا اس کے دائیں بائیں جگہ خرید کر ساتھ ملا لیں جبکہ اللہ پاک بڑا کرتے ہیں تو ہر طرف سے چیز بڑی ہوجاتی ہے بچہ بڑا ہوتا ہے تو اس کا ہر عضو ہر طرف سے بڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ خون کی رگیں بھی بڑی ہوجاتی ہیں انسان تو ایسا بڑا کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ مکان کی ہر ہر چیز ایک ہی تناسب سے بڑی ہوجائے اس کی دیواریں دروازے کھڑکیاں لمبائی چوڑائی میں بڑی ہوں اس کی اینٹوں کا سائز بڑا ہو ریت کے ذرات بھی بڑے ہوجائیں۔

## رحمٰن و رحیم کے معنی میں فرق

رحمٰن و رحیم دونوں رحمت سے مشتق ہیں فرق یہ کرتے ہیں کہ رحمٰن میں اللہ کی اس رحمت کا ذکر ہے جو مومن و کافر دونوں پر ہے اللہ دونوں کو دنیا میں رزق دیتا ہے اور بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے اور رحیم میں اللہ کی اس رحمت کا ذکر ہے جو وہ خاص ایمان والوں پر کرے گا۔ رحمٰن عام الرحمۃ رحیم تام الرحمۃ رحمٰن اللہ کے ساتھ خاص ہے (معارف القرآن مفتی صاحب ج۱ص۷۶)۔

**فائدہ:** پہلی قسم کی رحمت تو ہورہی ہے اللہ تعالیٰ نے بن مانگے بے شمار انعامات کردیئے ہیں ان پر اللہ کا شکر ادا کریں تاکہ وہ نعمتیں باقی رہیں، دوسری قسم کی رحمت مانگنی پڑتی ہے اللہ سے جنت مانگیں گے تو ملے گی اگر ایمان کا فکر نہ ہو جنت کی طلب نہ ہو تو موت کے وقت ایمان کے چھن جانے کا خطرہ ہے۔

## خدا تعالیٰ کو قیامت کے دن کا مالک کہا قاضی کیوں نہیں کہا؟

اصلی فیصلے اس دن ہوں گے دنیا کی عدالتی کاروائیاں پورا بدلہ نہیں دلاسکتیں پورا پورا بدلہ تو اس دن ملے گا پھر اللہ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ قیامت کے دن کا قاضی ہے۔ قاضی قانون کا پابند ہوتا ہے، قاضی سے فیصلہ کرانے کیلئے وکیلوں کو لایا جاتا ہے تاکہ قانونی شقوں کے ساتھ قاضی کو قائل کرسکیں جبکہ اللہ تو مالک ہے قیامت کے دن کی کامیابی کیلئے اس کو دنیا میں راضی کرنا ہوگا وہاں کوئی وکالت کام نہ آئے گی بلکہ دنیا میں کی ہوئی بندگی ہی کام دے گی دنیا میں قاضیوں کو مال پیسہ دینار شوت ہے اور ان کی تعریف خوشامد، جبکہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی بندگی عین انصاف ہے۔

## عبادت اور استعانت

کسی کو اپنا حاجت روا مشکل کشا سمجھ کر انسان اسے راضی کرنے کے لیے جو کچھ کرے وہ عبادت ہے(۱) نماز عبادت ہے زکوۃ عبادت ہے کسی کے لئے نذر

---

(۱) استاذ محترم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عبادت کے بارے میں پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ صرف اسی ذات کی ہوسکتی ہے جو واجب الوجود قادر مطلق علیم کل اور خالق ہو الوہیت کی صفات چونکہ صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں لہٰذا عبادت کا مستحق وہی ہے۔ امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عبادت کہتے اَقْصیٰ غَایَۃِ التَّعْظِیْم یعنی انتہائی درجے کی تعظیم مگر یہ تعظیم اس اعتقاد کے ساتھ ہونی چاہئے کہ جس ذات کی تعظیم کی جارہی ہے وہ واجب الوجود قادرِ مطلق علیم کل اور نافع اور ضار ہے عبادت گزار یا تعظیم کنندہ کے دل میں یہ پختہ یقین ہونا چاہیے کہ یہ تعظیم اس ذات کی کی جارہی ہے جو تمام اشیاء میں تصرف کرنے والی، زندہ کرنے والی، مارنے والی، روزی دینے والی اور شفاء بخشنے والی ہے پھر تعظیم قول سے بھی ہوتی ہے عمل سے بھی اور مال سے بھی، اس لئے ہم قعدے میں پڑھتے ہیں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَ الطَّیِّبَاتُ یعنی تمام بدنی قولی اور مالی عبادتیں (باقی آگے)

ماننا عبادت ہے، کسی کے گھر کا ادب سے چکر لگانا عبادت ہے اور یہ تمام عبادات صرف اللہ ہی کے لیے ہیں، سجدے میں تفصیل ہے کہ اگر غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر سجدہ کیا تو شرک ہے اور اگر ادب واحترام سے کیا اس کو اللہ کا عاجز بندہ جانتے ہوئے تو شرک نہیں مگر شریعت اسلامی میں حرام ہے۔ گوشت کھانے یا کھلانے کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے اور اگر انسان غیر اللہ کیلئے قربانی کرے اور یہ عقیدہ ہو کہ وہ میرا حاجت روا مشکل کشا ہے غائبانہ میری دعائیں سنتا ہے عالم الغیب ہے اور مقصد اس کو راضی کرنا ہوتا کہ اس کی مشکلات کو دور کرے تو یہ غیر اللہ کی عبادت ہوگی اور یہ نا جائز ہے بلکہ شرک ہے۔

استعانت کا معنی ہے مدد مانگنا۔ غیر اللہ سے اس عقیدہ کے ساتھ مدد مانگنا کہ وہ علم غیب رکھتا ہے اور میرا حاجت روا ہے مشکل کشا ہے، ہر جگہ سے ہر وقت میری فریاد سنتا ہے اور اس کو پورا کر سکتا ہے اگر وہ پورا کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ نہیں اس عقیدے کے ساتھ غیر اللہ سے استعانت نا جائز ہے اور اگر غیر اللہ کو خدا کا عاجز بندہ سمجھ کر اسباب کے درجہ میں استعانت کرتا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو کام ہوگا ورنہ کام نہ ہوگا ایسی استعانت غیر اللہ سے جائز ہے۔ اسی طرح اللہ کے نیک بندوں سے دعا کرانا بھی بالکل جائز ہے۔(۱)

## صراط مستقیم کیا ہے؟

صراط مستقیم اللہ کا راستہ ہے جو اس نے نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمایا دیگر انبیاء کی تعلیمات ہمیں نہ مل سکیں جبکہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات قطعی ذرائع سے پائی جاتی ہیں اور ایک بہت بڑی جماعت کے ذریعے یہ تعلیمات انسانیت کو ہر دور میں ملتی رہی ہیں اور مل رہی ہیں صحابہ کرامؓ سب صراط مستقیم پر تھے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اللہ ہی کیلئے ہیں جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خالق مالک قادر مختار نافع ضار اور معطی سمجھنے کے باوجود اپنی حاجات اس کے سامنے پیش کرنے کے بجائے کسی دوسری ہستی کے سامنے پیش کرتا ہے تو ایسا شخص آزاد اور شریف نہیں ہوگا بلکہ غلام اور مشرک ہوگا (معالم العرفان ج ۱ ص ۱۲۶، ۱۲۷)

مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ نے شاہجہانپور کے اندر ہندوؤں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا مسلمان توحید کے اوپر اس درجہ کے مستقیم ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو سب میں افضل سمجھتے ہیں اور بعد خداوند عالم انہیں کو سمجھتے ہیں مگر بایں ہمہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا بھی عبودیت میں سے ادنی درجہ کا ادب ہے ان کے لئے بھی جائز نہیں سمجھتے (میلہ خدا شناسی طبع کراچی ص ۳۶)

اس لئے تلاوت یا نعت، نظم پڑھتے وقت بندوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا جائز نہیں ہے۔ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کو کئی مرتبہ دیکھا کہ ان کی موجودگی میں کسی بچے نے نعت سناتے وقت ہاتھ باندھے تو حضرتؒ اپنے ہاتھ بڑھا کر اس بچے کے ہاتھ کھول دیتے تھے۔(از پسندیدہ نماز ص ۱۰۱)

حضرت مفتی اعظمؒ فرماتے ہیں:

عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کے معنی یہ ہوگئے کہ نہ کسی کی محبت اللہ تعالیٰ کے برابر ہو نہ کسی کا خوف اس کے برابر ہو، نہ کسی سے امید اس کی طرح ہو، نہ کسی پر بھروسہ اللہ کی مثل ہو، نہ کسی کی اطاعت وخدمت اور کام کو اتنا ضروری سمجھے جتنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کو، نہ اللہ کی طرح کسی کی نذر اور منت مانے، نہ اللہ تعالیٰ کی طرح دوسرے کے سامنے اپنی مکمل عاجزی اور تذلل کا اظہار کرے نہ وہ افعال کسی دوسرے کے لئے کرے جو انتہائی تذلل کی علامات ہیں جیسے رکوع وسجدہ (معارف القرآن ج ۱ ص ۸۷)

۲) حضرت شیخ الہندؒ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل نا جائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے (تفسیر عثمانی ص ۲)

حضرتؒ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے اس اعتقاد کے ساتھ مدد مانگنا کہ اللہ نے ان کو کامل اختیار دیا ہے وہ چاہے تو کام ضرور ہوگا یہ بالکل نا جائز ہے۔ ہاں اللہ کے نیک بندوں سے اس اعتقاد کے ساتھ دعا کرانا کہ اللہ نیک بندوں کی دعائیں زیادہ قبول کرتا ہے جائز ہے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں: ''اللہ اپنے ہر بندے کی کبھی دعا قبول بھی کر لیتا ہے اور انبیاء اور اولیاء کی اکثر مگر دعا کی توفیق دینا بھی اسی کے اختیار میں ہے اور قبول کرنا بھی'' (تقویۃ الایمان علیمی ص ۲۴) اور ایسا کرنا (باقی آگے)

ان کے بعد وہ لوگ صراط مستقیم پر ہوئے جو سب صحابہ کرامؓ کو ماننے والے ان کا ادب واحترام کرنے والے۔اسی طرح ہر زمانے میں اہل حق نے اکابر سے جسطرح دین کو حاصل کیا اصاغر تک پہنچادیا۔اور جن لوگوں نے بڑوں پر اعتماد نہیں کیا وہ دائیں بائیں مڑ گئے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے سے لے کر نبی کریم ﷺ تک سارے سلسلے کا ادب واحترام کرنا اس پر اعتماد کرنا صراط مستقیم ہے(ا) جو لوگ ان سب اکابر پر اعتماد نہیں کرتے یا کسی زمانے کے اکابر سے ان کا اعتماد ٹوٹ جائے وہ صراط مستقیم پر نہیں یہ لوگ دین کو زندہ نہیں مانتے۔

<u>فرقہ واریت سے پاک جماعت:</u>

حق جماعت کے ایسے چار اصول ہیں جن میں کسی کو اختلاف نہیں، اس لئے یہ جماعت فرقہ واریت سے پاک ہے وہ چار اصول یہ ہیں: اللہ کی محبت نبی ﷺ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ظاہری طور پر اس بندے سے استعانت ہے مگر حقیقت میں اللہ سے استعانت ہے کیونکہ دعا کرانے والے کا عقیدہ ہے کہ وہ نیک بندہ اللہ سے دعا کرے گا دینے والی ذات اللہ ہی کی ہے پھر یہ اس بندے کیلئے علم غیب نہیں مانتا اس لئے غائبانہ اس کو نہیں پکارتا بلکہ اس کی خدمت میں جا کر دعا کی درخواست کرتا ہے۔

اب اس کے چند شواہد ملاحظہ ہوں: [۱] ایک شخص نے خطبہ کے دوران آپ ﷺ سے بارش کیلئے دعا کروائی مسجد سے نکلنے سے پہلے بارش شروع ہوگئی اگلے جمعہ تک ہوتی رہی اگلے جمعہ اسی شخص نے یا کسی اور نے بارش کی بندش کیلئے دعا کی درخواست کی آپ ﷺ مسکرائے اور دعا کر دی تو بادل چھٹنے لگا (بخاری ج۱ص ۵۰۶)

[۲] ایک عورت کو دورہ پڑھ جاتا تھا اس نے دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو صبر کرے اور تیرے لئے جنت ہے اور اگر چاہے تو میں تیرے لئے دعا کر دوں اللہ تجھے شفا دے گا اس نے کہا میں صبر کرتی ہوں پھر عرض کیا کہ میں بے لباس ہو جاتی ہوں آپ دعا کریں کہ میں اس دوران بے لباس نہ ہوجایا کروں تو آپ نے دعا فرمادی (بخاری ج۲ص ۸۴۴) [۳] قبیلہ دوس کی بابت آپ سے بددعا کیلئے کہا گیا صحابہؓ کو امید ہوئی کہ آپ ﷺ بددعا کریں گے تو کہنے لگے هَلَكَتْ دَوْسٌ قبیلہ دوس ہلاک ہوگیا مگر آپ نے دعا فردی: اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِهِمْ (مسلم ج۴ص ۱۹۵۷)

[۴] اہل مکہ نے نشانی مانگی تو ان کو انشقاق قمر دکھایا (بخاری ج۱ص ۵۱۳)

[۵] غزوہ تبوک میں غذائی قلت کے باعث صحابہ کرامؓ کو بھوک لگی انہوں نے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دے دی حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تشریف لائے عرض کیا اس طرح سواریاں کم پڑ جائیں گی آپ ان سے بچا ہوا توشہ منگوائیں اس پر اللہ سے برکت کی دعا کریں، شاید اللہ اس میں برکت دے دے آپ ﷺ نے موافقت کی صحابہؓ سے بچا ہوا توشہ منگوایا دستر خوان پر رکھ کر اللہ سے برکت کی دعا کی پھر فرمایا اس کو اپنے برتنوں میں بھر لو لشکر کے سب برتن بھر لئے گئے کھانا پھر بھی بچ گیا (مسلم شریف ج۱ص ۵۶ تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی)

ا) صراط مستقیم کی وضاحت نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی کہ ایک لمبی لکیر لگائی سیدھی پھر اس کے دائیں بائیں چھوٹی لکیریں لگائیں اس طرح پھر لمبی لکیر کے بارے میں فرمایا هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ دوسری لکیروں کے بارے میں فرمایا یہ دوسرے راستے ہیں ہر راستے پر ایک شیطان بیٹھا اپنی طرف بلا رہا ہے (مشکوۃ ص ۳۰ شرح السنۃ ج۱ص ۱۹۶) اس سے سمجھ آتا ہے کہ صراط مستقیم نبی علیہ السلام کے زمانے سے اب تک برابر چلی آرہی ہے اور یہ سب سے بڑی جماعت ہے باقی جماعتیں اس کے مقابلے میں چھوٹی چھوٹی ہیں بڑی لکیر سیدھی چلی اس کا مطلب یہ ہوا کہ صراط مستقیم سیدھی چلے گی اور اس کی صورت یہی بنتی ہے کہ ہر بعد والا اپنے سے لے کر نبی کریم ﷺ تک سارے سلسلے پر اعتماد کرے۔

**فائدہ**: صراط مستقیم کی اس لکیر میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک طرف افراط یعنی غلو کرنے والے فرقے ہیں تو دوسری طرف تفریط یعنی گستاخی کرنے والے۔صراط مستقیم درمیان میں ہے یہود نے تفریط کی، نصاری نے غلو کیا مسلمان درمیان میں ہیں جو کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں یہ صراط مستقیم پر ہیں۔کچھ لوگ اولیاء کی شان میں افراط کرتے ہیں اُن کو غائبانہ پکارتے ہیں اور کچھ ان کی شان میں تفریط کرتے ہیں الحمد للہ ہمارے حضرات درمیان میں ہیں وللہ الحمد علیٰ ذلک

راقم نے اس مضمون کو اپنی متعدد کتب میں لکھا ہے مثلاً گلدستہ ختم نبوت ص ۳۰، آیات ختم نبوت ص ۵۷ ص ۲۶۴ تا ص ۲۸۷، کتاب: **وارکعوا مع الراکعین** ص ۵ تا ص ۸، رہنمائے تیسیر المنطق ص ۶۰ تا ص ۲۲۔

کی محبت قرآن اور حدیث۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا ہے ہر مشکل میں اللہ کا پکارنا، یا اللہ مدد کہنا اللہ کی محبت کی وجہ سے ہے، رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے آپ ﷺ کے صحابہ اور اہل بیت سے محبت کرنا، قرآن وحدیث کو ماننے کی وجہ سے ہم اہل قرآن وحدیث ہیں وللہ الحمد علیٰ ذلک۔ مزید وضاحت ان شاء اللہ سورۃ بقرۃ تحت قولہ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ اور سورۃ الانعام کے ضمن میں آئے گی تحت قولہ: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۔

## مرزائیوں (۱) کے شبہات کا جواب

مرزائی سورت فاتحہ سے نبوت کے جاری ہونے پر استدلال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اس سورت میں دعا ہے کہ اللہ ہمیں منعم علیہم کے راستے پر چلائے اور منعم علیہم انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین ہیں (النساء ۶۹) ان کے نقش قدم پر چل کر انسان جس طرح شہید اور صالح بنتا ہے نبی بھی بن سکتا ہے [دیکھئے ایک غلطی کا ازالہ

---

۱) مرزائیوں کے دو گروہ ہیں قادیانی مرزائی، لاہوری مرزائی۔ یہ دونوں گروہ کہتے ہیں کہ احادیث متواترہ میں جو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے ان میں عیسیٰ سے مراد مرزا قادیانی ہے اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اس طرح سب مرزائی مرزے کو نبی مانتے ہیں اس کے باوجود لاہوری مرزائی کہتے ہیں کہ ہم مرزے کو نبی نہیں مانتے۔ لاہوری مرزائی ختم نبوت کے دلائل بھی دیتے ہیں مگر ان کو اس کوشش کا آخرت میں کچھ فائدہ نہیں کیونکہ وہ تمام کفریات میں مرزے کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک لاہوری مرزائی عامر عزیز الازہری لکھتا ہے:

> جماعت احمدیہ [یعنی مرزا کی امت مرزائیہ۔ راقم] کے اختلاف سے قطعاً یہ مراد نہ لی جائے کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی تعلیم میں کوئی کمی یا نقص تھا، بلکہ اگر کمی یا نقص ہو سکتا ہے تو ان کے ماننے والوں اور اختلاف کرنے والوں کی سوچ اور فہم میں ہو سکتا ہے ان کی کم علمی یا کم فہمی اس کی تصور وار ہو سکتی ہے مگر خود مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی سچائی اور آپ کے دعاوی کی صداقت میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی (اختلاف سلسلہ احمدیہ ص ۲۲)

لاہوری مرزائیوں کے پہلے امیر محمد علی لاہوری نے قرآن کریم کی جو تفسیر لکھی ایک تو اس نے اس کتاب میں تفسیر کے نام پر جا بجا مرزا قادیانی کے باطل عقائد ڈال دیئے، پھر کئی جگہ وہ اجرائے نبوت کیلئے ذکر کئے جانے والے شبہات کا رد بھی کرتا ہے تا کہ مسلمان اس کو ختم نبوت کا حامی سمجھے۔ اس کے بعد مرزا قادیانی کے لڑکے مرزا بشیر الدین محمود کی طرف سے جو تفسیر آئی اس میں محمد علی لاہوری کی ان باتوں کا رد کیا گیا ہے۔

ذیل میں محمد علی لاہوری مرزائی کے دلائل اور مرزا بشیر الدین کی طرف سے ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں ساتھ ساتھ مرزا بشیر الدین کے جوابات کا رد بھی ہوگا مگر یہ رد محمد علی لاہوری کی تائید کیلئے ہرگز نہیں بلکہ ختم نبوت کے قطعی اسلامی عقیدے کے دفاع کیلئے ہوگا۔

### ﴿محمد علی لاہوری کی پہلی دلیل﴾

نبوت تو موہبت ہے اس کے لئے دعا کے کیا معنیٰ؟ (بیان القرآن مرزائی ج ا ص ۵ حاشیہ نمبر ۶)

**مرزا بشیر الدین محمود کا پہلا جواب:**

صراط مستقیم کی دعا انسان نبوت کیلئے نہیں کرتا امت محمدیہ دعا اس امر کیلئے کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ اسے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے یہی اس آیت کا مفہوم ہے آگے یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ وہ جس پر چاہے انعام کرے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (تفسیر کبیر ص ۴۰ کالم نمبر ۲ سطر ۳)

**اقول** اللہ کو یہ بھی تو معلوم ہے کہ اس نے کسی نبی کو کس قسم کی نبوت عطا فرمائی ہے؟ کس کس نبی علیہ السلام کو خاص علاقے یا خاص زمانے کیلئے نبی بنایا اور کس نبی علیہ السلام کو قیامت تک سارے عالم کیلئے نبی بنا کر بھیجا، اسے یہ بھی تو معلوم ہے کہ اس کے انبیاء علیہم السلام میں سے صرف ایک نبی ﷺ نے رسالت کے ساتھ ساتھ ختم نبوت کا بھی اعلان کیا تو جب آنحضرت ﷺ اللہ کے آخری نبی ٹھہرے تو اب اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی کو نبوت عطا فرمائے۔ اگر اللہ نے کسی کو نبوت عطا کرنی ہوتی تو آپ ختم نبوت کا اعلان نہ فرماتے۔ رہا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول تو ان کو نبوت آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مل چکی ہے اس لئے ان کی آمد عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف نہیں۔ (باقی آگے)

۵ ،روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۹، مرزا کے لڑکے مرزا بشیر احمد کی کتاب تبلیغ ہدایت ص ۲۸۸، اللہ دتہ جالندھری کی کتاب القول المبین ص ۳۵ نیز ص ۳۴۳، عبدالرحمن خادم کی کتاب مکمل تبلیغی پاکٹ بک ص ۲۶۰ نیز ص ۲۵۱، قاضی نذیر کی کتاب الحق المبین ص ۳۷۷ نیز اس کی کتاب احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک ص ۱۰۸، ۱۰۹]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مرزا بشیر الدین محمود کا دوسرا جواب:

نبوت تو الگ رہی اگر کوئی یہ دعا کرے کہ یا اللہ مجھے صدیق بنادے مجھے قطب بنادے مجھے شہید بنادے تو یہ دعا بھی ناپسندیدہ ہوگی (ص ۴۰ کالم نمبر ا سطر ۲۱) مطلب یہ ہے کہ جیسے شہید ہونے کیلئے دعا ناپسندیدہ ہے حالانکہ شہید ہونا ممکن ہے ایسے ہی نبوت کیلئے دعا ناپسندیدہ ہے اگر چہ نبوت کا ملنا ممکن ہے۔

**اقول:** [۱] جس زمانے میں نبوت جاری تھی نبوت کیلئے دعا درست تھی حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ سے ایسے بیٹے کی دعا کی جو نبی بنے **یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْب** [مریم:۶] یہاں وراثت سے مراد علم و نبوت ہی ہے (جلالین ص ۳۹۶) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کیلئے نبوت کی دعا کی اور یہ دعائیں قبول ہوئیں [طٰہٰ:۲۹ تا ۳۶] اب نبوت کسی کو نہیں مل سکتی اس لئے نہ اپنے لئے نبوت کی دعا جائز ہے نہ اپنے بھائی کیلئے نہ اپنے بیٹے کیلئے بلکہ اب نبوت پانے کی دعا کرنا اللہ کے وعدوں سے استہزاء ہے اور مسلمان کیلئے صدیق ہونا یا شہید ہونا ممکن ہے اس لئے ان کے لئے دعا بھی جائز ہے شہادت کی دعاء کی تو احادیث نبویہ میں تصریح ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: **من سأل اللّٰہ الشھادۃ بصدق بلغہ اللّٰہ منازل الشھداء وإن مات علی فراشہ** '' (مسلم ج ۲ ص ۱۴۱ عن سہل بن حنیفؓ) ''جو صدق دل سے اللہ سے شہادت کی دعا کرے اللہ اسے شہداء کے مرتبوں کو پہنچاتے ہیں اگر چہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو'' حضرت عمرؓ نے دعا کی تھی: **اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک** ﷺ (بخاری ج ۱ ص ۲۵۳، ۲۵۴) ''اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما، اور میری وفات اپنے رسول ﷺ کے شہر میں کر دینا''، دوسری روایت میں ہے: **اللھم ارزقنی شھادۃ فی بلد رسولک** (بخاری ج ۱ ص ۳۹۱) ''اے اللہ مجھے اپنے رسول کے شہر میں شہادت عطا فرما'' بخاری میں اس جگہ حضرت ام حرام کا واقعہ بھی ہے جنہوں نے آپ ﷺ سے شہادت کی دعا کروائی اور وہ قبول ہوئی۔ مگر کسی نے آپ ﷺ نبوت کے پانے کی دعا نہ کروائی۔ نہ آپ نے کسی کیلئے یہ دعا کی۔

[۲] حدیث قدسی میں ہے کہ جب نماز میں بندہ یہ دعا کرتا ہے تو قبول ہوتی ہے اللہ کی طرف سے کہا جاتا: **ھٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ** (مسلم ج ۱ ص ۱۷۰)۔ اگر اس دعا سے نبوت ملتی تو امت میں ایک بڑی تعداد نبی ہو چکی، مگر کیا کریں یہ ساری امت ختم نبوت کی بھی قائل ہے اور مرزائیوں کے دونوں گروہوں کو کافر بھی کہتی ہے۔

﴿محمد علی لاہوری کی دوسری دلیل﴾

اگر یہ دعا نبوت کے حصول کے لئے ہوتی تو کم از کم آنحضرت ﷺ کو مقام نبوت ملنے پر کھڑا ہونے سے پہلے سکھائی جاتی پس نبوت عطا فرمانے کے بعد اس دعا کو سکھانا بتاتا ہے کہ حصول نبوت کے لئے یہ دعا نہیں (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۶ حاشیہ ۶ سطر ۱۰)

مرزا بشیر الدین محمود کا پہلا جواب:

سورۃ الفاتحہ میں جو دعا سکھائی گئی [یعنی'' **اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ** ''۔ راقم] وہ ایک طبعی دعا ہے...... تمام حق کے متلاشی خواہ وہ کسی مذہب کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں جب ان کے دل میں صداقت کے پانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ انہی کے ہم معنی الفاظ میں اللہ سے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور اپنے پیاروں کا راستہ دکھا کیا کوئی معقول انسان بھی یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے دل میں نبوت سے پہلے یہ خواہش پیدا نہ ہوئی ہو کہ خدا تعالیٰ انہیں سیدھا راستہ دکھائے...... محمد رسول اللہ کے دل میں تڑپ ہی تو تھی جس نے خدا تعالیٰ کے فضل کو اپنی طرف جذب کیا...... آپؐ کی آمد کے بعد نبوت کی نعمت آپؐ پر نازل شدہ صراط مستقیم کی دعا کے بغیر نہیں (تفسیر کبیر ص ۴۰، ۴۱)

**اقول:** نبی کریم ﷺ کے زمانے میں پہلے انبیاء کی تعلیمات محفوظ نہ تھیں نبوت ملنے سے قبل آپؐ کے دل میں تڑپ تھی اللہ نے آپ پر فضل فرمایا آپ کو نبوت بھی عطا فرمائی شریعت بھی عطا فرمائی، آپ سے ختم نبوت کا اعلان بھی کروایا اور آپ کی شریعت کو محفوظ بھی کر دیا، جب اللہ تعالیٰ نے نجات کو آپ ﷺ کی اتباع میں منحصر کر دیا تو اب (باقی آگے)

حالانکہ یہ سورۃ تو کسی طرح سے ختم نبوت کی دلیل ہے تین وجوہات تو کتاب ''آیات ختم نبوت'' ص ۶۲ تا ۶۵ میں دی گئی ہیں ایک وجہ یہ کہ اس سورۃ کی حیثیت سرکاری درخواست فارم کی طرح ہے یہ اس ہدایت کو حاصل کرنے کی دعا ہے جو نبی ﷺ لے کر آئے، اس سورت کا اور بالخصوص صراط مستقیم کی درخواست

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صراط مستقیم آپ کی اتباع ہی میں ملے گی آپ کے بعد نہ تو نبوت کی طلب جائز نہ کسی مدعی نبوت کی تصدیق جائز۔

مرزا بشیر الدین محمود کا دوسرا جواب:

اس سوال پر ایک اور پہلو سے بھی نظر کی جاسکتی ہے اور وہ یہ کہ کیا نبی صرف ایک عہدہ کا نام ہے یا نبی کے لئے تقویٰ طہارت اور قرب الی اللہ کی بھی شرط ہے اگر ان باتوں کا پایا جانا نبی کیلئے شرط ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ غیر نبی، نبی سے تقویٰ اور طہارت اور قرب الی اللہ میں زیادہ ہو؟ اگر تو اس کا جواب یہ مفسر [یعنی لاہوری مرزائی۔ راقم] اور اس کے ہمنوا یہ دیں کہ ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک غیر نبی تقویٰ طہارت اور قرب الی اللہ میں نبی سے بڑھ کر ہو تو پھر نزاع لفظی رہ جاتی ہے لیکن اگر سوال کا جواب یہ ہو کہ غیر نبی، نبی سے ان باتوں میں افضل نہیں ہوسکتا تو جو شخص یہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں ظلی بروزی اور نبوت محمدیہ کی تابع نبوت بھی نہیں ہوسکتی وہ یہ کہتا ہے کہ اس امت میں کوئی شخص قرب الی اللہ کے اس مقام کو نہیں پہنچ سکتا جس مقام پر پہلے لوگ پہنچے تھے اور ایسا دعویٰ کرنے والا شخص یقیناً امت محمدیہ کو انعام سے محروم قرار دیتا ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۴۰، ۴۱)

**اول** مرزائیوں کا ایک کفر یہ ہے کہ وہ مرزا قادیانی کو سب انبیاء سے اور بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اعلیٰ و افضل مانتے ہیں (دیکھئے قاضی نذیر قادیانی کی کتاب الحق المبین ص ۲۶۳) اول تو کوئی امتی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پاسکتا چہ جائیکہ اعلیٰ ہو (شرح عقائد ص ۱۶۴) دوسرے مرزا قادیانی تو سرے سے مومن ہی نہ تھا۔ پھر قادیانی گروپ تو اپنے مرزے کو ہر کمال میں حتیٰ کہ نبوت میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اعلیٰ و افضل کہتا ہے (مکمل تبلیغی پاکٹ بک ص ۳۵ے، ۳۶ے) مذکورہ بالا عبارت میں غیر نبی سے مراد خاص مرزا قادیانی ہے جو خود کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل کہتا ہے۔

۱۹۳۷ء میں راولپنڈی میں مرزائیوں کے دونوں گروپوں کے درمیان مناظرہ ہوا جس کی روئیداد مباحثہ راولپنڈی کے نام سے طبع ہوئی اس مناظرہ میں قادیانی گروپ کے مناظر نے لاہوری گروپ کے مناظر سے یہی مطالبہ کیا بتاؤ تمہارے نزدیک مرزے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہر شان میں برتری حاصل ہے یا نہیں؟ آپ کے جواب سے حقیقت کھل جائے گی (مباحثہ راولپنڈی ص ۱۶۳، ۱۶۴) اگر لاہوری ہاں میں جواب دیتا تو قادیانی گروپ کی بات ثابت ہوجاتی کیونکہ کلی فضیلت میں وصف نبوت میں فوقیت بھی ہے (پاکٹ بک خادم ص) اس کا جواب لاہوری مناظر نے دیا کہ یہ جزوی فضیلت ہے (ایضاً ص ۲۰۰)

رہا مرزا بشیر الدین کا یہ کہنا کہ اگر اس امت میں کوئی نبی نہیں ہوسکتا تو اس سے امت کی فضیلت میں فرق پڑتا ہے تو بات یہ ہے کہ منصب نبوت کسی جائیداد کی طرح نہیں جس کے بارے میں دو مدعی ہوں ایک کہے میری ہے دوسرا کہے میری ہے اب جو زیادہ ہوشیاری چالاکی دکھائے وہ جج کو قائل کر کے لے جائے۔ بلکہ نبوت کے دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں اس نے جن کو چاہا نبی بنا دیا پھر آئندہ کے لئے نبوت کے ختم ہونے کا اعلان بھی کر دیا تیری ان باتوں سے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبوت تو ملنے سے رہی مرزے کا مومن ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ پھر جب نبی ﷺ کی نبوت باقی ہے آپ کی شریعت محفوظ ہے اب نبوت کی تو ضرورت نہیں ہاں دعویٰ کر کے انسان آنحضرت ﷺ کا مدمقابل ہوگا۔ اور جو نبی ﷺ کے مقابل کھڑا ہو وہ اپنے انجام کا فیصلہ خود کر لے۔

**تنبیہ** قاضی نذیر قادیانی گروپ کا بہت بڑا عالم اور مناظر گزرا ہے اس کا کہنا یہی ہے کہ لاہوری گروپ سے قادیانی گروپ کا اختلاف محض لفظی ہے یعنی اندر سے دونوں ایک ہیں بنیادی وجہ یہی ہے کہ مرزے کو مسیح کہنے میں دونوں متفق ہیں قاضی نذیر لکھتا ہے:

''احمدیوں کے لاہوری فریق سے ہمارا اتحاد نہایت آسانی سے ہوسکتا ہے کیونکہ ہم میں اور ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام [یعنی مرزا قادیانی مسیح کالعدم علیہ ما علیہ، راقم] کی نبوت کے بارہ میں صرف ایک لفظی نزاع ہے دونوں فریق میں اس بارہ میں میرے نزدیک کوئی حقیقی نزاع نہیں دونوں آپ کو [یعنی مرزا قادیانی علیہ ما علیہ کو۔ راقم] اپنے دعاوی میں صادق مانتے ہیں (احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک ص ۵۴۴)

(باقی آگے)

(یعنی اس دعا) کا موجود رہنا بتاتا ہے کہ نبی ﷺ کے ذریعے ملنے والی ہدایت باقی ہے جب وہ ہدایت باقی ہے تو کسی اور نبی کی کیا ضرورت ہے؟ اگر کسی اور نبی کو آنا ہوتا تو اس درخواست فارم کو یعنی اس دعا کو اٹھالیا جاتا تا کہ نیا نبی اپنی ہدایت بھی لائے اور اس کے لیے فارم بھی لائے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **محمد علی لاہوری کی تیسری دلیل**

کیا وجہ ہے کہ گزشتہ تیرہ سو سال میں ایک مسلمان کی بھی دعا اس بارہ میں قبول نہ ہوئی (بیان القرآن ج ا ص ٦ سطر ١٢) سوائے قادیانی کے مرزائی بھی کسی کو نبی نہیں مانتے۔اور مرزے کے بعد بھی کسی کو نبی ماننے کو تیار نہیں۔

**مرزا بشیر الدین کا جواب:**

دعا کی قبولیت تو دعا کی مقدار اور نوعیت پر منحصر ہے۔ یہ معترض صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ صدیقیت کا مقام اس امت میں مل سکتا ہے پس یہی سوال ان کے مسلمات کے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس امت میں کتنے لوگوں کو صدیقیت کا مقام ملا ہے اگر گزشتہ تیرہ سو سال میں صرف ابوبکرؓ کو ملا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا وہ اشخاص عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ سے بڑھ گئے تھے یا کم تھے۔ اگر کم تھے تو پھر یہ کیونکر ہوا کہ کم درجہ کے لوگ صدیق بن گئے اور بڑے درجہ کے لوگ شہید تک ترقی پا سکے صدیق نہ کہلا سکے غرض جو اعتراض نبوت کے اجراء پر ہوتا ہے وہی اعتراض صدیقیت کا دروازہ کھلا تسلیم کر کے ان پر ہوتا ہے (تفسیر کبیر ج ا ص ٤٢ کالم نمبر ١)

**اقول** صدیقیت یا شہادت، منصب نبوت کی طرح نہیں، نبی پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے نبی کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے مگر صدیقین یا شہداء پر ایمان نہیں لانا ہوتا، اور نہ ہی ان کے انکار سے کفر لازم آتا ہے مگر جن کی صدیقیت یا شہادت کی نبی کریم ﷺ نے خبر دی ان کا انکار خطرے سے خالی نہیں جیسے حضرت ابوبکرؓ کے صدیق ہونے کی اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے کی نبی کریم ﷺ نے خبر دی (بخاری ج ا ص ٥١٩)

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ امت میں اور کوئی صدیق نہ ہوا، صدیق اور بھی بہت ہوئے ہیں اگر چہ ہمیں ان کا علم نہ ہو، اور اگر وہ صحابہؓ کے بعد ہوئے تو شرف صحابیت نہ ہونے کی بنا پر کسی صحابی کے مرتبہ کو نہ پا سکے۔ اب اس امت میں صدیقین و شہداء کے ہونے کی نصوص ملاحظہ ہوں ارشاد باری ہے: "**وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ**" (سورۃ الحدید: ١٩) اس میں ایمان والوں کے صدیقین اور شہداء فرمایا گیا ہے ۔ ایک جگہ فرمایا: "**لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ☆ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ**" (آل عمران: ١١٤) اس میں ایمان لانے والے اہل کتاب کو صالحین سے کہا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **عليكم بالصدق فإن الصدق يهدى إلى البر وإن البر يهدى إلى الجنة وما يزال الرجل يصدق ويتحرى الصدق حتى يكتب عند الله صديقا وإياكم والكذب فإن الكذب يهدى إلى الفجور وإن الفجور يهدى إلى النار وما يزال الرجل يكذب ويتحرى الكذب حتى يكتب عند الله كذابا** " (مسلم ج ٢ ص ٢٠١٢) اس میں کہا گیا کہ جب بندہ صدق کا التزام کرتا ہے تو ایک وقت آتا ہے وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ ☆اس حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ مرزائیوں کو اللہ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے کیونکہ ان کی زندگی مرزا قادیانی کو مسیح کہتے کہتے گزر جاتی ہے۔ اور مرزا کو مسیح کہنا یقیناً جھوٹ ہے۔ اور جو اللہ کے ہاں کذاب لکھا گیا اس کا کلمہ پڑھنا بھی قبول نہیں جیسے منافق باوجود کلمہ پڑھنے کے جھوٹے تھے (المنافقون: ١)

**مرزا بشیر الدین محمود کا ایک اور دھوکہ:**

اپنی تفسیر میں ایک مقام پر مرزا بشیر الدین لکھتا ہے۔ اس جگہ ایک اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو آپؐ کے بعد نبی کس طرح آسکتا ہے سو اس اعتراض کا جواب بھی سورۂ نساء کی آیت میں موجود ہے کیونکہ اس آیت میں **ومن يطع الله والرسول** کے الفاظ ہیں یعنی اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے والے کو یہ انعام ملیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ جو مطیع ہوگا، اس کا کام رسول اللہ ﷺ کے کام سے الگ نہیں ہوسکتا نہ وہ کوئی شریعت لاسکتا ہے پس جو نبی رسول اللہ ﷺ کے تابع ہوگا وہ خاتم النبیین کے خلاف نہیں بلکہ اس کے معنوں کو مکمل کرنے والا ہوگا (تفسیر کبیر ج ا ص ٤٠ کالم نمبر ٢)

(باقی آگے)

الحاصل جب تک سورت فاتحہ موجود ہے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ رہی سورت النساء کی آیت ۶۹ ”**فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ**“ الآیۃ تو آیات ختم نبوت ص ۲۹۳، ۱۹۴ میں اس سے بھی ختم نبوت پر استدلال موجود ہے اور آپ اس کتاب میں سورۃ النساء کے تحت ان شاء اللہ دیکھو گے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول** [۱] یہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی آنحضرت ﷺ کا بہت بڑا دشمن تھا، وہ آپ ﷺ کا مطیع ہرگز نہ تھا مگر اس عبارت میں ایک اور عجیب تعارض ہے پہلے کہتا ہے کہ نبی ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو یہ انعام ملیں گے، پھر عبارت کے خط کشیدہ حصے میں کہتا ہے ”جو نبی رسول اللہ ﷺ کے تابع ہوگا“ ارے نبی ﷺ کی اطاعت کائنات میں صرف ایک شخص نے تو نہیں کی کہ صرف وہی اس منصب کو پاسکا [جبکہ وہ آپ ﷺ کا مطیع نہیں بلکہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی سے بڑا اسلام کا دشمن تھا] آپ ﷺ کی محبت میں تڑپنے والے آپ کی عزت کی خاطر جان دینے والے ہر زمانے میں ہوئے ہیں اور الحمدللہ اب بھی ہیں ان میں کوئی اس منصب کو کیوں نہ پاسکا؟ پھر مرزا کے بعد بھی تم کسی کو نبی نہیں مانتے [۲] آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت ملنا ہی نہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی نبی نے آنا ہی نہیں تو اس عبارت سے کیا حاصل۔ تو دھکے سے تو قادیانی کو نبی نہیں بنا سکتا۔

**تنبیہ** مرزا قادیانی خود کو عیسیٰ بھی کہتا تھا (ج ۲۱ ص ۱۱۱) مریم بھی کہتا تھا (تذکرہ ص ۷۱) مسیح بن مریم بھی (تذکرہ ص ۱۹۱) عیسیٰ بن مریم بھی (سیرۃ المہدی ج ۳ ص ۸۲)، یعنی خود ہی ماں خود ہی بیٹا خود ہی ماں کا بیٹا، خود ہی بیٹے کی ماں۔ اور یہ دعوے یقیناً باطل ہیں مرزا بشیر الدین محمود نے اس سورت کی تفسیر کے تحت مرزا قادیانی کی ان خرافات کو منوانے کیلئے کافی سطریں سیاہ کی ہیں (دیکھئے تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۲ کالم نمبر ۲ سطر ۲۹ تا ص ۴۴ کالم نمبر ۱ س ۱۵) اس کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جیسے سورۃ فاتحہ کا ایک نام ام القرآن ہے (مسلم ج ۱ ص ۱۶۹) اور ایک نام قرآن عظیم ہے (بخاری ج ۲ ص ۷۴۹) اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی مریم بھی ہے ابن مریم بھی۔

**اقول** [۱] مرزے کو اپنے ماں باپ سے نفرت کیوں ہے؟ وہ اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کیوں نہیں کرتا، اگر وہ عورت بننے کے شوق میں خود کو مریم کہتا تھا تو خود کو چراغ بی بی کیوں نہیں کہہ لیا؟ اور چراغ بی بی اس کی ماں کا نام تھا [۲] مرزا قادیانی کو سورۃ پر قیاس کرنا باطل ہے ایک تو اس لئے کہ سورۃ معنوی چیز ہے مرزا جو ہر تھا۔ سورۃ میں ولادت کا حقیقی معنی نہیں ہوسکتا، انسانوں میں پایا جاتا ہے، دوسرے اس لئے کہ سورۃ فاتحہ کو ام القرآن بھی کہا گیا اور قرآن عظیم بھی مگر اس کو قرآن بن قرآن یا فاتحہ بنت فاتحہ تو نہیں کہا گیا جبکہ مرزا قادیانی عیسیٰ بھی بنتا تھا، مریم بھی اور عیسیٰ ابن مریم بھی۔ [۳] سورۃ الفاتحہ ام القرآن اس اعتبار سے ہے کہ یہ قرآن کریم کی باقی سورتوں سے پہلے ہے (مفردات راغب ص ۳۰) یا اس وجہ سے کہ اس میں قرآن کے مضامین کا خلاصہ پایا جاتا ہے، استاذ محترم مفسر قرآن حضرت صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں عربی میں ام اصل کو کہتے ہیں...... یہ ام القرآن کہلاتی ہے کہ اس میں الٰہیات، معاد، نبوت، قضاء وقدر وغیرہ کی تمام اصولی بحثیں بیان کی گئی ہیں (از معالم العرفان ج ۱ ص ۴۸)

اس سورت کو جو قرآن عظیم کہا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن کی عظیم سورت ہے خود مرزا بشیر الدین لکھتا ہے کہ قرآن سے قرآن کا کچھ حصہ مراد ہے (کبیر ج ۱ ص ۴۳) گویا کل بول کر جزء مراد لیا گیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جس حدیث میں اس کو قرآن عظیم کہا گیا اسی حدیث میں اس کو **اَعْظَمُ سُوْرَۃٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ** بھی کہا گیا ہے۔ حدیث اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ سے فرمایا **الا اعلمک اعظم سورۃ فی القرآن قبل أن تخرج من المسجد** ”کیا میں تجھے قرآن کریم کی سب سے عظیم سورت نہ سکھاؤں اس سے پہلے کہ تو مسجد سے نکلے“، فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جب ہم نکلنے لگے تو میں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا تھا: **لأعلمنک اعظم سورۃ من القرآن** ”میں تجھے قرآن کی سب سے عظیم سورت سکھاؤں گا“ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ الحمدللہ رب العالمین ہے یہ سبع مثانی ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا [جس کا سورۃ الحجر آیت ۸۷ میں ذکر ہے] (بخاری ج ۲ ص ۷۴۹) گویا اس طرح آپ نے سورۃ الحجر کی آیت کی تفسیر فرما دی۔

**تنبیہ ثانی** مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے:

**مغضوب علیھم** میں خاص طور پر یہود مراد ہیں اور **ضالین** سے خاص طور پر نصاریٰ مراد ہیں۔ یہ آیت **الذین** کا، یا **الذین انعمت علیھم** میں جو ھم کی ضمیر ہے اس کا بدل ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں منعم علیہ گروہ کے راستہ پر چلا اور منعم علیہ سے مراد ہماری ایسے منعم علیہ ہیں جو بعد میں تیرے غضب کے مورد نہ ہوگئے ہوں یا جو کسی اور کی محبت میں تجھے چھوڑ نہ بیٹھے ہوں...... مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ یہودی فتنہ کسی اور رنگ میں تو ان کیلئے ظاہر نہیں ہونے والا کیا یہ تو ممکن نہیں کہ آنیوالے (باقی آگے)

## عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت

حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت نہایت اہم عقیدہ ہے ایسی باطل تاویلوں سے نہ وہ بدل سکتا ہے نہ اس پر شبہہ ہوسکتا ہے۔ مرزائیوں کو پتہ ہونا چاہئے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی ماننا اتنا ہی ضروری ہے جتنا آپ ﷺ کو نبی ماننا ضروری ہے۔ گویا ہم نبی ﷺ کو بغیر دلیل کے آخری نبی مانتے ہیں۔ اور جو آپ کے آخری نبی ہونے کا منکر ہے وہ آپ کی نبوت کا منکر ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ہندوؤں اور عیسائیوں کے سامنے جن دلائل سے نبی کریم ﷺ کی نبوت کو ثابت کیا انہیں دلائل سے آپ کی خاتمیت کو ثابت کیا تھا۔ اس لئے جو دلائل حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے کے ہیں وہ تمام دلائل ختم نبوت کے بھی ہیں کیونکہ جس زبان سے آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اسی زبان سے ختم نبوت کا اعلان کیا۔ خاتمیت کے الگ دلائل ان کے علاوہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارکان اسلام سے، اذان واقامت سے، ان کے جواب سے، حج وعمرہ سے، تحویل قبلہ سے، وضو اور اذان کے بعد کی دعاؤں سے جمعہ، عیدیں اور نکاح وغیرہ کے خطبات سے جن میں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا ذکر ہے ان سے ختم نبوت کو ثابت کیا جاتا ہے۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اس کو مانتے ہیں کہ جو شخص نبی ﷺ کے آخری نبی ہونے کا قائل نہیں وہ اہل اسلام کے ہاں کافر ہے (دیکھئے اس عاجز کی کتابیں: شواہد ختم نبوت، آیات ختم نبوت، حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت اور دروس ختم نبوت)

## ہدایت ہماری دائمی ضرورت

ہدایت کا معنی دکھانا بھی ہے چلانا بھی، چلاتے رہنا بھی۔ اور یہاں سب معانی لئے جاسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم دکھائے بھی اس پر چلائے بھی اور اس پر چلائے رکھے، جو وقت گزر گیا سو گزر گیا آئندہ زمانے میں انسان کو ہدایت کی ضرورت ہے جیسے ہر وقت صحت اور عافیت کی فکر ہونی چاہئے ایمان پر قائم رہنے کی فکر اس سے زیادہ ضروری ہے اس لئے ہمیں ہر نماز میں اس دعا کی تعلیم دی گئی ہے(۱) **یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ**

**آمین آہستہ ہو:** نماز میں سورۃ الفاتحہ کے بعد آمین آہستہ آواز میں کہی جائے گی دلائل ان شاء اللہ کسی اور مقام پر آئیں گے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مسیح کا انکار کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت یہود کے مشابہ ہوجائے گی اور یہ حالت اس وقت ہوگی جبکہ مسیحی فتنہ بھی بڑے زور سے اسلام پر حملہ کررہا ہوگا پس ایک طرف تو ایک مثیل مسیح کا انکار کرکے انہیں یہود سے مشابہت ہوجائے گی، اور وہ خدا تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہوجائیں گے دوسری طرف مسیحیت ان پر حملہ کرکے ان کے ہزاروں جگر کے ٹکڑے ان سے چھین کرلے جائے گی۔ کیا یہ آیت ایک زبردست پیشگوئی نہیں ہے (تفسیر کبیر ص ۴۶ کالم ا تا ص ۴۷)

**اقول:** یہود ونصاریٰ دونوں ہی ضالین بھی ہیں **مغضوب علیھم** بھی مگر یہود کا خاص وصف مغضوب ہونا ہے: **من لعنه الله وغضب علیه** [المائدۃ:۶۰] اور نصاریٰ کا خاص وصف ضال ہونا ہے: **قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل** [المائدۃ:۷۷] (ابن کثیر ج ا ص ۳۰) [۲] یہود تفریط کا شکار ہوئے نصاریٰ غلو میں پڑ گئے صراط مستقیم درمیان میں ہے مسلمانوں کو افراط وتفریط سے روکا گیا مگر مرزائی کا کہنا ہے کہ اس آیت میں پیشگوئی ہے کہ ایک وقت آئے گا مسلمان آنے والے مسیح کا انکار کریں گے، ساتھ ہی کہتا ہے کہ ایک مثیل مسیح کا انکار کرکے انہیں یہود سے مشابہت ہوجائے گی۔ گویا مرزا کے آنے تک مسلمان مرزا کے انکار سے پناہ مانگتے رہے۔

☆ غور کیا کہ مرزائی کس طرح قرآنی آیات سے کھیلتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ اس سورت میں نبوت کے ملنے کی دعا ہے لہٰذا قادیانی کا دعویٰ نبوت درست ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ اس سورت میں مرزا کے انکار کو یہودیت کہا گیا ہے۔ حالانکہ مرزا نہ مسیح تھا نہ مثیل مسیح وہ تو یہودی تھا اس لئے کہ اس نے یہودیوں کی طرح حضرت مریمؑ پہ بہتان باندھے بلکہ ایک جگہ تو اس نے صراحت کی ہے کہ: ہمارے قلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت جو کچھ خلاف شان ان کے نکلا ہے وہ الزامی جواب کے رنگ میں ہے اور وہ دراصل یہودیوں کے الفاظ ہم نے نقل کئے ہیں (چشمہ مسیحی در روحانی خزائن ج ۲۰ ص ۳۳۶ حاشیہ) تو بطور تائید یہودیوں کی باتیں نقل کرکے مرزا یہودی بنا۔ لاشک فیہ۔

۱) مرزائی قرآن کریم کا ترجمہ تفسیر لکھتے ہیں اور یہ دعا بھی مانگتے ہیں پھر وہ ہدایت سے محروم کیوں ہیں؟ جواب: اس لئے کہ وہ ضد کی وجہ سے قرآن کے بہت سے مضامین کے منکر ہیں جب تک ضد نہ چھوڑیں گے نہیں ہدایت نہ پائیں گے جتنی مرضی دعائیں کرتے رہیں ارشاد باری ہے: **کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ وَشَھِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ** (آل عمران:۸۶)

## ﴾سوالات﴿

سوال: سورۃ الفاتحہ کی اہمیت اور اس کے مضامین کا خلاصہ تحریر کریں۔

سوال: ہندوؤں کی کونسی کتاب میں جس میں قرآن کریم پر اعتراضات ہیں؟ اس کا مصنف کب کون تھا؟ اور ہمارے اکابر میں سے کس کے زمانے میں ہوا؟

سوال: ''ستیارتھ پرکاش'' کا لفظی معنیٰ کیا ہے؟ ہندو پنڈت نے اس کتاب میں اپنی طرف مائل کرنے کیلئے کیا چالاکی کی؟

سوال: ہندوؤں کی الہامی کتاب کونسی ہے؟ پنڈت کا اس کے بارے میں کیا نظریہ ہے ذکر کریں اور اس پر تبصرہ کریں۔

سوال: مثال دے کر ثابت کریں کہ پنڈت کے ہاں سچائی کا معیار اس کا اپنا دین اور اس کے اپنے نظریات ہیں۔

سوال: ہندوؤں کی رسم نیوگ کی قباحت ذکر کریں۔

سوال: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پر ہندوؤں کے اعتراضات مع جوابات تحریر کریں۔

سوال: جانوروں کے ذبح پر ہندوؤں کا اعتراض مع جواب تحریر کریں اور ثابت کریں کہ حلال جانور کو ذبح کرنا نہ ہندوؤں کے اصول کے خلاف ہے نہ اسلامی اصولوں کے۔

سوال: اس کو ثابت کریں کہ ہندوؤں کے ہاں اللہ تعالیٰ نہ کسی کو بخش سکتا ہے نہ کسی پر احسان کر سکتا ہے وہ ایک آٹومیٹک مشین کی طرح معاذ اللہ محض بے بس ہے۔

سوال: اس کا ثابت کریں کہ عیسائیوں کی طرح ہندو بھی تثلیث کے قائل ہیں۔

سوال: سورۃ الفاتحہ کے کچھ نام ذکر کریں نیز یہ بتائیں کہ ناموں کی کثرت سے کیا سمجھ آتا ہے؟

سوال: سورۃ الفاتحہ کا موضوع کیا ہے؟ اور اس کی مرکزی آیت کونسی ہے؟

سوال: اس سورۃ کے اسلوب کی انفرادیت ذکر کریں اور اس سے قراءۃ خلف الامام کا مسئلہ حل کریں۔

سوال: مخلوقات کی بھی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ کیلئے سب تعریفیں کیسے ہیں؟

سوال: انسان کیلئے صاحبِ اولاد ہونا خوبی کی بات ہے اللہ اس سے پاک کیوں ہے؟

سوال: ہندوؤں کا سورۃ الفاتحہ کی پہلی دو آیتوں پر کیا اعتراض ہے؟ جواب کیا ہے نیز اس کو ثابت کریں کہ سورۃ الفاتحہ کی ابتدائی آیات پر اعتراض محض ضد ہے۔

سوال: اس اعتراض کا کیا جواب ہے کہ خدا رحمٰن ہے تو اس نے کافروں کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا؟ پھر حکم جہاد پر اعتراض کا جواب تحریر کریں۔

سوال: آیت **مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ** پر ہندوؤں کا اعتراض کیا ہے؟ اس کا جواب بھی تحریر کریں۔

سوال: آیت نمبر ۴ کے کتنے حصے ہیں؟ کس حصے پر پنڈت نے اعتراض نہیں کیا، اور کیوں؟ کس حصے پر کیا اور اس کا جواب کیا ہے؟

سوال: ''ہم اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں'' اس پر ہندوؤں کا اعتراض کیا ہے اور کیوں نیز جواب بھی تحریر کریں۔

سوال: ''**اھدنا الصراط المستقیم**'' اس دعا کی عظمت ذکر کریں اور ثابت کریں کہ ہندو سے باوجود کوشش کے اس پر اعتراض نہ ہو سکا۔

سوال: اس کی کیا وجہ سے ہے صراط مستقیم پر صرف مسلمان چلتے ہیں اور نجات صرف اسلام لانے میں ہے؟

سوال: اس کو ثابت کریں کہ پنڈت دیانند سرسوتی بغیر کسی دلیل کے صرف اپنے مذہب کو سچا کہتا ہے۔

سوال: یہ بتائیں کہ پنڈت کے کہنے کے مطابق وید کو نازل ہوئے کتنے سال ہو چکے پھر اس بات کا رد کریں کہ وید کیلئے سند کی ضرورت نہیں۔

سوال: اس کو ثابت کریں کہ پنڈت **صراط الذین انعمت علیھم** پر کوئی اعتراض نہ کر سکا پھر بتائیں کہ اس نے اس کے خلاف لکھا کیا ہے؟

سوال: تناسخ کیا ہے؟ ہندوؤں کے ہاں اس کی دلیل کیا ہے اور جواب کیا ہے؟

سوال: اس کو ثابت کریں کہ تناسخ ماننے سے نہ تو سزا یافتہ مجرم کو اپنے جرم کا علم ہوتا ہے اور نہ سزا کسی کیلئے عبرت بنتی ہے۔

سوال: اس کو ثابت کریں کہ مجرم اپنے جرم کیلئے تقدیر کو بہانہ نہیں بنا سکتا۔

سوال: تناسخ کے بارے میں ستیارتھ پرکاش سے پنڈت کی کچھ عبارات مع تبصرہ تحریر کریں۔

سوال: اس کو ثابت کریں کہ ہندوؤں کے ہاں خدا تعالیٰ نہ حاجت روا ہے، مشکل کشا نہ فریاد رس کائنات کا نظام بندوں کے سابقہ جنم کے اعمال چلا رہے ہیں۔

سوال: عربی میں قرآن کے نازل ہونے پر ہندوؤں کا اعتراض مع جواب لکھیں۔

سوال: غیر مسلم کہتے ہیں کہ اپنی تعریف خود کرنا اچھا کام نہیں اور قرآن میں جا بجا اللہ کی تعریف ہے معلوم ہوا کہ یہ خدا کا کلام نہیں۔ ہندو کہتے ہیں : کیا اپنے ہی منہ سے اپنی کتاب کی تعریف کرنا ریا کاری نہیں؟ (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۶) اس کے ٹھوس جوابات ذکر کریں۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے بڑا کرنے میں اور ہمارے تو سیع میں کیا فرق ہے؟

سوال: رحمٰن و رحیم کا فرق بتائیں نیز خدا تعالیٰ کو قیامت کے دن کا مالک کہا قاضی کیوں نہیں کہا؟

سوال: عبادت کیا ہے؟ نیز غیر اللہ سے کسی قسم کی استعانت جائز اور کس قسم کی ناجائز ہے؟

سوال: تلاوت یا نعت کے وقت بندوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں اور کیوں؟

سوال: حضرت شیخ الہندؒ نے **ایاک نستعین** کے تحت کونسی عبارت لکھی جس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں عبارت کا مطلب تحریر کریں اور اس کو قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے مدلل کریں۔

سوال: صراط مستقیم کیا ہے؟ ہمارے لئے اس کا حصول کس طرح ہوسکتا ہے؟ نیز منعم علیہم، مغضوب علیہم اور ضالین کون کون ہیں؟

سوال: نبی کریم ﷺ نے صراط مستقیم کو لکیر سے واضح فرمایا حدیث مع حوالہ پیش کریں اور شرح بھی کریں۔

سوال: حق جماعت کے چار اصول مع تقاضا لکھیں اور اس جماعت کا فرقہ واریت سے پاک ہونا ثابت کریں۔

سوال: مرزائی کس آیت سے نبوت کے جاری ہونے پر استدلال کرتے ہیں اور جواب کیا ہے؟

سوال: عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت ذکر کریں اور سورۂ فاتحہ سے ختم نبوت کو ثابت کریں۔

سوال: اس کو ثابت کریں کہ مرزائیوں کے دونوں گروپوں کے ہاں اصل مرزا کی ذات ہی ہے، دونوں گروپ مرزے کو اس کے دعووں میں سچا کہتے ہیں۔

سوال: نبوت موہبت ہے اس کیلئے دعا کے کیا معنیٰ؟ اس کا مرزا بشیر الدین نے کیا جواب دیا؟ نیز مرزا بشیر الدین کی بات کا رد بھی لکھیں۔

سوال: اس کو ثابت کریں کہ ہمارے لئے شہادت کی دعا جائز ہے نبوت کی نہیں۔

سوال: اگر دعا "**اھدنا الصراط المستقیم**" نبوت کیلئے ہوتی تو آنحضرت ﷺ کو نبوت ملنے سے پہلے سکھائی جاتی جبکہ یہ دعا نبوت ملنے کے بعد سکھائی گئی اس پر مرزا بشیر الدین نے کیا کہا؟ نیز اس کا رد کس طرح ہوگا؟

سوال: مرزے کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل کہنے میں لاہوری اور قادیانی مرزائیوں کے موقف ذکر کریں نیز ثابت کریں کہ یہ دونوں گروپ اندر سے ایک ہیں؟

سوال: اگر یہ دعا نبوت پانے کیلئے ہے تو سوائے قادیانی کے اور کسی کے حق میں کیوں قبول نہ ہوئی؟ اس کا مرزا بشیر الدین نے کیا جواب دیا، اور اس کا رد کس طرح ہوگا؟

سوال: مرزا بشیر الدین کہتا ہے آپ ﷺ کے بعد جو نبی ہوگا وہ آپ ﷺ کا مطیع ہوگا اس کا کیا جواب ہے؟

سوال: مرزا قادیانی خود کو عیسیٰ بھی کہتا تھا مریم بھی عیسیٰ بن مریم بھی یعنی خود ہی ماں خود ہی بیٹا، خود ہی ماں کا بیٹا خود ہی بیٹے کی ماں مرزا بشیر الدین محمود نے سورۃ الفاتحہ کے ناموں سے اس کا جواب دیا، اس کا جواب مع جواب الجواب ذکر کریں۔

سوال: مرزا بشیر الدین کہتا ہے کہ "**غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**" سے پتہ چلتا ہے کہ مستقبل میں قادیانی کا انکار کیا جائے گا۔ اس کا جواب لکھیں۔

سوال: بار بار ہدایت کی دعا کا کیا مطلب؟ کیا ایک مرتبہ دعا کرنا کافی نہیں؟

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تفسیر سورۂ بقرہ

**اس سورت کی چند خصوصیات:**

یہ قرآن کی سب سے لمبی سورت ہے، احکام کی سب سے زیادہ آیات، سب سے لمبی آیت: **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ** الخ اسی طرح آیۃ الکرسی اسی سورت بھی ہے۔ اور آیۃ الکرسی کو نبی ﷺ نے قرآن کی سب سے بڑی آیت فرمایا (مسلم طبع بیروت ج ۱ ص ۵۵۶ رقم الحدیث ۸۱۰، ابوداود طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۱۴۶۰، جامع الاصول ج ۸ ص ۴۷۵) ایک روایت میں آیت الکرسی کو سب آیات کی سردار بتایا (سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۱۱ طبع دیوبند، جامع الاصول ج ۸ ص ۴۷۴) اس کی آخری آیات اور آیت الکرسی کو احادیث میں عرش کا خزانہ کہا گیا ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۱)

غزوۂ حنین میں جب صحابہ کرامؓ اچانک حملے سے گھبرا گئے تو اس سورت کا نام لے اُن کو یوں آواز دی گئی: **یَآ اَصْحَابَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ** تو صحابہ کرامؓ روتے ہوئے واپس ہوئے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۵۲۴)

**پہلی سورت سے ربط:**

سورت فاتحہ سے اس کا ربط جو اگلے صفحات میں مذکور ہے حضرت نانوتویؒ کی درج ذیل سطور میں اسی کی طرف اشارہ ہے فرماتے ہیں: بدلالت **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ** [الذاریات: ۵۶] نفوس انسانی کو عبادت کیلئے بنایا...... طاعت وعبادت اس کو کہتے ہیں کہ مطاع معبود کے موافق مرضی کیا کرے مگر اس کی مرضی کا جاننا اس کے بتلانے پر موقوف ہے اس لئے بالضرور بحکم شوقِ عبادت خدا تعالیٰ سے استدعائے ہدایت ضرور ہوئی سواصل میں اسی استدعاء اور استدعاء کے جواب کے استماع کیلئے یہ افضل العبادات یعنی نماز مقرر ہوئی...... جب سوال **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ** کے بعد سورت پڑھی گئی تو بدلالت **ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ** یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہوا اور اس کی امید برآئی اس لئے اس انعام کے شکریہ میں آداب ونیاز بجالانا اس کے ذمہ ضرور ہوا۔ (توثیق الکلام ص ۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سورۃ البقرۃ سے متعلقہ چند ابحاث

یہ سورت قرآن پاک کی سب سے بڑی سورت ہے سب سے زیادہ احکام کی آیات بھی اس سورت میں ہیں آیت الکرسی جو حدیث شریف کی رو سے قرآن پاک کی سب سے بڑی آیت ہے (جامع الاصول ج ۸ ص ۴۷۵ بحوالہ مسلم، ابوداود) وہ بھی اسی سورت میں ہے۔

اس کی آخری آیات اور آیت الکرسی کو احادیث میں عرش کا خزانہ فرمایا ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۱) غزوۂ حنین میں جب صحابہ کرامؓ اچانک حملے سے گھبرا گئے تو آپؐ نے اس سورت کا نام لے کر صحابہ کرامؓ کو بلایا: فرمایا: يَـا اَهْلَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ، يَا اَهْلَ بَيْعَةِ الشَّجَرَةِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَنَبِيُّهٗ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۵۲۵) "اے سورت بقرہ والو، اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں"۔ اس سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ "سورۃ البقرۃ" کہنا جائز نہیں، یوں کہو اَلسُّوْرَةُ الَّتِيْ ذُكِرَ فِيْهَا الْبَقَرَةُ۔

### سورۃ فاتحہ سے ربط

سورۃ الفاتحہ میں راہ ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اور اس میں اُس درخواست کی منظوری ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے اس پر چلو (بیان القرآن ج ۱ ص ۲)

### موضوع اور مرکزی آیات

سورۃ البقرۃ کا موضوع پورے دین کو اپنانے کا حکم ہے اور اس کی مرکزی آیات جن میں ساری سورت کے مضامین آگئے دو ہیں: ایک مختصر ایک مفصل۔ مختصر آیت یہ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ص وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرۃ:۲۰۸) اور مفصل آیت یہ ہے لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرۃ:۱۷۷)

### اس سورت کی جامعیت

اس سورت کی جامعیت کئی طرح سے ثابت ہوتی ہے چند وجوہات درج ذیل ہیں: (۱)

۱) حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں پانچ قسم کے علوم ہیں (الفوز الکبیر ص ۱۷، ۱۸) اور اس سورت میں وہ پانچوں قسمیں پائی جاتی ہیں پہلی قسم علم الاحکام ہے اور فقہ کے بہت سے ابواب سے متعلقہ احکام اس سورت میں موجود ہیں مثلاً طہارت، حیض، استقبال قبلہ، نماز، صدقات زکوۃ، روزہ، اعتکاف

---

۱) اس سورت کے مضامین پر اجمالی نظر: شروع میں حروف مقطعات کے بعد قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر ہے اور ماننے والوں کی کامیابی کا ذکر ہے یہ کہ اس سے ہدایت ان کو ملتی ہے جن میں یہ صفات ہوں (آیت ۱ تا ۵) مومنین کے بعد پکے کافروں کا ان کی علامات کا اور ان کے انجام کا بیان ہے (۶، ۷) پھر منافقین کا، ان کی علامات کا، ان کے انجام کا بیان نیز مثالوں سے ان کے حال کی وضاحت (۸ تا ۲۰) تمام انسانوں کو حکیمانہ اسلوب سے قرآن کی دعوت قبول کرنے کا حکم اور اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا بیان (۲۱، ۲۲) قرآن کریم کی حقانیت کا اثبات اور نہ ماننے والوں کا اور ماننے والوں کا انجام (۲۳ تا ۲۵) (باقی اگلے صفحہ پر)

،حج وعمرہ، نکاح، طلاق، رضاعت، خلع، عدت، قصاص، وصیت، جہاد، بیع، حرمت ربا، رہن، شہادۃ وغیرہ۔ دوسری قسم **علم المخاصمۃ** ہے اور اس سورت میں یہود نصاریٰ مشرکین اور منافقین کا دلائل سے رد کیا گیا ہے۔ تیسری قسم **علم التذکیر بآلاء اللّٰہ** [اللہ کے انعامات کا بیان] ہے اور اس سورت میں زمین و آسمان کو پیدا کرنے نیز خلق آدم اور بہت سے انعاماتِ الٰہیہ کا بیان ہے چوتھی قسم **علم التذکیر بایام اللّٰہ** [پہلی قوموں کے واقعات سے عبرت] اس سورت میں یہودیوں کے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ پانچویں قسم ہے **علم التذکیر بالموت و ما بعد الموت**. اس سورت میں جابجا قیامت اور جنت دوزخ کا ذکر اس قسم سے ہے۔

۲) ارشاد باری ہے ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ (اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور پوشیدہ گناہ) اگر انسان کا باطن سنور جائے تو اس میں تقویٰ اور اخلاص ہوگا اور باطن خراب ہو تو دنیا کی محبت اور ریا کی وجہ سے نیکیاں برباد گناہ لازم ہوگا۔ اس سورت میں باطن کو سنوارنے کے اصول بھی بتائے گئے ہیں تکبر، حسد اور ریا کی قباحت بتائی گئی تکبر کی وجہ سے شیطان برباد ہوا، حسد کی وجہ سے یہود ایمان سے محروم رہے اور ریا کی وجہ سے صدقات ضائع ہو جاتے ہیں۔ سورت کی آخری آیات میں بتا دیا کہ قلب کے کن اعمال پر مواخذہ ہوگا کن پر نہیں ہوگا۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قرآن کے بارے میں شبہ کا ازالہ اور یہ کہ شبہ کا منشا خدا کی نافرمانی اور بندوں کی حق تلفی (۲۶، ۲۷) کفر سے روکنا انسان کی کمزوری اور خدا کے احسانات ذکر کر کے (۲۸) آسمان و زمین نیز انسان کے پیدا کرنے کا ذکر فرشتوں کا سجدہ کرنا، آدم و حواء علیہما السلام کا جنت میں رہنا پھر وہاں سے شیطانی دشمنی کے باعث نکلنا (۲۹ تا ۳۶) توبہ کی قبولیت کے بعد یہ بتانا کہ اگر اللہ کی طرف سے ہدایت آئے تو پیروی کے بغیر گزارا نہیں (۳۷ تا ۳۹) بنی اسرائیل کو نعمتوں کی یاد دہانی اور ان کو دیئے ہوئے احکامات مجمل طور پر ایک رکوع میں (۴۰ تا ۴۶) اس کے بعد بنی اسرائیل کے واقعات مفصل طور پر (۴۷ تا ۸۸) درمیان میں ضمنی طور پر نبی ﷺ کا ذکر (۸۹) پھر موجودہ یہودیوں کے اور واقعات کے ضمن میں نبی ﷺ کی نبوت کا اثبات اور خدا کے فرشتوں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصمت (۹۰ تا ۱۰۳) مسلمانوں کو یہود کی اتباع سے روکنا (۱۰۴، ۱۰۵) تحویل قبلہ کی تمہید جس میں نسخ کا اثبات، کفار کے اعتراض کا جواب اور ان کے شر سے بچنے کا طریقہ نماز و زکوۃ کی ادائیگی، یہود و نصاریٰ کی پروانہ کرنے کا حکم، اللہ کی وحدانیت کا اثبات اور ابنیت کے عقیدے کا رد، اور **لایعنی** اعتراضات کے جواب اور کفار کی طرف سے آپ کو مایوس کرنا (۱۰۹ تا ۱۲۰) آخر میں پھر بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت (۱۲۱ تا ۱۲۳) بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر ضمنی طور پر نبی ﷺ کی نبوت کا اثبات (۱۲۴ تا ۱۲۹) ملۃ ابراہیمی کی عظمت (۱۳۰ تا ۱۳۵) تمام انبیاء پر ایمان لانے کا حکم (۱۳۶) صحابہ کے معیار حق ہونے کا ذکر (۱۳۷) اہل کتاب کے اعتراضات کے جوابات (۱۳۸) تحویل قبلہ، آپ کی نبوت و رسالت کا ذکر ختم نبوت کا اثبات (۱۴۲ تا ۱۵۲) صبر اور نماز کا حکم نیز صبر کا فائدہ اور شہداء کی فضیلت (۱۵۳ تا ۱۵۷) صفا مروہ کی سعی کا بیان (۱۵۸) نیز حق چھپانے کا انجام اور توحید کا بیان (۱۵۹ تا ۱۶۴) شرک اور مشرک کا انجام (۱۶۵ تا ۱۶۷) ترک حلال میں شیطان کی پیروی سے منع کرنا (۱۶۸ تا ۱۷۳) حق چھپانے کا انجام (۱۷۴ تا ۱۷۶) ابواب البر کی جامع آیت (۱۷۷) قصاص کا حکم (۱۷۸، ۱۷۹)، وصیت کا حکم (۱۸۰ تا ۱۸۲) روزے اور اعتکاف کے احکام درمیان میں دعاؤں کی قبولیت کا ذکر (۱۸۳ تا ۱۸۷) رزق حرام سے بچنے کا حکم (۱۸۸) چاند کی بابت سوال جواب اور ایک فضول رسم کا رد (۱۸۹) جہاد سے متعلقہ احکامات اور جہاد میں خرچ کرنے کا حکم (۱۹۰، ۱۹۵) حج عمرہ کے احکامات اور دعائیں (۱۹۶ تا ۲۰۳) منافق اور مومن کے واقعات (۲۰۴ تا ۲۰۷) کامل دین میں داخل ہونے کا حکم (۲۰۸ تا ۲۱۱) تحریہ کا انجام (۲۱۲) انبیاء کی بعثت کا مقصد اختلافات کا فیصلہ (۲۱۳) اہل حق پر آزمائشوں کا آنا (۲۱۴) کچھ سوالات کے جوابات درمیان میں جہاد کی فرضیت (۲۱۵، ۲۲۰) نکاح اور حالت حیض کے احکام (۲۲۱ تا ۲۲۳) قسم اور ایلاء کے احکام (۲۲۴ تا ۲۲۷) طلاق اور رضاعت کے بارے میں (۲۲۸ تا ۲۳۳) بیوہ کے بارے میں (۲۳۴، ۲۳۵) مطلقہ کے مہر کے بارے میں (۲۳۶، ۲۳۷) پانچ نمازوں کی تاکید (۲۳۸، ۲۳۹) بیوہ اور مطلقہ کے بارے میں (۲۴۰ تا ۲۴۲) حضرت حزقیل کے زمانے کا واقعہ (۲۴۳) جہاد اور جہاد کیلئے خرچ کرنے کا حکم (۲۴۴، ۲۴۵) طالوت جالوت کا واقعہ اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اثبات (۲۴۶ تا ۲۵۲) انفاق و قیامت (۲۵۴) آیۃ الکرسی، **لا اکراہ فی الدین، اللّٰہ ولیُّ الذین آمنوا** (۲۵۵ تا ۲۵۷) حضرت ابراہیم اور حضرت عزیر علیہما السلام کے واقعات (۲۵۸، ۲۶۰) انفاق کے مسائل، فضائل اور آداب بارے میں۔ درمیان میں حکمت کی فضیلت (۲۶۱ تا ۲۷۴) سود کی ممانعت سود خور کا برا انجام، تنگدست کی مدد کا حکم (۲۷۵ تا ۲۸۰) فکر آخرت (۲۸۱) لمبی آیت رہن، لین دین اور شہادت کے احکام (۲۸۲، ۲۸۳) فکر آخرت اور دعائیں (۲۸۴ تا ۲۸۶)

۴) عقائد کے بارے میں بھی اس سورت میں ہمارے لئے بڑی رہنمائی موجود ہے چنانچہ اس سورت میں اللہ کی وحدانیت اور اس کے خالق ہونے کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ اللہ ہر عیب سے پاک ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند ساری کائنات کا نظام وہ اکیلا چلاتا ہے کوئی تھکاوٹ نہیں وہ اولاد سے پاک ہے، علم غیب صرف اللہ کی صفت ہے حاضر ناظر بھی وہی ہے، ہدایت اللہ کے دینے سے ہے، انسان اپنے اعمال کا کاسب ہے مگر خالق اللہ ہی ہے اللہ نے ساری کائنات کی تقدیر لکھی ہے۔ صحابہؓ معیار حق ہیں۔ سب انبیاء اور سب آسمانی کتابوں پر ایمان ضروری ہے مگر ہمیں قرآن ہی کو لینا ہوگا کیونکہ ان کتابوں میں تحریف ہوگئی اور ان کے احکام منسوخ ہوگئے۔ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں قرآن آخری آسمانی کتاب ہے۔

**اس کے مضامین کا آپس میں ربط**

﴿مضامین کا پہلا حصہ﴾ قرآن کی حقانیت اور قبول کرنے نہ کرنے والوں کا بیان آیت ۱تا آیت ۲۰

﴿مضامین کا دوسرا حصہ﴾ توحید ورسالت کا اثبات اور ماننے نہ ماننے والوں کا انجام آیت ۲۱ تا ۲۵

﴿مضامین کا تیسرا حصہ﴾ قرآن پر شبہ اور اس کا جواب نیز شبہات کا منشا آیت آیت ۲۶، ۲۷

﴿مضامین کا چوتھا حصہ﴾ کائنات کی تاریخ، خدا کی خالقیت اور انبیاء کرام کی نبوت کا اثبات اور مصدق ومکذب کا انجام آیت ۲۸ تا ۳۹

﴿مضامین کا پانچواں حصہ﴾ بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت مختلف انداز سے انعامات کا ذکر کرکے، ترغیب سے ترہیب سے نیز ان کی ضد اور حسد کا ذکر اور مسلمانوں کو ان کی بات ماننے سے روکنا آیت ۴۰ تا ۱۲۳

﴿مضامین کا چھٹا حصہ﴾ ابراہیم علیہ السلام جو غیر متنازع شخصیت ہیں ان کا ذکر ان کے قبلہ کا بیان ملۃ ابراہیمی کو اپنانے کا حکم، اور ان کی دعا سے اثبات نبوت آیت ۱۲۴ تا ۱۵۲

﴿مضامین کا ساتواں حصہ﴾ اہل حق کو آزمائشوں پر صبر کرنے اور دین پر جمے رہنا کا حکم آیت ۱۵۳ تا ۱۵۸

﴿مضامین کا آٹھواں حصہ﴾ دین پر جمے رہنے میں حق کا اظہار بھی ہے اس سلسلے میں کتمان اور کفر کی مذمت ۱۵۹ تا ۱۶۲

﴿مضامین کا نواں حصہ﴾ توحید کا اثبات، شرک کی مختلف انواع کی مذمت آیت ۱۶۳ تا ۱۷۳

﴿مضامین کا دسواں حصہ﴾ حق چھپانے والوں کی مذمت آیت ۱۷۴ تا ۱۷۶

﴿مضامین کا گیارھواں حصہ﴾ جامع مفصل آیت اور ابواب البر کا بیان آیت ۱۷۷

﴿مضامین کا بارھواں حصہ﴾ اس کے بعد نیکی کے مختلف کاموں کا ذکر آخر میں دعائیں آیت ۱۷۸ تا ۲۸۶

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ شروع سورت سے آیت ۱۷۷ تک کہ تقریباً نصف سورت ہے زیادہ تر روئے سخن منکرین کی طرف تھا ضمناً کوئی خطاب مسلمانوں کو ہوجاتا ہے بقیہ نصف سورۃ بقرۃ میں زیادہ تر روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے گو ضمناً غیر مسلموں کو بھی کوئی خطاب ہوجائے (از بیان القرآن ج ۱ ص ۹۸)

فائدہ: اس سورت میں شان نزول والی آیات بھی کافی ہیں ان شاء اللہ ساتھ ساتھ شان نزول ذکر کریں گے۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتٌّ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُوْنَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ ھُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي ھُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۤ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

**ترجمہ:** الٓـمّٓ ☆ یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے (اللہ سے) ڈرنے والوں کیلئے ☆ جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اُس میں سے خرچ کرتے ہیں ☆ اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر اتارا گیا، اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا، اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں ☆ یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ ہیں پورے کامیاب ☆

## ان آیات کی بابت چند ابحاث (1)

### حروف مقطعات کے بارے میں:

اس سورت کے شروع میں ہے الٓمّٓ۔ الٓمّٓ حروف مقطعات سے ہیں اور حروف مقطعات وہ حروف ہیں جن کو دوسروں سے آپس میں ملایا نہیں جاتا بلکہ کاٹ کاٹ کر پڑھا جاتا ہے حقیقت میں یہ اسماء حروف ہیں یعنی حروف کے نام ہیں مثلاً حرف تو ہے ''لِ'' اور نام ہے اس کا ''لام'' یہ وجہ ہے کہ اس پر لام تعریف اور تنوین داخل ہو جاتی ہے حرف جر داخل ہوتا ہے اسم کی دوسری علامات پائی جاتی ہیں (بیضاوی ص۱۲)۔ جیسے کہا جاتا ہے: اَللَّامُ لِلتَّعْلِیْلِ۔

---

۱) ستیارتھ پرکاش میں اعتراض نمبر۵ سورۃ البقرۃ کی پہلی چھ آیات کے بارے میں ہے۔ اس ایک اعتراض میں کئی اعتراضات ہیں چھٹی آیت پر پنڈت نے جو اعتراضات اٹھائے ان کا جواب راقم ان شاء اللہ چھٹی آیت کے تحت دے گا باقی سوالات مع جوابات درج ذیل ہیں۔

☆ **ذلك الكتاب لا ريب فيه** کے بارے کہتا ہے:
کیا اپنے ہی منہ سے اپنی کتاب کی تعریف کرنا ریاکاری نہیں؟ (ستیارتھ پرکاش ص۶۹۶)

**اقول:** [۱] ریاکاری دکھاوے کو کہتے ہیں اور منہ سے نکلی ہوئی تعریف دیکھی نہیں سنی جاتی ہے، دکھائی نہیں سنائی جاتی ہے۔ اس لئے تعریف کو ریاکاری کہنا جہالت کی بات ہے جس کے علم کا یہ حال ہو اسے قرآن جیسی بے مثال کتاب پر اعتراض سوجھیں تو کچھ بعید نہیں۔

[۲] عرف عام میں ''تعریف'' مدح میں مبالغہ کو کہتے ہیں، اللہ کا کلام اس سے پاک ہے۔ ''**لا ريب فيه، هدى للمتقين**'' قرآن کی مدح میں مبالغہ نہیں، بلکہ یہ عین حقیقت ہے۔ قرآن واقعی سچی کتاب ہے، نہ اس میں کذب ہے نہ اس میں ہزل ہے **انه لقول فصل وما هو بالهزل** (سورۃ الطارق:۱۴) پنڈت کو اس سے اتفاق نہ تھا تو اس کی نقیض پیش کرتا اس کی تکذیب نہ کر کے اس کی نقیض نہ لا کر پنڈت خاموشی سے اس کی حقانیت کا اقرار کر چکا ہے۔

[۳] اگر کسی کتاب کی تعریف ریاکاری ہوا کرے تو پنڈت دیانند سرسوتی خود ریاکار ہے جس نے اپنی کتاب کا نام رکھا ''ستیارتھ پرکاش'' جس کا معنی ہے ''سچے معانی کا اظہار'' (ستیارتھ پرکاش ص۹) پھر پنڈت اپنی ذات کو سچائی کا معیار قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:: اس کتاب کی تصنیف سے میرا اصلی مقصد صداقت کا اظہار ہے یعنی جو سچائی ہے اس کو سچائی اور جو جھوٹ ہے اس کو جھوٹ ہی بیان کرنا میں نے راستی کا اظہار سمجھا ہے (ستیارتھ پرکاش ص۲) نیز کہتا ہے: اس کتاب کی تصنیف میں یہ بات مدنظر رکھی (باقی آگے)

قرآن پاک کا ایک معجزہ اس کے علوم کی کثرت ہے دیکھئے تفسیر کی ہر کتاب دوسرے سے الگ معلومات پیش کرتی ہے۔ علوم قرآن کی جھلک دیکھنی ہو تو علامہ زرکشیؒ کی **البرھان** یا علامہ سیوطیؒ کے **الاتقان** ہی دیکھ لیجئے۔ حروف مقطعات کی قطعی تفسیر تو اللہ ہی جانتا ہے خلفاء راشدینؓ سے بھی یہی منقول ہے (تفسیر ابن کثیر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) گئی ہے کہ جو باتیں سب مذاہب میں سچی ہیں وہ سب کے غیر مخالف ہونے کی وجہ سے تسلیم کی گئی ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۴)

**تنبیہ** بائبل میں بھی بعض مضامین کے سچ ہونے کا اعلان کیا گیا ہے مثلاً ایک جگہ ہے: "میرے منہ کی سب باتیں صداقت کی ہیں ان میں کچھ ٹیڑھا ترچھا نہیں ہے" (امثال ۸:۸) ایک اور ایک جگہ ہے: "میں خداوند سچ کہتا ہوں اور راستی کی باتیں فرماتا ہوں" (یسعیاہ ۴۵/۱۹) ایک جگہ ہے: "یہ بات سچ ہے اور ہر طرح سے قبول کرنے کے لائق" (اے تیمتھیس ۴:۹) ایک جگہ ہے: "یہ بات سچ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو ان باتوں کا یقینی طور سے دعویٰ کرے" (ططس ۸:۳) ایک جگہ ہے: "پھر اس نے مجھ سے کہا یہ باتیں سچ اور برحق ہیں" (مکاشفہ باب ۶:۲۲) ایک جگہ ہے: "پھر اس نے کہا لکھ لے کیونکہ یہ باتیں سچ اور برحق ہیں" (مکاشفہ باب: ۵/۲۱) مگر قرآن کی یہ خوبی ہے کہ اس میں سورۃ الفاتحہ جو دعا ہے اور درخواست فارم کی طرح ہے اس کے بعد جونہی مضامین شروع ہوئے **لاریب فیہ** کا اعلان آ گیا۔ پھر بائبل میں تحریفات ہوئی ہیں مگر قرآن کریم میں کوئی تحریف نہ کر سکا حالانکہ قرآن کے دشمن تعداد میں زیادہ ہیں اور سرمائے میں بھی۔

☆ **ھدی للمتقین** پر اعتراض کرتے ہوئے پنڈت کہتا ہے:

جو پرہیزگار ہیں وہ تو پہلے سے ہی رستہ پر ہیں اور جو جھوٹے راستہ پر ہیں ان کو یہ قرآن راستہ نہیں دکھلا سکتا پھر کس کام کا رہا؟ (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۶، ۶۹۷)

**اقول** [۱] جیسے بی اے کا نصاب پڑھنے سے انسان اس درجے کی ڈگری پاتا ہے ایسے ہی یہاں ہے کہ اس کتاب کو مان کر عمل کر کے انسان متقی بنتا ہے، اور جو ایمان اور اعمال صالحہ کے بعد متقی بنا ہوا ہے اس کو قرآن کریم تقوی میں آگے بڑھاتا ہے۔ لیکن جس شخص کے دل میں خدا کا ڈر نہیں وہ اس قرآن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا خود پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب کی تصنیف کے مقصد کے تحت لکھا ہے: جو آدمی متعصب ہوتا ہے وہ اپنے جھوٹ کو بھی سچ اور دوسرے مخالف مذہب کے معتقد کے سچ کو بھی جھوٹ ثابت کرنے میں مستعد ہوتا ہے اس لئے وہ صداقت کو حاصل نہیں کر سکتا (ستیارتھ پرکاش ص ۲) دیکھا آپ نے کہ جو اعتراض پنڈت نے قرآن پر کیا ہے وہ خود پنڈت پر بھی ہوتا ہے کہ جو متعصب نہیں وہ تو پہلے ہی سچ کو سچ سمجھتا ہے اور جو متعصب ہے وہ تیری نظر میں جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کیلئے مستعد ہے تو بتلا تیری کتاب سے فائدہ کس کو؟ تو نے وہ کتاب لکھی کن لوگوں کیلئے ہے؟ جس کا نام ستیارتھ پرکاش رکھا جس کا معنی ہے سچے معانی کا اظہار (ستیارتھ پرکاش ص ۹)

☆ ستیارتھ پرکاش کے حاشیہ میں **ویقیمون الصلوۃ** پر اعتراض کرتے ہوئے کوئی ہندو کہتا ہے:

نماز پڑھتے وقت قواعد یا ڈرل کرنے سے خدا کی عبادت نہیں ہوتی نمازی کا خیال تو کانوں پر بازوؤں پر گھٹنوں پر اور پیٹ پر ہاتھ لگانے کی طرف اور سجدہ کرنے کی طرف رہتا ہے پھر دل کی یکسوئی کہاں؟ اگر دل کی یکسوئی نہیں تو عبادت کہاں؟ عبادت کے واسطے جاؤ مراقبہ میں...... پھر مراقبہ میں اپنے من کی چنچلتا یا آنکھ دل کے خیالات کی پرواز کو روکو اور اپنے من (دل) کو قابو میں لاؤ...... لیکن اس کے ساتھ دم کا روکنا ضروریات سے ہے صرف آنکھوں کے میچنے اور خاموش رہنے سے من کی چنچلتا دور نہیں ہوتی۔ دم کا روکنا کسی استاد سے سیکھو اور خدا تعالیٰ کی حمد وثنا کئے جاؤ...... (ستیارتھ پرکاش حاشیہ ص ۶۹۶)

**اقول** [۱] پہلے عبادت کی تعریف تو بتا، عبادت صرف دل کی یکسوئی کا نام نہیں ہے کسی ہستی کو اپنا حاجت روا مشکل کشا فریادرس عالم الغیب سمجھتے ہوئے اسے راضی کرنے کیلئے انسان جو کچھ کرے وہ عبادت ہے۔ لیکن آپ کسی کو اپنا حاجت روا مشکل کشا فریادرس سمجھیں تو آپ کو یہ بات سمجھ آئے۔ الحمد للہ، ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، عالم الغیب سمجھتے ہیں ہم نے اللہ کو راضی کرنے کے لئے اس کی عبادت کرنی ہے، مگر ہمیں پتہ کیسے چلے کہ وہ کس طرح راضی ہوتا ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، اور اس کے انبیاء میں اس کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں انہوں نے جس طرح عبادت کر کے دکھائی اور امت کو سکھائی، اسی طریقے کو اپنانے میں ہماری نجات ہے۔ الحمد للہ وہ طریقہ امت مسلمہ میں تسلسل کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ تم آنحضرت ﷺ کی سنت کے خلاف اپنی من مرضی سے جو چاہو کرو، اللہ کے ہاں اس کی کوئی قدر نہیں، وہ عمل بے کار ہے ارشاد باری ہے: "**قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا (103) الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ** (باقی آگے)

ج ا ص ۳۷) لغت میں حروفِ مقطعات کے معنی نہیں ہیں، بعض مفسرین نے ان کے معنی بیان کئے مگر وہ قطعی نہیں مثلاً حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: **کھیعص ، طه ، طس ، طسم ، یس ، ص ، حم عسق اور ق** وغیرہ اللہ کے نام ہیں اللہ نے ان کے ساتھ قسم کھائی ہے (کتاب الاسماء والصفات للبیہقیؒ ص ۲۷ طبع الٰہ آباد) ان سے ایک روایت میں ہے کہ یہ اللہ کے ناموں کی طرف اشارے ہیں **کھیعص** اشارہ ہے **کافٍ ھادٍ امینٌ عزیزٌ صادقٌ** کی طرف، **المص** اشارہ ہے **اَنَا اللّٰہُ اَفْضَلُ** کی طرف۔ (ایضاً) **الم** اشارہ ہے: **انا اللّٰہ اعلم** کی طرف (ابن کثیر ج ا ص ۳۷)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" (الکہف:۱۰۳،۱۰۴) [۲] اللہ نے انسان کو دل ہی تو نہیں دیا باقی اعضاء بھی تو ہمیں اسی نے دیئے ہیں اس لئے عبادت صرف دل کی یکسوئی کا نام نہیں تمام اعضاء کو اس کے آگے جھکانا مطلوب ہے۔ مراقبہ دل کے خیالات کو قابو کرنے کیلئے محض معاون ہے معاون کی حد تک اس کو لیا جاسکتا ہے یہ نماز کی طرح مطلوب نہیں ہے، نماز کے موافق دل کے خیالات عبادت میں مضر نہیں نماز کی حالت میں اعضاء کی طرف جو دھیان رہتا ہے وہ بھی تو خدا کیلئے ہے اس پر ہمیں ثواب ملتا ہے تیرے کہنے سے اس سے رکنا ایمان والے کا کام نہیں۔ [۳] کہتا ہے استاد سے سیکھیں تیرا استاد کون ہے؟ اس کی کیا حیثیت ہے ہمارے اساتذہ کی سند آنحضرت ﷺ تک جاتی ہے ویسا استاد لا کر تو دکھا تیرے پاس تو "وید" کی سند ہی نہیں۔ اس لئے کہتا ہے کہ وید کیلئے سند کی ضرورت نہیں (دیکھئے ستیارتھ پرکاش ص ۷۹۳) تیرا استاد چونکہ آنحضرت ﷺ سے کٹا ہوا ہے امت مسلمہ سے جدا ہے وہ بھی دوزخ جائے گا تو بھی اس کے ساتھ جائے گا۔ [۴] تم میں عبادت کرنے والے مخصوص لوگ ہوں گے ان کیلئے اس طرح کا مراقبہ آسان ہے ہمارے ہاں ہر شخص کو نماز پڑھنی ہے وہ اس طرح کے مراقبے نہیں کرسکتا کہ گھنٹوں خیالات جما کر بیٹھا رہے۔ پھر تمہارے مراقبہ کرنے والوں کا مقصد محنت کر کے قلبی قوت کو مضبوط کر کے لوگوں پر توجہ ڈالنا ہوگا جبکہ ہماری نماز کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہونا ہے۔

[۵] تمہارے مراقبے کا مقصد صرف خیالات کو یکسو کرنا ہے لیکن ہماری نماز کا مقصد زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی تربیت ہے زندگی کے ہر شعبے میں نماز کے اثرات کیسے مرتب ہوتے ہیں اس کیلئے دیکھئے اس عاجز کی کتاب "نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ نماز"۔

**حضرت نانوتویؒ کے کلام سے دلیل:**

پنڈت دیانند سرسوتی نے اعتراض کیا تھا کہ مسلمان خانہ کعبہ کی پوجا کرتے ہیں حضرت نانوتویؒ نے اس کے متعدد جوابات ارشاد فرمائے ایک جواب کے ضمن میں آپ نے نماز کے اعمال پر بحث فرمائی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ بحث یہاں دی جائے تا کہ کوئی غیر مسلم بھی پڑھے تو اسے نماز کا کچھ تعارف ہو اور پتہ چلے کہ جو چیزیں نماز میں ہیں وہ مراقبے میں کہاں؟ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"نماز کے شروع سے لے کر آخر تک کوئی لفظ مشعر تعظیم کعبہ نہیں آتا ہر لفظ اور ہر فعل خدا کی تعظیم پر دلالت کرتا ہے اول تو دست بستہ کھڑے ہو کر **اَللّٰہُ اَکْبَرُ** کہتے ہیں جس میں موافق صورت حال خدا کی بڑائی اور کبریائی کا بیان ہے پھر **سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ** میں خدا کی پاکیزگی اور ستودگی اور برکت اور شان اور توحید کا ذکر ہے پھر **اعوذ باللّٰہ** میں خدا تعالیٰ سے اس بات کی استدعاء ہوتی ہے کہ شیطان کے شر سے مجھ کو بچا لیجئے پھر **بسم اللّٰہ** میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک سے مدد مانگی جاتی ہے اس کے بعد **اَلْحَمْدُ** پڑھتے ہیں اس میں خدا تعالیٰ کی تعریف اور اس کی تربیت عام اور اس کی رحمت عامہ خاصہ اور اس کی مالکیت اور اختیار جزاء وسزاء کا ذکر کر کے خدا سے ہدایت کی دعاء مانگی جاتی ہے۔

اس کے بعد قرآن میں سے کچھ پڑھا جاتا ہے تا کہ اس حکم نامہ خداوندی کی قراءت وسماعت سے جو امام ومنفرد بکمال ادب کرتے ہیں یہ ظاہر ہو جائے کہ ہم ہر طرح سے خدائے تعالیٰ کے مطیع فرمان ہیں اور اس کے بعد رکوع اور سجدے ادا کئے جاتے ہیں تا کہ وہ قراءت وسماعت مثل افسانہ خوانی نہ ہو جائے یا قراءت مثل کتب زبان دانی نہ سمجھی جائے یعنی اول رکوع میں جس کی صورت یہ ہو کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھک کے کھڑے ہوتے ہیں اس ہیئت سے اپنی حقارت کے اظہار کے بعد چند بار یہ پڑھتے ہیں **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم** جس کے معنی ہیں پاک ہے سب خرابیوں اور عیبوں سے اور برائیوں سے میرا رب جو بڑی عظمت والا ہے اس کے بعد کھڑے ہو کر **سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ** کہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جو اللہ کی تعریف کرتا ہے اللہ اس کی سنتا ہے۔

پھر اس کے بعد سجدہ کرتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹیک کر آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ اور ان کے بیچ میں اپنی پیشانی رکھ دیتے ہیں۔ (باقی آگے)

علامہ زمخشری اور قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں کہ ۲۹ سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں آنے والے حروف ۱۴ ہیں اور نہایت عجیب بات ہے کہ عربی میں حروف کی جس جس طرح تقسیم کی جاتی ہے ہر اعتبار سے نصف نصف ان میں آتے ہیں مثلاً حروف مطبقہ جو سب سے موٹے حروف ہیں جن میں زبان دونوں طرف

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور اس وقت اس ہیئت سے اپنی پستی اور ذلت وخواری اور انکساری کے اظہار کے بعد زبان سے یہ کہتے ہیں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی جس کا حاصل یہ ہے کہ پاک ہے سب عیبوں اور برائیوں سے میرا رب جو بلند مرتبہ والا ہے اور سب میں بلند ہے اور اس اثناء میں رکوع میں جاتے وقت اور سجدے میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت وہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہیں جس کے معنی اول مرقوم ہو چکے ہیں اور دونوں سجدوں کے بیچ میں دعائے مغفرت ورحمت ہدایت ورزق وجبر ونقصان بھی کبھی کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدستور سابق اَلْحَمْدُ اور کچھ قرآن اور رکوع سجدے ادا کئے جاتے ہیں اور پھر دوزانو مؤدب بیٹھ کر اس کا اظہار کیا جاتا ہے کہ تعظیمات قلبی اور عبادات بدنی اور مالی کا مستحق خدا ہی ہے اس کے بعد بغرض مکافات ہدایت ورہبری حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیام وسلام اور دعائے رحمت وبرکت عرض کر کے اپنے لئے اور سب خدا کے فرماں برداروں کے واسطے دعائے سلام عرض کر کے پھر رسول اللہ ﷺ کے واسطے دعا کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اپنے لئے اور اپنے ماں باپ کے لئے اور تمام اہل اسلام کے لئے دعاء مغفرت وہدایت وغیرہ ضروریات دینی کر کے نماز کو ختم کرنے کے لئے دائیں بائیں منہ کر کے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہہ کر فارغ ہو جاتے ہیں۔

اور اگر نماز کو اور طول دینا مقصود ہوتا ہے تو اس جلسہ میں دعاء ودرود نہیں پڑھتے بعد بیان استحقاق عبادات وعرض سلام اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدستور سابق ارکان مذکورہ ادا کئے جاتے ہیں اور وقت اختتام بطور مذکور مؤدب بیٹھ کر عرض مذکور سے فارغ ہو کر درود ودعا پڑھتے ہیں اور سلام بطور مذکور کہہ کر فارغ ہو جاتے ہیں مگر اس دائیں بائیں سلام پھیرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وقت نماز گویا اس عالم سے باہر چلا گیا تھا اور ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر اس کی درگاہ میں پہنچ گیا تھا اس کے بعد اب پھر آیا ہوں اور موافق رسم آئندگان ہر کسی کو سلام کرتا ہوں اس کے بعد پھر خدائے تعالیٰ کے سامنے اظہار عجز ونیاز کرتے ہیں یعنی ہاتھ اٹھا کر اپنی آرزوئیں مانگتے ہیں اور پھر فارغ ہو کر حسب توفیق خدا کی حمد وثناء وتسبیح وتکبیر اور توحید کا ذکر کرتے ہیں اور پھر اٹھ کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

غرض اس بیان اجمالی سے یہ تھی کہ نماز میں اول سے آخر تک خدا ہی کی بڑائی اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور اپنی ذلت اور خواری کا اس کے سامنے اقرار۔ خانہ کعبہ کا نام تک نہیں آتا اور غیر خدا کی پرستش میں اول سے آخر تک اس غیر کی بڑائی اور اس کی خوشامد ہوتی ہے اور انہیں کے سامنے اپنی ذلت وخواری کا اظہار اور اقرار ہوتا ہے بت پرستی میں ان پتھروں اور مورتیوں کی تعظیم ہوتی ہے جن کو اپنے آپ مہادیو اور شپ وغیرہ بنا لیتے ہیں۔ (قبلہ نما ص ۴ تا ص ۶)

<u>ایک اور اعتراض:</u>

پنڈت کا عقیدہ ہے کہ پچھلے جنم میں اگر اچھے کام کئے تو اس زندگی میں اچھے حالات ہوں گے اچھا رزق ملے گا، اور اگر پچھلے جنم میں برے کام کئے تو اس زندگی میں حالات پریشان کن رہیں گے اس باطل عقیدے کے مطابق پنڈت نے **وممارزقناھم ینفقون** پر اعتراض کیا ہے کہ:

کیا گناہ اور ثواب اور کوشش کے سوائے خدا اپنے ہی خزانہ سے خرچ کرنے کو دیتا ہے؟ اگر دیتا ہے تو سب کو کیوں نہیں دیتا اور مسلمان کوشش کیوں کرتے ہیں؟

(ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۷)

**اقول** اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو بھی دیتا ہے، اور برے لوگوں کو بھی مگر برے لوگوں کو بطور استدراج دیتا ہے مگر نیکوں کی نیکی یا بدوں کی بدی اسی زندگی میں کی ہوئی ہوتی ہے سابقہ جنم کوئی چیز نہیں کسی کو بھی پتہ نہیں کہ آج سے سو، دوسو سال قبل وہ اس دنیا میں تھا تو وہ کیا تھا، اس کی زبان کیا تھی؟ اس کے ساتھ کیا کیا حالات پیش آئے؟ لوگ دنیا بھر کی تاریخ لکھتے ہیں مگر پہلے جنم کے سچے بیتے ہوئے واقعات آج تک کوئی نہ لکھ سکا۔

پھر انسان کوشش کرے تو بھی دیتا ہے، انسانی کوشش کے بغیر بھی دیتا ہے، ہم کوشش کرتے ہیں تو ہم **کاسب** ہوتے ہیں **خالق** تو اللہ ہے۔ کیونکہ ہماری کوشش کو کامیابی اس کے حکم سے ہوتی ہے جیسے ایک آدمی تنور میں روٹی لگاتا ہے مگر اس کو پکا کر تیار کرنا یہ اللہ کا کام ہے۔ رہا یہ کہ کسی کو کم یا اور کسی کو زیادہ کیوں دیتا ہے؟ (باقی آگے)

سے اوپر کو ہوتی ہے وہ حروف چار ہیں ص ض ط ظ۔ ان میں سے دو حروف ص ط حروف مقطعات میں پائے جاتے ہیں۔ حروف مستعلیہ سات ہیں جن کا مجموعہ ہے خص ضغط قظ ان میں سے تین جو نصف اقل بنتے ہیں وہ مقطعات میں ہیں یعنی ص ط ق (الکشاف ج۱ص۱۰۲، بیضاوی مجتبائی ص۱۲)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو یہ اس کی حکمت ہے پنڈت کون ہے پوچھنے والا؟ اگر سب لوگ مالدار ہوتے تو نظام نہ چلتا سب غریب ہوتے تو نظام نہ چلتا، ارشاد باری ہے: **أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا** (الزخرف:۳۲) ہاں یہ بات بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو بہت سی ایسی نعمتوں سے نوازا ہوتا ہے جن نعمتوں سے اس کے سامنے بہت سے لوگ محروم ہوتے ہیں، مثلاً کسی کو مال دیا تو کسی کو صحت، کسی کو جوانی دی تو کسی کو اقتدار، اس لئے بندے پر ہر حال میں اللہ کا شکر ضروری ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نعمت لے بھی سکتا ہے اس لئے اس سے ڈرنا بھی ضروری ہے۔

ہندوؤں کے ہاں اللہ تعالیٰ کا بندے پر کوئی احسان نہیں جو نعمتیں ہیں وہ سابقہ جنم کی نیکیوں کا صلہ ہیں اللہ تعالیٰ چونکہ ان کو دینے کا پابند ہے اس لئے اپنے اختیار سے وہ نعمتوں کو واپس نہیں لے سکتا اس لئے اس سے ڈرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ ہندوؤ! تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ انسان کو سابقہ جنم کے اعمال کے بدلہ میں دیتا ہے اس لئے تمہیں سب کچھ بغیر کوشش کے ملنا چاہیے، تم اس جنم مین کوشش کیوں کرتے ہو؟

☆ **والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک** پر اعتراض کرتا ہے کہ

اور اگر بائبل وغیرہ پر ایمان لانا واجب ہے تو مسلمان بائبل وغیرہ پر قرآن کی طرح ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اور اگر لاتے ہیں تو قرآن کا نازل ہونا کس مطلب کیلئے ہے؟ اگر کہو کہ قرآن میں زیادہ ہدایتیں ہیں تو پہلی کتاب میں کیا خدا لکھنا بھول گیا تھا اگر نہیں بھولا تو قرآن کا نازل ہونا فضول ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۷)

**اقول** [۱] اللہ کی طرف سے جو کچھ اتارا گیا اس کو ہم ایسے ہی برحق مانتے ہیں جیسے سب نبیوں کو برحق مانتے ہیں: **لا نفرق بین احد منهم** مگر بائبل محفوظ نہیں اول تو اس کا ثبوت تواتر سے نہیں دوسرے اس میں تحریفات بھی ہیں اس لئے ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے اس میں کونسی بات اللہ کی نازل کردہ ہے جبکہ قرآن کریم متواتر بھی ہے محفوظ بھی، اس لئے مسلمان اس کے مقابل کسی کتاب کو نہیں جانتے۔ جب پہلی کتب محفوظ بھی نہیں متواتر بھی نہیں تو قرآن کی ضرورت ثابت ہوگئی۔ باقی رہی ''وید'' تو اس کے بارے میں ہم قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ تھی یا نہیں۔ مباحثہ شاہجہانپور جس میں یہ پنڈت بھی موجود تھا، اس میں حضرت نانوتویؒ نے فرمایا تھا کہ:

اب یہ گذارش ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ اور مذاہب اور دین بالکل ساختہ اور پرداختہ بنی آدم ہیں بطور جعلسازی ایک دین بنا کر خدا کے نام لگا دیا۔ نہیں دو مذہبوں کو تو ہم یقیناً دین آسمانی سمجھتے ہیں ایک دین یہود اور دوسرے دین نصاریٰ ہاں اتنی بات ہے کہ بوجہ تحریفِ بنی آدم کے رائے کی آمیزش بھی ان دونوں دینوں میں ہوگئی۔

باقی رہا دین ہنود اس کی نسبت اگرچہ ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ اصل سے یہ دین بھی آسمانی ہے مگر یقیناً یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ دین اصل سے جعلی ہے، خدا کی طرف سے نہیں آیا۔ کیونکہ اول تو قرآن شریف میں یہ ارشاد ہے **وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ** جس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی امت یعنی گروہِ عظیم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک عریض و طویل ولایت ہے کوئی ہادی نہ پہنچا ہو۔ کیا عجب ہے کہ جس کو ہندو صاحب اوتار کہتے ہیں اپنے زمانے کے نبی یا ولی یعنی نائب نبی ہوں۔ دوسرے مقام پر قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے **مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ** جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض انبیاء کا قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کردیا ہے اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ سو کیا عجب ہے کہ انبیاءِ ہندوستان بھی انہیں نبیوں میں سے ہوں جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا۔

<u>دیگر مذاہب کے بانیوں کی طرف منسوب لغویات وکفریات کی حقیقت:</u>

رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے اُدھر افعال ناشائستہ مثل زنا چوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے حالانکہ اوتاروں کے معتقد یعنی ہنود ان دونوں باتوں کے معتقد ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں باتیں بے شک ان سے سرزد ہوئی ہیں سو اس شبہ کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کردیا اور دلائل عقلی و نقلی اس کے مخالف ہیں ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچند رجی کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کردیا ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بدلالت آیات قرآنی اور نیز بدلالت آیات انجیل اپنے بندہ ہونے کے مقر اور معترف تھے اور پھر وہی کام (باقی آگے)

حروف مقطعات کا ترجمہ نہیں کیونکہ یہ حروف جارہ کی طرح حروف معانی نہیں بلکہ دیگر حروف ہجاء کی طرح حروف مبانی کے نام ہیں جیسے "نَصَوَ" ایک کلمہ ہے یہ لفظ موضوع ہے مگر اس کے اجزاء یعنی وہ تین حروف جن سے مل کر یہ بنا ہے "ن ، ص ، د" یہ تینوں مہمل ہیں ان میں سے جو پہلا حرف ہے اس کا نام نون ہے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مدت العمر کئے جو بندگی کو سزاوار ہیں دعوے خدائی پر نہیں پھبتے یعنی نماز روزہ ادا کئے زبان سے عجز و نیاز کرتے رہے جب کہا اپنے آپ کو ابن آدم کہا [دیکھئے انجیل مرقس ۱۰:۳۲، انجیل لوقا ۲۲:۶۔ راقم] اور بندہ قرار دیا پھر اس پر ان کے ذمے تہمت دعویٰ خدائی لگادی گئی ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچند رکی نسبت تہمت خدائی لگادی ہو۔ **عَلٰی هٰذَا الْقِیَاس** جیسے حضرت لوط اور حضرت داود علیہما السلام کی نسبت باوجود اعتقادِ نبوت یہود و نصاری تہمت شراب خواری اور زنا کاری لگاتے ہیں [حضرت لوط علیہ السلام پر تہمت کا ذکر عیسائیوں کی کتاب مقدس پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۲ اور حضرت داود پر تہمت کا ذکر ان کی کتاب ۲ سموئیل باب ۱۱ آیت ۴ میں ہے] اور ہم ان کو ان عیوب سے بری سمجھتے ہیں ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچند ربھی عیوب مذکورہ سے مبرا ہوں اوروں نے ان کے ذمے یہ تہمت زنا و سرقہ لگادی ہو۔ [دیانند سرسوتی کے کہنے کے مطابق سری کرشن پر عیب بھاگوت نے لگائے ہیں۔ ستیارتھ پرکاش ص ۴۴۴۔ واللہ اعلم۔ راقم] <u>اس زمانے میں اتباع دین محمدی کے سوا نجات متصور نہیں:</u>

الحاصل ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ اور ادیان اور مذاہب اصل سے غلط ہیں دین آسمانی نہیں بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اِس زمانے میں سوائے اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی طرح نجات متصور نہیں اس زمانے میں یہ دین سب کے حق میں واجب الاتباع ہے۔ <u>ایک شبہ اور اس کا جواب:</u>

باقی رہا یہ شبہ کہ اس صورت میں اور دین منسوخ ٹھہریں گے اور یہ وہم پیدا ہوگا کہ پہلے احکام میں خدا تعالیٰ سے کچھ غلطی ہوئی ہوگی جس کے تدارک اور اصلاح کے لئے یہ حکم بدلا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ **نَسْخ** ایک لفظ عربی ہے اس لفظ کے معنی ہم سے پوچھنے چاہئیں **نَسْخ** فقط تبدیلی احکام کو عربی زبان میں کہتے ہیں مگر حکامِ دنیا چونکہ اپنے احکام جبھی بدلتے ہیں جب کہ پہلے حکم میں کچھ نقصان (یعنی کمی یا خرابی) معلوم ہوتا ہے اس لئے نسخ کے لفظ کو سن کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے ورنہ نسخ محض تبدیلی احکام کو کہتے ہیں اور صورت تبدیلی احکام خداوندی یہ ہوتی ہے کہ جیسے منضج اور مسہل اپنے اپنے وقت میں مناسب ہوتے ہیں اور اسی لئے بعد اختتام میعادِ **منضج** بجائے نسخہ **منضج** نسخہ **مسہل** [**منضج**: وہ دوا جو مواد کو پکادے فیروز اللغات جدید ص ۶۵۶۔ اور **مسہل**: دست آور دوا فیروز اللغات جدید ص ۶۳۴۔ راقم] بدلا جاتا ہے اور اس تبدیلی کو بوجہ غلطی نسخہ منضج کوئی نہیں کہتا۔

ایسے ہی دین موسوی اور دین عیسوی اپنے اپنے زمانہ میں مناسب تھے اور اِس زمانہ میں یہی مناسب ہے کہ اتباع دین محمدی کیا جائے کیونکہ اور دینوں کی میعادیں ختم ہوگئیں اب اِسی دین محمدی کا وقت ہے عذاب آخرت اور غضب خداوندی سے نجات اِس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے اتباع میں منحصر ہے۔

جیسے اِس زمانہ میں گورنر زمانہ سابق لارڈ ناتھ بروک کے احکام کی تعمیل کافی نہیں بلکہ گورنر زمانہ حال لارڈ لٹن کے احکام کی تعمیل کی ضرورت ہے ایسے ہی اس زمانہ میں اتباع ادیان سابقہ کافی نہیں بلکہ دین محمدی کا اتباع ضروری ہے۔ سزائے سرکاری سے نجات اور رُستگاری جبھی متصور ہے جب کہ زمانہ حال کے گورنر کا اتباع کیا جائے۔ اگر کوئی نادان یوں کہے کہ گورنر سابق بھی تو ملکہ ہی کا نائب تھا [یعنی انگریز کے دور میں برطانیہ کی ملکہ کا۔ راقم] تو اس عذر کو کوئی نہیں سنتا۔ ایسے ہی یہ عذر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو رسول خدا تھے اِس وقت قابل استماع نہیں بلکہ جیسے اِس وقت اگر گورنر سابق بھی موجود ہو تو لارڈ لٹن ہی کا اتباع کرے جو گورنر زمانہ حال ہے۔

ایسے ہی اس زمانہ میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی موجود ہوتے تو ان کو چار و ناچار رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنا پڑتا (مباحثہ شاہجہانپور ص ۳۹ تا ۴۴ طبع کراچی) (از حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت ص ۴۱ تا ۴۴)

**تنبیہ** ہندوؤں کے مذہبی پیشوا، آنحضرت ﷺ سے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بہت پہلے ہوئے ہیں اس لئے حضرت نانوتویؒ نے ان کے نبی ہونے یا نائب نبی ہونے کو ممکن بتایا یقینی طور پر ان کو نبی بلکہ نائب نبی بھی نہیں کہا جبکہ مرزائی ہندوؤں کے پیشواؤں کو بلکہ مجوسیوں کے پیشوا زرشت کو بلا دلیل یقینی طور پر نبی کہتے ہیں چنانچہ مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے: اور جو آپؐ پر ایمان لائے وہ مسیحیت کے بانی عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان لائے اور جو آپؐ پر ایمان لائے وہ ہندوستان کے نبیوں کرشن اور رامچند ر پر بھی ایمان لائے اور جو آپؐ پر ایمان لائے وہ ایرانی نبی زرشت پر بھی ایمان لائے (کبیر ج ۱ ص ۱۴۲ کالم نمبر ۲) نیز لکھتا ہے: جب ایک مسلمان یہ تسلیم کرے گا کہ (باقی آگے)

دوسرے کا نام صاد ہے تیسرے کا نام را ہے اور یہ تینوں حروف مقطعات سے ہیں۔ ان کا معنی وضعی تو وہی حروف ہیں جن سے مل کر "نَصَرَ" بنا ہے۔ بہر حال ان کا معنی وضعی تو یہی حروف ہجاء ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا اور کچھ معنی نہیں اس لئے کہ دلالت صرف وضعی ہی نہیں ہوتی بلکہ طبعی اور عقلی بھی ہوتی ہے اور دلالت کی ایک

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) خدا تعالیٰ نے کرشن اور رامچند رپر اپنا کلام نازل کیا تھا تو وہ قرآنی عقیدہ کی رو سے ان کی زندگیوں کو پاک سمجھے گا (کبیر ج ۱ص ۱۴۴ کالم ۱)

دوسری طرف عیسیٰ علیہ السلام جن کی نبوت میں کوئی شبہ نہیں قادیانی کھل ان کی نبوت کا انکار کردیتا ہے چنانچہ ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت کچھ کہنے کے بعد لکھتا ہے کہ:

ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں (روحانی خزائن ج ۱۱ص ۲۹۳) معاذ اللہ تعالیٰ

<u>حضرت نانوتویؒ کی ایک اور عبارت:</u> قبلہ نما میں حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں:

پرستش غیر خدا ہر گز حکم خدا نہیں ہوسکتا اور اس وجہ سے یہ یقین ہے کہ بید کلام خدا نہیں یا جعلسازوں کی شرارت سے اس میں تحریف ہوئی ورنہ بید کلام خدا ہوکر غیر محرف ہوتا تو اس میں تعلیم پرستش غیر نہ ہوتی اور اس لئے اب اس کی ضرورت نہیں کہ کلام خدا ہونے کے لئے اول برہما کا دعوی پیغمبری کا کرنا اور پھر اُن کا بید کو کلام خدا کہنا اس کے بعد مجموعہ بید کو قرناً بعد قرنٍ براویۂ صحیحہ ثابت کرنا چاہئے۔ ہاں بہ نسبت قرآن شاید کسی کو یہ خیال ہو اور اس وجہ سے اس کے احکام بالخصوص استقبال کعبہ میں تامل ہو اس لئے یہ گذارش ہے کہ ہمارے قرآن میں خود قرآن کا کلام خدا ہونا موجود، <u>رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور نبوت اور خاتمیت کا اظہار موجود</u> اور پھر روایت کا یہ حال کہ ہر قرن میں ہزاروں حافظ چلے آئے ہیں۔ (قبلہ نما ص ۱۰)

اس عبارت میں حضرتؒ نے ایک تو ہندوؤں کے اس دعوے کا رد کیا کہ ان کی کتاب بید یعنی "وید" کلام الٰہی ہے پھر اس کے بعد قرآن پاک کا کلام الٰہی ہونا مبرہن کیا ، اس کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور خاتمیت کا اعلان کیا۔

<u>﴿وید کے غیر یقینی اور ناقابل اعتماد ہونے پر پنڈت دیانند سرسوتی کی کچھ اپنی عبارات﴾</u>

دام مارگی ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے جس کے فحش عقائد واعمال کا تعارف خود پنڈت نے ستیارتھ پرکاش کے گیارھویں باب میں کروایا ہے۔ ایک جگہ اس فرقے کی مذمت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

شراب پینے کی تو قطعی ممانعت ہے دام مارگیوں (کی کتب) کے سوائے کسی کتاب میں (شراب پینے کی) اجازت اب تک نہیں پائی جاتی...... گائے گھوڑے وغیرہ حیوانات اور اسی طرح آدمی کو مار کر ہوم [مذہبی رسم جس میں منتر پڑھتے ہوئے آگ میں گھی ڈالتے ہیں۔ فیروز اللغات جدید ص ۲۷ ] کرنا کہیں نہیں لکھا <u>صرف دام مارگیوں کی کتابوں میں ایسی غضبناک باتیں لکھی ہیں</u> اصل یوں ہے کہ ان باتوں کا رواج بھی دام مارگیوں میں ہوا ہے اور <u>جہاں جہاں ہماری کتب مقدسہ میں ایسی تحریر آئی ہے وہ دام مارگیوں کی ہی ڈالی ہوئی ہے</u> (ستیارتھ پرکاش ص ۳۷۰، ۳۷۱)

دوسری خط کشیدہ عبارت میں پنڈت کی طرف سے یہ اقرار موجود ہے کہ اس پنڈت کے ہاں جو مقدس کتب ہیں، ان میں غلط باتیں موجود ہیں اور وہ اس فرقہ کے لوگوں نے ڈالی ہیں اور کسی کتاب میں غلط باتوں کا ڈالا جانا ہی تو تحریف کہلاتا ہے۔

دوسری جگہ پنڈت لکھتا ہے:

اس طرح سارے ملک میں سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ایسی صورت میں غیر ممالک پر حکومت کرنے کی کسے سوجھے جب برہمن علم سے بے بہرہ ہوگئے...... برہموں نے سوچا کہ اپنے روزگار کی صورت نکالنی چاہئے اتفاق کر کے انہوں نے یہی یقین کیا کہ چھتری [ہندوؤں کی ایک ذات] وغیرہ کو اپدیش [تعلیم ، ہدایت ۔ فیروز اللغات جدید ص ۴۰] کریں کہ ہم ہی تمہارے معبود (دیوتا) ہیں ہماری خدمت کئے بغیر تم کو سورگ (بہشت) یا مکتی (نجات) نہ ملے گی (ستیارتھ پرکاش ص ۳۶۱، ۳۶۲) اس عبارت میں اس نے مان لیا کہ ماضی میں ایسا وقت بھی آیا جب برہمن علم سے بے بہرہ ہوکر اپنی عبادت کروانے لگے تھے (باقی آگے)

قسم **تَفطُنی** ہے جس میں زیادہ غور وفکر کرنا ہوتا ہے جیسے [دیکھئے حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تکمیل الاذہان ص۴۴ شائع کردہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ] راقم کے ہاں قرآن کریم کے حروف مقطعات دلالت **تَفطُنی** سے ختم نبوت کی دلیل بھی ہیں وہ اس طرح کہ ایسے حروف جن کا کوئی ترجمہ نہیں جب وہ محفوظ ہیں تو دوسرے معنی دار کلمات کیوں محفوظ نہ ہوں گے جب نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا دین اس قدر محفوظ ہے تو کسی اور نبی یا کسی اور دین کی کیا ضرورت باقی رہ گئی؟ مزید دیکھئے راقم کی کتاب ''آیات ختم نبوت'' ص۲۶

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس زمانے میں جب علم ہی نہ رہا کہ کتاب کی سلامتی کی کیا دلیل ہے؟ بعد والوں نے جو تشریحات کیں ان کی صحت کی کیا دلیل؟

ایک اور جگہ لکھتا ہے:

آریہ ورت [ہندوستان۔ فیروز اللغات جدید ص۱۷] میں س طرح تین سو سال تک جینیوں کا راج رہا لوگ ویدوں کے اصل مطلب وغیرہ کے سمجھنے سے محروم ہوگئے یہ قریباً اڑھائی ہزار برس کی بات ہے بائیس سو برس کا عرصہ ہوا کہ ملک دراوڑ کے رہنے والے شنکر آچاریہ نامی ایک برہمن نے برہمچریہ رکھ کر ویاکرن وغیرہ سب شاستر پڑھے اور انہیں یہ افسوسناک خیال پیدا ہوا کہ سچے آستک (علم معرفت) ویدھرم کے دور ہونے اور جینیوں کے ناستک (دہریہ) مذہب کے جاری ہونے سے بڑا نقصان ہوا ہے اس کا کچھ انسداد کرنا چاہئے (ستیارتھ پرکاش ص۴۷۳)

ڈھائی ہزار سے بائیس سو نکالیں تو باقی تین سو بچتے ہیں اس عبارت میں پنڈت اقرار کر چکا ہے کہ ہندوستان میں تین صدیاں ایسی آئیں کہ لوگ وید کو سمجھنے سے محروم رہے۔ ان تین صدیوں کے بعد جو تشریحات کی گئیں ان کی صحت کی کیا ضمانت؟ الحمدللہ امتِ مسلمہ پر کبھی ایسا زمانہ نہ آیا ہر زمانے میں قرآن وحدیث موجود رہا ہے اذان ہر زمانے میں بلند آواز سے ہوتی رہی عربی زبان موجود رہی قرآن وحدیث کو سمجھنے سمجھانے والے موجود رہے۔ اس لئے قرآن وحدیث کے الفاظ قطعی تو ان کے معانی بھی یقینی ہیں۔

☆ **والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک** پر دوسرا اعتراض کرتا ہے کہ

ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل اور قرآن کی بعض بعض باتیں آپس میں نہیں ملتیں، بہت سی ملتی ہیں ایسی صورت میں وہ کتابیں نازل کرنے کے بجائے ''وید'' کی طرح ایک ہی کتاب کیوں نہ نازل کی؟ (ستیارتھ پرکاش ص۶۹۷)

**اقول:** تو کون ہے خدا کو پوچھنے والا؟ جب حضرت محمد ﷺ کا نبی ہونا اور آخری نبی ہونا ثابت ہوگیا تو تیری نجات بھی آپ علیہ السلام پر ایمان لانے میں ہے نہ لائے گا تو سزا پائے گا۔ [۲] جب قرآن کی حقانیت ثابت ہو چکی تو بائبل کی جو باتیں قرآن کے موافق ہوں گی قرآن کی وجہ سے قبول ہوں گی جو مخالف ہوں گی وہ مردود ہوں گی باقی کے بارے میں سکوت کرنا ہوگا مگر قرآن کی کسی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

[۳] وید کا کلام الٰہی ہونا ثابت نہیں۔ اگر بالفرض کسی زمانے میں اس کا نزول ہوا ہی ہو تو اس میں تحریف کا واقع ہونا تیرے اپنے اقرار سے ثابت ہو چکا پھر ''وید'' بھی ایک نہیں زیادہ ہیں خود تیرے کلام میں ''چاروں ویدوں'' کا لفظ موجود ہے (ستیارتھ پرکاش ص۶۹۳) تو کہتا ہے کہ بت پرست کہتے ہیں وید لاانتہاء ہیں (ستیارتھ پرکاش ص۴۵۸) اب تو بتا کہ خدا نے ایک ہی ''وید'' کیوں نازل نہ کی؟ ہم تو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ مالک ہے جو چاہے کرے۔ لیکن تو کیا جواب دے گا؟

☆ **وبالآخرۃ ھم یوقنون** پر اعتراض کرتا ہے کہ کیا قیامت پر ہی یقین رکھنا چاہئے اور کسی چیز پر نہیں؟ (ستیارتھ پرکاش ص۶۹۷)

**اقول:** [۱] جی ہاں اس پر ایمان ضروری ہے کہ انسان مر کر ہمیشہ کیلئے ختم نہیں ہو جاتا جیسا کافر کہتے تھے: **ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا** (الجاثیۃ:۲۴) بلکہ اس کو اعمال کا بدلہ ملتا ہے اور کامل بدلہ قیامت کو ملے گا **وانما توفون اجورکم یوم القیامۃ** (آل عمران:۱۸۵) اس بدلے کیلئے اس کو ہمیشہ کیلئے زندہ کیا جائے گا، موتِ اجل کے ساتھ اعمال کرنے کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، دنیا میں واپسی نہیں [۲] حاصل یہ کہ اس میں ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کا رد ہے اور پنڈت کو تکلیف اسی کی ہے۔ مگر بات تو وہی ہے جو قرآن نے کہہ دی کہ اعمال کا پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا، اگر تو مان لے تو تیرا فائدہ ہے، نہ مانے تو قیامت کو روک نہیں سکتا وہ آکر رہے گی، مرنے کے بعد تجھے دنیا میں آنے نہیں دیا جائے گا [۳] اگر تناسخ ہوتا تو پنڈت جو تناسخ کا مبلغ تھا، اور اسے مرے ہوئے سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں وہ تو کسی اچھے روپ میں آکر بتا دیتا کہ میں (باقی آگے)

سچائی کا عجیب وغریب اعلان

تفسیر بیضاوی میں ہے کہ نبی ﷺ امی تھے آپ کی زبان سے ان حروف مقطعات کی ادائیگی خود ایک معجزہ ہے(ا) کیونکہ کسی بھی زبان کے حروف تہجی کی صحیح ادائیگی پڑھے لکھے لوگ کیا کرتے ہیں (تفسیر بیضاوی طبع مجتبائی ص۱۲) چونکہ ان سے نبی ﷺ کی صداقت سمجھ آتی ہے اس لئے ان کے بعد عموماً قرآن کی صداقت کا اعلان ہوتا ہے یہاں بھی فرمایا **ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ**۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی صداقت میں کوئی شک نہیں، اس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں غیر مسلم بھی کبھی کبھار اس کا اقرار کر لیتے ہیں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہی پنڈت دیانند ہوں۔ آخر اس نے جو کام کئے یقیناً آریوں کے عقیدے کے مطابق اس سے اچھے اعمال نہیں ہو سکتے۔

☆ **والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک** پر دوسرا اعتراض کرتا ہے کہ

کیا عیسائی اور مسلمان ہی خدا کی ہدایت پر چلنے والے ہیں اور ان میں کوئی گناہ گار نہیں؟ (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۷)

اقول جب نجات آخری نبی ﷺ کی اتباع میں منحصر ہوگئی تو جو آخری نبی پر ایمان لائے گا وہ کامیاب ہے **ان الدین عند اللہ الاسلام**۔ کسی سے گناہ ہو جائے مگر ایمان باقی ہو تو کبھی نہ کبھی نجات ہو ہی جائے گا اگر ایمان کھو بیٹھا تو نجات نہیں خواہ عیسائی ہو کیونکہ وہ پہلی وحی پر تو ایمان لاتے ہیں آپ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو نہیں مانتے۔ اور مسلمان سب انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔[۲]۔ اللہ کا قانون ہے "**فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ (6) فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ (7) وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ (8) فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ (9) وَمَا اَدْرٰکَ مَا هِیَهْ (10) نَارٌ حَامِیَةٌ**" (القارعۃ:۶ تا ۱۱) میں یا تو اس میں کیا کر سکتے ہیں؟

☆ **اولئک علی هدی من ربهم واولئک هم المفلحون** پر اعتراض کرتا ہے کہ

کیا جو عیسائی اور مسلمان گناہ گار ہیں وہ بھی نجات پاویں گے؟ اور دوسرے خدا پرست نہ پاویں گے یہ تو بڑی ناانصافی اور اندھیر نگری ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۷)

اقول جب قانون ہی یہ ٹھہرا کہ آخری نبی ﷺ کو ماننے والے کامیاب ہیں تو پھر غیروں کا نجات نہ پانا ناانصافی کیسی؟ جو اللہ کی مانے گا وہ کامیاب ہے ناانصافی اس کی طرف سے ہے جو اللہ کی نہیں مانتا[۲] تو بحث کیوں کرتا ہے جس نے تجھے پیدا کیا، تو اس کو مانتا کیوں نہیں؟ اندھیر نگری تیری طرف سے ہے کہ بندہ ہو کر بندگی سے انکاری ہے اور دوسروں کو اپنا بندہ بنانا چاہتا ہے اپنے خالق کا نہیں اور اپنے اور اپنے پیروکاروں کے علاوہ کسی کیلئے نجات نہیں مانتا۔ جب تو کفر سے باز نہیں آتا تو سزا تو ملنی چاہئے۔

ا) غامدی کہتا ہے :اس باب میں زیادہ قرین قیاس نظریہ برصغیر کے جلیل القدر عالم اور محقق امام حمید الدین فراہی کا ہے وہ کہتے ہیں کہ عربی زبان کے حروف تہجی چونکہ اصلاً عرب قدیم میں رائج وہی حروف ہیں جو صرف آواز ہی نہیں بتاتے تھے بلکہ چینی زبان کے حروف کی طرح معانی اور اشیاء پر بھی دلیل ہوتے تھے اور جن معانی یا اشیاء پر دلیل ہوتے تھے انہی کی صورت پر لکھے بھی جاتے تھے اس لئے قرآن کی سورتوں کے شروع میں بھی یہ اپنے انہی معنی قدیم کے لحاظ سے آئے ہیں اس کی نہایت واضح مثال سورۂ نون ہے حرف 'ن' کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ اب بھی اپنے قدیم معنی میں بولا جاتا ہے اس کے معنی مچھلی کے ہیں اور جس سورۃ کو یہ نام دیا گیا ہے اس کے بارے میں معلوم ہے کہ اس میں سیدنا یونس علیہ السلام کا ذکر 'صاحب **الحوت**' یعنی مچھلی والے کے نام سے ہوا ہے (البیان ج ۱ ص ۲۷)

اقول [ا] چیزوں کی شکلیں بے شمار ہیں جبکہ حروف تہجی ہر زبان میں محدود ہوتے ہیں، ہاں ان محدود حروف کے ساتھ کلمات لا محدود بن سکتے ہیں تو محدود حروف تہجی کے ساتھ لامحدود اشکال پر دلالت کس طرح ہو سکے گی؟ [۲] ایسا تو ہر زبان میں ہے کہ کچھ آوازیں حروف تہجی کیلئے بھی ہیں اور وہی آوازیں کسی کلمہ کیلئے بھی ہوتی ہیں جیسے "ب" حروف ہجاء سے بھی ہے اور 'ب' "حرف جار بھی ہے۔ "ت" حروف تہجی سے بھی ہے اور 'ت' "حرف جار بھی ہے، 'ت' " ضمیر خطاب بھی۔ انگریزی زبان میں "I" حروف ہجاء سے بھی ہے اور "I" " واحد متکلم کی ضمیر بھی۔ اسی طرح "نون' کا مدلول حروف ہجاء سے بھی ہے اور "نون' حوت کے معنی میں اسم بھی ہے۔ اس سے یہ کیسے سمجھ آیا کہ نون مچھلی کی شکل پر دلالت کرتا ہے جبکہ 'ن' " کے رسم الخط کی مچھلی کی شکل سے کچھ بھی مناسبت نہیں [۳] خود فراہی شاگرد اور غامدی کے استاد امین احسن اصلاحی نے یہ کہہ کر اس کو رد کر دیا کہ میرے نزدیک اب تک اس کی حیثیت ایک نظریہ سے زیادہ نہیں ہے (تدبر قرآن ج ا ص ۸۵) اس لئے اس نظریہ کو راجح کسی طرح نہیں مانا جا سکتا۔ (باقی آگے)

مولانا عبدالحق حقانیؒ لکھتے ہیں کہ ''سیل'' باوجود سخت تعصب کے اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں اقرار کرتا ہے کہ تھوڑے دنوں میں جو محمد (ﷺ) کا مذہب شرقاً غرباً روئے زمین پر پھیل گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مذہب کے جملہ امور وہ امور ہیں کہ جن کو عقل بہت جلد تسلیم کرتی ہے جو لوگ تلوار کے زور سے اس دین کا پھیلنا خیال کرتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں (تفسیر حقانی تفسیر سورۃ بقرۃ ص ۱۰)

مصنفین کی عادت ہے کہ وہ کتاب کے شروع میں کہتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہوسکتی ہے تا کہ اعتراض ہو تو جواب دینا آسان رہے قرآن واحد ایسی کتاب ہے جس کے شروع میں آ گیا کہ اس میں کوئی شک نہیں غلطی کہاں سے ہوگی۔ البتہ اشکال ہوتا ہے کہ جب اس میں شک نہیں تو دوسری جگہ یہ کیوں فرمایا **وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا** (البقرۃ:۲۳) اس کا جواب یہ ہے کہ اشتباہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کلام میں کوئی غلطی ہو، دوسرے سننے والے کے فہم میں خلل ہو، کلام بالکل حق ہے منکرین کے فہم میں خلل ہے جس کی وجہ سے وہ شک کرتے ہیں (از تفسیر عثمانی ص ۳ ف ۲)

### قرآن سب کیلئے ہدایت ہے

یہاں فرمایا: **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** دوسری جگہ فرمایا **هُدًى لِّلنَّاسِ** ایک جگہ فرمایا **لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا** حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ قرآن بالقوۃ سب کیلئے ہدایت ہے بالفعل متقین کیلئے جس کا یہاں ذکر کیا۔ کوئی کہے کہ متقی تو ہدایت پر ہیں غیر متقی لوگوں کیلئے قرآن ہدایت نہیں تو فائدہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے میٹرک کا نصاب پڑھنے سے انسان میٹرک کرتا ہے اسی طرح اس کتاب کو ماننے اور عمل میں لانے سے تقوی نصیب ہوتا ہے پھر جس قدر دل میں اللہ کی محبت اور آخرت کا ڈر ہوگا اسی قدر انسان کو قرآن فہمی نصیب ہوگی کیونکہ اگر دل میں خوفِ خدا نہیں تو اول تو قرآن کو پڑھنا یا اس کی طرف توجہ کرنا ہی نصیب نہ ہوگا اور اگر پڑھے گا تو اپنی مرضی سے آیات کے معانی میں ہیر پھیر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقوی کی دولت عطا فرمائے آمین۔

### ختم نبوت پر ایک اور استدلال:

اس مقام پر قرآن کو **هَادِيْ** نہیں فرمایا جس کا معنی ہے ہدایت دینے والا بلکہ **هُدًى** فرمایا جس کا معنی ہے ہدایت۔ گرائمر کی زبان میں یوں کہیں گے کہ قرآن

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ☆ **مودودی صاحب لکھتے ہیں**: جس زمانے میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اس دور میں اسالیب بیان میں اس طرح کے حروف مقطعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا...... اس استعمال عام کی وجہ سے یہ مقطعات کوئی چیستاں نہ تھے جس کو بولنے والے کے سوا کوئی نہ سمجھتا ہو بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے مراد کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبی ﷺ کے ہم عصر مخالفین میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ یہ بے معنی حروف کیسے ہیں جو تم بعض سورتوں کی ابتدا میں بولتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام سے بھی ایسی کوئی روایت منقول نہیں ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ان کے معنی پوچھے ہوں بعد میں یہ اسلوب عربی زبان میں متروک ہوتا چلا گیا اور اس بنا پر مفسرین کے لئے ان کے معانی متعین کرنا مشکل ہو گیا...... (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۹)

**اقول** [۱] اس دور میں قرآن کے اصل مخاطب کون تھے؟ حضرات صحابہ کرامؓ تھے انہوں نے سارے قرآن کی تفسیر سکھائی ان کے بارے میں وہ کہہ گئے کہ ان کے معنی اللہ ہی جانتا ہے اور جن حضرات نے بیان کئے انہوں نے بھی یہ نہ کہا کہ ان کے یہ معنی قطعی ہیں جب اس دور کے حضرات نے اس کے قطعی معنی نہ بیان کئے تو تیرے پاس کونسے ذرائع ہیں جن کی بنا پر تو کہتا ہے کہ ان کے ہاں ایسے حروف کا استعمال معروف تھا [۲] باقی چیستان یہ اس زمانے میں بھی نہ تھے اب بھی نہیں اس لئے کہ ایک امی کی زبان مبارک سے ان کی ادائیگی بجائے خود معجزہ تھا۔ آج بھی کوئی چالیس سال کا ان پڑھ اپنی مادری زبان کے حروف تہجی نہیں سنا سکتا، نبی ﷺ کا ان حروف کو پڑھنا اور ایسی پیاری ترتیب سے پڑھنا کہ دنیا اس کی نقل نہ اتار سکی یقیناً قرآن کا اعجاز ہے [بلکہ ان حروف مقطعات کی برکت سے عربی زبان کے حروف ہجاء ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو گئے] پھر قرآن کریم میں یہ حروف اکٹھے نازل نہ ہوئے بلکہ کچھ مکی سورتوں میں ہیں کچھ مدنی سورتوں میں ہیں اہل عرب قرآن کا مقابلہ تو کیا کرتے حروف مقطعات کا ایسا مجموعہ بھی نہ لا سکے اگر قرآن نے کہا **الم** تو کوئی شخص **المر**، **المص** بھی نہ کہہ سکا۔ اگر قرآن میں آیا **حم عسق** تو کوئی شخص **کھیعص** نہ کہہ سکا۔ سب مجموعے قرآن ہی نے پیش کئے۔

کے لئے اسم فاعل کا صیغہ نہیں بلکہ مصدر کا لفظ لایا گیا ہے جس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ قرآن سراپا ہدایت ہے قرآن نری ہدایت ہے اس میں اور کچھ نہیں جب اس درجے اس میں ہدایت ہے اور پھر ہے بھی مکمل محفوظ تو اور کسی کتاب کی اور کسی نبی کی کیا ضرورت رہی؟

هُدًی اور هَادِیْ میں فرق یوں سمجھ لیں کہ هُدًی نمک کی طرح اور هَادِی نمکین چیز کی طرح ہے نمکین گوشت میں نمک ہی نہیں بلکہ گوشت بھی ہے۔ جبکہ نمک میں اور کچھ نہیں نمک ہی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کو هَادِی کہا اس میں ہدایت ہی ہو مگر هُدًی کے بولنے میں مبالغہ زیادہ ہے۔

**ایمان کی حقیقت:**

**یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ** (۱) سے یہ بات سمجھ آئی کہ ایمان بن دیکھے محض سن کر مان لینے کا نام ہے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: یعنی جو چیزیں اُن کے حواس و عقل سے پوشیدہ ہیں صرف اللہ و رسول کے فرمانے سے اُن کو صحیح مان لیتے ہیں (۲) (بیان القرآن ج ۱ ص ۳) کافروں کے بارے میں ارشادِ باری ہے: **وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ** (سورۃ الملک: ۱۰)

ہاں اگر اسلام کی تعلیمات کہیں لکھی ہوئی مل جائیں تو اُن کو ماننا بھی اس میں داخل ہے اگرچہ وہ دیکھی ہوئی ہیں جیسے اس حدیث میں ہے جسے امام ابن کثیرؒ

---

۱) مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں کہ بالغیب، **یؤمنون** سے متعلق نہیں بلکہ **یؤمنون** کی واؤ ضمیر سے حال ہے اس لئے وہ **"هدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب"** کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "ہدایت ہے خدا سے ڈرنے والوں کیلئے ان لوگوں کے لئے جو غیب میں رہتے ہوئے ایمان لاتے ہیں" (تدبر قرآن ج ۱ ص ۸۱) مشہور ترجے پر وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ

کہ نبی اور کتاب پر غیب کا اطلاق نہیں ہوتا سوال یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں ...... یہاں ایمان سے کیوں خارج کر دی گئیں ...... غیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی نہیں بولا گیا ہے، غیب اللہ کے ناموں میں سے نہیں ہے اس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ یہاں اللہ تعالیٰ بھی ایمان کے اجزاء میں شامل نہیں (از تدبر قرآن ج ۱ ص ۹۰-۹۱)

**الجواب:** آنحضرت ﷺ کی شخصیت اور قرآن کریم اگرچہ صحابہؓ سے غیب نہ تھا، مگر آپؐ کو منصب نبوت کا ملنا، اور قرآن کا اللہ کی کتاب اتر نا تو ان سے غیب ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہم نے نہیں دیکھا جب ذات کو نہ دیکھا تو صفات کا مشاہدہ کہاں سے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان لانا کہ جیسی اس کی ذات ہے ویسی کسی کی ذات نہیں جیسی اس کی صفات ہیں ویسی کسی کی صفات نہیں، نبی ﷺ کی نبوت و ختم نبوت کو ماننا، قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننا ایمان بالغیب میں داخل ہے۔

۲) اس آیت کے تحت غامدی لکھتا ہے:

یعنی وہ غیب میں ہوتے ہوئے ایمان لاتے ہیں غیب میں ہوتے ہوئے ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ محض محسوسات کے غلام اور مادیات کے پرستار نہیں ہیں بلکہ ایک عقلی اور روحانی ہستی ہیں، لہٰذا ہر چیز کو دیکھ کر ماننے کیلئے مصر نہیں ہوتے وہ اپنا سفر عقل کی رہنمائی میں طے کرتے ہیں اور جو باتیں عقل سے ثابت ہوتی ہیں یا ان کی فطرت جن باتوں کی شہادت دیتی ہیں انہیں وہ تسلیم کرتے ہیں اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے اپنی محسوس اور مادی لذتوں کو ہر لحظہ قربان کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں (البیان ج ۱ ص ۲۹)

**اقول:** یہاں اس نے انبیاء کا ذکر نہ کیا جبکہ ایمان بالغیب تو انبیاء علیہم السلام کی بات کو ماننے کا نام ہے۔ چنانچہ ہمارے ایمان کی بنیاد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے، آپ کی کامل تصدیق کا نام ایمان ہے قرآن کریم بھی آپ کی وساطت سے ملا۔ دیگر انبیاء علیہم السلام پر ہمارا ایمان بھی آنحضرت ﷺ کی وساطت سے ہے۔ غامدی کے استاد مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان لانے کے لئے وہ اس بات کے منتظر نہیں ہیں کہ تمام حقائق کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں بلکہ وہ مشاہدہ کے بغیر محض عقل وفطرت کی شہادت اور پیغمبر کی دعوت کی بنا پر ان تمام چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جن پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے (تدبر قرآن ج ۱ ص ۹۰)

مگر غامدی شاید یہ کہہ دے کہ کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک انبیاء کی باتوں کو ماننا ضروری ہوگا کیونکہ مولانا کی عقل ناقص تھی میری عقل کامل ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں میں غامدی تو اپنی تفسیر کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ "ترجمے کے حواشی زیادہ تر استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" کا خلاصہ ہیں میرا نقطۂ نظر جن مقامات پر اُن سے مختلف ہے وہ بھی کم نہیں ہیں (البیان ج ۱ ص ۷)

نے الباعث الحثیث میں تحمل روایۃ کی آٹھویں قسم وجادہ میں ذکر کیا ہے(۱) کیونکہ اس تحریر میں جولکھا ہوا ہے وہ انبیاء سے سنا ہوا یا ان کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔

واقعہ سے وضاحت: ایک شخص عذاب قبر کا منکر تھا اس کو ایک اللہ والے سمجھایا کرتے تھے نہ مانتا تھا ایک دن قبرستان میں کچھ دیکھ لیا تو آ کر اللہ والے سے کہنے لگا میں نے عذاب قبر کو مان لیا وہ کہنے لگے کس طرح؟ کہنے لگا میں نے قبرستان میں یہ کچھ دیکھا ہے اُس نے سوچا تھا کہ اللہ والے مجھے داد دیں گے مگر وہ کہنے لگے ٹھیک ہے مگر تیرے ماننے اور ہمارے ماننے میں بڑا فرق ہے کہنے لگا وہ کیا؟ کہنے لگے تو نے دیکھ کر مانا اور ہم نے بغیر دیکھے اللہ کے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے کہنے سے مانا تب اس نے سچی توبہ کی۔

## نماز اور انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت:

ایمان کے بعد متقین کی صفات میں فرمایا: وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ (۲) اقامت صلوۃ کا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ رعایت حقوق کے ساتھ وقت پر ادا کرتے رہنا

---

۱) قال ابن کثیرؒ "قلت : "وقد ورد فی الحدیث عن النبی ﷺ انه قال " :أی الخلق أعجب إلیکم إیماناً؟ قالوا: الملائکة، قال و کیف لا یؤمنون وهم عند ربهم؟ وذکروا الأنبیاء، فقال: و کیف لا یؤمنون والوحی ینزل علیهم؟ قالوا :فنحن، قال: و کیف لا تؤمنون وأنا بین أظهرکم؟ قالوا: فمن یا رسول الله؟ قال: قوم یأتون من بعدکم، یجدون صحفاً یؤمنون بما فیها "، وقد ذکرنا الحدیث بإسناده ولفظه فی شرح البخاری، ولله الحمد .فیؤخذ منه مدح من عمل بالکتب المتقدمة بمجرد الوجادة لها .والله أعلم. (الباعث الحثیث ص۵۸،۵۹)

۲) اس آیت کے تحت جاوید احمد غامدی لکھتا ہے:

نماز اہل عرب کیلئے کوئی اجنبی چیز نہ تھی دین ابراہیمی کی ایک روایت کی حیثیت سے وہ اس کے اعمال واذکار سے نہ صرف یہ کہ واقف تھے بلکہ ان کے صالحین اس کا اہتمام بھی کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس کی تفصیلات بیان نہیں کی ہیں (البیان ج۱ص۲۹)

**اول:** [۱] اگر صلوۃ اہل عرب کے ہاں معروف ہوتی، اس کے اعمال واذکار سے وہ لوگ واقف ہوتے تو قرآن کریم کو طہارت، استقبال قبلہ، وضو غسل تیمم رکوع سجدہ قیام قراءۃ وغیرہ اعمال کے ذکر کی کیا ضرورت تھی جن میں بعض نماز کیلئے شرط ہیں بعض نماز کے رکن ہیں اگر صحابہؓ پہلے سے واقف تھے تو کیا نبی ﷺ نے فضول کام کیا جو صحابہؓ کو نماز سکھائی اور صحابہؓ نے نبی ﷺ سے سیکھی ہوئی نماز دوسروں کو سکھائی، بہر حال قرآن وحدیث میں اس کے مسائل کا آنا اس کی دلیل ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں جسے نماز کہتے ہیں اہل عرب اسے نہ جانتے تھے۔ ورنہ بتا کہ اہل عرب قیام کی حالت میں کیا پڑھتے تھے تشہد میں کیا پڑھتے تھے۔

خود غامدی کے استاد مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: قرآن میں یہ لفظ ایک اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے جس کی وضاحت قرآن نے بھی کر دی ہے اور سنت نے بھی اس کی پوری وضاحت کی ہے۔ علاوہ ازیں امت کے قولی و فعلی تواتر نے اس کی شکل و ہیئت اور اس کے اوقات بالکل محفوظ رکھے ہوئے ہیں اگر اس کے کسی جزو میں کوئی اختلاف ہے تو وہ محض فروعی قسم کا ہے جس سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا (تدبر قرآن ج۱ص۹۳)

[۲] غامدی بعض مسائل میں محمد علی لاہوری مرزائی سے اتفاق کرتا ہے مثلاً محمد علی لاہوری اپنی کتاب دین اسلام ص۷۵۳ میں کہتا ہے کہ جب میت کا بیٹا نہ ہو تو ایک بیٹی کو کل قابل تقسیم ترکہ کا نصف نہیں ملے گا بلکہ ماں باپ اور خاوند یا بیوی کو دے کر جو بچے گا اس کا نصف ملے گا اور یہی کچھ غامدی البیان ج۱ص۴۵۶، ۴۵۷ میں کہتا ہے۔ غامدی کا یہ پیشوا محمد علی لاہوری مرزائی کہتا ہے:

نماز کے متعلق قرآن شریف میں یہ تو فرمایا کہ نماز کتابا موقوتا ہے یعنی اس کا اوقات مقررہ پر ادا ہونا ضروری ہے لیکن اس کی تفصیلات کتنی دفعہ دن میں نماز ہو، کون کون سے وقت پر ہو، رکعات کی تعداد، ان کے ارکان، اور ارکان کی ترتیب، اذکار کا ذکر قرآن شریف میں کسی ایک جگہ نہیں دیا اشارۃ النص کے طور پر کوئی شخص نتیجہ نکال لے تو اور بات ہے۔ ارکان واوقات میں اتحاد اسلامی: دوسری طرف ان تمام تفصیلات میں عالم اسلامی میں حیرت انگیز اتحاد پایا جاتا ہے سنی شیعہ خوارج، مقلد غیر مقلد پھر وہ فرقے جو ایک دوسرے کے ہمیشہ دشمن رہے مشرق سے لے کر مغرب تک اور ابتدا سے لے کر آج تک ایک ہی نماز پڑھتے چلے آئے ہیں اور پڑھ رہے ہیں چین ہو یا افریقہ کا جنگل (باقی آگے)

فرمایا: وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ تو جیسے رَزَقْنٰهُمْ میں وہی رزق مراد ہے جو حلال طریقے سے کمایا ہوا اسی طرح يُنْفِقُوْنَ میں وہی خرچ مراد ہے جو اللہ کی رضا کیلئے اس کے کہنے کے مطابق خرچ کیا جائے فضول خرچ کرنا یا بدعات اور ناجائز رسم ورواج میں خرچ کرنا ہرگز مراد نہیں (۱)۔

**ختم نبوت پر اور استدلال:**

ختم نبوت پر ایک استدلال یوں ہے کہ اس میں قرآن سے ہدایت حاصل کرنے والوں کی صفات ذکر کی ہیں، ان صفات کو اپنانے کی ضرورت ہے کسی اور

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)، جزائر بحر ہند ہوں یا روس کے دور دراز مقامات جہاں چلے جاؤ ایک ہی اوقات ایک ہی تعداد رکعات ایک ہی ترتیب پاؤ گے جس طرح اللہ ایک رسول ایک قرآن ایک قبلہ ایک ہے اسی طرح نماز بھی ایک ہے۔ آنحضرت ﷺ کی نماز: یہ اتفاق کبھی پیدا نہیں ہوسکتا اگر **یقیمون الصلوۃ** کے سب سے پہلے عامل حضرت محمد مصطفی ﷺ نے یہی نماز نہ پڑھی ہوتی اور پھر آپ کو دیکھ کر صحابہ اور ان کو دیکھ کر تابعین نے علیٰ ھذا القیاس یہی نماز پڑھی۔ پس یہی وہ الصلوۃ ہے جس کی اقامت کا یہاں حکم ہے۔ (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۱۰ حاشیہ ۱۲)

**اقول:** نزول عیسٰی علیہ السلام کی روایات اور یہ کہ ان میں حضرت عیسٰی علیہ السلام ہی کا نزول مراد ہے وہ بھی اسی طرح امت میں تواتر کے ساتھ منقول ہے نماز کے اعمال میں تو کچھ اختلاف چلا آرہا ہے مگر اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ نزول کی احادیث میں خاص حضرت عیسٰی علیہ السلام ہی مراد ہیں مگر مرزائیوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی وہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ان احادیث میں عیسٰی علیہ السلام سے مراد عیسٰی علیہ السلام کا مثیل ہے اور جو خاص ان کا مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

۱) اس آیت کے تحت مفتی نعیم الدین مرادآبادی (مسئلہ) گیارھویں فاتحہ تیجہ، چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں کہ وہ سب صدقات نافلہ ہیں اور قرآن پاک وکلمہ شریف کا پڑھنا نیکی کے ساتھ اور نیکی بڑھا کر اجر وثواب بڑھاتا ہے (خزائن العرفان ص ۴) سورۃ النساء کی آیت نمبر ۸ جس میں کہا گیا کہ ترکہ کی تقسیم کے وقت اگر کوئی رشتے وار یا یتیم اور مسکین آجائیں تو ان کو بھی کچھ دے دیا کرو اس آیت کے تحت موصوف نے یہ لکھ دیا ہے: تیجہ جس کو سوئم کہتے ہیں اور مسلمانوں میں معمول ہے وہ بھی اسی آیت کا اتباع ہے کہ اس میں رشتہ داروں یتیموں ومسکینوں پر تصدق ہوتا ہے (ایضاً ص ۱۱۴، ۱۱۵)

**اقول:** [۱] ارے کم از کم اتنا ہی دیکھ لے کہ ان کاموں میں تیرا فائدہ ہے اگر چالیسواں کرنے والے تجھے بلائیں اور ختم دلوا کر **جزاک اللہ** کہہ کر تجھے فارغ کردیں کھانا صرف غریبوں کو کھلائیں پھر بتانا کہ چالیسویں کیلئے خرچ کرنا اس آیت کے حکم میں آتا ہے یا نہیں؟ میت کو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ [۲] اس موقع پر قرآن کی تلاوت یا کلمہ شریف پڑھنا تو ان غریبوں کا کام ہوتا ہے جو کچھ دیر پہلے آجاتے ہیں، مفتی صاحب جیسے مولویوں کے پاس اتنا وقت تو نہیں ہوتا وہ تو آتے ہی پوچھتے ہیں کتنا پڑھا، پوچھ کر دعا کروائی، کھایا پیا، ہدیے وصول کئے اور یہ گئے وہ گئے [۳] اول تو تیجہ کے وقت میراث تقسیم نہیں ہوتی اس آیت کی تفسیر میں تیجے کو داخل کرنا سراسر تحریف ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کا جواب دینا پڑے گا دوسرے یہ لکھنے والا مولوی یتیم یا مسکین تو نہ تھا جن کو دینے کا اس آیت میں ذکر ہے، تیسرے جو آیت کا حکم ہے اس کی ترغیب نہ دی یہ نہ کہا کہ ترکہ کی تقسیم میں جلدی کیا کرو، اور نہ یہ کہا کہ جو شرعی وارث ہیں ان کو ہرگز محروم نہ کرو۔ مگر اپنے پیٹ کیلئے حکم شرع کو بدل کر رکھ دیا قرآن میں تحریف کردی اور یہ بھی نہ سوچا کہ ان بدعات کو بسا اوقات تقسیم سے قبل ایسے مشترک ترکہ سے کیا جاتا ہے جس میں میت کے کسی یتیم بچے بچی کا بھی حق ہوتا ہے۔ اس کو کھانے والے یقیناً یتیم کا مال کھانے کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ یتیم کا مال کھانے کا گناہ صرف اس کو تو نہیں ملتا جو یہ کہہ کر کھائے کہ میں یتیم کا مال کھاتا ہوں، ایسے مولویوں کو بھی ملتا ہے پھر چونکہ عام لوگ ان مولویوں کی وجہ سے تیجہ وغیرہ کرتے ہیں اس لئے یہ مولوی ان کو یتیم کا مال کھلانے کے بھی مجرم بنتے ہیں۔ بہرحال جس کو موصوف نے صدقات نافلہ کہا وہ صدقہ نہیں نرا سُحت ہے جسے کھانے کی مذمت سورۃ المائدۃ آیت ۴۲ نیز ۶۳ میں ہے۔

پھر یتیم کا مال کھانے کی وعید قرآن میں تو ہے ہی، اسی صفحے میں خود مفتی نعیم الدین نے بھی لکھی ہے چنانچہ آیت: **ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا** (النساء:۱۰) کے حاشیہ میں لکھتا ہے:

یعنی یتیموں کا مال ناحق کھانا گویا آگ کھانا ہے کیونکہ وہ سبب ہے عذاب کا حدیث شریف میں ہے روز قیامت یتیموں کا مال کھانے والے اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کی قبروں سے اور ان کے منہ سے اور ان کے کانوں سے دھواں نکلتا ہوگا تو لوگ پہچانیں گے کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے (خزائن العرفان ص ۱۱۵)

نبی کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ مفتی محمد شفیعؒ نے ان آیات سے ختم نبوت پر استدلال کیا ہے کہ اللہ نے فرمایا: **وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ** (۱) **وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ** (۲) یہ نہ فرمایا: **وَمَا سَیُنْزَلُ بَعْدَکَ** معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

---

۱) مرزا بشیر الدین محمود اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

نزول کا لفظ پیدا کرنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور اس جگہ بولا جاتا ہے جبکہ اس چیز کی پیدائش کا ذکر کیا جائے جسے بطور احسان یا انعام کے پیش کیا جائے......ان معنوں کی رو سے کلام الٰہی کے اترنے کے اصل معنی صرف یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بطور ایک خاص نعمت کے ہوتا ہے اور اس کی ناقدری اور ناشکری کرنا انسان کو خدا کی نظروں سے گرا دیتا ہے ورنہ یہ مراد نہیں کہ وہ کسی کاغذ پر لکھا ہوا آسمان سے اترتا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۴۱ کالم ۲)

**اقول:** احادیث متواترہ میں عیسیٰ علیہ السلام کیلئے نزول کا لفظ آتا ہے مرزائی کہتے ہیں ان میں نہ نزول سے مراد اترنا ہے نہ عیسیٰ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں عیسیٰ سے مراد مثیل عیسیٰ ہے جو خاص مرزا قادیانی ہے اور نزول سے مراد پیدا ہونا ہے یہاں مرزا بشیر الدین اس کفر کیلئے ذہن سازی کر رہا ہے ورنہ ساری امت مانتی ہے کہ نزول وحی میں نزول سے اوپر سے نیچے آنا ہی مراد ہے۔

۲) مرزا بشیر الدین محمود '' **وبالآخرۃ ھم یوقنون** '' کا ترجمہ کرتا ہے: ''اور آئندہ ہونے والی (موعود باتوں) پر (بھی) یقین رکھتے ہیں (مرزائی تفسیر صغیر ص ۵، مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۳۶) موعود باتوں سے مراد مرزا قادیانی کی نام نہاد وحی ہے، اس بات کو مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تفسیر کبیر میں جا بجا لکھا ہے راقم الحروف اس کی کچھ عبارتیں نقل کرے گا کچھ تبصرہ ان شاء اللہ ساتھ ساتھ ہوگا مفصل جواب بعد میں ہوگا۔

(پہلی عبارت) مرزا بشیر الدین محمود کہتا ہے: آخرۃ سے مراد اس جگہ بعد میں آنیوالی وحی ہے اور اس آیت میں تینوں وحیوں پر ایمان لانا متقی کی علامت قرار دیا گیا ہے اس وحی پر بھی جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی اور اس پر بھی جو آپؐ کے بعد نازل ہوگی (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۴۴ کالم نمبر ۲)

(دوسری عبارت) مرزا بشیر الدین لکھتا ہے: بعض مسلمان اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے بعد وحی کا نزول کس طرح ہو سکتا ہے لیکن یہ وہم ان کا قرآنی تعلیم کے خلاف ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر مسلمانوں کی نسبت فرماتا ہے: **ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ** [اقول: اس آیت کا مطلب یا یہ ہے کہ ایمان والوں پہ آخرت کے مراحل میں فرشتے اترتے ہیں اور اگر دنیا میں ہوں تو ان کا الہام ہے، اور الہام نہ وحی کی طرح قطعی ہے نہ انسان کو اس کا علم ضروری ہے کہ یہ الہام ہے جبکہ صاحب وحی کو وحی کا علم ضروری ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس پر وحی کا نزول ہو اور اس کو پتہ بھی نہ چلے]......اسی طرح قرآن کریم میں آتا ہے......**فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم** ......اصل انعام جو نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کو ملتا ہے وہ تو خدا تعالیٰ کی وحی ہی ہے۔ [اقول: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرنے والے انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ انبیاء بننے کا ذکر نہیں کیونکہ آیت کریمہ میں مَعَ ہے مِنْ نہیں۔ علاوہ ازیں مرزائی نہ مرزا قادیانی سے پہلے کسی کو نبی مانتے ہیں نہ مرزے کے بعد۔ مرزائیوں کے نزدیک ساری امت انعام سے محروم مرزا قادیانی سب کچھ لے اڑا جس کو امت مسلمہ اپنا فرد ہی نہیں مانتی۔ راقم] اس آیت میں اس پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ ہے جو سورۂ جمعہ میں کی گئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ھو الذی بعث فی الامیین ...... وآخرین منھم لما یلحقوا بھم** ......معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں ایمان دنیا سے اٹھ جائے گا اور ایک شخص بنو فارس سے جس کے ساتھ اور بھی بعض ابناء فارس بطور مددگار ہوں گے ایمان کو واپس لائے گا اور اس کی معرفت پھر رسول کریم ﷺ کو وہی کام کرنے کا موقع دے گا جو صحابہؓ کے زمانہ میں آپؐ نے کیا یعنی وہ آپ کا بروز ہونے کی حیثیت سے خدا تعالیٰ کی وحی سے اصلاح امت کرے گا (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۴۴، ۱۴۵) [اقول: اس عبارت میں مرزائی کہتا ہے کہ ایمان بالکل ختم ہو چکا تھا مرزا قادیانی کے روپ میں معاذ اللہ نبی کریم ﷺ ہی دوبارہ تشریف لا کر ایمان کو واپس لائے ہیں۔ جبکہ سورۂ جمعہ کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی نبوت و رسالت جس طرح اس زمانے کے انسانوں کیلئے تھی بعد میں آنیوالے سب انسانوں کیلئے بھی ہے۔ راقم]

(تیسری عبارت) مرزا بشیر الدین محمود ایک اور جگہ لکھتا ہے: اصل بات یہ ہے کہ وحی الٰہی ہر شخص پر نہیں اترتی بلکہ بعض ترقی یافتہ اور مقرب وجودوں پر (باقی آگے)

مرزائی اور بہائی کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ آخری زمانہ میں نازل ہونے والی وحی یعنی بہاء اللہ یا قادیانی پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان لاتے ہیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انترتی ہے۔[اقول:مگر ہے وہ صرف ایک مرزا قادیانی گستاخ انبیاء۔راقم] اور قومی لحاظ سے متقیوں کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اس امر پر یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ان کو بھلائے گا نہیں بلکہ ان میں سے کامل وجودوں پر وحی نازل ہوتی رہے گی[مگر ہے وہ صرف قادیانی گستاخ انبیاء، نہ کوئی اس سے پہلے نہ کوئی اس کے بعد۔راقم] اور اس طرح ہر مسلمان کے دِل میں یہ خواہش پیدا کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایسا اعلیٰ درجہ کا متقی بنائے کہ اس پر خدا تعالیٰ کی وحی نازل ہو، اور اس طرح اعلیٰ امید پیدا کر کے اور اعلیٰ مقصد کو سامنے لا کر مسلمانوں کا مطمح نظر اونچا کر دیا گیا ہے[اقول:مسلمان کیلئے نبی ﷺ کی اتباع سے اونچا کونسا منصب ہے؟ آپ کے امتی ہونے سے بڑھ کر ہمارے لئے کونسا اعزاز ہوسکتا ہے؟ مرزائی ہمیں امت سے نکالنا چاہتا ہے۔ پھر وحی الٰہی تو ملنے سے رہی۔ اگر کوئی قادیانی کی طرح وحی کا دعوی کردے تو امتِ مسلمہ سے تو نکلے گا ہی، قادیانی بھی اسے قبول نہ کریں۔ بھلا کیا کسی مدعی نبوت کیلئے مرزا مسرور اپنی خلافت چھوڑ دے گا؟ ہرگز نہیں۔راقم] افسوس کہ مسلمانوں نے اس عظیم الشان احسان کو نہ سمجھا اور خود اپنے مستقبل کو تاریک بنالیا(مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۱۴۶ کالم ۱)[اقول: آنحضرت ﷺ کی امت میں رہنے سے زیادہ تابناک مستقبل کوئی نہیں ہوسکتا۔راقم]

(چوتھی عبارت) کہتا ہے: کس قدر حسرت کا مقام ہے کہ مسلمانوں میں سے جس نے اس دروازہ کو کھلا بتایا مسلمانوں نے اس پر کفر کا فتوی لگا دیا انہوں نے کہا کہ وہ رسول کریم ﷺ کی ہتک کرنے والا ہے اور یہ نہ سمجھا کہ وحی کیا ہے؟ وحی کے معنی ہیں خدا تعالیٰ کے تازہ کلام کو سننا، اور جو شخص خدا تعالیٰ کے تازہ کلام کو سنے گا ظاہر ہے کہ اس کا دِل محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ترقی کرے گا اور آپ پر اس کا ایمان بڑھے گا نہ یہ کہ اس کے برعکس ہوگا۔(مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۱۴۶ کالم ۲)[اقول: مدعی نبوت پر کفر کا فتوی ہی نہ لگا بلکہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے ساتھ لڑائیاں بھی ہوئیں جن میں کافی صحابہؓ شہید ہوئے۔ مرزا قادیانی تیرہ سو سال کے بعد ہوا ہے تیری عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ سو سال تک امت اس دروازے کو بند ہی مانتی رہی قادیانی نے کھلا بتایا۔ ارے قصور قادیانی کا ہے جو امت سے کٹ گیا امت تو وہی کچھ کہتی ہے جو قادیانی سے پہلے کہتی تھی۔راقم]

**مفصل جواب:** [۱] جیسے **یقیمون الصلوۃ** میں **الصلوۃ** سے امتِ مسلمہ کے ہاں ایک خاص عمل مراد ہے جو تواتر معنوی سے ثابت ہے، جو شخص اس معنی کا انکار کرے وہ کافر ہے ایسے ہی اس آیت میں **الآخرۃ** سے مراد دنیا سے بالمقابل اگلا جہان ہے اور یہ تواتر معنوی سے ثابت ہے، اس پر امت کا اجماع ہے اس کا منکر متواتر معنوی کا منکر ہے۔ اس لئے مرزا بشیر الدین کا کیا ہوا یہ ترجمہ ہرگز قابل التفات نہیں۔

[۲] خود مرزا بشیر الدین کا بیٹا مرزا طاہر احمد اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے "اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں" (ترجمہ مرزا طاہر احمد ص ۹)

[۳] محمد علی لاہوری نے مرزا بشیر الدین کی بیعت نہ کی مگر تھا تو وہ مرزائی ہی، یہ مرزائی اس کا ترجمہ کرتا ہے: "اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں" پھر تفسیر میں لکھتا ہے:

**الآخرۃ** ۔ آخِرٌ، اَوَّلٌ کے مقابلہ پر ہے اور آخَرُ واحد کے مقابلہ پر اور **الدار الآخرۃ** سے مراد **النشأۃ الآخرۃ** ہے یعنی دوسری زندگی اور کبھی **دار** کا لفظ محذوف کر کے **الآخرۃ** سے مراد **دار الآخرۃ** لیا جاتا ہے (غ) یہ تو لغت کی شہادت ہے قرآن شریف کو دیکھا جائے تو تو اس میں **الآخرۃ** کا لفظ جہاں ایمان بالآخرۃ، یا کفر بالآخرۃ کا ذکر ہے اس موقعہ کے سوائے اٹھارہ مقامات پر آتا ہے اور کسی جگہ بھی سوائے **النشأۃ الآخرۃ** کے کوئی دوسرا معنی مراد نہیں پس یہ قطعی شہادت ہے۔ دیکھو الانعام ۶:۹۲ و ۱۱۳ و ۱۵۰، الاعراف ۷:۴۵، ھود ۱۱:۱۹، یوسف ۱۲:۳۷، النحل ۱۶:۲۲ و ۶۰، بنی اسرائیل ۱۷:۴۵، المومنون ۲۳:۷۴، النمل ۲۷:۳، ۴، لقمان ۳۱:۴، السبا ۳۴:۸، ۲۱، الزمر ۳۹:۴۵، حم السجدہ ۴۱:۷، النجم ۵۳:۲۷۔ پس **الآخرۃ** سے مراد **الوحی الآخر** لینا اور پھر یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن کریم کے بعد کوئی اور وحی بھی نازل ہونے والی ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہوگا خلاف قرآن کریم ہے (مرزائی بیان القرآن ج ا ص ۱۱، ۱۲ حاشیہ ۱۵)

[۴] خود مرزا بشیر الدین نے تکمیل دین اور ختم نبوت کا ذکر کر کے اپنے اس معنی کا بطلان ظاہر کر دیا ہے ذیل میں اس کی چند عبارات ملاحظہ ہوں

<u>پہلی عبارت:</u> سورۃ البقرۃ کے مضامین کے خلاصے کے تحت لکھتا ہے:

(خلاصہ رکوع ۵ تا ۱۴) پھر فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اگر آدم پر کلام نازل ہوا تھا تو پھر کسی اور کلام کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ آدم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے متواتر اور حسب ضرورت کلام نازل ہوتا رہا ہے چونکہ موجودہ زمانہ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوا، ان کی قوم میں نبی کے بعد اصلاح کے لئے آئے (باقی آگے)

(بحر العرفان ص ۱۴۱ بحوالہ ائمہ تلبیس ج ۲ ص ۳۹۸، سیرۃ المہدی ج ۲ ص ۱۴۸) ساری امت یہاں آخرت سے قیامت ہی مراد لیتی ہے ایسے قطعی اور متواتر معنی کا انکار بجائے خود صریح کفر ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور چونکہ اس قوم نے بغاوت پر بغاوت کی اللہ تعالیٰ نے مرکز الہام بدلنے کا فیصلہ کرلیا اور بنو اسماعیل میں سے محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری کلام کا مورد بنایا اور اب بنی اسرائیل حسد کی وجہ سے آپ کی مخالفت کرتے ہیں لیکن اس مخالفت کا بھی وہی نتیجہ ہوگا جو پہلے انبیاء کی مخالفت کا نتیجہ ہوا تھا (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۵۷ کالم نمبر ۲)

دوسری عبارت:

مرزا بشیر الدین ہی لکھتا ہے: **لا ریب فیہ** کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ قرآن کریم کے محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں اور **ذلک الکتاب** کے بعد یہ الفاظ اس مضمون پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کتاب کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہ ہوگی اور یہ دنیا کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے کیونکہ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے **ذلک الکتاب** کا ایک مفہوم یہ ہے کہ یہ کامل کتاب ہے اور تمام انسانی ضروریات کے پورا کرنے کا سامان اس میں موجود ہے اس قسم کی کتاب کے بعد دوسری کتاب اسی صورت میں نازل ہوسکتی ہے جب وہ محفوظ نہ رہے کیونکہ نئے قانون کی دو ہی صورت میں ضرورت ہوتی ہے یا تو اس وقت جبکہ پہلا قانون ناقص ہو اور کسی وقت جا کر لوگوں کی ضروریات پورا کرنے سے قاصر ہو جائے اور یا پھر اس صورت میں کہ پہلا قانون دنیا سے کلی طور پر یا جزوی طور پر مفقود ہو جائے اور اسے دوبارہ تازہ کرنے کی ضرورت ہو سو **ذلک الکتاب** کے بعد **لا ریب فیہ** فرما کر یہ بتا دیا کہ یہ کامل کتاب ہمیشہ زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہے گی اور کوئی زمانہ ایسا نہ آئے گا کہ اس بارہ میں یہ شک کیا جاسکے کہ آیا اس کے الفاظ وہی ہیں جو کسی وقت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے تھے یا ان میں کوئی تغیر تبدل ہو گیا ہے؟ اور چونکہ ایسا زمانہ اس پر نہ آئے گا یہ کتاب منسوخ نہ ہوگی اور آئندہ سب زمانوں میں اسی کے مطابق لوگوں کو روحانی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ یہ مفہوم بھی قرآن کریم کی ایک زبردست خوبی پر دلالت کرتا ہے اور آج بھی جبکہ قرآن کریم کے نزول پر تیرہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے دوست تو الگ رہے دشمن بھی اس کے محفوظ ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور قرآن کریم اندرونی اور بیرونی شواہد بھی ایسے رکھتا ہے جو اس کے محفوظ ہونے پر گواہ ہیں چنانچہ سر ولیم میور جیسا شخص بھی اس کے بارہ میں گواہی دیتا ہے کہ

**THERE IS OTHERWISHE EVERY SECURITY INTERNEL AND EXTERNAL THAT WE POSSESS THAT TEXT WHICH MOHAMMAD HIMSELF GAVE FORTH AND USED**

یعنی ہمارے پاس ہر ایک قسم کی ضمانت موجود ہے اندرونی شہادت کی بھی اور بیرونی کی بھی کہ یہ کتاب جو ہمارے پاس ہے وہی ہے جو خود محمد (ﷺ) نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی اور اسے استعمال کیا کرتے تھے (لائف آف محمد) (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۸۷، ۸۸)

تیسری عبارت:

مرزا بشیر الدین محمود ہی لکھا ہے: چوتھے معنی ریب کے حاجت کے بتائے گئے ہیں ان معنوں کے رو سے لا ریب فیہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کتاب میں کوئی دینی امر بیان کرنے سے رہ نہیں گیا بلکہ سب ضروری امور اس میں بیان کر دیئے گئے ہیں چنانچہ یہ فضیلت بھی قرآن مجید میں پائی جاتی ہے اور وہ ایسی جامع کتاب ہے کہ کوئی انسانی ضرورت ایسی نہیں جس کے متعلق اس میں شافی تعلیم موجود نہیں کوئی اعتقادی اور کوئی عملی اور کوئی اخلاقی اور کوئی اقتصادی اور کوئی مدنی امر نہیں جس کے بارہ میں قرآن کریم میں بحث نہ کی گئی ہو اور اس کے متعلق تفصیلی ہدایت نہ کی گئی ہو (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۹۱، ۹۲)

خط کشیدہ عبارات میں ختم نبوت کا ذکر ہے۔ پھر دوسری تیسری عبارات میں جس طرح ختم نبوت کو ثابت کیا ہے یہ مضمون اس سے بہت بہتر انداز میں حضرت نانوتویؒ تحذیر الناس ص ۸ میں لکھ چکے ہیں (وضاحت کیلئے دیکھئے آیات ختم نبوت ص ۸۸ تا ص ۹۰، حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت ص ۷۷، ۷۸، ۲۷۸ حق الیقین بان سیدنا محمد ﷺ آخر النبیین ج ۱ ص ۴۶۶، ۴۶۷)۔ فرق یہ ہے کہ وہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے بھی قائل تھے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بھی اور ختم نبوت کے منکر کو کافر بھی کہتے تھے اور تم لوگ نہ ختم نبوت کے قائل ہو، نہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے نہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول ختم نبوت کے خلاف نہیں کیونکہ وہ پہلے سے نبی ہیں۔

## ﴿قرآن کو ماننے والوں کے ذکر کے بعد قرآن کے کھلے منکروں کا بیان﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

۱) پنڈت دیانند سرسوتی اعتراض نمبر ۵ میں اس آیت کے بارے میں لکھتا ہے کہ

اور کیا ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں کافر کہنا یکطرفہ ڈگری نہیں؟ (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۷)

**الجواب:** تو دنیا بھر کے مذاہب کو باطل اور صرف اپنے بنائے ہوئے مذہب کو حق کہتا ہے، معیارِ حق تو نے اپنی ذات کو بنایا، دنیا بھر کے اربوں انسانوں کو ٹھکرا کر خود کو حکم قرار دیا، تجھے یہ حق کس نے دیا؟ کیا یہ یکطرفہ ڈگری نہیں؟ [۲] جب کفر نام ہے اسلام نہ لانے کا تو جو مسلمان نہیں اسے کافر نہ کہیں تو کیا کہیں؟ تو اسلام قبول کر لیتا تو تجھے کافر نہ کہا جاتا، جب تو اسلام قبول کرنے سے انکاری ہے تو تجھے مسلمان کیونکر کہا جائے گا جبکہ تو خود بھی اپنے آپ کو ''مسلمان'' کہلانا پسند نہیں کرتا۔

☆ اعتراض نمبر ۵ کے تحت ہی آیت نمبر ۷ کے بارے میں کہتا ہے:

اگر خدانے ہی ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگائی ہے اور اسی لئے وہ گناہ کرتے ہیں تو ان کا بھی قصور نہیں یہ قصور بھی خدا کا ہی ہے ایسی صورت میں انہیں آرام و تکلیف، گناہ و ثواب نہیں ہو سکتا پھر ان کو سزا جزا کیوں ہوتی ہے؟ کیونکہ انہوں نے گناہ و ثواب جان بوجھ کر نہیں کیا (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۷)

**الجواب:** [۱] یہ بات تو نہایت بدیہی ہے ہر کوئی جانتا ہے کہ بندہ گناہ یا ثواب کے کام اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے لیکن یہ بات نظری ہے کہ بندے کے ارادے اور اختیار کے پیچھے اللہ کا ارادہ اور اختیار ہے جس کا بندے کو پتہ نہیں چلتا، چونکہ ہمیں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے واسطے سے اس کی خبر دی ہے اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے ارشادِ باری ہے: وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ (سورۃ الدھر:۳۰)، بندے سے گناہ کے ارتکاب پر مؤاخذہ اس لئے ہوگا کہ بندہ گناہ کا کام اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ اللہ کے ارادے اور اختیار کو ماننا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کے سچے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی خبر دی۔ جو اللہ کے اس ارادے اور اختیار کو نہیں مانتا وہ اللہ کے سچے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے قابل سزا ہے۔ [۲] سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے تحت یہ بات گزر چکی ہے کہ ہندو اس بات کو مانتے ہیں کہ اللہ کو بندوں کے سب افعال کا پہلے سے علم ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کا انکار کرتے ہیں ان کے ہاں بندہ خود مختار ہے۔ چنانچہ پنڈت دیانند سرسوتی لکھتا ہے:

پرمیشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] کا علم ہمیشہ یکساں رہتا ہے ماضی اور مستقبل جیؤ وں [یعنی روحوں۔ راقم] کیلئے ہے ہاں جیؤوں [یعنی روحوں۔ راقم] کے افعال کے لحاظ سے تینوں زمانوں کا علم پرمیشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] میں ہے لیکن یہ ذاتی نہیں جیسا خود مختاری سے جیو [یعنی روح۔ راقم] کرتا ہے ویسا ہی ہمہ دانی سے ایشور [یعنی خدا تعالیٰ۔ راقم] جانتا ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۲۵۱) **اقول:** عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ بندے جو کچھ کرتے ہیں اپنے اختیار سے کرتے ہیں خدا تعالیٰ کو علم تو ہے کہ بندے کیا کریں گے مگر وہ ان کو روک نہیں سکتا۔ ہندو چونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے بندوں پر کوئی اختیار نہیں مانتے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کو نہ حاجت روا مانتے ہیں نہ مشکل کشا نہ فریادرس صرف عالم الغیب مانتے ہیں مگر اللہ کیلئے علم غیب ذاتی نہیں مانتے تو سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا پہلے سے علم کیوں ہے؟ گناہ کا ارادہ بندہ خود کرے، اختیار بندہ کا اپنا ہو، اللہ کا دیا نہ ہو، تو یہ غیر معقول بات ہے کہ اللہ کا ارادہ بھی نہ ہو اختیار بھی نہ ہو اور بندوں کے افعال کو پہلے سے جان لے۔ اللہ کے علم کو نجومیوں کی بات پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ اول تو وہ ظنی ہوتا ہے نہ قطعی، دوسرے بندوں کو جو بھی علم ہوتا ہے وہ اللہ کا دیا ہوتا ہے فرشتوں نے کہا تھا: سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا (البقرۃ:۳۲) اللہ تعالیٰ تو علم کسی سے حاصل نہیں کرتا، اگر اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی نہیں اور بندوں کا جو ارادہ اور اختیار ہے وہ اللہ کا دیا ہوا نہیں تو اللہ تعالیٰ کو کس طرح پتہ چلتا ہے وہ ذریعہ بھی بتا دیا جائے۔

۲) آیت نمبر ۷ کے تحت مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزائیوں کا دوسرا خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے: مفردات میں ہے: الختم والطبع على وجهين مصدر ختمت وطبعت وهو تأثير الشيء كنقش الخاتم والطابع کہ لفظ خَتْم اور طَبْع دو طرح استعمال ہوتا ہے (۱) مصدری معنوں میں یعنی کسی چیز پر کسی چیز (باقی آگے)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا برابر ہے انہیں کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے☆ مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر، اور ان کے کانوں پر(۱) اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کیلئے بڑا عذاب ہے☆

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا مہر کی طرح نقش کردینا۔ **والثانی الاثر الحاصل عن النقش** (۲) اس نقش سے جو اثر حاصل ہوتا ہے یعنی جو مہر لگتی ہے اس پر خَتْم کا لفظ اطلاق پاتا ہے **ویتجوز بذلک تارۃ فی الاستیثاق من الشیء والمنع منه اعتبارا بما یحصل من المنع بالختم علی الکتب والابواب** اور کبھی کبھی کسی امر سے رکنے کے مفہوم کو ادا کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اور یہ معنی اس بات پر اعتبار کرتے ہوئے کئے گئے ہیں کہ جب کتابوں کو یا ابواب کو لکھنے کے بعد ان پر مہر کردیتے ہیں تو گویا اب ان کی تصنیف کو ختم کردیا، اور اس کے لکھنے سے رک گئے (گویا کسی چیز کو ختم کرنے کے معنی مجازی ہیں) (تفسیر کبیر مرزائی ج اص ۱۵۲، ۱۵۳)

اقول: ہم نے کتاب حق الیقین ج اص ۵۴۲ تا ص ۵۴۹ میں تفسیر طبری، تفسیر نیسابوری اور مفردات راغب کے حوالوں سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ جس طرح خَتْم کے معنی حقیقی مہر لگانے کے ہیں اسی طرح ختم کرنا یا پورا کرنا بھی لفظ خَتْم کے حقیقی معنی ہیں۔ جب یہ براہِ راست متعدی ہوگا تو خَتْم کرنے کے معنی دے گا اور جب اس کے ساتھ لفظاً یا تقدیراً ''علیٰ'' حرف جار ہوتو مہر لگانے کے معنی میں ہوتا ہے۔ لفظاً کی مثال: **خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** تقدیراً کی مثال ہے **يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ** (المطففین: ۲۵) ''پلائی جائے گی ان کو خالص شراب سربمہر'' یہاں **عَلٰى** مقدر ہے جلالین میں ہے: **(مختوم) علی انائها لا یفک ختمه غیرهم** ''اس شراب کے برتن پر مہر لگی ہوگی اس مہر کو ان کے علاوہ کوئی نہ کھولے گا''۔ براہِ راست متعدی ہونے کی مثال: ارشادِ نبوی ہے: **جِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِيَاءَ** (مسلم ج ۲ ص ۲۴۸) اس میں **عَلٰى** نہ لفظاً ہے نہ تقدیراً، اس لئے اس کا ترجمہ ہے: ''میں آیا تو میں نے انبیاء کو ختم کردیا''۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں خَتَمْتُ کا عطف جِئْتُ پر ہے تو لامحالہ یہ معنی بنتا ہے کہ میں نے آکر انبیاء کو ختم کردیا۔ یہاں کسی طرح مہر لگانے کا معنی نہیں بنتا اس لئے کہ آپ کا آنا پہلے ہے ختم بعد میں ہے اور انبیاء سابقین علیہم السلام کو تو نبوت آپ ﷺ کی آمد سے پہلے مل چکی تھی۔

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں: اور (**خاتم النبیین** کی ترکیب) **يُوْسُفُ اَحْسَنُ الْاِخْوَةِ** اور **فُلَانٌ اَعْلَمُ بَغْدَادَ** کی ترکیب جیسی بھی نہیں ہے جس میں مضاف الیہ بمعنی مفعول بہ نہیں ہوتا...... (بخلاف اس کے ''**خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ**'' میں مضاف الیہ مفعول بہ کے معنی میں ہے (کتاب: خاتم النبیین ص ۱۹۰ نیز دیکھئے ص ۱۸۳، ص ۲۱۵، ۲۱۶) مسلم شریف کی مذکورہ بالا حدیث سے اس مضمون کی واضح تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی الانبیاء مفعول بہ ہے عَلٰی کا مجرور نہیں۔

تنبیہ: حضرت شیخ الہندؒ **ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین** (الاحزاب: ۴۰) کا ترجمہ کرتے ہیں: ''لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر''۔ مرزا بشیر الدین محمود اس کا ترجمہ کرتا ہے: لیکن اللہ کے رسول ہیں بلکہ (اس سے بھی بڑھ کر) نبیوں کی مہر ہیں (تفسیر صغیر ص ۵۵۱) ان دونوں ترجموں میں بہت فرق ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے میں خاتمیتِ زمانی کی طرف اشارہ ہے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس کے تحت لکھتے ہیں: یعنی آپ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی الخ (تفسیر عثمانی ص ۵۶۳) اور مرزا بشیر الدین کے ترجمے میں خاتمیتِ زمانی کا انکار ہے اور یہی اس کا مقصد ہے چنانچہ وہ حاشیہ میں لکھتا ہے: ''یعنی آپ کی تصدیق کے بغیر اور آپ کی تعلیم کی شہادت کے بغیر کوئی شخص نبوت یا ولایت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا لوگوں نے ''نبیوں کی مہر'' کی جگہ ''آخری نبی'' کے معنی لئے ہیں مگر اس سے بھی ہماری پوزیشن میں فرق نہیں آتا...... رسول کریم ﷺ معراج میں سب سے اوپر گئے تو مقام محمدی آخری نبوت کا مقام بنا، اس طرح بھی وہی معنی ٹھیک رہے جو ہم نے کئے ہیں یعنی ختم نبوت کے یہ معنی ہیں کہ محمد رسول ﷺ کا مقام سب نبیوں میں افضل ہے''۔ (تفسیر صغیر ص ۵۵۱)

اقول: بیشک آپ ﷺ کی تصدیق کے بغیر یعنی آپ پر ایمان لائے بغیر کوئی ولی تو کیا، مومن ہی نہیں بنتا مگر نبوت تو آپؐ کے بعد کسی کو نہیں ملے گا۔ بیشک آپ ﷺ سب نبیوں میں افضل ہیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ ﷺ آخری نبی نہیں ہیں۔ امتِ مسلمہ کہتی ہے کہ آپ ﷺ افضل بھی ہیں آخر بھی ہیں اور تو کہتا ہے آخر نہیں اور یہ کفر ہے۔ اور یہ تب ہے اگر مرزا دیگر انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہو جبکہ وہ کسی بھی نبی کو نہ مانتا تھا کیونکہ وہ کہتا ہے سب انبیاء کے نام مجھے مل گئے ہیں۔ (روحانی خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۲)

۱) فرمان علی شیعہ آیت نمبر ۷ کا ترجمہ یوں کرتا ہے:

''ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر (نظر کر کے) خدا نے تصدیق کردی (کہ یہ ایمان نہ لائیں) اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے'' (ترجمہ فرمان علی ص ۴) اسی طرح سورۃ جاثیہ آیت ۲۳: **وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ** کا ترجمہ یوں کرتا ہے: ''اور اس کے کان اور دل پر علامت مقرر کردی ہے'' (ایضاً ص ۷۹۸) سورۃ البقرۃ آیت ۷ (باقی آگے)

## [ربط اور ضروری ابحاث]

**ربط:** پہلے قرآن کو ماننے والوں کا بیان تھا اور اب اُن کافروں کا جو نہ دِل سے مانیں نہ زبان سے ان کے بعد ان کا ذکر ہے جو دِل سے انکار کرتے ہیں اور زبان سے اقرار کرتے ہیں۔

**کفر کا معنیٰ:**

کفر کا لغوی معنیٰ چھپا دینا ہے کسان بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے اس لئے اس کیلئے بھی کافر کا لفظ بول دیا جاتا ہے۔ ارشادِ باری ہے **كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ** (الحدید:۲۰) اصطلاحِ شرع میں کفر یہ ہے کہ جو چیز حضور نبی کریم ﷺ سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو شک وشبہ والی بات نہ ہو اس چیز کا منکر کافر ہے خواہ ایک چیز کا انکار ہو یا تمام چیزوں کا (از معارف القرآن ج ا ص ۱۱۷)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے حاشیہ میں لکھتا ہے: خَتَمَ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے ہٹ دھرمی اختیار کی تو خدا نے بھی ان سے نیک توفیق سلب کر لی، یا یہ کہ خَتَمَ کے معنی علامت مقرر کرنے کے ہیں یعنی خدا نے ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کے کان اور دِل پر علامت مقرر کر دی ہے کہ ایمان لانے والے نہیں، یا خَتَمَ کے معنی شہادت کے ہیں یعنی خدا گواہی دیتا ہے کہ ان پر تمہارے ڈرانے کا کوئی اثر نہ ہوگا یا خَتَمَ کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں یعنی خدا ان کے کان اور دِل کی حالت دیکھ کر یہ تصدیق کرتا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہی ہیں اور ہرگز ایمان نہ لائیں گے واللہ اعلم (حاشیہ فرمان علی ص ۴)

**اقول:** ان آیات میں خَتَمَ کے بعد عَلٰی حرف جار ہے اس لئے اس کا معنیٰ مہر لگانے کے ہیں، خود فرمان علی نے قرآن کریم کے دوسرے مقامات میں خَتَمَ کے معنی ''تصدیق کرنا'' نہیں کئے چنانچہ آیت کریمہ: **قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ** (الانعام:۴۶) کا ترجمہ کرتا ہے: ''تو کہہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر خدا تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو خدا کے سوا اور کون معبود ہے جو (پھر) تمہیں یہ نعمتیں واپس دے'' (ایضاً ص ۲۱۱) **اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ** (یٰس ۶۵) کا ترجمہ کرتا ہے: ''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے'' (ایضاً ص ۷۰۹) **فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ** (الشوریٰ:۲۴) کا ترجمہ کرتا ہے: ''تو اگر (ایسا ہوتا تو) خدا چاہتا تو تمہارے دِل پر مہر لگا دیتا'' (ایضاً ص ۷۷۵) **يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ☆ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ** (المطففین:۲۵،۲۶) کا ترجمہ کرتا ہے: ''ان کو سربمہر شراب پلائی جائے گی جس کی مہر مشک کی ہوگی'' (ایضاً ص ۹۳۹) **وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ** (الاحزاب:۴۰) کا ترجمہ کرتا ہے: ''بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر (یعنی ختم کرنے والے) ہیں''۔ (ایضاً ص ۶۷۵)

**اشکال:** شاید فرمان علی نے یہ ترجمہ اس لئے کیا کہ بندے کے اعضاء پر مہر لگا کر اس کو قبول حق سے محروم کرنا قبیح ہے اور قبائح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف درست نہیں، مگر جو توجیہ اس نے کی اس کے مطابق قصور بندوں کا ہے ابتداء ان کی طرف سے ہے اللہ نے سزا کے طور پر ان پر علامت لگا دی۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں اس وجہ سے کہا کہ حقیقت میں مہر لگانے والا اللہ نہیں بلکہ یا شیطان ہے یا خود کافر ہے ان کے الفاظ یوں ہیں: **فإن قلت: فلم أسند الختم إلى الله تعالى وإسناده إليه يدل على المنع من قبول الحق والتوصل إليه بطرقه وهو قبيح والله يتعالى عن فعل القبيح علواً كبيراً ...... وقد نص على تنزيه ذاته بقوله: (وَمَا اَنَاْ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ [ق:۲۹])** (کشاف ج ا ص ۱۵۷) آگے فرماتے ہیں: **فيكون الختم مسنداً إلى اسم الله على سبيل المجاز وهو لغيره حقيقة ...... فالشيطان هو الخاتم في الحقيقة أو الكافر، إلا أنّ الله سبحانه لما كان هو الذي أقدره ومكنه، أسند إليه الختم** (کشاف ج ا ص ۱۶۱،۱۶۲)

**الجواب:** تفسیر کشاف کے مصنف علامہ زمخشری عقیدۃً معتزلی تھے انہوں نے اپنے عقیدے کے مطابق یہ بات لکھی اہل حق کے ہاں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے کوئی قبیح نہیں وہاں خیر ہی خیر ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعض دعاؤں میں ہے: **لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ** (مسلم ج ا ص ۲۶۳، جامع الاصول ج ۴ ص ۲۰۶، م ت دس علی بن ابی طالب) سید شریف جرجانیؒ نے صاحبِ کشاف پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

**واما على قاعدة اهل الحق فلا قبيح بالنسبة اليه تعالىٰ بل الافعال كلها بالنسبة اليه سواء ولا يتصور في افعاله ظلم** (باقی آگے)

**''اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' کے مصداق پکے کافر ہیں:**

حضرت امام اہل سنتؒ ''اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' کا ترجمہ کرتے تھے ''جنہوں نے کفر اختیار کیا'' ایک تو اس وجہ سے کہ جیسے ایمان اختیاری چیز ہے کفر بھی اختیاری چیز ہے کفر کے وسوسے سے انسان کافر نہیں ہوتا اگر اس کا معتقد ہو جائے تو کافر ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ آیتِ کریمہ میں ''اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا'' سے وہی لوگ مراد ہیں جو ضد کی وجہ سے کفر پر اڑے ہوئے ہیں کسی طرح ماننے والے نہیں جب انہوں نے ضد میں آکر کہہ دیا کہ ہمارے دِل پردے میں ہیں (ا) تو اللہ کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **لان الکل منه وبه والیه فله ان یتصرف فی الاشیاء کلها کما یشاء وانما یوصف بالقبح والظلم ونظائرهما افعال العباد باعتبار کسبهم وقیامها بهم لا باعتبار ایجاد الله ایاها فیهم** (حاشیۃ الشریف الجرجانی علی الکشاف ج ۱ ص ۱۵۸)

**مسئلہ کی وضاحت حضرت حجۃ الاسلامؒ سے:**

مباحثہ شاہجہانپور میں ہندوؤں اور عیسائیوں کے نامی گرامی مناظرین کی موجودگی میں حضرت نانوتویؒ نے آسان مثالوں سے اس بات کو سمجھایا اور سب سے منوایا کہ مخلوق میں جو بھی برائی ہو خالق میں ہرگز نہیں خالق جل جلالہ ہر برائی سے پاک ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں جیسے سورج سے روشندان یا کھڑکی سے ہو کر زمین پر دھوپ پڑتی ہے اس کی روشنی تو سورج سے آتی ہے مگر روشندان یا کھڑکی جیسی اس کی یہ شکل سورج میں نہیں ہے اسی طرح کائنات کو وجود تو اللہ نے دیا ہے مگر اس کی شکل وصورت وہاں سے نہیں ہے بلکہ یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی بدولت یہ پیدا ہوگئی ہے اگر وہ ارادۂ ایجاد نہ کرتا تو یہ صورتیں پیدا نہ ہوتیں اس صورت میں مخلوقات کی بھلائی برائی خالق کی بھلائی برائی کا باعث نہ ہوگی وہ اشکال ہی بھلے برے کہلائیں گے اس کی ایسی مثال ہے جیسے صفحہ کاغذ ودفترین پر کوئی خوشنویس بھلے اور برے حروف لکھ دے ظاہر ہے کہ وہ حروف ہی بھلے یا برے معلوم ہوں گے کاتب اور خوشنویس ان کے سبب بھلا یا برا معلوم نہ ہوگا۔ ایسے ہی مخلوقات کی بھلائی یا برائی خالق کی بھلائی یا برائی کا باعث نہ ہوگی وہ بھلائی یا برائی مخلوقات تک ہی رہے گی (از مباحثہ شاہجہانپور ص ۷۱، ۷۲)

**آسان مثال سے وضاحت:**

ایک شخص نے کسی کا مال چرانے کا ارادہ کیا، اس کیلئے پروگرام بنایا کہ کس وقت جانا ہے اور کس طرح مال نکالنا ہے، پھر اس نے کوشش کی، اللہ نے اس کے اعضاء کو صحیح سالم رکھا، اس کے آتے جاتے اور چوری کرتے وقت اس پر کسی کی نظر نہ پڑنے دی حتی کہ چور نے مال چرایا اور مال لے کر گھر میں پہنچ گیا۔ اب ایک ہے اس چور کا چوری کرنا، اور ایک ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے راستے میں رکاوٹ کا نہ آنا۔ اگر اللہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ آجاتی تو چور اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوتا۔ چور کا یہ کام تو یقیناً برا ہے کہ اس نے غیر کا مال ناجائز طریقے سے لیا، مگر اللہ تعالیٰ کا اس فعل کو پیدا کرنا برا نہیں کیونکہ چور اس کا بندہ ہے اور جس مال کو چرایا وہ مال بھی اللہ کا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنے مال پر مسلط کر دیا، اس کی نسبت سے یہ برا کام نہیں۔ رہا یہ کہ جس کا مال چوری ہوا اس کو پریشانی لگی تو یہ اللہ کی حکمت ہے جب تک اللہ نے اس کو مال دینا چاہا دیا جب واپس لینا چاہا واپس لے لیا۔ حقیقی مالک تو اللہ ہی ہے جیسے مال کے ملنے سے پہلے اللہ کو حق تھا کہ اس کو نہ دے اسی طرح مال ملنے کے بعد بھی اس کو حق ہے کہ اس سے واپس لے لے۔

اسی طرح کسی بندے کا حق کے قبول نہ کرنے پر اصرار کرنا یقیناً بہت قبیح ہے کیونکہ وہ بندہ ہے بندے کا کام بندگی ہے اپنے حقیقی آقا کی بات کو نہ ماننا ظلم عظیم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا اس کے دِل کو سخت کرنا ہرگز قبیح نہیں کیونکہ وہ اللہ کی چیز ہے اللہ کو حق ہے اس سے جیسا چاہے معاملہ کرے۔

ا) حضرت شیخؒ اس موقع پر فرماتے تھے سورۃ حم السجدہ نکالیں پارہ ۲۴۔ اس کے پہلے رکوع میں ہے: **حٰمٓ (1) تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (2) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (3) بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (4) وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ (5)** پھر فرماتے بات توجہ سے سنا اللہ تعالیٰ نے انس وجن کو استعداد دی ہے خیر کی بھی اور شر کی بھی **مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ** ارادے میں بھی اختیار ہے جس راستے پر چلو گے توفیق ملے گی **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ، فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ** پھر کتب ورسل بھیجے پیغمبروں کے نائبین بھیجے اگر کوئی کافر فخریہ کہے **قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ** الخ تمہاری کوئی بات کانوں تک نہیں پہنچنے دیتے ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں کاک ہیں (باقی آگے)

طرف سے بھی ان کے دِلوں پر مہر لگ گئی۔ فرمادیا گیا **ختم اللّٰہ علی قلوبھم وعلی سمعھم (۱) وعلی ابصارھم غشاوۃ (۲)** جو کافر بعد میں ایمان لائے وہ یہاں مرادنہیں۔ (۳) ''**سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ**'' سے سمجھ آتا ہے کہ تبلیغ سے ضدی کافروں کو فائدہ نہیں تھا مگر نبی ﷺ کو تبلیغ کا ثواب ملتا تھا پھر اس میں ایک تو آپ کو تسلی دی جارہی ہے کہ غمگین نہ ہوں آپ کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں مگر یہ لوگ ضد کی وجہ سے مان نہیں رہے دوسرے ہمیں یہ بتایا جارہا ہے کہ قرآن سن کر فوری طور پر متوجہ ہونا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان حجاب ہے حجاب جحود، حجاب انکار، حجاب تعصب۔ اپنا کام کر اور قاعدہ ہے خدا کا **نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی** جو کہا خدا نے کر دیا۔

۱) **سَمۡع** کو واحد اس لئے لایا گیا کہ مصدر ہے اس میں واحد تثنیہ جمع برابر ہیں دوسری توجیہ یہ کہ مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت ہے: **وعلی مواضع سمعھم** (حاشیہ الجمل ج ۱ص۱۵)

۲) ترکیب: **ان الذین کفروا سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون**۔ **اِنَّ** حرف مشبہ بالفعل ہے **اَلَّذِیۡنَ** اس کا اسم ہے **کفروا** جملہ **اَلَّذِیۡنَ** کا صلہ ہے **لَا یُؤۡمِنُوۡنَ** جملہ اس کی خبر ہے۔ جملہ **سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ** الخ جملہ معترضہ ہے (الجمل علی الجلالین۔ ج ۱ص۱۴)

اس عاجز کے نزدیک ایک ترکیب تو یہ ہے کہ **اِنَّ** کی خبر **لا یؤمنون** ہے اور جملہ: **سواء علیھم الخ** **کفروا** کی واؤ ضمیر سے حال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کا کفر اس حالت کو پہنچ چکا ہے کہ ان کو ڈرانا، نہ ڈرانا برابر ہے وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اور اگر ان کی یہ حالت نہ رہے تو ان کا ایمان قبول کرنا ممکن ہے۔ دوسری ترکیب یوں ہوگی کہ ''**اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ**'' جملہ مستانفہ ہے ''**لا یؤمنون**'' جملہ مبینہ ہے جس نے پہلے جملے کے معنی کو کھول کر بیان کر دیا کہ برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ تفسیر روح المعانی میں بھی ایک مقام پر اس کو ماقبل کیلئے مبین کہا ہے (روح المعانی ج ۱ص۱۲۹ سطر ۲۷) ''**ختم اللّٰہ الخ**'' جملہ معللہ ہے علامہ آلوسیؒ نے اس کو برہان **لِمّی** قرار دیا ہے (روح المعانی ج ۱ص۱۳۱) **وعلی ابصارھم غشاوۃ** اس پر عطف کی وجہ سے جملہ معطوفہ ہے۔

۳) محمد علی لاہوری مرزائی لکھتا ہے: **سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم** .......... اصل معنی یوں ہیں کہ جنہوں نے کفر کیا اور ایسا کفر کہ تیرا ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے وہ ایمان نہیں لاتے اور یہ سچ بھی ہے۔ جو شخص ڈرانے کی پرواہ نہیں کرتا وہ کبھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہاں جب دِل کی اس حالت کو تبدیل کر لیتا ہے تو پھر وہ بھی فائدہ اٹھا لیتا ہے یہ حکم ایک خاص حالت پر ہے خاص انسان پر نہیں (بیان القرآن مرزائی ج ۱ص۱۳ حاشیہ ۱۷)

**اقول** مگر اللہ کے علم میں تھا کہ یہ خاص حالت کن کن لوگوں کی ہے اس اعتبار سے یہ حکم خاص انسانوں پر بھی مانا جاسکتا ہے۔

محمد علی لاہوری ہی لکھتا ہے: گویا مہر لگنا اس حالت کا نام ہے کہ انسان بات کو سنتا ہے سمجھتا نہیں...... جب انسان ایک برے کام کے ارتکاب پر قائم ہو جاتا تو اس کی حالت آہستہ آہستہ ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ اس برے کام کو اچھا سمجھنے لگتا ہے یہ اس کے دِل پر مہر ہے کیونکہ پھر اس کا خیال بھی اس طرف نہیں جاتا کہ یہ جو میں کر رہا ہوں کوئی برا کام ہے (ایضاً ج ۱ص۱۳، ۱۴) مہر کا لگانا اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے منسوب کیا کہ انسان کے ہر فعل پر جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب ایک شخص اپنے گھر کے دروازے بند کرلے تو اللہ تعالیٰ اس پر اندھیرا کر دیتا ہے یا ہاتھ سے کام لینا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ ہاتھ کو بیکار کر دیتا ہے اسی طرح جب ایک انسان کو بدی کے انجام سے ڈرایا جائے اور وہ پرواہ بھی نہ کرے بلکہ بدی میں ترقی کرتا چلا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دِل پر مہر لگا دیتا ہے۔ زردشتی عقیدہ کی تردید: اس میں زردشتیوں کے اس عقیدے کی تردید بھی ہے کہ نور خدا کی طرف سے ہے اور ظلمت شیطان کی طرف سے۔ اسلام تمام اسباب کا مسبب اللہ تعالیٰ کو قرار دیتا ہے (ایضاً ص۱۴ حاشیہ ۱۸) کہتا ہے: انسان میں بھی قدرت ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے وہ ہیچ ہے انسان میں بھی مشیت ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اس پر غالب ہے......ہم جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کے ماتحت ہیں اسی طرح اس کی مشیت کے بھی ماتحت ہیں اگر ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت نہ ہوں تو ہماری مشیت بھی اس کی مشیت کی طرح کامل ہوگی اور یہ شرک ہے (ایضاً ج ۱ص۱۹ حاشیہ نمبر ۳۲)

**اقول** مذکورہ بالا عبارات سے سمجھ آتا ہے کہ اس مرزائی کے نزدیک اہل اسلام کی طرح بندوں کے افعال کا خالق بھی اللہ ہے۔ لیکن کتاب ''دین اسلام'' جو اس کے ۱۳ سال بعد لکھی [ کیونکہ بیان القرآن جلد اول ۱۹۲۲ء میں لکھی اور دین اسلام ۱۹۳۵ء میں۔ دیکھئے دین اسلام ص xxvi ] اس میں وہ کچھ اور ہی لکھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: (باقی آگے)

چاہیئے اس کی کہی بات کی فوری تصدیق ہو اس کے حکم پر عمل کیا جائے اور اس کی منہیات سے رکا جائے اور جو کوتاہی ہو اُس پر استغفار کریں تلاوت کرتے یا سنتے وقت رویا جائے یا رونے کی کوشش ہو۔ قرآن کو سن کر اثر نہ لینا کافروں کا کام ہے خطرہ ہے کہ جو شخص قرآن کو سن کر اثر نہ لے اس کے دِل پر مہر لگا دی جائے اور اسے ہدایت سے محروم کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے آمین۔

قرآن کو ماننے کیلئے نہ کوئی شرط لگائی جائے نہ کوئی نشانی مانگی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ مطلوبہ شرط یا نشانی کے بعد بھی ماننے کی توفیق نہ ہو ارشادِ باری ہے: ''وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ط قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ لا أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ (109) وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ'' (الانعام:۱۰۹،۱۱۰) ترجمہ: ''اوران (منکر) لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس کوئی نشانی آجاوے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آویں گے آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ سب نشانیاں خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ نشانیاں جس وقت آویں گی یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لاویں گے اور ہم بھی ان کے دِلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔

<u>عقیدۂ تقدیر کی ضروری بحث:</u>

ملحدین کہتے ہیں کہ جب اللہ نے دِلوں پہ مہر لگا دی تو کافروں کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں غور کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کہتے ہیں کہ تم قرآن کو سننا نہ سننا برابر نہ کرنا ورنہ محروم ہو جاؤ گے کافروں نے قرآن کو سننا نہ سننا برابر کر دیا اس لئے محروم ہو گئے تم ایسا نہ کرنا رہا تقدیر کا مسئلہ تو جیسے تقدیر پہ ہمارا ایمان ہے ہم بندے کے اختیار بھی مانتے ہیں اور اس کو خدا کی تقدیر کے تابع بھی اس لئے بندہ نہ فل اختیار رکھتا ہے اور نہ مجبورِ محض ہے۔

اسلامی عقیدے کی رو سے اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز کا خالق ہے مالک ہے اس لئے جو چاہے کرے جس کو جہاں چاہے رکھے اس کو حق ہے کوئی اس کو پوچھنے والا نہیں اس کو تقدیر کہتے ہیں اللہ جس کو جس کام کا چاہے حکم دے، جس کام سے چاہے روکے اس کو تشریع کہتے ہیں اللہ کو کوئی روکنے والا نہیں اس کا یہ بھی حق ہے۔ بندے کا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ عقیدہ کہ ابتداء سے ہی خدا نے ہر انسان کیلئے نیکی بدی لکھ دی ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا...... خدا کا مستقبل کے متعلق علم اگرچہ انسان کے علم سے بدرجہا اکمل واتم ہے تاہم وہ ایسا ہے جیسا انسان کا علم حال کے متعلق اور محض ایک چیز کا علم کسی عمل کے انتخاب میں مخل نہیں ہوتا؛ لہٰذا خدا کے علم مستقبل کا اس سے کچھ واسطہ نہیں جسے عرفِ عام میں سرنوشت یا قسمت کی تحریر کہا جاتا ہے (ایضاً ص ۳۵۵،۳۵۶)

**اقول:** [ا] یہ بات تو سچ ہے کہ بندہ اپنے افعال میں بااختیار ہے مگر اپنے اختیار کو وہ کیسے استعمال کرے گا یہ بھی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہوا ہے اللہ کے لکھے ہوئے کے خلاف بندہ اپنے اختیار کو استعمال نہیں کر سکتا مرزائی اس عبارت میں اس کا منکر ہے، کہتا ہے اللہ کو علم تو ہے کہ بندہ کیا کچھ کرے گا مگر اس میں اللہ کی تقدیر سے نہیں ہے اور آپ گذشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ یہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ ارواح کیا کریں گی مگر اس کا اختیار نہیں [۲] محمد علی لاہوری ہی لکھتا ہے: بعثتِ انبیاء کا مقصد ہی واضح کرتا ہے کہ وہ انسان جو اس منصب جلیلہ پر فائز ہوں انہیں خود گناہوں کی تمام آلائشوں سے پاک صاف ہونا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کو اخلاق عالیہ فاضلہ سے متصف ہونا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عصمت انبیاء مسلمانوں کا ہمیشہ سے ایک مسلمہ اصول رہا ہے (دین اسلام ص ۲۴۳) اگر تو عصمت انبیاءؑ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے گناہ ہونے ہی نہیں دیتا تو عصمت کا بعثت سے تعلق سمجھ آتا ہے کہ انبیاءؑ کی بعثت بھی اللہ کی طرف سے تو ان کی عصمت بھی اللہ کی طرف سے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ اللہ کو ان کے بارے میں محض علم ہے تو پھر انبیاء کی عصمت اللہ کی طرف سے نہ ہوئی اس صورت میں عصمت کا بعثت سے تعلق سمجھ نہیں آتا۔ بہرحال عصمت انبیاء کا عقیدہ بھی، عقیدۂ تقدیر کا مؤید ہے۔

۱) شاہجہانپور کے پہلے مباحثہ میں عیسائیوں نے مسئلہ تقدیر پر اعتراض کیا، ذیل میں وہ اعتراض اور حضرت نانوتویؒ کا جواب ملاحظہ فرمائیں (باقی آگے)

کام ہے بندگی یعنی اللہ کی مان کر چلنا بندہ اس میں کوتاہی کرے تو اللہ کو حق ہے کہ اس کو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ ملحدین بھی تو خدا کے بندے ہیں اُن کو بھی خدا کی بندگی کرنا ضروری ہے مگر وہ ظالم بجائے خدا کی مان کر چلنے کے اُس پر اعتراض کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اُن کو اس اعتراض کی وجہ سے دوزخ میں ڈال دے تو کوئی بچانے والا نہیں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ﴿پادری کا اعتراض﴾ پادری نے بیان میں کہا:

مسلمانوں کے مذہب میں ایک اور نقصان یہ ہے کہ تقدیر کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس کی سند میں کہا سورۃ تغابن میں ہے **ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن** جس کے یہ معنی ہیں کہ "اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو اس طرح کہ کوئی تم میں سے کافر اور کوئی مومن"، اس پر مولوی محمد قاسم صاحب بولے...... اس مسئلہ تقدیر کو پیش کرنا آپ کی مغلوبیت کے آثار میں سے ہے پادری صاحبوں کی یہ آخری چال ہوتی ہے جب سب طرف سے مجبور ہو جاتے ہیں تو تقدیر کے مسئلہ کو پیش کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اہل اسلام کو اس کا جواب نہ آئے گا مگر میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ اس اعتراض کو بھی پیش کر لیجئے ہم ان شاء اللہ اس کا بھی جواب دیں گے یہ کہہ کر کہا اب فرمائیے۔

آخر پادری صاحب نے یہ مضمون ادا کیا کہ اگر تقدیر کو مانئے تو بندہ بے گناہ اور خدا ظالم ہوگا جو پہلے سے بہت سے آدمیوں کو جہنم کے لئے تجویز کر لیا اور پھر اسی کے موافق کیا۔ ان کو نکالنا تھا نہ دھکا دینا تھا علاوہ بریں آدمی سب ایک سے ہیں جیسے سارے آدمیوں کے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان ایک جیسے ہیں ایسے ہی روحوں کو سمجھئے غرض یہ فرق کفر و ایمان پہلے سے نہیں اپنے آپ کوئی مومن ہو جائے یا کافر ہو جائے (میلہ خدا شناسی ص ۴۰، ۴۱)

**حضرت نانوتویؒ کا جواب:**

[جواب میں] مولوی صاحب نے پھر یہ کہا کہ پادری صاحبوں کا دستور ہے کہ جب کچھ بن نہیں پڑتی تو مسئلۂ تقدیر کو لے دوڑتے ہیں یہ آخری چال اور آخری تدبیر ان صاحبوں کی ہوتی ہے پادری صاحب کی مغلوبیت کی نشانی ہے جو اس مسئلہ کی نوبت آئی مگر بنام خدا ہم بھی ان شاء اللہ اس کا جواب شافی دیتے ہیں ہاں بوجہ تنگیٔ وقت اور نیز لحاظ حاضرین باریک مضامین کے بیان کرنے سے تو میں معذور ہوں [باریک مضامین دیکھنے ہوں تو حضرتؒ کی کتاب تقریر دلپذیر کو پڑھئے۔ راقم] ایک دو موٹی باتیں عرض کرتا ہوں...... [اس کے بعد]...... جناب مولوی محمد قاسم صاحب نے اپنا مطلب شروع کیا بغرض توضیح ایک مثال بیان کی اور یہ کہا "فرض کرو ایک قطعہ زمین کسی شخص کا افتادہ ہے جس میں مکان و دیوار کچھ نہیں مالک زمین نے چاہا، اس میں مکان بنائے بحیثیتِ مالکیت مالک مذکور کو اختیار ہے جس طرف جو چاہے بنائے، [چاہے] دالان بنائے، چاہے باورچی خانہ، چاہے پاخانہ [یعنی بیت الخلاء]، چاہے غسلخانہ بنائے، زمین کی طرف سے کچھ انکار نہیں...... اس صورت میں اگر فرض کرو پاخانہ کو [یعنی بیت الخلاء کو۔ راقم] زبان عنایت کی جائے اور وہ یہ عرض کرے کہ میں نے کیا تقصیر کی جس کے عوض یہ سزا ملتی ہے کہ ہر روز پاخانہ اور نجاست ڈالا جاتا ہے اور دالان اور شہ نشین نے کونسا انعام کا کام کیا ہے جس پر بوریا بچھا کر شطرنجی بچھاتے ہیں...... عطر سے معطر کرتے ہیں...... تو میں حاضرانِ جلسہ سے پوچھتا ہوں کہ اس صورت میں مالک زمین و مکان کی طرف سے یہی جواب ہوگا یا کچھ اور کہ تو اسی قابل ہے اور تجھ کو اسی لئے بنایا ہے اور دالان اسی قابل ہے اور اس کو اسی لئے بنایا ہے مگر جب ہم تم کو اس تھوڑے سے نام کی مالکیت کے بھروسے زمین و مکان و پاخانہ [یعنی بیت الخلاء۔ راقم] پر یہ تحکم کر سکیں تو کیا خداوند **مالک الملک وحدہ لا شریک لہ** اپنی مخلوقات پر یہ تحکم نہ کر سکے گا...... کیا وہ گناہ گاروں سے یہ نہ کہہ سکے گا کہ تم اسی لائق ہو اور تمہیں اسی لئے بنایا ہے اور مطیع اور فرمانبردار اسی لائق ہیں اور انہیں اسی کیلئے بنایا ہے۔

غرض مجموعہ عالم میں نیک و بد کے اجتماع سے اسی طرح موزونی پیدا ہوتی ہے جیسے دالان اور باورچی خانہ وغیرہ کی فراہمی سے مکان کی موزونی پیدا ہوتی ہے جیسے وہاں دونوں کے اجتماع سے کمال مکان ہے ایسے ہی یہاں بھی دونوں کے اجتماع میں کمال عالم ہے۔ (میلہ خدا شناسی ص ۴۶ تا ۴۹)

<u>پادریوں کا بے جا اعتراض اور حضرت حجۃ الاسلام کا جواب:</u>

پادریوں نے بیت الخلاء کی مثال پر اعتراض کیا تو حضرتؒ نے دوسری مثال بیان کی کہ زمین کے ایک حصے میں بیٹھک بنائی دوسرے میں گدھوں کا طویلہ فرمایا اب کرو کیا اعتراض کرتے ہو (از میلہ خدا شناسی ص ۵۰، ۵۱) (باقی آگے)

چونکہ بندے کو کچھ پتہ نہیں کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہوا ہے؟ جو کام کرتا ہے اپنی مرضی سے کرتا ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے یہ گناہ اس لئے کئے کہ میری تقدیر میں ایسا تھا کیونکہ تقدیر ماننے کی چیز ہے جاننے کی نہیں۔ بندے کو تقدیر کا پتہ وقت گزرنے کے بعد چلتا ہے اس لئے گناہ کے کرنے میں تقدیر کو بہانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ آ گئی کہ مسلمان جو کہتے ہیں کہ "ہدایت اللہ دیتا ہے" اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز نہ پڑھیں اور کہیں کہ اللہ چاہے گا تو نماز پڑھ لوں گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی پر خدا کا شکر ادا کریں اور اس سے ہدایت مانگتے رہیں۔

**واقعہ سے وضاحت:**

ایک مرتبہ یہ عاجز کسی جگہ مہمان ہوا دوپہر کے کھانے میں میرے ساتھ وہاں کے دو ساتھی تھے دستر خوان پر کھانے کے ساتھ بیکری کے بنے ہوئے تین کریم رول بھی تھے ان دو میں سے ایک ساتھی کہنے لگا میں حیران تھا کہ ہم دو ہیں، کریم رول تین کیوں؟ اب پتہ چلا کہ ایک آپ کی قسمت کا ہے۔ میں نے کہا، آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ ایک میری قسمت کا ہے؟ جب تک میں کھانہ لوں آپ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تیری قسمت میں ہے ہوسکتا ہے کہ میں کسی وجہ سے نہ کھاؤں، کوئی کھا جائے یا کسی وجہ سے مجھے اٹھنا پڑ جائے۔ یا میں ایک سے زیادہ کھا جاؤں۔ [مزید وضاحت کیلئے دیکھئے اساس المنطق جلد اول ص ۲۳۲ تا ۲۳۶ جلد دوم ص ۱۲۵، ۱۲۶]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ﴿بائبل میں تقدیر کا ذکر﴾ مباحثہ کے بعد ایک مسلمان مرزا موحد صاحب نے پادری نولس سے کہا کہ تورات میں بتصریح تقدیر کا ثبوت ہے پھر آپ نے یہ کیا کیا جو تقدیر کا انکار کیا پادری صاحب نے فرمایا ہاں تورات میں تقدیر کا ثبوت موجود ہے مگر عیسائیوں میں دو فرقے ہیں ہم ان لوگوں میں ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں.............. اس طرح ان کا اعتراض اسلام پر ہی نہیں اپنی کتاب پر بھی ہے (از میلہ خدا شناسی ص ۵۵، ۵۶)

**عقیدۂ تقدیر اور بائبل:**

کوئی عیسائی یا یہودی عقیدۂ تقدیر پر اعتراض کرے تو اس کے لئے بائبل کے یہ چند حوالہ جات یاد رکھیں۔ [۱] اے بے حیا قوم جمع ہو! جمع ہو! اس سے پہلے کہ تقدیر الٰہی ظاہر ہو (صفنیاہ ۲:۱،۲) [اس میں تقدیر کا لفظ صراحۃً موجود ہے۔ راقم] [۲] سو بادشاہ نے لوگوں کی نہ مانی کیونکہ یہ خدا ہی کی طرف سے تھا تا کہ خداوند اس بات کو جو اس نے سیلانی اخیاہ کی معرفت نباط کے بیٹے یربعام کو فرمائی تھی پورا کرے (۲۔ تواریخ ۱۰:۱۵) [خدا کی فرمائی ہوئی بات کا پورا ہونا ہی تو تقدیر ہے۔ راقم] [۳] لیکن امصیاہ نے نہ مانا کیونکہ یہ خدا کی طرف سے تھا کہ وہ ان کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں میں کردے اس لئے کہ وہ ادومیوں کے معبودوں کے طالب ہوئے تھے (۲۔ تواریخ ۲۵:۲۰) [خط کشیدہ الفاظ میں تقدیر خداوندی کی طرف اشارہ ہے۔ راقم] [۴] یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ خدا شرارت کا کام کرے اور قادر مطلق بدی کرے وہ انسان کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا اور ایسا کرے گا کہ ہر کسی کو اپنی ہی راہوں کے مطابق بدلہ ملے گا، یقیناً خدا برائی نہیں کرے گا قادر مطلق سے بے انصافی نہ ہوگی۔ (ایوب ۳۴:۱۰ تا ۱۲)

[۵] کیا خدا کے ہاں بے انصافی ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ وہ موسیٰ سے کہتا ہے کہ جس پر رحم کرنا منظور ہے اس پر رحم کروں گا اور جس پر ترس کھانا منظور ہے اس پر ترس کھاؤں گا پس یہ نہ ارادہ کرنے والے پر منحصر ہے اور نہ دوڑ دھوپ کرنے والے پر بلکہ رحم کرنے والے خدا پر، کیونکہ کتاب مقدس میں فرعون سے کہا گیا ہے کہ میں نے اس لئے تجھے کھڑا کیا ہے کہ تیری وجہ سے اپنی قدرت ظاہر کروں اور میرا نام تمام روئے زمین پر مشہور ہو پس وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سخت کر دیتا ہے پس تو مجھ سے کہے گا پھر وہ کیوں عیب لگاتا ہے؟ کون اس کے ارادہ کا مقابلہ کرتا ہے؟ اے انسان بھلا تو کون ہے جو خدا کے سامنے جواب دیتا ہے؟ کیا بنی ہوئی چیز بنانے والے سے کہہ سکتی ہے کہ تو نے مجھے ایسا کیوں بنایا؟ کیا کمہار کو مٹی پر اختیار نہیں کہ ایک ہی لوندے میں سے ایک برتن عزت کے لئے بنائے اور دوسرا بے عزتی کے لئے؟ (رومیوں باب ۹:۱۴ تا ۲۱)

[۶] بڑے گھر میں نہ صرف سونے چاندی ہی کے برتن ہوتے ہیں بلکہ لکڑی اور مٹی کے بھی۔ بعض عزت اور بعض ذلت کے لئے۔ پس جو کوئی ان سے الگ ہو کر اپنے تئیں پاک کرے گا وہ عزت کا برتن اور مقدس بنے گا اور مالک کے کام کے لائق اور ہر نیک کام کے لئے تیار ہوگا (۲۔ تیمتھیس باب ۲:۲۰، ۲۱)

خط کشیدہ عبارات میں عقیدۂ تقدیر کا ذکر ہے اور بعض مضامین ویسے ہی ہیں جیسے حضرت نانوتویؒ نے بیان فرمائے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا.

نوٹ: ان میں سے پہلی چار عبارات عہد نامہ قدیم کی ہیں جسے عیسائی اور یہودی دونوں مانتے ہیں اور آخری دو عبارتیں عہد نامہ جدید کی ہیں جسے صرف عیسائی مانتے ہیں۔

## ﴿سوالات﴾

سورۃ البقرۃ کی اہمیت کے بارے میں کچھ باتیں تحریر کریں اور بتائیں کہ اضافت کے ساتھ سورۃ البقرۃ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ ☆ سورۃ البقرۃ کا سورۃ الفاتحہ سے ربط لکھیں اور اس کی مختصر و مفصل مرکزی آیات تحریر کریں ☆ اس سورۃ کی جامعیت کی کچھ وجوہات ذکر کریں ☆ اس سورۃ کے مضامین بالاجمال تحریر کریں اور سورۃ کے مضامین کا آپس میں ربط تحریر کریں ☆ اس سورۃ کی پہلی پانچ آیات کا ترجمہ لکھیں اور بتائیں کہ **الم** کو حروف مقطعات کیوں کہا جاتا ہے نیز نحوی اصطلاح کے اعتبار سے یہ حروف ہیں یا اسماء، اگر یہ اسماء ہیں تو ان کے مسمیات کیا ہیں؟ ☆ "**ذلک الکتاب لا ریب فیه**" پر پنڈت کا اعتراض مع جواب لکھیں ☆ ثابت کریں کہ پنڈت نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا اس میں بھی مدح ہے ویسے بھی وہ جا بجا اپنی کتاب کی مدح کرتا ہے ☆ "**ھدی للمتقین**" پر پنڈت کا اعتراض ہے کہ قرآن کا کوئی فائدہ نہیں اعتراض کی وضاحت کر کے اس کا جواب لکھیں ☆ پنڈت نے نماز کے مقابلہ میں مراقبہ کو پیش کیا ہے آپ عبادت کی تعریف کر کے نماز کی مراقبہ پر فوقیت ثابت کریں نیز مراقبہ کی حقیقت اور اس کا شرعی حکم لکھیں ☆ حروف مقطعات کے بارے میں کچھ اقوال لکھ کر راجح قول بتائیں ☆ حضرت نانوتویؒ نے نماز کی حقیقت پر کس کتاب میں کلام کیا؟ کتاب کا سبب تالیف اور حضرتؒ کے کلام کا خلاصہ تحریر کریں ☆ **ومما رزقناھم ینفقون** پر پنڈت کا اعتراض مع جواب تحریر کریں نیز پنڈت کے اعتراض کا پس منظر بھی لکھیں ☆ اس کو ثابت کریں کہ ہندوؤں کے ہاں نہ اللہ کا بندے پر کوئی احسان ہے نہ اللہ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت ☆ **والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک** پر پنڈت کا اعتراض مع جواب ذکر کریں اس بارے میں حضرت نانوتویؒ کے کلام کا خلاصہ بھی پیش کریں یہ بھی بتائیں کہ حضرت نانوتویؒ نے یہ بات کس موقع پر ارشاد فرمائی ☆ بائبل، قرآن اور وید کے بارے میں اسلامی عقائد کیا ہیں؟ ☆ ہندوؤں کے جو پیشوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پہلے ہوئے ان کا نبی یا نائب نبی ہونا کس طرح ممکن ہے جبکہ خود ہندو ان کی طرف شرک، زنا چوری جیسے افعال ناشائستہ منسوب کرتے ہیں ☆ دیانند سرسوتی کے کہنے کے مطابق سری کرشن پر عیب کس نے لگائے؟ ☆ ادیانِ سابقہ کے منسوخ ہونے پر پنڈت کا اعتراض کیا ہے؟ حضرت نانوتویؒ اس کا کیا جواب ارشاد فرما چکے اور کس مقام پر؟ ☆ حضرت نانوتویؒ نے کس طرح اس کو ثابت کیا کہ اب نجات صرف آپ ﷺ کی اتباع میں ہے ☆ ہندوؤں اور مجوسیوں کے قدیم پیشواؤں کی بابت مرزا بشیر الدین محمود کا کیا موقف ہے اور حضرت نانوتویؒ کا موقف کیا؟ کس کا موقف درست ہے اور کس دلیل سے؟ ☆ عیسیٰ علیہ السلام کی بابت مرزا قادیانی کا کیا موقف ہے اور کس حوالے سے؟ ☆ حضرت نانوتویؒ کی کوئی ایسی عبارت پیش کریں جس میں انہوں نے ایک تو ہندوؤں کے اس دعوے کا رد کیا کہ ان کی کتاب بید یعنی "وید" کلام الٰہی ہے دوسرے قرآن پاک کا کلام الٰہی ہونا مبرہن کیا، اور اس کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور خاتمیت کا اعلان کیا ☆ ہندوؤں کی کتاب وید کے غیر یقینی اور ناقابل اعتماد ہونے پر پنڈت کی کچھ اپنی عبارات نقل کریں ☆ پنڈت کے اقرار سے ثابت کریں کہ وید پر تین صدیاں ایسی آئیں جن میں لوگ وید کو سمجھنے سے محروم رہے ☆ ہندو کے اس اعتراض کا جواب دیں کہ اللہ نے متعدد کتابیں نازل کرنے کے بجائے "وید" کی طرح ایک ہی کتاب کیوں نہ نازل کی؟ ☆ **وبالآخرۃ ھم یوقنون** پر پنڈت کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جواب دیں اور تناسخ کا رد کریں ☆ ہندو کی اس بات پر تبصرہ کریں کہ کیا عیسائی اور مسلمان ہی ہدایت پر چلنے والے ہیں؟ ☆ حروف مقطعات کے بارے حمید الدین فراہی کا نظریہ لکھ کر اس پر جاندار تنقید کریں ☆ کسی غیر مسلم محقق کا اقرار پیش کریں کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا ☆ جب قرآن میں شک کوئی نہیں تو یہ کیوں فرمایا **وان کنتم فی ریب** الآیۃ ☆ قرآن **بالقوۃ** ہدایت کن لوگوں کیلئے اور **بالفعل** کن لوگوں کیلئے؟ ☆ مودودی کے اس نظریہ کا جواب دیں کہ جس زمانے میں قرآن نازل ہوا حروفِ مقطعات کا استعمال عام تھا ☆ حروف مقطعات کا معجزہ ہونا ثابت کریں ☆ **ھدی للمتقین** اور **والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک** سے ختم نبوت پر استدلال کریں ☆ ایمان بالغیب کا مطلب کیا ہے؟ نیز نبی ﷺ کو ماننا، قرآن کریم کو ماننا ایمان بالغیب میں کس طرح داخل ہیں جبکہ صحابہؓ نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، قرآن ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ماننا ایمان بالغیب کس طرح جبکہ غیب، اللہ کے ناموں میں نہیں؟ ☆ غامدی نے ایمان بالغیب کے تحت انبیاءؑ کا ذکر نہیں کیا، اس کی عبارت کا خلاصہ لکھ کر تنقید کریں ☆ اگر دین کی کوئی بات لکھی ہوئی مل جائے اس کو لینا ایمان بالغیب میں داخل ہے یا نہیں اور کس دلیل سے؟ ☆ ایمان بالغیب کو سمجھانے کیلئے عذابِ قبر کے منکر کا واقعہ تحریر کریں ☆ غامدی کہتا ہے کہ نماز اہل عرب کیلئے کوئی اجنبی چیز نہ تھی۔ غامدی کی اس بات کا رد قرآن، حدیث اور اجماع سے کریں، نیز اس کے استاد اصلاحی سے اور اس کے پیشوا محمد علی لاہوری مرزائی کے حوالوں سے کریں ☆ محمد علی لاہوری مرزائی کی وہ عبارت ذکر کریں جس میں اس نے نماز کو متواتر مانا ہے پھر کچھ ایسے متواتر عقائد بتائیں جن کے مرزائی منکر ہیں ☆ آیت: **وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ** میں رزق سے کونسا رزق مراد ہے: حلال یا حرام؟ اور کن جگہوں پر خرچ کرنا مراد ہے؟

☆مفتی نعیم الدین مرادآبادی نے **ومما رزقناهم ينفقون** سے کچھ بدعات پر استدلال کیا ہے اس کی عبارت ذکر کریں پھر ٹھوس دلائل کے ساتھ اس کا رد کریں ☆مرزا محمود لکھتا ہے: ''کلام الٰہی کے اترنے کے اصل معنی صرف یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بطور ایک خاص نعمت کے ہوتا ہے...... یہ مراد نہیں کہ وہ کسی کاغذ پر لکھا ہوا آسمان سے اترتا ہے'' اس کا پس منظر بتائیں، پھر اس کا رد کریں رد کیلئے خود مرزا محمود کی عبارت بھی پیش کریں [اس کے مخالف مرزا محمود کی ایک عبارت یہ ہے: ''پانی بھی بلندی سے برستا ہے ہوا بھی اوپر ہے اسی طرح سورج چاند وغیرہ ہیں اور انہی اشیاء سے وہ سب چیزیں تیار ہوتی ہیں جن سے انسان زندہ رہتا ہے <u>روحانیات میں بھی انسان اوپر کا محتاج ہے</u> (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ص۲۱۲ کالم نمبر۲ سطر۲۰ تا۲۳)] ☆مرزا محمود نے ''**وبالآخرة هم يوقنون** '' کا ترجمہ کیا کیا؟ اور کیوں؟ نیز مرزا طاہر اور محمد علی لاہوی کے کلام کو اور خود مرزا محمود کے کلام کو بھی مرزا محمود کے رد میں پیش کریں ☆انکارِ ختم نبوت پر اس آیت کے تحت مرزا محمود کی کچھ عبارات مع تبصرہ تحریر کریں ☆مرزا محمود نے آیت: **ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة** اور آیت **فاولئك مع الذين انعم الله عليهم، هو الذى بعث فى الاميين ...... وآخرين منهم لما يلحقوا بهم** سے نبوت کے جاری رہنے پر کس طرح استدلال کیا اور جواب کیا ہے؟ ☆درج ذیل عبارات کس کی ہیں نیز ان سے عقیدۂ ختم نبوت پر استدلال کرو ''اللہ تعالیٰ نے مرکز الہام بدلنے کا فیصلہ کرلیا اور بنو اسماعیل میں سے محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری کلام کا مورد بنایا''، ''اس کتاب کے بعد کوئی اور کتاب نازل نہ ہوگی اور یہ دنیا کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے''

☆مرزا محمود لکھتا ہے: ''قرآن مجید......ایسی جامع کتاب ہے کہ کوئی انسانی ضرورت ایسی نہیں جس کے متعلق اس میں شافی تعلیم موجود نہیں کوئی اعتقادی اور کوئی عملی اور کوئی اخلاقی اور کوئی اقتصادی اور کوئی مدنی [یعنی امور مدینہ وبلد سے متعلق کوئی] امر نہیں جس کے بارہ میں قرآن کریم میں بحث نہ کی گئی ہو اور اس کے متعلق تفصیلی ہدایت نہ کی گئی ہو'' ثابت کریں کہ اس مضمون کو اس سے بہت بہتر انداز میں حضرت نانوتویؒ لکھ چکے ہیں حضرتؒ کی عبارت پیش کریں اور حضرتؒ کی عبارت کی فوقیت لکھیں نیز حضرت نانوتویؒ اور مرزائیوں کا کچھ نظریاتی اختلاف تحریر کریں ☆ آیت نمبر۶،۷ مع ترجمہ، ربط، اور مختصر تفسیر لکھیں ☆ کفر کے لغوی واصطلاحی معنی ذکر کریں نیز یہ بتائیں کہ یہ آیات کن کافروں کے بارے میں اور حضرت امام اہل سنتؒ کس طرح ضدی کافروں کو اس کا مصداق ہونا سمجھایا کرتے تھے ☆ آیت کا ترجمہ کریں اور بتائیں کہ ہمیں اس سے کیا سبق ملا؟ **إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ الأية** کے بارے میں پنڈت دیانند سرسوتی کہتا ہے: ''اور کیا ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں کافر کہنا یکطرفہ ڈگری نہیں؟'' اس کا حل پیش کریں ☆بہت سے کافر اس آیت کے نزول کے بعد ایمان لے آئے تو پھر اس آیت میں کیوں فرمایا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے؟ ☆**خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** پر پنڈت نے کیا اعتراض کیا؟ اس کا حل کیا ہے؟ عقیدۂ کی تقدیر مختصر اور جامع بحث لکھیں جس سے بندے کا مختار ہونا بھی سمجھ آئے اور تقدیر کے تابع ہونا بھی ☆اس کو ثابت کریں کہ بندہ اپنے کام اختیار سے کرتا ہے مگر اس کے پیچھے اللہ کا اختیار ہے دونوں کو ماننا ضروری ہے، پھر یہ بھی ثابت کریں کہ ہندوؤں کے ہاں بندہ خود مختار ہے اور اللہ تعالیٰ مجبور ☆اس کو ثابت کریں کہ لفظِ خَتَم کا حقیقی معنی مہر لگانا بھی ہے اور پورا کرنا یا ختم کرنا بھی پھر یہ بھی بتائیں کہ کب اس کا معنی پورا کرنا ہوگا، اور کب مہر لگانا مثالیں بھی دیں، خاتم النبیین میں کونسا معنی ہے اور کس دلیل سے؟ پھر یہ بھی بتائیں کہ قادیانی کس معنی کو حقیقی مانتے ہیں اور کیوں؟ ☆ خاتم کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی مہر کے کئے اور مرزا محمود نے بھی دونوں کے ترجموں میں کیا فرق ہے؟ وضاحت سے لکھیں ☆فرمان علی شیعہ نے **ختم الله على قلوبهم** کا کیا ترجمہ کیا؟ اور اس میں کیا خامی ہے؟ ☆علامہ زمخشری کہتے ہیں: اللہ کی طرف قبائح کی نسبت درست نہیں اس لئے **ختم الله** میں اسناد حقیقی نہیں مجازی ہے مہر لگانے والا حقیقت میں کافر ہے یا شیطان، اہل سنت کا اس بارے میں کیا موقف ہے؟ ☆برے کام کا ارتکاب برا ہے مگر اس کا خلق برا نہیں حضرت نانوتویؒ نے اس مسئلہ کو کس طرح حل کیا؟ باحوالہ ذکر کریں آسان مثالوں سے بھی سمجھائیں ☆''**سواء عليهم** '' سے نبی ﷺ کو کیا تسلی دی گئی ہے اور ہمارے لئے اس میں کیا سبق ہے؟ ☆ **قلوب** اور **ابصار** جمع ہیں تو **سَمْع** کو واحد کیوں لایا گیا؟ ☆**ان الذين كفروا سواء عليهم ء انذرتهم ام لم تنذرهم لا يؤمنون** ☆ **ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة** کی نحوی ترکیب کریں ☆محمد علی لاہوری مرزائی کی اس بات پر تبصرہ کریں کہ **سواء عليهم ء انذرتهم ام لم تنذرهم** ...... یہ حکم ایک خاص حالت پر ہے خاص انسان پر نہیں ☆عقیدۂ تقدیر کے بارے میں محمد علی لاہوی کے کلام میں تعارض ثابت کریں اور کوئی اشتباہ ہے تو اس کا ازالہ بھی کریں ☆بندے کو با اختیار مانتے ہوئے عقیدۂ تقدیر کو کس طرح سمجھایا جاسکتا ہے؟ ☆انبیاء کو معصوم ماننا عقیدۂ تقدیر کا مؤید ہے وہ کس طرح؟ ☆شاہجہانپور کے پہلے مباحثہ میں عیسائیوں نے عقیدۂ تقدیر پر اعتراض کیا، اس موقع پر حضرت نانوتویؒ نے اس مسئلہ کو کس طرح سمجھایا؟ نیز بائبل سے عقیدۂ تقدیر کے کچھ حوالے پیش کریں ☆ کچھ لوگ نماز نہیں پڑھتے اور کہہ دیتے ہیں اللہ چاہے گا تو نماز پڑھ لیں گے ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے اس کا کیا جواب ہے؟

## [کھلے کافروں کے ذکر کے بعد دِل میں کفر رکھنے والوں کی مذمت اور مثالوں سے ان کی حالت کا بیان]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا(۱) نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ترجمہ: اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے حالانکہ (حقیقت میں) وہ مومن بالکل نہیں ☆ دھوکہ دینا چاہتے ہیں وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو حالانکہ وہ اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے اور (لیکن) انہیں (اس کا) احساس تک نہیں ہے ☆ ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے پھر اللہ نے اور بڑھا دیا ان کو مرض، اور اُن کیلئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے ☆ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ (۱) ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں ☆ یاد رکھو بیشک یہی لوگ فسادی ہیں لیکن انہیں (اس بات کا) احساس نہیں ☆ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایسے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم ویسے ایمان لائیں جیسے بیوقوف ایمان لائے یاد رکھو یہی لوگ بیوقوف ہیں لیکن وہ علم نہیں رکھتے ☆ اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں حقیقت میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں (اُن سے) تو ہم استہزاء کرتے ہیں ☆ اللہ تعالیٰ (بدلے میں) ان سے استہزاء (والا معاملہ) کرتا ہے اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ☆ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا تو نہ ان کی تجارت نفع والی ہوئی اور نہ ان کو صحیح راستہ نصیب ہوا ☆ اُن کی حالت اس شخص کی سی ہے جس نے ایک آگ جلائی پھر جب اس آگ نے اس کے اردگرد کی سب چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور سلب کر لیا اور ان کو ایسے اندھیروں میں چھوڑا کہ وہ (کچھ) دیکھتے نہ ہوں ☆ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں اس لئے وہ واپس نہیں آئیں گے ☆ یا (اُن کی حالت) جیسے بارش ہو آسمان کی طرف سے جس میں اندھیرے اور گرج اور چمک ہو وہ لوگ کڑک کی وجہ سے موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں اور اللہ کافروں کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے ☆ قریب ہے کہ بجلی اُن کی آنکھیں اچک لے جب کبھی اُن پہ چمکتی ہے تو اس میں چلتے ہیں اور جب ان پہ اندھیرا ہو جاتا ہے ٹھہر جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہے تو لے جائے ان کے کان اور ان کی آنکھیں (یعنی ان سے سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں سلب کر لے) بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

۱) کتب بلاغہ میں "اِنَّمَا" کو اداۃ حصر مانا جاتا ہے گویا "اِنَّمَا زَيْدٌ قَائِمٌ" = "مَا زَيْدٌ اِلَّا قَائِمٌ" حضرت شیخ "انما" کا ترجمہ فرماتے تھے "پکی بات"، "پختہ بات" کیونکہ جس طرح "ان" تاکید کیلئے ہے بعض علماء کے ہاں "انما" بھی تاکید کیلئے ہی ہے چنانچہ امام ابن ہشام فرماتے ہیں کہ "انما" کا حصر کیلئے ہونا دو مقدموں پر مبنی ہے ایک یہ کہ "اِنَّ" اثبات کیلئے اور "مَا" نفی کیلئے ہے مگر یہ دونوں مقدمے نحویوں کے ہاں بالاجماع باطل ہیں اول تو اِنَّ اثبات کیلئے نہیں بلکہ تاکید کیلئے ہوتا ہے دوسرے یہ "مَا" نافیہ نہیں بلکہ یہ "مَا" اس "مَا" کی طرح ہے جو لَيْتَمَا، لَعَلَّمَا، لٰكِنَّمَا اور كَاَنَّمَا میں ہے اور ان چاروں حرفوں میں کسی کے نزدیک مَا نافیہ نہیں (از مغنی اللبیب ج ا ص ۳۰۸، ۳۰۹)

## [ربط اور کچھ تفسیری نکات]

**ربط:**

کفار کے ذکر کے بعد منافقین(۱) کا ذکر کیا جو دِل سے انکار کرتے ہیں زبان سے اقرار چونکہ ان سے خطرہ زیادہ ہے اس لئے ان کا ذکر تفصیل سے کیا۔

**نفاق کا پس منظر:**

مکہ مکرمہ میں مسلمان بڑے مظلوم رہے وہاں یا پکے مسلمان تھے یا کھلے کافر۔منافقت وہاں نہ تھی کلمہ پڑھنا تو دور کی بات کسی مسلمان سے معمولی سا تعلق بھی انسان کے جان مال کیلئے خطرہ بن جاتا تھا اس لئے جو کلمہ پڑھتا تھا وہ صدقِ دل سے پڑھتا تھا مدینہ منورہ میں دنیوی مفادات کی خاطر کچھ لوگوں نے منافقت کو اپنایا جس کی وجہ یہ بنی کہ مدینہ منورہ میں جو یہودی آباد تھے وہ اہل مدینہ کو لڑاتے رہتے تھے مدینہ کے کئی سردار لڑائیوں میں مارے گئے تو اہل مدینہ نے فیصلہ کیا کہ کسی ایک کو اپنا مشترک سردار بنالیا جائے اس کیلئے قبیلہ خزرج کے عبداللہ بن ابی کو منتخب کیا۔تاجپوشی کی رسم باقی تھی گویا حلف لینا باقی تھا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو مدینہ لے آیا۔ نبی کریم ﷺ جب مکہ سے نکلے اس وقت مکہ والے اس قدر دشمنی پر اتر آئے تھے کہ انہوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا کہ جونہی باہر نکلیں یکبارگی حملہ کر کے شہید کر دیں پھر پیچھا کرتے غارِ ثور تک گئے وہاں ناکام ہوئے تو راستے میں پیچھا کیا اور تلاش کر کے لانے والوں کیلئے سو سو اونٹ انعام مقرر کیا۔ان حالات میں آپ نے مدینہ آ کر اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی کہ مکہ سے مدینہ تک کے قبائل آپ کے دشمن تھے روم وفارس آپ کے مخالف تھے مدینہ منورہ میں رہنے والے یہودی تو مخالف تھے ہی اوس وخزرج کے جو لوگ ایمان نہ لائے وہ بھی مخالف جن میں عبداللہ بن ابی اور اس کی پارٹی سرفہرست تھی اور مدینہ کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی اسی کی تھی تب ہی تو اہل مدینہ اس کو حاکم ماننے پر آمادہ ہوئے تھے۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں کی حیران کن فتح کے بعد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی فکر مند تو انہوں نے اپنے مال جان کے تحفظ کیلئے خود کو مسلمان ظاہر کیا مگر اندر سے کافر ہی رہے (بخاری ج ۲ ص ۶۵۶) ان کے ساتھ کچھ یہودی بھی مل گئے ان لوگوں کو منافق کہا جاتا ہے۔یہ لوگ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے اور جب موقع ملتا مسلمانوں کو دِل آزاری کرتے۔

**نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ سیاسی بصیرت:**

اگر منافقین کی سازشیں نہ ہوتیں تو بھی یہودی اور اردگرد کے مشرک قبائل کی مخالفت ہی کوئی معمولی بات نہ تھی مگر منافقین کی سازشوں کے بعد تو اسلامی حکومت کے راستے میں اتنے بحران پیدا ہو گئے جس کی مثال دنیا کی کسی حکومت میں نہیں ملتی مگر نبی ﷺ کی سیاسی بصیرت اور آپ کے اعلیٰ اخلاق کی ایسی برکات کہ یہ سب دشمن پوری کوششوں کے باوجود بالآخر ناکام ہو کر رہ گئے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی ان حالات کا شکوہ زبان پر نہ لائے، بلکہ نہایت صبر واستقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے رہے حتی کہ اسلامی حکومت مضبوط بھی ہوئی اور وسیع بھی، الحمد للہ آج بھی وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے نماز کے وقت ہر طرف اذانیں ہوتی ہیں نبی ﷺ کی نبوت کا اعلان ہوتا ہے ہزاروں لاکھوں افراد آپ ﷺ کے روضے کی زیارت کیلئے حاضری دیتے ہیں۔نہ تو کسی حکومت کے راستے میں اتنے بحران ہوئے اور نہ ہی کسی قائد کو اس قدر کامیاب حکومت نصیب ہوئی وللہ الحمد۔ہمیں بھی حالات کا شکوہ کرنے کے بجائے اپنے مشن کیلئے کام کرتے رہنا چاہئے شاعر کہتا ہے:

زورِ بازو آزما، شکوہ نہ کر صیاد سے  آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

---

۱) تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۱۸ میں ہے کہ ومن الناس سے مراد یہود کا ایک خاص گروہ ہے۔ **قول:** مگر یہ گروہ بھی تو منافق ہی تھا۔عام یہودی تو ایسے نہ تھے۔

**منافقوں کی اقسام:**

منافق دوطرح کے ہوتے ہیں اعتقادی،عملی یہاں مخلص مومنین کے بالمقابل منافقین کا ذکر ہےاس لئے یہاں اعتقادی منافق مراد ہیں رہا عملی نفاق،تو آج کچھ لوگ اُس زمانے کے اعتقادی منافقوں سے بھی شاید آگے ہوں دیکھئے منافق کی ایک نشانی ہے:**اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ** (مشکوۃ ص ۱۷)''جھگڑتا ہے تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے''اورآج تو بغیر جھگڑنے کے گالیاں دے ڈالتے ہیں۔وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کے مؤمن نبی ﷺ کے صحابہؓ تھےاورآج کے مسلمان جیسے ہیں پتہ ہے۔

**نجات کے لئے انبیاء پر ایمان ضروری:**

۳) منافقوں نے جوکہا: **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** (۱)اس میں نبی ﷺ پر ایمان لانے کا بظاہر ذکر نہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھنا کہ آپؐ پر ایمان لائے بغیر کامیابی ہوسکتی ہے یا آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا انکار کر کے بھی انسان مومن بن سکتا ہے اس لئے کہ آخرت پر ایمان وہ معتبر ہے جو آپ ﷺ کے کہنے کے مطابق ہو جس میں حوض کوثر اور شفاعت کو بھی مانا جائے اس طرح ایمان بالآخرۃ کے ضمن میں انبیاء علیہم السلام پر ایمان بلکہ ختم نبوت پر ایمان بھی آجاتا ہے کیونکہ جب

---

۱) مرزا البشیر الدین محمود نے **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** کے تحت کچھ باتیں لکھیں جن کا جائزہ لینا ضروری ہے: [پہلی بات] **اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** کا ترجمہ کرتا ہے :''ہم اللہ پر اور آنے والے دن پر ایمان رکھتے ہیں''(مرزائی تفسیر کبیر ج۱ ص ۱۵۹،تفسیر صغیر ص ۶) **اقول:** جیسی تحریف اس نے:**وبالاٰخرۃ ھم یوقنون** کے ترجمہ میں کی تھی اس قسم کی تحریف یہاں کی ہے،کیونکہ ہوسکتا ہے کہ''آنے والے دن''سے اس کی مراد قادیانی کے دعوے کے دن ہوں جبکہ یہ بات ضروریاتِ دین سے ہے کہ''**بالیوم الاٰخر**''سے مراد''قیامت کا دن''ہے۔مرزا البشیر الدین کے ترجمہ کو خود اس کے بیٹے نے قبول نہ کیا وہ ترجمہ کرتا ہے:''ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخر پر بھی''(ترجمہ مرزا طاہر ص ۱۰) بلکہ آپ چند سطروں بعد دیکھیں گے کہ مرزا البشیر الدین خود بھی''یوم آخر''کی تفسیر''یوم آخر''ہی کرتا ہے۔ [دوسری بات] کہتا ہے:''لفظ مؤمن بولنے سے فوراً ذہن میں اس شخص کا تصور آتا ہے جو آنحضرتؐ پر ایمان رکھنے والا ہو''(مرزائی تفسیر کبیر ج۱ ص ۱۵۹ کالم نمبر ا سطر ۱۵،۱۶) **اقول:** آپ ﷺ پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو اللہ کا نبی بھی مانے،اور اِس معنی میں آپ ﷺ کو آخری نبی مانے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصبِ نبوت نہیں مل سکتا۔اس لئے جو آپؐ کے بعد کسی کیلئے منصب نبوت کے ملنے کا قائل ہو وہ آپ ﷺ کا مصدق نہیں بلکہ وہ آپ کا مکذب ہے اور مرزائیوں کے دونوں گروہ مرزا غلام احمد قادیانی کو عیسیٰ علیہ السلام کا مقام دے کر،مرزے کے لئے منصبِ نبوت مان کر نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔اس لئے یہ دونوں گروہ اہل ایمان سے خارج ہیں۔ [تیسری بات] کہتا ہے''اس آیت میں صرف اللہ اور یوم آخر پر ایمان کا ذکر ہے کلام الٰہی اور انبیاء وغیرہما کا ذکر نہیں اس کی یہ وجہ ہے کہ ایمانیات کے سلسلہ کی پہلی کڑی خدا تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور آخری کڑی یوم آخر پر ایمان لانا ہے پس اختصار کے لئے صرف پہلی اور آخری کڑی کا ذکر کر دیا گیا(ایضاً ج۱ ص ۱۶۰) **اقول:** اسی طرح اس میں عقیدۂ ختم نبوت بھی آ گیا ہے اگرچہ یہاں اس کی تصریح نہیں کیونکہ جو شخص بھی نبی ﷺ پر ایمان لایا وہ آپ ﷺ کو آخری نبی سمجھ کر ہی ایمان لایا۔اور جو آپ ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا وہ مؤمن نہیں ہے۔ [چوتھی بات] کہتا ہے:''قرآن کریم نے سینکڑوں مسائل پر اختصار سے گفتگو کردی ہے مگر پھر بھی پہیلیوں کی صورت نہیں پیدا ہوئی،ہر شخص اپنی لیاقت کے مطابق اس کے مضامین کو سمجھتا ہے اور ایک عام اور سادہ زبان میں بیان کرنے والی کتاب اسے پاتا ہے کسی جگہ بھی ایسی عبارت اسے نظر نہیں آتی کہ جو پہیلیوں کی طرح کی ہو(ایضاً ص ۱۶۱ کالم نمبر ۱) **اقول:** مگر تم لوگوں کی تشریحات تو اس کو پہیلیاں ہی بنا دیتی ہیں مثلاً قرآن سے واضح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کا،ان کے معجزات کا،ان کے رفع کا ذکر ہے مگر تم لوگ جس طرح ان آیات کا ترجمہ وتفسیر کرتے ہو یہ آیات پہیلیاں ہی بن جاتی ہیں مثلاً سورۃ آل عمران آیت ۴۹،سورۃ المائدۃ آیت ۱۱۰ میں واقع''**مـن الطين**''کا ترجمہ مرزا البشیر الدین تفسیر صغیر طبع جدید ص ۷۰،۱۴۱،۲۰۴ میں کرتا ہے:''طینی خصلت والے''اس سے قرآن پہیلی کی طرح نہیں بنتا تو اور کیا ہے؟

**نوٹ:** جو مرزائی مترجم **من الطين** کا ترجمہ ایسا نہیں کرتے وہ اس کی شرح میں اس قسم کی تحریف کر دیتے ہیں(دیکھئے تفسیر بیان القرآن مرزائی ج۱ ص ۲۱۶ حاشیہ ۴۳۱ میں اور ترجمہ مرزا طاہر ص ۹۱ کا حاشیہ) [پانچویں بات] کہتا ہے:ایمان بالآخرۃ ایمان بالقرآن کو مستلزم ہے اور جو قرآن کریم پر ایمان لائے گا لازماً اسے محمد رسول اللہ پر بھی ایمان لانا ہوگا(مرزائی تفسیر کبیر ج۱ ص ۱۶۱ کالم نمبر ۲) **اقول:** اور جو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے گا وہ لامحالہ آپ ﷺ کو آخری نبی (باقی آگے)

شفاعت کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں جائیں گے تو آپ خود شفاعت فرمائیں گے کسی اور کی طرف نہ بھیجیں گے۔علاوہ ازیں چونکہ اکثر منافق یہودی تھے جو دل سے آپ ﷺ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے تھے اس لئے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے عدم ایمان بالرسول ﷺ کو چھپانے کیلئے ایمان بالرسول ﷺ کا ذکر نہ کیا (خازن ج۱ص۲۵) ان کے بارے میں: **و ما هم بمؤمنين** کہ وہ بالکل مومن نہیں س لئے فرمایا کہ یہود کا اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان بھی درست نہ تھا(۱)

﴿منافقین کی پہلی قباحت﴾

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ منافقین کی پہلی قباحت یہ ہے کہ وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں (معارف القرآن کاندھلویؒ ج۱ص۷۸) اس لئے **يُخَادِعُوْنَ** کا ترجمہ ہم نے کیا: ''وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں''، دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں (۲) چونکہ اللہ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا اس

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی مانے گا، کیونکہ آپؐ کی بعثت سے قبل آخری نبی کا انتظار ہو رہا تھا، جب آپؐ نے دعوائے نبوت کیا تو آپؐ آخری نبی ہی ہوئے۔یعنی اگر بالفرض آپ آخری نبی ہونے کا اعلان نہ کرتے تو محض آپ ﷺ کا دعوائے نبوت آپؐ کے آخری نبی ہونے کیلئے کافی تھا پھر آپ ﷺ نے جس زبان سے دعوائے نبوت کیا اسی زبان سے ختم نبوت کا دعویٰ بھی کیا اور جس طرح آپؐ سے نبوت کا دعویٰ قطعی تواتر سے منقول ہے اسی طرح ختم نبوت کا دعویٰ بھی قطعی تواتر سے منقول ہے (دیکھئے حضرت نانوتویؒ کے مکتوبات: قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم ص۴۳۰) اس لئے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے گا اس کے نزدیک مرزائی خواہ لاہوری ہوں یا قادیانی مرزا قادیانی کو عیسیٰ علیہ السلام کے منصب پر ماننے کی بنا پر نبی ﷺ کے مکذب ہی ٹھہریں گے۔ [چھٹی بات] کہتا ہے: ''ایک اور معنی بھی اس آیت کے ہوسکتے ہیں اور وہ یہ کہ اس جگہ منافقوں کا قول بیان کیا گیا نہ کہ اللہ تعالیٰ کا۔پس ہوسکتا ہے کہ منافق یہ الفاظ جان بوجھ کر کہتے ہوں......یہ اثر ڈالنا چاہتے ہوں کہ ہم تمام اسلامی عقیدوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن دل میں یہ خیال رکھتے ہوں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں اور یوم آخر کو بھی مانتے ہیں لیکن قرآن کریم اور اس کے لانے والے کو نہیں مانتے (تفسیر کبیر ج۱ص۱۶۲ کالم نمبر۱)

**اقول** مرزائیو! اسی طرح تم حدیث **انا خاتم النبيين لا نبي بعدي** لکھ کر یہ تاثر دیتے ہو کہ تم عقیدۂ ختم نبوت کے قائل ہو جبکہ تم مرزا قادیانی کو عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ مان کر ختم نبوت کے منکر ہو☆اسی طرح تم لوگ کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت سنا کر یہ تاثر دیتے ہو کہ تم حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہو جبکہ مرزا قادیانی کہتا ہے'' **محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم** '' اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی (روحانی خزائن ج۱۸ص۲۰۷) اور یہی کچھ مرزائی کہتے ہیں چنانچہ مرزے کا مرید پیر سراج الحق نعمانی کہتا ہے کہ ایک سجادہ نشین صوفی نے اسے لکھا کہ میرے پاس آؤ میں ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرادیتا ہوں پیر سراج الحق نے اس کا جواب لکھا کہ تم تو خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کرانے کے مدعی ہو ہم تو سر کی آنکھوں سے بلاناغہ پانچ وقت رسول اللہؐ کی زیارت کرتے ہیں جس میں کوئی شک وشبہ نہیں وہ اس طرح کہ ہمیں آپ کی [یعنی مرزا قادیانی علیہ ماعلیہ کی۔راقم] پانچ وقت نماز میں اور دوسرے وقتوں میں زیارت ہوتی ہے۔اس مرزائی نے یہ جواب مرزے کو بتا کر اس کی تصدیق چاہی تو مرزے نے کہا، ٹھیک ہے اور سچ ہے بے شک۔صاحبزادہ صاحب لکھ دو اور قطعی طور پر لکھ دو۔ <u>ہمارا وجود آنحضرت ﷺ کا وجود ہے اور خدا نے خود ہمیں رسول اللہ فرمایا ہے</u>۔(از تذکرۃ المہدی ص۳۰۷ پیر سراج الحق نعمانی مرزائی) [ساتویں بات] کہتا ہے: اگر اسلام جبر کا قائل ہوتا تو منافق کو اپنی جماعت کا جزو سمجھتا (از مرزائی تفسیر کبیر ج۱ص۱۶۳ کالم نمبر۱) **اقول** پھر تمہیں جہاد کے انکار کی کیا ضرورت ہوئی؟

۱) کیونکہ اکثر منافق یہودی تھے اور یہودی کا نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان درست تھا اور نہ آخرت پر، اللہ پر ان کا ایمان اس لئے درست نہ تھا کہ حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے نیز اور گستاخیاں بھی کرلیتے تھے مثلاً ایک مرتبہ کہنے لگے **اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ** [آل عمران:۱۸۱]، اور آخرت پر ایمان اس لئے درست نہ تھا کہ کہتے تھے جنت میں یہودی ہی جائیں گے یا یہ کہ یہودی صرف چند دن کیلئے دوزخ میں جائیں گے۔(دیکھئے بیان القرآن تھانویؒ ج۱ص۷ حاشیہ)

۲) مجد الدین فیروز آبادیؒ اور سید مرتضیٰ زبیدیؒ لکھتے ہیں:

(......**والمُخَادَعَةُ في الآيَةِ الكَرِيمَةِ ) وهُوَ قَوْلُهُ تعالى: يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ والَّذِيْنَ آمَنُوا وما يَخْدَعُوْنَ إلاَّ أنْفُسَهُمْ (إظْهَارُ غَيْرِ ما فِي النَّفْسِ وذلكَ أنَّهُمْ أبْطَنُوا الكُفْرَ وأظْهَرُوا الإيمانَ وإذا خَادَعُوا المُؤْمِنِينَ فقَدْ خادَعُوا اللّٰهَ ) ونَسَبَ ذلكَ إلَى اللّٰهِ تَعالَى مِنْ حَيْثُ انَّ مُعَامَلَةَ الرَّسُولِ** (باقی آگے)

اس لئے ایسی چالبازی سے منافق اپنی آخرت خراب کر کے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ ایک بلی ریتی کو چاٹنے لگی بلی کی زبان سے خون نکلا تو سمجھی اس ریتی سے خون نکلا ہے ریتی کا خون پینے کی نیت سے اسے اتنا چاٹا کہ زیادہ خون نکلنے سے مرگئی۔

**تنبیہ:** منافق اپنی سازشوں میں جونا کام ہوئے اور اسلام کو نقصان نہ دے سکے اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ نبی ﷺ ہر منافق کے چھپے کفر کو یا ان کی سب سازشوں کو جانتے تھے (ا) اس لئے کہ علم غیب اللہ ہی کی صفت ہے علاوہ ازیں قرآن کریم نے اس کی تصریح کی ہے کہ مدینہ منورہ میں اور اس کے گرد بعض منافق ایسے تھے جن کے نفاق کا نبی ﷺ کو علم نہیں (دیکھئے سورۃ التوبہ:۱۰۱)

**اشکال:** منافقوں کو اپنے اس نقصان کا احساس کیوں نہیں؟ **جواب:** اس کا جواب یہ ہے: **فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** (۲) کہ ان کے دلوں میں بیماری ہے، بیماری سے مراد کفر، نفاق، حسد سب کچھ ہوسکتا ہے۔ بداعمالیوں سے توبہ نہ کرنے کی وجہ سے اس میں اضافہ ہوا، مثلاً اگر ان کے دلوں میں کفر کی بیماری تھی تو ایمان کے جھوٹے اظہار سے وہ کفر نفاق بن گیا۔ اور اگر دلوں میں حسد یا نفاق تھا تو اسلام کی روز بروز ترقی دیکھ کر یہ حسد یا نفاق میں اور بڑھتے گئے۔ واللہ اعلم۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **كَمُعَامَلَتِهِ ولـذلكَ قال: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰه، وجَعَلَ ذٰلِكَ خِدَاعًا تَفْظِيعًا لِفِعْلِهِمْ وتَنْبِيهًا عَلَى عِظَمِ الرَّسُولِ وعِظَمِ أَوْلِيَائِه (وما يُخَادِعُونَ إِلاَّ أَنْفُسَهُمْ أَىْ ما تَحُلُّ عاقِبَةُ الخِدَاعِ إِلاّ بِهِم) قَرَأَ ابنُ كَثِيرٍ ونافِعٌ وأَبُو عَمْرٍو: ومَا يُخَادِعُونَ بالأَلِفِ وقَرَأَ أَبُو حَيْوَةَ "يَخْدَعُونَ اللّٰهَ والَّذِينَ آمَنُوا ومَا يَخْدَعُونَ "جَمِيعاً بِغَيْرِ أَلِفٍ عَلَى أَنَّ الفِعْلَ فِيهِمَا جَمِيعاً من الخَادِعِ. وفى اللِّسَان: جَازَ يُفَاعِلُ لِغَيْرِ الاثْنَيْنِ لأَنَّ هـذَا الـمِثَالَ يَقَعُ كَثِيرًا فى اللُّغَةِ لِلْوَاحِدِ نَحْو: عـاقَبْتُ اللِّصَّ وطارَقْتُ النَّعْلَ. وقَالَ الفَارِسِيّ: والعَرَبُ تَقُولُ: خَادَعْتُ فُلاناً إِذا كُنْتَ تَرُومُ خَدْعَه. وعلَى هذا يُوَجَّهُ قَوْلُه تعالٰى: "يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وهُوَ خَادِعُهُم "مَعْنَاهُ أَنَّهُمْ يُقَدِّرُونَ فى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُم يُخَادِعُونَ اللّٰهَ واللّٰهُ هُوَ الخَادِعُ لَهُمْ أَى المُجَازِى لَهُمْ جَزَاءَ خِدَاعِه** (تاج العروس ج۵ ص۳۱۴) کلیات ابی البقاء میں ہے: **يقال خادع اذا لم يبلغ مراده وخدع اذا بلغ مراده**

۱) **يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** کے تحت مفتی نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو اسرار کا علم عطا فرمایا ہے وہ منافقین کے اس چھپے کفر پر مطلع ہیں اور مسلمان ان کے اطلاع دینے سے باخبر تو ان بے دینوں کا فریب نہ خدا پر چلے نہ رسولؐ پر نہ مومنین پر (خزائن ص۵) **اقول:** حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ بخاری ج۲ ص۶۲۶، مسلم ج۲ ص۳۵ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۂ توبہ ہے...... اس میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی منافقت اور ریشہ دوانیوں کا علم نہ تھا...... اب فریق مخالف پر لازم ہے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی آیت قرآنی یا حدیث متواتر بتائے کہ آنحضرت ﷺ کو ان منافقوں کا نفاق اور ان کی منافقانہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا علم ہوگیا تھا (دیکھئے ازالۃ الریب ص۳۰۱ تا ص۳۰۴) اور ایسی کوئی آیت یا حدیثِ متواتر ان لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

☆ اسی آیت **يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: یا اللہ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ بہت سی جگہ اللہ سے رسول اللہ ﷺ مراد ہوتے ہیں...... تفسیر عزیزی۔ (نعیمی ج۱ ص۱۵۲) **اقول:** راجح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہاں مضاف محذوف ہے امام نسفیؒ فرماتے ہیں: **يخادعون الله اى رسول الله بحذف المضاف كقوله واسأل القرية** (مدارک التنزیل مع الخازن ج۱ ص۲۶)

۲) اس آیت کو نقل کر کے پنڈت دیانند سرسوتی لکھتا ہے: بھلا بلا قصور اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی رحم نہ آیا؟ ان بیچاروں کو بڑی تکلیف ہوئی ہوگی،...... کسی کے دل پر مہر لگانا کسی کی بیماری بڑھانا خدا کا کام نہیں ہوسکتا کیونکہ بیماری کا بڑھنا اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے (ستیارتھ پرکاش ص۶۹۷، ۶۹۸) مرزا بشیر الدین لکھتا ہے: ''اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا'' کے فقرہ سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کی بے ایمانی میں بڑھا دیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار ایسے نشانات دکھائے جن کے نتیجہ میں وہ مسلمانوں سے اور بھی ڈرنے لگے اور منافقت کرنے لگے (حاشیہ تفسیر صغیر ص۶) **اقول:** بیماری میں اضافہ چونکہ ان کے فعل بد کی سزا ہے اس لئے اللہ کی طرف اس کی نسبت ہو تو کوئی قباحت نہیں نہ وہ منافقت اختیار کرتے اور نہ اس منافقت پر اصرار کرتے، نہ ان کے کفر حسد اور نفاق میں اضافہ ہوتا۔ بہر حال روحانی بیماری (باقی آگے)

**منافقوں کا برا انجام:**

کفار اور منافقین کو ہونے والے عذاب **عظیم** بھی ہوں گے **الیم** یعنی دردناک بھی ہوں گے مگر کفار کے بارے میں فرمایا تھا: **وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** اور منافقین کے بارے میں فرمایا: **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** (۱) **بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ** (۲) فرق کی ایک حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کفار ایسے محروم ہوئے کہ ان کو ڈرانا نہ ڈرانا ایک برابر ہوا، اور توفیق سے یہ محرومی دنیا میں عذاب عظیم ہے اگرچہ کافر اسکو دنیا میں محسوس نہیں کرتا ہاں آخرت میں جو عذاب عظیم ہوگا اسے کافر خوب محسوس کرے گا۔ اور منافق دوغلہ پالیسی سے کام لینے کی وجہ سے دنیا میں بھی خود کو تکلیف میں پاتے ہیں نبی ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ظاہر و باطن سے ایک ہونے کی وجہ سے خود کو

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا بڑھنا گناہوں کا نتیجہ ہے اور اللہ کا گناہوں کی سزا دینا عین عدل ہے اور اس کو پنڈت خود بھی تسلیم کرتا ہے (دیکھئے ستیارتھ پرکاش ص ۲۳۳) رہا عقیدۂ تقدیر تو آیت "**ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم**" کے تحت اس کی وضاحت ہو چکی ہے اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ قبائح کے ارتکاب سے پاک ہے مگر قبائح کا خلق قبیح نہیں ویسے بھی برائی کی سزا اگرچہ عدل ہے مگر اس کیلئے مقابلۃً ویسا ہی لفظ بول دیا جاتا ہے جیسے فرمایا: **وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** (الشوریٰ: ۴۰)

۱) مرزا بشیر الدین محمود **ولھم عذاب الیم** کا ترجمہ کرتا ہے: اور انہیں ان کے جھوٹ بولنے کے سبب سے (ایک) دردناک عذاب پہنچ رہا ہے (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۷۲) اور انہیں ایک دردناک عذاب پہنچ رہا ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے (تفسیر صغیر ص ۶) **اقول:** خط کشیدہ سے آخرت کا انکار مفہوم ہوتا ہے اس لئے یہ ترجمہ درست نہیں۔

☆ نیز لکھتا ہے: "کافر اپنے دِل کا غبار نکال لیتا ہے لیکن منافق اندر ہی اندر کڑھتا رہتا ہے اس لئے منافقین کیلئے **عذاب الیم** فرمایا" (از کبیر ج ۱ ص ۱۷۴) **اقول:** [۱] اگر یہی وجہ ہو تو کافر کیلئے اول تو عذاب کوئی نہیں کیونکہ وہ اپنا غصہ نکال لیتا ہے، اور اگر ہو بھی تو عذاب الیم کے مقابلہ میں اس کے عذاب کو عذاب خفیف کہنا چاہئے نہ کہ عذاب عظیم [۲] اس عبارت سے یہ سمجھ آتا ہے کہ کفار و منافقین کو یہ عذاب دنیا میں پہنچتے ہیں جبکہ یہاں ان کو آخرت میں ہونے والے عذابوں کا ذکر ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ وجہ درست نہیں۔

۲) محمد علی لاہوری **بما کانوا یکذبون** کے تحت لکھتا ہے:

صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت دیکھو تو وہاں عمداً جھوٹ کا وجود بھی نہیں پایا جاتا یہاں تک کہ جو روایت صحابی تک پہنچ جائے اس پر جھوٹ کا احتمال بھی باقی نہیں رہتا (مرزائی بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵ حاشیہ ۲۳) **اقول:** بے شک سچے نبی ﷺ کے صحابہ ایسے ہی تھے مگر مرزائیوں کو ان سے کیا تعلق؟ مرزائیوں کو اپنے مرزا کے مریدوں کا حال بتانا چاہئے جنہیں وہ صحابہ کہتے ہیں کہ وہ کیسے تھے؟ سنئے نبوت کے جھوٹے مدعی مرزا مسیح کے مریدوں کی حالت یہ ہے کہ خود مرزائی ان کی روایات کو اسی طرح اس کی بیوی کی روایات کو معتبر نہیں مانتے۔ عبدالرحمٰن خادم بہت مشہور مرزائی مناظر ہے اس نے "مکمل تبلیغی پاکٹ بک" مرزے کی بیوی اور اس کے بیٹوں کی زندگی میں لکھی اس کی آخری تصحیح سے وہ ۱۹۵۲ء میں فارغ ہوا، اس وقت مرزے کا بیٹا مرزا بشیر الدین محمود، مرزا بشیر احمد ایم اے اور بہت سے مرزے کے مرید زندہ تھے۔ عبدالرحمٰن خادم مرزے کے بیٹے اور اس کے مرید بشیر الدین کی بیعت کئے ہوئے تھا اس نے اپنی کتاب کے ص ۷۴۴ تا ۷۴۲ میں اس کی خلافت کو ثابت کرنے کیلئے اس کو مرزا کی ایک پیشگوئی کا مصداق قرار دینے کی کوشش کی ہے مگر یہی خادم مرزے کی بیوی اور اس کے بیٹوں سمیت مرزے کے سب مریدوں اور مریدنیوں پر جن کو یہ صحابہ اور صحابیات مانتے ہیں بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

مخالفین احمدیت کے اکثر اعتراضات کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام [یعنی مسیح کالعدم علیہ ماعلیہ۔ راقم] کی کتب کی بجائے سیرت المہدی اور دیگر ایسی کتب پر ہوتی ہے جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام [یعنی مسیح کالعدم علیہ ماعلیہ۔ راقم] کی خود تحریر فرمودہ نہیں بلکہ دوسرے بزرگان واحباب کی بیان کردہ روایات ہیں [ارے وہ بزرگان کون ہیں ایک وہ جسے تو ام المومنین کہتا ہے دوسرے وہ جنہیں تو صحابہ کہتا ہے۔ راقم] ان اعتراضات کو بھی پاکٹ بک ہذا میں نہیں لیا گیا کیونکہ مستند صرف حضرت مسیح موعودؑ [یعنی مسیح کالعدم علیہ ماعلیہ۔ راقم] کی اپنی تحریرات ہیں ان کے علاوہ جس قدر روایات ہیں ان میں غلطی کا امکان ہے پس ہماری تمام بحث سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام [یعنی مسیح کالعدم علیہ ماعلیہ۔ راقم] کی اپنی تحریرات وکتب پر مبنی ہونی چاہئے (مکمل تبلیغی پاکٹ بک ص ج) مگر کیا کریں مرزے کی تحریرات بھی تو یہی لوگ چھاپتے ہیں جن کی روایات کو تو غیر معتبر کہہ رہا ہے بلکہ مرزے کی بعض کتب اس کے مرنے کے بعد انہی مریدوں نے شائع کی ہیں۔ جن کی روایات غیر معتبر ہیں ان کی شائع کردہ کتب کیونکر معتبر ہو گئیں؟

☆ بعض مرزائی تو مرزے سے بھی جان چھڑاتے ہیں کہتے ہیں بات ہو تو صرف قرآن سے، مرزے کی کتب تو چھوڑتے ہیں مرزے کو نہیں۔ رہتے کافر ہی ہیں۔

مطمئن سمجھتے تھے۔ ایمان لانے کے بعد مومنین کو حقیقی سکون ملا، منافق ایمان کے اظہار کے بعد تکلیف میں پڑ گئے ان کو کافروں سے بھی بنا کر رکھنی پڑتی ہے اور مومنین سے بھی پھر جیسے مومنین سے ان کو باتیں سننی پڑتی ہیں اپنے کفار لیڈروں سے بھی سننی پڑ جاتی ہیں یہ تو دنیا کا عذاب الیم ہے باقی آخرت میں ہونے والا عذاب الیم وہ الگ رہا۔ واللہ اعلم۔

☆ اَلِیْم کا ایک معنی کرتے ہیں مُؤْلِمْ دوسرے کو تکلیف دینے والا۔ اور اَلِیْم کا ایک معنی ہے مُؤْلَمْ دکھی، تکلیف میں مبتلا (بیضاوی مجتبائی ص۲۹، ابوالسعود ج۱ص۴۲، مفردات راغب ص۲۸) عذاب کے مُؤْلِم ہونے کا معنی تو واضح ہے کہ اس سے دوزخیوں کو تکلیف ہوگی، عذاب کے دکھی ہونے کا مطلب بھی یہ ہے کہ اس سے دوزخی کو سخت تکلیف ہوگی کیونکہ دوزخ کے داروغے اور دوسری خطرناک مخلوق سانپ بچھو وغیرہ جب خود پریشان ہوں گے تو غصے میں مجرم کے عذاب میں سختی کریں گے۔ جیسے کوئی شخص غصے میں ہو تو کہا جاتا ہے گھر سے لڑ کر آیا ہے۔

## ﴿منافقین کی دوسری قباحت﴾

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ منافقین کی دوسری قباحت یہ ہے کہ وہ اپنے باطنی مرض کی وجہ سے اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں کہ فساد کو صلاح اور صلاح کو فساد اور مرض کو صحت سمجھنے لگے ہیں (معارف القرآن ج۱ص۸۱) ارشادِ باری ہے: **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ (۱) قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ**۔(۱) منافقین کئی طرح سے فساد پھیلاتے تھے کبھی مسلمانوں کے راز فاش کر دیتے، کبھی کافروں کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کرتے کبھی

---

۱) اس آیت کے تحت مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے: منظم جماعتوں میں منافقوں کا گروہ ضروری ہوتا ہے...... جماعت احمدیہ چونکہ ایک منظم جماعت ہے اسے اس خطرے کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے منافقوں کا اس میں پایا جانا اس کی کمزوری کی علامت نہیں بلکہ اس کی تنظیم کا ثبوت ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ص۱۷۶ کالم نمبر۲) **اقول:** [۱] مرزائیو! تمہاری جماعت بھی ہوگی، منظم بھی ہوگی مگر ہو تم سب مرتد جیسے ہندوؤں کی جماعتیں، یہودیوں کی جماعتیں عیسائیوں کی جماعتیں۔ ویسے ہی تمہاری جماعت ہے [۲] مرزا بشیر الدین محمود کی اس عبارت میں منافقوں سے مراد لاہوری مرزائی ہیں، اس کی نظر میں وہ منافق ہیں مگر حقیقت میں لاہوری و قادیانی مرزائی دونوں گروہ کافر و مرتد ہیں۔

۲) اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتا ہے: اگر خود ساختہ تنظیم کی بجائے مسلم قوم کی صحیح معنی میں تنظیم کرتے تو یقیناً بہت کامیاب ہوتے اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں دیوبندی قادیانی وغیرہ کبھی کی فنا ہو کر اسلام میں داخل ہو چکی ہوتیں (تفسیر نعیمی ج۱ص۱۶۱)

**اقول:** [۱] اس عبارت میں اس نے دیوبندیوں کو قادیانیوں کے ساتھ جوڑ کو غیر مسلم قرار دیا ہے۔ ارے تم **عبد الدینار** ہو **عبد الدرهم** ہو، تیجہ ساتواں وغیرہ رسومات کی وجہ سے **ان الذين يأكلون اموال اليتامى ظلما** الخ [النساء:۱۰]، اور **تأكلون التراث اكلا لما** [الفجر:۱۹] کے مصداق ہو، تمہیں اسلام سے کیا ہمدردی تم مسلمانوں کی تنظیم کیا بناؤ گے؟ [۲] ۱۸۷۶ء، ۱۸۷۷ء شاہجہانپور میں اسلام اور کفر کا مقابلہ تھا، ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرف سے اہل اسلام کو مباحثہ کا چیلنج دیا گیا تھا، آپ دنیا کے نقشے میں دیکھ لیجئے شاہجہانپور سے بریلی اور بدایوں بہت قریب ہیں جبکہ دیوبند اور نانوتہ وہاں سے بہت دور، اور وہ مباحثے ہوئے بھی تحذیر الناس کے بعد ہیں، کیونکہ تحذیر الناس پہلی مرتبہ ۱۲۹۱ھ میں چھپی (مولانا محمد احسن نانوتویؒ ص۲۳۲) جبکہ شاہجہانپور کے مباحثے ۱۲۹۳ھ، ۱۲۹۴ھ کو ہوئے جیسا کہ میلہ خداشناسی کے ٹائٹل سے ظاہر ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ان مباحثوں میں حضرت نانوتویؒ کو منکر ختم نبوت کہنے والا کوئی شخص اسلام کی ترجمانی کیلئے نہیں پہنچا۔ جناب محمد ایوب قادری صاحب لکھتے ہیں:

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے میلہ خداشناسی میں دونوں سال شریک ہو کر عیسائیوں اور ہندوؤں کی سازش کو ناکام بنا دیا ایک بات یہاں خاص طور سے غور طلب ہے کہ ''میلہ خداشناسی شاہجہاں پور'' اعلان و اشتہار کے ساتھ دو سال منعقد ہوا اور اس میں ایک طرح سے مذہب اسلام کو چیلنج دیا گیا شاہجہاں پور سے بریلی اور بدایوں بالکل قریب اور متصل اضلاع ہیں مگر اس میلہ میں علمائے بدایوں اور بریلی کی کسی دلچسپی کا کوئی سراغ نہیں ملتا (مولانا محمد احسن نانوتویؒ مؤلفہ محمد ایوب قادری ایم اے ص۲۲۱، ۲۲۲)

اگر تم لوگ حضرت نانوتویؒ کو منکر ختم نبوت کہنے میں سچے ہوتے تو اسلام کی ترجمانی کیلئے وہاں ضرور جاتے ☆ کوئی تیجہ ہوتا کوئی عرس ہوتا تو بھاگے جاتے مگر وہاں تو ہندوؤں اور عیسائیوں سے مناظرہ تھا، اسلام کی ترجمانی کرنی تھی اور نبی کریم ﷺ کی جانبداری، ان کاموں سے تمہیں کیا مطلب؟ ان مباحثوں میں حضرت نانوتویؒ (باقی آگے)

ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے سامنے کافروں کے اعتراضات نقل کرتے یا خود اعتراض بنا کر بیان کر دیتے (۱) تا کہ مسلمان تذبذب کا شکار ہو جائیں کبھی غلط ارادے سے کوئی ذو معنی لفظ بول دیتے جیسے رَاعِنَا، کبھی نبی ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کرتے (التوبہ:۵۸) کبھی مہاجرین وانصار کو لڑانے کی کوشش کرتے کبھی کہتے مہاجرین پر خرچ نہ کرو (بخاری ج۲ص ۷۲۸) کبھی نبی ﷺ کی چاہت کے خلاف کافروں کو بچانے کی کوشش کرتے جیسے قبیلہ بنو قینقاع کو بچانے کیلئے عبداللہ ابن ابی نے کوشش کی (سیرۃ ابن ہشام ج۳ص ۵۳) کبھی ہنسی مذاق میں دین سے یا دینداروں سے استہزاء کرتے (التوبہ:۶۵) حضرت عائشہؓ پر تہمت بھی عبداللہ بن ابی نے لگائی تھی۔ اوران سب میں بالواسطہ یا بلاواسطہ نبی ﷺ کی مخالفت پائی جاتی تھی اور نبی ﷺ کی مخالفت سے بڑا کیا فساد ہوگا؟ مگر وہ کہتے ہم اصلاح کرنے والے ہیں کیونکہ ہماری سب سے صلح ہے اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فسادی ہیں کہ اللہ کے سچے نبی ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے سب مسلمانوں کی ترجمانی کی تمہاری حماقت ہے کہ اتنے بڑے آدمی کو کافر کہہ کر اس کی علمی وایمانی خدمات سے خود بھی محروم ہوتے ہو دوسروں کیلئے بھی مانع بنتے ہو۔ ﴿ایک اور انداز سے﴾ شاہجہانپور کے پہلے مباحثہ میں دوسرے دن طے ہوا کہ ہر فریق سے پانچ پانچ آدمی گفتگو کر سکیں گے تو پانچ آدمی مسلمانوں سے لئے گئے، پانچ عیسائیوں سے اور پانچ ہندوؤں سے۔ مگر ہندو کہنے لگے ہمارا ہر فرقہ جدا ہے ہر ایک فرقے میں سے پانچ پانچ آدمی چاہئیں چنانچہ اسی کے موافق قرار پایا (دیکھئے میلہ خداشناسی ص ۴۴) قابل غور بات یہ ہے اگر اس موقع پر اسلام کی ترجمانی کرنے کیلئے حضرت نانوتویؒ کا کوئی مخالف وہاں ہوتا تو یا وہ کہتا کہ یہ شخص مسلمان نہیں اور یا کہتا کہ اس کا اور فرقہ ہے ہمارا اور فرقہ ہے پانچ آدمی تم نے اس کے فرقے سے لئے ہیں پانچ ہمارے فرقے سے لئے جائیں مگر وہاں حضرت نانوتویؒ اوران کے رفقاء کے سوا اسلام کا کوئی نمائندہ نہ تھا، علاوہ ازیں حضرتؒ نے وہاں کسی فرقے کی ترجمانی نہ کی، آپ نے کفر کے مقابلہ میں خالص اسلام کی ترجمانی کی تھی کیونکہ حضرت نانوتویؒ کسی فرقے سے نہیں بلکہ اس الجماعۃ سے تعلق رکھتے تھے جس کے ساتھ رہنے کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا، جس کے چار اصول [اللہ جل شانہ کی محبت، نبی کریم ﷺ کی محبت، قرآن اور حدیث] ہر قسم کی فرقہ واریت سے پاک ہیں۔ اس کو ہم سورۃ الفاتحہ کے تحت ثابت کر چکے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی دعا سے استدلال:

مباحثہ کے موقع پر حضرت نانوتویؒ جو دعا کرتے اور کرواتے تھے وہ بھی بتاتی ہے کہ آپ وہاں نہایت صدق دل سے آنحضرت ﷺ کے جانبدار بن کر گئے تھے چنانچہ روئیداد میں لکھا ہے کہ "مولوی صاحب نے جب سے شاہجہانپور کا ارادہ کیا تھا جس سے ملتے تھے یا جس کو اہل دعا سمجھتے تھے استدعاءِ دعا کرتے تھے خود یہ کہتے تھے کہ ہر چند ہماری نیت اور ہمارے اعمال اسی قابل ہیں کہ ہم مجمع عام میں ذلیل وخوار ہوں مگر ہماری ذلت وخواری میں اس دین برحق کی ذلت اور اس رسول پاک کی ذلت متصور ہے جو تمام عالم کا سردار اور تمام انبیاء کا قافلہ سالار ہے اس لئے خود بھی یہی دعا کرتے تھے اور اوروں سے بھی دعا کراتے تھے کہ الٰہی ہماری وجہ سے اپنے دین اور اپنے حبیب پاک شہ لولاک کو ذلیل وخوار مت کر، اپنے دین اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت اور طفیل ہم کو عزت اور افتخار سے مشرف فرما (مباحثہ شاہجہانپور ص ۸۹) مفتی احمد یار خان وغیرہ بتائیں کہ انہوں نے کبھی اسلام کی ترجمانی کیلئے اس طرح دردِ دل سے دعا کی ہے؟

۲) مولانا کاندھلویؒ "**واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض**" کے تحت لکھتے ہیں: "یہی حال ملاحدہ اور زنادقہ کا ہے کہ آیات اور احادیث میں تاویلاتِ فاسدہ کر کے مسلمانوں کو فتنہ اور فساد میں ڈالتے ہیں اور بے عقلی سے اس فساد کو اصلاح سمجھتے ہیں (معارف القرآن ج۱ص ۸۳) نیز فرماتے ہیں: جو شخص شریعت کے الفاظ تو بحال رکھے مگر معنی ایسے بیان کرے جس سے اس کی حقیقت ہی بدل جائے ایسے شخص کو قرآن کی اصطلاح میں ملحد اور حدیث کی اصطلاح میں زندیق کہتے ہیں ایسا شخص دعوی تو اسلام کا کرتا ہے مگر دل میں کفر مضمر ہے آیات قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں تاویلات فاسدہ کرکے مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے...... (ایضاً ج۱ص ۸۰) امام مالک فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کے زمانہ میں جو منافق تھا وہ اس زمانہ میں زندیق ہے (تفسیر ابن کثیر [ج۱ص ۵۰]) یعنی زندیق وہ ہے جو منافقوں کی طرح دعوی تو اسلام کا کرے مگر دل میں کفر مضمر ہو (ایضاً ج۱ص ۸۱)

**اقول** جو لوگ تحقیق کے نام سے امت میں طے شدہ نظریات ومسائل میں شک پیدا کرتے ہیں یہ لوگ بہت خطرناک ہیں ان کی تحریر وتقریر تو اپنی جگہ ان کے قرب سے بھی بچنا چاہئے کیونکہ اگر دین میں شک پیدا ہو گیا تو قبر میں **نَبِیِّی مُحَمَّدٌ** ﷺ اور **دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ** کہنے کی توفیق سے محروم ہو جاؤ گے۔ والعیاذ باللہ۔

## ﴿منافقین کی تیسری قباحت﴾

منافقین سے مطالبہ تھا ''اٰمِنُوْا کَمَا (۱) اٰمَنَ النَّاسُ ''(۲) کہ صحابہؓ جیسا ایمان لاؤ تو کہتے کہ وہ تو معاذ اللہ بیوقوف ہیں اس لئے کہ ایمان لانے کے بعد سب رشتے دار اور دوست احباب چھوٹ جائیں تو ان کو کوئی پروانہیں۔ جہاد میں زخمی ہوتے ہیں شہید ہوتے ہیں کوئی پروانہیں یہ معاذ اللہ نری بیوقوفی ہے ''انؤمن

---

۱) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: تاریخ ابن عساکر میں ابن عباسؓ سے کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ کی تفسیر اس طرح منقول ہے: کَمَا آمَنَ اَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اور ان چار کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ایمان وہی معتبر ہے جو خلفائے راشدینؓ کے منہاج اور منوال پر ہو اور کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ کے لفظ سے اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور تصدیق اس قسم کی معتبر ہے جس قسم کی صحابہ کرام اور خلفاء راشدین نے تصدیق کی ورنہ جو شخص ملائکہ اور جنت وجہنم وغیرہ وغیرہ کی تصدیق اس معنی کے لحاظ سے نہ کرے کہ جس معنی سے صحابہ کرامؓ تصدیق کرتے تھے بلکہ اپنی ہوائے نفسانی اور شیطان قرین کے القاء کئے ہوئے معنی کے لحاظ سے کرے تو اصلاً معتبر نہیں ایسی تصدیق تکذیب کے مترادف ہے اور ایسا ایمان بلاشبہ کفر کے ہم معنی ہے (معارف القرآن ج۱ ص۸۳)

۲) مفتی نعیم الدین مرادآبادی آیت ۸ میں وَمِنَ النَّاس کے تحت لکھتے ہیں: من الناس فرمانے میں لطیف رمز یہ ہے کہ یہ گروہ بہتر صفات وانسانی کمالات سے ایسا عاری ہے کہ اس کا ذکر کسی وصف وخوبی کے ساتھ نہیں کیا جاتا، یوں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی آدمی ہیں۔ مسئلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل وکمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اس لئے قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے (خزائن العرفان ص۵ حاشیہ ۱۳) **اقول:** [۱] آیتِ کریمہ میں یا اس کے ترجمہ میں بشر کا لفظ نہیں۔ آیتِ کریمہ میں الناس کا لفظ ہے یعنی ان کو بشر نہیں انسان کہا گیا، جرأت ہے تو اُن کے انسان ہونے کی نفی کر بشر ہونے کی نفی کیوں کرتا ہے؟ اور اگر یہ کہیں کہ بشر اور انسان ہم معنی ہیں تو دوسری جگہ ''النـــــاس '' کو مدح کا کلمہ کیوں مانا ہے چنانچہ مفتی صاحب موصوف آیت نمبر ۱۰ میں کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ کے تحت لکھتے ہیں: یہاں الناس سے یا صحابہ کرام مراد ہیں یا مومنین کیونکہ خدا شناسی، فرمانبرداری وعاقبت اندیشی کی بدولت وہی انسان کہلانے کے مستحق ہیں (خزائن ص۶ ف۱۷) موصوف آیت نمبر ۱۰ کے تحت ہی لکھتے ہیں: مسئلہ: امنــوا کمــا آمـن النـاس سے ثابت ہوا کہ صالحین کا اتباع محمود ومطلوب ہے مسئلہ: یہ بھی ثابت ہوا کہ مذہب اہل سنت حق ہے کیونکہ اس میں صالحین کا اتباع ہے مسئلہ باقی تمام فرقے صالحین سے منحرف ہیں لہٰذا گمراہ ہیں (خزائن العرفان ص۶) **اقول:** مگر تیجہ کے نام سے وراثت سے بیوہ اور یتیم کا حق کھانے اور کھلانے والے کو صالحین سے کیسے کہا جائے؟

[۲] مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: انسانوں میں چند گروہ ہوئے ہیں ایک وہ جو دِل وزبان سے مومن ہوں ان کو مخلصین کہا جاتا ہے دوسرے وہ کہ جو ظاہر باطن کافر، ان کو مجاہر کہا جاتا ہے تیسرے وہ کہ جو دِل میں کافر اور زبان سے مومن ان کو منافق کہا جاتا ہے...... (تفسیر نعیمی ج۱ ص۱۴۹، ۱۵۰) [اقول: اس سے پتہ چلا کہ اگر کافر اور منافق انسان ہیں تو مخلص مومن بھی انسان ہیں لہٰذا یہ قطعاً باطل ہے کہ کسی کو بشر کہنے سے اس کے فضائل وکمالات کا پہلو نکلتا ہے۔ راقم] ☆ نیز لکھتے ہیں: الناس سے مراد یا تو جنس انسان ہیں تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تم آدمیوں کی طرح ایمان لاؤ جس سے معلوم ہوا کہ جو صحیح مومن نہ ہو وہ حقیقت میں آدمی ہی نہیں ...... یا اس سے خاص لوگ مراد ہیں ان خاص میں چند احتمال ہیں یا حضور ﷺ اور ان کے سارے جان نثار صحابہ یا ان منافقین کے دوسرے اہل وطن مخلصین یا ان کے اہل قرابت مومنین جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم تفسیر عزیزی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ یہاں الناس سے مراد ابوبکر، عمر، عثمان وعلی ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین (تفسیر نعیمی ج۱ ص۱۶۴)

**اقول:** یہاں بشر کا لفظ کیوں نہیں بولتا، لفظ دونوں جگہ الناس ہے وہاں اس کی تشریح میں بشر کہہ کر اسے بدنام کرتا ہے یہاں اس کی تشریح میں آدمی کہہ کر نیک نام کر رہا ہے بلکہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ اور آپ علیہ السلام کے صحابہؓ لے رہا ہے۔ راقم

[۳] قرآن میں کہیں بھی انبیاءؑ کو بشر کہنے کی بناء پر کافر نہیں کہا گیا بلکہ انبیاءؑ کی تکذیب کی بنا پر کافر کہا گیا وہ اس طرح کہ انبیاءؑ یکدم تو ظاہر نہ ہوجاتے تھے بلکہ وہ ایک لمبا زمانہ قوم میں رہتے تھے قوم کو پتہ ہوتا تھا کہ یہ ہم میں پیدا ہوئے ہیں ان کا خاندان کیسا ہے؟ ان کا اخلاق وکردار کیسا ہے؟ جب انبیاء نبوت کا دعویٰ کرتے تو کافر انبیاء کی نبوت کا انکار کرنے کیلئے بطورِ دلیل کہتے: ان انتم الا بشر مثلنا (ابراہیم:۱۰) ''تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو'' (کنز الایمان ص۳۷۱) اس وقت انبیاء علیہم السلام اپنے بشر (باقی آگے)

**كما آمن السفهاء**''(۱) اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ خود بیوقوف ہیں۔اس سے یہ بات سمجھ آئی کہ انسان اللہ والوں کی طرف جس عیب کی نسبت کرے وہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہونے کا انکار نہ کرتے بلکہ جواب میں فرماتے: **ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ** (ابراہیم:۱۱) ''ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے'' (کنزالایمان ص۳۷۱) الغرض، انبیاء کرامؑ کو بشر کہنے کی وجہ سے نہیں بلکہ نبوت کی نفی کی وجہ سے وہ لوگ کافر ہوئے چنانچہ ایک جگہ کفار کی ہلاکت کا سبب یہ بتایا کہ ان کے پاس انبیاءؑ تشریف لائے، معجزات دکھائے پھر کیا ہوا؟ **فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا** (التغابن:۶) تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے تو کافر ہوئے (کنزالایمان ص۸۰۷) یہاں بھی کفار انبیاءؑ کو بشر کہنے کی وجہ سے نہیں بلکہ انبیاءؑ کی نبوت کے انکار کی بنا پر کافر ہوئے چنانچہ مراد آبادی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں: یعنی انہوں نے بشر کے رسول ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی و نافہمی ہے پھر بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا اور پتھر کا خدا ہونا تسلیم کر لیا (خزائن العرفان ص۸۰۷)

اس کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے دو دعوے ہوتے تھے رسالت و بشریت۔ الحمدللہ ہم ان دونوں دعووں کو مان کر ان کی کامل تصدیق کرتے ہیں مسلمان جب کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ بشر تھے تو وہ خط کشیدہ الفاظ میں آپ کی نبوت کا اقرار پہلے کرتا ہے بشریت کا بعد میں۔ انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں کفار ان کی بشریت کو مانتے تھے نبوت کا انکار کرتے تھے، اور تم لوگ ان کی نبوت کو مان کر ان کی بشریت کا انکار کرتے ہو انبیاء علیہم السلام کی پوری تصدیق نہ اس زمانے کے کفار نے کی، نہ تم کرتے ہو۔ [۴] اگر انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے انکار سے کوئی کافر ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس کے اعلان کا حکم نہ دیتے جبکہ اللہ فرماتے ہیں: **قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد** [یاد رہے کہ یہ کلمات قرآن کریم میں دو جگہ ہیں سورۃ الکہف میں اور سورۃ حم السجدہ میں مولانا احمد رضا بریلوی سورۃ الکہف آیت ۱۱۰ میں اس کا ترجمہ کرتا ہے: تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (کنزالایمان ص۴۴۱) انہی کلمات کا ترجمہ سورۃ حم السجدہ آیت ۶ میں کرتا ہے: تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (کنزالایمان ص۶۹۰) قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق ہم نبی کریم ﷺ کیلئے بشریت مانتے ہیں مگر آپ کیلئے بشریت محضہ نہیں بلکہ بشریت مع النبوۃ مانتے ہیں۔

**تنبیہ:** مفتی احمد یار خان ایک جگہ لکھتے ہیں: حضور علیہ السلام کے ظاہری صفات کو مان لینا ایمان نہیں کہ وہ بشر تھے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، کھاتے پیتے تھے......حضور پاک کے چھپے ہوئے اوصاف کو ماننے کا نام ایمان ہے یعنی کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اس کے پیارے ہیں تخت و تاج والے ہیں شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ہیں ﷺ یہ اوصاف ظاہر میں محسوس نہیں اس لئے ان کو ماننا ہی ایمان بالغیب ہوگا۔ وہابیہ اور دیوبندیہ کا حضور علیہ السلام کی بشریت کے پیچھے پڑ جانا محض بے دینی ہے بلکہ ان کو مصطفیٰ ماننا رحمۃ للعالمین ماننا ایمان ہے (تفسیر نعیمی ج۱ص۱۱۵) **اقول:** [۱] تو نے خط کشیدہ الفاظ میں نبی ﷺ کو بشر مان لیا اس طرح تو بقول خود بشریت کے پیچھے پڑ کر خالص بے دین ہو چکا ہے دوسروں کو کیا دین سکھائے گا؟ [۲] نبی ﷺ کی کامل تصدیق کا نام ایمان ہے۔ سب جانتے ہیں کہ انسان کی پیدائش قطرے سے ہوتی ہے قرآن کریم نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک شخص کو پتہ نہیں کہ قرآن نے اس کی خبر دی وہ اس حقیقت کا انکار کرے تو جھوٹا ہے مگر کافر نہیں لیکن جس کو پتہ ہو کہ قرآن نے اس کی خبر دی پھر وہ اس کا انکار کرے تو یقیناً کافر ہے۔ کیونکہ انسان کا قطرے سے پیدا ہونا اگرچہ ویسے معلوم ہے مگر یہ بات کہ قرآن کی یہ خبر واقعی اللہ کی طرف سے ہے یہ نظری ہے اس کو ہم نبی ﷺ کے کہنے سے مانتے ہیں اسی کا نام ایمان ہے۔ [۳] انبیاء علیہم السلام کی بشریت تو قرآن میں منصوص ہے اس کا منکر تو کافر ہے ہی [کیونکہ ہم آپ ﷺ کو آنکھوں سے دیکھ کر بشر نہیں مانتے بلکہ منصوص ہونے کی وجہ سے آپؐ کیلئے نبوت کے ساتھ بشریت مانتے ہیں] مکہ مکرمہ، بیت اللہ، مسجد حرام جیسے مقدس مقامات آنکھوں سے نظر آتے ہیں مگر قاضی عیاض مالکیؒ ملا علی قاریؒ اور علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں جو شخص مکہ مکرمہ، بیت اللہ یا مسجد حرام کا انکار کرے وہ بھی کافر ہے کیونکہ ان کا انکار اس چیز کا انکار ہے جو کتاب و سنت اور اجماع میں منصوص علیہ ہیں (دیکھئے شرح شفا ج۲ص۵۱۴) مزید تفصیل کیلئے دیکھئے راقم کی کتاب حق الیقین بان سیدنا محمد ﷺ آخر النبیین ج۲ص۳۸۷تا۳۹۲

۱) مفتی نعیم الدین صاحب **کما آمن السفھاء** کے تحت لکھتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ صالحین کو برا کہنا اہل باطل کا طریقہ ہے آج کل کے باطل فرقے بھی پچھلے بزرگوں کو برا کہتے ہیں روافض خلفاء راشدین اور بہت صحابہ کو، خوارج حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو غیر مقلدین ائمہ مجتہدین بالخصوص امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو، وہابی بکثرت اولیاء و مقبولان بارگاہ کو مرزائی انبیاء سابقین تک کو، قرآنی (چکڑالوی) صحابہ و محدثین کو نیچری تمام اکابر دین کو برا کہتے اور زبان طعن دراز (باقی آگے)

عیب خود اس میں آجائے گا۔ جنہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیوقوف کہا وہ اس قول کی وجہ سے بے وقوف ٹھہرے تو اگر کوئی صحابہؓ کو بے نماز کہے اس کی اپنی نمازیں خراب ہوں گی اور اگر کوئی صحابہؓ کو کافر کہے تو خود اسلام سے خارج ہوجائے گا۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: منافقین کا مخلصین کو دیوانہ اور سفیہ کہنا بھی اُن [مخلص مسلمانوں کے] کے عقلمند اور سمجھدار ہونے کی دلیل ہے۔ **وَاِذَا اَتَتْکَ مَذَمَّتِیْ مِنْ نَاقِصٍ فَھِیَ الشَّھَادَۃُ لِیْ بِاَنِّیْ کَامِلٌ** ناقص العقل کا میری مذمت کرنا یہی میرے کامل العقل ہونے کی شہادت ہے (معارف القرآن ج ۱ ص ۸۴)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرتے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ سب گمراہی میں ہیں (خزائن العرفان ص ۶) **اقول** جو لوگ عملی طور پر ان کاموں کو مدارِ نجات بتاتے ہیں جو صحابہؓ وتابعینؒ بلکہ خود مولانا احمد رضا خان صاحب اور مفتی نعیم الدین مراد آبادی نے نہ کئے مثلاً بارہ ربیع الاول کا جلوس اور اس دن کیک کا ٹنا کہ یہ کام مفتی نعیم الدین کے زمانے تک نہ تھے ان کاموں کو مدار نجات کہنے والے سلف صالحین سے تو بدگمان ہیں ہی مولانا احمد رضا خان اور مفتی نعیم الدین صاحب سے بھی حسن ظن نہیں رکھتے مفتی نعیم الدین صاحب نے ایسے لوگوں کا ذکر کیوں نہ کیا؟ کیا عملی طور پر مولانا احمد رضا خان صاحب اور مفتی نعیم الدین صاحب سے بدگمان رہنے والے یہ لوگ گمراہی میں نہیں؟

☆ **کَمَا اٰمَنَ السُّفَھَاۗءُ** کے تحت مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں: دیوبندی تمام زمانے کے اولیاء مقبولین بارگاہ علماء کرام کو مشرک اور کافر جانتے ہیں کیونکہ میلاد شریف کرنا حضور ﷺ کی تعریفیں کرنا ہی شرک ٹھہرا تو اس صورت میں کوئی عالم اور ولی شرک سے نہ بچا (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۱۶۷) **اقول** [۱] اولیاءِ مقبولین تو اپنی جگہ دیوبندی تو کسی عام مسلمان کو مشرک، کافر نہیں کہتے پھر یہ نرا بہتان ہے کہ دیوبندی نبی کریم ﷺ کی تعریف نہیں کرتے آپ کو اللہ کا رسول اور آخری نبی ماننا بھی تو آپ ﷺ کی تعریف ہی ہے۔ [۲] حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جس منفرد انداز میں نبی ﷺ کی شان کو بیان کیا، اُس کی ایک جھلک آپ کو کتاب ''حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت'' میں ملے گی زیادہ نہیں تو اُس کتاب کے صفحہ ۳۳۸ تا صفحہ ۳۵۵ میں دیئے ہوئے حضرت نانوتویؒ کے اشعار پڑھیے پھر ان کا موازنہ مولانا احمد رضا کے اشعار سے کیجئے اور دیکھئے کہ کس کے اشعار میں نبی ﷺ کی عظمت کو زیادہ بیان کرنے کوشش کی گئی ہے اور کونسا شاعر اپنے عجز وانکساری کا اظہار زیادہ کر رہا ہے؟ [۳] بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ماں باپ، بڑے بہن بھائی وغیرہ خوشی کرتے ہیں چھوٹے تو اپنے بڑوں کی پیدائش پر خوشی نہیں مناتے چھوٹے تو پیدا ہی بعد میں ہوتے ہیں پیدائش کے موقع پر خوشی کرنا بڑوں کا کام ہے، ہم جشن میلاد کے نام سے اس لئے خوشی نہیں مناتے کہ اس طرح کہیں خود کو بڑا ماننا لازم نہ آجائے۔ اور خود کو آقا سے بڑا ماننا یقیناً بہت بڑی گستاخی ہے [۴] جشن میلاد کرنے والے اگر خود کو نبی ﷺ سے بڑا نہیں سمجھتے اور یقیناً نہیں سمجھتے تو اپنے پروگراموں کو جشن میلاد کا نام دے کر جھوٹ تو نہ بولیں [۵] پیدائش پر خوشی بھی ہمیشہ نہیں منائی جاتی جب بچہ کچھ بڑا ہوتا ہے تو اس کی تعلیم کا فکر کیا جاتا ہے پھر شادی کی جاتی ہے بیمار ہو تو علاج کی فکر کرتے ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ کو منصب نبوت مل چکا تو ہمیں آپؐ پر ایمان لانے اور آپ کی کامل اتباع کا فکر ہونا چاہیے نہ یہ کہ آپ کی منشا کے خلاف میلاد منائیں؟ [۵] اب اگلی بات سنئے اگر تو دین من مرضی کرنے کا نام ہے تو جو چاہو کرو، اور اگر دین آپ ﷺ کی اطاعت کا نام ہے تو ربیع الاول کو جلوس نکالنا، جھنڈیاں لگانا، پہاڑیاں بنانا، گلیاں اور مکان سجانے اور کیک کاٹنے کی رسم کو نبی ﷺ کے قول یا فعل سے دکھاؤ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تمہیں نبی ﷺ کے دیئے ہوئے احکام سے غرض نہیں تمہیں اپنے پیٹ سے مطلب ہے شریعت کا حکم ہے ترکہ کی تقسیم کرو، تم نے اس سے تیجہ نکال لیا (دیکھئے خزائن العرفان ص ۱۱۵)

<u>مفتی احمد یار خان کی ایک اور عبارت:</u> **ختم اللّٰہ علی قلوبھم** کے تحت لکھتے ہیں: روافض سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں حد سے بڑھ کر ایمان سے نکل گئے، اور انبیاء کرام کی گستاخی کرنے والے دیوبندی اسلام سے خارج ہوگئے مگر ان روافض سے یہ دیوبندی سخت کافر ہیں کیونکہ دشمنی انبیاء کی وجہ سے کافر ہوئے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۱۴۷)

**اقول** [۱] حضرت نانوتویؒ اسلام کی ترجمانی کیلئے اپنے تلامذہ کے ساتھ بہت دور سے شاہجہانپور گئے بریلی اور بدایوں قریب ہیں تم لوگ وہاں کیوں نہ گئے؟ کیا ہندوؤں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی ترجمانی کرنا دشمنیٔ انبیاء ہے۔ چلو وہ وقت تو چلا گیا جس طرح حضرت نانوتویؒ نے نبوت وختم نبوت کا اثبات کیا تم کر کے دکھاؤ، مباحثہ شاہجہانپور جیسی تحریر لکھ کر دکھاؤ [۲] ردِ مرزائیت میں جس قسم کی کتب دیوبندیوں نے لکھی ہیں تم اپنے مسلک میں دکھادو۔ **حق الیقین بان سیدنا محمداً ﷺ آخر النبیین**، آیاتِ ختم نبوت، دروسِ ختم نبوت، حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت، تو شاید تم کو بڑی لگیں، ارے تم بریلویوں سے ختم نبوت کے بارے میں گلدستہ ختم نبوت اور حیات عیسیٰؑ کے بارے میں الکلام الفصیح جیسی کتاب دکھاؤ۔ یا ان کتب کا رد کر کے مرزائیوں کے ترجمان بنو۔ حاصل یہ کہ تم خود اسلام کیلئے کرتے کچھ نہیں، کرنے والوں کو (باقی آگے)

## ﴿منافقین کی چوتھی قباحت﴾

منافق جب ایمان والوں سے ملتے تو نرم سے الفاظ میں کہتے ہم ایمان لائے اور جب اپنے سرغنوں سے تنہائی میں ملتے تو ان کو تعاون کی یقین دہانی کراتے اور کہتے ہم تو مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا: وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا (۱) وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ (۲) قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (۳) اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پریشان کرتے ہو، ان کو بدنام کرتے ہو [۳] اگر توحید کو کھول کر بیان کرنا تمہارے ہاں انبیاءؑ سے دشمنی ہے تو پہلے حضرت صدیقؓ پر فتویٰ لگاؤ جنہوں نے کہا تھا: أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ (بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

۱) شان نزول: علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: یہ آیت عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی وہ لوگ حضرت صدیقؓ سے ملے تو عبداللہ بن ابی نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور کہنے لگا مرحبا بالصدیق پھر ان کی تعریفیں کیں پھر حضرت عمرؓ سے کہنے لگا مرحبا بالفاروق پھر حضرت علیؓ کی تعریفیں کیں اور منافقوں سے کہنے لگا جب ان کو ملو تو اسی طرح کیا کرو [لیکن اندر سے پکے کافر تھے] ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ مگر اس کی سند نہایت کمزور ہے (لباب النقول مع تفسیر الجلالین ص ۶، ۷)

۲) مرزا بشیر الدین محمود کہتا ہے: اس آیت میں شیاطین سے مراد کفار اور منافقین کے سردار ہیں...... مسیحی معترضین مرقس باب ۸ آیت ۳۳ ملاحظہ کریں "پر اس نے پھر کے اور اپنے شاگردوں پر نگاہ کر کے پطرس پر جھنجھلایا اور کہا اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو جا"۔ اسی طرح متی باب ۲۳ آیت ۳۳ ملاحظہ ہو جہاں مسیح نے اپنے مخالف فقیہوں اور فریسیوں کو کہا ہے "اے سانپو! اور اے سانپ کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے"۔ نیز متی باب ۳ آیت ۷ بھی ملاحظہ ہو جہاں لکھا ہے "پر جب اس نے دیکھا کہ بہت سے فریسی اور صدوقی بپتسمہ پانے والوں کو اُس پاس آئے ہیں تو انہیں کہا کہ اے سانپوں کے بچو! تمہیں آنے والے غضب سے بھاگنا کس نے سکھلایا"۔ انجیل میں ان حوالوں کی موجودگی کے باوجود مسیحیوں کا شیطان کے لفظ پر اعتراض کرنا جو گالی کے طور پر نہیں بلکہ محض ایک حقیقت کے اظہار کے لئے عربی محاورہ کے مطابق استعمال ہوا ہے سخت تعجب انگیز ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۸۲) **اقول** مگر قرآن کا یہ دفاع ان کو نجات نہ دلائے گا کیونکہ یہ لوگ قرآن وحدیث کے منکر ہیں، انبیاءؑ بالخصوص عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن ہیں ان کو مارنا اپنی زندگی کا مقصد بتاتے ہیں۔ مرزا کہتا ہے: اصل میں ہمارا وجود دو باتوں کیلئے ہے ایک تو ایک نبی کو مارنے کے لئے دوسرا شیطان کو مارنے کیلئے (ملفوظات ۵ ص ۳۹۸ حاشیہ) باقی بائبل میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جو ایسے جملے منسوب کئے ہیں ان کے ذمہ دار عیسائی ہیں ایک مسلمان کیلئے ان کی تصدیق مشکل ہے۔

۳) محمد علی لاہوری **اللّٰه يستهزئ بهم** کا ترجمہ کرتا ہے اللہ ان کو ذلیل کرے گا (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۶) حاشیہ میں لکھتا ہے: ایک ہی لفظ کے اللہ تعالیٰ اور انسان پر بولنے کے مفہوم میں فرق: اب یہ ایک اصول کے طور پر یاد رکھنا چاہئے کہ جب کسی فعل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہوتا ہے تو وہی لفظ بولا جاتا ہے جو انسان کیلئے مگر یہ فرق ہمیشہ ہوتا ہے کہ انسان چونکہ ہر فعل میں آلوں اور ذریعوں کا محتاج ہے اور خدا نہیں اس لئے اس لفظ میں جو آلہ یا ذریعہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہوتا صرف فعل کی آخری غرض مقصود ہوتی ہے [مگر وما صلبوہ میں تو ایسا نہیں وہ تو بندوں کا فعل ہے۔ راقم] مثلاً انسان دیکھتا ہے تو آنکھ اور روشنی کا محتاج ہوتا ہے مگر جب کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے تو آنکھ اور روشنی جو ذریعہ انسان کے دیکھنے کا ہیں وہ مراد نہیں ہوں گے صرف جو غرض دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے وہ مراد ہوگی ایسا ہی انسان سننے میں کان اور ہوا کا محتاج ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سننے میں یہ ذریعہ مفقود ہوگا اور اصل غرض جو سننے سے حاصل ہوتی ہے وہ مراد ہوگی ایسا ہی انسان کا رحم یا غضب اس کے قلب پر خاص حالت کے وارد ہونے کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے مگر خدا کا رحم اور غضب صرف نتیجہ کا نام ہے۔ اللہ کا استہزاء: یہی صورت استھزاء کے متعلق ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تو ہنسنا جو ذریعہ تھا وہ مفقود ہو گیا اور ذلیل ہونا جو غرض تھی وہ باقی رہ گئی پس اللہ تعالیٰ کا استہزاء صرف ذلیل کرنے کا نام ہے نہ ہنسنے کا (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۶، ۱۷ حاشیہ ۲۷) **اقول** آخرت میں ذلت منافقین و کفار دونوں کیلئے بھی ہوگی ارشاد فرمایا: **انک من تدخل النار فقد اخزيته** (آل عمران: ۱۹۲) **ومن يهن اللّٰه فما له من مكرم** (الحج: ۱۸) منافقین کے استہزاء کے مقابلہ میں جو استہزاء کا ذکر کیا تو اس سے استہزاء کی خاص سزا مراد ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ قیامت کے دن ان کیلئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا جب وہ اس دروازے تک پہنچیں گے تو وہ دروازہ فوراً بند کر دیا جائے گا اور ان کو آگ میں دھکیل دیا جائے گا (معارف القرآن کاندھلویؒ ج ۱ ص ۸۶) حضرت تھانویؒ کی کسی (باقی آگے)

نعمتیں دیتا ہے جس سے ان کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ گناہوں میں ترقی کرتے ہیں اور جب موت آئے گی تو ہمیشہ کیلئے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے اس لئے فرمایا **وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۔عَمَه** دل کی بینائی کے ضائع ہونے کو کہتے ہیں (معارف القرآن ج ۱ ص ۸۶) اور ایک معنی یہ ہے کہ اللہ ان کے استہزاء کا بدلہ دے گا اور بدلے پر ویسا لفظ بول دیا گیا ارشاد فرمایا **جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا** (الشوری: ۴۰) قیامت کے دن جب یہ مومنین سے کہیں گے کہ ہمیں بھی ساتھ لے کر چلو اس وقت منافقین سے کہا جائے گا **ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا** (الحدید: ۱۳) مطلب یہ ہوگا کہ نور تو دنیا میں ایمان لانے سے ملتا ہے منافق سمجھیں گے کہ پیچھے کہیں نور مل رہا ہے جونہی پیچھے پلٹیں گے درمیان میں دیوار حائل کر دی جائے گی اور منافق ہمیشہ کیلئے دوزخ میں گرا دیئے جائیں گے۔

منافقین کے قابل استہزاء ہونے کی وجہ:

اس کے بعد منافقین کے قابل استہزاء ہونے کی وجہ بیان فرمائی: "**أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ**" کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے نہایت خوشی اور رغبت سے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خریدا، کیونکہ **اشتراء** خوشی اور رضامندی سے خریدنے کو کہتے ہیں (معارف القرآن کاندھلویؒ ج ۱ ص ۸۶) وہ اس طرح کہ نبی ﷺ کی تشریف آوری کے بعد ان کیلئے ہدایت حاصل کرنا انتہائی آسان تھا مگر انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو کفر کیلئے استعمال کیا جس کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں ان کو خسارہ اٹھانا پڑا۔

﴿مثالوں سے منافقین کی حالت کا بیان﴾

حق جل شانہ جب منافقین کے قبائح بیان کر چکے تو مزید ایضاح کیلئے دو مثالیں بیان کرتے ہیں تا کہ اچھی طرح ان کی سفاہت اور بے وقوفی واضح ہو جائے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں پڑھا کہ مسلمانوں سے استہزاء کرنے والوں کو جنت کا دروازہ کھول کر بلایا جائے گا قریب جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر دروازہ کھول کر بلایا جائے گا پھر ایسے ہی ہوگا بار بار ایسا ہونے سے وہ اتنے مایوس ہو جائیں گے کہ دروازہ کھلا دیکھ کر بھی آگے نہ ہوں گے۔ والعیاذ باللہ۔ اس لئے جنہوں نے اس کا ترجمہ کیا کہ اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے وہ بھی درست ہے خود محمد علی لاہوری چند سطروں کے بعد لکھتا ہے: ابن جریر کہتے ہیں جب ایک فقرہ جواب کے طور پر ہو تو اس سے مراد فی الواقع وہ فعل نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کے کسی فعل کی سزا ہوتی ہے خود قرآن شریف سے اس کی مثالیں ہیں **جزاؤ سیئة سیئة مثلها** (الشوریٰ ۴۲: ۴۰) حالانکہ سزا فی الواقع بدی نہیں **فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم** (۱۹۴) [سورۃ البقرۃ ۲۔ راقم] حالانکہ دوسرے اعتداء سے مراد صرف سزا ہے (بیان القرآن مرزائی ص ۷ احاشیہ ۲۷)

☆ مولانا احمد رضا بریلوی "**اللّٰہ یستهزئ بهم**" کا ترجمہ کرتے ہیں: اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) مفتی نعیم الدین مراد آبادی حاشیہ میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ استہزاء اور تمام عیوب سے پاک ہے یہاں جزاءِ استہزاء کو استہزاء فرمایا گیا الخ (کنز الایمان مع خزائن العرفان ص ۶، ۷) **اقول** حضرت شاہ رفیع الدینؒ "**ومکروا ومکر اللّٰہ**" کا ترجمہ کرتے ہیں: "اور مکر کیا انہوں نے اور مکر کیا اللہ نے" اس پر اعتراض کرنے کے بجائے اس کی بھی ایسی توجیہ کر لینی چاہیئے۔

☆ مفتی احمد یار خان آیت "**اللّٰہ یستهزئ بهم**" کے تحت لکھتے ہیں: آریوں نے لفظ استہزاء سے ایسے ہی دھوکا دیا جیسے دیوبندی وغیرہ لفظ بشر سے دھوکا دیتے ہیں فافہم (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۱۷۶) **اقول** [۱] آریوں نے قرآن کے خلاف بات کہی اور دیوبندی قرآن کی بات کرتے ہیں قرآن نے انبیاء علیہم السلام کو بشر کہا مگر تو انکار کرتا ہے اب بتا کہ آریہ کا کردار دیوبندی ادا کر رہے ہیں یا آریہ کا کردار مفتی احمد یار خان ادا کر رہا ہے؟ [۲] ابھی مفتی نعیم الدین صاحب کے حوالہ سے گزرا کہ آیت کریمہ میں جزاءِ استہزاء کو استہزاء فرمایا گیا ہے انبیاءِ کرام کا بشر ہونا تو ایسا ہرگز نہیں آپ ﷺ کے خاندان کے سب افراد بشر تھے آپ ﷺ بھی اپنے خاندان کے ایک فرد تھے، آپ ﷺ نبوت ملنے پہلے بشر تھے نبوت ملنے کے بعد بشریت سے نکل تو نہیں گئے۔ بلکہ آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد خود کو بشر کہا، اور اللہ نے اس کے اعلان کا حکم دیا، اس کے باوجود نبی ﷺ کو بشر ماننا معاذ اللہ تعالیٰ دھوکہ ہے تو یہ دھوکہ بہت اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ مگر یہ دھوکہ نہیں عین حقیقت ہے جو اسے دھوکہ کہے اسے اپنے کہے کا حساب دینا ہوگا۔ [۳] آریوں کے نزدیک انسان اس جنم میں گذشتہ جنم کے اعمال کا بدلہ پاتا ہے ان کے نظریہ کے مطابق اگر کوئی کفر در کفر کر کے کہے تو کہے کہ انبیاء علیہم السلام سے معاذ اللہ سابقہ جنم میں کوئی کوتاہی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ان کو اس جنم میں بشر بنا دیا جس طرح منافقین سے استہزاء ان کے گناہ کا بدلہ ہے۔ اب بتا کہ بشر کو استہزاء کے ساتھ ملا کر تو نے آریہ کا کردار اپنایا یا نہیں؟

پہلی مثال ان منافقوں کی ہے(۱) جو نفاق میں پکے ہیں ایمان کی طرف اُن کو رغبت نہیں مثال یوں کہ ایک آدمی نے اندھیرے میں آگ لگائی آگ کی وجہ سے ہر طرف روشنی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ ان کے نور کو لے گیا اور وہ اندھیرے میں رہ گئے۔ نور کو لے جانے کی صورت یا تو یہ ہے کہ جب آگ روشن ہوگئی ان لوگوں کی آنکھوں کا نور یعنی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی آگ جل رہی ہے مگر اس نابینے کو کچھ نظر نہیں آتا اور یا یہ صورت ہے کہ آگ جل گئی آگ کے جلنے سے روشنی ہوگئی پھر آگ بجھ گئی۔

منافقین پر یہ مثال دو طرح فٹ ہوتی ہے ایک تو اس طرح کہ لوگ کفر کے اندھیرے میں تھے اللہ نے وحی کے ساتھ ایمان کی روشنی کو بھیجا لوگوں کو جنت کا راستہ نظر آنے لگا مگر ان بے ایمانوں سے توفیق چھن گئی اور یہ اندھیرے میں رہ گئے۔ اس کو یوں فرمایا: **فَلَمَّآ اَضَآءَتْ (۲) مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ (۳)** پھر کیا ہوا؟ ان میں قبولیت کی صلاحیت ہی نہ رہی۔ نہ وعدے یا وعید کو سن کر مانیں، نہ نبی ﷺ کے معجزات اور مسلمانوں کی فتوحات کو دیکھ کر سمجھیں اور نہ ان زبانوں

---

۱) تفسیر تدبر القرآن ج۱ص۱۲۷، اور تفسیر جواہر القرآن ج۱ص۲۴ میں ہے کہ پہلی مثال کافروں کی جن کو ڈرانا نہ ڈرانا برابر دوسری منافقین کی ہے جو ڈھلمل یقین رہتے ہیں کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ مولانا عبدالشکور ترمذیؒ فرماتے ہیں: جمہور مفسرین نے **مَثَلُهُمْ** سے آخر رکوع تک منافقین کی دو مثالیں قرار دی ہیں اب ان میں سے ایک مثال کو علانیہ کافروں کیلئے قرار دینا محض تفرد اور جمہور مفسرین کی رائے کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل اصلاح ہے۔ (ہدایۃ الحیران ص۱۳۱ طبع ۱۹۹۶ء) **اقول** کفار کیلئے اس قسم کی مثالیں اور جگہ موجود ہیں ایک جگہ فرمایا: **وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ** (البقرۃ:۱۷۱) اس میں کفار کو **صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ** کہا گیا، نیز فرمایا: **اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ** (النمل:۸۰، الروم:۵۲) اس میں کفار کو موتی بھی کہا گیا اور صم بھی۔ ایک جگہ فرمایا: **وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّبُکْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ کُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا** (الاسراء:۹۷) اس میں بتایا گیا کہ جو دِل کے اندھے بہرے گونگے ہوں گے ان کا قیامت کے دِن جب حشر ہوگا تو ظاہری طور پر بھی اندھے بہرے گونگے ہوں گے۔ منافق بھی چونکہ دِل سے کافر ہیں اسلئے ان کا انجام بھی ایسا ہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۲) **اَضَآءَتْ** مشتق ہے **ضَوْء** یا **ضِیَاء** سے، **ضِیَاء** اس روشنی کو کہتے ہیں جو نور سے منتشر ہو چونکہ نور اصل مبدأ، ضیاء اس کے تابع اس لئے حق تعالیٰ پر ضوء کا اطلاق جائز نہیں، بعض علماء یہ فرق کرتے ہیں کہ جس روشنی میں حرارت ہو اس کو ضیاء کہتے ہیں۔ اس مقام پر **ذهب اللّٰه بنورهم** فرمایا: **ذهب اللّٰه بضوئهم** نہ فرمایا کیونکہ مقصد یہ ہے کہ نور ان سے بالکلیہ زائل ہوگیا اگر **ذهب اللّٰه بضوئهم** کہا جاتا تو یہ معنی ہوتے کہ اللہ نے ان کی ضیاء یعنی نور کی شدت اور اس کے انتشار کو زائل کر دیا اور اصل نور رہ گیا اور یہ معنی مقصود کے خلاف ہیں (از معارف القرآن کاندھلویؒ ج۱ص۹۰)

۳) (اشکال) **الذی** اسم موصول برائے واحد ہے اسی طرح **استوقد** واحد کا صیغہ ہے **حوله** کے ساتھ ضمیر مجرور بھی واحد کیلئے تو **بنورهم** میں جمع کی ضمیر کیوں لائے؟ نیز دوسری تفسیر کے مطابق آگ جلانے والے تو بہت سے لوگ ہیں ان کیلئے **الذی** اسم موصول برائے واحد کیوں لایا گیا؟ (جواب) جیسے **مَنْ** اسم موصول لفظاً واحد ہے کبھی زیادہ کیلئے بھی آجاتا ہے جیسے: **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ**۔ اس میں **یَقُوْلُ** واحد کا صیغہ ہے لیکن اس کے بعد **هُمْ** ضمیر جمع کی لائی گئی۔ **اَلَّذِیْ** کا استعمال بھی کبھی ایک اور ایک سے زیادہ کیلئے آجاتا ہے اس آیت میں پہلی دو ضمیریں **اَلَّذِیْ** کے لفظ کی مناسبت سے واحد لائی گئیں اور بعد میں تین ضمیریں معنی کے اعتبار سے جمع لائی گئیں (از تفسیر خازن ج۱ص۲۹ مع توضیح)

۱) **صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ** صفت مشبہ کے صیغے ہیں باب **سَمِعَ** سے **صُمٌّ** جمع ہے **اَصَمُّ** کی **بُکْمٌ** جمع ہے **اَبْکَمُ** کی **عُمْیٌ** جمع ہے **اَعْمٰی** کی منافقوں کو ان کے ساتھ تشبیہ دی ہے تقدیر عبارت یوں ہے **هُمْ کَصُمٍّ بکمٍ عمیٍ** وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے حضرت شیخؒ نے فرمایا: ہم نے آج سے ۴۷ سال پہلے مشکوۃ پڑھی تھی جب حدیث میں قیامت کی یہ نشانی پڑھی: **وَاِذَا رَاَیْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُکْمَ مُلُوْکَ الْاَرْضِ** (مشکوۃ ص۴) ذہن پختہ نہ تھا ہم نے حضرت مولانا عبدالقدیر صاحبؒ سے پوچھا کہ گونگے بہرے بادشاہ ہوں گے کیا آنکھوں والے کانوں والے نہ ہوں گے عقل خام تھی زمانہ طالبعلمی تھا استادِ محترم نے فرمایا میاں (یہ ان کا تکیہ کلام تھا) ویسے تو بہرے نہ ہوں گے حق کی بات نہ سنیں گے، حق کی بات نہ کہیں گے پڑھانے کے زمانے میں یہی معنی شروح حدیث میں دیکھے۔

سے کبھی حق بات نکلے کیونکہ جو روحانی طور پر آنکھوں کا اندھا ہو اس کے کان اور زبان بھی کام نہیں کرتے اس لئے ان کے بارے میں فرمایا: صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں وہ واپس نہ آئیں گے۔

دوسرے یہ مثال منافقین پر یوں فٹ ہوتی ہے کہ انہوں نے ایمان کا اظہار کرکے مسلمانوں سے اپنے جان مال کو محفوظ کرلیا یہ مطلب ہے: اِسْتَوْقَدَ نَارًا کا، اس طرح ان کو مسلمانوں کی تلوار سے بچ کر سکون کی ایک روشنی نظر آنے لگی یہ مطلب ہے فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ کا مگر موت کے ساتھ ان کا سارا امن ختم ہو گیا اور ہمیشہ کیلئے دوزخ میں چلے گئے یہ مطلب ہے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ کا، ان کیلئے قبر حشر پلصراط دوزخ میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے وہاں نہ کچھ دکھائی دے نہ کسی کو اپنا دکھ درد سنا سکیں نہ کسی کی بات سن کر ان کو کچھ فائدہ ہو نہ دنیا کی طرف واپسی ہو یہ مطلب ہے: صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ کا (از خازن مع نسفی ج ا ص ۲۹)

**﴿منافقین کی دوسری مثال کی وضاحت﴾**

منافقین کیلئے دوسری مثال یوں ارشاد فرمائی: اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ (۱) فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ (۲) یہ ان منافقین کے بارے میں ہے جو کبھی اسلام کی طرف مائل ہو جاتے، کبھی کفر کی طرف جھک جاتے یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو اندھیری رات میں گرج چمک والی بارش میں جا رہے ہیں جب بجلی گرجتی ہے تو ڈر کے مارے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں کہ کہیں مر نہ جائیں اور روشنی ہوتی ہے تو چلتے ہیں اندھیرا ہوتا ہے تو رک جاتے ہیں اسی طرح یہ منافق ڈھلمل یقین جب فتوحات دیکھتے ہیں تو مالی فائدے کے پیش نظر اسلام کی طرف رغبت کرتے ہیں اور جہاد، انفاق فی سبیل اللہ کے احکام دیکھتے ہیں تو کفر کو پسند کرنے لگ جاتے ہیں۔

**تشبیہ کی وضاحت:**

وہ لوگ کفر کے اندھیروں میں تھے اللہ کی طرف سے قرآن کا نزول ہوا جو بارش کی طرح حیاۃ کا باعث ہے اس قرآن کے دلائل چمکدار بجلی کی طرح اور اس کی وعیدیں گرج کی طرح ہیں۔ یہ لوگ قرآن سننے سے گریز کرتے ہوئے اپنے کانوں میں انگلیاں [انگلیوں سے مراد یہاں انگلیوں کے کنارے ہیں پوری انگلی کان میں نہیں جاتی] ڈال لیتے ہیں کہ کہیں یہ قرآن ہم پر اثر نہ کر جائے ہم مسلمان نہ ہو جائیں اور اسلام کو یہ لوگ موت کی طرح سمجھتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں: وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ (۳) اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے کانوں میں انگلیاں ڈال دینا اُن کو اللہ کے عذاب سے کسی طرح نہیں بچا سکتا۔

---

۱) شانِ نزول: حضرت ابن عباس اور ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مدینہ سے دو منافق مشرکین کی طرف بھاگے راستے میں ان پر سخت گرج چمک والی بارش آ گئی ڈر کے مارے انگلیاں کانوں میں ڈالنے لگے اور کہنے لگے اگر اللہ نے سلامت رکھا تو ہم اپنے ہاتھ نبی علیہ السلام کے ہاتھوں میں دیں گے چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے نبی ﷺ کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے اور پکے مومن بن گئے ان کی حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ [دوسری روایت] مدینہ میں کچھ منافق تھے نبی علیہ السلام کی مجلس میں قرآن کی آیات سے ڈرتے ہوئے انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے اور جب غنیمت وغیرہ ملتی تو اسلام کی تعریفیں کرتے ان کی حالت کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ جب ذرا روشنی ہوتی ہے تو چلنے لگتے ہیں۔ اور اگر مال مویشی میں کوئی نقصان پہنچتا تو کہتے یہ اسلام کی وجہ سے ہے تو مرتد ہو جاتے اِس آیت میں اُن کی حالت کو بیان کیا گیا ہے (لباب النقول ص ۷ تا ۱۰)

۲) اس آیت کے تحت مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے: اس آیت میں ان لوگوں کا بھی جواب دیا گیا ہے جو انبیاء کی بعثت پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے آنے سے تو فساد پیدا ہو گیا ہے...... اسی طرح انبیاء کا وجود ہے ان کی آمد پر جو شور و شر اٹھتا ہے وہ نحوست کی علامت نہیں بلکہ آنے والی برکات کا اعلان ہوتا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۱۹۷ کالم نمبر ۲)

**اقول:** مرزا بشیر الدین یہاں دراصل قادیانی کے دعوائے نبوت کو منوانے کیلئے ذہن سازی کر رہا ہے۔ ارے جو چاہے کرلے مرزا قادیانی بہر حال کذاب ہی تھا۔

۳) مفتی احمد یار خان اس آیت کے تحت لکھتا ہے: واللّٰہ محیط اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ مُحِيْط احاطہ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کہ کسی چیز کے آس پاس اس طرح گھیرا ڈال لینا کہ وہ بالکل درمیان میں آجائے اور یہ بات حق تعالیٰ کیلئے ناممکن ہے کیونکہ وہ جگہ وغیرہ میں ہونے سے پاک ہے [اقول: مگر جگہوں کو محیط ہونا تو اس کے شان کے خلاف نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے ارشاد باری ہے: واللّٰہ من ورائھم محیط ۔ سورۃ البروج: ۲۰۔ راقم] اس لئے محیط وغیرہ کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا علم اور قدرت ان کو گھیرے ہوئے ہے یعنی کوئی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں۔ دیوبندیوں نے اس قسم کی آیات سے ثابت کیا کہ حق تعالیٰ (باقی آگے)

آخر میں ان لوگوں کو دھمکی ہے کہ اس حالت سے فائدہ حاصل کرلیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ معمولی رغبت بھی جاتی رہے اور ہدایت سے مکمل محروم ہو جائیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی ذات ہر جگہ موجود ہے لہٰذا نبی علیہ السلام کو ہر جگہ میں حاضر ماننا شرک ہے یہ عقل مند اتنا نہیں سمجھے کہ ہر جگہ میں وہ ہو جس کا جسم ہو اور جگہ میں آسکے [اقول: ارے تو نے تو بات الٹ کردی جسم نہ ہر جگہ ہو سکتا ہے نہ جسم ہر چیز کو محیط ہو سکتا ہے، کیونکہ جسم کی لمبائی بھی محدود ہوتی ہے اور اس کی چوڑائی اور گہرائی بھی محدود ہوتی ہے۔راقم] حق تعالیٰ ان دونوں چیزوں سے پاک ہے ہر جگہ بعض مخلوق ہی ہو سکتی ہے خالق نہیں ہو سکتا جیسے کہ ملک الموت، منکر نکیر، فرشتہ کاتب تقدیر، چاند، سورج اور سب کا نور نگاہ کہ یہ چیزیں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں [اقول: ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ہر جگہ ہر وقت موجود نہیں اور نہ ہر چیز کو محیط ہے دوسروں کی عقل پر طنز کرنے والے کی عقل کا حال یہ ہے کہ چاند سورج کو اور اپنی نگاہ کو بیک وقت ہر جگہ موجود کہہ رہا ہے۔ارے کیا سورج رات کو نظر آتا ہے؟ اگر چاند ہر جگہ ہو تو تمہارے مفتی رؤیت ہلال کمیٹی کیا کرنے جاتے ہیں؟ چاند ہر جگہ سے دکھائی دے تو ہر ملک میں عید ایک دن کیوں نہیں ہوتی؟ تو ہر طرف بیک وقت دیکھتا ہے یا جدھر دیکھنا ہو اپنی آنکھیں اس طرف کرتا ہے؟ راقم] اس مسئلہ حاضر ناظر کی تحقیق کیلئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ **بالکافرین** سے یہ مقصود نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم صرف کافروں کو گھیرے ہوئے ہے نہ کہ مسلمانوں کو وہ تو سب کو محیط ہے لیکن چونکہ یہاں کافروں کا ہی تذکرہ ہو رہا ہے اس لئے انہی کا ذکر فرمایا (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۱۸۸)

## ﴿اللہ تعالیٰ کے محیط ہونے کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کی تحقیق﴾

شاہجہانپور کے دوسرے مباحثہ میں جو ۱۸۷۷ء کو ہوا، اور جس میں باوجود قریب ہونے کے بریلی اور بدایوں سے کوئی شریک نہ ہوا، مباحثہ منعقد کروانے والوں کی طرف سے پانچ سوال پیش ہوئے کہ ان کا جواب پہلے دینا چاہئے ان میں سے پہلے اور آخری سوال پر گفتگو ہوئی حضرت نانوتویؒ نے ان کے جو بہترین جواب دیئے جن میں نبی کریم ﷺ کی نبوت اور ختم نبوت کا اعلان کیا وہ آپ کو "مباحثہ شاہجہانپور" میں مل جائیں گے۔مباحثہ میں دوسرا سوال یہ تھا کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات محیط کل ہے یا نہیں" (مباحثہ شاہجہانپور ص ۱۵) مباحثہ کروانے والے ہندو تھے اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ یہ سوالات ہندو پنڈت دیانند سرسوتی نے دیئے تھے اس کی کتاب ستیارتھ پرکاش کا ذکر مفتی احمد یار خان بھی کرتے ہیں (دیکھئے تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۵) اب ذرا اس حوالے سے دیانند سرسوتی کی باتیں بھی سن لیجئے تاکہ پتہ چل جائے کہ وہ کتنا ہوشیار آدمی تھا۔پنڈت لکھتا ہے:

(سوال) ایشور [یعنی اللہ تعالیٰ۔راقم] سب جگہ حاضر و ناظر ہے یا کسی خاص جگہ رہتا ہے؟ (جواب) سب جگہ موجود ہے کیونکہ اگر ایک (خاص) جگہ ہوتا ہے تو سب کے دل کی جاننے والا، ہمہ دان سب کو اپنے قانون کے اندر رکھنے والا، سب کا خالق، قیوم اور فنا کرنے والا نہیں ہو سکتا (ایک خاص جگہ رہنے والے) فاعل کا دوسری جگہ فعل ہونا ناممکن ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۲۳۲، ۲۳۳) سوال: ایشور ساکار (مجسم) یا نراکار (غیر مجسم) ہے؟ جواب: نراکار (غیر مجسم) کیونکہ اگر ساکار ہوتا تو دیا پک (سب جگہ موجود) نہ ہوتا اگر دیا پک نہ ہوتا تو ہمہ دانی وغیرہ صفات بھی ایشور میں نہ ہوتیں کیونکہ محدود شے کی صفات افعال اور خواص بھی محدود ہوتی ہیں اور نیز (پرمیشور کے ساکار ہونے سے) وہ سردی، گرمی، بھوک، پیاس اور بیماری، گناہ، چیرنا، پھاڑنا وغیرہ سے مبرا نہیں ہو سکتا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایشور غیر مجسم ہے اگر مجسم ہو تو اس کے آنکھ کان ناک وغیرہ اعضاء کا بنانے والا کوئی دوسرا ماننا پڑے گا کیونکہ جو چیز مرکب ہوتی ہے اس کو جوڑنے والا ایسا ہونا چاہئے جو غیر مجسم اور چیتن (اپنی ہستی کو جاننے والا) الخ (ستیارتھ پرکاش ص ۲۳۴)

قابل غور بات ہے کہ سوال یہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے محیط ہونے کے معنی کیا ہیں؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ اس کی ذات محیط کل ہے یا نہیں؟ قرآن کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ذات محیط کل ہے ارشاد باری ہے: **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا** (النساء: ۱۲۶) **اَلَا اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۔ اَلَا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ** (فصلت: ۵۴) اس لئے مسلمان مناظر کے ذمہ اسی کے مطابق جواب دینا تھا۔

اس مباحثہ میں اس سوال پر بحث کا موقع نہ دیا گیا مگر پہلے دن عصر کے بعد حضرتؒ کو جو اچانک بیان کا موقع ملا اس میں حضرتؒ نے اس کے جواب کی طرف بھی اشارہ کر دیا تھا آپ فرماتے ہیں: "سب اوصاف کے احاطے سے احاطۂ وجود وسیع ہے بلکہ اس سے اوپر کوئی احاطہ ہی نہیں یعنی جیسے انسانیت کے احاطہ کے اوپر احاطۂ حیوانیت ہے جس میں انسان غیر انسان گدھا گھوڑا، اونٹ بیل بھیڑ بکری وغیرہ سب داخل ہیں ایسے ہی وجود کے احاطہ سے اوپر کوئی اور ایسا احاطہ نہیں کہ اس میں موجود و غیر موجود داخل ہوں......وجود کا احاطہ سب احاطوں سے وسیع اور سب میں اوپر ہے" (مباحثہ شاہجہانپور ص ۲۱)

اپنی کتاب "تقریر دلپذیر" میں حضرتؒ نے قدرے تفصیل سے اس موضوع پر لکھا ہے حضرتؒ کے مضمون کو پڑھیں چونکہ اس میں مفتی احمد یار خان (باقی آگے)

ارشادفرمایا: وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱) ''اگراللہ چاہے لے جائے ان کے کان اوران کی آنکھیں'' کانوں سے گرج کی آوازسنائی دیتی تھی جس کے بعدانہوں نے کانوں میں انگلیاں ڈالیں اگرکان کام ہی نہ کریں توگرج کا احساس ہی نہ ہواس طرح جومحروم القسمت ہیں ان پرقرآن کی وعیدوں سے کوئی اثرنہیں ہوتا۔آنکھوں سے چمک دکھائی دیتی تھی تو وہ چلنے لگ جاتے تھے اگرآنکھیں جاتی رہیں تو نہ چمک کا احساس ہو نہ راستے کا پتہ چلے اس سے پتہ چلا کہ جودین کا تھوڑا بہت شوق ہواس پراللہ کاشکراداکریں اور جتناعلم پرعمل کی کوشش کرتے رہیں کہیں ایسانہ ہوکہ یہ معمولی توفیق بھی جاتی رہے۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

**پنڈت دیانندسرسوتی کااعتراض اوراس کاجواب:**

ہم اللہ تعالیٰ کوقادرِمطلق (۱) مانتے ہیں اورکہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مادے کا بھی خالق ہے اس پرپنڈت دیانندسرسوتی نے اعتراض کیا کہ تم اللہ کوقادرِمطلق (۱) کہتے ہوتو کیا اللہ خودکو مارنے پرقادر ہے، کیا اللہ تعالیٰ معاذ اللہ چوری اور دوسرے گناہوں پہ قادر ہے (۲) اس کے جواب قادیانی مرزائیوں نے بھی دیئے اور لاہوی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے مذکورہ بالامضمون کاٹھیک ٹھاک رد بھی ہے اس لئے مفتی احمد یارخاں سمیت جس کو بھی حضرتؒ سے اختلاف ہووہ ہندؤوں کاسوال لکھیں پھرحضرتؒ کے جواب کونقل کرکے اس سے بہترجواب لاکردکھائیں: حجۃ الاسلام حضرت مولانامحمدقاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں:

جناب من! محیط ہونے کے یہی معنی نہیں کہ ایک جسم دوسرے جسم کومحیط ہوبلکہ احاطہ بہت قسم کاہوتا ہے ایک تواحاطہ جسم کاجسم کو اوراس کے رنگ وعوارض وغیرہ، دوسرے احاطہ کرناسطح کاجسم وغیرہ کو، تیسرااحاطہ کرناخط کاسطح کو چوتھااحاطہ کرنامکان کاجسم وغیرہ کو، پانچواں احاطہ کرنازمانہ کااجسام وحرکات وسکنات کو چھٹے احاطہ کرناروح کاجسم کوساتویں احاطہ کرناوجودکاشے موجودکو، آٹھویں احاطہ کرناقدرت کا(ان اشیاءکوجن پرقدرت ہوتی ہے) چنانچہ بولاکرتے ہیں کہ فلانی چیزمیری قدرت میں ہے اورفلانی چیز میری قدرت سے باہرہے۔سواس بات سے عاقلوں کے نزدیک بجزاحاطہ کے اورکیامعنی سمجھ میں آتے ہیں نویں احاطہ کرناعقل کامعلومات کو سب بولتے ہیں کہ یہ بات عقل میں آتی ہے یہ نہیں آتی...... دسویں احاطہ کرناامکان کواشیاءِممکنہ کو۔سب کہاکرتے ہیں کہ یہ بات امکان میں ہے یہ بات امکان سے خارج ہے......اب سنئے کہ جب مخلوقات خداوندی میں اس قسم کے احاطے پائے جاتے ہیں کہ احاطہِ جسمانی ان سے کوئی نسبت نہیں رکھتاتواگرخداوندخالق کااحاطہ بھی ماسواءاحاطہِ جسمانی کے ہوتوکیامحال ہے؟

**خداکےمحیط ہونےکےمعنی:**

بہرحال احاطہِ خداوندی سے اگرکچھ مناسبت رکھتاہے توچھٹااورساتواں احاطہ رکھتاہے یعنی روح کااحاطہ ذی روح کویاوجودکااحاطہ شے موجودکوجیسے کہ روح تمام بدن کوگھیرے ہوئے ہوتی ہے کوئی جزوبدن اس کے احاطہ سے خارج نہیں جس عضوپرجوکچھ اس کے مناسب حکم کرتی ہے وہ اس کوتسلیم کرتاہے جوکچھ بدن پرسرسے پاؤں تک اندر باہرگذرتی ہے سب کی اس کوخبرہے اس سے زیادہ تمام کائنات خداوندکریم کی مطیع اوراس کے سامنے حاضرہے۔یاجیسے وجودشے موجودکوتمام وکمال گھیرے ہوئے ہے کہ اس سے اس کی ہستی اورنمودہے ایسے ہی بلکہ اس سے زیادہ خداوندکریم کی نسبت ہوناچاہئے......القصہ جیسے سوائے خالق کےاورموجودات میں بھی احاطہ پایاجاتاہے تولاجرم خدامیں بھی ہوناچاہئے نہیں تولازم آئے گاکہ خدامیں یہ کمال نہ ہواورمخلوقات میں ہواورجب خالق میں بھی ہوتوبیشک مخلوقات کواسی کادیاہوگاکیونکہ خدائے تعالیٰ کے سواکوئی اورتوخالق ہی نہیں اس صورت میں لازم ہے کہ جیسے اس کی ذات نرالی ہے کسی میں ملتی نہیں......ویسے ہی اس کااحاطہ بھی نرالاہوناچاہئے (تقریر دلپذیرص ۱۲۵ تاص ۱۲۷)

۱) مطلق کالفظ پہلے آئے تو وہ ہرصغیرکبیرپربولاجاتاہے جب مطلق کی قیدبعدمیں آئے تواس سے کامل فردمرادہوتاہے بندے کوبہت سے کاموں پرقدرت ہے جس کی وجہ سے بندے مکلف ہیں اس قدرت کی وجہ سے بندہ قادرہے مگرقادرِمطلق نہیں بلکہ مطلق قادر۔کیونکہ اگربندے کوایک چیزپرقدرت ہے توہزاراچیزیں اس کی قدرت سے خارج بھی ہیں مگراللہ تعالیٰ ایساقادرہے کہ کسی چیزسے عاجزنہیں وہاں قدرت ہی قدرت ہے عدم قدرت یاعجزکانام ونشان نہیں اس لئے اللہ قادرمطلق ہے۔

۲) دیانندسرسوتی حضرت نانوتویؒ کے زمانے میں خداکوقادرِمطلق ہی نہ مانتاتھااستیارتھ پرکاش بعدمیں چھپی اس میں کہتاہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کائنات کامادہ بھی ازلی ہے،ارواح بھی ازلی ہیں وہ کہتاہے اللہ تعالیٰ قادرِمطلق اس معنی میں ہے کہ مادے کومختلف صورتیں دے سکتاہے مادے کوپیدانہیں کرسکتا،اگرتم کہوکہ وہ مادے کوپیدا(باقی آگے)

مرزائیوں نے بھی (۱) مگر وہ جوابات درست نہیں ان جوابات میں خدا کی قدرت کو نہایت محدود مانا گیا ہے گویا مرزائیوں نے خدا تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا انکار

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرسکتا ہے تو پھر تو بتاؤ کیا وہ وہ اپنی ذات کو معاذ اللہ فنا کرسکتا ہے؟ گویا قادرِ مطلق کہہ کر بھی وہ قادرِ مطلق ہونے کا منکر ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ عبارات ملاحظہ ہوں تا کہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کیلئے اس کی اپنی عبارات میں اس کا عقیدہ بھی سامنے آئے اور اس کے عتراض بھی۔ پنڈت دیانند سرسوتی لکھتا ہے:

(سوال) ایشور قادرِ مطلق ہے یا نہیں؟ (جواب) ہے مگر جو معنی لفظ قادرِ مطلق کے تم سمجھتے ہو ویسا نہیں کیونکہ لفظ قادرِ مطلق کے یہی معنی ہیں کہ ایشور [یعنی خدا۔ راقم] اپنے کام یعنی (جہان کا) پیدا کرنا، پرورش کرنا، قائم رکھنا، فنا کرنا وغیرہ اور سب جانداروں کے نیک اور بد اعمال کی سزا و جزا دینے میں ذرا سی بھی کسی کی مدد نہیں لیتا یعنی اپنی لازوال طاقت سے ہی سب اپنے کام پورے کرلیتا ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۲۳۴) (سوال) ہم تو ایسا مانتے ہیں کہ ایشور [یعنی خدا۔ راقم] جو چاہے سو کرے کیونکہ اس کے اوپر دوسرا کوئی نہیں (جواب) وہ کیا چاہتا ہے؟ اگر تم کہو کہ وہ سب کچھ چاہتا ہے اور کرسکتا ہے تو ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا پرمیشور [یعنی خدا۔ راقم] اپنے آپ کو مار، اور بہت سے ایشور [یعنی خدا۔ راقم] بنا سکتا ہے؟ خود جاہل، چوری زنا کاری وغیرہ گناہ کا مرتکب اور دکھی بھی ہوسکتا ہے؟ جیسے یہ کام ایشور کی صفات افعال اور خواص کے برعکس ہیں ویسے ہی تمہارا کہنا کہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے کسی طرح صادق نہیں آسکتا پس قادرِ مطلق کے معنی جو ہم نے کئے ہیں وہی ٹھیک ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۲۳۴، ۲۳۵) ایک جگہ لکھتا ہے:

(سوال) جب پرمیشور قادرِ مطلق ہے تو وہ علت مادی [یعنی کائنات کا مادہ۔ راقم] اور جیو [یعنی روح۔ راقم] کو بھی پیدا کرسکتا ہے اگر نہیں تو وہ قادرِ مطلق بھی نہیں رہ سکتا؟ (جواب) قادرِ مطلق کے معنی پہلے لکھ چکے ہیں لیکن کیا قادرِ مطلق وہ کہلاتا ہے جو ناممکن بات کو بھی کرسکے؟ اگر کوئی ناممکن بات مثلاً بلا علت (سبب) معلول (نتیجہ) کو ظاہر کرسکتا ہے تو (بتائیے کہ وہ) بغیر سبب دوسرے ایشور کو پیدا کر اور خود مر سکتا ہے؟ بے جان مصیبت زدہ بے انصاف ناپاک اور برے کام کرنے والا وغیرہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ طبعی صفات آگ کی گرمی، پانی کی سردی اور زمین وغیرہ سب بے جان اشیاء کی ذاتی صفات کو ایشور بھی بدل نہیں سکتا۔ اور ایشور کے قوانین سچے اور کامل ہیں اس لئے تبدیل نہیں ہوسکتے پس قادرِ مطلق کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ پرماتما [مراد اللہ تعالیٰ۔ راقم] بغیر کسی مدد کے اپنے سب کام پورے کرسکتا ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۲۷۸، ۲۷۹)

نیز کہتا ہے: جہان کی آفرینش سے پہلے پرمیشور، مادہ وقت اور آکاش اور جیو (جو سب ازلی ہیں) موجود ہوں تو اس جہان کی پیدائش ہوسکتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو جہان بھی نہ ہو (ستیارتھ پرکاش ص ۲۸۰) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے خدا کے علاوہ چار چیزیں اور ازلی ہیں [۱] مادہ [۲] ارواح [۳] زمان [۴] مکان۔

۱) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مرزائیوں کے جوابات بھی دکھا دیے جائیں مرزا بشیر الدین محمود "**ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر**" کا ترجمہ یوں کرتا ہے: "اللہ ہر (اس) امر پر (جس کا ارادہ کرے) یقیناً پوری طرح قادر ہے"۔ حاشیہ میں لکھتا ہے: شَیْءٌ کا ترجمہ امر اور بات وغیرہ سے کیا جاتا ہے مگر شَیْءٌ اسم ہونے کے علاوہ مصدر بھی ہے اور مصدر بمعنی اسم فاعل اور اسم مفعول ہوسکتا ہے اس آیت میں شَیْءٌ بمعنی اسم مفعول استعمال ہوا ہے یعنی چاہی ہوئی بات اور آیت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اللہ ہر اس امر پر جس کا ارادہ کرے یقیناً پوری طرح قادر ہے۔ ان معنوں کو واضح کرنے کے لئے خطوط وحدانی میں بعض الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں جب تک ان معنوں کو مدنظر نہ رکھا جائے ناواقفوں کو دھوکہ لگ جاتا ہے حتی کہ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ خدا چوری پر قادر ہے یا مرنے پر قادر ہے؟ (تفسیر صغیر ص ۹ حاشیہ) دوسری جگہ لکھتا ہے: شَیْءٌ شَاءَ کا مصدر ہے عربی میں مصدر کبھی بمعنی اسم مفعول بھی استعمال ہوتا ہے اور شَیْءٌ کا لفظ انہی معنوں میں ہے اور اس کے معنی ہیں چاہی ہوئی بات، نیز اس کے معنی ہیں مَا يَصِحُّ اَنْ يُعْلَمَ وَيُخْبَرَ عَنْهُ وہ امر یا بات جس کے متعلق خبر دی جائے (اقرب) شَیْءٌ کا ترجمہ امر، بات وغیرہ کیا جاتا ہے مگر شَیْءٌ کے مکمل معنی ہیں وہ چیز جسے کوئی فاعل چاہے یا جس کا ارادہ کرے ان معنوں کو واضح کرنے کیلئے خطوط میں بعض الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں جب تک ان معنوں کو مدنظر نہ رکھا جائے ناواقفوں کو دھوکہ لگ جاتا ہے حتی کہ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کیا خدا چوری پر قادر ہے مرنے پر قادر ہے حالانکہ خدا تعالیٰ چوری اور مرنے کو پسند نہیں کرتا، اور نہیں چاہتا کیونکہ یہ امور اس کی ذات کیلئے نقص ہیں خوبیاں نہیں (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۹۹ کالم نمبر ۲)

**اقول:** [۱] ظاہر ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوا ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے چاہنے سے ہی ہوا اور ہو رہا ہے مرزا بشیر الدین کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ نہیں ہوا یا جو کچھ نہیں ہو رہا اس پر اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ قدرت نہیں مثلاً ابو جہل بغیر ایمان کے مر گیا، خدا نے اس کے لئے ایمان کو نہ چاہا، مرزائیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ ابو جہل کو ایمان دینے پر قادر ہی نہ تھا، اللہ نے کسی کو بے اولاد رکھا تمہارے نزدیک اس کو اولاد دینا خدا کی قدرت سے خارج ہے، ایک آدمی بیمار ہے وہ دعا کرتا ہے کہ اللہ اسے شفا (باقی آگے)

ہی کر دیا مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں سے بہت پہلے پنڈت دیانند سرسوتی کی زندگی میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے (۱) اس کے صحیح مدلل جوابات ارشاد فرمائے۔ جن میں ثابت کر دیا گیا کہ خدا تعالیٰ کی ذات اسی طرح شریکِ باری کا تحت القدرۃ نہ ہونا خدا تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کے خلاف ہرگز نہیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دے دے مگر شفا نہیں ملتی اللہ نے اس کیلئے شفا کو نہیں چاہا مگر وہ قادر تو ہے مرزائیوں کے اس جواب کے مطابق تو اللہ تعالیٰ اس بیمار کو شفا دینے پر قادر ہی نہیں[۲] معترض کا سوال یہ ہے کہ قطع نظر اس کے کہ خدا نے چاہا یا نہیں یہ بتاؤ کہ وہ اپنا شریک پیدا کر سکتا ہے یا نہیں اس کا جواب تو تمہاری طرف سے نہ ہوا، ہوا تو یہ ہوا کہ تم نے بے شمار ممکنات سے خدا تعالیٰ کو عاجز مان لیا۔ اس کیلئے تم نے ترجمے تک میں تحریف کر ڈالی۔

☆ محمد علی لاہوری مرزائی لکھتا ہے: قادرِ مطلق پر اعتراض اور اس کا جواب: ''اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' اس پر یہ اعتراض آریہ سماج کی طرف سے ہوا ہے کہ پھر وہ اپنے جیسا قادرِ مطلق خدا بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اپنی مملکت سے کسی کو خارج کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہ امور اس کی صفاتِ کاملہ کے خلاف ہیں اس لئے وہ ایسا نہیں کرتا قدرت کا سوال ہی اس بات پر آتا ہے جو اس کی صفات کے خلاف نہ ہو مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں شخص اتنا امیر ہے کہ وہ جو چاہے کھائے اور جو چاہے پہنے تو یہ ایک احمقانہ سوال ہوگا کہ کیا وہ غلاظت کھا سکتا ہے [اقول: اکثر سرمایہ دار کافر ہونے کی وجہ سے خمر پیتے ہیں خنزیر کھاتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں نجس ہیں۔ راقم] یا گندے چیتھڑے پہن سکتا ہے علاوہ ازیں لفظ شَیْءٌ کو اختیار کر کے قرآن شریف نے خود یہ بتا دیا کہ اس کی قدرت ان چیزوں پر ہے جو وہ چاہتا ہے یعنی جو اس کی صفات کے تقاضا کے خلاف نہیں اور ظاہر ہے کہ دوسرے قادرِ مطلق خدا کا ہونا یا اس کی مملکت سے باہر کسی اور مملکت کا ہونا اس کی صفات کے تقاضا کے خلاف ہے اور اس لئے شیء کا اطلاق ہی اس پر نہیں ہو سکتا (بیان القرآن مرزائی ج ا ص ۱۹)

**اقول** [۱] اس نے بھی خدا تعالیٰ کی قدرت کو ان چیزوں کے ساتھ محدود کر کے جن کو وہ چاہتا ہے خدا تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا انکار کر دیا قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں کہ اللہ کی قدرت صرف ان چیزوں پر ہے جن کو وہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ تو جا بجا اس کی تصریح کرتا ہے کہ جن ممکنات کو اس نے نہیں چاہا ان پر بھی اسے قدرت ہے مثلاً ایک جگہ فرمایا: **ولو شاء لھداکم اجمعین**۔ اللہ نے سب کی ہدایت کو چاہا نہیں مگر اس کی قدرت تو ہے اگر چاہے تو کوئی روک تو نہیں سکتا تمہارے کہنے کے مطابق چونکہ اللہ نے سب کو ہدایت دینے کا ارادہ نہیں کیا اس لئے وہ اس پر قادر ہی نہیں۔

اللہ نے آنحضرت ﷺ کو نبوت عطا فرمائی اور سب انسانوں اور جنوں کو آپ کی فرمانبرداری کا حکم دیا۔ اب ہماری نجات آپ ﷺ کی اتباع میں ہے۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ آپ ﷺ سے نبوت کو واپس نہ لے گا مگر اس کی قدرت تو ہے ارشاد فرمایا: **ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک** (بنی اسرائیل: ۸۶) غرض سائل کا سوال ہے اس ممتنع پر قادر ہونے کی بابت ہے جو نہ واقع ہوا، نہ واقع ہو۔ اور تم نے اللہ تعالیٰ کے سب ممکنات پر قادر ہونے سے بھی انکار کر دیا۔

۱) حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے جوابات دیکھئے ان شاء اللہ ان کو پڑھ کر شرح صدر ہوگا اور آپ پنڈت کو اس کے اس قول کا مصداق پائیں گے: ''جب تباہی کا وقت آتا ہے اس وقت انسان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے'' (ستیارتھ پرکاش ص ۵۳۹) حضرت نانوتویؒ پہلے پنڈت کا اعتراض نقل کرتے ہیں: ''اعتراض اول: ادرِ مطلق اپنے مار ڈالنے اور چوری کرنے سے کیوں مقدس ہے؟'' [اس کے بعد فرماتے ہیں]

﴿جواب اول﴾

اگر خدا تعالیٰ قادرِ مطلق نہیں تو قادرِ مقید ہوگا اور قادرِ مقید ہوگا تو اس کے اوپر بالضرور قادرِ مطلق ہوگا کیونکہ اول تو باتفاق اہل معقول ہر مقید کیلئے ایک مطلق ضرور ہے، دوسرے قطع نظر ان کے اتفاق کے یوں بھی عقل سلیم بالبداہۃ اس کی ضرورت پر شاہد ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ تقیید حقیقت میں ایک تقطیع کا نام ہے اور قطع کرنے کو یہ لازم ہے کہ کسی بڑی چیز سے ایک چھوٹی چیز نکال لیجئے سو اگر کلیات میں یہ قطع و برید واقع ہو تو وہ چھوٹی چیز تو (بایں وجہ کہ احاطۂ تقطیع میں یعنی اس شکل کے احاطہ میں ہوتی ہے جو قطع کرنے سے حاصل ہوتے ہی قید کی شکل میں آجاتی ہے) مقید ہوگی اور وہ بڑی چیز بایں نظر کہ اس قید سے خارج ہے مطلق کہلائے گی کیونکہ مطلق اس کو کہتے ہیں جس کو روکنے والا کوئی نہ ہو۔

بالجملہ ہر مقید کیلئے بشہادتِ عقل اور نیز باتفاق اہل عقل مطلق ضرور ہے اس لئے اگر خدا قادرِ مطلق نہ ہوگا تو قادرِ مقید ہوگا اور اس سے اوپر کوئی اور قادرِ مطلق ماننا پڑے گا اور چونکہ قادرِ مطلق کے لئے پنڈت کے نزدیک یہ ضرور ہے کہ وہ اوروں کے مارنے پر بھی قادر ہو اور اپنے مارنے پر بھی قادر ہو (چنانچہ تقریر اعتراض اس پر شاہد ہے) (باقی آگے)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ممتنع اور واجب تحت القدرۃ نہیں ہیں۔ تحت القدرۃ سب ممکنات ہیں کسی ایک ممکن کا بھی استثناء نہیں۔ اور ''اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' میں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شاہد ہے) تو اس کو خدا کے مارنے پر بھی قدرت ہوگی اور اپنے مارنے پر بھی۔ اور جب نعوذ باللہ خدا کے مارنے پر بھی اس کو قدرت ہوئی تو جلانے اور خدا کے مارنے پر بھی قادر ہوگا بلکہ یوں کہئے کہ خدا اسی کا پیدا کیا ہوا، اور جلایا ہوا ہوگا اپنی ہی دی ہوئی صفت کو کوئی چھین سکتا ہے دوسروں کی دی ہوئی صفت کو کون سلب کر سکے [جیسے بیوی کو طلاق خاوند ہی دے سکتا ہے۔ حضرتؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ موت دینا حقیقت میں اللہ کا کام ہے قاتل یا آلہ قتل تو ایک ظاہری سبب ہے۔ راقم]

آفتاب اگر زمین کو نور عنایت کرتا ہے تو وہی چھین سکتا ہے یعنی اپنی حرکت سے نور کو زمین سے لے سکتا ہے قمر عطائے آفتاب کو نہیں چھین سکتا، اور ظاہر ہے کہ وجود اور حیات دو صفتیں ہیں جو کوئی ان کو کسی سے چھین لے تو یوں سمجھو اسی نے دی ہوں گی اس صورت میں خدائی کیا ٹھہری یا دشاہ شطرنج کی بادشاہی ہوئی۔ بالجملہ خدا کو قادر مطلق نہ کہنا ایسا سخت کلمہ ہے کہ اس سے خدا کی خدائی کا انکار لازم آتا ہے فقط قدرت کاملہ ہی کا انکار نہیں ہوتا۔

﴿جواب دوم﴾

ہر فعل یعنی تاثیر کیلئے ایک فاعل یعنی مؤثر چاہئے اور ایک مفعول یعنی منفعل ضرور ہے مگر منفعل وہی ہوتا ہے جس میں قابلیت قبول تاثیر ہو ہاں یہ ہوتا ہے کہ جیسے مؤثر باعتبار تاثیر کم و زیادہ ہوتے ہیں ایسے ہی منفعل اور متاثر بھی باعتبار انفعال و تاثر یعنی قابلیت قبول اثر کم و بیش ہوتے ہیں مگر نہ مقبول کی قابلیت کا عدم اور نقصان موجب عدم تاثیر یا موجب نقصان تاثیر مؤثر ہوسکتا ہے اور نہ فاعل کی تاثیر کا عدم اور نقصان موجب عدم قابلیت منفعل یا موجب نقصان قابلیت منفعل ہوسکتا ہے۔

مثلاً آفتاب در بارۂ تنویر زمین و آسمان مؤثر ہے اور آئینہ اس کے مقابل متاثر، وہ فاعل ہے یہ منفعل، وہ اس باب میں فاعل اور مؤثر کامل ہے اور یہ اسباب میں منفعل اور متاثر کامل یعنی قابل بوجہ اتم لیکن اگر فرض کرو بجائے آئینہ پتھر ہو تو مفعول کی جانب بیشک نقصان قابلیت ہوگا اور اگر بجائے آئینہ روح یا ہوا یا آواز فرض کرو تو عدم قابلیت ہوگا مگر دونوں صورتوں میں آفتاب کے پر انوار ہونے میں اور مؤثر ہونے میں کچھ نقصان نہیں آتا وہ جوں کا توں ہے۔ علیٰ ھذا القیاس اِدھر اگر آئینہ ہو اور اُدھر بجائے آئینہ کے کالا توا ہو تو پھر قابلیت آئینہ میں کچھ نقصان نہیں فاعلیت کالے توے کا عدم ہے۔ اور اگر بجائے آفتاب، قمر ہو یا چراغ ہو تو پھر قابلیت آئینہ تو بدستور ہے مگر فاعل کی جانب نقصان تاثیر ہے۔

جب یہ مقدمہ ممہد ہو چکا تو اب سنئے قادر ''فاعل قدرت'' ہے اور مقدور ''مفعول قدرت'' اگر اِس طرف خدا ہے اور اُس طرف ممکنات تو فاعل بھی کامل ہے اور مفعول بھی کامل۔ اور اگر اُدھر تو ممکنات بدستور ہیں اور اِدھر بجائے خدا اُس کی مخلوقات میں سے کسی کو فرض کرو فرشتہ یا جن یا آدمی تو مفعول کا کمال تو بدستور رہے گا پر فاعل کی جانب نقصان ہوگا۔ اور اگر فرض کرو پتھر وغیرہ جمادات میں سے کچھ ہو تو پھر فاعلیت کا عدم ہوگا اور اگر فاعل قدرت یعنی قادر تو خدا ہو اور ادھر بجائے ممکنات ممتنعات ذاتی یعنی محالات ذاتی ہوں تو فاعل کا کمال تو بدستور رہے گا اور مفعول کی جانب عدم قابلیت ہوگا۔ اور اگر بجائے ممکنات و ممتنعات ذاتیہ ممتنعات بالغیر ہوں تب بھی قادر بدستور کامل رہے گا پر مفعول کی جانب نقصان قابلیت ہوگا۔ پر محال اگر بوسیلۂ قدرت ظہور میں نہیں آتا تو قدرت خداوندی کا اور اس کی قادریہ کا قصور نہیں ہوتا محال میں مقدوریہ نہیں ہوتی۔

سو پنڈت جی کے اس اعتراض سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ہنوز اس فرق کی خبر نہیں موت خداوندی مقدور نہیں کیونکہ محال ہے مگر اس سے خدا کی قادریہ میں کیا فرق اور نقصان آگیا جو اس کو قادر مطلق نہیں کہتے۔

<u>چوری کا جواب:</u> باقی رہا چوری کا اعتراض اس کا جواب بھی اسی مقدمہ ممہدہ سے نکل سکتا ہے صورت اس کی یہ ہے کہ چوری کیلئے مال غیر چاہئے وہ خدا کی نسبت مفقود جو کچھ عالم میں ہے وہ خدا کی ملک ہے اور کیونکر نہ ہو نوکری وغیرہ سے جو پیدا ہوتا ہے وہ برائے نام کمانے والوں کا پیدا کیا ہوا ہوتا ہے اتنی بات پر یوں کہا کرتے ہیں کہ ان کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس لئے یہ ان کی ملک ہے خدا تو خالق حقیقی ہے اور پیدا کرنے والا التحقیق وہ مالک نہ ہو اس کے کیا معنی؟ مگر یہ ہے تو مال غیر معدوم محض ہوا اور اس وجہ سے مفعول یعنی مسروق کی جانب جو فعل سرقہ کے لئے چاہئے خالی نکلی غرض یہاں بھی قدرت یعنی قادریہ خدا کا قصور نہیں مقدور کی جانب قصور ہے (انتصار الاسلام ص ۱۰ تا ۱۴)

**اقول** [۱] دوسرا خدا اس لئے بھی نہیں ہوسکتا کہ اگر خدا اس کو پیدا کرے تو وہ مخلوق ہوگا فانی ہوگا تحت القدرۃ ہوگا، اس پر موت کا آنا ممکن ہوگا، اور اللہ تعالیٰ جو حقیقی قادر مطلق ہے نہ وہ مقدور ہے نہ مخلوق ہے اور نہ وہ تحت القدرۃ [۲] حضرتؒ کے جواب سے زنا کے تحت القدرت نہ ہونے کی وجہ بھی سمجھ آگئی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زنا کا (باقی آگے)

(باقی آگے)

**شَیْءٌ** سے مراد ممکن (ا) ہی ہے علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں: **والشیء لغة ما یصح ان یعلم ویخبر عنه کما نص علیه سیبویه وهو شامل للمعدوم والموجود والواجب والممکن وتختلف اطلاقاته ویعلم المراد منه بالقرائن فیطلق تارۃ ویراد به جمیع افراده کقوله تعالیٰ:**

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) زنا کا ہونا ممتنع ہے اور ممتنع تحت القدرۃ نہیں اللہ کی طرف سے زنا کا ہونا اس لئے ممتنع ہے کہ زنا گناہ ہے، اور گناہ نافرمانی کو کہتے ہیں اور نافرمانی کسی بڑے کے حکم کو نہ ماننا ہے اور اللہ سے نہ کوئی بڑا، نہ اللہ پر کوئی حاکم اس لئے اللہ کی طرف سے نافرمانی اور گناہ کا تصور ہی نہیں۔ نیز زنا وہاں ہو جہاں نکاح کا امکان ہو اور اللہ کے نکاح کا امکان نہیں کیونکہ اس کا ہمسر کوئی نہیں: **لَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ**۔ اور اگر نکاح یا ہمبستری کے بارے میں سوال ہو تو اس کا جواب بھی ہو چکا کہ زوجیت کیلئے مماثلت ضروری ہے اللہ کی مثل ہے کوئی نہیں اس لئے وہ نکاح وغیرہ سے بھی منزہ ہے علاوہ ازیں ہمبستری کیلئے جسم کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ جسمیت سے پاک ہے اور اللہ تعالیٰ کے جسمیت سے پاک ہونے کا پنڈت کو بھی اقرار ہے (دیکھیے ستیارتھ پرکاش ص ۲۳۴) نیز ہمبستری کا مقصد اولاد ہے اللہ اولاد سے پاک ہے۔ **لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ**.

ا) بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی مثل ممتنع بالذات ہے شریک باری وجود میں آ ہی نہیں سکتا، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت نہیں ایسے ہی ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مثل ممتنع بالذات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آخری نبی بنایا ہے آپ ﷺ کی مثل ممکن مان لی جائے تو آپ آخری نبی نہ رہیں گے اور اللہ کا وعدہ غلط ہو جائے جبکہ اللہ کا وعدہ غلط ہو نہیں سکتا۔ مفتی احمد یار خان صاحب نے تفسیر نعیمی ج ا ص ۱۹۱ تا ص ۱۹۹ میں "**ان اللّٰه علی کل شیء قدیر**" کے تحت اس موضوع پر بڑی تفصیل سے لکھا، فی الحال اس بارے میں چند ابحاث لکھی جاتی ہیں۔ ان شاء اللہ کافی رہیں گی۔

[بحث نمبر ا]

﴿مفتی احمد یار خان کی ایک طنزیہ عبارت کا جواب﴾

مفتی احمد یار خان صاحب اسی بحث کے دوران غرور میں آ کر لکھتے ہیں:

قرآن پاک سمجھنے کے لئے عقل و علم بھی ضروری ہے اور دین بھی اور دیوبندیوں کے ہاں تینوں کا دیوالیہ ہے (تفسیر نعیمی ج ا ص ۱۹۷)

**اقول** ارشادِ باری ہے **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ** (الحجرات: ۱۱) دوسروں کی عقل پر طنز کرنے والے کی عقل کا اپنا حال یہ ہے کہ کہتا ہے چاند سورج ہر جگہ موجود ہیں (ایضاً ج ا ص ۱۸۸) حالانکہ یہ تو مشاہدہ ہے کہ چاند سورج نہ ہر جگہ موجود، نہ ہر وقت ہر جگہ سے دکھائی دیں۔ نیز کہتا ہے: ہر جگہ میں تو وہ ہو جس کا جسم ہو (ایضاً ج ا ص ۱۸۸) یعنی اس کے ہاں محیط جسم ہی ہوتا ہے حالانکہ جسم محاط تو ضرور ہوتا ہے محیط ہمیشہ نہیں ہوتا۔

دوسروں کے علم پر طنز کرنے والے کے علم کا حال یہ ہے کہ کہتا ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بشریت کے پیچھے پڑنا محض بے دینی ہے ان کو بشر ماننا ایمان نہیں (ایضاً ج ا ص ۱۱۵) حالانکہ قرآن کریم نے جا بجا انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا ذکر کیا، اگر اس طنز کرنے والے کو علم سے کچھ مناسبت ہوتی تو یوں کہتا کہ نبی کریم ﷺ بے شک بشر تھے مگر آپ ﷺ کو محض بشر ماننا ایمان نہیں آپؐ بشر بھی تھے اور نبی بھی۔

دوسروں کے دین پر طنز کرنے والے کا دین میں یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں ترکہ کی تقسیم کے وقت آنے والے قرابت دار اور مساکین کو کچھ دے دیا کرو اور یہ لوگ کہتے ہیں اس میں تیجہ داخل ہے (خزائن العرفان ص ۱۱۵) اول تو تیجہ میں ترکہ ہرگز تقسیم نہیں ہوتا دوسرے تیجہ ہندوؤں کی اُس رسم کی نقل ہے جسے ہندو اپنے دین میں بدعت ہی مانتے ہیں چنانچہ پنڈت دیانند سرسوتی لکھتا ہے: برہموں نے پریت کرم (مردہ کے متعلق (سوم) اپنی روزی کی خاطر جاری کئے ہیں چونکہ یہ وید کے مطابق نہیں اس لئے قابل تردید ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۵۴۷)

[بحث نمبر ۲]

﴿محل نزاع کی تعیین﴾

اس پر تو اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات جھوٹ نہیں ہو سکتی اللہ کا جھوٹا ہونا بالاتفاق محال ہے مگر ہمارے ہاں یہ محال بالغیر ہے یعنی اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو اپنے اختیار سے پورا کرے گا مثلاً اللہ کا وعدہ ہے کہ جو بندہ دنیا سے ایمان کے ساتھ جائے اللہ اسے جنت دے گا، کوئی شخص زندگی بھر ہندو مذہب پر رہا، جوانی (باقی آگے)

**واللّٰہ بکل شیء علیم بقرینۃ احاطۃ العلم الالٰھی بالواجب والممکن المعدوم والموجود الملحوظ بعنوان ما ، ویطلق بہ الممکن مطلقا کما فی الآیۃ الکریمۃ بقرینۃ القدرۃ التی لا تتعلق الا بالممکن الخ** (روح المعانی ج۱ص۱۷۸)''اور شیء لغت میں وہ ہے کہ صحیح ہو کہ اسے جانا جا سکے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کفر شرک اور کبیرہ گناہوں میں گزار دی بڑھاپے میں بھی شراب پیتا رہا۔ مرنے سے کچھ پہلے سخت بیماری کی حالت میں اس نے اسلام قبول کر لیا اور تھوڑی دیر بعد ایمان کے ساتھ فوت ہو گیا، اب اللہ چاہے تو اس کے زندگی بھر کے گناہوں کی وجہ سے اس کو جنت سے محروم کر سکتا ہے اگر اللہ اسے دوزخ میں ڈال دے تو کوئی پوچھنے والا نہیں مگر وہ اپنے وعدے کو پورا کرے گا اور ایمان سے ساتھ فوت ہونے والے کی اس سابق ہندو کی بخشش ضرور کرے گا۔

بریلویوں کے ہاں اللہ تعالیٰ کا وعدہ خلافی کرنا محال بالذات ہے گویا وعدہ کرنے کے بعد مجبورِ محض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: حق تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ لاکھوں میں جس کو چاہتا خاتم النبیین بنا کر بھیج دیتا یعنی بطریق بدلیت لاکھوں خاتم النبیین بنانا ممکن تھا مگر جب نبی ﷺ کا انتخاب ہو گیا اور آپ خاتم النبیین بن گئے تو اب کسی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ جس کی نہایت نفیس مثالیں ہم دے چکے ہیں کہ ہر شخص ہندہ کا شوہر اور زید کا باپ بن سکتا ہے مگر جب ایک بن گیا تو دوسرے کا بننا محال جیسے زید کا دوسرا باپ نہیں ہو سکتا تو دوسرا خاتم النبیین کیسے ہو سکتا ہے؟ (تفسیر نعیمی ج۱ص۱۹۸)

**اقول** [۱] اللہ تعالیٰ مجبور نہ تھا کہ کسی کو خاتم النبیین ضرور بناتا، اور جب اس نے اپنے اختیار سے حضرت محمد ﷺ کو یہ منصب دے دیا تو وہ اس کو واپس لینے پر بھی قادر ہے ارشاد فرمایا: **ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک** (بنی اسرائیل:۸۶) مولانا احمد رضا خان اس کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے'' مفتی نعیم الدین اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یعنی قرآن کریم کو سینوں اور صحیفوں سے محو کر دیتے اور اس کا کوئی اثر باقی نہ چھوڑتے'' (کنز الایمان مع خزائن العرفان ص۴۲۱) یا یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کمالات آنحضرت ﷺ کو دیئے ہیں نہ وہ واپس لے گا نہ ویسے کمالات کسی اور کو دے گا لیکن اگر بالفرض وہ دینا چاہے تو اس سے عاجز بھی نہیں۔ [۲] یہ کہنا بھی باطل ہے کہ ''ہندہ کے نکاح سے قبل ہر شخص ہندہ کا شوہر بن سکتا تھا'' اس لئے کہ جو لوگ دنیا سے چلے گئے یا جو ہندہ کی زندگی میں پیدا ہی نہیں ہوئے وہ اس دنیا میں ہندہ کے شوہر کیسے بن سکیں گے؟ علاوہ ازیں جب ایک شخص ہندہ کا شوہر بن گیا تو دوسروں کیلئے شوہر بننا محال بالذات تو کیا محال بالغیر بھی نہیں اگر پہلا شوہر عقد نکاح کے فوراً بعد طلاق دے دے تو اسی مجلس میں ہندہ کا کسی اور سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے تو نے اس کو محال بالذات کیسے کہہ دیا؟ [۳] یہ کہنا بھی باطل ہے کہ ہر شخص زید کا باپ بن سکتا تھا کیونکہ جو لوگ پہلے فوت ہو گئے یا جس زمانے میں یہ پیدا ہوا اس زمانے میں جو ابھی بہت چھوٹے تھے یا جو لوگ زید کے بعد پیدا ہوئے ان میں سے کوئی زید کا باپ کس طرح بن سکے؟ علاوہ ازیں جس طرح زید کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ بے شمار مردوں کو زید کا باپ بنا سکتا ہے زید کے پیدا ہونے کے بعد اس کی قدرت ختم نہیں ہو گئی وہ زید کو فنا کر کے اس کے جسم کو غذاؤں کی شکل دے کر کسی اور شخص کو کھلا کر اس کے نطفے سے دوبارہ زید کو پیدا کر سکتا ہے تو نے اس کو محال بالذات کیسے کہہ دیا؟

<u>مفتی احمد یار کے اپنے کلام سے تائید:</u> خود مفتی احمد یار خان ایک جگہ مشرکین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چوتھے یہ عقیدہ کہ خالق ہر چیز کا تو رب ہی ہے مگر وہ ایک بار پیدا کر کے تھک گیا...... ان کی تردید ان آیات میں ہے نمبر۱: **ولقد خلقنا السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب** ...... اس لئے فرمایا گیا کہ ہم تو صرف کن سے ہر چیز پیدا فرماتے ہیں تھکن کیسی؟ ہم دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہیں کہ اعادہ سے ایجاد مشکل ہے (علم القرآن ص۵۰تا۵۰) **اقول** ایسے ہی یہاں سمجھ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو کمالات عطا فرمائے اور جو مرتبہ مرحمت فرمایا یقیناً وہ کسی اور کو نہ دے گا مگر اس پر اس کی قدرت تو ہے وہ اس سے عاجز تو نہیں آ گیا۔ نہ اس کو کوئی تھکن پہنچی، نہ اس کی قدرت ختم ہوئی۔

<u>ایک اور انداز سے:</u>

بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہ دے گا مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ آپ کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے خدا تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنے والے کو ہو سکتا ہے کچھ عرصہ تیجہ، ساتواں، دسواں اور چہلم کے نام سے یتیموں اور بیواؤں کے حقوق سے پیٹ بھرنے کا موقع مل جائے مگر ایسے شخص کی آخرت یقیناً خراب ہے۔ اگر اللہ نے پوچھ لیا کہ میں نے کہا تھا حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور میرا وعدہ تھا کہ ان کے بعد کسی کو منصب نبوت نہ دوں گا میں نے (باقی آگے)

اوراس کے بارے میں خبر دی جاسکے جیسا کہ سیبویہ نے اس کی تصریح کی ہے اور یہ یعنی "ما یصح ان یعلم ویخبر عنہ" معدوم وموجود، اور واجب وممکن سب کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اس کے استعمالات بدلتے رہتے ہیں اس کے معنی کو قرائن کے ساتھ جانا جاتا ہے تو کبھی یہ لفظ بول کر اس سے سب افراد مراد لئے جاتے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس وعدہ کو اپنے اختیار سے پورا کیا۔ اے انسان! تو کسی چیز کا وعدہ کر کے اس کے خلاف کرنے سے بے بس نہیں ہو جاتا تھا، مجھے اس وعدے کے بعد محمد ﷺ کی مثل پیدا کرنے سے تو نے عاجز کیوں مان لیا؟ احمد رضا خان بریلوی، مفتی نعیم الدین مراد آبادی، احمد یار خاں گجراتی اور ان کے معتقدین بتائیں کہ آپ لوگ اس وقت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے؟ اللہ کو عاجز بھی کہتے ہو اور فخر بھی کرتے ہو۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ (الشعراء: ۲۲۷)

[بحث نمبر ۳]

﴿لفظ شَیْء کے معنی کی تعیین﴾

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں:

قرآن شریف میں شیء چار معنوں میں استعمال ہوا [۱] بمعنی ممکن موجود جیسے خالق کل شیء کیونکہ مخلوق موجود ہی ہے نہ کہ غیر موجود ہے [۲] بمعنی ممکن خواہ موجود ہو یا نہ ہو جیسے کہ اس آیت میں کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو اس کے چاہنے اور ارادے میں آسکے اور وہ ممکنات ہی ہیں اس لئے کہ واجب اور محال خدا کے ارادے میں آسکتے ہی نہیں لہٰذا وہ قدرت میں داخل بھی نہیں پروردگار نہ تو اپنا شریک بنا سکتا ہے کیونکہ وہ محال ہے اور نہ خود عیوب سے موصوف ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بھی محال ہے اور نہ اپنی ذات وصفات پر قادر ہے کیونکہ وہ واجب ہے لہٰذا اس شے سے محال اور واجب دونوں خارج ہیں [۳] بمعنی معلوم جیسے کہ و کان اللّٰہ بکل شیء علیما یہاں شے میں واجب محال ممکن سب داخل ہیں کیونکہ خدا ان سب کو جانتا ہے [۴] بمعنی موجود خواہ واجب ہو یا ممکن جیسے **قل ای شیء اکبر شہادۃ قل اللّٰہ**۔ اسی طرح رب کا فرمانا **کل شیء ھالک الا وجہہ**۔ ان دونوں آیتوں میں شیء بمعنی موجود ہے حق تعالیٰ بھی اس میں داخل ہے (تفسیر نعیمی ج ا ص ۱۹۱)

مفتی نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: شے اسی کو کہتے ہیں جسے اللہ چاہے اور جو تحت مشیت آسکے۔ تمام ممکنات شے میں داخل ہیں اس لئے وہ تحت قدرت ہیں اور جو ممکن نہیں واجب یا ممتنع ہے اس سے قدرت وارادہ متعلق نہیں ہوتا جیسے اللہ کی ذات وصفات واجب ہیں اس لئے مقدور نہیں مسئلہ: باری تعالیٰ کیلئے جھوٹ اور تمام عیوب محال ہیں اس لئے قدرت کو ان سے کچھ واسطہ نہیں (خزائن العرفان ص ۶ طبع قدرت اللہ کمپنی)

**اقول** [۱] مفتی احمد یار خان صاحب نے دوسرے نمبر پر شے کا معنی بتایا "ممکن خواہ موجود ہو یا نہ ہو" اور یہ بھی کہا کہ آیت "ان اللّٰہ علیٰ کل شیء قدیر" میں شے کا یہی معنی مراد ہے۔ کاش مفتی صاحب اسی پر اکتفا کر لیتے مگر ساتھ ہی کہہ دیا کہ "اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو اس کے چاہنے اور ارادے میں آسکے" ایسی ہی بات مفتی نعیم الدین صاحب نے لکھی کہ "شے اسی کو کہتے ہیں جسے اللہ چاہے"۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ "تمام ممکنات شے میں داخل ہیں" اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو چاہا وہ ممکن ہے اور جس چیز کو اللہ نے نہ چاہا وہ ممکن ہی نہیں ایسی ہی بات لاہوری اور قادیانی مرزائی بھی کہتے ہیں جیسا کہ مرزا بشیر الدین کی تفسیر صغیر ص ۹، اور تفسیر کبیر ج ا ص ۱۹۹، اور محمد علی لاہوی کی تفسیر بیان القرآن ج ا ص ۱۹ کے حوالوں سے گزرا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام ممکنات بلا استثناء تحت القدرۃ ہیں مگر اللہ نے تمام ممکنات کو چاہا نہیں مثلاً مولانا احمد رضا خان بریلوی ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۴۰ھ میں فوت ہوئے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہی چاہا تھا۔ مفتی نعیم الدین اور مفتی احمد یار خان کے معتقدین بتائیں کہ فاضل بریلوی کا ان تاریخوں کے علاوہ میں پیدا ہونا یا فوت ہونا کیا یہ ممکن نہیں؟ کیا یہ تحت القدرت نہیں؟ یقیناً یہ ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے۔

[۲] اللہ تعالیٰ کیلئے جھوٹ اور تمام عیوب یقیناً محال ہیں مگر بعض عیوب محال بالذات ہیں جیسے سرقہ، زنا اور بعض محال بالغیر ہیں جیسے کذب۔ سرقہ اور زنا کے محال بالذات ہونے کی وجہ گذشتہ صفحات میں گزر چکی کہ سرقہ کیلئے مال غیر چاہئے اور اموال حقیقت میں اللہ کے سوا کسی کے ہیں ہی نہیں ارشاد فرمایا: **لِلّٰہ ما فی السموات وما فی الارض** (البقرۃ: ۲۸۴) نیز فرمایا: **ولہ کل شیء** (النمل: ۹۱) زنا کی نسبت اللہ کی طرف اس لئے محال ہے کہ زنا گناہ ہے اور گناہ بڑے کی نافرمانی کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بڑا ہے کوئی نہیں اس لئے اس سے گناہ کا صدور محال ہے، اللہ کے کلام میں کذب اس لئے محال ہے کہ اللہ کے وعدے یقیناً پورے ہوں گے۔ اللہ اپنے وعدوں کے خلاف (باقی آگے)

ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اس قرینہ سے کہ علم الٰہی واجب، ممکن معدوم اور ممکن موجود سب کو محیط ہے جن کا کلمہ مَا سے لحاظ کیا جا سکے۔ اور کبھی شے سے مراد ممکن لیا جاتا ہے مطلقاً [یعنی خواہ موجود ہو یا معدوم] جیسا کہ آیت کریمہ: ''اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' میں اس کا قرینہ یہ ہے کہ قدرت کا تعلق صرف ممکن کے ساتھ ہوتا ہے''۔ شَيْء کے معانی کی مفصل بحث کیلئے دیکھئے روح المعانی ج ا ص ۱۷۸، ۱۷۹

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہیں کرتا فرمایا: ومن اوفی بعهده من الله (التوبۃ: ۱۱۱) مگر اللہ تعالیٰ نے جو وعدے کیے وہ ان کو اپنے اختیار سے پورا کرے گا جیسے وہ وعدہ کرنے سے پہلے امر موعود کے خلاف پر قادر تھا ویسے ہی وعدہ کرنے کے بعد امر موعود کے خلاف پر قادر ہے مگر وعدہ کے خلاف کرے گا نہیں۔ یہ کہنا کہ اپنے وعدے کے خلاف وہ کر ہی نہیں سکتا بڑی جرأت کی بات ہے۔

علامہ الوسیؒ لکھتے ہیں: **وفی الآية دليل على ان الممكن الحادث حال بقائه مقدور لانه شیء وكل شیء مقدور له تعالیٰ ومعنی كونه مقدورا ان الفاعل ان شاء اعدمه وان شاء لم يعدمه** (روح المعانی ج ا ص ۱۸۰) ''آیت کریمہ میں اس کی دلیل ہے کہ ممکن حادث اپنے بقاء کی حالت میں مقدور ہوتا ہے کیونکہ وہ شیء ہے اور ہر شیء اللہ تعالیٰ کی مقدور ہے اور اس کے مقدور ہونے کا معنی یہ ہے کہ فاعل یعنی قادر اگر چاہے تو اس کو معدوم کر دے اور اگر چاہے تو اس کو معدوم نہ کرے''۔

آپ کہتے ہو کہ اللہ نبی ﷺ کی مثل پیدا نہیں کر سکتا علامہ الوسیؒ فرماتے ہیں کہ ساری کائنات اپنے وجود و بقاء میں ہر دم اللہ کی محتاج ہے۔ واقعی بات تو ایسے ہی ہے۔

[بحث نمبر ۴]

﴿اس موضوع پر حضرت نانوتویؒ کی تحقیق﴾

آنحضرت ﷺ کی نظیر ممکن ہے یا نہیں دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ نبی کریم ﷺ کی مثل پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے یا نہیں حضرت نانوتویؒ سے اس بارے میں سوال ہوا آپ نے اس کا جواب ارشاد فرمایا جو کتاب ''فرائد قاسمیہ'' میں موجود ہے حضرتؒ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے مگر چونکہ اس کا وعدہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اس اعتبار سے آپ ﷺ کی مثل محال یعنی ممتنع بالغیر ہے یقیناً آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں۔ رہا نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ تو وہ حضرت نانوتویؒ بارہا لکھ چکے ہیں۔ ان کا نزول یقیناً عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف نہیں۔ اب حضرتؒ کا مضمون ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

اکثر بڑے عالم تو اس جانب ہیں کہ ماسوا خداوند کریم کے سب کا ثانی اور نظیر ممکن ہے اور وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہونا خدا ہی کو زیبا ہے اسی واسطے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی کے ساتھ یہ جملہ [وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ - راقم] لگایا گیا [چنانچہ وضو کے بعد کی دعاء میں ہے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ - راقم] اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کے ساتھ [وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ] نہ بڑھایا گیا اور مولوی فضل حق صاحب مرحوم اور ان کے اتباع اس جانب گئے کہ ممکن نہیں۔

مولوی صاحب مذکور کے دلائل کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی دل سے اسی بات کے قائل تھے کہ آپ ﷺ کا ثانی ممکن ہے کیونکہ دلائل سے ان کے فقط امتناع بالغیر ثابت ہوتا ہے اور امتناع بالغیر خود امکان ہی پر دلالت کرتا ہے اس واسطے کہ امتناع بالغیر کے یہ معنی ہیں کہ اپنی ذات سے تو فلانی چیز ممکن ہے پر کسی غیر کی وجہ سے محال یا ممتنع ہوگئی سو اس بات کے وہ لوگ بھی قائل ہیں جو ممکن بتلاتے ہیں کہ خداوند کریم کے وعدۂ صادق کے سبب آپ کا ثانی ممتنع ہوگیا اور محال بن گیا ممتنع ذاتی اور محال ذاتی نہیں جیسے خدا کا ثانی اور اس کا نظیر محال اور ممتنع ذاتی ہے یعنی کسی غیر کے سبب محال اور ممتنع نہیں ہوگیا اپنی ذات اور اپنی اصل سے محال اور ممتنع ہے۔

مولوی فضل حق صاحب مرحوم کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ خدا نے وعدہ کر لیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ثانی پیدا نہ کروں گا سو اس کا جواب ایک تو یہی ہے کہ جو چیز وعدہ کے سبب محال ہو وہ ممتنع بالغیر ہے ممتنع بالذات نہیں کیونکہ وعدہ کے سبب محال ہوئے اپنی ذات سے محال نہیں دوسرا یہ کہ وعدہ کا کرنا خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا [ثانی] پیدا کرنا قدرت و اختیار خداوندی میں داخل ہے ورنہ وعدہ کے کیا معنی؟ وعدہ تو امور اختیاریہ میں ہوتا ہے جس بات کا کرنا نہ کرنا اپنے اختیار نہ ہو اس میں وعدہ ممکن نہیں ہاں کبھی ان باتوں میں جو اپنے سے نہ ہو سکیں دھوکہ دینے کو ان لوگوں سے جو ناواقف ہوں بطور وعدہ کے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم یہ بات نہ کریں گے سو یہ بات ہم تم سے تو متصور ہے خداوند کریم سے متصور نہیں ہمارا خدا دھوکے باز نہیں جو خداوند صادق القول کو دھوکے باز سمجھے اس کے ایمان و اسلام میں حرف ہے۔ (باقی آگے)

مذکورہ بالا عبارت میں واجب سے مراد واجب الوجود ہے یعنی وہ ہستی جس کا وجود واجب ہے وہ ہمیشہ سے موجود ہے اس پر عدم نہ کبھی آیا اور نہ کبھی آئے گا،

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خداوند کریم خاتم النبیین فرماتے ہیں اگر آپ کا ثانی پیدا ہو جائے تو آپ خاتم النبیین نہ رہیں اور خدا کے کلام جھوٹے ہو جائیں سو اس کا جواب اول تو اسی تقریر سے نکل آتا ہے کیونکہ یہاں بھی وعدہ پر مدار کار رہا دوسرے حضرت آدم علیہ السلام باعتبار پیدائش کے اول النبیین ہیں ورنہ آپ ﷺ کی نبوت موافق حدیث **كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ** سب سے اول ہے پھر خاتمیت کہاں ہوگی؟ سو اگر رسول اللہ ﷺ کا ثانی محال ہے تو حضرت آدم کا ثانی بھی محال ہے **علی ھذا القیاس** اوسط الانبیاء اور اول الانبیاء اور خاتم الانبیاء اور اول الاولیاء اور خاتم الاولیاء اور اوسط الاولیاء بلکہ اول المخلوقات اور آخر المخلوقات اور اوسط المخلوقات سب کا ثانی محال ہوگا اگر یہی محال کے معنی ہیں تو اس سے کسے انکار ہے؟ [اقول: مگر یہ سب ممتنع بالغیر ہیں ممتنع بالذات ان میں سے کوئی نہیں۔ راقم] (فرائد قاسمی ص ۱۳۱ تا ۱۳۳، شائع کردہ ہے ادارہ ادبیان دلی۔ گلی قاسم خان دہلی'' کا شائع کردہ ہے تاریخ اشاعت ۱۴۰۰ھ۔ ۱۹۸۰ء)

عبارت کو ذرا غور سے پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ **خاتم النبیین** کے معنی حضرت کی عبارت میں آخری نبی ہی کے ہیں ثابت ہوا کہ حضرت کے کلام میں بھی **خاتم** کا لفظ بلا قرینہ **آخر** کے لئے ہوتا ہے حضرت مناظرہ عجیبہ ص ۱۱۳ خود فرماتے ہیں کہ خاتم النبیین کا معنی میرے نزدیک وہی ہے جو دوسرے کرتے ہیں میں نے بس آخر میں ہونے کی علت بتادی ہے وہ اعلیٰ ہوتا ہے۔

## ﴿حضرت نانوتویؒ کی کچھ اور عبارات﴾

مولانا عبدالعزیز صاحبؒ جنہوں نے تحذیر الناس کے بارے میں حضرت نانوتویؒ سے خط وکتابت کی تھی انہوں نے اپنے بعض مکاتیب میں اس موضوع کو بھی چھیڑا تھا حضرت نانوتویؒ نے مناظرہ عجیبہ میں ان کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا، اس سے بھی کچھ عبارات ملاحظہ فرمائیں مناظرہ عجیبہ میں آپؒ ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہمیں یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولوی عبدالعزیز صاحب کے نزدیک ممتنع النظیر ہیں آپ کا نظیر ممتنع بالذات۔ سو ان کے نزدیک جیسے خدا کا نظیر ممتنع بالذات تھا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظیر بھی ممتنع بالذات اس صورت میں جیسے خدا تعالیٰ واجب بالذات تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی واجب بالذات ہوں گے مگر مشکل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجب بالذات ہوں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خدا کی نظیر ہو جائیں گے اور خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظیر اور اس وجہ سے نہ وہ ممتنع النظیر رہیں گے نہ یہ۔ مولانا اگر محل بے محل گفتگو کرنی نازیبا نہ ہوتی تو یہ ہیچمدان ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بات روشن کر کے دکھلا دیتا کہ کسی کی نظیر کے ممتنع بالذات ہونے کو اس کا واجب الوجود ہونا ضرور ہے (مناظرہ عجیبہ ص ۴۲) حضرتؒ کی اس عبارت کو توجہ سے پڑھیں کیسا زبردست جواب ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممکن بالذات ہیں تو آپ کا نظیر بھی ممکن بالذات ہوگا (مناظرہ عجیبہ ص ۴۲) [اقول: حضرت کی بات تو بڑی معقول ہے کہ جب اصل ممکن بالذات ہے تو نظیر ممتنع بالذات کیوں ہوگی؟ اور جب نظیر ممکن بالذات ہوئی تو لامحالہ تحت القدرت ہوئی ہاں اللہ کا وعدہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبوت نہ دے گا اس لئے آپ ﷺ کی نظیر ممتنع بالغیر ہوئی۔ اللہ کی ذات واجب بالذات ہے تو اگر اس کیلئے کوئی نظیر ہو تو وہ بھی واجب بالذات ہوگی مگر واجب بالذات ایک ہی ہو سکتا ہے حضرت نانوتویؒ نے تقریر دلپذیر میں اور شاہجہانپور کے مباحثوں کے دوران اپنے بیانات میں اس کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔ راقم]

حضرتؒ ایک جگہ فرماتے ہیں: اول کا اوسط ہونا **مَادَامَ اَوَّلٌ** محال ہے اور یہی ہمارا اعتقاد ہے رسول اللہ ﷺ **مَادَامَ خَاتِمًا** اوسط نہیں ہو سکتے یعنی اور نبی آپ ﷺ کے بعد پیدا نہیں ہو سکتا (مناظرہ عجیبہ ص ۱۳۵) نیز فرماتے ہیں: باقی رہا وعدہ سو...... اس کی وجہ سے امتناع نظیر عالم ہو یا امتناع نظیر نبوی خاص ﷺ امتناع بالغیر ہی ثابت ہوتا ہے امتناع بالذات ثابت نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو بیان فرمایئے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۸۹) ایک جگہ فرماتے ہیں:

مولانا اگر نظیر ممتنع آپ کے نزدیک وہی ہے جو آخریت زمانی میں بھی شریک ہو تو ہمیں اس کے کہنے کی گنجائش ہے کہ یہ متنازع فیہ نہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باستثناءِ آخریت زمانی جو واقعی کوئی کمال منجملہ متممات ذات یا منجملہ صفات وکمالات نہیں [اقول: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو زمانے کی وجہ سے فضیلت نہیں ملی بلکہ زمانے کو آپ ﷺ کی وجہ سے فضیلت ملی۔ راقم] اور سب طرح کی تساوی کو آپ ممکن جانتے ہیں سو بحمد اللہ آپ ہمارے ہی ہم صفیر نکلے کیونکہ ہمارا بھی یہی مطلب ہے کہ (باقی آگے)

اس پر عدم کا آنا ممکن ہی نہیں اور وہ ذات صرف اللہ کی ہے۔ ممتنع یا محال اُس کو کہتے ہیں جو کسی طرح موجود نہ ہو سکے جیسے شریکِ باری۔ ممکن کا لفظ جب واجب اور ممتنع کے مقابل بولا جائے تو اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو موجود بھی ہو سکے معدوم بھی ہو سکے، یا یوں کہو کہ اس کا موجود ہونا بھی ضروری نہ ہو معدوم ہونا بھی ضروری نہ ہو۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دربارۂ کمالات اگرچہ بمقابلۂ کائنات لاثانی ہیں اور بلحاظ وعدہ کوئی آپ کا ثانی نہ ہوا ہے نہ ہو مگر خدائے قدیر کو ایسے صاحبِ کمال کا ثانی بنا دینا کچھ دشوار نہیں بلکہ اس کی قدرتِ لاانتہا کے سامنے ایسے افرادِ غیر متناہی کا بنا دینا ایسا ہی آسان ہے جیسا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیدا کرنا **و لا یمسہ لغوب** (مناظرہ عجیبہ ص ۸۶،۸۷)

مفتی احمد یار خان کی ذمہ داری تھی کہ وہ حضرت نانوتویؒ کے ان دلائل کا بھی جواب دیتا مگر اس نے حضرتؒ کے ان دلائل کی طرف اشارہ تک نہ کیا۔ ان کے معتقدین کو اگر اب بھی قدرتِ خداوندی کی وسعت کے انکار پر اصرار ہو تو حضرت نانوتویؒ کے ان دلائل کو مکمل نقل کر کے ان کو رد کر کے دکھائیں۔

[بحث نمبر ۵]

﴿راقم کی کتاب اساس المنطق سے عموم قدرت کی بحث﴾

راقم الحروف نے ۱۴۱۶ھ/۱۴۱۷ھ میں علم منطق کے اجراء کیلئے اساس المنطق کے نام سے تیسیر المنطق کی ایک شرح لکھی اس میں ایک مقام پر اللہ کے فضل وکرم سے یہ بحث بہت آسان الفاظ میں آئی تھی۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس کو یہاں بھی دے دیا جائے۔ اس کتاب میں ہے:

بریلوی حضرات کے نزدیک نبی علیہ السلام کی نظیر اور مثل خدا تعالیٰ کی قدرت ہی میں نہیں ہے **ان اللہ علی کل شیء قدیر** کے اندر نبی علیہ السلام کی مثل داخل نہیں مانتے بریلوی حضرات یہ بتلائیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو پیدا نہیں فرمایا تھا کیا اس وقت اللہ تعالیٰ آپ جیسے زیادہ افراد پیدا کرنے پر قادر تھا یا نہیں؟ کیا خاتم الانبیاء بنانے کے بعد قدرت ختم ہو گئی یا پہلے ہی نہ تھی؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے **افعیینا بالخلق الاول بل ھم فی لبس من خلق جدید**۔

پھر یہ بتائیں کہ نبی علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کی نظیر ممکن ہے یا نہیں؟ کیا اِس زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظیر تحت القدرۃ ہے یا نہیں؟ اگر تحت القدرت ہے تو کیا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی علیہ السلام پیدا ہوئے تو کیا موسیٰ علیہ السلام کی نظیر کو فرض کرنے کی صورت میں اس نظیر کے بعد آخری نبی کی نظیر کو فرض کرنا پڑے گا یا نہیں؟ کیا اِس زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے آباؤ اجداد میں سے کسی کی نظیر تحت القدرت ہے یا نہیں؟ اس کو ممکن ماننے کی صورت میں اس کی اولاد میں آنحضرت ﷺ کی نظیر کو فرض کرنا تو لازم نہیں آجاتا؟ کیا حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی نظیر تحت القدرۃ ہے یا نہیں اور کیا ان کو تحت القدرت تسلیم کرنے سے ان کے والد یا سسر یا نانا کو نبی علیہ السلام کی مثل فرض تو نہیں کرنا ہوگا۔

احمد رضا خان کی ولادت ۱۲۷۲ھ کو ہوئی اِس وقت [یعنی اساس المنطق لکھنے کے زمانے میں] ۱۴۱۶ھ ہے یہ بتلایا جائے کیا احمد رضا خان صاحب کی نظیر ممکن ہے یا نہیں اگر آج اس کی نظیر تحت القدرت ہے تو کیا جس طرح احمد رضا خان سے ۱۲۷۲ سال قبل نبی علیہ السلام کی ہجرت مانی جاتی ہے تو احمد رضا خان صاحب کی نظیر کیلئے آج سے ۱۲۷۲ سال قبل یعنی ۱۴۴ھ میں نبی علیہ السلام کی نظیر کی ہجرت تو ماننی لازم نہیں آجاتی؟

اگر ان چیزوں کو ممکن مانا جاتا ہے تو واردشدہ سوالات کا جواب دیا جائے اور اگر یہ کہا جائے کہ ان سب کی نظیر تحت القدرت نہیں ہے تو قدرت کس چیز پر ہوئی واللہ المستعان، اور اگر ان سب کی نظائر پر قدرت کو مانتے ہوئے بھی عقیدۂ ختم نبوت میں کوئی خلل نہیں اور یقیناً نہیں تو صرف نبی علیہ السلام کے لئے امکانِ نظیر کا عقیدہ کیوں خلاف شرع بن جاتا ہے؟ (اساس المنطق ج ۲ ص ۳۳۹،۳۴۰)

کچھ اور ملاحظات:

[۱] نبی ﷺ کے زمانے میں جو کفار تھے اللہ تعالیٰ ان کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹۹ میں اپنے بارے میں فرماتا ہے: **قَادِرٌ عَلٰی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ** (نیز دیکھئے سورۃ یٰس: ۸۱) اور یہ بھی بتایئے کہ اِس زمانے میں اُس زمانہ کے کفار کی مثل فرض کرنے کی صورت میں اِس زمانے میں آنحضرت ﷺ کی مثل کو فرض کرنا تو لازم نہیں آئے گا؟ (باقی آگے)

کسی موجود چیز کے تحت القدرۃ ماننے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پر فنا آسکتی ہے اور کسی معدوم کے تحت القدرۃ ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کو وجود مل سکتا ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اگر آپ ﷺ کی مثل محال بالذات ہو کر تحت القدرۃ نہ ہو تو کسی کی مثل بھی تحت القدرۃ نہ ہوگی نہ احمد رضا خاں کی، نہ احمد یار خاں کی حتی کہ گندم کے دانے کی مثل بھی ممتنع بالذات ہو جائے گی کیونکہ جو زمانی اور مکانی نسبت گندم کے ایک دانے کو نبی کریم ﷺ سے ہے دوسرے کسی دانے کو وہ نسبت نہیں۔ مثلاً ایک دانہ آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارکہ سے عین شمال کی طرف پورے پانچ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے اس کے ساتھ والا دانہ اس سے دو چار ملی میٹر کم یا زیادہ فاصلے پر ہوگا یا تھوڑا اوپر نیچے ہوگا، اسی طرح ایک دانہ آنحضرت کے مدینہ منورہ قدم مبارک رکھنے سے ۱۴۳۷ سال دس ماہ پانچ دن چھ گھنٹے پندرہ منٹ سترہ سیکنڈ بعد خوشے سے نکلا دوسرا دانہ پہلے دانے سے پانچ سیکنڈ بعد خوشے سے نکلا ظاہر ہے کہ جو زمانی نسبت نبی کریم ﷺ سے پہلے دانے کو حاصل ہوئی دوسرے کو حاصل نہ ہوئی۔

تمہارے فلسفہ کے مطابق فقہاءِ اسلام بڑے بے وقوف تھے جنہوں نے بعض چیزوں کو ذوات القیم کہہ دیا بعض کو ذوات الامثال (دیکھئے ہدایہ ج ۳ ص ۱۹۶ **بـاب مـن يـمـر على العاشر**) اب یا تو ذوات الامثال کا تصور ختم کرو بلکہ مثل کا لفظ ہی لغت سے نکالو کیونکہ نبی ﷺ سے نسبت کے اعتبار سے ہر چیز بے مثال ہے اور یا آنحضرت ﷺ کی نظیر کو ممکن بالذات، محال بالغیر کہہ کر تحت القدرت تسلیم کرو۔

[بحث نمبر ۶]

﴿فاضل بریلوی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں﴾

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان میں شفاعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتہ جبریل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے اور ایک دم میں سارا عالم عرش تک الٹ پلٹ کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کرے کہ اس کے تو محض ارادے سے ہی ہر چیز ہو جاتی ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۲۱)

اس عبارت میں نبی کریم ﷺ کی مثل کے تحت القدرت ہونے کی تصریح ہے اس عبارت کی وجہ سے کچھ لوگوں نے بہتان باندھا کہ شاہ صاحبؒ نے عقیدۂ ختم نبوت کا انکار کر دیا ان کے جواب میں شاہ صاحبؒ نے رسالہ یکروزی تصنیف فرمایا: فاضل بریلوی نے رسالہ یکروزی اور بعض دوسری کتب کا نام لے کر اپنے فتاویٰ میں شاہ صاحب کی طرف ایسے عقائد منسوب کیے اور جناب باری تعالیٰ کی ایسی گستاخیاں کیں جن کا کسی عام مسلمان کو وسوسہ تک نہیں آتا وہ گالیاں فاضل بریلوی کے نامہ اعمال کا نہایت سیاہ حصہ ہے۔ ایک خدا کی قدرت کا انکار، دوسرے اللہ کی شان میں گستاخیاں پھر نسبت دوسروں کی طرف کر کے خود نیک نام، بدنام کسی اور کو کر دیا۔

پوری عبارت نقل نہیں کرتے چند الفاظ سے اندازہ کر لیں فاضل بریلوی نے لکھا: "وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے جسے مکان، زمان، جہت، ماہیت، ترکیب عقلی سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے اور صریح کفروں کے ساتھ گننے کے قابل ہے...... ایسے کو جس کا بہکنا، بھولنا، سونا، اونگھنا، غافل رہنا، ظالم ہونا حتی کہ مرجانا سب ممکن ہے" (العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ج ۱ ص ۷۹۱ طبع سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد) حاشیہ میں بعض کتب کا نام لکھا ہے مگر ان کتب میں سے کسی کتاب میں بھی ایسی کوئی بات نہیں یہ سب کچھ احمد رضا خان کا افتراء ہے، اسے اور اس کے عقیدت مندوں کو اس گواہی کا حساب دینا ہوگا جو وہ شاہ صاحبؒ کے بارے میں دیتے ہیں: "**سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ**" (الزخرف: ۱۹) جن حضرات کی طرف ان کفریات کو منسوب کیا ہے قیامت کے دن جب وہ ان سے بیزار ثابت ہوں گے تو ان کفریات کے لکھنے والے اور ان کو پھیلانے والے ہی ان کی سزا بھگتیں گے: **وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا** (النساء: ۱۱۲)

[بحث نمبر ۷]

﴿فاضل بریلوی کی طرف سے نبی ﷺ کے علم کا انکار﴾

یہ بحث نمبر ۷ ضمنی طور پر آگئی مقام کے مناسب بحث نمبر ۸ ہے۔ بطور تمہید یہ بات سمجھئے کہ بریلوی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں اور مفتی احمد یار خان تو ہر مومن بلکہ ابلیس کیلئے بھی علم غیب مانتا ہے کہتا ہے: اگر علم غیب دلیل الوہیت ہے تو ہر مومن اللہ ہے کیونکہ ایمان بالغیب کے بغیر کوئی مومن نہیں ہوتا **يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** اور (باقی آگے)

اللہ تعالیٰ باقی ہے فانی نہیں ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا اس پر فنا کا آنا ممکن ہی نہیں (سورۃ الرحمٰن ۲۶، ۲۷) اس لئے وہ تحت القدرۃ نہیں، اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اللہ تعالیٰ کا شریک نہ کبھی ہوا، نہ کبھی ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شریک موجود ہو ہی نہیں ہوسکتا اس لئے وہ بھی تحت القدرۃ نہیں۔ الغرض تحت القدرۃ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے نہ اس کا شریک ہے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا موجود ہے کہ اس پر عدم نہیں آسکتا اور شریک باری ایسا معدوم ہے کہ اس کو وجود نہیں مل سکتا۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بغیر علم کے ایمان نامکمل ہے اور ملک الموت، ابلیس فرشتہ کاتب تقدیر بھی الٰہ ہوگئے کہ ان سب کو بہت علوم غیبیہ دیئے گئے ہیں...... [نیز کہتا ہے] غیب کے متعلق نفی کی آیات بھی ہیں اور ثبوت کی بھی نفی کی آیات میں واجب قدیم کل ذاتی علم مراد ہے اور ثبوت کی آیات میں عطائی ممکن بعض عارضی علم مراد ہے (علم القرآن ص ۴۷)

**اقول** [۱] اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے اعلان کروایا کہ آپ کہہ دیں میں غیب نہیں جانتا (الانعام: ۵۰) اور یہ بھی اعلان کروایا کہ علم غیب صرف اللہ کی شان ہے (النمل: ۶۵) نبی ﷺ کو تو علم غیب نہیں اور تیرا شیطان عالم الغیب ہوجائے؟ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ جبکہ اللہ نے جنوں سے بھی علم غیب کی نفی فرمائی (سبا: ۱۴) اور فرشتوں سے بھی (البقرۃ: ۳۳) [۲] بات کرنے سے پہلے کچھ تو سوچ لیا ہوتا ہم جنت دوزخ کو نبی ﷺ کے کہنے سے مانتے ہیں، اس کا مطلب یہ کہاں سے نکل آیا کہ ہم کو جنت دوزخ میں پائی جانے والی ہر ہر چیز کا پورا علم ہے۔ بلکہ ایمان بالغیب کا مطلب ہے نبی ﷺ کے کہنے سے ان باتوں کو بن دیکھے ماننا جن کی آپ ﷺ نے خبر دی۔ جب آنحضرت ﷺ کو غیب کا علم نہیں تو تجھے کیسے ہوگیا؟ اور اگر تو کہے کہ ان کو علم غیب تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ تعالیٰ اللہ اور اس کے رسول ﷺ جھوٹے، تو سچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

**<u>علم غیب کے خاصہ خداوندی ہونے کی نہایت مضبوط دلیل:</u>**

قرآن کریم میں جہاں بھی **عِلم** (بصورت مصدر یا فعل **یعلم، اعلم** یا مشتق **عالم، علام**) اور **غیب** (واحد یا جمع غیوب) کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں صرف اللہ کیلئے ہیں غیر سے اس کی نفی ہی نفی ہے۔ بریلوی قرآن میں کہیں بھی یہ دو لفظ (علم اور غیب) اکٹھے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کیلئے نہیں دکھا سکتے۔ مفتی احمد یار کا صریح بہتان ہے کہ قرآن کریم میں اللہ کے علاوہ کیلئے علم غیب کے ثبوت کی آیات بھی ہیں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں ان کے دعوے کے مطابق علم اور غیب دونوں اکٹھے مذکور ہوں۔ جن آیات کو یہ لوگ پیش کرتے ہیں ان میں یا صرف غیب ہے جیسے **تلک من انباء الغیب** (یوسف: ۱۰۲) یا صرف علم جیسے **وعلمک ما لم تکن تعلم** (النساء: ۱۱۳) یا ان دونوں میں سے کوئی لفظ نہیں جیسے **ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء** (النحل: ۸۹) الغرض قرآن کریم میں جو کچھ ہے وہ ہم مانتے ہیں مگر جو تم کہتے ہیں اس کا قرآن سے کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں کسی آیت کی تشریح کرتے وقت ان کی عبارتوں میں علم غیب کے الفاظ ہیں مگر ہم ان کی عبارتوں کے مکلف نہیں۔ احمد یار خان کو کیا حق ہے کہ اپنے نظریہ قرآن پر مسلط کرے۔ اس کے دعوے میں دو لفظ ہیں "علم" اور "غیب" نصوصِ قطعیہ میں بھی ان کو یہ دونوں لفظ دکھانے ہوں گے۔ ترجمہ یا تفسیر میں بڑھانے کی اجازت نہ ہوگی۔

**<u>علم غیب اور علوم غیبیہ ایک نہیں:</u>**

پھر علوم غیبیہ اور علم غیب میں بڑا فرق ہے۔ علوم غیبیہ میں غیب کے ساتھ یاء نسبت لگی ہوئی ہے علم غیب تو سب کو محیط ہے مگر علوم غیبیہ غیب کی کچھ خبریں ہیں انبیاء کو غیب کی قطعی خبریں اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی ملتی ہیں اور امتیوں کو انبیاء کے واسطے سے۔ تمہارے ساتھ ہمارا نزاع علم غیب کے بارے میں ہے۔ اس بارے میں تمہارے پاس قطعاً کوئی آیت نہیں ہے۔ قرآن کریم شروع سے آخر تک پڑھ لیجئے کتاب **المعجم المفہرس** میں علم اور غیب کی آیات دیکھ لیجئے۔

**<u>آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب نہ کہنے کے بارے میں حضرت تھانویؒ کی دلیل:</u>**

اس تمہید کے بعد اگلی بات سمجھئے کہ حضرت تھانویؒ کے پاس ایک استفتاء آیا جس میں ایک سوال علم غیب کے بارے میں تھا کہ زید کہتا ہے علم غیب کی دو قسمیں ہیں: "بالذات" اس معنی کر عالم الغیب خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، اور "بواسطہ" اس معنی کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عالم الغیب تھے زید کا یہ استدلال اور عقیدہ وعمل کیسا ہے؟ (حفظ الایمان طبع انجمن ارشاد المسلمین لاہور ص ۷۷) حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں علم غیب کے خاصہ خداوندی ہونے کو عقلی انداز میں سمجھایا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بقول زید نبی ﷺ کو اس لئے عالم الغیب کہا جائے کہ آپ ﷺ کو ہر ہر غیب کا علم ہے تو یہ عقلاً ونقلاً باطل ہے [چنانچہ فاضل بریلوی لکھتے ہیں حضور کا علم بھی جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط نہیں تمہید ایمان ص ۴۳۔ راقم] اور اگر زید کہے کہ آپ ﷺ کو غیب کی بعض باتوں کا علم ہے اس لئے آپ ﷺ عالم الغیب ہیں تو غیب کی بعض باتوں کا علم (باقی آگے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اور بہت سوں کو ہے مثلاً ہر انسان کو کچھ ایسی باتوں معلوم ہوتی ہیں جو بہت سے دوسرے انسانوں کے علم میں نہیں اس طرح تو سب انسانوں کو عالم الغیب کہنا چاہئے [اقول: حضرت تھانویؒ کو پتہ نہ تھا کہ دنیا میں مفتی احمد یار خان جیسے بھی ہیں جو علم القرآن ص ۲۷ میں ابلیس کیلئے بھی علم غیب کے قائل ہوں گے۔ راقم] کیونکہ جو وجہ زید نے نبی کریم ﷺ کو عالم الغیب کہنے کی بتائی وہ اوروں میں بھی پائی گئی، مگر زید اوروں کو عالم الغیب نہیں کہتا تو خاص آنحضرت ﷺ کو بھی عالم الغیب نہ کہے۔ حضرت تھانویؒ نے اس جواب میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ نبوت کیلئے جو علوم لازم وضروری ہیں وہ آپ ﷺ کو بتمامہا حاصل ہو گئے تھے (حفظ الایمان ص ۹۵)

<u>حضرت تھانویؒ کا مقصد قرآنی عقیدے کا اثبات تھا:</u>

قرآن کریم نے بندوں کیلئے علم کا جا بجا ذکر کیا قرآن کریم میں کہیں آپ کو ملے گا: یَعْلَمُوْنَ [جیسے البقرۃ: ۷۵] کہیں ملے گا تَعْلَمُوْنَ [البقرۃ: ۴۲] اور آنحضرت ﷺ کیلئے علم کا بھی خصوصیت سے یوں بھی ذکر فرمایا: وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (النساء: ۱۱۳) مگر علم غیب کی نفی عام انسانوں سے بھی ہے اور انبیاء سے اور خاص نبی کریم ﷺ سے بھی کی، قرآن کریم میں عالم الغیب خاص اللہ تعالیٰ ہی کو کہا گیا ہے (دیکھئے سورۃ سبا: ۳، سورۃ الجن ۲۶) حضرت تھانویؒ نے مذکورہ بالا دلیل قرآنی عقیدے کو ثابت کرنے کیلئے ہی بیان فرمائی آپ کی نیت قرآنی عقیدے کا اثبات تھا۔

<u>فاضل بریلوی کا مقصد کیا؟</u>

مگر فاضل بریلوی غیر اللہ کیلئے علم غیب کو مان کر قرآن کے منکر تو ہوئے ہی تھے، حضرت تھانویؒ کی اس دلیل کو رد کرنے کے بہانے نبی ﷺ کے علم کا بھی مذاق اڑاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا بھی مزید ہوشیاری یہ کرتے ہیں کہ گستاخیاں خود کرتے ہیں اور گستاخیوں کی نسبت دوسروں کی طرف کرتے ہیں تا کہ نبی ﷺ کی معاذ اللہ گستاخی بھی ہو جائے اور اپنی بدنامی بھی نہ ہو۔ چنانچہ آیت وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (النساء: ۱۱۳) لکھ کر حضرت تھانویؒ کی دلیل پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

''علم غیب میں جاری ہونے سے مطلق علم میں اس کی تقریر خبیث کا جاری ہونا زیادہ ظاہر ہے کہ ہر آدمی وجانور کے لئے بعض اشیاء کا مطلق علم حاصل ہونا انہیں علم غیب حاصل ہونے سے زیادہ روشن ہے'' (حسام الحرمین ص ۱۱۱) دوسری جگہ حضرت تھانویؒ کی دلیل ذکر کر کے اسے علم غیب میں نہیں بلکہ مطلق علم میں یوں جاری کرتے ہیں:

''اب زید کی جگہ اللہ عزوجل کا نام پاک لیجئے اور علم غیب کی جگہ مطلق علم جس کا ہر چوپائے کو ملنا اور بھی ظاہر ہے اور دیکھئے کہ <u>اس بدگوئے مصطفیٰ</u> صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقریر کس طرح کلام اللہ عزوجل کا رد کر رہی ہے <u>یعنی یہ بدگو خدا کے مقابل کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے</u> کہ آپ (یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی ذات مقدسہ پر علم کا اطلاق کیا جانا اگر بقول خدا صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس علم سے مراد بعض علم ہے یا کل علوم اگر بعض علوم مراد ہیں تو اس میں حضور اور دیگر انبیاء کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی بات کا علم ہوتا ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم کہا جائے پھر اگر خدا اس کا التزام کرلے کہ ہاں میں سب کو عالم کہوں گا تو پھر علم کو منجملہ کمالات نبویہ کیوں شمار کیا جاتا ہے جس امر میں مؤمن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہو سکتا ہے اور اگر التزام نہ کیا جاوے تو نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا لازم ہے اور اگر تمام علوم مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے انتھی بس ثابت ہوا کہ خدا کے وہ سب اقوال اس کی اسی دلیل سے باطل ہیں <u>مسلمانو! دیکھا کہ اس بدگو نے</u> فقط محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو گالی نہ دی بلکہ ان کے رب جل وعلا کے کلاموں کو بھی باطل ومردود کر دیا (تمہید ایمان ص ۱۳)

**اقول** [۱] تیرا قیاس، قیاس مع الفارق ہے علم غیب کو مطلق علم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ قرآن کریم میں نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے اور مطلق علم [جس سے مراد یہاں علوم نبوت ہیں] کو نبی ﷺ کیلئے ثابت کیا گیا ہے حضرت تھانویؒ خود اس کتاب حفظ الایمان میں لکھتے ہیں: نبوت کے لئے جو علوم لازم وضروری ہیں وہ آپ کو بتمامہا حاصل ہو گئے تھے (حفظ الایمان ص ۹۵ طبع انجمن ارشاد المسلمین لاہور) اس لئے ان کی طرف سے ایسا سوال ہرگز نہیں ہو سکتا۔

[۲] حضرت تھانویؒ کی دلیل قرآن کی بات کو ثابت کرنے کیلئے اور تیری یہ دلیل قرآن کی بات کو رد کرنے کیلئے ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت تھانویؒ نے جس بات کو ثابت کیا وہ خود قرآن میں مذکور ہے قرآن خود کہتا ہے کہ اللہ کے سوا علم غیب کسی کے پاس نہیں (النمل: ۶۵) اگر تو کہے کہ نبی ﷺ سے ذاتی علم غیب کی نفی ہے نبی ﷺ (باقی آگے)

عام لوگوں کو جو کام مشکل لگے اسے ناممکن کہہ دیتے ہیں حالانکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن ہوتے ہیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جو حضرات ایسے اُمور کو محال کہتے ہیں خدا کی قسم وہ اب تک محال کی حقیقت ہی نہیں سمجھے (بیان القرآن ج ا ص ۳۵)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کیلئے عطائی علم غیب ثابت ہے تو یہ تیرا اپنا بنایا ہوا عقیدہ ہے تجھے کیا حق بنتا ہے اپنے عقیدہ قرآن وحدیث پر مسلط کرے اور لوگوں کو امت مسلمہ سے کاٹ کر اپنے پیچھے لگائے ☆ اگر اب بھی تجھے مسئلہ سمجھ نہیں آیا تو ہم دوسرے طریقے سے تجھے سمجھا دیتے ہیں۔ ذرا غور سے سن تیرے دو دعوے ہیں ایک یہ کہ نبی ﷺ کو ذاتی علم غیب نہ تھا، دوسرا دعوی یہ کہ آپ ﷺ کو عطائی علم غیب تھا۔ اصل نزاع اس دوسرے دعوے میں ہے کیونکہ نبی ﷺ کیلئے ذاتی علم غیب کے نہ ہم قائل ہیں نہ تو قائل ہے۔ اس عطائی علم غیب کی تیرے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں سوائے دعوے کے تیرے پاس کچھ نہیں کسی آیت میں ''علم'' اور ''غیب'' ان دو لفظوں کے ساتھ نبی ﷺ کو علم غیب دیئے جانے کا ذکر نہیں اور جب تک یہ دو لفظ صریح آیت میں نہ دکھائے تیرا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ تو جب حضرت تھانویؒ کی دلیل قرآن کی بات کو ثابت کرنے کیلئے ہے تو تو اس دلیل کا رد کر کے حضرت تھانویؒ کا نہیں قرآن کا رد کر رہا ہے، کرلے جو کرنا ہے جس نے قرآن نازل کیا وہ خود پوچھ لے گا۔

<u>ایک اور انداز سے عطائی علم غیب کے نظریہ کا ابطال:</u>

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو رسالت عطا فرمائی تو اس کے اعلان کا حکم دیا فرمایا: **قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا** (الاعراف: ۱۵۸) دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ سے غیب نہ جاننے کا اعلان کروایا **قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب** (الانعام: ۵۰) اگر اللہ نے آپ ﷺ کو علم غیب دیا ہوتا تو اس کا اعلان کرواتے۔ رہا یہ کہ یہاں ذاتی کی نفی ہے تو یہ تمہاری تحریف ہے۔ اس لئے کہ رسالت بھی تو آپ کیلئے ذاتی نہیں اس کی نفی کا اعلان کیوں نہ کروا دیا؟

[۳] پھر احمد رضا نے کلام الٰہی کو رد کرنے کے لئے جو سوال اٹھایا اس سوال کا جواب نہ دیا، یعنی علم غیب کے بارے میں اپنے باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کیلئے علوم نبوت کے ثابت شدہ عقیدے کا بھی انکار کر گیا۔ ارے اتنا ہی کہہ دیتا کہ ٹھیک ہے اوروں کو بھی علم ہوگا، مگر جس طرح کے اعلیٰ علوم نبی ﷺ کو عطا ہوئے کسی اور کو نصیب نہ ہوئے۔

<u>فاضل بریلوی کا مرزا قادیانی کے کردار کو اپنانا:</u>

اس کی مثال ایسے ہے کہ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ضمیمہ انجام آتھم میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ حضرت مریم صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کی سخت توہین کی آخر میں وجہ یہ بتائی کہ ایک پادری نے خط میں نبی ﷺ کی طرف زنا کی نسبت کی تھی (دیکھئے روحانی خزائن ج ۱۱ ص ۲۹۲، ۲۹۳ حاشیہ) اس ظالم قادیانی نے پادری کے جواب میں نبی ﷺ کی پاکدامنی کا ذکر تک نہ کیا، رد کیا تو یوں کیا کہ اللہ کے ایک اور نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بھی گالیاں نکال دیں اور یہ گناہ پادری کے گناہ سے بھی بڑا ہے کیونکہ اول تو پتہ نہیں کہ اس پادری نے یہ بات لکھی یا نہیں قادیانی نے ہی اس کو شائع کیا، دوسرے پادری نے ایک نبی کی گستاخی کی مرزا نے مقابلہ میں دو نبیوں کی گستاخیاں کیں۔

[۴] فاضل بریلوی نے مطلق علم کے بارے میں یہ ساری گستاخانہ عبارت خود بنائی ہے اور بدنام کرتا ہے حضرت تھانویؒ کو کہ اس بدگو نے گالی دی۔ ارے عبارت تو نے بنائی ہے یہ بدگو تو ہی تو ہے حضرت تھانویؒ اس کے ذمہ دار کیونکر؟ تمہید ایمان کی اس عبارت کی بنا پر کافر ہوگا تو احمد رضا ہوگا کیونکہ اس عبارت کا کہنے والا وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ کفریہ جملہ بنائے کوئی، اور کافر کوئی اور ہو جائے۔ بلکہ کفریہ جملہ بنا کر دوسرے کی طرف منسوب کرنے والا دہرا مجرم ہے ایک اپنے کفر کا مجرم، دوسرے بے گناہ پر بہتان باندھنے کا مجرم۔ ارشاد باری ہے: **وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا** (النساء: ۱۱۲) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اس کے تحت لکھتے ہیں: ''یعنی جس نے چھوٹا یا بڑا گناہ کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ لگایا تو اس پر دو گناہ لازم ہوگئے ایک جھوٹی تہمت دوسرا وہ اصلی گناہ''۔

[بحث نمبر ۸]

<u>﴿فاضل بریلوی کی طرف سے خدا کے قادر مطلق ہونے کا انکار﴾</u>

یہ بات تو آپ دیکھ چکے کہ نبی ﷺ کیلئے علم غیب مان کر احمد رضا خان علم غیب کے بارے میں قرآنی آیات کا منکر تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ''**ان اللہ علی کل شیء قدیر**'' کا بھی انکاری تھا، وہ اس طرح کہ حضرت تھانویؒ کی مذکورہ بالا دلیل پر تنقید کرتے ہوئے موصوف کہتے ہیں:

''یہ گندی تقریر [اقول: قرآنی عقیدے کو ثابت کرنے والی تقریر گندی نہیں ہوسکتی، گندی تقریر وتحریر وہ ہے جو قرآنی عقیدے کو رد کرنے کیلئے ہو خواہ (باقی آگے)

حضرت نانوتویؒ ممتنع بالذات یا محال بالذات کی فقط دو صورتیں بتاتے ہیں اجتماعِ نقیضین، ارتفاعِ نقیضین (دیکھئے تقریر دلپذیر ص ۲۸) پھر اس کو مثال سے سمجھاتے ہیں کہ موجودِ اصلی کا معدوم ہونا تو محال ہے...... کیونکہ موجودِ اصلی یعنی خداوندِ کریم کا وجود تو عینِ ذات ہے سو اگر وہ معدوم ہو تو یہ معنی ہوں کہ وجود معدوم ہے اور چونکہ معدوم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وجود نہیں تو وجود کے معدوم ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ وجود وجود نہیں اور یہ وہی پہلی صورت محال کی ہے۔ (تقریر دلپذیر ص ۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ پر عدم اس لئے محال ہے کہ اس میں اجتماعِ نقیضین پایا جاتا ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مرزا قادیانی کی ہو یا احمد رضا خان کی یا نعیم الدین مراد آبادی کی یا احمد یار خان کی۔ راقم] اگر علم اللہ عزوجل میں جاری نہ ہو تو وہ قدرتِ الٰہی میں بعینہٖ بغیر کسی تکلف کے جاری ہے کوئی بے دین جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرتِ عامہ کا منکر ہو اس منکر سے کہ علم محمد ﷺ [اقول: تونے یہاں غیب کا لفظ کیوں چھوڑ دیا؟ ہم نبی ﷺ کیلئے علم کو مانتے ہیں اور جیسے ان کے لئے نبوت کو سب سے اعلیٰ مانتے ہیں ان کیلئے علم بھی سب سے اعلیٰ مانتے ہیں یقین نہ آئے تو تحذیر الناس کو پڑھ لے۔ تجھے نبی کریم ﷺ کیلئے علم غیب کو ثابت کرنا ہے، صرف علم سے علم غیب ثابت نہیں ہوتا۔ ثابت ہوا تیرے پاس نبی ﷺ کے لئے علم غیب کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر تیرے پاس دلیل ہوتی تو یوں نہ چکر چلاتا۔ راقم] کا انکار رکھتا ہے سیکھ کر یوں کہے کہ اللہ عزوجل کی ذاتِ مقدسہ پر قدرت کا حکم کیا جاتا اگر بقول مسلمانان صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قدرت سے مراد بعض اشیاء پر قدرت ہے یا کل اشیاء پر اگر بعض پر قدرت ہونا مراد ہے تو اس میں اللہ عزوجل کی کیا تخصیص ہے ایسی قدرت تو زید عمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے اور اگر کل اشیاء پر قدرت مراد ہے اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے کہ اشیاء میں خود ذاتِ باری بھی ہے اور اسے خود اپنی ذات پر قدرت نہیں ورنہ تحتِ قدرت ہو جائے گا تو ممکن ہو جائے گا تو واجب نہ رہے گا تو الٰہ نہ رہے گا <u>تو بدکاری کو دیکھو کیسے ایک دوسرے کے طرف کھینچ کر لے جاتی ہے</u>" (حسام الحرمین مع تمہید ایمان ص ۱۱۱ و ۱۱۳ مطبع اہلسنت وجماعت بریلی)

**اقول** واقعی یہ بات درست ہے کہ ایک بدکاری دوسری بدکاری کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے، اللہ والوں کی عداوت تجھے یہاں تک لے آئی کہ تو حیلے بہانے اُس قطعی عقیدے کا انکار کر گیا جو آیتِ کریمہ: "**ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر**" اور دیگر آیات محکمات سے ثابت ہے۔ اور جس کا آج تک امت میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ فاضل بریلوی کی اس عبارت پر جاندار گرفت حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ نے اپنی کتاب توضیح البیان فی حفظ الایمان طبع دیوبند ص ۱۶ تا ۱۹ میں فرمائی ہے۔ جو دلچسپ بھی ہے اور قابلِ مطالعہ بھی۔ ہم نے بھی اس بحث میں اس کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

<u>فاضل بریلوی کا قیاس درست نہیں:</u>

فاضل بریلوی کی یہ ساری محنت بے کار ہے ان کا یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے، علم غیب کی نفی کی تقریر کو، اللہ کے قادرِ مطلق ہونے کی نفی کیلئے نہیں چلا سکتے۔ جس کی چند وجوہات درج ذیل ہیں [۱] بندوں کیلئے قدرت کا اطلاق ثابت ہے ارشاد فرمایا: **اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ** " (المائدۃ: ۳۴) بندوں کیلئے علم غیب کا اطلاق ثابت نہیں بلکہ بندوں سے علمِ غیب کی نفی ہی کی گئی ہے۔ **فافترقا**۔ مطلب یہ ہے کہ بندے کو شریعت میں قادر تو مانا جاتا ہے مگر بندے کو عالم الغیب نہیں مانا جاتا، اس لئے علم غیب کی نفی کی تقریر کو اللہ کے قادرِ مطلق ہونے کی نفی کیلئے نہیں چلا سکتے۔ [۲] اللہ تعالیٰ قادر بالذات ہے یعنی وہ قادر ہے قدرتِ ذاتیہ دائمہ کے ساتھ اور بندہ قادر بالعرض ہیں یعنی بندہ قادر ہے قدرتِ عرضیہ عطائیہ کے ساتھ جیسے اللہ بھی سمیع بصیر ہے (الشوریٰ: ۱۱) بندہ بھی سمیع بصیر ہے (الدہر: ۲) مگر اللہ تعالیٰ کیلئے سمع بصر ذاتی ودائمی ہے، بندے کیلئے سمع بصر عطائی وعرضی ہے۔ اس بنا پر اگر بفرضِ محال کسی بندے کی قدرت جملہ ممکنات پر بھی تسلیم کر لیں تب بھی باعتبار قدرتِ ذاتیہ کے ان کو قادر نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے بندے کو خدا تعالیٰ پر قیاس نہیں کر سکتے۔ لہٰذا عمومِ قدرت کے خلاف احمد رضا کی یہ دلیل قطعاً باطل ہے۔ بہرحال بندے کیلئے قدرت بالعرض ثابت ہے مگر علم غیب بالعرض بندے کیلئے ثابت نہیں۔

[۳] اگر ذاتی، عرضی سے قطع نظر کرتے ہوئے مطلق قدرت کا لحاظ کریں تو بھی قدرت کو علم غیب پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ہم خدا تعالیٰ کو قادر بقدرتِ عامہ شاملہ باعتبار جمیع ممکنات کے کہتے ہیں ایک کا بھی استثناء نہیں کرتے یعنی **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** میں شے سے مراد ممکنات ہیں، واجب اور ممتنع نہیں۔ واجب اور ممتنع تحت القدرت نہیں اور ممکنات کا ایک فرد بھی قدرت سے خارج نہیں۔ اور بندوں کی قدرت ممکنات کے نہایت ہی محدود افراد پر ہے اور وہ بھی جب اللہ چاہے۔ (باقی آگے)

رہا یہ کہ محال اور واجب کے تحت القدرۃ نہ ہونے میں کہیں قدرت کا نقص نہ ہو اس کا جواب حضرت نانوتویؒ نے یہ دیا ہے کہ یہاں قدرت میں نقص نہیں بلکہ مفعول میں قابلیت نہیں ہے ذاتِ باری تعالیٰ پر فنا نہیں آسکتی اور ممتنع بالذات وجود کو قبول نہیں کرتا شریکِ باری کا ہونا بھی محال بالذات ہے اور اللہ پر فنا کا آنا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چونکہ قدرت کا تعلق ہے ہی ممکنات سے اور ممکنات کا کوئی فرد بھی خارج از قدرت نہیں اس لئے واجب اور ممتنع کے خارج از قدرت ہونے قدرت کے عام ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ نتیجہ یہ کہ قدرت کو علم غیب پر قیاس نہیں کر سکتے۔

<u>فاضل بریلوی کی اس عبارت میں چند وجوہ کفر:</u>

فاضل بریلوی نے حفظ الایمان کی عبارت کی بنا پر حضرت تھانویؒ کو کافر کہا حالانکہ وہ عبارت قرآن کی تائید میں ہے پھر حفظ الایمان کی عبارت کیمقابلہ میں جو عبارت لائے وہ "**ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر**" کو رد کرنے کیلئے ہے گویا ان کو قرآن سے اس قدر ضد ہے کہ خود قرآن کا رد کرتا ہے اور جو قرآن کی تائید کرے اس کو کافر کہتا ہے اس لئے ہمارا ایمانی حق ہے کہ ہم احمد رضا کی اس دلیل کا ناقدانہ جائزہ لیں تمہیدی طور پر حضرت تھانویؒ کی عبارت میں اور فاضل بریلوی کی عبارت میں ایک اہم فرق سمجھئے حضرت تھانویؒ نے اپنی دلیل میں مخلوق کے علم کا ہی ذکر کیا اور مخلوق کا علم بہر حال عطاءِ خداوندی ہے [فاضل بریلوی خود لکھتے ہیں: بے خدا کے بتائے کسی کو ذرہ بھر کا علم ماننا ضرور کفر ہے (تمہید ایمان ص ۲۴) راقم] اور حسام الحرمین کی اس عبارت میں فاضل بریلوی نے قدرتِ خداوندی کو مخلوق کی قدرت کے ساتھ ذکر کیا ہے اس لئے فاضل بریلوی کی عبارت پر جو ملاحظات ہوں گے وہ حضرت تھانویؒ کی عبارت پر نہ ہوں گے۔ فاضل بریلوی کی عبارت پر چند ملاحظات حسب ذیل ہیں:

[۱] موصوف نے اس دلیل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کیلئے جس قدرت کا ذکر کیا ہے اگر وہ اس قدرت سے قدرتِ ذاتیہ مراد لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرح زید عمرو، صبی ومجانین بلکہ جملہ حیوانات کیلئے موصوف نے قدرتِ ذاتیہ کو مان لیا اور یہ قطعی کفر ہے اور اگر دلیل میں مذکور قدرت سے مراد قدرتِ عرضیہ ہے تو پھر موصوف کی طرف سے خدا کیلئے قدرتِ عرضیہ ماننا لازم آیا، اور یہ بھی کفر ہے جس کا ارتکاب موصوف کرتے خود ہیں، اور دھرتے اس کو مسلمانوں کے ذمہ ہیں۔

جناب عالی! بجز آپ کے کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے جو خداوند عالم کیلئے قدرتِ عرضیہ ثابت کرے وہ بھی ایک جگہ نہیں قدرتِ عامہ شاملہ۔ خداوند عالم کیلئے کوئی شخص ایک امر کی قدرتِ عرضیہ بھی ثابت کرے تو وہ قطعی کافر ہے چہ جائیکہ غیر متناہی امور کی قدرتِ ذاتیہ غیر متناہی طریقہ سے۔ فرمایئے غیر متناہی وجہ سے کافر ہوئے یا نہیں۔ اس کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ قدرتِ باری میں تقریر مذکور بلا تکلف جاری ہو سکتی ہے تماشا یہ کہ ہم نہیں کہتے آپ ہی کے کلام سے آپ پر کفر لازم آتا ہے۔

**اشکال:** یہ تقریر فاضل بریلوی کی طرف سے تو نہیں یہ تقریر تو ایک بے دین کی طرف سے کہی ہے اس لئے کافر ہوگا تو وہ بے دین ہوگا

**جواب:** فاضل بریلوی اس تقریر کے جاری کرنے کو بلا تکلف تسلیم کرتے ہیں کفر تقریر کی وجہ سے لازم نہیں کیا گیا، اس تقریر کے بلا تکلف جاری ہونے کو تسلیم کرنے سے اور تقریر کا جاری ہونا اس پر موقوف ہے کہ یا تو خدا کیلئے قدرتِ عرضیہ ثابت کی جائے یا ممکنات کیلئے قدرتِ ذاتیہ اور دونوں کفر صریح ہیں لہٰذا یہ کفر اٹھ ہی نہیں سکتا۔

[۲] آپ فرماتے ہیں کہ کوئی بے دین اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عامہ کا منکر ہو اور اس کی مثال میں یہ فرماتے ہیں تو چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ قدرتِ باری تعالیٰ کے تحت داخل نہ ہوئی تو خدا کی قدرت عامہ نہ رہی تو گویا ذاتِ خدا کو مقدوریت سے خارج ماننا قدرتِ عامہ کا انکار ہے اور یہی وجہ بے دینی کی ہے تو معلوم ہوا کہ آپ خداوند عالم کو قادرِ مطلق اس معنی میں جانتے ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ کو بھی قدرت کے تحت داخل مانتے ہیں اور یہ کفر صریح ہے ورنہ پھر اس غریب کی بے دینی کی وجہ کیا ہے؟ یہ دوسرا کفر ہے بغور جواب دیجئے۔

**اشکال:** ہو سکتا ہے کہ بے دین سے مراد ہندو ہیں فاضل بریلوی نے ہندوؤں کا اعتراض نقل کیا ہے جو کہتے ہیں کہ خدا قادر مطلق ہے تو خود کو مار کیوں نہیں سکتا؟ اس لئے اس عبارت کی رو سے ہندو ہی کافر بنتے ہیں نہ کہ فاضل بریلوی جو محض ناقل ہیں۔ **جواب:** [۱] گذشتہ صفحات میں ہندوؤں کا موقف گزر چکا ہے کہ وہ یا تو خدا کے قادرِ مطلق ہونے کے منکر ہیں اور یا وہ خدا تعالیٰ کو مادے اور ارواح کا خالق نہیں مانتے۔ جس طرح مفصل دلیل دے کر فاضل بریلوی نے "**ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر**" کا مذاق اڑایا، ہندو تو اس طرح نہیں کرتے۔ اس لئے اس عبارت کے ذمہ دار فاضل بریلوی ہی ہیں [۲] علاوہ ازیں اگر یہ ہندوؤں کی بات ہی ہو تو یہاں اس کو نقل کرنے کی کیا ضرورت؟ حضرت تھانویؒ کی دلیل جس کا مقصد ایک قطعی عقیدے کو ثابت کرنا ہے اس کا رد کر کے قطعی عقیدے کا تو انکار کر دیا، اور تائید میں ہندوؤں کا اعتراض نقل کیا، اور اس کا جواب نہ بھی دیا، کیا یہ منافقوں اور زندیقوں کا طریقہ نہیں کہ مسلمانوں میں دین کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلاؤ اور جواب نہ دو۔ (باقی آگے)

بھی محال بالذات ہے۔اللہ نے جو وعدے کئے اُن کے خلاف کرنا اگرچہ تحت القدرۃ ہے لیکن اللہ اس کے خلاف کرے گا نہیں۔اس لئے اللہ کے وعدے کا خلاف ممتنع بالغیر ہوگیا(۱) شریک باری تو محال بالذات ہے اس لئے تحت القدرۃ نہیں۔جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے جنت میں جانے کے بعد ان پر موت نہ آئے گی اس اعتبار سے وہ ممکن بالذات واجب بالغیر ہوں گے، کہ اللہ تعالیٰ ان کو فنا کرنے پر قادر ہے مگر کرے گا نہیں۔نبی ﷺ کی مثل ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے۔اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی مثل پیدا نہیں کرے گا مگر وہ تحت القدرۃ تو ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

ترا ثانی بامکان وقوعی ہو نہیں سکتا　　　نفی امکانِ مطلق کی مگر ہے قول مرتد کا (اروح ثلاثہ ص ۱۲۴)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مرزا قادیانی بھی ایسے کرتا تھا،عیسائیوں کا رد کر یہودیوں کی باتیں نقل کر دیتا مثلاً یہودیوں نے حضرت مریم پہ جو تہمتیں لگائیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو گستاخیاں کیں ان کو عیسائیوں کے جواب میں تائیداً نقل کرتا ہے ان کا رد بھی نہیں کرتا۔خود ایک جگہ لکھتا ہے: ہمارے قلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت جو کچھ خلاف شان ان کے نکلا ہے وہ الزامی جواب کے رنگ میں ہے اور وہ دراصل یہودیوں کے الفاظ ہم نے نقل کئے ہیں (روحانی خزائن ج ۲۰ ص ۳۴۶ حاشیہ) ایک جگہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو بہت سی گالیاں دیں ، وجہ یہ بتائی کہ ایک عیسائی پادری نے اس کو خط لکھا جس میں اس نے نبی ﷺ پہ برائی کی تہمت لگائی (ایضاً ج ۱۱ ص ۲۹۲،۲۹۳ حاشیہ) دیکھا قادیانی کا کردار اس نے پادری کے بہتان کا رد کر کے نبی ﷺ کا دفاع نہ کیا، الٹا ایک اور نبی کو گالیاں دے ڈالیں اسی طرح فاضل بریلوی نے ایک بے دین کی طرف سے اعتراض تو بنا کر لکھ دیا مگر اس کا جواب نہ دیا بلکہ ایک اور قطعی عقیدے کا رد کر ڈالا۔ارے اول تو کسی بے دین کا اعتراض نقل نہیں کرنا چاہئے ،اگر اعتراض نقل کرنا ہے تو اس کا جواب بھی دے۔تو نے: **لا یعلم من فی السموات والارض الا اللّٰہ** کا تو دفاع نہ کیا،، بے دین کا رد کرنے کے بجائے **ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر** کا بھی انکار کر دیا۔

تنبیہ: یہ بحث مولانا مرتضی حسن چاند پوریؒ کی کتاب توضیح البیان سے ماخوذ ہے جس کو تسہیل و توضیح کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱) مولانا محمد میاں دیوبندیؒ حضرت نانوتویؒ کی کتاب ''انتصار الاسلام'' کے حواشی میں لکھتے ہیں:

تمام کائنات کا احاطہ صرف ان دولفظوں میں ہے ''ہست'' اور ''نیست'' ''یعنی'' ''ہے'' یا ''نہیں'' پھر ''ہے'' میں چند احتمال ہیں جس چیز کے متعلق ''ہست'' یا ''ہے'' کہا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ نیست ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتی اگر نیست ہو سکتی ہے تو اس کو ممکن کہتے ہیں......اگر اس موجود پر عدم نہ آسکے تو اس کی دو صورتیں اپنی ذات کی وجہ سے عدم نہ آسکے وہ واجب لذاتہ ہے اور اگر اس میں فطرت کے اعتبار سے تو نیست کی صلاحیت ہے مگر کسی وجہ سے نیست نہیں ہو سکتی اس کو واجب لغیرہ کہتے ہیں۔[اس کو ممکن بالذات واجب بالغیر بھی کہتے ہیں۔راقم]

جو چیز اس وقت معدوم اور نیست ہے اس میں دو احتمال ہیں یا وہ ہست ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتی۔اگر وہ موجود اور ہست ہو سکتی ہے تو وہ ممکن (یعنی ممکن خاص جس میں جانبین سے سلب ضرورت ہو) ہے اور اگر ہست ہو تو سکتی ہے مگر کسی خاص باعث سے ہوگی کبھی نہیں تو وہ ممتنع بالغیر یا محال بالغیر ہے اور اسی کو ممکن بالذات، محال بالغیر بھی کہتے ہیں اور اگر اس میں ہست ہونے کی صلاحیت ہی نہیں وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے کسی وقت موجود ہونے کی قابلیت ہی نہیں رکھتی تو اس کا نام محال بالذات یا ممتنع بالذات یا محال ذاتی یا ممتنع ذاتی ہے (از انتصار الاسلام، حاشیہ ص ۱۲ تا ۱۴)

## ﴿سوالات﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الآیۃ کا ماقبل سے ربط بیان کریں پھر نفاق کی ابتدا کیسے ہوئی اور اس سے نبی ﷺ کے کمالات کا مزید اظہار کیسے ہوا؟ اور یہ بھی بتائیں کہ مکی سورتوں میں منافقین کا ذکر کیوں نہیں؟ ☆ ''اِنَّـمَـا '' کا ترجمہ کیا ہے؟ علماء کی تحقیقات لکھیں ☆ نبی ﷺ جیسا سیاسی بصیرت رکھنے والا کوئی قائد پیدا نہیں ہوا اس کو واقعات سے ثابت کریں ☆ امین احسن اصلاحی کی اس بات پر تبصرہ کریں کہ آیت کریمہ میں وَمِنَ النَّاسِ سے مراد یہود کا ایک خاص گروہ ہے ☆ آج کل عملی نفاق اتنا زیادہ کیوں ہے؟ ☆ '' اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ''میں ایمان بالرسل کا ذکر نہیں تو یہ کیونکر درست ہے کہ انبیاءؑ پر ایمان لائے بغیر کوئی مومن نہیں ہوسکتا، ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر کوئی مومن نہیں ہوسکتا؟ ☆ منافقین نے اپنے قول میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کی تصریح کی تھی تو پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا '' وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ''جس کا معنی یہ ہے کہ وہ بالکل مومن نہیں کیونکہ با زائدہ تاکید کیلئے ہے؟ ☆ ایمان بالآخرۃ کے ضمن میں ایمان بالرسالۃ کیسے آجاتا ہے؟ ☆ مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین کی ان باتوں پر معقول تبصرہ کریں اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ کا ترجمہ کرتا ہے: ''ہم اللہ پر اور آنے والے دن پر ایمان رکھتے ہیں''، کہتا ہے ''لفظِ مومن بولنے سے فوراً ذہن میں اس شخص کا تصور آتا ہے جو آنحضرتؐ پر ایمان رکھنے والا ہو''، نیز کہتا ہے ''اس آیت میں صرف اللہ اور یوم آخر پر ایمان کا ذکر ہے کلام الٰہی اور انبیاء وغیرہما کا ذکر نہیں اس کی یہ وجہ ہے کہ ایمانیات کے سلسلہ کی پہلی کڑی خدا تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور آخری کڑی یوم آخر پر ایمان لانا ہے پس اختصار کے لئے صرف پہلی اور آخری کڑی کا ذکر کر دیا گیا''، نیز کہتا ہے: ''قرآن کریم نے سینکڑوں مسائل پر اختصار سے گفتگو کر دی ہے مگر پھر بھی پہیلیوں کی صورت نہیں پیدا ہوئی، ہر شخص اپنی لیاقت کے مطابق اس کے مضامین کو سمجھتا ہے اور ایک عام اور سادہ زبان میں بیان کرنے والی کتاب اسے پاتا ہے کسی جگہ بھی ایسی عبارت اسے نظر نہیں آتی کہ جو پہیلیوں کی طرح کی ہو''، نیز کہتا ہے: ''ایمان بالآخرۃ ایمان بالقرآن کو مستلزم ہے اور جو قرآن کریم پر ایمان لائے گا لازماً اسے محمد رسول اللہ پر بھی ایمان لانا ہوگا ☆ اس کو ثابت کریں کہ جو شخص آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے گا اسے لامحالہ یہ ماننا ہوگا کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت نہیں ملے گا، حضرت نانوتویؒ کا حوالہ بھی دیں ☆ مرزائی حدیث انا خاتم النبيين لا نبي بعدي لکھ کر یا زبان سے محمد رسول اللّٰہ (ﷺ) کہہ کر کس طرح دھوکہ دیتے ہیں؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ مرزا قادیانی بھی کہتا تھا اور مرزائی بھی کہ مرزا قادیانی کا وجود معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کا وجود ہے ☆ خِداع کے بارے میں علماء لغت کی تحقیق کا خلاصہ ذکر کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ نبی ﷺ ہر منافق کے چھپے کفر پر مطلع نہ تھے، اور یہ کہ علم غیب اللہ ہی کی شان ہے ☆ منافقین اپنا نقصان کرتے تھے اس کو مثال دے کر سمجھائیں پھر یہ بتائیں کہ انہیں اپنے نقصان کا احساس کیوں نہ تھا؟ ☆ امام نسفیؒ نے مضاف محذوف نکال کر يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ کی تفسیر کس طرح کی؟ ☆ ''فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا '' پر پنڈت دیانند سرسوتی نے کیا اعتراض کیا مع جواب نقل کریں نیز مرزا محمود نے تفسیر صغیر کے حاشیہ میں اس بارے میں جو کچھ لکھا اس پر بھی تبصرہ کریں ☆ کفار کو ہونے والے عذاب کو عظیم فرمایا اور منافقین کو ہونے والے عذاب کو اليم فرمایا اس کی کوئی حکمت لکھیں نیز مرزا محمود کی رائے ذکر کر کے اس پر تبصرہ کریں یہ بھی بتائیں کہ اليم کا معنی دکھی ہو تو عذاب کے دکھی ہونے کا کیا مطلب؟ ☆ سچ بولنے میں آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ اور مرزے کے مریدوں کے مابین موازنہ کریں ☆ منافقین کی پہلی قباحت کیا تھی، دوسری کیا؟ نیز منافقین کس کس طرح فساد پھیلاتے تھے؟ ☆ مرزا محمود لکھتا ہے: ''جماعت احمدیہ ایک منظم جماعت ہے......منافقوں کا اس میں پایا جانا اس کی کمزوری کی علامت نہیں'' اس پر تبصرہ کریں نیز بتائیں اس عبارت میں منافقین سے کون لوگ مراد ہیں؟ ☆ مفتی احمد یار خان کی ایسی عبارت لکھیں جس میں اس نے دیوبندیوں کا ذکر قادیانیوں کے ساتھ کیا ہے پھر اس پر تبصرہ کریں ☆ شاہجہانپور کا علاقہ دیوبند کے قریب ہے یا بریلی اور بدایوں کے؟ پھر باحوالہ یہ بات بتائیں کہ شاہجہانپور ہونے والے مباحثوں میں دیوبند کے علماء نے حصہ لیا یا بریلی اور بدایوں کے علماء نے ☆ اس کو ثابت کریں کہ حضرت نانوتویؒ اس مباحثہ میں کسی فرقے کے نہیں بلکہ اسلام کے ترجمان تھے نیز یہ کہ حضرتؒ کا مسلک اپنے اصولوں کی رو سے فرقہ واریت سے بالکل پاک ہے ☆ حضرت نانوتویؒ نے مباحثہ کے موقع پر جو درد بھری دعا مانگی نقل کریں اور بتائیں کہ آپ اس میں کس کے جانبدار بن کر گئے تھے؟ ☆ جو لوگ تحقیق کے نام پر امت میں طے شدہ مسائل ونظریات میں شکوک وشبہات ڈالیں ان سے بچنا کیوں ضروری ہے؟ ☆ منافقین کی تیسری قباحت لکھیں اور ''اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ '' کی مختصر تفسیر لکھیں ☆ منافقین نے صحابہؓ کو بیوقوف کیوں کہا؟ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں کیا فرمایا؟ ☆ خالی جگہ پر کریں:

ایمان......معتبر ہے جو......راشدینؓ کے منہاج اور منوال پر ہو اور كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ کے لفظ......اس طرف اشارہ معلوم......ہے کہ ایمان اور تصدیق اس قسم کی......ہے

جس قسم کی......کرام اور......راشدین نے تصدیق کی ورنہ جو شخص ملائکہ اور جنت و......وغیرہ وغیرہ کی تصدیق اس......کے لحاظ سے نہ کرے کہ جس معنی......صحابہ کرامؓ تصدیق کرتے تھے بلکہ اپنی ہوائے......اور شیطان قرین......القاء کیئے ہوئے......کے لحاظ سے کرے تو اصلاً معتبر......ایسی تصدیق......کے مترادف ہے اور......ایمان بلاشبہ کفر......ہم معنی ہے۔

☆ مفتی نعیم الدین مراد آبادی کے اس قول پر تبصرہ کریں: ''کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل وکمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے'' اور اس کی اس بات کا باحوالہ رد کریں: ''قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا''۔ نیز اس کی اس بات پر تبصرہ کریں: مذہب اہل سنت حق ہے......باقی تمام فرقے صالحین سے منحرف ہیں ☆ ''**فقالوا ابشر یهدوننا فکفروا** '' کا ترجمہ کریں اور مراد آبادی کی تفسیر سے ثابت کریں کہ منکرین انبیاء نبوت کے انکار کی وجہ سے کافر ہوئے انبیاء علیہم السلام کو بشر کہنے کی بنا پر نہیں ☆ اس کو ثابت کریں کہ انبیاء کرامؑ کے مصدق وہ ہیں جو رسالت اور بشریت دونوں میں تصدیق کریں ☆ ''**قل انما انا بشر مثلکم** '' قرآن کریم میں کتنی جگہ ہے اور کنزالایمان میں اس کا ترجمہ کس طرح کیا گیا ہے؟ ☆ قرآن سے ثابت کریں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کافر کہے اس کا اپنا ایمان خطرے میں ہے ☆ مفتی احمد یار خان کی اس بات پر تبصرہ کریں: حضور علیہ السلام کی ظاہری صفات کو مان لینا ایمان نہیں کہ وہ بشر تھے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے الخ ☆ اس کو ثابت کریں کہ اہل بدعت نئی نئی بدعات کی وجہ سے عملی طور پر اپنے پیشواؤں سے بھی بدظن ہیں ☆ حضرت نانوتویؒ کے بیانات، آپ کی تحریروں سے نیز آپ کے اشعار سے ثابت کریں کہ جس طرح آپ ﷺ نے نبی ﷺ کی شان کو بیان کیا، نیز جس طرح ان میں آپؒ کی طرف سے عاجزی کا اظہار ہے مولانا احمد رضا صاحب کے کلام اور ان کے اشعار میں ایسا نہیں ہے ☆ اس زمانے میں جشن میلاد کرنے پر تبصرہ کریں اور ثابت کریں کہ جشن میلاد کرنے والوں کو نبی ﷺ کے دیئے ہوئے احکام سے غرض نہیں اپنے پیٹ سے مطلب ہے ☆ ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مباحثوں میں حضرت نانوتویؒ کی شرکت سے مفتی احمد یار خان کی اس بات کا جھوٹا ہونا ثابت کریں کہ دیوبندی دشمنیٔ انبیاء کی وجہ سے کافر ہوئے ☆ ختم نبوت اور حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حضرت نانوتویؒ سے عقیدت رکھنے والوں کی کچھ لاجواب کتابوں کے نام تحریر کریں ☆ آنحضرت ﷺ کی وفات کے موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا توحید پر مشتمل خطبہ ذکر کریں ☆ منافقین کی چوتھی قباحت ذکر کریں اور اللہ کی طرف سے اس کی سزا بھی بتائیں ☆ ''**وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا** '' کا شان نزول تحریر کریں ☆ ''**وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ** '' پر عیسائیوں کا کیا اعتراض ہے نیز اس کا الزامی وتحقیقی جواب کیا ہے؟ ☆ محمد علی لاہوری نے **الله یستهزئ بهم** کا ترجمہ کیا کیا؟ اور اس کی وجہ کیا بتائی نیز اس کا جواب کیا ہے؟ ☆ اللہ کی طرف استہزاء کی نسبت کا کیا معنی ہے؟ ☆ ''**الله یستهزئ بهم** '' کے معنی بتائیں نیز ''**ومکروا ومکر الله** '' پر اعتراض کا جواب بھی لکھیں ☆ مفتی احمد یار خان کی اس بات کا جواب تحریر کریں: ''آریوں نے لفظ استہزاء سے ایسے ہی دھوکا دیا جیسے دیوبندی وغیرہ لفظ بشر سے دھوکا دیتے ہیں''۔ اور ثابت کریں کہ آریہ کا کردار ہم نہیں مفتی احمد یار خان اپنائے ہوئے ہیں ☆ ان آیات میں جو دو مثالیں ذکر کی گئی ہیں جمہور علماء ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں صاحب تدبر قرآن اور صاحب جواہر القرآن کی کیا رائے ہے مولانا عبدالشکور ترمذیؒ کا ارشاد بھی تحریر کریں ☆ ''**مثلهم کمثل الذین استوقد نارا** '' منافقین کے بارے میں دو طرح پوری اترتی ہے وہ کیسے؟ ☆ **صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ** کی لغوی ونحوی تحقیق لکھیں نیز یہ بتائیں کہ **الذی** اسم موصول واحد ہے تو **ذهب الله بنورهم** میں جمع کی ضمیر کیوں لائی گئی؟ ☆ ''**أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ** '' الآیۃ کا شان نزول لکھیں مختصر تفسیر کریں اور تشبیہ کی وضاحت کریں ☆ ارشاد باری: **وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** کی مختصر تفسیر تحریر کریں ☆ مفتی احمد یار خان نے ''**والله محیط** '' کے تحت کچھ سفسطی باتیں لکھیں ان کو نقل کر کے جواب دیں ☆ کیا سورج چاند اور انسان کی آنکھوں کا نور ہر جگہ موجود ہے مفتی احمد یار خان نے کیا کہا آپ کیا کہتے ہیں؟ ☆ ذات باری کے محیط ہونے کے بارے میں شاہجہانپور میں ہندوؤں کی جانب سے کیا سوال ہوا؟ بریلوی تو وہاں تھے نہیں اگر ہوتے تو کیا جواب دیتے؟ ☆ پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب میں اللہ تعالیٰ کے محیط ہونے کے بارے میں کیا کچھ لکھا؟ ☆ ہندوؤں کے سوال کے جواب میں اسلام کے ترجمان کو اللہ کے محیط ہونے کا انکار کرنا چاہئے یا اس کو مان کر جواب دینا چاہئے؟ قرآن کے ظاہر سے کس کی تائید ہوتی ہے ☆ حضرت نانوتویؒ نے اللہ جل شانہ کے محیط ہونے کی بابت کیا فرمایا؟ اور کس کس کتاب میں مجمل اور کس میں مفصل کلام فرمایا؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ احاطہ صرف جسمانی نہیں ہوتا پھر احاطے کی کچھ قسمیں لکھ کر بتائیں کہ ان میں سے احاطۂ خداوندی سے کون کونسی قسمیں مناسبت رکھتی ہیں اور کس طرح؟ ☆ قادر مطلق اور مطلق قادر میں فرق تحریر کر کے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہم قادر مطلق کس معنی میں مانتے ہیں اور پنڈت دیانند سرسوتی کا اس پر کیا اعتراض ہے؟ اور اس زمانے میں اس کا جواب کس نے دیا باحوالہ

ذکر کریں۔ نیز پنڈت دیانند سرسوتی کس معنی میں اللہ کو قادرِ مطلق کہتا ہے؟ اور کس کتاب میں؟ ☆ پنڈت کے عقیدے میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کتنی چیزیں ازلی ہیں ☆ پنڈت نے اعتراض کیا کہ تم اللہ کو قادرِ مطلق مانتے ہو کیا اللہ تعالیٰ خود کو مار سکتا ہے؟ معاذ اللہ چوری کرسکتا ہے؟ مرزائیوں نے اس کے جو جواب دیئے تحریر کریں اور ثابت کریں کہ مرزائیوں نے اعتراض کا جواب نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا انکار کیا ہے ☆ ہندوؤں کے اعتراض کے جو جوابات حضرت نانوتویؒ نے ارشاد فرمائے ان کا حاصل ذکر کریں نیز ثابت کریں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قادر بھی مانا جاتا ہے اور موت اور چوری وغیرہ عیوب سے منزہ بھی ☆ اس کو مثال دے کر واضح کریں کہ واجب تعالیٰ اسی طرح ممتنعات بالذات کے تحت القدرت نہ ہونے سے قدرتِ باری میں کوئی نقص نہیں آتا ☆ واجب ممکن اور ممتنع کی تعریف کریں اور بتائیں کہ ان میں سے تحت القدرۃ کیا ہے کیا نہیں ☆ ”**ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر**“ (البقرۃ:۲۰)، ”**ان اللّٰہ بکل شیء علیم**“ (الانفال:۷۵) دونوں میں شَیْء کا لفظ آیا ہے کس میں **کل شیء** سے مراد کل ممکنات ہیں بلا استثناء، کس میں واجب تعالیٰ، سب ممکنات اور سب ممتنعات ہیں اور کس دلیل سے؟ ☆ دوسرے خدا کو پیدا کرنا، اسی طرح فعل زنا کے تحت القدرت نہ ہونے کی کیا دلیل ہے؟ ☆ آنحضرت ﷺ کے بعد یقیناً کسی کو منصب نبوت نہ ملے گا مگر آنحضرت ﷺ کی مثل ممتنع بالذات ہے کہ تحت القدرت نہیں یا ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرسکتا ہے مگر کرے گا نہیں اس بارے میں اسلامی عقیدہ کیا ہے اور بریلوی مکتب فکر کے لوگ کیا کہتے ہیں؟ ☆ مفتی احمد یار خان کی کوئی طنزیہ عبارت ذکر کریں پھر اس کا جواب بھی دیں ☆ اس کو ثابت کریں کہ تیجہ ہندوؤں کی اس رسم کی نقل ہے، جس کو وہ بھی بدعت کہتے ہیں ☆ اللہ کی بات کا جھوٹا ہونا ہمارے ہاں بھی محال ہے بریلویوں کے ہاں بھی پھر فرق کیا ہے؟ مثال سے واضح کریں ☆ مفتی احمد یا خان لکھتے ہیں: ”جب نبی ﷺ کا انتخاب ہو گیا اور آپ خاتم النبیین بن گئے تو اب کسی کا نبی بننا محال بالذات ہے“ مفتی احمد یار خان کی اس عبارت کا جائزہ لیں نیز موصوف نے جو مثالیں دی ہیں ان پر بھی تنقید کریں ☆ کنز الایمان اور خزائن العرفان کے حوالوں سے ثابت کریں کہ اللہ چاہے تو آنحضرت ﷺ سے وحی واپس لے سکتا ہے۔ ☆ دلیل سے اس بات کو ثابت کریں کہ انسان جب پیدا ہو گیا تو اللہ قادر ہے کہ اس کو کسی اور کی اولاد بنا دے ☆ آنحضرت ﷺ کی مثل کو تحت القدرت نہ ماننے والوں کی آخرت خراب ہے وہ کیسے؟ ☆ لفظ **شیء** کے کچھ معانی لکھیں اور بتائیں کہ بریلویوں نے ”**ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر**“ کے سمجھنے میں کیا ٹھوکریں کھائی ہیں ☆ مفتی نعیم الدین مراد آبادی اور مفتی احمد یار خان کی ایسی عبارتیں نقل کریں جن میں مرزائیوں سے موافقت پائی جاتی ہے ☆ اس کو ثابت کریں کہ سرقہ، زنا کا اللہ جل شانہ کیلئے پایا جانا محال بالذات ہے اور کذب کا پایا جانا محال بالغیر ☆ آنحضرت ﷺ کی مثل تحت القدرت ہے یا نہیں اس بارے میں حضرت نانوتویؒ کی تحقیق ذکر کریں ☆ اس کی کیا دلیل ہے کہ جو چیز وعدہ کے سبب محال ہو وہ ممتنع بالغیر ہے ممتنع بالذات نہیں؟ اس کو ثابت کریں کہ اگر نبی ﷺ کی مثل محال بالغیر ہو تو اللہ وحدہ لاشریک ہے اور اگر نبی ﷺ کی مثل محال بالذات ہو تو نہ اللہ تعالیٰ ممتنع النظیر رہیں گے نہ رسول اللہ ﷺ۔ ☆ اس کو ثابت کریں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممکن بالذات ہیں تو آپ کا نظیر بھی ممکن بالذات ہو گا ☆

خالی جگہ پر کریں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دربارۂ کمالات...... بمقابلۂ کائنات لاثانی ہیں اور بلحاظ وعدہ کوئی آپ...... ثانی نہ ہوا ہے...... ہو...... خدائے قدیر...... ایسے صاحبِ کمال...... ثانی بنا دینا کچھ دشوار نہیں بلکہ اس...... قدرتِ لاانتہا کے سامنے ایسے افرادِ غیر متناہی...... بنا دینا ایسا...... آسان ہے جیسا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ...... پیدا کرنا **ولا یمسہ لغوب**

☆ اللہ تعالیٰ بھی بے مثال ہیں نبی کریم ﷺ بھی بے مثال ہیں کس کی مثل ممتنع بالذات ہے کس کی مثل ممتنع بالغیر ہے اور تحت القدرۃ ہے ☆ اس کو ثابت کریں کہ اگر نبی ﷺ کی مثل محال بالذات ہو تو پھر کسی چیز کی مثل بھی ممکن نہ ہوگی ☆ کسی موجود چیز کے تحت القدرۃ ماننے کا مطلب کیا ہے اور کسی معدوم کے تحت القدرۃ ہونے کا مطلب کیا؟ ☆ فاضل بریلوی نے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرکے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کس طرح کی ہیں؟ ان گستاخیوں کی سزا کس کو ملے گی؟ اور کیوں؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ قرآن کریم تو آنحضرت ﷺ سے بھی علم غیب کی نفی کرتا ہے اور مفتی احمد یار خان شیطان کیلئے بھی علم غیب مانتا ہے ☆ مفتی احمد یار خان کی اس عبارت کا رد کریں: ”غیب کے متعلق نفی کی آیات بھی ہیں اور ثبوت کی بھی نفی کی آیات میں واجب قدیم کل ذاتی علم مراد ہے اور ثبوت کی آیات میں عطائی ممکن بعض عارضی علم مراد ہے“ نیز اس کا بھی رد کریں کہ ایمان بالغیب کیلئے علم غیب ضروری ہے“ ☆ علوم غیبیہ اور علم غیب میں فرق واضح کریں ☆ محال کے بارے میں لوگ کس مغالطے کا شکار ہیں حضرت نانوتویؒ کی تحقیق

ذکر کریں ☆ حضرت تھانویؒ نے نبی ﷺ کو عالم الغیب نہ کہنے کے بارے میں جو دلیل دی اس کا خلاصہ ذکر کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ حضرت تھانویؒ اسلامی عقیدے کے مطابق آنحضرت ﷺ کیلئے علوم نبوت مانتے تھے علم غیب نہ مانتے تھے ☆ اس دلیل سے حضرت تھانویؒ کا مقصد کیا تھا اور حضرت تھانویؒ کی مخالفت سے فاضل بریلوی کا مقصد کیا تھا یا دلیل ذکر کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ فاضل بریلوی حضرت تھانوی کے رد کے بہانے نبی کریم ﷺ کے علم کا بھی مذاق اڑاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا بھی ☆ اس کو ثابت کریں کہ فاضل بریلوی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی گستاخیاں خود کرتا ہے اور ''بدگو'' کہہ کر بدنام حضرت تھانویؒ کو کرتا ہے ☆ اس کو ثابت کریں کہ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی دلیل کو مطلق علم کی نفی کیلئے چلانا قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے باطل ہے ☆ اس کا کیا جواب ہے کہ قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ سے ذاتی علم غیب کی نفی ہے عطائی علم غیب ثابت ہے ☆ اس کو ثابت کریں کہ ذاتی عطائی کے بارے میں بریلویوں کے دو دعوے ہیں جس میں نزاع ہے اس کے بارے میں ان کے پاس سوائے دعوے کے کچھ نہیں ☆ اعلان رسالت سے علم غیب عطائی نہ ہونے پر کس طرح استدلال ہوتا ہے ☆ اس کو ثابت کریں کہ فاضل بریلوی نے کلام الٰہی کو رد کرنے کے لئے سوال تو اٹھایا مگر جواب نہ دیا، اس طرح اس نے مرزا قادیانی کا کردار ادا کیا ☆ فاضل بریلوی نے مطلق علم کے بارے میں جو گستاخانہ عبارت بنائی اس میں یہ دہرا مجرم کس طرح بنتا ہے؟ ☆ فاضل بریلوی نے حضرت تھانویؒ کی ضد میں اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا کس طرح انکار کیا وہ عبارت نقل کر کے اس پر جاندار تنقید کریں ☆ **ان اللہ علی کل شیء قدیر** کے انکار پر مشتمل فاضل بریلوی کی عبارت پر جاندار اور دلچسپ تنقید کس نے کی اور کس کتاب میں؟ ☆ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی تقریر کو، اللہ کے قادرِ مطلق ہونے کی نفی کیلئے نہیں چلا سکتے۔ اس کی کچھ وجوہات ذکر کریں ☆ محال کے تحت القدرت نہ ہونے سے اللہ کی قدرت میں کوئی نقص نہیں اس کی کیا دلیل ہے؟ ☆ فاضل بریلوی نے قدرتِ خداوندی کے عموم کے خلاف جو دلیل بنائی اس پر جو ملاحظات ہیں وہ حضرت تھانویؒ کی دلیل پر کیوں نہیں ☆ اس کو ثابت کریں کہ فاضل بریلوی نے اپنی دلیل میں جس قدرت کا ذکر کیا ہے اگر اس سے قدرتِ ذاتیہ مراد لی جائے تو بندوں کیلئے قدرتِ ذاتیہ کا ماننا لازم آتا ہے اور اگر قدرتِ عرضیہ لی جائے تو اللہ کیلئے قدرتِ عرضیہ ماننا لازم آتا ہے اور دونوں ہی کفر ہیں ☆ یہ تقریر تو فاضل بریلوی نے ایک بے دین کی طرف سے کہی ہے اس لئے کافر ہوگا تو وہ بے دین ہوگا فاضل بریلوی پر کیا اعتراض؟ وہ کافر کیوں؟ ☆ ہو سکتا ہے کہ بے دین سے مراد ہندو ہوں تو کافر ہوں گے تو ہندو ہوں گے فاضل بریلوی تو محض ناقل ہیں ان کے کفر کی کیا وجہ؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ فاضل بریلوی نے یہ اعتراض کر کے مرزا قادیانی کا طریقہ اپنایا ہے جو ایک نبیؑ کے دفاع کی بجائے دو نبیوں کو گالیاں دیتا تھا ☆ ممکن واجب لذاتہ، واجب لغیرہ، محال بالذات، محال بالغیر کی تعریف کریں اور مثالیں دیں۔ نیز بتائیں کہ محال بالغیر اور واجب لغیرہ ممکن بالذات ہیں یا نہیں ☆ واجب، محال اور ممکن سے کیا مراد ہے؟ ان میں سے کیا قدرت کے تحت ہے، کیا نہیں؟ اور کیوں؟

☆ شعر مکمل کریں: ترا ثانی با مکان وقوعی ہو نہیں سکتا .................. ☆ خالی جگہ پر کریں

دیکھا آپ نے قادیانی ...... کردار، اس ...... پادری کے بہتان ...... رد کر کے نبی ﷺ ...... دفاع نہ کیا، الٹا ...... اور نبی علیہ السلام کو گالیاں ...... ڈالیں اسی طرح فاضل ...... نے ایک بے دین ...... طرف سے اعتراض تو ...... کر لکھ دیا مگر ...... کا جواب نہ دیا ...... ایک اور قطعی عقیدے کا رد کر ڈالا۔ ارے اول تو ...... بے دین کا اعتراض نقل نہیں ...... چاہئے، اگر اعتراض نقل ...... ہے تو اس ...... جواب بھی دے۔ تو نے: **لا یعلم من فی السموات والارض الا اللہ** کا ...... دفاع نہ ......، بے دین کا رد ...... کے بجائے **ان اللہ علی کل شیء قدیر** کا ...... انکار کر دیا۔

☆☆☆☆☆

## [مومن، کافر اور منافق کے ذکر کے بعد ساری انسانیت کو توحید کی دعوت]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ⁽¹⁾ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

**ترجمہ:** اے لوگو! عبادت کرو اپنے اس پروردگار کی جس نے پیدا کیا تم کو اور اُن لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم (دوزخ سے) بچ سکو جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اُس کے ذریعے تمہارے کھانے کے لئے پھل نکالے پس اللہ کیلئے شریک نہ بناؤ اور تم تو جانتے بھی ہو (کہ تمہیں پیدا کرنے والا اور تمہیں رزق دینے والا اللہ ہی ہے)

---

۱) لَعَلَّ کے بارے میں شیخ مولانا محمد سرفرازؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ نحوی یہاں لَعَلَّ کا معنی ترجی کے کرتے ہیں لیکن یہ ترجی [یعنی امید] اللہ کی طرف سے نہیں بندوں کی جانب سے ہے یعنی: اے بندو تم امید رکھو، قطرب مشہور نحوی فرماتے ہیں لَعَلَّ تعلیل کیلئے ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اَیْ لِكَیْ تَتَّقُوْا نیز حضرتؒ نے فرمایا: تَتَّقُوْنَ کا مفعول محذوف ہے عقابہ یا عذابہ یا الشركَ یا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ لازمی ہے مفعول کی ضرورت نہیں پھر مطلب ہوگا ''تا کہ تم متقی بن جاؤ''۔

حضرت تھانویؒ **لعلكم تهتدون** (البقرة:۵۳) کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اس توقع پر کہ تم راہ پر چلتے رہو''، **ولاتم نعمتی علیكم ولعلكم تهتدون** (البقرة:۱۵۰) کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اور تا کہ تم پر جو میرا انعام ہے اس کی تکمیل کردوں اور تا کہ تم راہِ راست پر رہو'' سورۃ البقرہ کی اس آیت نمبر ۲۱ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ'' تفسیر میں لکھتے ہیں: ف: شاہی محاورہ میں ''عجب نہیں'' کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۱) اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ تفسیر جلالین مع حاشیۃ الجمل ج ۱ ص ۲۶ میں ہے: **ولعل فی الاصل للترجی و فی کلامه تعالیٰ للتحقیق**۔ علامہ الوسیؒ فرماتے ہیں: **ثم لا يبعد أن يقال: إن المعنى في الآية على التعليل إما لأن (لعل) تجيء بمعنى كي كما ذهب إليه ابن الأنباري وغيره ......أو لأنها تجيء للأطماع فيكنى به بقرينة المقام عن تحقق ما بعدها على عادة الكبراء** (روح المعانی ج ۱ ص ۱۸۶ نیز دیکھئے مغنی اللبیب ج ۱ ص ۲۸۸) خط کشیدہ عبارت میں کہا گیا کہ بڑے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ امید کے ساتھ بات کہیں تو یقینی ہوتی ہے جیسے کسی بڑے جامعہ کے رئیس کے پاس داخلے کیلئے جائیں تو اگر وہ کہہ دے امید ہے داخلہ ہو جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یقیناً داخلہ ہو جائے گا۔

### اتمام حجت کیلئے کچھ اور حوالہ جات:

فاضل بریلوی ترجمہ کرتے ہیں: یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے (کنز الایمان ص ۷) مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: بندوں کے حق میں **لعل** شک کیلئے ہے لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے یقین کے لئے کیونکہ کریم اس کی امید دلاتا ہے جو کہ یقینی ہونے والی ہو اب اس کے معنی ہوں گے ''تا کہ تم متقی بن جاؤ''......الی ان قال: مطلب یہ ہوا کہ اے لوگو! تم رب کی عبادت اس امید پر کرو کہ شاید تمہیں تقویٰ حاصل ہو جائے یعنی نہ تو دنیاوی لالچ سے کرو، نہ خدا سے ناامید ہو کر، اور نہ اس سے بے خوف ہو کر کیونکہ مرنے سے پہلے اپنی کامیابی کا یقین نہیں ہو سکتا بڑے بڑے پرہیزگار مرتے وقت بے ایمان ہو گئے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۰۱) **یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینك آمین** ☆ فرمان علی شیعہ اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے: ''عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ'' حاشیہ میں لکھتا ہے: اس مقام پر یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ خدا نے شک کے طور پر فرمایا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اتقاء کا درجہ عبادت سے بڑھا ہوا ہے اور شک ضرور نہیں کہ متکلم ہی کی طرف سے ہو بلکہ اکثر صرف مخاطب کو امیدوار بنانے کی غرض سے بھی ہوتا ہے جیسے کوئی حاکم کسی کو معمولی خدمت پر متعین کر کے کہے کہ اگر تم نے اس کو اچھی طرح انجام دیا تو عجب نہیں کہ تمہاری ترقی ہو جائے تو وہ ترقی حسن خدمت پر موقوف ہے بعینہٖ یہ حال یہاں بھی ہے کہ خدا کی عبادت کرو اور درجہ اتقاء پر پہنچنے کے امیدوار رہو۔ اور اگر اس پر تشفی نہ ہو تو **لعلكم** کا ترجمہ (تا کہ) کرو (ترجمہ و تفسیر فرمان علی ص ۶ طبع مکران) ☆ مرزا محمود **لعل** کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: کلام ملوک کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے یعنی بادشاہ کے لئے کوئی اور یا بادشاہ اپنی نسبت خود امید یا توقع کے الفاظ استعمال کرتا ہے لیکن مراد اس سے یقینی بات یا حکم کے ہوتے ہیں (کبیر ج ۱ ص ۲۰۳)

 جونا گڑھی: **لعلكم تتقون** کا ترجمہ کرتا ہے: یہی تمہارا بچاؤ ہے (احسن البیان ص ۶) **قول:** نہ اس میں لَعَلَّ کا ترجمہ، نہ اس میں مسند الیہ ضمیر مخاطب کو بنایا گیا۔

## [ربط اور کچھ ضروری مضامین]

ربط: [۱] قرآن کو قبول کرنے والوں اور نہ قبول کرنے والوں کے ذکر کے بعد تمام انسانوں کو توحید کی دعوت دی کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور وجہ بھی ساتھ ہی بتائی کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا حق دار اس لئے ہے کہ وہ تمہارا بھی رب ہے تم سے پہلوں کا بھی [۲] شروع سورت میں اس کتاب کا متقین کیلئے ہدایت ہونا بتایا ان آیات میں تحصیل تقوی کا طریقہ بتلاتے ہیں (معارف القرآن کاندھلویؒ ج ۱ ص ۹۵)

یہ خطاب سب انسانوں سے ہے:

حضرت شیخؒ نے فرمایا: کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ (۱) سے اہل مکہ اور یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا میں اہل مدینہ مراد ہیں مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں یہ سورت مدنی ہے اور تمام انسانوں کو خطاب ہے۔ (۲)

---

۱) مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: ایھا میں تنبیہ کی بو ہے اس لئے اللہ پر نہیں آتا یعنی یا ایھا اللہ، اور یا ایھا الرحمن نہیں کہا جاتا (نعیمی ج ۱ ص ۲۰۰)

اقول: کافیہ میں منادی کی بحث میں ہے: وقالوا یا اللہ خاصہ۔ اس میں ایک حکمت یہ سمجھ آتی ہے کہ اللہ کو پکارنے کیلئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں معرف باللام پر ندا کے وقت ایھا کا اضافہ ہوتا ہے مگر اللہ کو پکاریں تو اسم الجلالہ کا ہمزہ وصلی تو قطعی ہو جائے گا مگر ایھا نہیں آئے گا۔

۲) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں خطاب مشرکین عرب کو ہے چونکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سب انسانوں کیلئے ہے، اور الناس کا لفظ بھی عام ہے، عبادت کا حکم بھی سب بنی آدم کو ہے (سورۃ یٰس: ۶۱) تو بہتر ہے کہ یہ خطاب سب انسانوں کیلئے مانا جائے۔ رہا یہ کہ مسلمان تو پہلے ہی اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کو عبادت کے حکم کیوں؟ تو جواب یہ ہے کہ امر کبھی دوام کیلئے بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ المجادلۃ آیت ۱۳ میں اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا: فاقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ حالانکہ حضرات صحابہ کرامؓ تو پہلے ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور کفار کو عبادت کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ ایمان لاؤ پھر عبادت کرو۔ مولانا عبد القیوم قاسمی صاحب فرماتے ہیں: کفار کیلئے اس خطاب کے یہ معنی ہیں کہ مخلوق پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کرو، منافقین کیلئے یہ معنی ہیں کہ نفاق چھوڑ کر اخلاص پیدا کرو، گناہ گار مسلمانوں کیلئے یہ معنی ہیں کہ گناہ سے باز آجاؤ (معارف الفرقان ج ۱ ص ۱۴۷)

☆ مرزا محمود اس آیت کے تحت لکھتا ہے: ''عبادت کرو'' کا حکم الناس کو دیا گیا یعنی سب دنیا کو مخاطب کیا گیا ہے نہ کہ صرف عربوں کو جو اس امر کا ثبوت ہے کہ اسلام شروع سے ہی سب دنیا کو دین توحید پر جمع کرنے کا مدعی ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۰۷ کالم نمبر ۲)

اقول: [۱] چونکہ سب انسانوں کو یہ حکم آنحضرت ﷺ کے واسطہ سے دیا گیا اس لئے یہ آیت عموم بعثت اور ختم نبوت کی بھی دلیل ہے۔ اور جب نبی ﷺ بعثت میں آخری ہوئے تو مسیلمہ کذاب اور مرزا غلام احمد قادیانی جیسوں کا کذب خود بخود ثابت ہو گیا۔ [۲] مرزائی لاہوری ہوں یا قادیانی مرزا قادیانی کو عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ مان کر نبی مانتے ہیں اس طرح یہ دونوں گروہ عقیدۂ ختم نبوت کے منکر ہیں اس لئے مرزا محمود یا محمد علی لاہوری کا ترجمہ و تفسیر لکھنا آخرت میں قطعاً نجات کا باعث نہ ہوگا ایک تو عقیدۂ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے دوسرے اس لئے یہ لوگ قرآن سمجھانے کیلئے تفسیر نہیں لکھتے بلکہ قرآن کو اپنے کفریہ عقائد و نظریات کے تابع کرنے کیلئے تفسیریں لکھتے ہیں۔ اس لئے قیامت کے دن قرآن ان کے حق میں نہیں ان کے خلاف حجت ہوگا۔

☆ مفتی نعیم الدین مراد آبادی ان آیات کے تحت لکھتے ہیں:

یا ایھا الناس کا خطاب اکثر اہل مکہ کو، اور یا ایھا الذین آمنوا کا اہل مدینہ کو ہوتا ہے مگر یہاں یہ خطاب مومن و کافر سب کو عام ہے اس میں اشارہ ہے کہ انسانی شرافت اسی میں ہے کہ انسان تقوی حاصل کرے اور مصروف عبادت رہے، (خزائن العرفان ص ۸) مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: اس آیت میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ جو شخص رب کی عبادت نہ کرے وہ انسان نہیں کیونکہ یا ایھا الناس فرمایا گیا، دوسرے یہ کہ کافروں پر بھی عبادت کرنا فرض ہے جس کے نہ کرنے کا ان کو عذاب ہوگا کیونکہ یہاں سارے انسانوں سے فرمایا گیا کہ عبادت کرو...... (نعیمی ج ۱ ص ۲۰۳ سطر ۱۷ تا ۱۹) اقول: اس میں انسان ہونے کو باعث شرف بتایا ہے جبکہ دوسری جگہ انسان کی تفسیر بشر سے کرتے ہوئے لکھتا ہے: کسی کو صرف بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے (دیکھئے نعیمی ج ۱ ص ۱۵۰) ہم اس پر گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔

**اسلام انسان کو بلندی عطا کرتا ہے:**

دنیا کے بادشاہ چندروز کی ظاہری حکومت کی وجہ سے خود کو سجدے کا اہل سمجھ کر رعایا کو اپنے آگے جھکنے بلکہ سجدہ ریز ہونے کا حکم دیتے تھے۔اسلام انسان کو اعلیٰ سوچ دیتا ہے۔قرآن کریم کا پہلا امر: **اُعْبُدُوْا** ہے اور پہلی نہی **لَاتَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا** ہے اس پہلے امر میں فرمایا عبادت کا حقدار بلاشرکت غیرے صرف وہ ہے **اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ** (ا) **وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ** جو تمہارا بھی خالق تمہارے پہلوں کا بھی۔دنیا کے بادشاہ بتائیں کہ اُن سے پہلے کائنات کا نظام کون چلاتا تھا؟

---

ا) ان آیات کے تحت مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے:

بعض لوگ **خلق** کے لفظ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم بھی اس امر کا قائل ہے کہ اس دنیا کی پیدائش ایک ایسے مادے سے ہوئی ہے کہ جو پہلے سے موجود تھا پس قرآن کریم بھی مادہ کے انادی یا ازلی ہونے کا قائل ہے یہ استنباط ایک وسوسہ ہے...... **خلق** کے معنی ایک موجود شے کے اندازہ کرنے کے بھی ہوتے ہیں لیکن اس کے معنی جیسا کہ حل لغات میں لکھا جا چکا ہے کسی چیز کو بغیر اصل اور نمونہ کے پیدا کرنے کے بھی ہوتے ہیں...... **خلق کل شیء** (الانعام)......**خلق** کا لفظ ہی قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا بلکہ **بدیع** اور **فاطر** کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اور **بدیع** کے معنی ہیں جو شروع کرے اور **فاطر** کے معنی ہیں جو کسی پہلے سے موجود وجود کے بغیر نیا وجود پیدا کرے......(مرزائی تفسیر کبیر ج۱ص ۲۰۷)

**اقول:** [۱] بیشک اللہ تعالیٰ نے کائنات کو وجود عطا فرمایا ہے ہمارا عقیدہ ہے کہ خالق کون ومکان عزاسمہ کے سوا کوئی چیز قدیم نہیں آریہ لوگ خالق کردگار کی طرح روح اور مادہ کو بھی قدیم کہتے ہیں مرزا بھی مخلوق کو قدیم کہتا ہے چنانچہ چشمہ معرفت میں لکھتا ہے: چونکہ خدا تعالیٰ کی صفات کبھی معطل نہیں رہتیں اس لئے خدا تعالیٰ کی مخلوق میں قدامت نوعی پائی جاتی ہے یعنی مخلوق کی انواع میں سے کوئی نہ کوئی نوع قدیم سے موجود چلی آرہی ہے مگر شخصی قدامت باطل ہے (چشمہ معرفت صفحہ ۲۶۸)[درروحانی خزائن ج۲۳ص ۲۸۱] مرزا محمود اگر اسلام کی ترجمانی میں سچا ہوتا تو مرزا غلام احمد قادیانی کا نام لے اس کی اس بات کا رد بھی کرتا۔

[۲] ہمیں کسی ملحد بے دین کی ضرورت نہیں الحمد للہ اسلام کی ترجمانی کیلئے علماء اسلام کافی ہیں شاہجہانپور میں سوال ہوا کہ اللہ نے کائنات کو کس چیز سے پیدا کیا؟ سوال بنانے والے ہندو تھے ان کیلئے بظاہر اس سوال کا جواب آسان تھا کہ اللہ نے کائنات کو اس کے مادے سے بنایا۔اور ہندوؤں نے یہ جواب وہاں دیا بھی تھا مشکل عیسائیوں اور مسلمانوں کیلئے تھی۔عیسائیوں نے کہا کہ اللہ نے کائنات کو نیستی سے پیدا کیا مگر نیستی تو ایسی چیز نہیں جس سے کچھ پیدا ہو،حضرت نانوتویؒ نے اللہ کی مہربانی سے اس مشکل ترین سوال کا اسلامی عقیدے کے مطابق بہترین جواب ارشاد فرمایا، ساتھ ہی مخالفین کا پورا پورا رد بھی کر دیا(حضرتؒ کے بیان کیلئے دیکھئے: مباحثہ شاہجہانپور ص ۶۴ تا ص ۸۷)

مختصر بات یہ ہے کہ جس طرح دھوپ کی اصل سورج کا نور ہے کائنات کے وجود کی اصل اللہ کا وجود ہے جیسے زمین پر جب تک سورج کی شعاع پڑے دھوپ ہوتی ہے سورج چھپ جائے تو دھوپ ختم ہو جاتی ہے اسی طرح جب سے اللہ نے کائنات کو وجود عطا فرمایا ہے کائنات موجود ہے اور جتنا جتنا اس نے وجود دیا اتنا اتنا ہی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی سے وجود کی نعمت لیتا ہے وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔پھر جیسے کشتی کی حرکت سے کشتی نشین بھی حرکت کرتا ہے مگر کشتی اور ہے کشتی نشین اور ہے میں اور ہوں آپ اور ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کو وجود تو ملا ہے مگر اللہ اور ہے مخلوق اور ہے۔اس لئے مخلوق میں کوئی عیب ہو تو خدا تعالیٰ میں نہ آئے گا، اللہ تعالیٰ بہر حال ہر عیب سے پاک ہے۔

☆ اس آیت کے تحت محمد علی لاہوری کہتا ہے:

**خلق** کا اصل معنی **التقدیر المستقیم** یعنی صحیح اندازہ اور اس کا استعمال دو طرح پر ہے اول **فی ابداع الشیء من غیر اصل و لا احتذاء** یعنی ایک چیز کو بالکل نیا وجود میں لانا جس کی نہ کوئی اصل ہو نہ کوئی نمونہ جیسے فرمایا **خلق السموات والارض** کیونکہ دوسری جگہ فرمایا **بدیع السموات والارض** جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ خلق ہے جو بمعنی ابداع ہے یعنی نیستی سے ہستی کرنا وہ صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے (غ)......اللہ نے اپنے آپ کو **خالق کل شیء** بھی کہا ہے اس لئے جہاں تک یہ سلسلہ چلایا جائے کہ فلاں چیز فلاں سے بنی اور فلاں فلاں سے آخر جہاں تک علم انسانی پہنچ سکتا ہے اسکا خالق بھی وہی ہے پس وہ نیستی سے ہستی کرنے والا ہوا (بیان القرآن مرزئی ج۱ص ۱۹)

**اقول:** بلکہ ہر وقت اس کی طرف سے مخلوق کو مسلسل فیضان وجود ہوتا ہے اس کو تجدد امثال کہتے ہیں جیسے بجلی کا بلب روشن ہونے کیلئے مسلسل بجلی کی رو کا محتاج ہے (باقی آگے)

## عبادت کی حقیقت

مولانا کاندھلویؒ معارف القرآن ج ا ص ۹۵ میں فرماتے ہیں: غایت محبت اور نہایت تعظیم واجلال کے ساتھ انتہائی تذلل کا نام عبادت ہے۔سورۃ الفاتحہ کے تحت یہ بات گزر چکی ہے کہ عبادت کہتے ہی اس کو ہیں کہ کسی کو اپنا حاجت روا مشکل کشا فریاد رس عالم الغیب سمجھتے ہوئے اسے راضی کرنے کیلئے کچھ کیا جائے (ا)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ) جونہی بجلی بند ہوتی ہے بلب بجھ جاتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مخلوق اللہ کی محتاج ہے لحہ بھر کیلئے بھی اللہ جل شانہ کی رحمت سے بے نیاز نہیں حضرت نانوتویؒ نے تجد دِ امثال پر اپنی تالیفات میں بہترین بحث کی ہے نمونے کے طور پر دیکھئے تقریر دلپذیر ص ۱۶۶ تا ۱۶۸۔[مزید وضاحت] کچھ سال پہلے سونامی جو بہت خطرناک طوفان بحر ہند میں آیا تھا۔ان دنوں اس عاجز نے کسی اخبار میں پڑھا کہ اس کی وجہ سے زمین اپنے مدار سے ہل گئی اور دن پہلے سے چھوٹا ہوگیا، کتنا چھوٹا ہوا؟ دس لاکھ دن جب گزریں گے تو ایک سیکنڈ کا فرق ہوگا۔اس کا مطلب ہوا کہ اس طوفان کے دو ہزار سات سو اڑتالیس سال سات ماہ کے بعد جو دن آئے گا وہ ایک سیکنڈ پہلے طلوع ہوگا۔اخبار میں تھا کہ اس سے بھی موسموں پر اثرات ہوں گے۔ایک اور اخبار میں پڑھا کہ سائنس دان اگر بلیک ہول بنالیں اور وہ صرف اتنے وقت کیلئے چلے کہ ایک سیکنڈ کے ارب حصے کردیئے جائیں ایک حصہ کی مقدار چلے تو بھی بڑی تباہی مچادے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات اتنے مختصر ترین وقت کیلئے بھی اللہ تعالٰی کی رحمت سے مستغنی نہیں ہے۔ولا شک فیہ۔

☆ مفتی احمد یار خان تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۰۰، ۲۰۱ میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''خَلق کے معنی ہیں نیستی سے ہستی میں لانا جو صرف خدا کا کام ہے اور اسباب جمع کرنے کو کَسب کہتے ہیں بندہ کَاسِب ہے خَالِق نہیں''۔

اقول: کوئی شخص کسی قبر پہ جاکر چڑھاوا چڑھائے اور صاحب قبر سے بیٹا مانگے اور نیت یہ ہو ہے کہ اگر صاحب قبر میری مراد پوری کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ایسا شخص یقیناً مشرک ہونا چاہئے کیونکہ بیٹا بیٹی دینا نیستی سے ہستی میں ہی لانا ہوتا ہے اس لئے یہ کَسب نہیں خَلق ہے جو صرف اللہ کا کام ہے۔حکیم سے دوائی لینا اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ سبب کے درجہ میں ہوکر کَسب ہے نہ تو اس میں حکیم صاحب کو خالق سمجھا جاتا ہے اور نہ یہ مانا جاتا ہے کہ حکیم صاحب کی دوائی سے بیٹا ضرور ہی ہوگا کوئی روک نہیں سکتا اگر حکیم صاحب کا ایسا دعوی ہو، یا دوائی لینے والے کی ایسی نیت ہو تو یقیناً یہ شرک ہوگا۔

ا) شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ کے افادات میں ہے کہ اگر کسی پیر کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ ہمارے حالات جاننے اور ان میں متصرف ہونے میں مافوق الاسباب غیبی قبضہ رکھتے ہیں اور اسی اعتقاد کے تحت وہاں جاکر دوزانو بیٹھے، اس پر کپڑا ڈالے، وہاں کچھ شیرینی تقسیم کرے اس کی قبر کو بوسہ دے، یا گھر ہی میں بیٹھ کر اس کے نام پر صدقہ وخیرات دے اور اسی عقیدہ کے تحت زندہ پیر کے ہاتھوں کو بوسہ دے، یا اس کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھے تو یہ سب افعال اس پیر کی عبادت کہلائے گی ( دیکھئے کشف البیان ج ا ص ۱۳۰، ۱۳۱)

☆ مفتی نعیم لدین مراد آبادی کہتے ہیں: عبادت وہ غایت تعظیم ہے جو بندہ اپنی عبدیت اور معبود کی الوہیت کے اعتقاد واعتراف کے ساتھ بجالائے یہاں عبادت عام ہے اپنے تمام انواع واقسام واصول وفروع کو شامل ہے (خزائن العرفان ص ۸ ) ☆ مفتی احمد یار خان ایاک نعبد کے تحت لکھتے ہیں: عبادت کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کسی کو خالق یا خالق کا حصہ دار مان کر اس کی اطاعت کرنا، جب تک یہ نیت نہ ہو تب تک اسے عبادت نہیں کہا جائے گا...... عبادت کی بہت سی قسمیں ہیں نماز روزہ زکوۃ حج بلکہ یوں سمجھو کہ جو جائز کام بھی رب کو راضی کرنے کی نیت سے کیا جائے وہ وعبادت ہے یہاں تک کہ آدمی رب کو راضی کرنے کے لئے اپنے بچوں کو پالے یہ بھی عبادت ہے اور اس میں ثواب ملتا ہے یہ کلمہ ان سب کو شامل ہے اسی طرح بندہ بننے کی بہت سی صفتیں ہیں رب کی رضا میں راضی رہنا اس کی نعمت پر شکر کرنا، اس کی بلا پر صبر کرنا، اپنے عقائد درست کرنا غرض کہ اپنے میں بندوں کی صفات پیدا کرنا یہ سب معانی بھی اسی کلمے میں آگئے ( تفسیر نعیمی ج ا ص ۶۹ ) ☆ محمد علی لاہوری مرزائی کہتا ہے: اطاعت دوسروں کی بھی ہوسکتی ہے مگر عبادت سوائے اللہ کے اور کسی کی جائز نہیں پھر انسان کے وہ تمام کام جو اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری میں ہوں عبادت میں داخل ہوجاتے ہیں حفاظت دین کیلئے صحابہ کا جنگیں کرنا بھی عبادت الٰہی میں داخل تھا۔( بیان القرآن مرزئی ج ا ص ۱۹)

 موافقین ومخالفین کی ان عبارات سے بھی واضح کہ مسلمان اللہ کیلئے جو کچھ کرتا ہے وہ چونکہ اللہ کو اپنا حاجت روا مشکل کشا فریاد رس عالم الغیب سمجھ کر (باقی آگے)

اشکال: عبادت تو تقوی کے بغیر نہیں ہوتی عبادت کا حکم دے کر لعلکم تتقون کیوں کہا؟(۱)

جواب: اگر تتقون کے بعد النّاد محذوف ہو تو مطلب یہ ہے کہ عبادت کرنے سے تم آگ سے بچو گے، دوزخ سے بچو گے اور اگر مفعول محذوف نہ ہو تو یہ مطلب

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرتا ہے اس لئے یہ کام عبادت بنیں گے۔ حتی کہ درمختار کتاب النکاح کے شروع میں ایمان باللہ اور نکاح کو عبادت کہا گیا اگر چہ نکاح میں حقوق العباد کا پہلو غالب ہے۔ ☆مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں☆

آسمان ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے حضور کی نبوت اور رحمت عالمین کو محیط ہے آسمان دینے کیلئے ہے زمین لینے کیلئے۔ حضور دینے والے داتا ہیں ہم لینے والے بھکاری، بغیر آسمانی مدد کے زمین سے تخم نہیں اگتا حضورؐ کی نگاہِ کرم کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی آسمان تک نہیں پہنچ سکتی کوئی مخلوق حضور کی شان تک نہیں پہنچ سکتی، آسمان دور رہ کر زمین کو ہر طرح کا فیض دے رہا ہے حضور مدینہ میں جلوہ گر رہ کر کونین کو فیض دے رہے ہیں (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۰۴ سطر ۱۲ تا ۱۵)

**اقول** بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین حاصل کرنے میں نبی ﷺ کا محتاج بنایا ہے اس طرح کہ جو شخص نبی ﷺ پر ایمان نہ لائے وہ مومن نہیں ہو سکتا مگر دینداری کی توفیق تو اللہ کی طرف سے ہی ملتی ہے نبی ﷺ نہ کسی کو ایمان کی توفیق دے سکتے ہیں نہ اعمال صالحہ کی۔ اسی طرح کوئی عمل نیکی تب بنے گا جب وہ نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہو مگر اس کی قبولیت اللہ کی مہربانی سے ہوتی ہے۔ ☆مفتی صاحب موصوف ہی لکھتے ہیں☆

شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماتحت عبادت اور اطاعت میں بڑا اچھا فرق بیان فرمادیا ہے وہ یہ کہ حاکم کا حکم بجالانے کو اطاعت کہتے ہیں اور اپنی بندگی کے اظہار کرنے کو عبادت کہتے ہیں اور غیر اللہ کی اطاعت ہر دین میں جائز ہے پیغمبر اور مرشد عالم دین اور حاکم وقت کی اطاعت ہر شخص کرتا ہے لیکن ان میں سے کسی کی عبادت کوئی مسلمان نہیں کرتا کیونکہ معبود ہونے کیلئے ذاتی عظمت ضروری ہے اور اطاعت میں یہ لازم نہیں اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ کسی کو اپنا مستقل اور ذاتی حاکم مان کر اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھ کر ان کی فرماں برداری کرنا عبادت ہے اور کسی کو غیر مستقل اور مجازی عطائی حاکم مان کر اور اپنے کو اس کا ماتحت اور غلام سمجھ کر اس کی فرماں برداری کرنا عبادت نہیں اس سے مشرکین اور مسلمانوں میں بڑا فرق ہو گیا۔ (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵)

**اقول** [۱] جو شخص اللہ کے علاوہ کسی کو اس نیت سے پکارے کہ اللہ نے اس کو علم غیب دیا ہے وہ میری ہر فریاد کو سنتا ہے اور وہ میری ہر ضرورت کو پورا کرنے پر قادر ہے اگر وہ میری مشکل دور کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا پھر اس کو خوش کرنے کیلئے جانور ذبح کرے، اس نے بظاہر تو غیر اللہ کیلئے عطائی طور پر عالم الغیب ہونا، فریادرس ہونا، مشکل کشا ہونا اور حاجت روا ہونا مانا ہے مگر حقیقت میں وہ ان کمالات کو غیر اللہ کے لئے ذاتی اور مستقل ہی مانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہ علم غیب دیا، نہ کسی کو کائنات میں ایسے اختیار دیئے تو جب اس نے اللہ کے دیئے بغیر غیر اللہ کیلئے یہ کمالات مانے تو ذاتی ہی مانے ہیں۔ [۲] پھر اگر انسان محض غیر اللہ کو خوش کرنے کے لئے جانور ذبح کرے تو وہ اس عمل کے ساتھ غیر اللہ کے سامنے اپنی بندگی ہی کا اظہار کرتا ہے۔ اور بندگی کے اظہار کو عبادت تم نے مان لیا ہے [۳] تمہارے عطائی کہنے سے اگر غیر اللہ کو علم غیب ملتا ہو تو قادیانی کے کہنے سے تم قادیانی کیلئے نبوت بھی مان لو کیونکہ وہ اپنے لئے عطائی نبوت ہی کا مدعی تھا نہ کہ ذاتی کا۔ یاد رکھئے، ہمارے ہاں غیر اللہ کیلئے عطائی علم غیب ماننا اسی طرح بلا دلیل ہے جس طرح مرزا قادیانی کیلئے عطائی نبوت ماننا بلا دلیل ہے۔ ☆مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں☆

بے شک حق تعالیٰ نے فرشتوں، انبیاء کرام اور اولیاء کو اپنی خلقت کا انتظام سپرد فرمادیا ہے جس کا ثبوت قرآن کریم اور حدیث پاک سے ہے، بچہ بنانے جان نکالنے وغیرہ وغیرہ کاموں کیلئے فرشتے مقرر ہیں لیکن اس بارے میں مشرکین اور مسلمین کے عقیدے میں یہ فرق ہے کہ مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ یہ سارے کام خود بخود نہیں کر سکتا مجبوراً ہمارے بتوں کو مقرر کر لیا گیا جیسے کہ دنیوی بادشاہ مجبوراً افسروں کو مقرر کرتے ہیں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب حق تعالیٰ کے بندے اور خدام بارگاہ ہیں خدائی میں دخیل نہیں حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵)

**اقول** [۱] حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو اللہ کے نبی ہیں بتایئے عیسائیوں کا ان سے دعائیں مانگنا درست ہے یا نہیں؟ تم لوگ اولیاء کو پکارتے ہو عیسیٰ علیہ السلام جو یقیناً اس امت کے اولیاء سے زیادہ مقام رکھتے ہیں ان کو کیوں نہیں پکارتے؟ [۲] مولانا احمد رضا خان، مفتی نعیم الدین مراد آبادی تو اپنی جگہ مفتی احمد یار خان بھی تو اپنے (باقی آگے)

ہوگا کہ تم ایسے پرہیزگار بن جاؤ کہ تمہارے دِلوں سے گناہوں کی رغبت ہی جاتی رہے کیونکہ عبادت نیکی کرنا ہے اور تقویٰ گناہوں سے بچنا ہے۔ مگر عبادت کے بغیر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فرقے میں بہت بڑا ولی ہوا ہے جب وہ زندہ تھا جب اس نے جاء الحق لکھی تھی اس وقت اس کو کائنات کا کتنا اختیار ملا ہوا تھا؟ اب اس کو ماننے والے جو پیر مولوی مصنف اور مناظر زندہ ہیں ان کو کائنات میں کتنے کتنے فیصد اختیار ملے ہیں؟ یا مرنے کے بعد ہی ان کو اختیار ملیں گے؟ تمہاری زندگی تمہیں اختیارات ملنے میں مانع کیوں ہے؟ [۳] غیر اللہ کیلئے کائنات کے اختیارات ماننے میں نبی ﷺ کی گستاخی ہے وہ اس طرح کہ اگر تم نبی کیلئے بھی سو فیصد اختیار مانو اور دوسروں کیلئے بھی سو سو فیصد تو آقا ﷺ سے برابری لازم آتی ہے اور اگر نبی ﷺ کیلئے سو فیصد اور کسی اور کیلئے مثلاً مفتی احمد یار خان کیلئے دس فیصد اختیار مانو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مفتی احمد یار خان جیسے دس مل کر نبی ﷺ کے برابر ہوں گے اور اگر اس جیسے گیارہ مل جائیں نبی ﷺ سے معاذ اللہ بڑھ جائیں گے۔ جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ساری کائنات کے اولیاء اور انبیاء مل کر بھی نبی ﷺ کے مقام کو نہیں پاسکتے کیونکہ آپ ﷺ نبی الانبیاء ہیں اور یہ مقام کسی اور کا نہیں۔

[۴] فرشتوں کی ڈیوٹیاں تو ہیں مگر فرشتوں سے مدد تو نہیں مانگی جاتی مثلاً بعض فرشتے بادلوں پر مقرر ہیں مگر بارش کیلئے ان سے دعا نہیں کی جاتی دوزخ کے داروغہ کا نام مالک ہے مگر دوزخ سے پناہ حاصل کرنے کیلئے اس سے دعا نہیں کی جاتی۔ تو جس اعتقاد کے ساتھ تم لوگ اولیاء کو پکارتے ہو تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے تو دکھاؤ۔

[۵] بزرگوں سے دعائیں مانگنے میں بزرگوں کی بھی توہین ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پکارنے والا اس کام کیلئے پکارے جس کا اس بزرگ کو اختیار نہ ہو، اس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی شخص کسی غریب آدمی سے کہے مجھے ابھی ایک کروڑ ڈالر دے دو مجھے بہت ضرورت وہ کہے میں غریب آدمی ہوں میرے پاس تو اس وقت ایک ڈالر بھی نہیں مگر سائل اصرار کرے کہ مجھے ابھی ایک کروڑ ڈالر دے دو میں تمہارے نام مرغی ذبح کردوں گا تو جس غریب آدمی سے یہ مطالبہ ہوتا ہے اسے یقیناً غصہ آئے گا کہ مجھے خواہ مخواہ تنگ کررہا ہے۔ علاوہ ازیں اس صورت میں سائل کا پکارنا، نذر ماننا چڑھاوا چڑھانا اور جانور ذبح کرنا سب بے فائدہ جائے گا۔ [۶] ایک آدمی ایک قبر پہ جا کر دعا کرتا ہے دوسرا دوسری پر تیسرا تیسری پر سب کی دعا یہ ہے کہ فلاں لڑکی میرے نکاح میں آجائے، بتاؤ وہ ایک لڑکی کس کس کو ملے گی؟ اور اگر اللہ نے اس لڑکی کی عمر ہی کم رکھی ہو یا وہ کسی اور کی قسمت میں رکھی ہو تو بتاؤ یہ پکارنا قبر پر جانا کس کام؟ اگر کہیں کہ جس کی قسمت میں اللہ نے رکھی ہو تو پہلے ہی اللہ سے دعا کرلو۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتا ہے: **ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم** [محمد: ۷] اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا رب غنی ہو کر بندوں سے مدد طلب کرتا ہے تو اگر ہم محتاج ہو کر کسی بندے سے مدد مانگیں تو کیا برائی ہے؟ (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۷۶)

**اقول** جب یہ آیت نازل ہوئی: **من ذا الذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا** [البقرۃ: ۲۴۵]، تو یہود نے کہا اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے مدد نہ مانگتا۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی **لقد سمع اللّٰہ قول الذین قالوا ان اللّٰہ فقیر ونحن اغنیاء** (جلالین ص ۹۲ تحت سورۃ آل عمران: ۱۸۱) یہود سے ملتی جلتی بات مفتی احمد یار نے لکھ دی اگرچہ خط کشیدہ کا اضافہ کردیا مگر یہ نہ سوچا کہ جس طرح قرض والی مذکورہ بالا آیت میں اللہ قرض نہیں مانگ رہا اسی طرح سورۃ محمد آیت ۷ میں اللہ بندوں سے مدد طلب نہیں کرتا بلکہ نہایت محبت سے ان کو جہاد کی ترغیب دے رہا ہے جہاد میں فائدہ بندوں کا ہی ہے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ تو کہتا ہے: **وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** (آل عمران: ۱۲۶، الانفال: ۱۰)

☆ مفتی احمد یار خان دیوبندیوں کو مسلمان مانتے ہوئے لکھتے ہیں:

مدرسہ دیوبند مسلمان ہی کی مدد سے چل رہا ہے انسان پیدائش سے قبر تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے...... جہاں مدد کو خدا کے ساتھ خاص کیا گیا وہ حقیقی مدد ہے اور جہاں غیر خدا سے مدد لینے کا حکم ہے وہاں مدد بالواسطہ ہے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۷۷) **اقول** [۱] تجھے بندوں کی طرف احتیاج نظر آتی ہے یہ کیوں نہ کہا کہ جیسے بجلی کا بلب روشن ہونے میں مسلسل بجلی کا محتاج ہے اس سے زیادہ ہر انسان ہر دم اللہ کا محتاج ہے کسی وقت بھی اللہ کی رحمت سے مستغنی نہیں [۲] اگر بندے کی مدد اور خدا کی مدد میں صرف بالواسطہ اور بلاواسطہ کا فرق ہو تو پھر جیسے انسان کو جاپانی پرزہ محلے کی دکان سے دستیاب ہے تو اسے جاپان جانے کی ضرورت نہیں اسی طرح اگر تیری سب ضرورتیں کسی قبر سے پوری ہوں تو خدا تعالیٰ کو پکارنے اور اس کی عبادت کی کیا ضرورت؟ سال کے بعد عرس میں شرکت کافی ہو [۳] حقیقت یہ ہے کہ بندوں کی مدد اسباب کے تحت ہے کام تب ہی ہوگا جب اللہ چاہے گا مثلاً کوئی شخص کسی کو لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیرنا چاہتا ہے مگر ہوسکتا ہے کہ قتل کی کوشش کرنے والے کو دل کا دورہ پڑے یا کوئی اور رکاوٹ پیش آئے اور وہ بجائے قاتل کے مقتول بن جائے مگر اللہ جو چاہتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے۔ ثابت ہوا کہ بندوں کی قدرت تحت الاسباب ہے، فوق الاسباب قدرت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ (باقی آگے)

انسان گناہوں سے پورا بچ نہیں سکتا۔ دیکھئے جو نماز نہیں پڑھتا اس سے نظر اور کانوں کی پوری حفاظت نہیں ہوگی۔ مفسر ابوالسعودؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ تقوی کا اعلیٰ مقام مل جائے کہ تمہارے دِل میں اللہ کی محبت رچ بس جائے تم اسی کے ہو رہو۔ (از ابوالسعو دج ا ص ۶۰)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ☆ ان آیات کے تحت مرزا بشیر الدین محمود تحت لکھتا ہے:

دنیا میں تعلق کے دو ہی طریق ہیں یا محبت یا خوف۔ مختلف اقوام میں عبادت انہی دو اسباب کی وجہ سے کی جاتی ہے جیسا کہ کمپریٹو ریلیجنز ( Comparative Religions ) والوں نے تفصیل سے اس پر بحث کی ہے پہلا محبت کیلئے اور **لعلکم تتقون** خوف کے مضمون کو سامنے لانے کیلئے، محبت آگے دو طرح پیدا ہوتی ہے یا حسن سے یا احسان سے۔ اس مختصر آیت میں ان دونوں باتوں کو خدا تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے کیلئے پیش کیا گیا ہے وہ حسین ہے کیونکہ رب ہے کیسا اعلیٰ درجہ کا صناع ہے...... پھر احسان کس لطیف طور پر پیش کیا ہے کہ وہ تمہارا بھی محسن ہے تمہارے ماں باپ کا بھی (مرزائی تفسیر کبیر ص ۲۰۷ کالم نمبر۲)

**ازالہ** حضرت نانوتویؒ نے اس کو بہت بہتر اور مفصل انداز میں پیش کیا، آپ فرماتے ہیں:

تمام کائنات کا وجود اور کمالات میں خداوند عالم کا محتاج ہونا لابدی [یعنی ضروری۔ راقم] ہے اس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ خداوند عالم تمام عالم کے حق میں واجب الاطاعت ہو اور تمام عالم کے ذمے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری واجب و لازم ہو کیونکہ وجوہِ فرمانبرداری بظاہر کل تین ہیں اور حقیقت میں دو ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کوئی کسی کی تابعداری یا امیدِ نفع پر کرتا ہے جیسے نوکر اپنے میاں کی تابعداری تنخواہ کی امید پر کرتا ہے یا اندیشۂ نقصان کے باعث اس کی فرمانبرداری یا تابعداری کرتا ہے جیسے رعیت حکام کی اطاعت یا مظلوم ظالم کی تابعداری کیا کرتے ہیں یا بوجہِ محبت کوئی کسی کی تابعداری کیا کرتے ہیں جیسے عاشق اپنے معشوقوں کی تابعداری کیا کرتے ہیں مگر امید واندیشہ کو دیکھئے تو اختیارِ نفع و نقصان کی طرف راجع ہیں جس کی اصل کو ٹٹولئے تو مالکیت، اوصاف و کمالات نکلتے ہیں یعنی مالک اصلی کو اختیارِ داد و ستد، اوصاف و کمالات ہوتا ہے اور مستعیر کو اختیارِ رد و انکار نہیں ہوتا۔

چنانچہ آفتاب و زمین کے حال سے نمایاں ہے کہ آفتاب وقت طلوع زمین کو نور عطا کرتا ہے اور زمین اس کو رد نہیں کر سکتی اور وقت غروب اس نور کو آفتاب چھین لیتا ہے تو زمین سے انکار نہیں ہو سکتا وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ آفتاب مالک النور ہے اور زمین فقط مستعیر ہے۔

الحاصل وجوہِ فرمانبرداری و اسبابِ اطاعت بظاہر تین ہیں امیدِ نفع، اندیشۂ نقصان محبت اور حقیقت میں کل دو سبب ہیں ایک مالکیت دوسری محبت۔ اور اس سے زیادہ تنقیح کیجئے تو اصل سببِ اطاعت محبت ہے اتنا فرق ہے کہ کہیں محبتِ مطاع موجب اطاعت ہوتی ہے اور کہیں محبتِ مال و جان باعثِ فرمان برداری ہو جاتی ہے۔ عشاق کی اطاعت و فرمانبرداری میں مطاع کی محبت باعثِ اطاعت ہوتی ہے اور نوکر کی اطاعت میں محبتِ مال و جان۔ علی ھذا القیاس رعیت کی اطاعت میں محبتِ جان و مال موجبِ فرمانبرداری ہوتی ہے۔

مگر ہر چہ بادا باد وجہِ اطاعت ایک ہو یا دو یا تین ہو جو کچھ ہو وہ خدا میں اول ہے اوروں میں اس کے بعد کیونکہ مالکیت اور اختیارِ نفع و نقصان بھی ہستی اور وجود پر موقوف ہے اور جمال اور محبوبیت بھی وجود ہستی پر موقوف ہے جہاں وجود اور ہستی کی اصل ہوگی وہیں مالکیت اور اختیارِ مذکور اور جمال محبوبیت بھی ہوں گی مثل وجودِ مالکیت و اختیار محبوبیت بھی اوروں میں اسی کی عطا ہوگی اور اسی کا فیض ہوگا۔

جب مخلوقات میں وجوہِ مذکورہ سرمایۂ اطاعت ہیں تو خداوندِ عالم کے حق میں یہ باتیں کیونکر سامان اطاعت و فرمان برداری نہ ہوں گی۔

القصہ! جب اسبابِ اطاعت و فرمانبرداری کے، سب کے سب خداوندِ عالم میں موجود ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ اوروں میں اس قسم کی چیز اگر ہے تو اسی کا فیض ہے تو بیشک خداوندِ عالم تمام عالم کے حق میں واجب الاطاعت ہوگا۔ (مباحثہ شاہجہانپور ص ۲۵ تا ۲۷)

۱) **لعلکم تتقون** کے تحت مفتی نعیم الدین اور مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: عبادت کا فائدہ عابد ہی کو ملتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کو عبادت یا اور کسی چیز سے نفع حاصل ہو (خزائن العرفان ص ۸، تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۰۳ سطر) مرزا محمود لکھتا ہے: **لعلکم تتقون** میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ عبادت کا حکم کسی ایسی غرض (باقی آگے)

خالق کا وجود پر استدلال نہایت واضح ہے:

کائنات کیلئے خالق ومدبر کا ہونا عقلی طور پر بدیہی ہے اس لئے انبیاء کرام فرماتے تھے: اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابراہیم:۱۰) ''کیا اللہ کے بارے میں شک ہوسکتا ہے جو زمین آسمان کو پیدا کرنے والا ہے''۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں دہریوں کی ایک جماعت کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود یا ہستی نہیں کائنات کا نظام خود بخود چل رہا ہے وہ لوگ امام ابوحنیفہؒ کے پاس آئے کہ آپ وجود باری کو دلائل سے ثابت کریں آپ نے فرمایا میں ایک بات کے بارے میں فکر مند ہوں مجھے بتایا گیا کہ سمندر میں ایک کشتی ساز وسامان سے بھری ہے نہ اس کا کوئی نگران نہ کوئی ملاح وہ خود ہی چلتی ہے کرایہ لیتی ہے اور مسافروں کو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پہنچا دیتی ہے امام صاحبؒ نے سمجھانے کیلئے یہ بات کہی اور بات سمجھانے کیلئے کوئی کہانی بیان کی جائے تو جائز ہے (ذخیرۃ الجنان ج۱ ص۸۹)

امام صاحبؒ سے یہ بات سن کر وہ دہریئے ٹھاہ ٹھاہ کر کے ہنسنے لگے اور کہنے لگے ہم نے آپ کی بہت تعریف سنی تھی کہ بڑے ذہین ہیں مگر آپ نے جو گفتگو کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے بڑا کوئی بے وقوف نہیں بھلا یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا ظالمو! یہ آسمان وزمین اور یہ پہاڑ بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود کس طرح بن گئے ایک کشتی کا بغیر ملاح کے چلنا تو تمہاری سمجھ میں نہیں آتا تو یہ سارا کارخانہ کائنات خود بخود کس طرح چل رہا ہے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں فَاَسْلَمُوْا عَلٰی یَدَیْہِ پھر وہ سب کے سب امام ابوحنیفہؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے (تفسیر ابن کثیر عربی ج۱ ص۵۹) علامہ ذہبیؒ امام صاحبؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: وَکَانَ مِنْ اَذْکِیَاءِ بَنِیْ آدَمَ (العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۱۶۴)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے نہیں جس میں خدا تعالیٰ کا فائدہ ہو بلکہ عبادت کا حکم خود انسان کے فائدہ کے لئے دیا گیا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ ص۲۰۵ کالم نمبر۲)

**اقول** حضرت نانوتویؒ نے اس کو بہت بہتر انداز میں سمجھایا ہے مباحثہ شاہجہانپور ص۷۵، ۷۶ میں فرماتے ہیں:

الغرض انسان کو دیکھئے تو زمین وآسمان میں سے کسی کے کام پر۔ سوا اس کے جو چیز ہے سب انسان کے کام کی ہے اس صورت میں اگر انسان خدا کے کام کا بھی نہ ہو تو یوں کہو کہ انسان سے زیادہ کوئی نکما ہی نہیں مگر تمہیں فرماؤ کہ اس دانش وکمال اور اس حسن وجمال پر انسان کو کوئی نکما کہہ دے گا؟ اگر انسان اس افضلیت مسلمہ اور مشہودہ پر بھی نکما ہے تو یوں کہو کہ اس سے زیادہ برا ہی کوئی نہیں اس لئے چاروناچار یہی کہنا پڑے گا کہ انسان خالق جہان کے کام کا ہے ایسی خوبی اور اس اسلوبی پر ایسے ہی بڑے کام کیلئے ہوگا۔

مگر ظاہر ہے کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں پھر انسان سے [یعنی انسان جیسے۔ راقم] محتاج کا تو کیا احتاج ہوگا جس کی سب سے زیادہ محتاجگی تو اسی سے ظاہر ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام عالم کی اس کو ضرورت ہے اس لئے یہی کہنا پڑے گا کہ اس کو بندگی اور عجز ونیاز کیلئے بنایا ہے کیونکہ یہی ایک ایسی چیز ہے جو خدا کے خزانہ میں نہیں مگر چونکہ یہ عجز ونیاز خدا کے مقابلہ میں موافق تقریر بالا ایسا ہوگا جیسا طبیب کے سامنے بیمار کی منت وسماجت تو جیسے بیمار کی منت وسماجت کا یہ ثمرہ ہوتا ہے کہ طبیب اس کے حال زار پر مہربان ہو کر چارہ گری کرتا ہے ایسے ہی انسان کی بندگی یعنی عجز ونیاز کی بدولت خداوند عالم اس پر مہربان ہو کر اس کی چارہ گری کیوں نہ کرے گا؟

۱) امام صاحبؒ کا ایک واقعہ اس طرح بھی مشہور ہے کہ خدا کے ایک منکر سے جو کسی سے قابو نہیں آتا تھا، گفتگو کا وقت طے ہوگیا امام صاحبؒ نے جان بوجھ کر جانے میں تاخیر کردی اس کو موقع مل گیا وہ کہنے لگا وہ میرے مقابلے سے بھاگ گئے ان کے پاس میرے سوالوں کے جواب نہیں ہیں۔ اتنے میں امام صاحبؒ تشریف لے آئے۔ وہ کہنے لگا آپ پہلے یہ بتائیں کہ دیر سے کیوں آئے آپ نے فرمایا: تمہیں پتہ ہے میرا گھر دریا کے دوسری طرف ہے مجھے کشتی میں سوار ہو کر آنا ہوتا ہے میں وقت مقررہ پر دریا کے کنارے پہنچ گیا وہاں مجھے کوئی کشتی نہ ملی بہت پریشان تھا کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک ایک درخت جم گیا اس سے لکڑیوں کے بہترین تختے بن گئے پھر وہ خود بخود ترتیب سے جڑ گئے اور ایک بہت اچھی کشتی تیار ہوگئی میں اس میں بیٹھا تو وہ کشتی خود بخود چل پڑی اور دوسرے کنارے پہنچ کر رک گئی تب میں اتر کر تمہارے پاس پہنچا ہوں یہ سن کر وہ دہریہ بہت ہنسا کہ تیری عقل درست ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بغیر بنانے والے کے درخت سے کشتی کیسے بن گئی؟ بغیر چلانے والے کے وہ سیدھی دوسرے کنارے کیسے پہنچی؟ امام صاحب کہنے لگے تجھے یہ بات تو سمجھ نہیں آتی یہ کیسے سمجھ آگیا کہ کائنات کا اتنا بڑا نظام بغیر چلانے والے کے چل رہا ہے۔ یہ سن کر وہ شخص لاجواب ہوگیا۔

<u>زمین وآسمان خدا کے حکم کے تابع ہیں:</u>

پھر فرمایا **اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا** کہ اللہ نے زمین کو بچھونا بنایا یعنی رہائش کے قابل انسان کی تمام ضروریات زمین سے پوری ہوتی ہیں اس کو کسی اور سیارے پر جانے کی حاجت نہیں پہلے زمانے میں بھی انسان کی سب ضرورتیں اس زمین سے پوری ہوتی تھی اب بھی ہو رہی ہیں نہ انسان کو رہائش کیلئے کہیں اور جانے کی ضرورت ہے نہ روزگار کیلئے نہ معدنیات کیلئے۔ جتنے انسان فوت ہوں سب کے دفن کا انتظام بھی اسی زمین پر ہو رہا ہے ارشاد فرمایا: **اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا** (المرسلات:۲۵،۲۶) ''کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا''۔

آسمان کو یہاں **بِنَاء** فرمایا: شاہ عبدالقادرؒ نے ترجمہ کیا ''عمارت'' شاہ رفیع الدینؒ نے ترجمہ کیا ''چھت'' (ا) یعنی جیسے زمین فرش ہو تو آسمان عمارت، یا

---

☆ ان آیات کے تحت مرزا محمود لکھتا ہے:

کچھ یورپین مصنفین نے کہا کہ خدا کی نسبت عقیدہ روحوں جنوں اور پریوں کے خیال سے ترقی پا کر بنا ہے...... ابتدائی انسان نے درندوں اور زہریلے کیڑوں سے متاثر ہو کر ان کی پوجا شروع کی اور آہستہ آہستہ خدا کا خیال پیدا ہوا...... ابتداء میں کئی خداؤں کا خیال پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ اس کی جگہ ایک خدا نے لے لی ان لوگوں کے دعوی کی بنیاد اس پر ہے کہ ابتداء آفرینش میں انسان کی تاریخ کئی خداؤں کے اعتقاد پر دلالت کرتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شرک وحدانیت سے پہلے ہے...... ہندو مذہب، بائبل قدیم جدید سب کی دلالت ہے کہ توحید پہلے ہے اسلام نے بھی اسی عقیدہ کو پیش کیا ہے جیسا کہ اگلے رکوع میں آدم [علیہ السلام] کے ذکر میں آئے گا کہ انسان کے نمودار ہوتے ہی خدا تعالیٰ نے پہلے انسان کو اپنے کلام سے مشرف کیا اور اپنے وجود کی خبر دی (ملخص مرزائی کبیر ج۱ ص۲۱۴ تا ص۲۲۲)

**اقول:** [ا] حضرت نانوتویؒ نے مباحثہ شاہجہانپور، تقریر دلپذیر اور تحذیر الناس وغیرہ میں عقل کی رو سے ثابت کر دیا ہے کہ کائنات کو وجود دینے والا، اور کائنات کا نظام چلانے والا ایک ہی ہے فرماتے ہیں دیگر کائنات کے وجود کی ناپیداری اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو کسی نے وجود دیا ہے کائنات کا وجود بالعرض ہے اور جس نے اسے وجود دیا ہے اس کا وجود بالذات ہے پھر حضرتؒ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ جس کا وجود بالذات ہو وہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ [۲] جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا خدا کوئی نہیں ہم بذاتِ خود موجود ہیں وہ یہ تو مانتے ہیں کہ ان کی عمر محدود ہے بیس سال ہے چالیس سال ہے پچاس سال ہے اس سے پہلے وہ کیا تھے؟ انہیں وجود کی نعمت کہاں سے ملی؟ اگر ان کا وجود اپنا ہے تو ہمیشہ سے کیوں نہیں؟ اگر یہ وجود ان کا اپنا ہے تو پھر موت سے ڈر کیسا؟ [۳] مرزا محمود نے یورپین مصنفین کی بات کو رد کرنے کیلئے مختلف مذاہب کی کتب کے حوالوں سے توحید کا پہلے ہونا جو لکھا یہ درست ہے کیونکہ توحید پہلے ہے یا شرک؟ اس کا تعلق تاریخ سے ہے اور تاریخ کو نقل کیا جاتا ہے تاریخ کو بنایا نہیں جاتا۔ مگر کشمیر میں عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتاتے ہوئے مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار لاہوری اور قادیانی مرزائیوں کو یہ قاعدہ سمجھ نہ آیا وہاں انہوں نے قرآن وحدیث، تورات وانجیل اور تاریخ عالم کو تو چھوڑا ہی تھا امت کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر کی طرف پوشیدہ بھاگ جانے کا نظریہ پیش کر کے منصبِ نبوت کی عظمت کا بھی لحاظ نہ کیا۔

ا) مرزا طاہر ترجمہ یوں کرتا ہے: ''زمین کو تمہارے لئے بچھونا، اور آسمان کو (تمہاری بقا کی) بنیاد بنایا'' (ترجمہ مرزا طاہر ص۱۲)

**اقول:** اس میں ''فراش'' سے تقابل سمجھ نہیں آتا، فراش کا تقابل تب ہی ہے جب اس سے مراد یا چھت ہو یا عمارت۔ چھت کا تقابل تو واضح ہے۔ عمارت کا تقابل اس طرح کہ زمین تو فرش یعنی نیچے کا حصہ ہو، اور عمارت یعنی دیواریں اور چھت سب انسانوں کیلئے آسمان ہو چاند سورج ستاروں سمیت۔ واللہ اعلم۔

☆ پنڈت دیانند سرسوتی اس پر اعتراض کرتا ہے ''بھلا آسمان چھت کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو لاعلمی اور ہنسی کی بات ہے اگر آسمان سے مراد کسی اور کرے کی ہے تو بھی درست نہیں کیونکہ یہ من گھڑت بات ہوگی (ستیارتھ پرکاش ص۶۹۸)

**اقول:** [ا] مطلب یہ ہے کہ یہ سارا عالم بمنزلہ ایک مکان کے ہے آسمان اس کی چھت ہے اور زمین اس کا فرش ہے اور شمس وقمر اور نجوم وکواکب اس گھر کے شمع اور چراغ ہیں قسم قسم کے پھل اور الوان نعمت اس کے دسترخوان چنے ہوئے ہیں عالم کے تمام شجر وحجر اور تمام چرند پرند انسان کی خدمت کیلئے حاضر اور مسخر ہیں اور یہ مکان ان کے رہنے کیلئے ہے پس جس خدا نے یہ تمام نعمتیں پیدا کیں وہی قابل پرستش ہے جب ان نعمتوں کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں تو اس کی عبادت اور بندگی (باقی آگے)

جیسے چھت میں بلب اور پنکھے وغیرہ ہوتے ہیں آسمان میں اللہ نے چاند سورج ستارے رکھ دیئے پھر فرمایا کہ بارش بھی وہی نازل کرتا ہے اور اس سے کھانے پینے کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہو (معارف القرآن کاندھلویؒ ج ۱ص ۹۶) اب بتا کہ اسی آسمان کا چھت ہونا سمجھ آیا یا نہیں؟ [۲] جیسے بلب کی شعائیں چھت سے ٹکرا کر آتی ہیں ہوسکتا ہے کہ سورج کی شعائیں آسمان سے ٹکرا کر زمین پر لوٹتی ہوں اگر آسمان نہ ہوتو دھوپ کا نظام ایسا اعلیٰ عمدہ نہ رہے۔ علاوہ ازیں ہمیں کیا معلوم آسمان کے اوپر کیا کچھ ہے جن کے اثرات سے یہ مانع ہے یا ان کے اثرات کیلئے مغیر ہے جیسے موٹی چھتوں کے باعث انسان بارش اور دھوپ سے بچتا ہے۔ باریک چھتوں کے باعث بارش اور دھوپ کے اثرات بدلتے ہیں خدا جانے آسمان میں کیا کیا فوائد ہیں؟ [۳] یا جیسے چھت نظر کی انتہاء ہوتی ہے اس پر نگاہ تک جاتی ہے آسمان پر بھی نگاہ تک جاتی ہے۔ جس سے انسان کو قلبی راحت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے آسمان کے فوائد کے موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جو تفسیر بیان القرآن جلد اول کے آخر میں لگا ہوا ہے اس میں ہے کہ آسمان کا رنگ نظر کیلئے بہت فائدے مند ہے، آسمان کو دیکھ کر انسان اکتا تا نہیں طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے بادشاہ تک جب مشاغل سے تنگ آتے ہیں تو ان میدانوں کو رخ کرتے ہیں جہاں آسمان زیادہ نظر آتا ہے اسی لئے تنگ میدانوں میں اور تنگ گھروں میں دل منقبض رہتا ہے جس گھر میں آسمان زیادہ دکھائی دے وہاں راحت زیادہ ہوتی ہے۔

☆ ان آیات کے تحت مرزا محمود کہتا ہے:

آسمان کو بطور چھت کے بنایا گیا ہے یعنی حفاظت کا ذریعہ سورج اور چاند اور ستاروں کی روشنیاں کس طرح ہزاروں فائدے انسان کو پہنچا رہی ہیں......دنیا پر بعض ایسے حوادثات آتے ہیں جو زمینی تغیرات کی طرف منسوب نہیں ہوسکتے مثلاً میں نے دیکھا ہے کہ بعض ایام میں عورتیں کثرت سے اسقاط کے مرض میں مبتلا ہوتی ہیں بعض ایام میں لڑکیوں کی پیدائش کثرت سے ہوتی ہے اور بعض ایام میں لڑکوں کی...... بعض ایام مین ہڈی ٹوٹنے کے حادثات کثرت سے ہوتے ہیں......اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو دیکھو لوگ ان کے تباہ کرنے کے لئے کتنے جتن کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کی تمام تدبیروں کو باطل کردیتا ہے غار ثور میں دشمن سر پر پہنچ کر جس طرح لوٹا دنیا حیران ہے...... حضرت مسیح ؑ ناصری کو جب ان کے دشمنوں نے اپنی طرف سے صلیب پر لٹکا کر مار ہی دیا تھا خدا تعالیٰ نے کس طرح ایک تاریک آندھی بھیج کر حاکم اور یہود دونوں کو مجبور کردیا کہ وہ ان کو وقت سے پہلے صلیب پر سے اتارلیں اور اس طرح حضرت مسیح اس ذلت کی موت سے محفوظ ہوگئے جو دشمنوں نے ان کیلئے تجویز کی تھی۔ اس زمانہ میں بانی سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ سے ایسے بیسیوں واقعات ظاہر ہوئے۔

آپ کو خدا تعالیٰ نے بتایا کہ طاعون سے آپ کا گھر محفوظ رہے گا، سو باوجود اس کے کہ سالہا سال تک قادیان میں طاعون پھیلتی رہی اور آپ کے گھر کے دائیں بائیں بھی اس سے کئی موتیں ہوئیں مگر آپ کے گھر میں کوئی حادثہ نہ ہوا۔ آپ کی جوانی کا ایک واقعہ ہے کہ جس کے بعض ہندو صاحبان بھی گواہ ہیں چنانچہ مسٹر جسٹس کنورسین جو جموں کی ریاست کے چیف جسٹس بھی رہ چکے ہیں ان کے والد لالہ بھیم سین بھی اس کے گواہ ہیں اور انہوں نے اپنے صاحبزادے کے سامنے اس کے متعلق شہادت بھی دی ہوئی ہے جن سے اب بھی پوچھا جاسکتا ہے وہ واقعہ یوں ہے کہ آپ سیالکوٹ میں ایک مکان میں تھے کہ ایک معمولی سی آواز چھت میں پیدا ہوئی آپ نے سب ساتھیوں کو جگایا جن میں لالہ بھیم سین صاحب وکیل بھی تھے اور کہا کہ فوراً نیچے اترو مگر انہوں نے ہنسی اڑائی اور کہا کہ آپ کو وہم ہوگیا ہے مگر پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے سب کو اٹھا کر دوستانہ جبر سے اترنے پر مجبور کردیا پھر ان سب سے کہا کہ پہلے تم اترو کیونکہ یہ چھت تب تک قائم ہے جب تک میں اس پر ہوں اس لئے میں سب سے آخر میں اتروں گا جب سب دوست سیڑھیاں اتر چکے تو پھر آپ اترے اور جونہی آپ سیڑھی پر آئے چھت یکدم زمین پر آرہی (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۲۱۲)

**اقول** [۱] یہ کہنا کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوئے نری تہمت ہے آپ علیہ السلام ہرگز مصلوب نہیں ہوئے دشمن آپ کو صلیب تک لے جا ہی نہ سکے ارشاد باری ہے: **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** [۲] مرزا قادیانی اور اس کی اتباع میں لاہوری اور قادیانی مرزائیوں کا یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام امت کو چھوڑ کر خفیہ کشمیر چلے گئے اور ۸۷ سال امت سے دور گزارے حتیٰ کہ کشمیر میں آپ کی وفات ہوئی (عسل مصفی ج ۱ص ۴۵) یہ بلا دلیل تو ہے ہی امت کو چھوڑ کر خفیہ بھاگ جانے میں منصب نبوت کی شدید توہین بھی ہے [۳] اس نے مرزا قادیانی کا ذکر انبیاء کے ساتھ اس لئے کیا تا کہ اس کے دعوائے نبوت کے لئے لوگوں کی ذہن سازی کرے پھر سیالکوٹ کے واقعہ کے گواہ بھی خیر سے ہندو۔ مگر جب مرزا قادیانی نے اپنی بعض پیشگوئیوں پر قادیاں کے ہندوؤں کی گواہی مانگی تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے انکار کیا بلکہ مرزے کو گالیاں دینے لگے (دیکھئے روحانی خزائن ج ۲۰ص ۴۲۰، ۴۲۳) حتیٰ کہ مرزا کو ان کے خلاف کتاب لکھنی پڑی جس کا نام ہے ''قادیاں کے آریہ اور ہم'' یہ کتاب روحانی خزائن ج ۲۰ میں (باقی آگے)

چیزیں بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ چونکہ وہی حاجت روا مشکل کشا ہے وہی فریاد رس ہے وہی عالم الغیب ہے اس لئے عبادت کا حقدار بھی وہی ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) موجود ہے۔ اس میں مرزا کہتا ہے: چند سال بعد پیشگوئیوں کے آثار شروع ہونے لگے تو مخالفوں میں روکنے کیلئے جوش پیدا ہوا۔ قادیاں میں لالہ ملاول نے لالہ شرمپت کے مشورہ سے اشتہار دیا جس کو قریباً دس برس گذر گئے اس اشتہار میں میری نسبت یہ لکھا کہ یہ شخص محض مکار فریبی ہے اور صرف دوکاندار ہے لوگ اس سے دھوکا نہ کھاویں مالی مدد نہ کریں ورنہ اپنا روپیہ ضائع کریں گے (قادیاں کے آریہ اور ہم ص ۹، خزائن ج ۲۰ ص ۴۲۵) یہ ہے ہندوؤں کی اصل گواہی جس کو باپ نے ذکر کیا مگر بیٹا اس کو چھپاتا ہے [۴] علاوہ ازیں اگر ہندو اس واقعہ کی گواہی دے ہی دیں اور واقعہ سچا ہی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس واقعہ کا سچا ہونا ثابت ہوگا اُس زمانے میں جب مرزے کا کوئی دعوی منظر عام پر نہ آیا تھا۔ اور اگر دعوائے نبوت کے بعد اس کی کوئی بات سچی نکل آئی تو ہم کیا کریں ہم نبی کریم ﷺ کو جھوٹا نہیں مان سکتے، نبی ﷺ بہر حال سچے ہی ہیں۔ قادیانی کی طرف سے نبوت ورسالت کے دعوے تو اپنی جگہ رہے، اپنے دیگر کفریات کے پیش نظر یہ مسلمانی کے دعوی میں بھی مرزا قادیانی جھوٹا ہی ٹھہرتا ہے۔ [۵] طاعون کے بارے میں مرزا کی بات سچی نہیں ہوئی اس لئے قادیاں میں بھی طاعون آیا، عبد الکریم سیالکوٹی جیسے مرزا کے مرید بھی اس میں ہلاک ہوئے (حوالہ جات کیلئے دیکھئے قادیانی شبہات کے جوابات جلد سوم ص ۱۰۶ تا ۱۱۶) [۶] علاوہ ازیں مرزا قادیانی کی پیشگوئیاں ہرگز حق کا معیار نہیں اگر بالفرض مرزا اپنی سب پیشگوئیوں میں سچا ہو جاتا تو بھی مسیحیت کے دعوے میں جھوٹا ہی ہے جس طرح شیطان کی بعض باتیں سچی ہوئیں مگر وہ رہا تو شیطان ہی اسی طرح مرزا کی بعض باتیں اگر سچی ہو جائیں تو رہے گا وہ مرتد ہی۔

☆ انہی آیات کے تحت مرزا محمود لکھتا ہے:

"پانی بھی بلندی سے برستا ہے ہوا بھی اوپر ہے اسی طرح سورج چاند وغیرہ ہیں اور انہی اشیاء سے وہ سب چیزیں تیار ہوتی ہیں جن سے انسان زندہ رہتا ہے روحانیات میں بھی انسان اوپر کا محتاج ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۱۲ کالم نمبر ۲ سطر ۲۰ تا ۲۳)

**اقول** یہاں اس نے تسلیم کیا کہ انسان کو روحانیت کیلئے اوپر کی احتیاج ہے جبکہ دوسری جگہ کہتا ہے: کلام الٰہی کے اترنے کے اصل معنی صرف یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بطور ایک خاص نعمت کے ہوتا ہے اور اس کی ناقدری اور ناشکری کرنا انسان کو خدا کی نظروں سے گرا دیتا ہے ورنہ یہ مراد نہیں کہ وہ کسی کاغذ پر لکھا ہوا آسمان سے اترتا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۴۱ کالم ۲) **اقول** کاغذ پر لکھا نہ اترتا تھا مگر بذریعہ فرشتہ تو اترتا تھا۔ پھر اس جگہ آسمان کو مان لیا نیچے دیکھیں گے کہ وہ آسمان کا انکار کرتا ہے۔

☆ ان آیات کے تحت مرزا بشیر الدین آسمان کے وجود کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے:

یاد رہے کہ اس آیت میں **سماء** سے مراد بلندی ہے نہ کہ کوئی ٹھوس دائرہ جیسا کہ عوام الناس کا خیال ہے اور اس بلندی سے مراد وہ تمام فضاء ہے جس میں ستارے اور سیارے پائے جاتے ہیں اور چھت بنانے سے یہ مراد ہے کہ بلندی کو حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے حفاظت کے لئے چھت کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ چھت بھی بہت سی تکالیف سے حفاظت کا ذریعہ ہوتی ہے (کبیر ج ۱ ص ۲۱۲ کالم نمبر ۲)

**اقول** قرآن کریم میں **سماء** کا لفظ ہی نہیں جمع کا صیغہ **سموات** بھی اور تعداد کے ساتھ **سبع سموات** بھی ہے [الملک: ۳] پھر ان کے دروازوں کا ذکر بھی ہے [الاعراف: ۴۰] تحذیر الناس میں بھی حضرت نانوتویؒ نے احادیث میں وارد **سبع سموات** سے سات آسمان ہی مراد لئے ہیں (تحذیر الناس طبع قدیم ص ۱۶) سرسید کے سوالات کے جوابات میں حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں:

جناب سید صاحب! اپنا تو یہ مشرب ہے اور آپ غور فرمائیں گے تو آپ بھی ان شاء اللہ ہماری ہی راہ لیں گے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تعلیم زبان ولغات کے لئے تشریف نہیں لائے بلکہ اسی زبان کے محاورات میں امتیوں کو تعلیم فرمایا ہے جو ان کی اصلی زبان ہوتی جو خداوند کریم فرماتے ہیں: **وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ** [ابراہیم: ۴] اس صورت میں **سماء** اور **ابواب** کے معنی جو کچھ عربی زبان میں ہوں گے وہی لینے ضرور ہوں گے...... آپ بھی فرمائیں کہ آپ کی اور ہماری عقل اور دانش ہی کیا ہے جس کے بتے پر خدا کی مصنوعات میں رائے لگانے کو تیار ہوں...... اس لئے کلام شارع میں جس امر کی خبر یا جس حقیقت کے اثر کا ذکر ہو ہم کو بے تامل ماننا ضرور ہے (تصفیۃ العقائد ص ۳۷، ۳۸) نیز فرماتے ہیں: غرض عقل کی بات یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ نمونہ صحت اور سقم دلائل عقلیہ سمجھے جائیں نہ برعکس۔ علیٰ ھذا القیاس (باقی آگے)

**عبادت کے حکم سے بعثت انبیاء کی ضرورت سمجھ آتی ہے:**

اِس آیت میں توحید کے بیان سے عقیدۂ رسالت بھی سمجھ میں آتا ہے(۱) وہ اس طرح کہ اللہ نے اپنی عبادت کا حکم تو دیا مگر عبادت کریں کیسے؟ عبادت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مضمون متبادر کلام اللہ وحدیث کو جو باعتبار قواعد صرف ونحو بدلالت مطابقی سمجھے جاتے ہوں اصل مقرر کر کے دلائل عقلیہ کو اس پر مطابق کریں اگر کچھ کھچا کر بھی مطابق آ جائے تو فبہا ورنہ قصور عقل سمجھیں یہ نہ ہو کہ اپنے خیالات واوہام کو اصل سمجھیں اور کلام اللہ وحدیث کو کھینچ تان کر اُس پر مطابق کریں (تصفیۃ العقائد ص ۱۰)

**اقول** اس عبارت میں بھی حضرت نانوتویؒ نے اسی مضمون کو پختہ کیا کہ عقل کو قرآن وحدیث کے تابع کرو قرآن وحدیث کو عقل کے ماتحت نہ کیا جائے گا کیونکہ عقل کو قرآن وحدیث کا خادم بننا چاہئے نہ کہ برعکس۔

۱) اصلاحی کہتے ہیں: **اعبدوا ربکم** سے مقصود مشرکین کو صرف خدا کی بندگی کی دعوت دینا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ خدا کی بندگی کی اس دعوت کو قبول کریں جو محمد ﷺ دے رہے ہیں اس کلام کی پوشیدہ حقیقت یہی ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ **وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا** کا ربط موزوں ہوا (تدبر ج ۱ ص ۱۳۶) اس کے اندر یہ بات بھی چھپی ہوئی ہے کہ تم خدا کی جس بندگی کے مدعی ہو وہ درحقیقت خدا کی بندگی نہیں ہے خدا کی بندگی کا صحیح طریقہ وہ ہے جس کی دعوت یہ کتاب دے رہی ہے (ایضاً ص ۱۳۷)

**اقول** حضرت نانوتویؒ نے اپنی کتابوں میں اور اپنے بیانات میں اس مضمون کو بہت اچھا بیان کیا ہے شاہجہانپور کے ایک بیان میں فرماتے ہیں:

اطاعت اور فرمانبرداری اور تابعداری اس کو کہتے ہیں کہ دوسروں کی مرضی کے موافق کام کیا جاوے ورنہ خلافِ مرضی کرنے پر بھی طاعت اور بندگی اور فرمانبرداری ہی رہی تو پھر گناہ وخطا، اور اطاعت وبندگی میں کیا فرق رہے گا؟

الحاصل اطاعت کیلئے توافق رضا ضروری ہے لیکن رضا وعدم رضا کا یہ حال ہے کہ ہم باوجودیکہ سراپا ظاہر ہیں ہماری مرضی وعدم مرضی ایسی ہی مخفی ہے کہ بے ہمارے اظہار کے ظاہر نہیں ہو سکتی بے ہمارے بتلائے کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی بے ہماری تصریح یا اشارہ کنایہ کے کسی کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔

اس صورت مین اس خداوندِ عالم کی مرضی وعدم مرضی اس پوشیدگی پر کہ آج تک خدا تعالیٰ کو کسی نے دیکھا ہی نہیں بے خدا کے بتلائے کسی کو کیونکر اطلاع ہو سکتی ہے لیکن بادشاہان دنیا کو اور محبوبان دار فنا کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس نام کی مالکیت اور محبوبیت اور ذرا سے سامان نخوت پر مکان مکان اور دکان دکان اپنے مطیعوں سے کہتے نہیں پھرتے کہ یہ بات ہماری موافق مرضی ہے اس کی تعمیل کرنی چاہئے اور یہ بات خلاف مرضی ہے اس سے احتراز لازم ہے بلکہ مقربان درگاہ ان کے ارشادات اور اشارات کے موافق اوروں کو مطلع کر دیا کرتے ہیں اور حسبِ ضرورت اشتہار ومنادی کرا دیتے ہیں اس صورت میں خداوندِ عالم کو اس سامان بے نیازی پر کہ وہ کسی کا کسی بات میں محتاج نہیں اور سوا اس کے سب اس کی سب باتوں میں محتاج، کب سزاوار ہے کہ ہر کسی سے کہتا پھرے کہ اس کام کو کرنا چاہئے اور اس کام کو نہ کرنا چاہئے وہ بھی اپنے مقربانِ خاص کے ذریعہ سے اوروں کو اپنی رضا وغیر رضا سے مطلع کرے گا ہم انہیں مقربوں کو جو خداوندِ عالم کے ارشادات کی اطلاع اوروں کو کرتے ہیں پیغمبر نبی اور رسول کہتے ہیں وجہ تسمیہ خود ظاہر ہے (مباحثہ شاہجہانپور ص ۲۷، ۲۸)

☆ مباحثہ منعقد کرانے والے ہندؤوں کی طرف سے سوال ہوا تھا کہ نجات کس کو کہتے ہیں اور وہ کیسے حاصل ہوتی ہے؟ حضرت نانوتویؒ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نجات قہر الٰہی اور عذاب الٰہی سے بچ جانے کو کہتے ہیں مگر طریق حصول نجات بجز احتراز معصیت وگناہ اور کچھ نہیں......گناہ خلاف مرضی الٰہی کو کہتے ہیں اور اطاعت موافق مرضی الٰہی کا نام ہے۔......اس کے بعد حضرتؒ نے نبوت کی ضرورت کو ثابت کیا پھر آنحضرت ﷺ کی نبوت کو اور ختم نبوت کو بیان کیا۔ حضرت کا بیان آپ مباحثہ شاہجہانپور ص ۹۶ تا ص ۱۰۳ میں دیکھئے اس میں ایک مقام پر حضرت فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر اوروں کی اتباع کرے تو بے شک اس کا یہ اصرار اور یہ انکار از قسم بغاوت خداوندی ہوگا جس کا حاصل کفر والحاد ہے القصہ اس وقت اتباع حضرت عیسیٰ وغیرہم ہرگز باعث نجات نہیں ہو سکتی۔ ہاں حضرت عیسیٰ وغیرہم اگر خاتم الانبیاء ہوتے تو پھر بے شک نجات انہیں کی اتباع میں منحصر ہو جاتی لیکن ایسا ہوتا تو بالضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سدباب ضلالت کے لئے دعویٰ خاتمیت کرتے تا کہ آئندہ کو لوگ اوروں کی اتباع سے گمراہ نہ ہو جائیں (باقی آگے)

ویسے کریں گے جیسے اس کے رسول ﷺ نے بتائی۔ تو توحید خداوندی کو ماننے کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کو نبی ماننا بلکہ آخری نبی ماننا بھی لازم آیا۔ اس لئے اگلی آیات میں نبی ﷺ کی رسالت کا اثبات کیا۔

آخر میں فرمایا **فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** (۱) ''پس اللہ کیلئے شریک نہ بناؤ اور تمہیں علم بھی ہے'' **اَنْدَادٌ** جمع ہے **نِدٌّ** کی۔ **نِدّ** شریک اور مثل کو کہتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں **نِدّ** اس مثل یا نظیر کو کہتے ہیں جو مخالف بھی ہو۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انبیاء کا یہ کام نہیں کہ ایسے موقع میں چپکے بیٹھے رہیں اور آدمیوں کو گمراہ ہونے دیں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ سوائے حضرت رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی نے دعویٰ خاتمیت نہیں کیا۔ الخ (مباحثہ شاہجہانپور ص ۹۷) **اقول:** عقیدۂ ختم نبوت کا اظہار اس سے زیادہ اور کس طرح ہوسکتا ہے؟

☆ مرزا محمود لکھتا ہے: ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی انسان نے اپنی باگ دوڑ غیر کے سپرد کی ہے نقصان اٹھایا ہے کسی راہنما نے کھلی آزادی دے کر روحانی تکمیل کی راہوں سے بالکل دور پھینک دیا، اور کسی راہنما نے انسانی قوتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسا بوجھ لاد دیا کہ انسان اس بوجھ تلے دب کر رہ گیا کسی نے رہبانیت کے اختیار اور طیبات سے اجتناب کی تعلیم دی تو کسی نے مضر اور مفید میں فرق نہ کرتے ہوئے شریعت کو لعنت قرار دے کر انسان کو تباہی کے گڑھے میں گرادیا (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۰۵ کالم نمبر ۱)

**اقول:** شریعت کو لعنت قرار دینے والا پولس ہے (دیکھئے گلتیوں باب ۳: ۱۳) اور یہ پولس وہ شخص ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں عیسائی بننے والوں کو اذیتیں دیتا تھا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد اس نے خود کو عیسائی کہا، اور حواریین سے ملے بغیر عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو خراب کردیا (رسولوں کے اعمال باب ۲۲ آیت ۳ تا ۱۲، رومیوں باب ۱۵ آیت ۲۰) مرزا محمود کے باپ نے مرزا محمود کو جو عقیدہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہونے کے بعد چھپ کر کشمیر چلے گئے تھے لمبا عرصہ وہاں رہے وہیں فوت ہوئے (خزائن ج ۱۹ ص ۵۷، ۵۸) اس نظریے کے مطابق پولس نے عیسائیوں کو جو گمراہ کیا اور شریعت کو لعنت قرار دے کر اربوں انسانوں کو جو تباہی کے گڑھے میں گرایا، مرزائیوں کے عقیدے کے مطابق اس کی ساری ذمہ داری معاذ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آتی ہے کیونکہ اگر عیسیٰ علیہ السلام قوم کو چھوڑ کر کشمیر نہ جاتے تو پولس کو یہ جرأت نہ ہوتی کیونکہ اس نے جو کچھ کیا مرزائیوں کے عقیدے کے مطابق اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں تھے۔ اسلامی عقیدے کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام پولس کی ان بداعمالیوں سے یکسر بیزار ہیں کیونکہ پولس نے جب یہ ڈرامہ کیا اس وقت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تھے اور ان کو آسمان پر لے جانے والا اللہ ہے جب چاہے گا نازل بھی وہی کرے گا اور اللہ جو چاہے کرے **لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔**

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے: غرض اگر زمین انسان کیلئے بچھونا ہے تو آسمان چھت کا کام دیتا ہے اسی طرح روحانی دنیا کا حال ہے انسان کے اندر بیشک عقل موجود ہے مگر عقل کا وجود آنکھ کی طرح ہے جب تک روحانی سورج کی روشنی یعنی الہام اس کے ساتھ نہ ملے وہ صحیح طور پر کام نہیں کرسکتی فطرتی تقاضے بیشک نہایت پاک ہیں لیکن دنیوی لالچ سے مل کر وہ گندے ہوجاتے ہیں اور الہام کے آسمانی پانی کے ذریعہ سے ہی پاک ہوتے ہیں (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۱۴) **اقول:** اگر یہ مراد ہے کہ اعمال کے حسن وقبح کو جاننے کیلئے عقل کافی نہیں انبیاءؑ سے رہنمائی لینا ضروری ہے تو درست۔ حضرت نانوتویؒ نے مباحثوں میں تقریر دلپذیر میں تصفیہ العقائد وغیرہ میں اس کو بھی ثابت کیا اور ختم نبوت کو بھی۔ اور اگر مذکورہ بالا عبارت میں مرزا محمود کی مراد مرزا قادیانی کی نبوت والہام ہے تو یقیناً یہ نظریہ کفر ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی شخص کو نبوت نہیں مل سکتی۔

۱) مجدالدین فیروزآبادیؒ اور امام مرتضیٰ زبیدیؒ لکھتے ہیں: **(و) النِّدُّ (بالکسر: المِثْلُ) والنَّظِیْرُ (ج اَنْدَادٌ) وظاهِرُه تَرَادُفُ النِّدِ والمِثْلِ ونقَلَ شیخُنَا عن القاضِی زکریَا عَلَی البیضاوِی: نِدُّ الشیءِ: مُشَارِکُهُ فی الجَوْهَر ومِثْلُه: مُشارِکُه فی أَیِّ شَیءٍ کان، فالنِّدُّ أَخصُّ مُطلقًا وقال غیره نِدُّ الشیءِ ما یَسُدُّ مَسَدَّه .وفی المصباح: النِّدّ: المِثْلُ (کالنَّدِیدِ) ولا یکون النِّدُّ إِلا مُخَالِفًا وجمعُه أَنْدَادٌ ......قال ابنُ الأَثِیر: هو جَمْعُ نِدٍّ بالکسر الشیءِ الذی یُضَادُّه فی أُمورِه ویُنَادُّه أی یُخَالِفُه ویُرید بها ما کانوا یَتَّخذونه مِن دُونِ اللّٰه آلِهَةً تَعَالی اللّٰهُ عن ذلک. وقال الأَخفشُ: النِّدّ: الضِّدُّ والشِّبْه وقوله: أَنْدَادًا أَی أَضْدَادًا وأَشْبَاهًا** ...... (تاج العروس ج ۲ ص ۵۱۳)

۲) تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۳۷، ۱۳۸، اور جواہر القرآن ج ۱ ص ۲۶ میں **وانتم تعلمون** کے تحت لکھا کہ مشرک مانتے تھے کہ تکوینی امور سب اللہ کے حکم سے (باقی آگے)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: **اُعْبُدُوْا** اس سورت کا پہلا حکم ہے اور **لَاتَجْعَلُوا لِلّٰہِ اَنْدَادًا** پہلی نہی ہے اور یہی اسلام کی پہلی تعلیم ہے کہ صرف خدا کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور کسی کو اس کا شریک اور مثل نہ جانو (۱) حق تعالیٰ نے اس آیت میں عبادت کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ اسی استحقاق عبادت کے وجوہ اور دلائل بھی بیان کیے جو سب کے سب فطری اور عقلی ہیں (معارف القرآن کاندھلویؒ ج ۱ ص ۹۷)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چلتے ہیں ان سے کہا گیا ہے کہ جب تم اس کو مانتے ہو تو پھر غیر کی عبادت کیوں کرتے ہو؟۔

**اقول** امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے کتاب ''گلدستہ توحید'' میں اس مضمون کو بہت دلائل سے بیان کیا ہے۔ پھر چونکہ جو شخص بھی ٹھنڈے دِل سے سوچے تو اس کو یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ واقعی کائنات کا نظام چلانے والا کوئی ہے اور وہ ایک ہے اس لئے اگر ان آیات میں **یا ایھا الناس** کا خطاب سب انسانوں سے ہو تب بھی **فلا تجعلوا للّٰہ اندادا** کے ساتھ **وانتم تعلمون** کی قید درست ہے۔

۱) محمد علی لاہوری مرزائی لکھتا ہے:

**نِدّ** کسی چیز کا وہ ہے جو اس کے جوہر یعنی اصل میں شریک ہو (غ) یا اس کی مثل اور اس کی ضد ہو (ت)......عبادت اور دیگر امور میں دوسروں کو شریک کرنا ان کو اللہ کی ذات میں ہی شریک کرنا ہے کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کے سامنے کہہ دیا تھا: **ما شاء اللّٰہ وشئت** جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ آپ نے فرمایا: **اجعلتنی للّٰہ ندا** کیا تم مجھے اللہ کا شریک کرتے ہو صرف **ما شاء اللّٰہ** کہو، کیونکہ اس کی مشیت سب مشیتوں پر غالب ہے (مرزائی بیان القرآن ج ۱ ص ۲۰ ح ۳۶)

**اقول** یقیناً اللہ کی مشیت سب مشیتوں پر غالب ہے اور یہ بھی اللہ کی مشیت ہے کہ قیامت سے پہلے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تبھی تو آنحضرت ﷺ نے احادیث متواترہ میں ان کی آمد کی خبر دی ہے۔ اور تمہاری مشیت ہے کہ وہ نہ آئیں۔ مرزائیو! سوچو تو سہی وفات مسیح کے عقیدے سے اللہ کی مشیت کا مقابلہ کر کے تم لوگ کہیں مشرک تو نہیں بن رہے۔

☆ مفتی احمد یار خان لکھتا ہے:

شرک کی حقیقت رب تعالیٰ سے مساوات پر ہے یعنی جب تک کسی کو رب تعالیٰ کے برابر نہ جانا جائے تب تک شرک نہ ہوگا اسی لئے قیامت میں کفار اپنے بتوں سے کہیں گے **تاللّٰہ ان کنا لفی ضلال مبین اذ نسویکم برب العالمین** [الشعراء: ۹۷، ۹۸] (علم القرآن ص ۴۴، ۴۵)

مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں: جب تک رب تعالیٰ کے ساتھ بندے کو برابر نہ مانا جائے شرک نہیں ہوسکتا وہ بتوں کو رب تعالیٰ کے مقابل ان صفتوں سے موصوف کرتے تھے مومن رب تعالیٰ کے اذن سے انہیں محض اللہ کا بندہ جان کر مانتا ہے لہٰذا وہ مومن ہے ان اللہ کے بندوں کے لئے یہ صفات قرآن کریم سے ثابت ہیں قرآنی آیات ملاحظہ ہوں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں باذن الٰہی مردوں کو زندہ اندھوں کوڑھیوں کو اچھا کرسکتا ہوں...... جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا کہ میں تمہیں بیٹا دوں گا ان تمام میں مافوق الاسباب مشکل کشائی حاجت روائی علم غیب سب کچھ آگیا (ایضاً ص ۵۷)

**اقول** [۱] حضرت جبریلؑ حضرت مریمؑ کے پاس اللہ کے خاص حکم سے آئے تھے اس لئے اولاد حاصل کرنے کیلئے جبریلؑ کو نہیں اللہ کو پکارا جاتا ہے حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کی تھی، حضرت جبریلؑ جب انسانی شکل میں سامنے آئے تو حضرت مریمؑ نے ان کو غیر مرد سمجھ کر اپنی عزت کی حفاظت کیلئے اللہ سے ہی دعا کی تھی انہوں نے اس موقع پر **اعوذ باللّٰہ** کہا تھا (مریم: ۱۸) حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنی حفاظت کیلئے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا: **معاذ اللّٰہ** (یوسف: ۲۳) [۲] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اللہ کے حکم سے ظاہر ہوئے اس لئے مدد کیلئے پکارا تو اللہ کو ہی جائے گا تم بھی عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں پکارتے۔ اگر تم مشکلات میں عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت مریمؑ کو پکارو تو لوگ تمہیں عیسائی سمجھیں۔ ارے جو مرتبے میں عیسیٰ علیہ السلام سے چھوٹے ہیں ان کو پکارتے ہو عیسیٰ علیہ السلام کو پکارنے میں تمہیں کونسی چیز مانع ہے؟ [۳] اللہ نے کائنات کے ایسے اختیارات کسی کو دیئے ہی نہیں کہ انہیں پکارا جائے اس لئے اللہ کے علاوہ کسی کیلئے ایسے اختیارات ماننا ذاتی اختیارات ہی ماننا ہے اس اعتبار سے وہ برابری ہوگئی جس کو تم بھی شرک کہتے ہو۔

## ﴿سوالات﴾

: سورۃ البقرۃ آیت ۲۱،۲۲ "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الخ" کے لئے مناسب عنوان لگائیں، ترجمہ کریں اور ماقبل سے ربط لکھیں ☆ **لَعَلَّ** میں شک کا معنی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے تو آیت کریمہ میں **لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ** کا کیا معنی ہے اور کیوں؟ اس بارے میں کچھ علماء کے حوالہ جات بھی پیش کریں ☆ جوناگڑھی صاحب نے **لعلکم تتقون** کا ترجمہ کس طرح کیا، اور اس میں اشکال کیا ہے؟ ☆ **یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ** سے خطاب عموماً کن کو ہوتا ہے اور **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** سے کن کو؟ اور یہاں **یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ** سے مخاطب کون ہیں؟ ☆ اللہ کو پکارتے وقت **اَیُّھَا** نہ لانے میں کیا حکمت ذکر کریں ☆ **یا ایھا الناس** سے کفار کو خطاب کس معنی میں ہے، منافقین کو کس معنی میں اور اہل اسلام کو کس معنی میں؟ ☆ مرزا محمود کہتا ہے: "اسلام شروع سے ہی سب دنیا کو دین توحید پر جمع کرنے کا مدعی ہے" اس عبارت سے مرزائیت کا بطلان ثابت کریں ☆ کسی مخلوق کے لئے انسان ہونا باعث شرف ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بریلویوں کی عبارات کا تعارض پیش کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ اللہ کی عبادت کا حکم دے کر اسلام انسان کو بلندی عطا کرتا ہے ☆ اسلام صرف اللہ تعالیٰ کو قدیم مانتا ہے جبکہ ہندوؤں کے ہاں روح اور مادہ بھی قدیم ہیں اس بارے میں مرزا قادیانی کی وہ عبارت پیش کریں جس میں اس نے جہان کو قدیم مانا ہے ☆ اللہ نے کائنات کو کس چیز سے پیدا کیا؟ اس سوال کا جواب ہندوؤں نے کیا دیا، اور عیسائیوں نے کیا؟ پھر حضرت نانوتویؒ کے جواب کا خلاصہ لکھیں ☆ مثال دے کر ثابت کریں کہ مخلوق میں جو بھی عیب ہوں، اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے ☆ اس کو ثابت کریں کہ جس طرح کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، سنبھالنے والا اور نظام چلانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس کو ثابت کریں کہ کائنات اپنے وجود و بقاء میں ایک لحہ کی مقدار بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سے مستغنی نہیں نیز تجدد امثال کی اصطلاح کی وضاحت کریں ☆ عبادت کی تعریف لکھ کر بتائیں کہ عبادت کا حقدار اللہ ہی کیوں ہے؟ پھر قبروں پر کئے جانے والے کچھ شرکیہ اعمال کی نشاندہی کریں ☆ **خلق** اور **کسب** کی تعریف لکھیں اور قبر پر جا کر بیٹا مانگنے اور نرینہ اولاد کیلئے کسی حکیم سے دوائی لینے کے درمیان فرق تحریر کریں ☆ خالی جگہ پر کریں:

جو...... نبی ﷺ پر ایمان نہ لائے...... مومن نہیں...... سکتا مگر...... کی توفیق تو اللہ...... طرف سے ہی...... ہے نبی ﷺ نہ...... کو ایمان...... توفیق دے سکتے...... نہ اعمال صالحہ...... اسی طرح کوئی...... نیکی تب بنے گا جب وہ...... ﷺ کی لائی...... شریعت کے مطابق ہو مگر...... کی قبولیت اللہ کی مہربانی...... ہوتی ہے۔

☆ ثابت کریں کہ غیر اللہ کے لئے علم غیب کو عطائی ماننا بھی ذاتی ماننے کے مترادف ہے ☆ ثابت کریں کہ غیر اللہ کو محض خوش کرنے کے لئے۔ نہ گوشت کھلانے کے لئے۔ جانور ذبح کرنا غیر اللہ کی عبادت ہے ☆ غیر اللہ کے لئے علم غیب کو ماننا قادیانی کیلئے نبوت ماننے کی طرح کیوں ہے؟ ☆ عبادت تقویٰ کے بغیر نہیں ہوتی پھر عبادت کا حکم دیتے ہوئے **لعلکم تتقون** فرمانے میں کیا حکمت ہے؟ ☆ مفتی احمد یار خان کی اس عبارت پر تبصرہ کریں

حق تعالیٰ نے فرشتوں، انبیاء کرام اور اولیاء کو اپنی خلقت کا انتظام سپرد فرما دیا ہے...... لیکن اس بارے میں مشرکین اور مسلمین کے عقیدے میں یہ فرق ہے کہ مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ یہ سارے کام خود بخود نہیں کرسکتا مجبوراً ہمارے بتوں کو مقرر کرلیا گیا جیسے کہ دنیوی بادشاہ مجبوراً افسروں کو مقرر کرتے ہیں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب حق تعالیٰ کے بندے اور خدام بارگاہ ہیں خدائی میں دخیل نہیں حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا۔

☆ اہل بدعت مشکلات میں عیسیٰ علیہ السلام کو پکارتے ہیں یا نہیں اور کیوں؟ ☆ جن اہل بدعت پیروں مولویوں کی قبروں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں ثابت کریں کہ اہل بدعت کے ہاں ان کی زندگی ان کو کائنات کے اختیارات ملنے میں رکاوٹ ہے ☆ اللہ کی طرف سے مختلف کاموں میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں ماننا شرک کیوں نہیں؟ ☆ اولیاء کیلئے کائنات کے اختیار ماننے میں نبی ﷺ کی گستاخی ہے وہ کس طرح؟ ☆ اولیاء سے مشکلات میں مدد مانگنے میں اولیاء کی گستاخی کیونکر ہے؟ ☆ ثابت کریں کہ غیر اللہ سے فریاد کرنے والے بھی بالآخر مان لیتے ہیں کہ مرضی خدا ہی کی چلتی ہے ☆ مفتی احمد یار خان کی درج ذیل عبارات پر تبصرہ کریں:

"**ان تنصروا اللہ ینصرکم** [محمد:۷] اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا رب غنی ہو کر بندوں سے مدد طلب کرتا ہے تو اگر ہم محتاج ہو کر کسی بندے سے مدد مانگیں تو کیا برائی ہے؟" "مدرسہ دیوبند مسلمان ہی کی مدد سے چل رہا ہے انسان پیدائش سے قبر تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے...... جہاں مدد کو خدا کے ساتھ خاص کیا گیا وہ حقیقی مدد ہے اور جہاں غیر خدا سے مدد لینے کا حکم ہے وہاں مدد بالواسطہ ہے"

☆ ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب میں جو فرق ہے مثال دے کر واضح کریں نیز یہ ثابت کریں کہ اگر اولیاء سے سب ضرورتیں پوری ہوتی ہوں تو اللہ کی عبادت کی کوئی

ضرورت نہیں رہتی ☆ جو اسباب اطاعت ہیں یا جن کمالات کی بنا پر کسی کی عبادت کی جائے ان کے بارے میں مرزا محمود کی عبارت نقل کریں پھر اس موضوع پر حضرت نانوتویؒ کی زیادہ جامع اور زیادہ مدلل عبارت پیش کریں ☆ خالق مدبر کے وجود پر استدلال کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا واقعہ لکھئے پھر امام ذہبیؒ کے وہ الفاظ نقل کریں جن میں انہوں نے امام صاحب کی ذہانت کی داد دی ☆ عبادت کا فائدہ عابد ہی کو پہنچتا ہے اس بارے میں مفتی احمد یار خان اور مرزا محمود کی عبارات پر حضرت نانوتویؒ کی عبارت کی فوقیت ثابت کریں ☆ قرآن سے اس کو ثابت کریں کہ زمین و آسمان خدا کے حکم کے تابع ہیں نیز یہ کہ انسان کو اپنی ضروریات کے لئے کسی سیارے پر جانے کی ضرورت نہیں ☆ ''کچھ یورپین مصنفین نے کہا کہ خدا کی نسبت عقیدہ روحوں جنوں اور پریوں کے خیال سے ترقی پا کر بنا ہے'' پہلے مرزا محمود سے اس کا جواب نقل کریں پھر حضرت نانوتویؒ سے ☆ **والسماء بناء** کا ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ نے کیا کیا، اور شاہ رفیع الدینؒ نے کیا؟ پھر اس کے بعد مرزا طاہر کا ترجمہ لکھیں اور بتائیں کہ اس کے ترجمہ پر اشکال کیا ہے؟ ☆ پنڈت دیانند سرسوتی نے آسمان کے چھت ہونے پر کیا اعتراض کیا، اور اس کا جواب کیا ہے؟ نیز آسمان کے کچھ فوائد تحریر کریں ☆ دنیا کے کچھ حوادث کا تعلق آسمان سے ہوتا ہے حدیث سے اس کو ثابت کریں(۱) ☆ آیت نمبر ۲۲ کے تحت مرزا محمود نے واقعۂ صلیب کو کس طرح مسخ کر کے پیش کیا اور کیوں؟ اور حقیقت کیا ہے؟ ☆ مرزا محمود نے آیت ۲۲ کے تحت طاعون اور چھت گرنے سے بچنے کے بارے میں مرزا قادیانی کے کیا واقعات ذکر کئے؟ اور مقصد کیا ہے نیز جواب بھی تحریر کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ قادیاں کے ہندو بھی مرزا قادیانی کو مکار فریبی اور دکاندار ہی سمجھتے تھے ☆ اگر مرزا کے حق میں ہندو گواہی دے دیتے یا بالفرض اس کی سب پیشگوئیاں سچی ہو جاتیں تو مرزا دعوائے مسیحیت میں سچا ہو جاتا، یا جھوٹا ہی رہتا، اور کیوں؟ ☆ مرزا محمود کی وہ عبارت پیش کریں جس میں اس نے نزول قرآن کا انکار کیا ہے نیز اس کے کلام سے تعارض دکھائیں ☆ مرزا محمود کی وہ عبارت پیش کریں جس میں اس نے آسمانوں کے وجود کا انکار کیا پھر اس کا جواب دیں حضرت نانوتویؒ کا کلام بھی ذکر کریں ☆ آیت ۲۱ میں توحید کے ساتھ عقیدۂ رسالت کس طرح سمجھ آتا ہے؟ نیز حضرت نانوتویؒ سے نبوت کی ضرورت اور نبی ﷺ کا آخری نبی ہونا ثابت کریں ☆ حضرت نانوتویؒ نے یہ بات کب ارشاد فرمائی: ''اگر کوئی شخص اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر اوروں کی اتباع کرے تو بے شک اس کا یہ اصرار اور یہ انکار از قسم بغاوت خداوندی ہوگا'' نیز اس کو مثال دے کر ثابت بھی کریں ☆ بائبل میں ایک جگہ شریعت کو لعنت قرار دیا گیا ہے شریعت کو لعنت قرار دینے والا یہ شخص کون تھا، اور کیسا آدمی تھا؟ ☆ مرزائیوں کے کہنے کے مطابق اربوں عیسائیوں کی گمراہی کی ذمہ داری حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہے، وہ کس طرح؟ نیز اس گندے عقیدے سے اسلام کی بیزاری بھی ثابت کریں ☆ مرزا محمود کہتا ہے: ''انسان کے اندر بیشک عقل موجود ہے......مگر جب تک......الہام اس کے ساتھ نہ ملے وہ صحیح طور پر کام نہیں کر سکتی'' اس عبارت کا صحیح اور غلط مطلب بیان کریں ☆ ''**فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**'' کا ترجمہ کریں اور لفظ **نِدّ** کی لغوی تحقیق لکھیں ☆ **یا ایها الناس** کا خطاب سب انسانوں سے ہو تو **فلا تجعلوا لله اندادا** کے ساتھ **وانتم تعلمون** کی قید درست کیونکر ہوگی؟ ☆ محمد علی لاہوری مرزائی لکھتا ہے: ''اس کی [یعنی اللہ کی] مشیت سب مشیتوں پر غالب ہے'' اس عبارت کی رو سے مرزائیوں کا مشرک ہونا کس طرح ثابت ہوتا ہے؟ ☆ مفتی احمد یار خان لکھتا ہے: ''شرک کی حقیقت رب تعالیٰ سے مساوات پر ہے'' اس بارے میں اس کی دلیل پیش کریں اور یہ ثابت کریں کہ اس اعتبار سے بھی غیر اللہ کو حاجت روا مشکل کشا ماننا شرک ہی بنتا ہے ☆ اس کو ثابت کریں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا تھا کہ ''میں باذنِ الٰہی مردوں کو زندہ، اندھوں کوڑھیوں کو اچھا کر سکتا ہوں''، جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا کہ ''میں تمہیں بیٹا دوں گا'' ان سے نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت جبریل علیہ السلام کیلئے مافوق الاسباب حاجت روائی مشکل کشائی پر قدرت ثابت ہوتی ہے اور نہ ان حضرات کیلئے علم غیب ثابت ہوتا ہے۔

---

۱) وہ حدیث اس طرح ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے: "**غَطُّوا الْاِنَاءَ وَاَوْكُوا السِّقَاءَ فَاِنَّ فِي السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيْهَا وَبَاءٌ لَا يَمُرُّ بِاِنَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ غِطَاءٌ اَوْ سِقَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ وِكَاءٌ اِلَّا نَزَلَ فِيْهِ مِنْ ذٰلِكَ الْوَبَاءِ**" (مسلم تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی ج ۳ ص ۱۵۹۶۔ رقم الحدیث ۲۰۱۴) ترجمہ: آپ نے فرمایا: برتن ڈھک دیا کرو مشک بند رکھا کرو کیونکہ سال میں ایک ایسی آتی ہے جس میں وبا اترتی ہے وہ کسی ایسے برتن یا مشکیزے کے پاس نہیں گزرتی جو بند نہ ہو مگر وہ اس میں داخل ہو جاتی ہے۔

[توحید کی دعوت کے بعد اعجازِ قرآنی سے نبی ﷺ کی رسالت کا اثبات اور آپ کی اطاعت کا حکم]

وَاِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا (۱) فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ (۲) مِّثۡلِہٖ ۪ وَادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ (☆) مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُہَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ؕ کُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡہَا مِنۡ ثَمَرَۃٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا ہٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاُتُوۡا بِہٖ مُتَشَابِہًا ؕ وَلَہُمۡ فِیۡہَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ ٭ۙ وَّہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾

**ترجمہ:** اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو اس جیسی کوئی سورت لے آؤ، اور اللہ کے سوا اپنے سب مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو☆ پھر اگر تم نے (ایسا) نہ کیا اور تم کبھی (ایسا) نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے☆ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ان کو خوشخبری دے دیجئے کہ اُن کیلئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب کبھی ان کو ان سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا اور انہیں وہ (رزق دیکھنے میں) ملتا جلتا دیا جائے گا اور ان کیلئے ان میں پاک بیویاں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے☆

---

۱) مولانا عبدالقیوم قاسمی فرماتے ہیں:

اصول کافی میں امام باقر سے روایت کی گئی ہے کہ: ''نزل جبرائیل بهذه الآية علی محمد ﷺ هكذا ان كنتم في ريب مما نزلنا علی عبدنا (في علي) فأتوا بسورة من مثله'' (اصول کافی ص ۴۱۷ ج ا طبع طہران) ترجمہ: جبرئیل محمد ﷺ پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے کہ اس میں ''علی عبدنا'' کے بعد ''فاتوا'' سے پہلے'' في علي'' کا لفظ تھا (اور اس طرح اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا ذکر تھا شیعہ کے نزدیک اس آیت میں'' في علي'' کا لفظ ساقط کر دیا گیا ہے یہ تحریف قرآن میں کر دی گئی ہے العیاذ باللہ اور ایسی کئی آیات اصول کافی میں درج ہیں جن سے ثابت کیا گیا ہے کہ ان میں ولایت و امامت علیؓ کا ذکر تھا جن سے ان کو ساقط کر دیا گیا ہے (معارف الفرقان ج ا ص ۱۵۰) (☆) اس میں اضافت استغراق کیلئے ہے اس لئے ترجمہ ہے: اپنے سب مددگار۔

۲) پنڈت دیانند سرسوتی: فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اعدت للكفرين کا ترجمہ کرتا ہے: ''تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی ہے اور کافروں کیلئے پتھر تیار کئے گئے ہیں'' پھر کہتا ہے: ''بھلا یہ کوئی بات ہے کہ قرآن کی سورتوں سی اور سورت نہ بن سکے کیا اکبر بادشاہ کے وقت مولوی فیضی نے ایک بے نقطہ قرآن نہیں بنا لیا تھا؟ وہ کونسی دوزخ کی آگ ہے کہ جس سے ڈرنا چاہئے؟ کیا اس دنیا کی آگ سے نہیں ڈرنا چاہئے؟ اس آگ میں جو کچھ پڑے وہ اس کی خوراک ہے☆ جیسے قرآن میں لکھا ہے کہ کافروں کیلئے پتھر تیار کئے گئے ہیں ویسے پورانوں میں بھی لکھا ہے کہ ملیچھوں کے واسطے گھور نرک بنا ہے اب کہئے کس کی بات سچی مانیں؟ اپنے منہ سے دونوں بہشت کے رہنے والے اور ایک دوسرے کے مذہب کی رو سے دونوں دوزخ کے رہنے والے ثابت ہوتے ہیں پس یہ بیہودہ جھگڑا ہے جو اچھے ہیں وہ ہر مذہب میں آرام اور جو گناہگار ہیں وہ سب مذہبوں میں تکلیف ہی پاویں گے (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۸)

**اقول** [۱] پنڈت کا ذکر کردہ ترجمہ درست نہیں قرآن کریم نے آگ کا ایندھن آدمی ہی نہیں پتھر بھی بتائے ہیں۔ آیت کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ کافروں کیلئے پتھر تیار کئے گئے بلکہ بتایا کہ کافروں کیلئے آگ تیار کی گئی ہے۔ [۲] فیضی کے ذکر سے تجھے کیا؟ تو اور تیرے زمانے کے سب لوگ قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہی رہے اگر قرآن کے اس چیلنج کا تیرے پاس جواب ہوتا تو ہی کوئی سورت بنا کر دکھا دیتا۔ [۳] فیضی نے نہ قرآن کی مثل لانے کا دعویٰ کیا، اور نہ قرآن کی مثل لا سکا وہ خود اپنی تفسیر کے ابتداء میں قرآن کی تعریفیں کرتا ہے علاوہ ازیں فیضی نے اپنی تفسیر میں نقطوں والا کوئی حرف استعمال نہیں کیا مگر اس نے کائنات کو اپنی کتاب کی مثل کتاب لانے کا چیلنج تو نہ دیا [۴] بے نقط تحریر کوئی معجزہ نہیں بے نقط تحریر فیضی سے پہلے بھی تھی اس کے بعد بھی ہوئیں۔ فیضی سے صدیوں پہلے کتاب مقامات حریری میں ایک بے نقط خطبہ موجود ہے۔ اس کے بعد مفتی (باقی آگے)

## [ربط وضروری مضامین]

ربط: گذشتہ آیات میں توحید کا ذکر تھا ان آیات میں رسالت کا اثبات اور مومن و کافر کا انجام بتایا۔

قرآن کریم عظیم ترین معجزہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو معجزات عطا فرمائے مگر آنحضرت ﷺ کو سب سے اعلیٰ معجزات عطا فرمائے دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہمارے سامنے نہیں مگر نبی ﷺ کا معجزہ قرآن کریم سب کے سامنے ہے اور ہمیشہ کیلئے باقی اور جس زبان میں اس کا نزول ہوا اسی زبان میں محفوظ ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ اِلَّا اُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهٗ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِي اُوْتِيْتُهٗ وَحْيًا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَيَّ فَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (بخاری مع فتح الباری ج۹ ص۳)'' جو بھی نبی ہوا اس کو ایسا معجزہ دیا گیا کہ انسان اس پر ایمان لے آئے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے تو میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروکار یعنی میری امت سب سے زیادہ ہوگی''۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ اَلْمُرَادُ اَنَّ مُعْجِزَاتِ الْاَنْبِيَاءِ انْقَرَضَتْ بِانْقِرَاضِ اَعْصَارِهِمْ فَلَمْ يُشَاهِدْهَا اِلَّا مَنْ حَضَرَهَا وَمُعْجِزَةُ الْقُرْآنِ مُسْتَمِرَّةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (بخاری مع فتح الباری ج۹ ص۷) ''مراد یہ ہے کہ دیگر انبیاء کے معجزات ان کے زمانے کے جانے کے ساتھ ختم ہو گئے ان کا مشاہدہ وہی لوگ کر سکے جو اس وقت موجود تھے اور قرآن پاک کا معجزہ قیامت تک باقی ہے''۔

مذکورہ بالا حدیث اور دیگر نصوص کی روشنی میں حضرت نانوتویؒ نے اپنے بیانات اور اپنی متعدد کتب میں ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے کسی نبی کی ضرورت نہیں (۱) اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''جس طرح سورج نکلنے کے بعد نور شفق کے ختم ہونے تک چاند اور ستاروں کی روشنی کی ضرورت نہیں پڑتی اسی طرح اس آفتاب نبوت محمدی ﷺ کے طلوع

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ولی رازیؒ نے سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر بغیر نقطوں کے کتاب لکھی جس کا نام ہے ''ہادیٔ عالم''، اس کے علاوہ بھی بعض کتب ایسی بعض دوستوں نے بتائی ہیں۔ مقامات حریری کے چھٹے مقامہ میں اس سے بڑھ کر ایک ایسی درخواست بھی دی ہے جس میں پہلے لفظ کے تمام حروف بغیر نقطوں کے دوسرے لفظ کے تمام حروف نقطوں والے تیسرا لفظ بغیر نقطوں کے چوتھا نقطوں والا۔ ادباء کے ایسے کارناموں میں علم ادب کی مہارت کا اظہار تو ہے مگر قرآن کی کسی سورت کا مقابلہ تو نہیں قرآن کا مطالبہ بے نقط کتاب کا نہیں اپنی جیسی کتاب کا ہے [۵] دنیا کی آگ سے ڈرنے سے تجھے کون روکتا ہے نبی ﷺ سونے سے قبل اس کو بجھانے کا حکم دیا ہے (بخاری ج۲ ص۹۳۱) یہ آگ تو نظر آتی ہے اس سے تو بچے بھی ڈرتے ہیں مگر وہ آگ جس کا یہاں ذکر ہے وہ دکھائی نہیں دیتی آپ ﷺ کے کہنے سے ہم مانتے ہیں کہ وہ آگ دنیا کی آگ سے ستر گناہ تیز ہے۔ (بخاری ج۱ ص۴۶۲) چونکہ دنیا کی آگ بھی تیز سے تیز ہے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم کی آگ بھی دنیا ہی کی آگ ہے۔ اور ابھی خدا جانے کیا کیا چیزیں ایجاد ہوں گی اس لئے دوزخ کی آگ کی حرارت کا اندازہ ہم دنیا کے پیمانوں سے کر کے یوں نہیں کہہ سکتے کہ اتنے درجے سنٹی گریڈ اس کی حرارت ہوگی۔ پھر دنیا کی آگ میں جلنے کا تو کبھی علاج بھی ہو جاتا ہے مگر اس آگ کے جلے کا بندوں کے پاس کوئی علاج نہیں پھر دنیا کی آگ میں ضرر بھی ہے تو نفع بھی مگر وہ آگ ضرر ہی ضرر ہے اس میں کفار کیلئے نفع کی کوئی شکل نہیں [۷] ٹھیک ہے دوسرے مذاہب والے خود کو کامیاب کہتے ہیں مگر فیصلہ تو ہی کر کہ کون سچا ہے؟ حضرت نانوتویؒ نے شاہجہانپور میں تیرے سامنے اسلام کی حقانیت کو ثابت کر کے اس کا اعلان کیا تھا کہ اب آخرت کی آگ سے نجات صرف اور صرف آنحضرت ﷺ کی اتباع میں ہے۔ حضرتؒ کی طرف سے سوال کی اجازت بھی تھی وہاں تو خاموش کیوں رہا یہ اعتراض وہاں کیوں نہ کیا؟

۱) کتاب ''تحذیر الناس'' میں حضرتؒ پہلے اس کو منواتے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے اعلیٰ نبی ہیں پھر اس سے ختم نبوت زمانی پر یوں استدلال کرتے ہیں کہ:

اگر رسول اللہ ﷺ کو اول یا اوسط میں رکھئے تو انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا۔ حالانکہ خود (باقی آگے)

ہونے کے بعد قرآن شریف کے نور باقی رہنے تک کہ آپ کے فیوض میں سے ہے اور نورِ شفق کے مشابہ ہے دوسروں کی نبوت کے نور کی ضرورت نہیں رہتی'' (قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم مترجم ص ۵۶)

<u>چیلنج کن لوگوں کو ہے:</u>

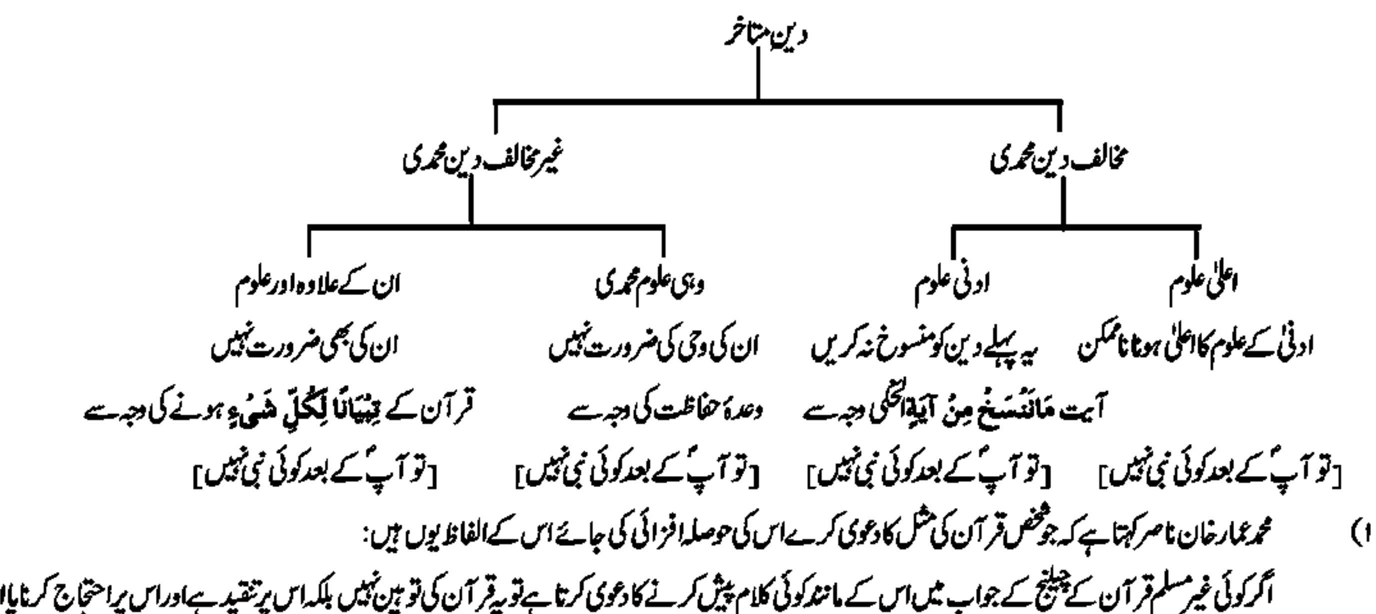
جو لوگ قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں وہ تو اس کے مقابلے کا سوچ بھی نہیں سکتے (۱) اور جو اس کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے ان کو چیلنج ہے کہ ایسی کوئی کتاب

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فرماتے ہیں ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ اور کیوں نہ ہو؟ یوں نہ ہو تو اعطاءِ دین منجملہ رحمت نہ رہے آثارِ غضب میں سے ہو جاوے ہاں اگر یہ بات متصور ہوتی کہ اعلیٰ درجہ کے علماء کے علوم ادنیٰ درجہ کے علوم سے کم تر ہیں اور اَدْوَن ہوتے ہیں تو مضائقہ بھی نہ تھا پر سب جانتے ہیں کہ کسی عالم کا عالی مرتبہ ہونا مراتبِ علوم پر موقوف ہے یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔

اور انبیاءِ متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات ضرور ہے کہ انبیاءِ متاخرین پر وحی آتی اور افاضۂ علوم کیا جاتا ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی؟ سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدۂ محکم ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ کے جو بہ نسبت اس کتاب کے جس کو قرآن کہئے اور بشہادتِ آیۂ ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾ جامع العلوم ہے کیا ضرورت تھی؟ اور اگر علوم انبیاء متاخرین علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ ہونا غلط ہو جاتا۔ بالجملہ ایسے نبی جامع العلوم کو ایسی ہی کتاب جامع چاہئے تھی تا کہ علوِ مراتبِ نبوت جو لاجرم علو مراتبِ علمی ہے چنانچہ معروض ہو چکا میسر آئے ورنہ یہ علوِ مراتبِ نبوت بے شک ایک قول دروغ اور حکایت غلط ہوتی ایسے ہی <u>ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے</u> (تحذیر الناس طبع جدید ص ۵۲ تا ۵۳ سطر ۳)

خط کشیدہ عبارت میں ختم نبوت بمعنی معروض کا مطلب ہے وہ ختم نبوت جو میں نے عرض کی اس سے مراد خاتمیت رتبی ہے یعنی مرتبے میں سب سے اعلیٰ ہونا جس کو حضرت نانوتویؒ نے پچھلی عبارت میں ذکر کیا ہے حضرتؒ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے جو سب سے اعلیٰ نبی ہوگا عقلی طور پر بھی اس کو سب انبیاء کے بعد ہی آنا ہوگا۔ عقلی دلیل وہی جو مذکورہ بالا عبارت میں ذکر کی ہے اور یہ دلیل جیسا کہ آپ نے دیکھا محض عقلی نہیں بلکہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ سے ماخوذ ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے اس استدلال کی آسان لفظوں میں وضاحت ''آیات ختم نبوت'' ص ۸۸ میں ملاحظہ کریں اس جگہ آپ اب حضرت کے استدلال کو جدول میں ملاحظہ فرمائیں۔




۱) محمد عمار خان ناصر کہتا ہے کہ جو شخص قرآن کی مثل کا دعویٰ کرے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اس کے الفاظ یوں ہیں:

اگر کوئی غیر مسلم قرآن کے چیلنج کے جواب میں اس کے مانند کوئی کلام پیش کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ قرآن کی توہین نہیں بلکہ اس پر تنقید ہے اور اس پر احتجاج کرنا یا اسے توہین مذہب کے ہم معنی قرار دینا ایک بے معنی بات ہے اپنے جیسا کلام پیش کرنے کا چیلنج خود قرآن نے جن وانس کو دے رکھا ہے اور اگر کوئی شخص اس چیلنج کے جواب میں کوئی کاوش کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کا پورا پورا حق حاصل ہے (حدود و تعزیرات چند اہم مباحث ص ۲۴۱، ۲۴۲)

(باقی آگے)

لے آؤ، یہاں تک فرمادیا کہ سب جن وانس مل کر بھی قرآن جیسی کتاب نہیں لاسکتے (سورۃ بنی اسرائیل:۸۸) ایک جگہ فرمایا: فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صٰدِقِيْنَ (الطور:۳۴) یعنی اگر یہ لوگ اس بات میں سچے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں تو اس جیسا کوئی کلام بنا کر لے آئیں، کہیں اس جیسی دس سورتوں کا چیلنج دیا (سورۃ ہود:۱۳) سورۃ یونس مکی سورۃ ہے اس کی آیت ۳۸ میں قرآن جیسی ایک سورۃ لانے کا مطالبہ کیا فرمایا: أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ (۱) مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو افترا کرلیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم اس کی مثل ایک ہی سورت (بنا) لاؤ (اور اکیلے نہیں) جن جن غیر اللہ کو بلاسکو ان کو (امداد کے لئے) بلالو اگر تم سچے ہو''۔

سورۃ بقرہ مدنی سورت ہے یہاں ایک سورت کی مثل لانے کے مطالبہ کو پھر دہرایا، فرمایا: وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ (۲) مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **الجواب:** کتاب ''رجم کی شرعی حیثیت'' میں مکمل عبارت دے کر رد کیا ہے یہاں چند ضروری باتیں یاد رکھیں [۱] تمام جن وانس کو قرآن پر ایمان لانے کا حکم ہے نہ کہ اس کے مقابل کلام بنانے کا ہاں جو اس کے کلام خداوندی ہونے میں شک کرتے ہیں ان پر اتمام حجت کیلئے قرآن نے یہ چیلنج دیا ہے تو فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ میں جو صیغہ امر ہے، یہ وجوب، ندب یا اباحت کیلئے نہیں تعجیز کیلئے ہے نور الانوار کے حاشیہ میں امر کے معانی کے تحت ہے والتعجیز نحو فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ (نور الانوار ص ۲۵ حاشیہ ۱۳ نیز ص ۲۷ حاشیہ ۱۶۔ طبع ایچ ایم سعید کمپنی) یعنی امر کا صیغہ کبھی عاجز کرنے یا عجز کو ظاہر کرنے کیلئے ہوتا ہے جیسے: فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ مطلب یہ ہے کہ تم اس کی مثل لا نہ سکو گے تو آیت کریمہ کا یہ منشا نہیں کہ قرآن کی مثل لانے کیلئے کوشش کی جائے اگر یہ منشا ہو تو سب صحابہ کرامؓ اس پر عمل کے تارک نکلتے ہیں، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مثل کوئی لا نہیں سکتا۔ یاد رہے کہ نور الانوار کے حاشیہ میں امر کے ۱۶، اور اجمل الحواشی میں ۲۱ معانی دیئے ہیں [۲] کوئی شخص کسی کلام کے بارے میں دعویٰ کرے کہ وہ قرآن کی مثل ہے تو یہ قرآن کی تکذیب ہے۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ اس کی مثل کوئی لا نہیں سکتا، اور وہ کہتا ہے میں اس کی مثل لے آیا ہوں۔ قرآن پر تنقید حق دینے والے سوچیں کہ کہیں وہ تکذیب کا حق تو نہیں دے رہے؟

بہر حال ایسے کلام کا تنقیدی جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ یہ اعلان کیا جائے کہ وہ کلام قرآن کی مثل نہیں ورنہ مسلمان کا اپنا ایمان سلب ہو جائے گا۔ جیسے نبی ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت سے معجزہ طلب کرنے کے بجائے اس کی فوری تکذیب ضروری ہے۔ ورنہ ایمان جاتا رہے گا (دیکھئے نسیم الریاض ج ۴ ص ۵۰۷، ۵۰۸) پھر دوسروں کو سمجھانے کیلئے ایسے مدعی کے کلام کا علمی جائزہ لیا جائے مگر فوری تکذیب کے بعد۔ [۳] قرآن کریم کے بے مثل ہونے کیلئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ پوری دنیائے کفر کی مسلسل مخالفت کے باوجود محفوظ چلا آرہا ہے۔ جو کوئی قرآن کے مقابل کلام لائے وہ ایسی حفاظت بھی دکھائے۔ مگر وہ حفاظت کیا دکھائے گا خود ہی نظر ثانی کرتے وقت اس میں ردو بدل کرے گا۔

۱) سورۃ قرآن کے اس حصہ کو کہتے ہیں جس میں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اس حصہ کا کوئی نام معین بھی ہو۔ علم صرف کے اعتبار سے یا یہ اجوف واوی ہے: سُوْرُ الْبَلَدِ سے ماخوذ ہے وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جیسے سور البلد یعنی پہلے زمانے میں شہر کے ارد گرد بنی ہوئی دیوار پورے شہر کو گھیرے ہوتی ہے قرآن کی سورۃ چند آیات یا مضامین کو گھیرے ہوتی ہے اور یا سُؤْرَةٌ مہموز العین ہے اصل میں سُؤْرَةٌ ہے جس کا معنی بقیہ اور ٹکڑا ہے وجہ تسمیہ یہ کہ سورۃ قرآن کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ (از بیضاوی مجتبائی ص ۴۴، حقانی پارہ الم ص ۶۱)

۲) مرزا محمود اس آیت کے تحت لکھتا ہے: قرآن کریم میں ہے: أَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا (کہف ع ۳) موعود ساعت کے بارہ میں شک نہیں (کبیر ج ۱ ص ۲۲۴ کالم ۲)

**اقول:** السَّاعَةُ سے مراد یہاں خاص قیامت ہے اس کو وہی ترجمہ کرنا چاہئے تھا۔ ''موعود ساعت'' کہہ کر کچھ اور معنی بھی مراد ہو سکتا ہے۔

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے: ریب اور شک میں یہ فرق ہے کہ شک انسان کرتا ہے لیکن ریب انسان نہیں کرتا بلکہ ریب کو ہمیشہ اس چیز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس میں شک پیدا ہوا ہے...... غرض کفار نے صرف قرآن کریم کے دعویٰ کے بارے میں شک کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ اظہار کیا ہے کہ قرآن کریم نے ہمارے شکوک کیا دور کرنے تھے اس کے مضامین کی وجہ سے تو ہمارے دلوں میں بعض اور صداقتوں کے بارے میں جن کو ہم پہلے سے مانتے تھے شکوک پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں (از مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲۵)

 مرزا قادیانی کی تعلیمات سے بلکہ مرزائیوں کی دوستی اور اس کی مجالست سے اسلام کے اُن قطعی عقائد کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے تھے (باقی آگے)

بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ‘‘(۱)اور اگر تم اس قرآن کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو اس جیسی کوئی سورت لے آؤ‘‘۔

 مِنْ مِّثْلِهٖ میں ضمیر کا مرجع مَآ اَنْزَلْنَا بھی ہوسکتا ہے اور عَبْدِنَا بھی ہوسکتا ہے پہلی صورت میں معنی یہ ہے کہ قرآن کی سورت جیسی سورت لاؤ۔ دوسری صورت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جن کے بارے میں انتہائی شرح صدر ضروری ہے۔ مثلاً عقیدۂ ختم نبوت، حضرت مریم کا پاکدامن ہونا، عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ ہونا، اور ان کے معجزات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع ونزول۔ اس لئے مسلمانوں کو مرزائیوں سے بچنا نہایت ضروری ہے ورنہ ایمان کے چھن جانے کا قوی خطرہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے: اعتراض کرنا سہل ترین کام ہے جو کوئی شخص اپنے مدمقابل کے خلاف کرسکتا ہے صداقت کے منکر ہمیشہ اعتراضوں تک ہی اپنے حملہ کو محدود رکھتے ہیں کبھی کوئی ٹھوس کام مقابل پر نہیں کرتے جس سے ان کے جوہر بھی ظاہر ہوں...... مسیحی مصنف قرآن کریم پر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں لیکن آج تک اس مطالبہ کو پورا کرنے کی جرأت نہیں کرسکے کہ اس کی مثل لائیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے انجیل سے فلاں مسئلہ چرالیا، توراۃ سے فلاں بات اڑالی ہے زردشتی کتب سے فلاں تعلیم اخذ کرلی ہے لیکن یہ جرأت نہیں کہ انجیل توراۃ اور زردشتی کتب میں سے مضامین لے کر خود کوئی کتاب ایسی بنادیں جو قرآن جیسی جامع ہو...... یہ جواب بطور تنزل کے ہے ورنہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں وہ سب صداقتیں بھی موجود ہیں جو پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں...... اس سے زائد اس میں ایسی باتیں بھی ہیں جو پہلی دنیا کو معلوم نہ تھیں (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲۶)

اقول [۱] اسی طرح مجددیت، مسیحیت یا نبوت کا دعویٰ کرنا آسان ہے مگر جھوٹے کیلئے اس پر پورا اترنا بہت مشکل کام ہے۔ کشمیر میں عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کا دعویٰ تو آسان ہے مگر یہ سوال کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کو چھوڑ کر کیسے گئے؟ یہ تو منصب نبوت کے خلاف ہے اس کا جواب بڑا مشکل کام ہے۔

<u>مرزے کا ایک حیلہ:</u>

مرزے میں انبیاءؑ کے اوصاف تو ہو نہیں سکتے تھے اس نے اپنا راستہ ہموار کرنے کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بہتان باندھے اور ان کی توہین اور منصب نبوت کی تحقیر کی (دیکھئے روحانی خزائن ج ۱۱ ص ۲۸۸ تا ۲۹۱، ج ۱۵ ص ۲۷۹، ۲۸۰) تاکہ اس کے مرید یہ کہہ کر اسے قبول کرلیں اگر انبیاءِ سابقین معاذ اللہ ایسے بدکردار ہوکر نبی تھے تو ہمارا قادیانی تو ان سے معاذ اللہ بہت بہتر ہے۔ اگر وہ نبی ہوگئے تو یہ کیوں نہیں؟

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے: قرآن کریم میں بعض متشابہات ہیں یعنی ایسے امور ہیں جو پہلی کتب سے ملتے ہیں اور بعض محکمات ہیں یعنی ایسے امور ہیں جو دوسری کتب کے علاوہ ہیں (ایضاً کالم ۲) اقول [۱] یہ تفسیر درست نہیں اس لئے کہ جو مضامین دوسری کتابوں میں ہیں اگر وہ متشابہات ہیں تو یہود و نصاریٰ ان کی وجہ سے اسلام کے قریب ہوتے جبکہ قرآن کہتا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ پیدا کرنے کیلئے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں (آل عمران: ۷) محکمات و متشابہات کے معنی شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے آسان الفاظ میں یوں سمجھائے ہیں کہ: حق یہ کہ وہ آیات جن کے ظاہری معنی کو ساری امت مانتی چلی آئی ہے ''محکمات'' ہیں (تفسیر عثمانی ص ۲۷ ف ۶) متشابہات وہ ہیں جن کی مراد کے متعین کرنے میں کچھ اشتباہ واقع ہو (ایضاً ص ۶۴ ف ۱) معلوم ہوا کہ ختم نبوت، معجزات، رفع ونزول کی نصوص متواتر ہیں۔

۱) اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

معجزے تین طرح کے ایک وہ جو ہر وقت نبی کے ساتھ رہتے ہیں جیسے حضور کے جسم اطہر کا بے سایہ ہونا یا دندان مبارک سے نورانی شعاع کا نکلنا الخ (نعیمی ج ۱ ص ۲۱۲) اقول [۱] انبیاءِ کرام کے لئے معجزات کا ہونا، اور آنحضرت ﷺ کے معجزات کا دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے فائق ہونا اس کی جوشاندار بحث حضرت نانوتویؒ نے فرمائی اور نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ اس کی ایک جھلک آپ کو کتاب ''حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت'' میں مل جائے گی۔ [۲] آپ ﷺ کے سائے کا ذکر روایات میں موجود ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اوقات نماز کے بارے میں مرفوعاً نقل کرتے ہیں: جَاءَنِيْ ، صَلّٰى بِيَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ فَيْئِيْ مِثْلَ شِرَاكِ نَعْلِيْ ثُمَّ جَاءَنِيْ فَصَلّٰى بِيَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ فَيْئِيْ مِثْلَيَّ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۴، کشف الاستار فی زوائد البزار ج ۱ ص ۱۸۷) ''میرے پاس جبریل آئے انہوں نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میری نعل کے تسمہ کی طرح تھا، پھر میرے پاس آئے تو مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب میرا سایہ مجھ سے دو مثل تھا'' [۳] اگر آپ کا سایہ نہ ہو تو یہ بشر نہ ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ اس اعتبار سے معجزہ بنے گا کہ پھر آپ کے پہنے ہوئے کپڑوں کا بھی سایہ نہ تھا۔ کیونکہ یہ کہیں مروی نہیں کہ جب آپ چلتے تھے تو کپڑوں (باقی آگے)

میں یہ مطلب ہے کہ جس طرح قرآن کریم تمہیں ایک امی پڑھ کر سناتے ہیں تم بھی کسی امی سے اس قسم کی سورت لا کر دکھاؤ بیضاوی ص ۴۴ میں ہے کہ راجح پہلی بات ہے اس لئے قرآن کی مثل لانے کا چیلنج صرف ان پڑھ لوگوں کو نہیں ساری کائنات کو ہے اور ہمیشہ کیلئے ہے ارشاد فرمایا: "**قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ**

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا تو سایہ نظر آتا تھا مگر بدن مبارک کا سایہ نہ تھا [۳] دندان مبارک سے نورانی شعاع کے نکلنے کی روایت موضوع ہے (دیکھئے مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی کتاب **الآثار المرفوعة فی الاحادیث الموضوعة** ص ۳۶ طبع ادارہ احیاء السنۃ گرجاکھ گوجرانوالہ)

☆ مفتی صاحب موصوف ہی تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۱۴ میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ ظاہری اعضاء اور ظاہری حالات کی بناپر ہماری مثل نہیں جو شخص ان ظاہری اوصاف کو دیکھ کر ان کو اپنی مثل سمجھے وہ حماقت میں کفار مکہ سے بڑھ کر ہے۔

**اقول** [۱] یہ بات ہمیں کیوں سناتا ہے قرآن سے کہہ جس نے نبی کریم ﷺ سے **انما انا بشر مثلکم** ہونے کا اعلان کروایا، مولانا احمد رضا خان سے کہہ جس نے **قل انما انا بشر مثلکم** (حم السجدۃ: ۶) کا ترجمہ کیا: تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں (کنز الایمان ص ۶۹۰) مفتی نعیم الدین مرادآبادی سے کہہ جس نے سورۃ التغابن آیت ۶ کے حاشیہ میں کفار کے بارے میں لکھا کہ "انہوں نے بشر ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی و نافہمی ہے پھر بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا اور پتھر کا خدا ہونا تسلیم کرلیا" (خزائن العرفان ص ۸۰۷) [۲] قرآن کریم میں انبیاء کے بارے میں جو **بشر مثلکم** آیا ہے وہاں ظاہری اعضاء میں ہی مثلیت مراد ہے باطنی کمالات میں مثلیت کا تو کوئی مسلمان ہرگز قائل نہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: جیسے بشریت میں انبیاء علیہم السلام مماثل امت ہوتے ہیں ایسے ہی مرتبہ حقیقت روحانی میں نوع علیحدہ ہوتے ہیں...... یہی وجہ ہے کہ جیسے **قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** آیا ہے ایسے ہی **قَالُوٓا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا** [ابراہیم: ۱۰] بھی آیا ہے [یاد رہے کہ مناظرہ عجیبہ کے مطبوعہ نسخہ میں کتابت کی غلطی سے **قَالُوٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا** چھپا ہوا ہے۔ راقم] جس سے بشرطِ ذوقِ سلیم یہ بات عیاں ہے کہ کفار کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اور انبیاء علیہم السلام کو مثل اپنی سمجھنا بھی غلط ہے...... الغرض انبیاء علیہم السلام کو اپنا سا تصور نہ فرمایئے (مناظرہ عجیبہ ص ۱۶)

دیکھا آپ نے حضرت نانوتویؒ انبیاء علیہم السلام کو بشر ماننے کے باوجود ان کو اپنے جیسا نہیں مانتے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرتؒ تمام نصوص پر ایمان رکھتے تھے، عقیدۂ توحید کی طرح شان رسالت کا بھی پورا ادب رکھتے تھے۔

<u>مختصر تحقیق:</u>

عقیدۂ بشریت کی مختصر تحقیق یہ ہے کہ بشریت کئی قسم کی ہے (۱) بشریت محضہ (۲) بشریت + کفر۔ ابوجہل ایسا ہی بشر تھا اس میں بشریت کے ساتھ کفر بھی پایا جاتا تھا (۳) بشریت + ایمان۔ سب مسلمان بشر ہونے کے ساتھ ساتھ مؤمن ہوتے ہیں (۴) بشریت + ایمان + نبوت۔ مؤمن اور کافر کے درمیان جو بشریت مشترک ہے وہ پہلی قسم یعنی بشریت محضہ ہے جس کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے یوں فرمایا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

انبیاء کرام محض بشر ہی نہیں ہوتے بلکہ ان کی بشریت اس چوتھی قسم کی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن پاک مین **بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** کے ساتھ ہی **يُوْحٰىٓ إِلَيَّ** بھی موجود ہے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے آیات ختم نبوت حاشیہ صفحہ ۲۳۲ تا ۲۴۴

[۳] خود مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدے کے بیان یا دریافت مسائل کے اور احکام ہیں...... ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں (جاء الحق ص ۱۸۲)

**اقول** ہم بھی تو عقیدے کے اظہار کے وقت ہی ایسا کہتے ہیں اس وقت بھی صراحۃً یا اشارۃً نبوت یا رسالت کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کوئی مسلمان یہ تو نہیں کہتا کہ معاذ اللہ محمد بشر تھا بلکہ نبوت کا ذکر کرکے یوں کہتے ہیں نبی کریم ﷺ بشر تھے یعنی نبی ﷺ انسان تھے فرشتہ یا جن نہ تھے۔ روضۂ مبارکہ پہ حاضری کی توفیق ہو تو **الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ** کہتے ہیں۔ آپ ﷺ کو بشر کے لفظ سے تو کوئی خطاب نہیں کرتا اور یہی بات آپ دیکھ چکے ہیں کہ موصوف نے جاء الحق میں لکھی ہے۔

يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ''(بنی اسرائیل:۸۸)(۱)''آپ فرمادیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کیلئے جمع ہو جاویں کہ ایسا قرآن بنالاویں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے اگر چہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جاوے''۔

---

۱) مفسرین سلفاً خلفاً اس پر متفق ہیں کہ یہاں مثل سے مراد مثل فی البلاغت ہے تفسیر کبیر، ابوالسعو دفتح البیان ابن کثیر کشاف معالم بیضاوی جامع البیان جلالین کواشی وغیرہ سب کے سب متفق ہیں کہ مثل فی البلاغت مراد ہے مگر سرسید کہتے ہیں کہ قرآن فصاحت میں بے نظیر تو ہے مگر یہ من جانب اللہ ہونے کی دلیل نہیں اور بہت سے کلام دنیا میں بے نظیر ہیں مگر من جانب اللہ نہیں قرآن نے ان کو ہدایت میں اس کی مثل کتاب لانے کا چیلنج دیا ہے ''قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ''(القصص:۴۹) **جواب** [۱] مقابلے کا چیلنج اس چیز میں دیا جاتا ہے جس کو مدمقابل مانتا ہے قرآن کی فصاحت وبلاغت کو وہ لوگ مانتے تھے مگر اس کے کتاب ہدایت ہونے کو تو وہ نہ مانتے تھے۔اس لئے ان سے ہدایت میں مثل کا مطالبہ ایسے ہے جیسے کوئی بت پرست اردوادب میں ایسی کتاب لکھے جس میں کھلم کھلا بت پرستی کی تعلیم ہو اور نام لے کر ان کے بتوں کیلئے کائنات کے اختیارات بتائے گئے ہوں پھر کسی مسلمان کو چیلنج دے کہ ان مضامین پر مشتمل اردوادب میں ایسی کتاب لکھ کر دکھاؤ ساتھ ہی بطور پیشگوئی کے کہے کہ سارے مسلمان اس طرح کی کتاب لکھ کر نہیں دکھاسکتے۔مسلمانو! اگر تم ایسی کتاب لکھ دو تو میں جھوٹا۔یقیناً بت پرست کے ایسے چیلنج کو حماقت ہی کہا جائے گا۔بہر حال کفار قرآن کو کتاب ہدایت نہ مانتے تھے ہاں وہ اس کو فصیح وبلیغ ضرور مانتے تھے۔اس لئے انہیں چیلنج فصاحت وبلاغت میں اس کی مثل لانے کا ہے۔فصاحت وبلاغت کیا ہے اس کو ایک شاعر نے یوں ادا کیا ہے: سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اس کو کہتے ہیں اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں۔

[۲] سورۃ القصص کی آیت مشرکین سے ہدایت میں تورات وقرآن کی مثل لانے کی مطالبہ نہیں کرتی بلکہ ان سے اَهْدٰى کا مطالبہ کرتی ہے اور ہو بھی وہ اللہ کی طرف سے۔یا یوں کہو ہدایت میں انشاءِ کتاب کا نہیں ہدایت میں نقل کتاب کا مطالبہ ہے۔جبکہ سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں قرآنی سورۃ کی طرح انشاءِ سورۃ کا مطالبہ ہے [۳] رہا یہ کہ انسانوں کے کلام بھی کئی ایسے ہیں جواب یہ ہے کہ کوئی ایک بھی مثال ایسی نہیں پیش کی جاسکتی کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے کوئی شخص ایسا کلام نہ پیش کرسکا جسے اس نے اللہ کی طرف سے کہا ہو اور اس کے بارے میں تحدی کی ہو، آنحضرت ﷺ کے بعد اول تو کسی سے ایسا دعویٰ مسموع نہیں، دوسرے بندوں کی طرف سے کوئی کلام ایسا نہیں آیا کہ باوجود اتنی عظیم تحدی کے کوئی اس کی مثل نہ لاسکا۔(از تفسیر حقانی سورہ بقرہ ص۶۰، تفسیر ثنائی ج۱ص۴۲تا۴۵، کشف البیان ج۱ص۱۳۵تا۱۳۹)

☆ اس مقام پر سرسید نے کہا ہے کہ اہل اسلام کا یہ غلط عقیدہ ہے کہ نبوت خدا کی طرف سے ایک عہدہ ہے بلکہ نبوت ایک فطری ملکہ ہے جس میں اخلاق انسانی کی تعلیم وتربیت کا ملکہ بمقتضا اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے پھر یہ پیغمبری کسی شخص اور کسی زمانہ میں منحصر نہیں بلکہ ہر ملک ہر زمانہ میں ایسے لوگ کہ جو ریفامر کہلاتے ہیں نبی ہیں چنانچہ ہندوستان میں دیانند سرستی اور بنگالہ میں بابو کسیب چندرسین اور انگلستان میں فلاں فلاں صاحب اب بھی نبی ہیں (از حقانی پارہ الم ص۶۳)

**الجواب:** ایسی باتوں کی طرف وہی متوجہ ہوگا جس کو آنحضرت ﷺ کے دعووں کی صداقت کا یقین نہ ہو، جس کو قبر میں نَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ ﷺ کہنے کی طلب نہ ہو جس کو قیامت کے دن آنحضرت ﷺ سے شفاعت کی چاہت نہ ہو۔سچا مسلمان تو ایسی باتوں کو سننے کی بھی تاب نہیں رکھتا۔

☆ سرسید ہی کا کہنا ہے کہ جنت دوزخ کو موجود خیال کرنا غلط ہے ☆ جنت ودوزخ صرف راحت وتکلیف کا نام ہے محمد ﷺ نے قرآن میں لوگوں کو رغبت اور خوف دلانے کی مصلحت سے اس کی تفسیر حور وقصور اور شعلہ آتش اور زقوم وحمیم کے ساتھ کردی ہے دراصل یہ چیزیں جنت دوزخ میں نہیں ہیں (از حقانی پارہ الم ص۶۳)

**اقول:** لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ بتانا ہو کہ یہ چیزیں جنت میں اور یہ دوزخ میں ہیں تو اس مضمون کو کن لفظوں سے ادا کیا جائے گا؟ اگر کوئی اور لفظ ہوں تو وہ بتا، اور اگر یہی الفاظ ہیں تو ان چیزوں کا جنت دوزخ میں ہونا پایا گیا کیونکہ ان کے بالمقابل نصوص قطعیہ میں نفی کا کوئی جملہ نہیں۔اور نصوصِ قطعیہ کے مقابلہ میں تیری بات کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

<u>مرزائیوں اور بہائیوں کی طرف سے قرآن کے معجزہ ہونے کا انکار:</u>

ایران کا کذاب مرزا علی محمد باب کہتا تھا کہ مجھ جیسا کوئی کلام نہیں بناسکتا، مولانا دلاوریؒ نے کیا خوب فرمایا کہ: میں باب کے مقابلہ میں قادیاں کے ''مسیح موعود'' کا نام نامی پیش کرتا ہوں ان کو بھی دعوائے اعجاز تھا اگر یہ دونوں اعجازی پہلوان ایک زمانہ میں ہوتے تو ان کا دنگل نہایت پرلطف رہتا (ائمہ تلبیس ج۲ص۲۰۷)

مرزے کو دعوائے اعجاز کیسے تھا؟ مرزائی کہتے ہیں لوگوں نے اعتراض کیا کہ قرآن کا اپنی مثل لانے کا چیلنج جاہل عربوں کو تھا جب ہر طرف جہالت کا (باقی آگے)

<u>علماءِ اسلام کی خدمات کا تعارف:</u>

علماءِ امت نے قرآن کے معجزہ ہونے کے بارے میں مستقل کتابیں لکھیں علم بلاغہ جو بڑا دقیق اور دلچسپ علم ہے اس کو مرتب ہی اس لئے کیا گیا کہ قرآن کے اسلوب کا معجزہ ہونا سمجھ آئے علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس موضوع پر دو ضخیم جلدوں میں کتاب لکھی جو اس عاجز نے مکہ مکرمہ مکتبۃ الحرم میں دیکھی تھی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دور دورہ تھا ان لوگوں کا اس کی مثل نہ لاسکنا قرآن کی صداقت کی دلیل نہیں ہوسکتا، آج کوئی اس قسم کا چیلنج دے تو ایک نہیں ہزاروں اس کا جواب دینے پر آمادہ ہو جائیں [جواب میں قادیانی نے یہ نہ کہا کہ قرآن کی زبان محفوظ ہے اس کے معانی آسانی سے سمجھ آتے ہیں چلو وہ ان پڑھ اس جیسی کتاب نہ لاسکے تم ہی لے آؤ، تم سب کا اس کی مثل نہ لانا اس کے سچا ہونے کی دلیل ہے قرآن کے معجزات بہت زیادہ ہیں ایک معجزہ اس کا محفوظ ہونا ہے دنیا میں اس طرح کوئی کتاب محفوظ نہیں اور یہ حفاظت جیسے اس دور میں تھی آج بھی ہے بلکہ] قادیانی نے اس کے بالمقابل یہ اعلان کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص مکالمہ مخاطبہ سے مشرف فرمایا ہے اور مجھ کو وہ علوم اور معارف عطا فرمائے ہیں کہ دنیا کا کوئی انسان ان میں میرا مقابلہ نہیں کرسکتا عبدالرحمٰن خادم مرزائی کہتا ہے: حضرت مسیح موعود علیہ السلام [یعنی مسیح کالعدم علیہ ما علیہ۔ راقم] نے اعجاز احمدی اور اعجاز المسیح وغیرہ عربی کتابیں لکھیں (از مکمل تبلیغی پاکٹ بک ص ۳۴۸)

**اقول** [۱] مرزے نے اس وقت اپنے کلام کو پیش کر کے ایک تو اپنے زمانے میں قرآن کے معجزہ ہونے کا انکار کر دیا دوسرے اس طرح اپنے کلام کو قرآن سے اعلیٰ مان لیا۔ اور یہ دونوں باتیں کفر ہے کیونکہ کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن اس زمانے میں معجزہ نہیں وہ بھی کافر ہے اور جو کہے اس زمانے میں میرا کلام معجزہ ہے وہ بھی کافر ہے۔ الغرض مرزائیوں کا یہ فخریہ چیلنج خود بڑے کفریات پر مشتمل ہے۔ یہ مرزے کی کتب کا جواب نہ مانگیں، جلد از جلد اپنے کفر سے توبہ کریں۔

[۲] مرزے نے نثر میں بھی اعجاز کا دعوی کیا اور نظم میں بھی کیونکہ اعجاز احمدی میں مرزے کا ایک قصیدہ ہے جس قصیدہ اعجازیہ کہتا ہے مولانا محمد علی مونگیریؒ فرماتے ہیں: اس دعوے سے مرزا قادیانی کا مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر نے تو صرف ایک کتاب نثر میں جواب کے لئے پیش کی تھی میں نظم اور نثر دونوں پیش کرتا ہوں اور جواب نہیں دے سکتا یعنی میں اس میں بھی پیغمبر اسلام سے بڑھ گیا ہوں (حقیقت رسائل اعجازیہ ص ۳ در احتساب قادیانیت ج ۵۹ ص ۲۶۱) اور نبی ﷺ سے فوقیت کا دعوی بھی کفر ہے

[۳] عبدالرحمٰن خادم نے یہاں مرزے کے مخالفین میں مولانا محمد حسین ساکن بھین اور پیر مہر علی گولڑوی کا نام لیا ہے (پاکٹ بک ص ۳۴۹) اور یہ حضرات تو قرآن کریم کو معجزہ مانتے تھے اس لئے یہ غلط ہے کہ مرزے نے یہ کتابیں قرآن کو معجزہ نہ ماننے والوں کے رد میں لکھی تھیں [۴] مرزا کا چیلنج لاجواب نہ تھا مرزا کی کتاب اعجاز احمدی سے چار سال قبل مولانا محمد حسین ساکن بھین نے قصیدہ مہملہ یعنی بے نقط قصیدہ لکھ کر مرزا کو حیران کر دیا تھا (دیکھئے احتساب قادیانیت ج ۵۹ ص ۳۲) مرزا ایسا کوئی قصیدہ نہ لکھ سکا۔ علاوہ ازیں مرزے نے جب چیلنج دیا تو اس کا جواب دیا گیا چنانچہ اس کے قصیدہ ''اعجاز احمدی'' جو روحانی خزائن ج ۱۹ میں ہے اس کے جواب میں مولانا قاضی ظفر الدینؒ نے قصیدہ رائیہ لکھا جو احتساب قادیانیت جلد ۵۹ میں ہے۔

[۵] اس کی کتاب اعجاز المسیح سورۃ الفاتحہ کی تفسیر پر ہے اور لفظی و معنوی اغلاط کی بھری پڑی ہے مرزے سے صدیوں پہلے علماء نے سورت الفاتحہ کی تفسیر پر بڑی عجیب کتابیں لکھیں جن میں ایک **مدارج السالکین بین منازل ''ایاک نعبد وایاک نستعین''** ہے جو حافظ ابن قیمؒ کی تصنیف ہے جن کی وفات ۷۵۱ھ کو ہوئی ہمارے سامنے یہ کتاب دار الکتاب العربی بیروت کی شائع کردہ تین ضخیم جلدوں میں ہے پہلی جلد کے صفحات ۵۳۰، دوسری کے ۵۲۰، تیسری کے ۵۲۴ ہیں لکھائی بھی باریک ہے صفحے میں سطروں کی تعداد ۲۲ ہے جبکہ مرزا کی کتاب اعجاز المسیح کے صفحات ۲۰۲ ہیں لکھائی موٹی، ہر صفحے میں صرف ۱۰ سطریں ہیں تو جب مرزے کی کتاب کی اس کے آگے کوئی حیثیت ہی نہیں تو یہ چیلنج کس بنا پر دیتا ہے؟

[۶] مرزا کا چیلنج دینا اس اعتبار سے بھی غلط ہے کہ مرزا ایسی ابحاث میں دوسروں سے مدد لیتا تھا چنانچہ چراغ الدین جمونی کے بارے میں لکھتا ہے:

میں نہیں جانتا کہ وہ کس بات میں مجھے مدد دینا چاہتا ہے کیا عربی نویسی کے نشان میں یا معارف قرآنی کے بیان میں میرا مددگار ہوگا یا اُن مباحث دقیقہ میں میری اعانت کرے گا جو طبعی اور فلسفہ کے رنگ میں عیسائیوں اور دوسرے فرقوں سے پیش آتے ہیں میں تو جانتا ہوں وہ ان تمام کوچوں سے محروم ہے (خزائن ج ۱۸ ص ۲۴۲)

<u>اعجاز قرآنی کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کی گہری بصیرت:</u>

حجۃ الاسلام امام نانوتویؒ کو اللہ تعالیٰ نے اعجاز قرآنی کے بارے میں بھی بہت عجیب اور گہری بصیرت عطا فرمائی تھی اس کی ایک دلیل آپ سے منقول بعض آیات کے تفسیری نکات ہیں جیسے رسالہ ''اسرار قرآنی'' میں مذکور فارسی میں معوذتین کی تفسیر جس کا اردو ترجمہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اس کو اپنی تفاسیر میں نقل کیا ہے راقم نے جب ہر ہر سورت سے ختم نبوت کے دلائل دینے کا ارادہ کیا تو معوذتین سے ختم نبوت پر استدلال کیلئے حضرت نانوتویؒ کی تفسیر سے بہت فائدہ ہوا، اس لئے راقم نے ''آیات ختم نبوت'' ص ۸۳۷، ۸۳۸ اور ''حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت'' ص ۳۵۹، ۳۶۰ میں اس کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

<u>ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظروں میں اعجاز قرآنی کا اعلان:</u>

شاہجہانپور کے مباحثوں میں ہندوؤں اور عیسائیوں کے بڑے بڑے نامی گرامی مناظر آئے تھے حضرت نانوتویؒ نے اس کی موجودگی میں جہاں توحید، رسالت، ختم نبوت کا اعلان کیا اور اس کو ثابت کیا کہ اب نبی ﷺ کی اتباع کے بغیر نجات نہیں وہیں آپ نے قرآن کریم کے معجزہ ہونے کا بھی اعلان فرمایا (۱)۔

---

۱) شاہجہانپور کے دونوں مباحثے ''تحذیر الناس'' کے بعد ہوئے پہلے مباحثہ کی روئیداد میلہ خدا شناسی یا گفتگوئے مذہبی کے نام سے شائع ہوئی دوسرے مباحثہ کی روئیداد مباحثہ شاہجہانپور کے نام سے طبع ہوئی۔ پہلے مباحثہ کیلئے روانہ ہونے سے قبل حضرت نانوتویؒ نے ایک بڑی جامع تحریر لکھی تھی جس میں اسلام کے عقائد اور عبادات کی حقانیت کو عقل کی رو سے ثابت کیا تھا، مباحثہ میں اس تحریر کو دکھانے کی ضرورت نہ ہوئی جو کچھ بیان کیا زبانی کیا۔ بعد میں وہ تحریر ''حجۃ الاسلام'' کے نام سے طبع ہوئی عنوانات حضرت شیخ الہندؒ کے قلم سے ہیں۔ ان کتابوں کی ضروری عبارات ''حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت'' میں بھی ذکر کر دی ہیں۔ حجۃ الاسلام میں فرماتے ہیں:

اہل اسلام تو سبھی انبیاء علیہم السلام کے درم ناخریدہ غلام ہیں خاص کر ان میں ان اولوالعزموں کے جن کی تاثیر اور اولوالعزمی اور علو ہمت سے دین خداوندی نے بہت شیوع پایا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ انبیاء کا اعتقاد اور محبت اہل اسلام کے نزدیک جزء ایمان ہے۔

<u>آنحضرت ﷺ افضل الانبیاء ہیں:</u>

مگر ان میں سے اور باقی تمام انبیاء سے بڑھ کر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو سمجھتے ہیں اور ان کو سب میں افضل اور سب کا سردار جانتے ہیں اہل انصاف کے لئے تو بشرط فہم سلیم موازنہ احوال محمدی ﷺ اور احوال دیگر انبیاء کافی ہے ملک عرب کی جہالت اور درشت مزاجی اور گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ نہ کوئی کتاب آسمانی ہو نہ غیر آسمانی اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک بات ہو فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کے کبھی مطیع نہ ہوئے جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے خشک ملک میں شاد و خرم عمر گذاریں ایسے جاہلوں گردن کشوں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علوم الٰہیات و اخلاق وسیاست مدن میں اور علم معاملات وعبادات میں رشک افلاطون وارسطو و دیگر حکمائے نامدار بنا دیا۔

اعتبار نہ ہو تو اہل اسلام کی کتب اور ان کی کتب کو موازنہ کر کے دیکھیں مطالعہ کناں کتب فریقین کو معلوم ہوگا کہ ان علوم میں اہل اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لے گئے نہ یہ تدقیقات کہیں ہیں نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں۔ جن کے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہو خود موجد علوم کا کیا حال ہوگا؟ اگر یہ بھی معجزہ نہیں تو اور کیا ہوگا؟ (ص ۳۷، ۳۸)

<u>باعتبار حاوی علوم کثیرہ ہونے کے قرآن شریف کا اعجاز:</u>

علاوہ بریں قرآن شریف جس کو تمام معجزات علمی میں بھی افضل واعلیٰ کہئے ایسا برہان قاطع کہ کسی سے کسی بات میں اس کا مقابلہ نہ ہوسکا۔ علوم ذات وصفات وتجلیات و بدء خلائق وعلم برزخ وعلم آخرت وعلم اخلاق وعلم احوال وعلم افعال وعلم تاریخ وغیرہ اس قدر ہیں کہ کسی کتاب میں اس قدر نہیں اگر کسی کو دعویٰ ہو تو لائے اور دکھلائے (حجۃ الاسلام ص ۴۰) [اس عبارت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت کو قرآن پاک سے کیسا گہرا تعلق تھا؟ اور قرآن فہمی کے بارے میں آپ کو کس قدر شرح صدر حاصل تھا۔]

<u>باعتبار فصاحت وبلاغت قرآن شریف کا اعجاز:</u> اس پر فصاحت وبلاغت کا یہ حال کہ آج تک کسی سے مقابلہ نہ ہوسکا مگر ہاں جیسے اجسام محسوسات کے حسن وقبح کا ادراک تو ایک نگاہ اور ایک توجہ میں بھی متصور ہے اور روح کے کمالات کا ادراک ایک بار متصور نہیں ایسے ہی ان معجزات علمی کی خوبی جو متضمن علوم عجیبہ ہوں (باقی آگے)

کتاب ''قبلہ نما'' میں اعجازِ قرآنی کا ذکر:

شاہجہانپور کے بعد پنڈت دیانند سرسوتی ایک اور علاقے میں گیا، اور برسرعام اسلام پر اعتراض کرنے لگا اس کا ایک اعتراض یہ تھا کہ مسلمان ویسے تو بت پرستی کی مذمت کرتے ہیں مگر خود خانہ کعبہ کی پوجا کرتے ہیں وہ علاقہ دیوبند کے قریب تھا حضرت نانوتویؒ کی طبیعت ان دنوں کافی ناساز تھی چلنا بھی دشوار تھا اور بیان کرنا بھی۔ پنڈت دیانند سرسوتی سے کوئی مسلمان بات کرتا تھا تو کہتا تھا تم سے کیا بات کروں میں صرف مولوی قاسم سے بات کروں گا حضرت نانوتویؒ بڑی مشقت کے ساتھ وہاں گئے تو وہ آپ سے بات چیت پر آمادہ نہ ہوا۔

بالآخر آپ نے وہاں کچھ اس کے اعتراضات کے جواب میں بڑے ایمانی بیانات کئے۔ جن میں اعتراضات کے جواب پر اکتفاء نہ کیا بلکہ خدا کی توحید اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو بھی ثابت کیا۔ اس کے بعد حضرتؒ نے انہی اعتراضات کے جواب میں دو کتابیں تصنیف فرمائیں انتصار الاسلام اور قبلہ نما۔ خانہ کعبہ کی بابت جو اعتراض تھا اس کا مفصل رد کتاب ''قبلہ نما'' میں لکھا۔ اصل جواب تو اتنا ہی کافی تھا کہ ہم خانہ کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں عبادت ہم اللہ ہی کی کرتے ہیں مگر آپ نے قبلہ نما میں اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر دلائل دیئے اور بائبل اور ہندوؤں کی کتاب وید کا غیر مستند ہونا بھی ثابت کیا(۱) پھر ان سب میں حضرتؒ نے نبی ﷺ کی نبوت و رسالت پر دلائل دیئے اور ختم نبوت کے براہین ذکر کر کے اعلان کیا کہ ہمارے لئے نجات صرف اور صرف آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی اتباع میں ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ شاہجہانپور کے ان مباحثوں میں آپ کے دلائل کا نہ عیسائی جواب دے سکے نہ ہندو۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک بار متصور نہیں مگر ظاہر ہے کہ یہ بات کمال لطافت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ نقصان پر (حجۃ الاسلام ص ۴۰،۴۱)

[قرآن کے منکروں کے سامنے مباحثہ کے دوران اتنے بڑے چیلنج کا کر دینا اس کی دلیل ہے کہ آپ کو اعجاز قرآنی پر پورا عبور تھا اور آپ کسی بھی شخص کو اس بارے میں مطمئن کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے]

قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت صاحب ذوق سلیم بداہۃً سمجھ سکتا ہے:

بالجملہ اگر کسی بلید کم فہم کو وجوہ فصاحت و بلاغت قرآنی ظاہر نہ ہوں تو اس سے اُس کا نقصان لازم نہیں آتا کمال ہی ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ بریں عبارت قرآنی ہر کس و ناکس، رند بازاری کے نزدیک بھی اسی طرح اور عبارتوں سے ممتاز ہوتی ہے جیسے کسی خوش نویس کا خط بدنویس کے خط سے۔ پھر جیسے تناسب خط و خال معشوقاں اور تناسب حروف خط خوشنویساں معلوم ہو جاتا ہے اور پھر کوئی اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں بتا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے ایسے ہی تناسب عبارت قرآنی جو وہی فصاحت و بلاغت ہے ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہے پر اُس کی حقیقت اس سے زیادہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے۔ (حجۃ الاسلام ص ۴۱)

حضرتؒ کی یہ دلیل ایسی عجیب دلیل ہے جو ہر کسی کو سمجھائی جا سکتی ہے۔ حضرتؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کے اسلوب تلاوت کی نقل نہیں اتاری جا سکتی ماہر قاری بیشک قرآن بہت اچھا پڑھ لیتے ہیں مگر یہ کمال قرآن کا ہے قرآن کے علاوہ کوئی اور کلام اس طرح نہیں پڑھ سکتے۔ ملک میں سینکڑوں شاعر ہیں ہزاروں نعت خواں ہیں مگر قرآن کے انداز میں نہ کوئی کلام بنا سکا ہے اور نہ کوئی کسی اور کلام کی اس طرح تلاوت کر سکا ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذلک۔

ان کے علاوہ حضرتؒ نے اسرار الطہارت اور ترکی بہ ترکی میں بھی اعجازِ قرآن پر گفتگو کی ہے اسرار الطہارت کی عبارات خدمات ختم نبوت میں دیکھئے اور ترکی بہ ترکی کی عبارات کیلئے دیکھئے ہماری کتاب حق الیقین ج ا ص ۴۴۳،۴۴۴

۱) قبلہ نما میں فرماتے ہیں:

سو جب ثانی ٔ قرآن [یعنی قرآن کی مثل] پہلے کوئی کتاب نہ تھی اور بعد میں دعویٰ کر کے تمام عالم کو عاجز کر دیا تو بشرطِ فہم و انصاف یہی کہنا پڑے گا کہ نہ پہلے کوئی شخص کمال علمی میں آپ کا ہمسر تھا اور نہ بعد میں کوئی شخص آپ کا ہمتا ہوا [ہمتا کا معنی = برابر، مثل، مانند۔ فیروز اللغات جدید ص ۱۸۷ ] جب اتنے دنوں میں باوجود دعویٰ اعجاز قرآنی و کثرت حاسدین کسی سے کچھ نہ ہو سکا تو ہر کسی کو یقین ہو گیا کہ آئندہ کیا کوئی مقابلہ کرے گا؟ پھر یہ اعجاز علمی وہ بھی بمقابلہ اولین و آخرین اگر آپ کی خاتمیت اور یکتائی پر دلالت نہیں کرتا تو اور کیا ہے؟ ایسا شخص اگر خاتم النبیین نہیں تو اور کون ہو گا؟ اور ایسا شخص سردار اولین و آخرین نہیں تو اور کون ہو گا؟ (قبلہ نما ص ۱۳ سطر ۱۶ تا ۲۱)

اسلوب کی انفرادیت:

قرآن میں جابجا ایسے مضامین ہیں جو بندوں کے کلام میں نہیں ہوتے مثلاً دلوں پر مہر، ہر چیز کا حتی کہ سایہ کا سجدہ ریز ہونا، قرآن کا خود کو اِنَّـهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ کہنا پھر اس پر پورا اترنا اس طرح کہ قرآن کریم میں کہیں بھی ہنسی مذاق والی کوئی بات نہیں قرآن پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جس کا یہ کلام ہے وہ کسی سے دبتا نہیں۔ قرآن کی حفاظت خود ایک معجزہ ہے چھوٹے چھوٹے بچے اس کو حفظ کر رہے ہیں اور دو چار نہیں ہر سال ہزار ہا نئے حافظ بن رہے ہیں۔

چیلنج عظیم ترین:

یہاں ایک سورت کی مثل لانے کا چیلنج ہے(۱) ساتھ یہ بھی فرمادیا: وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ (۲) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی یہ چیلنج نہ محدود افراد کو ہے نہ محدود مدت کیلئے ہے ساری کائنات کے جن وانس کو ہے اور ہمیشہ تک کیلئے ہے۔

شہداء سے کیا مراد ہے؟

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں شہداء سے مراد اعوان ومددگار ہیں بعض علماء کہتے ہیں شرکاء مراد ہیں یعنی جن کو مشرکین خدا کے شریک سمجھ کر ان کی عبادت کیا کرتے تھے (ابن کثیر ج ۱ ص ۶۰) مولانا عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں: شھداء، شھید کی جمع ہے جس کے معنی حاضر اور گواہی دینے والا اور مدد کرنے والا اور حاکم کے ہیں اس کا سِرّ یہ ہے کہ لفظ شہید یعنی اس ترکیب میں حاضر ہونے کے معنی ملحوظ ہیں خواہ یہ حضور بالذات ہو یا بالتصور پس مدد کرنے والے اور حاکم وحاضر میں تو بالذات

---

۱) سورۃ البقرۃ آیت ۲۳ کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: کہ پنڈت دیانند سرسوتی کہتا ہے کہ کلام خداوندی کی پہچان ہمیشہ سے ہو، اس کا کوئی حکم منسوخ نہ ہو، کسی خاص قوم کی زبان میں نہ ہو، اس میں کوئی مضمون مکرر نہ ہو اور ہندوؤں کی کتاب وید ایسی ہی ہے وہ شروع سے ہے اس لئے منسوخ نہیں سنسکرت زبان میں ہے جو کسی خاص قوم کی زبان نہیں۔ پھر اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں: مگر یہ سب اصول باطل ہیں ہم اللہ کے بنائے ہوئے ہیں حالانکہ ہمیشہ سے نہیں جس طرح دریا کے ذریعہ پانی ملتا ہے اگر اہل عرب کے ذریعہ قرآن سب کو ملے تو کونسی بڑی بات ہے، دن رات بار بار آتے ہیں اگر قرآن میں کوئی مضمون بار بار آئے تو اس میں اعتراض کی کونسی بات ہے (از نعیمی ج ۱ ص ۲۱۴)

اقول: مگر حضرت نانوتویؒ کی خدمات نرالی ہیں۔ انہوں نے ہندوؤں اور عیسائیوں کے مشترک مجمع میں قرآن کی حقانیت اور اس کے معجزہ ہونے کا اعلان کیا، آنحضرت ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کو منوایا، اور ان پر حجت پوری کرتے ہوئے باآواز بلند کہہ دیا کہ اب نجات کیلئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع ضروری ہے۔ حضرت نے یہ مضامین بریلی کے قریب علاقہ شاہجہانپور میں بیان کئے جہاں اسلام کی ترجمانی کیلئے مفتی احمد یار خان کے پیشواؤں میں سے کوئی نہ گیا تھا۔

۲) محمد علی لاہوری مرزائی کہتا ہے: شہادت حاضر ہونا دیکھنے کے ساتھ آنکھ سے ہو یا بصیرت سے اور کبھی محض حاضر ہونے کو بھی کہتے ہیں...... اللہ کی صفات میں بھی شھید ہے اور یہ بلحاظ اپنے کمال کے ہے یعنی وہ جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں (ت) یا العلیم محض علم کے لحاظ سے اور الخبیر امور باطنی کے لحاظ سے اور الشھید امور ظاہری کے لحاظ سے...... انبیاء کو اپنی اپنی امتوں پر شہید کہا گیا ہے کیونکہ جس قدر زیادہ کوئی شخص فضیلت رکھتا ہے اسی قدر زیادہ شہادت دینے کا اہل ہے...... یہاں شہداء کے معنی میں مختلف روایات ہیں بعض کے نزدیک مددگار مراد ہیں بعض نے معبودان باطل بعض نے حکام الفصحاء مراد لئے ہیں اور بعض کے نزدیک ائمہ یعنی پیشرو مراد ہیں (بیان القرآن ج ۱ ص ۲۰)

اقول: [۱] اللہ تعالیٰ کے ناموں میں شہید بھی ہے شہید حاضر کو بھی کہتے ہیں اور اسے بھی جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر کہتے ہیں [۲] امتوں کے بارے میں آپ ﷺ کی گواہی اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کے حق میں گواہی دیں گے صحابہ کرامؓ تابعین کے حق میں، تابعین تبع تابعین کے حق میں واللہ اعلم [۳] شھداء کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ تم جن لوگوں کو اس پر گواہ بنانا چاہتے ہو اپنی مرضی سے تجویز کر لو پھر ان کو لا کر پوچھ لو کہ کیا واقعی یہ تمہارا کلام قرآن جیسا ہے مگر قرآن ایسی بے مثال کتاب ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کرنے کا دعویٰ کرے تو اس کو گواہی دینے والے میسر نہ آئیں چنانچہ اس عاجز سے کسی نے کہا کہ ایک پادری نے کتاب لکھی ہے جس کے بارے میں اس کا دعویٰ ہے کہ وہ قرآن جیسی کتاب ہے اس کا رد ضروری ہے۔ جب اس کتاب کو دیکھا تو خوشی بھی ہوئی اور حیرانگی بھی خوشی اس بات کی کہ قرآن کے بے مثال ہونے کا مشاہدہ ہو گیا اور حیرانگی اس بات کی کہ وہ تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی مثل بھی نہ لا سکا۔ ان شاء اللہ اگلے صفحے میں اس پر تبصرہ آئے گا۔

حضور پایا جاتا ہے اس لئے کہ حاضر تو موقع پر حاضر ہوتا ہے مگر مدد کرنے والا بھی موقع پر حاضر ہوتا ہے اور حاکم کے حضور مقدمات فیصل ہوتے ہیں اور گواہی دینے والے میں حضور کے معنی بالتصور پائے جاتے ہیں یعنی جب وہ گواہی دیتا ہے تو اپنے خیال میں اس بات کو حاضر کرتا ہے اور جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے اس کو بھی اس لئے شہید کہتے ہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کے پاس حاضر ہو گیا اور اس کا بدلہ ثوابِ آخرت اور اس کے مصاحب ملائکہ اس کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔

اس مقام پر یہ چاروں معانی مراد ہو سکتے ہیں یعنی تم قرآن کی سورۃ کی مثل بنانے میں جو لوگ اس وقت بڑے فصیح و بلیغ حاضر اور موجود ہوں ان کو بلاؤ اور ان سے مدد لو اور جو تمہارے کلام پر سورۃ کے مثل ہونے کی گواہی دیں ان کو بھی بلاؤ اور جو لوگ تمہارے زعم میں تمہارے مددگار اور حاجت روا ہیں اور جن کے نام کی تم دہائی دیتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو ان سے بھی مدد لے دیکھو الغرض سب زور لگا لو اور پھر حاکموں کے پاس اس منازعت کے فیصلہ کیلئے چلو دیکھو وہ کیا کہتے ہیں (تفسیر حقانی پارہ الم ص ۶۲ طبع دیوبند)

<u>یہ چیلنج اتمام حجت کیلئے ہے:</u>

یہ ایسا چیلنج نہیں کہ جو شخص قبول کر کے ہار جائے وہ تو وقتی طور پر ذلیل ہو جائے اور جو چیلنج قبول نہ کرے وہ کہہ دے کہ میں تو مقابلہ میں گیا ہی نہیں مجھے کیا شرمندگی؟ اگر میں جاتا تو شاید جیت جاتا۔ یہ اللہ کی طرف سے اتمام حجت ہے اس لئے سب کو ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ نہ ایک آدمی اس کی مثل لا سکتا ہے نہ سارے مل کر، اس لئے جہاں نہ ماننے والوں کو دھمکی دی ہے وہیں جملہ معترضہ میں فرما دیا: لَنْ تَفْعَلُوْا (۱) کہ تم اس جیسی سورت کبھی نہ لا سکو گے اور یہ عجیب و غریب پیشگوئی بھی اسلام کی حقانیت کیلئے کافی ہے (۲) دین کو اور دینی مدارس کو بدنام کرنے والے ایسی سورت کیوں نہیں لے آتے کہ مدارس خود ہی بند ہو جائیں۔

<u>قرآن کی مثل کا دعویٰ کرنے والوں کیلئے:</u>

کوئی شخص کوئی مشین ایجاد کر کے کہے اس کی مثل کوئی لا کر دکھائے تو لوگ اس سے بہتر مشین ایجاد کر کے اس کو شرمندہ کر دیں گے کیونکہ روزانہ بہتر سے

---

۱) یہاں مفعول محذوف ہے حضرت نانوتویؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: کلام اللہ میں فرماتے ہیں: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا دونوں تَفْعَلُوْا کا مفعول محذوف ہے پر بقرینہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ مفعول معلوم ہے الغرض لفظ بظاہر مطلق ہے پر بدلالت قرینہ لفظیہ مقید ہے لہٰذا یہاں اَلسُّوْرَة اس کے ساتھ ملحق ہے غرض، متکلم نے جس کو قرینہ کے بھروسہ حذف کیا تھا مخاطب نے بدلالتِ قرینہ مذکورہ ملحق کر لیا (قاسم العلوم۔ تالیف مولانا کاندھلوی ص ۴۴۹) تو تقدیر عبارت یوں ہوئی: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا الْاِتْيَانَ بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ الخ، تفسیر الجلالین میں یوں محذوف نکالا: (فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا) مَا ذُكِرَ لِعِجْزِكُمْ (وَلَنْ تَفْعَلُوْا) ذٰلِكَ اَبَدًا لِظُهُوْرِ اِعْجَازِهٖ۔

۲) <u>﴿ کتاب ''الفرقان الحق'' کے بارے میں ﴾</u>

گذشتہ سطور میں گزرا کہ ایک پادری نے دعویٰ کیا کہ اس نے عربی میں قرآن کی مثل کتاب لکھ کر قرآن کے اس چیلنج کو توڑ دیا کہ اس کی مثل کوئی نہیں لا سکتا۔ اس کتاب کا نام ہے ''الفرقان الحق''۔ راقم نے جب وہ کتاب دیکھی تو پتہ چلا کہ اس پادری نے قرآن کریم میں فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ کو تو پڑھ لیا مگر جہالت سے مِّنْ مِّثْلِهٖ کو چھوڑ دیا۔ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ کو تو دیکھ لیا لیکن مِثْلِهٖ کو نظر انداز کر دیا۔ ارے قرآن نے یہ تو نہیں کہا کہ کوئی شخص کوئی سورت نہیں بنا سکتا کوئی شخص کوئی کتاب نہیں لکھ سکتا۔ عربی ادب میں بے شمار تحریریں پادری کی اس کتاب سے کہیں بہتر موجود ہیں بلکہ جرائد و مجلات میں ایسے اداریئے اور مضامین چھپتے رہتے ہیں جو بلاغت میں اس سے کہیں اعلیٰ ہوتے ہیں فرق یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے مضامین کو سورتوں کے نام نہیں دیتے اس نے اپنے مضامین کو سورتوں کے نام دے دیئے تو سمجھا کہ قرآن کا چیلنج ٹوٹ گیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

<u>یہ پادری اپنی کتاب کو بائبل سے اعلیٰ مانتا ہے:</u>

ہمیں کوئی کہے کہ بائبل جیسی کتاب لکھ کر دکھاؤ تو ہم کہیں گے ہمیں کیا ضرورت؟ ہمارے پاس قرآن ہے جو اس سے کہیں اعلیٰ ہے ''الفرقان الحق'' کا عیسائی مصنف اپنے مذہب کو اچھا سمجھتا تو کہتا کہ بائبل قرآن سے اعلیٰ ہے پھر قرآن پر بائبل کی فوقیت ثابت کرتا۔ قرآن کے مقابلہ میں بائبل کو پیش نہ کر کے یہ پادری جہاں قرآن کی عظمت کو تسلیم کر گیا، وہیں اپنی کتاب ''الفرقان الحق'' کے بائبل سے بہتر اور اعلیٰ ہونے کا بھی مدعی ہو چکا۔ یہ بھی کیسا عیسائی ہے جو اپنے دماغ سے لکھی ہوئی کتاب کو (باقی آگے)

بہتر اچھی سے اچھی مشین آرہی ہیں تو اگر کوئی قرآن کی مثل لانے کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ ہی شکست ہے اس لئے کہ اسے ماننا پڑے گا کہ اتنے لمبے زمانے تک اس کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اپنی الہامی کتاب سے بہتر وافضل مان رہا ہے۔

<u>قرآن کی مثل لانے کا دعویٰ شکست کے مترادف ہے:</u>

پھر اس نے خاص اپنی کتاب کو مثل قرآن کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پادری کی اس کتاب سے پہلے تک قرآن بے مثل رہا ہے۔ بائبل وغیرہ سے تو اعلیٰ تھا ہی، نازل ہونے کے بعد بھی بے مثل رہا۔ یعنی اپنی کتاب کے علاوہ باقی تمام کلاموں پر حتی کہ بائبل پر بھی اس نے قرآن کی عظمت کو مان لیا ہے ہاں اس پادری نے بڑی محنت کی تو اس کی مثل پیش کرسکا، اس سے آگے وہ بھی نہ بڑھ سکا۔ ارے اگر تو اس قرآن کی عظمت کا قائل ہے تو اس پر ایمان لے آ، اور ایمان لانے سے یہ بھی ہے کہ اس کو بے مثل مان۔ اور یہ بھی مان کہ تیری کتاب بھی قرآن کی مثل نہیں ہے۔ اور اگر تو اس کی عظمت کا قائل نہیں تو اپنے کلام کو اس سے اعلیٰ کہہ۔ اپنے کلام کو قرآن کی مثل کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اس درجے کا کلام ہے جس سے بہتر اور اعلیٰ کلام پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اور تو نے جس کو اعلیٰ کہا ہے سچی بات ہے کہ وہ اعلیٰ ہرگز نہیں ہے۔

<u>قرآن کریم کے حقوق کوئی اپنے نام محفوظ نہیں کرسکتا:</u>

اس پادری نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲ پہ کہا ہے کہ "اس کے جملہ حقوق محفوظ ہیں بغیر تحریری اجازت کے اس کو یا اس کے کسی حصے کو کوئی شائع نہیں کرسکتا"۔ اپنے لئے حقوق محفوظ کرنے سے اس کی کتاب قرآن کی مثل نہ رہی۔ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ساری کائنات کیلئے ہے قرآن کی کتابت یا اس کے ترجمہ تفسیر کے حقوق تو کچھ لوگ محفوظ کرلیتے ہیں مگر اصل عربی کے حقوق تو کوئی محفوظ نہیں کرتا۔

<u>جملے بنانے میں پادری کا قرآن کے آگے ہاتھ پھیلانا:</u>

یہ پادری بعض تراکیب حتیٰ کہ بعض سورتوں کے نام تک قرآن کریم سے چراتا ہے یہ مصنف بیسویں نمبر پر ایک مضمون لکھتا ہے جس کا نام رکھتا ہے "**سورة الصلاح**" اس کی آیت ۱۴، ۱۵ یوں لکھتا ہے: "**ومثل كلمة طيبة كـ<u>مثل</u> شجرة طيبة أصلها ثابت وفرعها فى السماء تؤتى اكلها <u>الطيب</u> كل حين ☆ ومثل كلمة خبيثة كـ<u>مثل</u> شجرة خبيثة اجتثت من فوق الارض <u>فـ</u>ما لها من قرار <u>ركين</u>**"

ان آیات کا ماخذ قرآن کریم کی یہ آیات ہیں: **أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ☆ تُؤْتِىٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ☆ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ**
(ابراہیم: ۲۴ تا ۲۶)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نے یہاں کچھ کمی بیشی کے ساتھ قرآنی آیات ہی نقل کردی ہیں قرآن کریم میں دونوں کیلئے الگ الگ اسلوب ہے اس نے دونوں کا اسلوب ایک جیسا کردیا پھر جو کمی بیشی کی اس کی وجہ سے کلام بلیغ تو کیا فصیح بھی نہ رہا چنانچہ پہلے جملے میں **مثل** کا لفظ زیادہ کیا جو کاف کے ہم معنی ہے۔ یہاں اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ پھر **طیب** کا لفظ زیادہ کیا اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ شجرہ طیبہ کو شجرہ طیبہ اس کے پھل کی وجہ سے ہی کہتے ہیں جیسے کھجور کے پتے یا اس کی ٹہنیاں تو میٹھی نہیں ہوتیں اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ دوسرے جملے میں پھر **مثل** کا لفظ بلاضرورت زیادہ کیا اور فاء کا جو اضافہ کیا یہ فاء نہ جزائیہ بنتی ہے نہ عاطفہ۔ پھر آیت کا مقصد یہ ہے کہ کمزور پودہ بہت جلد اکھڑ جاتا ہے **رکین** کا لفظ جس کا ترجمہ ہے "ثابت شدہ" (المنجد عربی اردو ۴۰۵) اس معنی کی ادائیگی میں رکاوٹ ہے۔ ان الفاظ کی زیادتی سے جملے تو بے شک نئے بن گئے مگر وہ جملے چوری کے بھی ہیں اور حد فصاحت سے گرے ہوئے بھی۔

<u>﴿پادری کے بنائے ہوئے تسمیہ کا حال﴾</u>

کتاب "الفرقان الحق" کا پہلا موضوع بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا مقابلہ ہے۔ پادری بسم اللہ کے قائم البدل کے طور پر لکھتا ہے:

**أ) البسملة** **A HE BLESSING (AL BASMALAH)** (باقی آگے)

مثل کسی سے نہ آسکی۔اور وہ بھی اپنے زعم میں اس کی مثل تک رہ گیا اس سے بہتر نہ لا سکا۔گویا وہ مانتا ہے کہ قرآن سے اعلیٰ کلام نہیں ہوسکتا۔قرآن اس معیار کی بات

---

**قُلْ:**

۱) بِسْمِ الْآبِ الْكَلِمَةِ الرُّوحِ الْإِلٰهِ الْوَاحِدِ الْأَوْحَدِ

**1. Say, " In the Name of the Father, the Word, the Holy Spirit, the One and only True God."**

۲) مُثَلِّثِ التَّوحِيدِ مُوَحِّدِ التَّثْلِيثِ مَا تَعَدَّدَ

**2. He is Triune in unity, united in Trinity, indivisible as beity.**

۳) فَهُوَ آبٌ لَمْ يَلِدْ

**3. He is the Father, Who has never given birth like the race of humanity.**

۴) كَلِمَةٌ لَمْ يُوْلَدْ

**4. He is the Word, Who has never been born except through virginity.**

۵) رُوْحٌ لَمْ يُفْرِدْ

**5. He is the Spirit, Who has never been separated from the Trinity.**

۶) خَلَّاقٌ لَمْ يُخْلَقْ

**6. He is the Creator, Who has never been created by any entity.**

۷) فَسُبْحَانَ مَالِكِ الْمُلْكِ وَالْقُوَّةِ وَالْمَجْدِ، مِنْ أَزَلِ الْأَزَلِ إِلَى أَبَدِ الْأَبَدِ.

**7. Therefore, ceaseless praise is offered to His regal sovereignty. Absolute power and royal majesty is extended unto Him, from etermity to infinity Amen.**

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے مقابلہ میں پادری کی بے بسی﴾

[۱] **البسملۃ** باب فعللہ کا مصدر ہے اس میں خاصہ قصر پایا جاتا ہے جیسے **قال لا حول ولا قوۃ الا باللہ** کا مختصر ہے **حَوْقَلَ** ۔اسی طرح **قال بسم اللہ الرحمن الرحیم** کا خلاصہ ہے **بَسْمَلَ** ۔اہل عرب بسملہ کا معنیٰ ہی یہ سمجھتے ہیں بسم اللہ پڑھی اس نے جو جملہ بنایا اہل عرب کے ہاں وہ بسملہ نہیں ہے اس کے پڑھنے کیلئے اس کو کوئی الگ نام رکھنا چاہئے جیسے اللہ کے لئے اس نے الآب کا لفظ لیا بسملہ کے متبادل کوئی اور اصطلاح لانی چاہئے تھی۔اس کو بسملہ کہنے بھی اس کی جہالت کی دلیل ہے۔[۲] اس کو یہ جملہ بنانے کی کوئی ضرورت نہ تھی اس کو چاہئے تھا کہ فقط قرآنی بسملہ کا لغو یا باطل ہونا ثابت کرتا کیونکہ بائبل میں بسملہ نہیں ہے۔بسملہ کی نقل اتار کر اس نے قرآن کی عظمت اور کامل ہونے کو مان لیا،اور قرآن کے مقابلہ میں بائبل کے ناقص ہونے کو تسلیم کرلیا۔[۳] قرآن کریم کے شروع میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اس میں خالق کائنات کے اسم علم [Pronoun] ''اللہ'' سے ابتدا کی گئی ہے جس سے ہمیں تعلیم ملتی ہے کہ ہر اچھے کام کی ابتداء اللہ کا نام لے کر کرو، خیر و برکت ہوگی۔پھر اس میں اللہ کے دو صفاتی نام ہیں الرحمٰن الرحیم ۔اور جملہ ایسا پیارا ہے کہ بڑی آسانی سے ہر شخص کو یاد ہوجاتا ہے اور نہایت روانی سے پڑھا جاتا ہے پادری نے جو جملہ بنایا اس میں نہ خالق کائنات کا اسم علم [Pronoun] ہے نہ رحم و کرم پر دلالت کرنے والا اس کا کوئی صفاتی نام علاوہ ازیں وہ بلیغ تو کیا فصیح بھی نہیں، تنافر کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے یعنی انتہائی ثقیل ہے اور کلام فصیح کیلئے غیر متنافر ہونا یعنی ثقیل نہ ہونا ضروری ہے۔[۴] پادری نے اس جملے میں خالق کائنات، رب ذوالجلال کیلئے **آلآب** کا لفظ استعمال کیا اور اس کا ترجمہ کیا ''the Father'': جبکہ ''the Father'' جبکہ باپ کو عربی میں مد کے ساتھ ''**آلآب**'' نہیں ''**آلاَب**'' بغیر مد کے کہتے ہیں۔اور یہ کتابت کی غلطی نہیں کیونکہ پادری کی ہر سورت کے شروع میں ایسے ہی لکھا ہے۔عربی زبان میں **آلآب** تخفیف کے ساتھ **اَبیٰ یَأبیٰ** سے اسم فاعل ہے بمعنی انکار کرنے ولا۔جیسے ایک صحابی گوشت نہ کھاتے تھے

(باقی آگے)

کہتا ہے جس سے اوپر بات ہو نہیں سکتی مثلاً قرآن نے کہا جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ ہمیشہ سے زیادہ کہیں رہنا ہو نہیں سکتا۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان کو آبی اللحم کہتے تھے (الاصابہ ج ا ص ۱۳) اور الأبّ تشدید کے ساتھ أبَّ سے اسم فاعل ہے جس کا معنی چاہنا، آمادہ ہونا ہے۔ عربی زبان میں ہر باپ کو "اب" کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب اولاد نہیں اس لئے نہ اسے والد کہیں گے نہ باپ نہ اب۔ خود یہ پادری تیسرے پیرے میں لکھتا ہے: فھو آب لم یلد۔ قرآن کی بسم اللہ کیسی بلیغ ہے جس میں خالق کائنات کا وہ اسم علم [Pronoun] ہے جسے سب عرب کے لوگ مانتے تھے اس لئے اس کے بسملہ کے معنی میں کوئی اشتباہ نہیں۔ اور پادری کا جملہ سمجھ ہی نہیں آرہا۔

**اشکال:** "الاب عیسائیوں کے نزدیک اقنوم اول جس کو باپ کہتے ہیں" (المنجد عربی اردو ص ۴۷) اس لئے ان کے ہاں اس کا معنی سمجھ آتا ہے۔

**جواب:** مگر یہ قرآن کی مثل تو نہ ہوا قرآن تو عیسائیوں کی اصطلاح کے مطابق نہیں قرآن تو خالص عربی میں ہے ارشاد ہے بلسان عربی مبین (الشعرء:۱۹۵) پادری کی یہ کتاب بلسان عربی غیر مبین نکلی۔ کیونکہ اس کو سمجھنے کیلئے عیسائیوں کی اصطلاحات کو جاننے کی ضرورت ہوئی۔

**اشکال:** انگریزی میں جھوٹے خدا اور سچے خدا کیلئے لفظ ایک ہی ہوتا ہے اس فرق کے ساتھ کہ جھوٹے خدا کیلئے چھوٹے حرف کے ساتھ ,,god,, اور سچے خدا کیلئے بڑے حرف کے ساتھ ,,God,, آتا ہے۔ یہاں بڑے حرف کے ساتھ ,,God,, لکھ کر اس نے خدا تعالیٰ کو اس کو اسم علم کے ساتھ ذکر تو کر دیا۔

**جواب:** قرآن عربی زبان میں ہے عربی میں خدا تعالیٰ کیلئے اسم علم "اللہ" پہلے سے موجود ہے جب قرآن نازل ہوا سب اہل عرب اس کو جانتے اور مانتے تھے

**جواب:** قرآن عربی زبان میں ہے عربی میں خدا تعالیٰ کیلئے اسم علم "اللہ" پہلے سے موجود ہے جب قرآن نازل ہوا سب اہل عرب اس کو جانتے اور مانتے تھے اور اب تک مانتے آئے ہیں یہ کیسی عربی کی کتاب لکھی جا رہی ہے جس میں خدا تعالیٰ کو جب بھی ذکر کیا جاتا ہے اس کے اسم علم کے بغیر ذکر کیا جاتا ہے۔

**اشکال:** قرآن کو سمجھنے کیلئے تم کہتے ہو سنت نبوی کی ضرورت ہے جیسے صلوۃ، زکوۃ وغیرہ تو اگر الفرقان الحق کو سمجھنے کیلئے عیسائی اصطلاح کو جاننا ضروری ہوا تو کیا حرج ہے؟

**جواب:** [۱] صلوۃ، زکوۃ کے معنی تو ہر مسلمان قرآن پڑھ کر سمجھتا ہے ہاں ان کے احکام کی تفصیل کے لئے آنحضرت ﷺ کی تشریحات کی ضرورت ہے مگر تمہاری کتاب کی ابتداء ہی تمہاری اصطلاح کے بغیر سمجھ نہیں آتی [۲] آنحضرت ﷺ قرآن کے معلم تھے اس لئے قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے آپ ﷺ کی تعلیمات کو جاننے کی ضرورت ہوئی مگر کتاب "الفرقان الحق" کا مصنف اس کا معلم تو نہیں وہ تو ایک کتب فروش ہے جس نے عام کتب فروشوں کی طرح اپنی کتاب کے حقوق محفوظ کر رکھے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی پادری کی کتاب "الفرقان الحق" قرآن کی طرح نہیں ہوئی۔

☆ پھر یہ الکلمۃ کا لفظ لایا ہے، نحویوں کے ہاں کلمہ مفرد کو کہتے ہیں لغت میں کلمہ کلام کو کہتے ہیں جیسے "لا الٰہ الا اللہ" کو کلمہ طیبہ کہتے ہیں قرآن میں عقیدہ کی اصلاح کے لئے سورۃ المائدۃ:۱۷۱ میں عیسیٰ علیہ السلام کو کلمتہ فرمایا۔ پادری کے جملے میں الکلمۃ سے یہ دونوں مراد نہیں یہاں الکلمۃ سے اس کی مراد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہیں عام قاری اس کو نہ سمجھے گا، پھر عیسیٰ علیہ السلام "اللہ" نہیں بلکہ انبیاء میں سے ایک ہستی ہیں اور اس کی مراد الآب سے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لئے الکلمۃ کا الآب پر حمل درست نہیں۔ پھر اس نے الروح کا لفظ استعمال کیا ہے ارواح بے شمار ہیں خاص اللہ اس سے کس طرح مراد ہو سکتا ہے؟ پھر اس نے الالٰہ کہا ہے بے شک اللہ الٰہ ہے مگر تم تو عیسیٰ علیہ السلام کو بھی الٰہ مانتے ہو خاص اللہ اس عبارت سے کس طرح مراد ہو سکتا ہے پھر عیسیٰ علیہ السلام کیلئے تم "عیسیٰ" یا "یسوع" کو علم مانتے ہو "اللہ" کیلئے تمہارے ہاں اسم علم کیا ہے وہ تو بتاؤ۔ بہر حال اس ساری عبارت کا متبادر معنی تو یہی ہے کہ قاری اپنے باپ کے نام سے ابتداء کر رہا ہے۔ جبکہ کاتب کا منشا یہ نہیں تو جس کلام میں اس قدر تعقید، پیچیدگی یا اغلاق ہو وہ بلیغ کیسے ہوگا وہ تو فصیح بھی نہیں ہے

☆ علاوہ ازیں یہ جملہ انتہائی متنافر یعنی ثقیل ہے، یاد کرنا مشکل اور بار بار پڑھنا طبیعت پر گراں اس لئے یہ ہرگز اس لائق نہیں کہ ہر اچھے کام سے پہلے اس کے پڑھنے کی تعلیم دی جائے۔

☆ ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس میں عیسائیت کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کو اب یعنی باپ تو کہا گیا مگر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن کہنے سے گریز کیا گیا اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاری سے اللہ تعالیٰ کا باپ ہونا منوا لے تو قاری عیسیٰ علیہ السلام کا ابن ہونا خود ہی مان لے گا۔ پھر یہ بھی کیسی مہمل بات ہے کہ اللہ کو باپ بھی کہا (باقی آگے)

قرآن نے جس قسم کی نعمتیں جنت میں بتائیں اس جیسی نعمتیں کسی کے وہم وگمان میں نہیں اس سے اوپر کوئی کیا نعمت بتائے گا۔ قرآن نے جیسی سزائیں بتائی ہیں ان جیسی سزائیں کس کے تصور میں نہیں تو اس سے اوپر کیا سزا بتائے گا؟ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو شخص عیش ونعمت میں پلا ہو اس کو تکلیفوں کا پتہ نہیں ہوتا، اور جس نے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور یہ بھی کہا کہ وہ والد نہیں۔ ارے ہمارا پروردگار والد بھی نہیں مولود بھی نہیں، باپ بھی نہیں بیٹا بھی نہیں لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔

☆ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا تین ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ تین ایک ہیں پادری نے اسی سفسطی نظریہ کو بیان کرنے کیلئے کہا مُغَلِّثِ التَّوْحِيْدِ وَ مُوَحِّدِ التَّثْلِيْثِ مَا تَعَدَّدَ مگر اس عبارت میں توحید ہی کا ذکر ہے تثلیث کی اس میں نفی ہی نفی ہے وہ اس طرح کہ موحد اور مثلث دونوں واحد کے صیغے ہیں اور دونوں اللہ کیلئے بولے ہیں۔

علاوہ ازیں اس عبارت میں ایک کے تین ہونے کا یا تین کے ایک ہونے کا ذکر نہیں توحید کو تین کرنے کا یا تثلیث کو ایک کرنے کا ذکر ہے۔ اگر پادری یوں کہتا۔ مثلث الواحدِ و موحد الثلاثۃِ تو اس میں ایک اور تین کا ذکر تو ہوتا مگر اشکال یہ ہے کہ مثلث الواحد میں کے مطابق اگر اللہ ایک کے تین کرے تو تین اللہ کے علاوہ ہوں گے۔ اور موحد الثلاثۃ کے مطابق جب اللہ تین کو ایک بنائے گا تو اللہ کے علاوہ ایک اور ہوگا۔ بہر حال کل تعداد دو کہو یا چار، الفرقان الحق کے بسملہ سے تثلیث کی نفی ہی ہوتی ہے۔

﴿پادری کی بنائی ہوئی پہلی سورت کا حال﴾

ذیل پادری کے بنائے ہوئے مصحف کی ایک سورت دی جاتی ہے پھر ان شاء اللہ اس پر کچھ تبصرہ ہوگا پادری الفرقان الحق ص ۹ تا ۱۱ میں لکھتا ہے:

سورة الفاتحة

**THE OPENING (Al Fateha)**

بسم الآب الكلمة الروح الاله الواحد الاوحد

**In the Name of the Father, the Word,the Holy Spirit, the One and only true God**

۱) هو ذا الفرقان الحق نوحيه فبلغه للضالين من عبادنا وللناس كافة ولا تخش القوم المعتدين

**1. Behold, this is the authentic True Furqan which We inspire, declare it to whomever has gone astray from among Our people and do not fear anyone who may retaliate against this proclamation**

۲) مهيمن يحطم سيف الظلم بكف العدل ويهدى الظالمين

**2. It is a victorious True Furqan, which shall bring to nauhgt the sword of injustice with the palm of justice, blazing a straight path for those who repent from having gone astray**

۳) ويهدم صريح الكفر بيد الايمان ويشيد موئلا للتائبين

**3.Moreover, The True Furqan will completely demolish the weak structure of unfaithfulness with the righteous hand of truth-fulness erecting in its place a mighty fortress for all who repent and seek a place of abode.**

۴) وينزع غل الصدر بندى المحبة ويشفي نفوس الحاقدين

**4. Additionally, this True Furqan will remove from the heart the bitter taste of animosity and through refreshing love provide a new start, thus, purifying from the soul every trace of enmity.**

(باقی آگے)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۵) ویطھر نجس الزنی بماء العفۃ ویبرئ المسافحین

5. **Furthermore, this True Furqan will wash away the impurity of adultery with the water of purity, cleansing every sinner from iniquity.**

۶) ویفضح قول الافک بصوت الحق ویکشف مکر المفترین

6. **Once and for all, this True Furqan will unmask the real face of falsehood with the penetrating sound of Truth, exposing the treachery of all the imposters.**

۷) فیا ایھا الذین ضلوا من عبادنا توبوا و آمنوا فابواب الجنۃ مفتوحۃ للتائبین

7. **Thus, O, people who have gone astray: repent and believe in Us. The gates of Heaven are flung open to welcome everyone who will repent from his sins and turn to Us in sincerity.**

<u>قرآن کے مقابلے سے پادری کی بے بسی:</u>

قرآن نے سورت کے ناموں میں کسی کی نقل نہ کی، سورۃ الفاتحہ کے مضامین کسی کتاب سے ماخوذ نہیں، صراط مستقیم کی دعا کسی سے لی ہوئی نہیں اور دنیا آخرت کی کامیابیوں کے حصول کیلئے اس سے بہتر دعا کوئی نہیں۔ اس پادری نے اپنی سورت کا نام **الفاتحہ** رکھ کر قرآن کی نقل اتاری پھر اس کی سورت میں نہ اللہ کی حمد وثناء کے کلمات ہیں نہ اللہ کو رب العالمین اور رحمٰن ورحیم کہہ کر محسن بتایا گیا، نہ اللہ اور بندے کا تعلق بتانے کیلئے **ایاک نعبد وایاک نستعین** کا متبادل کچھ نہ لایا گیا نہ اس میں **یوم الدین** کا ذکر ہے جس کے فکر سے انسان کی اصلاح ہو نہ اس میں صراط مستقیم کی دعاء ہے، اور نہ اس میں بتایا گیا کہ صراط مستقیم کن کا راستہ ہے اور نہ یہ بتایا گیا کہ کون کونسے لوگ صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں ☆ توبہ اور ایمان کا حکم تو دیا مگر یہ نہ بتایا کہ توبہ کیسے کریں ایمان کس پہ لائیں۔

غرض کہ مقابلہ تو کر نہ سکا، جو بات کی وہ بھی ادھوری کی۔ اس لئے ہمیں پادری کی اس سورت کا اردو ترجمہ کر کے اس پر علم بلاغہ کے لحاظ سے نقد کی ضرورت نہیں صرف ایک بات کا بتانا ضروری ہے کہ مفسرین چونکہ سورۃ الفاتحہ میں الضالین کی تفسیر نصاریٰ سے کرتے ہیں پادری نے اس کا بدلہ لینے کیلئے اپنی سورتوں میں مسلمانوں کو **یا ایھا الذین ضلوا** سے خطاب کیا ہے۔ مگر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جو لوگ صراطِ مستقیم پر ہیں ان کو توبہ کی دعوت وہ دیتا ہے جو خود صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔ پادری کو اگر میری بات سے اتفاق نہ ہو تو صراط مستقیم کی تعریف بتائے اور یہ بھی کہ ہمارے لئے اس کو حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ مگر ہم نے صراط مستقیم کی جو وضاحت اس تفسیر کے گذشتہ صفحات میں اور "آیات ختم نبوت" میں کی ہے ایک مرتبہ اس کو ضرور دیکھ لے۔

**تنبیہ** پورے قرآن کریم یا اس کی کسی سورت کی مثل لانے کا دعویٰ تو بڑی چیز، پادری کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ نہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی مثل پیش کر سکا اور نہ حروف مقطعات کی، ہاں چند جملے لکھ کر ان کو سورت کا نام دے دیا ہے۔

<u>﴿قرآن کی دعا اور انجیل کی دعا کا موازنہ﴾</u>

آپ دیکھ چکے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کی دعا کے مقابل پادریوں کے پاس کچھ نہیں اب ان کی انجیل میں جو مشہور دعا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی سورت فاتحہ کی فوقیت دیکھ لی جائے مگر یاد رہے کہ یہاں انجیل سے مراد اللہ کی طرف سے نازل شدہ انجیل نہیں بلکہ عیسائیوں کے قلم سے لکھی گئی عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح ہے جیسا کہ تیسری انجیل سے شروع سے اور چوتھی انجیل کے بالکل آخر سے معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال موجودہ انجیل میں ہے:

تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو ہماری روز کی روٹی ہمیں دے اور جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر، اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی (باقی آگے)

ایسے ایسے انعامات کا بتانا کہ وہ لوگ جو جدی پشتی سرمایہ دار جاگیردار صاحب اقتدار ہیں مختلف ملکوں میں ان کی جائیدادیں ہیں جس ملک میں جب چاہیں چلے جائیں ان کو آج کے دور میں بھی ویسی نعمتوں کا پتہ نہیں نبی ﷺ کا ایسے انعامات بتانا بجائے خود ایک معجزہ ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے بچا[ کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔ آمین ](انجیل متی باب ۶: ۹ تا ۱۳۔ لاہور ۱۹۶۷ء) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ انجیل کی اس دعا کا سورت فاتحہ کی دعا سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ارباب فہم و بصیرت اگر سورۂ فاتحہ کے بعد اس عبارت پر ایک نظر ڈالیں تو ان کو بخوبی منکشف ہو جائے گا کہ اس عبارت کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ثری (خاک) کو ثریا سے ہے۔ صیغۂ امر سے تقدیس اسم اور اتیان ملکوت طلب کرنا محض لاطائل اور تحصیل حاصل ہے وہ ہمیشہ سے قدوس اور سلام اور ملیک و مقتدر اور عزیز و حکیم ہے اس مالک الملک اور قدوس و حکیم کی شان میں یہ لفظ کہنا کہ "چاہئے کہ تیرا نام پاک ہو اور تیری بادشاہت آئے" سراسر خلاف ادب ہے۔ [اقول: ہمارے پاس جو بائبل کا نسخہ ہے اس میں الفاظ یوں ہیں: تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے۔ مگر مطلب تو ایک ہی ہے راقم]

علی ھذا یہ کہنا کہ تیری مشیت [ہمارے نسخہ میں ہے: تیری مرضی۔ مگر مطلب ایک ہی ہے راقم] جیسے آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں بھی ہو یہ بھی سراسر خلاف ادب ہے کیا اس کی مشیت سبع سموات اور سبع ارضین میں جاری اور ساری نہیں؟ کیا کوئی ذرہ اس کی قدرت اور مشیت سے مستثنیٰ ہے؟ **حاشا و کلا بلی انه علی کل شیء قدیر وما تشاء ون الا ان یشاء الله ولا حول ولا قوة الا بالله** ۔ اور علیٰ ھذا القیاس آج کی روٹی کے سوال کو ہدایت اور صراط مستقیم کے سوال (جو دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح اور سعادت دارین کو علی وجہ الاتم شامل ہے اس سے کیا نسبت؟ اور پھر اس غفور رحیم اور **لیس کمثله شیء** سے یہ سوال کرنا کہ ایسی مغفرت عطا فرمایا جیسا کہ ہم اپنے گناہ گاروں اور خطا کاروں کی مغفرت کرتے ہیں کھلی ہوئی سفاہت اور صریح گستاخی ہے۔ اس کی کامل و عظیم اور وسیع و عمیم مغفرت کو اپنی ناقص اور محدود اور برائے نام مغفرت کے ساتھ تشبیہ دینا اور در پردہ اپنے خطا کاروں کو خدا کے خطا کاروں کے ساتھ مماثل بتلانا اور ضمناً اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی کے ہم پلہ قرار دینا کیا یہ کھلی ہوئی گستاخی نہیں۔

اس رب العالمین اور اس حنان و منان کے تمام آلاء و نعم میں سے صرف آج کی روٹی کا سوال کرنا رب غفور و ارحم الراحمین سے اپنی ناقص اور محدود مغفرت کے مماثل مغفرت طلب کرنا نصاری کے فہم و فراست کو خوب واضح کرتا ہے (معارف القرآن کاندھلویؒ ج ا ص ۳۴، ۳۵)

**اقول:** [۱] عیسائیوں کی اس دعا میں اور کوئی قباحت نہ بھی تو یہ اشکال تو ہے کہ یہ دعا غریب کیلئے نہیں یہ دعا صرف وہ کرے جس کے پاس وافر سرمایہ بھی ہو اور اس نے لوگوں کو قرض دے کر معاف بھی کیا ہوا ہو، جو خود مقروض ہو یا مالدار تو ہو مگر غریبوں کی مدد نہ کرے حتی کہ زکوۃ بھی نہ دے اسلام کہتا ہے کہ وہ اللہ سے گناہوں کی معافی مانگے اور نیکی کی توفیق اور صراط مستقیم کی دعا میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں۔ عیسائیو! تمہارے ہاں ایسا سرمایہ دار اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کرے؟ [۲] اگر "تیری بادشاہی آئے" کا یہ مطلب ہو کہ تیری شریعت نافذ ہو تو اشکال نہیں مگر اگلے الفاظ "تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو" اس کے مؤید نہیں کیونکہ آسمان پر مرضی کا پورا ہونا تکوینی ہے اس لئے مولانا کاندھلویؒ کا اعتراض درست ہے۔

**اعتراض:** ہندو کہتے ہیں وید بھی بے مثل ہے؟ **جواب:** [۱] بے مثل ہونے کا پتہ تب چلے جب مقابلے کا چیلنج ہو وید کے مقابلے کا چیلنج نہیں تو بے مثال کیسے؟ اور اس کی مثل کا چیلنج ہو بھی کیسے وید سنسکرت میں ہے اور سنسکرت کسی کی مادری زبان ہی نہیں جب اس کا استعمال ہی نہیں تو کوئی اس کی مثل کا دعوی کردے تو فیصلہ کون کرے گا؟ [۲] خود پنڈت اس میں تحریف لفظی کا قائل ہے ایک جگہ لکھتا ہے: جہاں کہیں ہماری کتب مقدسہ میں ایسی تحریر آئی ہے وہ وام مارگیوں کی ہی ڈالی ہوئی ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۳۷۱) اور دام مارگی بھی ہندوؤں ہی کا کوئی فرقہ ہے جس پر پنڈت نے اس جگہ کافی تبصرہ کیا ہے۔ بہر حال اگر وید بے مثل ہوتی تو اس میں تحریف لفظی نہ ہوتی کیونکہ تحریف لفظی کا مطلب ہی یہ ہے کہ اصل اور اضافے میں فرق نہ پتہ چلے [۳] وید نہ قرآن کی طرح پاک نہ متواتر نہ محفوظ۔ مسلمانوں کو کیا مصیبت پڑی کہ وید جیسی ناقص کتاب لائیں جس میں شرک کی تعلیم بھی ہو۔

**اشکال:** تورات و انجیل بھی خدا کی کتابیں ہیں ان کو تم بے مثل کیوں نہیں مانتے؟ ان کے بارے میں تم کہتے ہو ان میں تحریف ہو گئی۔

**جواب:** ان کی عبارتیں معجزہ بنا کر نہ بھیجی گئیں مضامین اللہ کی طرف سے تھے عبارت فرشتوں کی طرف سے (مزید دیکھئے حضرت نانوتویؒ کی کتاب: حجۃ الاسلام ص ۴۱، ۴۲)

<u>ایمان لائے بغیر چارہ نہیں:</u>

چیلنج دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بتایا کہ یہ چیلنج ہمیشہ کیلئے ہے دوسرے یہ کہ قرآن کریم کو بے مثل ماننا ہی کافی نہیں بلکہ اس کو اللہ کی کتاب ماننا، اور جس پر نازل ہوئی اس ہستی کو اللہ کا رسول اور آخری نبی ماننا بھی ضروری ہے چنانچہ فرمایا: **فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ** (۱) اللہ تعالیٰ نے نہ ماننے والوں کو آگ کے عذاب کی دھمکی دی تو فرمایا کہ اُس آگ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اللہ بچائے اس آگ میں مجرموں کو ڈالا جائے تو اور بھڑکے گی انسان اور پتھر اس میں یوں جلیں گے جیسے لکڑی کوئلہ یا تیل اور گیس جلتا ہے۔ مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں: پتھروں سے مراد یا عام پتھر ہیں یا وہ بت مراد ہیں جو کافر پوجتے تھے بت پرستوں کی رسوائی اور مایوسی کیلئے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اور یا گندھک کے پتھر ہیں جو دوزخ کی آگ کو مزید بڑھکائیں گے (معارف القرآن کاندھلویؒ ج اص ۱۰۱)۔ **اعاذنا اللّٰہ منھا و من سائر انواع العذاب آمین۔**

اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کے بارے میں فرمایا: **أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ** کہ وہ کفار کیلئے تیار کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ ابھی سے موجود ہے جو

---

۱) مرزا محمود کہتا ہے کہ مرزا قادیانی اس کا معنی یہ بیان کرتا ہے کہ ان الفاظ سے دوزخیوں کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں ایک وہ جو کسی قدر محبت الٰہی اپنے اندر رکھتے ہیں اور **ناس** کے لفظ سے جو محبت پر دلالت کرتا ہے بالکل خارج نہیں ہو گئے مگر ایک گروہ دوزخ میں وہ جائے گا جو **حجارہ** کے مشابہ ہو گا یعنی ان کے دل محبت الٰہی سے بالکل سرد ہوں گے...... قرآن کریم نے شرارت کے لحاظ سے بھی کفار کے دو نام رکھے ہیں جن اور ناس اور سزا کے لحاظ سے بھی دو نام رکھے ہیں حجارہ اور ناس (مرزائی تفسیر کبیر ج اص ۲۳۷)

☆ محمد علی لاہوری کہتا ہے: ہوسکتا ہے کہ یہاں **الحجارۃ** سے مراد وہ قسی القلب لوگ ہوں جو **ختم اللّٰہ علی قلوبھم** کے مصداق ہیں اور **النّاس** سے عام لوگ...... لوگوں کا دوزخ کا ایندھن ہونا بتاتا ہے کہ دوزخ انسان کے ہی اعمال کا نتیجہ ہے حتیٰ کہ اس کا ایندھن یعنی جس سے یہ آگ جلتی ہے خود انسان ہیں اور کچھ نہیں (مرزائی بیان القرآن ج اص ۲۱) **اقول** [۱] یہاں **الحجارۃ** سے مراد انسان نہیں پتھر ہیں کیونکہ ان کا تقابل انسان کے ساتھ ہے خواہ وہ عام پتھر ہوں یا گندھک کے یا پتھر کے بت۔

☆ مرزا محمود لکھتا ہے:

اس آیت سے بعض مسلمانوں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر مومن و کافر دوزخ کا مزہ تھوڑا بہت ضرور چکھے گا (کبیر ج اص ۲۳۸)

**اقول** مسلمان یہ تو نہیں کہتے کہ ہر مومن دوزخ کا مزہ ضرور چکھے گا، کہتے ہیں کہ جنت جانے کیلئے پلصراط سے گزرنا ہوگا اور پلصراط جہنم کے اوپر ہے اللہ کے خاص بندوں کو وہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی بہت جلد گزر جائیں گے اس کا ذکر سورۃ مریم آیت ۷۱، ۷۲ میں ہے۔

☆ مرزا محمود لکھتا ہے: قرآن کی تعلیم کی رو سے سزا دائمی اور ابدی نہیں ہوتی نہ اس کی غرض انتقام اور بے حکمت تکلیف دینا ہے بلکہ اسلام کی رو سے سزا وقتی ہوتی ہے اور اس کی غرض یہ ہے کہ وہ پاکیزگی پیدا کی جائے جو انسان کو اللہ کے تعالیٰ کے قرب کے قابل بنادے اور اس کی حیثیت ایک شفاخانہ کی ہے جو بیماری کے علاج کیلئے مقرر کیا جاتا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج اص ۲۳۸) محمد علی لاہوری کہتا ہے: صحابہ اور تابعین اس بات کے قائل ہیں کہ دوزخ پر آخر فنا آجائے گی جیسا کہ ابن تیمیہ نے یہ قول ایک جماعت سے نقل کیا ہے کیونکہ روایات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب اس میں کوئی نہ رہے گا پس جب کوئی انسان اس میں نہ رہا اور اس کا ایندھن ختم ہو گیا تو وہ آگ بھی فنا ہو جائے گی (مرزائی بیان القرآن ج اص ۲۱)

**اقول** [۱] دوزخ کے فنا ہونے کا قول باطل ہے اس کی ایک آسان دلیل یہ ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا: **لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً** ، اللہ نے ان کی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا: **قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ أَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ☆ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّأَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** (البقرۃ: ۸۰، ۸۱) اگر دوزخ کو فنا ہونا ہوتا تو یا یہود کی تصدیق کی جاتی یا انہیں کہا جاتا کہ تم لوگ اس وقت تک رہو گے کہ دوزخ فنا ہو جائے۔ ایسا نہیں ہوا بلکہ ان کے دوزخ سے نکلنے کی مطلقاً تردید کی گئی۔ اگر نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے یہودیوں کو دوزخ میں ہمیشہ رہنا نہ ہوتا تو وہ لوگ اپنی بات میں سچے تھے ان کے رد کی کیا ضرورت تھی؟

کہتے ہیں جنت دوزخ ابھی موجود نہیں صریح غلطی پر ہیں نیز دوزخ اصل میں تو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے اس لئے گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو گناہوں کی میل کچیل صاف کرنے کیلئے چند دن وہاں رکھا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ ان کو جنت لے جائیں گے مگر جن کافروں کو وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوگا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (از معارف کاندھلویؒ ج ا ص ۱۰۱)

جنت کی نعمتیں بے مثال ہیں:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ' کہ ایمان والوں کو جنتوں کی خوشخبری دیجئے اور جنتیں بھی کیسی؟ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یعنی وہ نہریں جنتی کی ملکیت ہوں گی، کسی دوسرے سے اس کا اشتراک یا تنازع

---

۱) اس آیت کے تحت مرزا محمود لکھتا ہے:

پہلی بات یادرکھنے کے قابل یہ ہے کہ آئندہ زندگی کے متعلق جو کچھ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے وہ محض بطور مثال بیان ہوا ہے اور **مثل الجنة التی وعد المتقون** (الرعد ۱۳۔۳۵ محمد ۴۷۔۱۵) میں یہ صراحت موجود ہے اور ابن عباس سے ابن کثیر میں روایت موجود ہے **لا یشبه شیء مما فی الجنة الا فی الاسماء** یعنی جو چیزیں جنت میں ہیں وہ دنیا کی کسی چیز سے سوائے نام کے مشابہت نہیں رکھتیں اور دوسری بات یہ ہے کہ جنت کی نعماء انسان کی اس آنکھ سے اور اس کے ظاہری حواس سے مخفی رکھی گئی ہیں...... قرآن شریف میں صراحت سے ہے **فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین** (السجدہ ۳۲۔۱۷)......اس کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا **قال الله اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر** (بخاری)......اس سے ثابت ہے کہ فی الواقع جنت سے مراد ایسے باغ تو نہیں جیسے یہاں ہیں اور نہ نہروں سے مراد ایسی پانی کی نہریں ہیں (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۲۲) محمد علی لاہوری مرزائی لکھتا ہے:

لفظ جنت صرف باغ کے معنی میں بھی قرآن شریف میں آیا ہے اور بہشت کو بھی جنت کہا جاتا ہے یا تو اس لئے کہ اس کو دنیا کے باغوں سے تشبیہ دی ہے (غ) اور بہشت کا نقشہ جو قرآن کریم نے کھینچا ہے وہ گویا بطور مثال ہے جیسا کہ خود الفاظ قرآنی **مثل الجنة التی وعد المتقون** (الرعد ۱۳۔۳۵ محمد ۴۷۔۱۵) سے بھی ظاہر ہے اور یا اس لئے کہ جنت کے نعمتیں انسان کے حواس ظاہری سے مخفی رکھی گئی ہیں (غ) جیسا کہ لفظ جن کے اصل معنی بتاتے ہیں اور قرآن کریم نے اس اخفا کو دوسری جگہ خود بیان فرمایا ہے **فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین** (السجدہ ۳۲۔۱۷) (مرزائی بیان القرآن ج ا ص ۲۱)

**اقول** [۱] قرآن وحدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں جس طرح روحانی سکون ہوگا حتی کہ خدا تعالیٰ کا دیدار ہوگا اسی طرح جنت میں مادی نعمتیں بھی ہوں گی لگتا ہے کہ مرزائیوں نے یہ بات غیر مسلموں کے اعتراضات سے بچنے کیلئے کہی مگر یہ جواب کیسا جس میں انسان اپنے مسلمات ہی کا انکار کر جائے۔ یہ جواب نہیں یہ نری شکست ہے۔[۲] یہ درست ہے کہ جنت کی نعمتیں ہم سے مخفی ہیں مگر اس کا مطلب یہ کیسے نکل آیا کہ مادی نہیں ہیں۔ غریب امیر دنیا میں ملے جلے رہتے ہیں مگر سرمایہ داروں کو جو سہولتیں ہوتی ہیں ان کے پاس عیش وعشرت کا جو سامان ہوتا ہے غریب آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بہت سی جدید مشینوں کے نام وہی ہیں جو سادہ چیزوں کے ہوتے ہیں مگر حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے لکڑی کی سیڑھی کو بھی سیڑھی کہتے ہیں عمارتی سیڑھی کو بھی سیڑھی کہتے ہیں بجلی سے چلنے والی کروڑوں روپے کی سیڑھی کو بھی سیڑھی کہتے ہیں۔ مگر ہیں تینوں مادی۔ جس نے صرف لکڑی کی سیڑھی دیکھی ہو جب تک بجلی کی سیڑھی دیکھے نہیں، ہوسکتا ہے اس کے ذہن میں اس کا نقشہ ہی نہ آئے۔ طائر پرندے کو کہتے ہیں اور طائرہ ہوائی جہاز کو۔ ہوائی جہاز یقیناً مادی چیز ہے مگر آج سے دو سو سال قبل تک یہ حال تھا کہ نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا تھا نہ کسی کان نے ان کو سنا تھا نہ کسی انسان نے ان کا تصور کیا تھا۔ تو جب دنیا کی مادی مصنوعات کا یہ حال ہے تو اگر جنت کی نعمتیں مادی ہونے کے باوجود دنیا میں رہنے والے انسانوں کے تصور سے باہر ہوں تو تعجب کس بات پر؟

حضرت نانوتویؒ کی تحقیق:

مرزا قادیانی کے دعووں سے کچھ سال قبل پنڈت دیانند سرسوتی نے علاقہ رڑکی میں برسر عام اسلام پر جو اعتراضات کئے ان میں ایک اعتراض جنت کی نہروں کی بابت بھی تھا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس کے اعتراضات کے جوابات ارشاد فرمائے کسی میں بھی امت مسلمہ کے مسلمات کو نہیں چھوڑا ذیل میں (باقی آگے)

نہ ہوگا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ جنت میں پانی دودھ شراب اور شہد کی نہریں ہوں گی (سورۃ محمد:۱۵) نہر کا لفظ عربی میں دریا پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ امام مجدالدین فیروز آبادی دریائے نیل کے بارے میں لکھتے ہیں: وَالنِّيْلُ بِالْكَسْرِ نَهْرُ مِصْرَ (القاموس المحیط ص ۱۳۷۷) ''یعنی نون کے کسرہ کے ساتھ نِیل مصر کے دریا کا نام ہے''۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جنت کی نہروں کے بارے میں پنڈت کا اعتراض اور حضرت حجۃ الاسلام امام نانوتوی کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

حضرتؒ فرماتے ہیں: ﴿اعتراض ہشتم: جنت کی شراب طہور اور اس کی حلت﴾

مسلمان دنیا میں تو شراب کو حرام کہتے ہیں اور ان کی جنت میں شراب کی نہریں ہیں تماشا ہے کہ جو چیز یہاں حرام ہے وہاں حلال ہوگئی اگر وہ نہریں ہیں تو کتنا طول وعرض رکھتی ہیں اور ان کا منبع کہاں ہے اگر بہتی ہیں تو کدھر سے کدھر کو اور نہیں تو سڑتی کیوں نہیں؟

﴿جواب اول﴾

اعتراض کی بات تو اس اعتراض میں اتنی ہی ہے کہ حرام چیز حلال کیونکر ہوگئی باقی طول وعرض اور منبع کا قصہ اور سڑنے نہ سڑنے کا جھگڑا نہ اہل فہم کے سننے (باقی آگے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا نہ اہل علم کے کہنے کا۔ ایسی باتوں کے سننے سے اہل فہم کو خفقان ہو جائے تو دور نہیں چہ جائیکہ زبان پر لائیں مگر جہاں پنڈت جی میں اور کمال ہیں ایک یہ بھی کمال ہے کہ ایسی باتیں بے تکلف زبان پر لاتے ہیں اور کچھ نہیں گھبراتے مگر ہم کو تو سب ہی کا جواب دینا ہے بجبوری قلم اٹھاتے ہیں اور یہ عرض کئے دیتے ہیں کہ ''کولنک اپنہدر'' کہ بید میں جو شراب کے حوض اور دو نہروں کا ذکر ہے اس حوض کی نسبت تو ہمارا یہ سوال ہے کہ وہ سڑتا کیوں نہیں؟ اور پھر اس حوض اور ان نہروں کی نسبت یہ التماس ہے کہ ان کا عرض وطول کتنا ہے؟ اور ان کا منبع کہاں ہے؟ اگر بہتے ہیں تو کدھر کو کدھر سے اور نہیں تو سڑتے کیوں نہیں؟

علاوہ بریں ہم نے اگر طول وعرض ومنبع اور ان کے بہاؤ کی سمت کا کچھ ذکر کیا تو پنڈت جی کو اعتبار کیونکر آئے گا؟ اس وقت ہم کو بجبوری یہ کہنا پڑے گا کہ اعتبار نہ آئے تو جائیے دیکھ آیئے اور پنڈت جی اس کے جواب میں یہ فرمائیں گے کہ ہم جا نہیں سکتے اس لئے اس کا نتیجہ بجز غاں غاں کے اور کچھ نہ ہوگا اس سے بہتر یہ ہے کہ پنڈت جی اس باب میں لب نہ ہلائیں نہیں تو حوض مذکور اور ان دونہروں کی پیائش کا فکر فرمائیں اور وہاں تک جانا دشوار ہو تو اس کھائی ہی کا عرض وطول وعمق جس کا نام ''رواء'' ہے اور اس ندی کا طول وعرض اور اس کے بہنے کی سمت کو جس کا نام ''برجا'' ہے بتلائیں یہ دونوں تو رگ بید کے بیان کے موافق بہشت سے ورے ہی ہیں اگر جانا دشوار ہو تو بہشت ہی میں دشوار ہوگا ندی مذکور اور کھائی مسطور تک تو جانا تو دشوار نہیں اور اسے بھی جانے دیجئے پنڈت جی دنیا ہی کی ندیوں اور نالوں اور جھیلوں اور تالابوں کے عرض وطول وعمق اور سمت بیان فرمائیں یہ بھی دشوار ہو تو ہندوستان ہی کی ندیوں اور نالوں اور تالابوں کے عرض وطول ومنبع کی شرح بیان فرمائیں۔

خیر یہ بات واہیات تو ہو چکی اب اصل اعتراض کا جواب عرض کرتا ہوں مہابھارت کے پرب اول میں ہے کہ شراب پہلے زمانہ میں گو برہمنوں کیلئے حلال تھی مگر جس دن سے کنچ مارا گیا اس کے استاد سکر دیوتا نے اس کو برہمنوں پر حرام کر دیا اب بعد حرمت شراب اگر برہمنوں کو بہشت میں جانے ہی نہیں دیتے تب خیر اعتراض مذکور کا جواب یہ ہوگا کہ تمہارے یہاں بھی یہی صورت ہے [یعنی ایک چیز پہلے حلال تھی کنچ کے مارے جانے کے بعد حرام کر دی گئی۔ کیوں؟ راقم] جو تم جواب دو گے وہی ہماری طرف سے سہی۔ مگر اس صورت میں پنڈت جی اور ان کے سوا اور برہمن تبدیلی مذہب کا فکر فرمائیں [کیونکہ ہندو رہ کر وہ بہشت سے محروم ہیں۔ راقم] اور اگر ہنوز برہمنوں کو بہشت میں جانے سے ممانعت نہیں تو پنڈت جی یہ فرمائیں کہ جو چیز دنیا میں حرام تھی وہ بہشت میں جا کر کیونکر حلال ہوگئی [کیونکہ بہشت اسلامی عقیدہ ہے اور اسلامی عقیدے میں وہاں شراب حلال ہے]

﴿جواب ثانی﴾

منبع اور عرض وطول اور عمق اور بہنے کی سمت کچھ شرط اعتقادِ انہار ہوا کرے (یعنی نہروں پر اعتقاد رکھنے کی شرط اگر یہ چیزیں ہوا کریں) تو کون معتقد ہو؟ بعدِ مشاہدہ بھی گنجائش انکار باقی ہے۔ گنگا کا منبع اور طول کس کس کو معلوم ہے ہزاروں آنکھوں سے گنگا کو دیکھ آئے اشنان کر کے سب پاپ اس میں چھوڑ آئے [یعنی ہندوؤں نے اپنے عقیدے کے مطابق گنگا دریا میں غسل کر کے سب گناہ معاف کروالئے۔ راقم] مگر باوجود اس مشاہدہ اور اس تمتع اور انتفاع کے بھی ہنود کو یہ خبر نہیں کہ منبع کہاں ہے اور طول کتنا ہے اور عرض کے گز ہے اور عمق کہاں کہاں کتنا کتنا ہے؟ اور خیر منبع کی نسبت تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ فلانے پہاڑ سے نکلی ہے مگر اور باتوں میں کیا کریں گے اُدھر جس پہاڑ سے نکلی ہے اس میں یہ بھی معلوم نہیں کہ جس غار سے نکلی ہے وہ غار کتنا لمبا ہے اور کہاں اس کا اختتام ہے؟ (باقی آگے)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: وَالْفُرَاتُ کَغُرَابٍ : اَلْمَاءُ الْعَذْبُ جِدًّا ، وَنَهْرٌ بِالْكُوْفَةِ (ایضاً ص ۲۰۱) ''فرات غراب کے وزن پر انتہائی میٹھے پانی کو کہتے ہیں اس کے علاوہ فرات کوفہ کے دریا کا بھی نام ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جنت میں پانی دودھ شراب اور شہد کے دریا ہوں گے دنیا میں پانی کے دریا تو ہیں مگر دودھ، شراب اور شہد کے دریا کا دنیا والوں کے ہاں تصور نہیں پھر پانی کے دریا سے پورا ملک یا کئی ملک فائدہ اٹھاتے ہیں مگر وہاں یہ سب دریا جنتی کی اپنی جنت میں ہوں گے اس کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس کے بعد یہ گذارش ہے کہ بہنے کی صورت میں تو پنڈت جی کے نزدیک بھی شراب سڑ نہیں سکتی اس لئے اب اس کے جواب کی کچھ حاجت نہیں مگر بایں ہمہ ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ بہتی ہوئی چیزیں اگر بوجہ قدرت اور حفاظت خداوندی نہیں سڑتیں تو بہشت میں خدا کی قدرت میں کونسا نقصان آجاتا ہے جو وہاں کی شراب میں بوجہ سکون سڑ جانے کا احتمال ہو اور اگر یہ وجہ ہے کہ پانی کسی رکی ہوئی جگہ میں ٹھیرا ہوا نہیں تو یہ تو پنڈت جی فرمائیں تو اہل اسلام کب یوں کہتے ہیں کہ بہشت کی شراب کسی عمیق کنویں میں رکی ہوئی ہے ہزاروں جھیلیں اور تالاب بوجہ کثرت آب باوجود سکون وقرار دنیا میں نہیں سڑتے بہشت میں بھی اگر ایسی ہی صورت ہو اور اس وجہ سے وہاں کی شراب نہ سڑے تو کیا محال ہے؟ <u>صہبائے فردوس کے متعفن نہ ہونے کی عقلی وجہ:</u>

علاوہ بریں نہ وہاں آفتاب کی حرارت، نہ زمین کی کدورت نہ وہاں نباتات اور سوا ان کے اور غذاؤں میں وہ مادہ متعفنہ نہیں جس کی وجہ سے یہ خرابی تعفن پیدا ہوتی ہے تفصیل اس اجمال کی ایسی طرح کہ پنڈت جی بھی مان جائیں ورنہ اہل فہم تو بالضرور تسلیم کریں یہ ہے کہ اول تو غذاؤں کا یہ فرق کہ کسی میں فضلہ زیادہ ہے کسی میں کم سب کے نزدیک مسلم۔ اس صورت میں اگر کوئی ایسی غذا ہو جس میں فضلہ ہو ہی نہیں تو کیا محال ہے؟

دوسرے یہ کہ سب میں اول قوت نامیہ کی چھان بین سے زمین سے اجزائے نباتی میں سے چھان پھٹک کر وہ ''قوت مذکورہ'' اجزائے غلہ کو جدا کر دیتی ہے اس کے بعد بنی آدم گھاس، پھونس، بھس کو علیحدہ علیحدہ کر کے پیس کر لوہے کی چھلنی میں چھانتے ہیں مگر باوجود اس قدر تنقیح اور چھان پھٹک کے اجزائے فضلہ جدا نہیں ہو سکتے لیکن معدہ کی چھلنی اس کو بھی علیحدہ کر دیتی ہے پھر جگر کی چھلنی پیشاب کو علیحدہ کر دیتی ہے اور اسی موقع میں صفراء، سوداء، دم بلغم جدا ہو جاتے ہیں پھر خون میں سے جس قدر قلب کی طرف جاتا ہے اس کی حرارت کے باعث اس میں سے ایک بھاپ اٹھتی ہے اور تمام بدن میں اوپر سے نیچے تک پھیل جاتی ہے یہ بھاپ ہی ''روح ہوائی'' ہے اگر یہ بھاپ اسی طرح جم جائے جیسے پانی کبھی جم جاتا ہے اور پھر اس کو کھائیں تو بیشک اس غذا سے فضلہ پیدا نہ ہو چونکہ وہ غذا اصل میں ہوا ہوگی اس صورت میں اگر آئے تو ڈکار مثلاً آ جائے اور اس راہ سے کھایا ہوا نکل جائے اور پیٹ خالی ہو جائے اس قسم کی چیز اگر پانی میں گرے تو وہ کیا سڑے۔ اور پھر فرض کرو کہ اگر زمین بھی اسی قسم کے مادہ سے بنی ہو تو تمام حیوانات اور نباتات اور جمادات جو اس پر ہوں سب کے سب فضلہ سے پاک ہوں اور اس وجہ سے کسی طرح سے سڑنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ اہل فہم وانصاف کو تو یہ بات کافی ہے باقی نادانوں اور جاہلوں کو آنکھوں سے دکھاویں اور تجربہ کرا دیں تب بھی شاید اعتبار نہ آئے اور آئے تو زبان تو اپنے اختیار میں ہے اقرار ہرگز نہ ہو۔

<u>شراب کی دنیوی حرمت اور اخروی حلت:</u>

اب رہی حرمت دنیاوی کے بعد بہشت میں شراب کی حلت، اس کی وجہ بھی اسی تقریر سے معلوم ہو سکتی ہے شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ شراب میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک نشہ دوسرا سرور۔ ان دونوں کو دیکھا تو باہم ایک دوسرے سے تضاد دیکھا نشہ تو بے ہوشی کا نام ہے کم نشہ ہو تو کم بے ہوشی ہوتی ہے اور زیادہ ہوتا ہے تو زیادہ، اور سرور کو ہوش لازم ہے کیونکہ بے ہوشی میں نہ رنج ہو نہ راحت، نہ غم ہو نہ خوشی۔ اس صورت میں ان دونوں کا اجتماع ایسا ہوگا جیسا مرکبات عنصریہ میں گرمی اور سردی کا اجتماع ہوتا ہے مگر جیسے بایں وجہ کہ گرمی سردی باہم متضاد ہیں ایک شے کی تاثیر (میں) یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں اور اس وجہ سے پانی اور آگ کا اقرار کرنا پڑتا ہے ایسے ہی بوجہ مذکور نشہ اور سرور شے واحد کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا کہ نشہ کسی اور چیز کی خاصیت ہے اور سرور کسی اور چیز کی تاثیر۔ اگر شراب میں وہ چیز نہ رہے جس کی خاصیت نشہ ہے بلکہ چھان پھٹک کر قدرت کی چھلنی سے اس کو جدا کر دیں تو پھر اس صورت میں شراب میں فقط لذت اور سرور ہی رہ جائے بیشک ہر عاقل کے نزدیک وہ شراب حلال ہو۔

باعث حرمت شراب اول تمام عقلاء اور قائلان حرمت کے نزدیک یہاں تک کہ ہنود کے نزدیک بھی یہی نشہ ہے چنانچہ سکر و پوتانے جو شراب کو حرام کیا تو اس کی وجہ یہی نشہ ہوا چنانچہ مہابھارت میں صاف مرقوم ہے بالخصوص اہل اسلام اس کی حرمت کے جب ہی قائل ہیں جب تک اس میں نشہ ہو اگر شراب سرکہ بن جائے اور نشہ نہ رہے تو وہ اس کے پینے میں تامل نہیں کرتے ادھر قرآن وحدیث وفقہ میں یہی مرقوم ہے۔ (باقی آگے)

ملکیت ہوں گے۔ دنیا میں ان نعمتوں کا تصور نہیں اس لئے ان نعمتوں کی خبراور وہ بھی اس ہستی کی طرف سے جس کے گھر میں دو دو ماہ چولہا نہ جلتا تھا (مسلم ج ۴ص ۲۲۸۳ حدیث ۲۹۷۲) یقیناً ایک بڑا معجزہ ہے۔ **صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وبارک وسلم۔**

جنتی کہیں گے "**هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ**" یہ ہمیں پہلے دیا گیا اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ جنت کے پھلوں کی شکل ملتی ہوگی ذائقے مختلف ہوں گے حضرت مولانا غلام محمدؒ فرماتے تھے کہ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے جنتی نعمتوں کو پا کر کہیں گے کہ دنیا میں ہم نے جوفلاں کام کیا تھا یہ اُس کا بدلہ ہے دنیا میں اللہ نے فلاں نیکی کی توفیق دی تھی جس کا یہ صلہ ہے نہ اسوقت ہمارا ذاتی کمال تھا نہ اب ہے۔

اہل جنت ازواج کے ساتھ رہیں گے:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ جنت کے کچھ اور انعامات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **وَلَهُمْ فِيْهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ** (۱) **وَهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** یعنی اہل جنت اپنے گھروں میں تنہا تنہا نہ رہیں گے ان کو اللہ تعالیٰ ازواج بھی عطا فرمائے گا مگر دنیا کی ازواج کی طرح نہ ان پر بڑھاپا آئے گا نہ بیماری نہ حیض ونفاس کے عوارض نہ کسی قسم کی ناچاقی یا مخالفت ہر لحاظ سے پاک صاف ہوں گی۔ پھر اہل جنت اپنی ازواج کے ساتھ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بالجملہ وجہ حرمت وہ نشہ ہے اور چونکہ وہ ایک جدی چیز کے ساتھ قائم ہے اور اس وجہ سے اس کا جدا ہونا ممکن تو درصورت جدائی فقط مادۂ سرور ہی شراب میں باقی رہ جائے گا، اور ظاہر ہے کہ شراب کو جو کوئی پیتا ہے وہ بوجہ سرور پیتا ہے بوجہ بے ہوشی نہیں پیتا سو کلام اللہ میں لذت کا تو اثبات ہے جو مایہ سرور ہے اور نشہ کی نفی جو وجہ ممانعت تھی چنانچہ لفظ **لا لغو فيها ولا تاثيم** [الطور:۲۳۔راقم] اس پر شاہد ہے۔ شراب طہور کے حلال ہونے کی ایک دوسری وجہ: علاوہ بریں دنیا میں نشہ کی چیزوں کی ممانعت اس اندیشہ سے تھی کہ نشہ کے تحت احکام خداوندی ادا نہیں ہو سکتے سو یہ اندیشہ زندگانی دنیا تک ہی ہے بعد مرگ تمام احکام ساقط ہو جاتے ہیں، بہشت میں ہر کوئی فرائض وواجبات سے فارغ البال ہوگا وہاں اگر شراب جائز ہو جائے تو کیا حرج ہے (انتصار الاسلام ص ۴۰ تا ص ۴۴)

**اقول** دنیا میں شراب پینے سے نشہ بھی آتا ہے تو قوت بھی حاصل ہوتی ہے جنت میں شراب پینے سے قوت تو حاصل ہوگی نشہ نہ ہوگا۔ اس لئے وہ حلال ہوگی۔

۱) کبیر مرزائی ج ا ص ۲۵۲، ۲۵۳ میں ہے: اگر یہی معنی ہوں کہ ہر مرد کو ایک پاک بیوی دی جائے گی اور ہر عورت کو ایک پاک مرد دیا جائے گا تو اس پر کیا اعتراض ہے اعتراض تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کسی ناپاک فعل کی طرف اشارہ کیا جائے جب قرآن شریف پاک کا لفظ استعمال کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ جنت میں وہی کچھ ہوگا جو جنت کے لحاظ سے پاک ہے پھر اس پر اعتراض کیسا؟ ☆ بیان القرآن مرزائی ج ا ص ۲۲ میں ہے: جنت کے پھلوں کے متعلق......مراد جسمانی پھل تو ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ پھل تو سب مومنوں کو دنیا میں ملتے نہیں پس مراد اعمال حسنہ کے ثمرات ہیں جن کو روحانی طور پر مومن یہاں بھی پالیتا ہے......گو وہ آخرت کے پھل الگ ہوں گے مگر اعمال حسنہ کے مشابہ ہوں گے جس طرح بدی کی سزا اس کی مثل ہے اسی طرح نیکی کا پھل بھی اس عمل سے ملتا جلتا ہے...... بہشت میں ازواج: ......ازواج کے صاف معنی تو ساتھی ہیں......دونوں کیلئے ازواج مطہرہ یعنی پاک ساتھی ہونے چاہئیں اگر بیبیاں بھی مراد لی جائیں تو بہشت میں ان کا ہونا کوئی امر قابل اعتراض نہیں......گو جوڑے پیدا کرنے کی ایک غرض اس دنیوی زندگی میں سلسلہ توالد وتناسل بھی ہے مگر مرد وعورت کے جوڑے کی اور اغراض بھی ہیں وہ ایک دوسرے کے لئے تسکین وراحت کا موجب ہیں وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں ان پاک تعلقات کے جنت میں ہونے پر کسی عقلمند کو اعتراض نہیں ہو سکتا...... بہر حال اس بات کو تو سب نے مانا ہے کہ جنت کی نعماء کی حقیقت وہ نہیں جو اس دنیا کی ہے گو ناموں میں اشتراک ہو اور ازواج کے ساتھ مطہرہ کا لفظ بڑھا کر بتایا کہ یہ رفاقت تمام الائشوں سے پاک ہے اس پاک رفاقت پر اعتراض کرنا ناپاکوں کا کام ہے۔

**اقول** [۱] ہنود کے ہاں جزا سزا تناسخ سے ہے وہ قیامت، جنت، دوزخ کے منکر ہیں، عیسائیوں کے ہاں آخرت محض روحانی ہے بائبل میں ہے: قیامت میں بیاہ شادی نہ ہوگی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہوں گے (متی ۲۲:۳۰) جب لوگ مردوں میں سے جی اٹھیں گے تو ان میں بیاہ شادی نہ ہوگی بلکہ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہوں گے (مرقس ۱۲:۲۵، لوقا ۲۰:۳۵) ہندو اور عیسائیوں کو جنت کی نعمتوں پر اور وہاں ازواج کے ہونے پر اعتراض ہے۔ مرزائیوں نے مذکورہ بالا عبارات میں ہندوؤں اور عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب میں ہیں مگر انہوں نے مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق جواب نہ دیا بلکہ ان کا اعتراض قبول کر کے مسلمانوں کے عقیدے کا غلط ہونا مان لیا۔ اس لئے مرزا محمود نے **ولهم فيها ازواج مطهرة** کا ترجمہ ہے: اور اُن کے لئے ان (باغوں) میں پاک جوڑے ہوں گے (تفسیر صغیر ص ۱۰)

<u>اعجازِ قرآنی کے بارے میں غیر مسلموں کا لاجواب ہونا:</u>

مولانا منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ایک مصری عالم جا رہے تھے عرب کے رہنے والے کچھ غیر مسلم بھی ساتھ تھے غیر مسلم کہنے لگے کہ قرآن

---

محمد علی لاہوری نے ترجمہ کیا: اوران کیلئے ان میں پاک ساتھی ہوں گے۔ (بیان القرآن ج۱ص۲۲) مرزا طاہر نے ترجمہ کیا: اور اُن کے لئے ان (باغات) میں پاک بنائے ہوئے جوڑے ہوں گے (ترجمہ مرزا طاہر ص۱۳) [۲] آخرت کی جزا سزا روحانی ہونے کے ساتھ ساتھ جسمانی بھی ہو تو کیا حرج؟ ایک آدمی کسی پہ تہمت لگاتا ہے تہمت جسمانی چیز نہیں محض آواز ہے تہمت لگانا زبان کا جرم ہے مگر کوڑے کمر پر لگتے ہیں جو جسمانی سزا ہے [۳] ازواج کا تعلق بھی مسلمان کیلئے پاک رفاقت ہے درمختار کتاب النکاح کے شروع میں اسے عبادت مانا گیا [۳] قرآن نے جنت کی عورتوں کو صرف ازواج کہا یہ لفظ مردوں کے مقابل استعمال کیا جائے تو متبادر معنی بیویاں ہے نیز فرمایا: **وزوجناهم بحور عين** [الدخان:۵۴] **كواعب اترابا** [النبا:۳۳]، **فجعلناهن ابكارا☆ عربا اترابا** [الواقعہ:۳۶، ۳۷] سورۃ رحمٰن:۵۶: میں ایک جنت کی بابت ہے: **فيهن قاصرات الطرف** ہے۔ آیت: ۷۲ میں دوسری جنت کی بابت ہے: **حور مقصورات في الخيام** ہے۔ جو پاک رفاقت تو کہتا ہے وہ ازواج نہیں، محرمات کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس موقع پر اخوات، امہات، جدات، بنات وغیرہ محرم رشتوں میں سے کسی کا ذکر نہ کرنا بھی اس کی دلیل ہے کہ ان ازواج سے بیویاں ہی مراد ہیں [۴] ایک مسلمان کسی ایسے علاقے میں غیر مسلموں کے درمیان رہتا ہے جہاں زنا کے مواقع بہت ہیں مگر اللہ کے ڈر سے وہ زنا کے قریب نہیں جاتا، اور نکاح اس لئے نہیں کرتا کہ اسے کوئی مسلمان رشتہ نہیں ملتا، بتایئے کیا ایسے متقی مسلمان کی آخرت میں کیا جزاء ہے؟ روحانی جزا تو نہ سمجھ آئے نہ انسان اس سے مطمئن ہو۔ جسمانی تو تم نہیں مانتے تو ہوسکتا ہے کہ تمہاری بات سن کر انسان زنا میں پڑ جائے کہ جب آخرت میں نہیں تو دنیا میں تو مزہ لے لیں لیکن جب وہ سنے گا کہ آخرت میں اس کا جسمانی بدلہ ہے تو اس کیلئے گناہ سے رکنا آسان ہوگا۔

☆ ستیارتھ پرکاش ص۶۹۹ میں اس آیت پر اعتراض یوں ہے: بھلا اس قرآن کے بہشت میں دنیا سے بڑھ کر کونسی عمدہ شے ہے جو چیز دنیا میں ہے وہی مسلمانوں کے بہشت میں ہے <u>فرق صرف اتنا ہے کہ دنیا میں جیسے آدمی پیدا ہوتے اور مرتے ہیں اسی طرح بہشت میں نہیں ہوتا</u> اور یہاں عورتیں ہمیشہ نہیں رہتیں لیکن وہاں بیویاں یعنی حوریں ہمیشہ کے لئے رہتی ہیں جب تک قیامت نہ آوے گی تب تک ان بیچاریوں کے دن کیسے کٹیں گے مسلمانوں کا بہشت گوکلئے گوسائیوں کے گئولوک اور مندر کی طرح معلوم ہوتا ہے جہاں عورتوں کی قدر مردوں کی نسبت زیادہ ہے...... کیونکہ خدا نے <u>بیویوں کو ہی ہمیشہ کے لئے بہشت میں رکھا ہے نہ مردوں کو</u>۔ **اقول:** [۱] نرا الزام ہے کہ جنت میں ہمیشہ کیلئے بیویوں کو ہی رکھا ہے۔ جنتی مرد بھی جنت میں ہمیشہ رہیں گے جنتی عورتیں جوان کی بیویاں ہوں گی وہ بھی اپنے خاوندوں کے ساتھ ہمیشہ رہیں گی۔ تم لوگ سب مل کر بھی بہشت کی مثال نہ دے سکے تو قرآن کا ان نعمتوں کی خبر دینا واقعی ایک معجزہ ہوا جس نے تم کو عاجز کر رکھا ہے۔ عجز کا اقرار نہیں کرتے استہزاء کرکے خوش ہوتے ہو۔ مگر یاد رکھو ایمان کے بغیر گزارا نہیں [۲] دنیا میں اور بہشت میں اگر صرف یہی فرق ہو کہ دنیا میں موت ہے جنت میں موت نہیں دنیا میں بڑھاپا، جنت میں ہمیشہ جوانی تو بھی کوئی معمولی نعمت نہیں جبکہ اس کے علاوہ بھی بیشمار فرق ہیں۔ تم کہتے ہو انسان مر مر کر بار بار اسی دنیا میں آتا ہے مگر گذشتہ جنم کے بارے میں کچھ خبر نہیں [۳] مرد عورتیں سب اللہ کے پیدا کردہ ہیں مگر مرتبہ ایمان وتقوی کی بنا پر ہے۔ پھر اللہ نے جیسے مزاج دیئے احکام بھی ویسے ہی دیئے مرد کے مزاج میں حاکمیت ہے دنیا میں اس کے مطابق اس پر ذمہ داریاں ڈالیں آخرت میں بھی اس کے ساتھ ویسا معاملہ ہوگا عورت کے مزاج میں محکومیت ہے وہ مرد کے تابع ہو کر خوش رہتی ہے اس پر ذمہ داریاں بھی ویسی ڈالیں آخرت میں بھی ویسے ہی رکھا جائے گا۔ **وسیاتی**۔

☆ تفسیر حقانی پارہ الم ص۶۸ میں ہے: (سوال) انسان اور دیگر ابدان اجزاء متضادۃ الکیفیت سے مرکب ہیں کہ جن میں طرح طرح کے استحالات وانقلابات ہوتے رہتے ہیں کہ جن سے انجام کار انحلال وانفکاک ہوتا ہے اور اس مرکب کے اجزاء علیحدہ ہو کر یہ مرکب فنا ہو جاتا ہے پس جب یہ ہے تو جنت میں ہمیشہ رہنا کس طرح ہوسکتا ہے؟ (جواب) ہم پہلے بھی جنت کی حقیقت بیان کر چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ جنت میں جسم عنصری تو کیا جرم فلکی کی قسم سے بھی کوئی جسم نہیں بلکہ وہ عالم اس عالم سے غیر ہے اس عالم کا اس پر قیاس کرکے انفکاک وفساد ترکیب کا احتمال نکالنا قیاس مع الفارق ہے **قال تعالیٰ یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات** کہ یہ زمین اور یہ آسمان اس روز نہ رہے گا بلکہ اس کے بدلے میں اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا کہ جس کی <u>جسمیت</u> ان کی <u>جسمیت</u> سے بالکل مختلف الماہیت ہوگی۔ **اقول:** اس عبارت سے جنت کے جسمانی ہونے کا انکار نہ سمجھا جائے۔ اللہ ان جسموں کو زندہ کریں گے۔ آپؐ کے سامنے جب کافروں نے بعث بعد الموت کا انکار کیا تو انہیں یہ نہ کہا گیا کہ ان کو اور غیر مادی جسم ملیں گے بلکہ یہ کہا گیا کہ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا دوبارہ بھی کرے گا۔ قرآن میں جابجا یہ مضمون موجود ہے (مثلاً سورۃ یٰس: ۷۷ تا ۸۳، الاسراء: ۴۹ تا ۵۲) (باقی آگے)

کا یہ کہنا درست نہیں کہ کوئی ایسا کلام نہیں لاسکتا یہ کوئی محال چیز تو نہیں مسلمان عالم کہنے لگے ابھی تجربہ کر لیتے ہیں تم اس مضمون کو اپنے لفظوں میں ادا کرو''جہنم بہت بڑی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عقلی انداز میں اس کا صحیح جواب حضرت نانوتویؒ نے دیا ہے پہلے تو آپ مخلوق کے فانی ہونے کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جو چیز اپنے آپ موجود نہیں کسی دوسرے کے موجود کرنے سے موجود ہے تو اس کا وجود اس کا خانہ زاد نہ ہوگا اسی کی عطا ہوگا جس نے اس کو موجود کیا (مباحثہ شاہجہانپور ص ۹۷ سطر ۲۰ تا ۲۲) پھر فرماتے ہیں: زمانہ اور عالم کیلئے ابتداء کا ہونا تو ضروری ہے اور انتہاء کا ہونا ضروری نہیں کیونکہ عدم سابق خود حد اول ہو جائے گا جس کا حاصل وہی ابتداءِ وجود ہے جو قدم عالم کے بالکل مخالف ہے اور انتہاء کی جانب میں چونکہ وجود ہے عدم نہیں تو انتہاء کا ہونا ضروری نہ ہوا، ہاں یہ بھی ضروری نہیں کہ برابر وجود ہی چلا جائے اس لئے ابدیت یعنی مستقبل کی جانب ہمیشگی اور انتہاء دونوں برابر ہو گئے اور عقل کی رو سے کوئی بات متعین نہ ہوئی فقط مدار کار مشاہدہ پر رہا، یا اس بات پر کہ ارادۂ خالق وبانیٔ عالم کا کیا ہے؟ کیونکہ جیسے اس مکان کا حال جو نیا بنایا جاتا ہے عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوتا ہے تو یا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے جو بالیقین بعد وجود میسر آتا ہے قبل وجود امکان مشاہدہ نہیں یا بنانے والے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا بنائے گا اور یہ بات قبل وجود بھی ممکن ہے۔

ایسے ہی عالم کی یہ کیفیت کہ کہاں تک بنتا جائے گا یا تو مشاہدہ سے معلوم ہوگی جو بالیقین آئندہ کی بات ہے یا خدا کے بتلانے سے معلوم ہوگی مگر حسب تقریر وعظ مشار الیہ خدا تعالیٰ بجز انبیاء علیہم السلام اور کسی کو راز کی باتوں کی اطلاع نہیں کرتا اس لئے دربارۂ ابدیت وانتہاءِ عالم انبیاء کے بیان کی پابندی ضرور ہے انہوں نے بحوالۂ خداوندی اطلاع کر دی کہ ایک روز نہ ایک روز، یہ عالم نیست ونابود ہو کر پردۂ عدم میں مستور ہو جائے گا اور پھر سب کو بعد مدت نئے سرے سے پیدا کر کے اپنے اپنے کردار کو پہنچائیں گے (مباحثہ شاہجہانپور ص ۸۳،۸۴ مزید دیکھئے انتصار الاسلام کے آخری صفحات) مقصد یہ کہ کسی چیز کا زیادہ یا تھوڑے وقت کیلئے رہنا عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے اور اللہ نے اپنے انبیاء کی وساطت سے بتا دیا ہے کہ جنت ودوزخ ہمیشہ رہیں گے بات ختم ہوگئی۔

☆ مولانا عبدالحق کہتے ہیں کہ پادری فنڈر نے اپنی کتاب میزان الحق میں اعتراض کیا کہ

محمدیوں کا اعتقادی بہشت بالکل مجازی وجسمانی ہے...... ایسے بہشت کا امیدوار کرنا آدمی کو دل کی پاکی اور نیک فکر سے روک کر نفسانی خواہشوں کو قوت وقدرت دینا ہے سوا ایسا بہشت خدا کے تقدس کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے؟ [مولانا اس کے جواب میں لکھتے ہیں]: آپ کے مجازیت وجسمانیت کا جواب تحقیقی تو ابھی بیان ہو چکا الزامی جواب یہ ہے کہ یہ تو آپ بھی مانتے ہیں کہ جنت میں ایک شخص دوسرے کو نظر آئے گا پس جب یہ ہے تو جسمانیت ثابت ہوئی...... انسان کے اعمال صالحہ ومعارف عمدہ عمدہ شکلوں میں ظہور کریں گے اور ان حور اور باغ اور نہروں کا یہی مسو ہے پس ان چیزوں کو دنیا کی چیزیں سمجھ کر اعتراض کرنا اور اہل اسلام کا یہی جسمانی اور مجازی بہشت قرار دینا بڑی غلطی ہے (از تفسیر حقانی پارہ الم ص ۷۰ تا ۷۲)

**اقول** اس سے زیادہ تسلی بخش جواب یہ ہے جنت کی حور وقصور کی امید انسانی خیالات کو گندہ نہیں کرتی بلکہ آخرت میں ان خواہشات کی تکمیل کی امید سے دنیا میں انسان میں نیکی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان کی اللہ نے خبر دی ہے اور یہ بھی بتایا کہ یہ نعمتیں تب ملیں گی جب انسان ایمان لائے اور نیک اعمال کرے اس لئے اس کے اثرات کبھی گندے نہیں ہو سکتے اگر تم کہو کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں تو قرآن جیسی کتاب لا کے دکھا دو۔ اس کے برعکس جب تم کہتے ہو آخرت میں ان خواہشات کی تکمیل نہ ہوگی انسان وہاں فرشتوں کی طرح ہوگا (متی باب ۲۲: ۳۰) تو انسان سوچتا ہے یہیں ان کی تکمیل کر لوں۔ اس کے سوچنے سے انسان کی خواہشات ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ مزید ابھرتی ہیں۔

## ﴿حضرت نانوتویؒ کی تحقیق﴾

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ نے ہندوؤں کا رد کرتے ہوئے بھی اس پر بحث کی اور عیسائیوں کو جواب دیتے ہوئے بھی۔ آپ جان چکے ہیں کہ علاقہ رڑکی میں پنڈت دیانند سرسوتی نے اسلام پر جو اعتراضات کئے اس کے جوابات حضرتؒ نے انتصار الاسلام میں دیئے۔ اور عیسائیوں کے اعتراض کا جواب حضرتؒ نے اپنے ایک مکتوب میں دیا جو فرائد قاسمیہ میں موجود ہے۔ انتصار الاسلام میں ہندوؤں کا اعتراض نقل کرتے ہوئے: ﴿اعتراض پنجم مرد اور عورت کی جزا وسزا اور تعدد ازدواج پر ضمنی تبصرہ﴾

مسلمان کہتے ہیں کہ جو کوئی روزہ کسی کا افطار کرا دے تو جنت میں اس کے انعام میں ستر حوریں ملیں گی تو چاہئے کہ جو کوئی عورت کسی کا روزہ افطار کرا دے تو اس کو ستر مرد اس کے انعام میں ملیں۔ [اس کے بعد جوابات ارشاد فرماتے ہیں]

(باقی آگے)

ہے" کسی نے کہا" جَھَنَّمُ کَبِیْرَۃٌ جِدًّا " کسی نے کہا" اِنَّ جَھَنَّمَ اَکْبَرُ شَیْءٍ " کسی نے کوئی اور جملہ کہا یہ عالم کہیں کوئی اور جملہ بناؤ کوئی اور بناؤ جب وہ بنا بنا کر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

﴿جواب اول﴾

اظہار کرانے کے انعام میں ستر حوروں کا ملنا اہل اسلام کی کسی کتاب میں دیکھا نہ سنا، اور عورتوں کو سوا ایک خاوند کے دوسرا نہ ملے گا۔ غرض جس طرح دنیا میں اہل اسلام کے نزدیک عورتوں کا تعدد ایک مرد کیلئے روا ہے، اور مردوں کا تعدد ایک عورت کیلئے روا نہیں اسی کے موافق بہشت میں بھی انعام ملے گا سو اگر قابل اعتراض ہے تو وجہ اعتراض کی بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ عورتوں اور مردوں کو برابر رکھنا چاہئے تھا یہ فرق کیوں؟ مگر وجہ برابری کی سوا اس کے اور کیا ہوگی کہ بروئے عقل ہر حکم میں عورت اور مرد کی برابری ضرور ہے یا یوں کہئے نیک کاموں کے انعام میں جو کچھ انعام مردوں کو ملے وہی انعام عورتوں کو ملنا چاہئے کیونکہ انعام تو کام کی قیمت ہے جب مردوں کیلئے ایک نرخ نکل چکا ہے تو وہی قیمت عورتوں کو بھی دلانی چاہئے۔

اگر وجہ اعتراض تساوئ احکام ہے تو لازم یوں ہے کہ بقیاس کثرت ازواج شری کرشن وغیرہ پنڈت جی عورتوں کو بھی کثرت ازواج کی اجازت دیں جب دونوں احکام میں تساوی الاقدام ہیں تو پھر عورتوں نے کیا قصور کیا ہے جو ان کو سوا ایک خصم کے اور دوسرے کی اجازت نہ ہو اور مردوں کا کثرت ازواج جائز ہو۔

اگر وجہ اعتراض یہ ہے کہ قیمت خدمت اور انعام کام برابر ہونا چاہئے کام کرنے والا، اور خدمت بجالانے والا کوئی ہو مرد ہو یا عورت اس فرق سے قیمت میں فرق مناسب نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کی اجازت بغرض رفع ضرورت ہے اگر قیمت اور انعام میں فرق کرنا مخالف عدل و انصاف ہے تو ایک کی ضرورت کے رفع کرنے میں اتنی عنایت اور ایک ضرورت کے رفع کرنے میں اتنی کفایت بھی مخالف کرم و اخلاق ہے۔ عدل و انصاف اگر منجملہ صفات خدا ہے تو کرم و اخلاق اور رحمت و الطاف اس سے بھی پہلے اس کی صفتیں ہیں پھر کیا یہ اخلاق و الطاف ہیں کہ ایک پر تو دوسرے کے سامنے یہ عنایت ہو اور دوسرے سے یہ کم توجہی اور بے نیازی۔ اگر ایک کو دوسرے کے حال کی اطلاع نہ ہو تو بوجہ بے خبری چنداں اندیشہ دل شکنی نہیں جو لطف و کرم اور رحمت پر کچھ بڑا اعتراض ہو پر درصورت اطلاع عام یہ فرق عام ہرگز مناسب شان خداوندی نہیں۔

مگر شاید پنڈت جی اس فتوے میں متامل نہ ہوں اس لئے کہ بیاس جیو نے دردپدی کو راجہ جدہشتر بھیم سین، ارجن، نکل، سہدیو پانچ بھائیوں کے حوالے کر دیا تھا اور کرشن جی نے اس میں کچھ چون وچرا نہ فرمائی تھی۔ لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اول تو تمام مذاہب یہاں تک کہ بروئے دھرم شاستر خود مذہب ہنود اس کے مخالف۔ ادھر تمام علماء اور حکماء اور عقلاء کو یہ امر ناپسند۔ وجہ ناپسندی معلوم نہ ہو تو سنئے۔

مرد کو یک وقت تعدد ازواج کیوں جائز ہے اور عورت کو کیوں ممنوع؟

عورت اولاد کے حق میں ایسی ہے جیسے زمین پیداوار کے حق میں مگر پیداوار کو تو بوجہ تشابہ اجزاء برابر بانٹ سکتے ہیں اس لئے اس شرکت میں کچھ حرج نہیں پر ایک عورت اگر چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح اول ہر دم ہر کسی کو استحقاق قضائے حاجت۔ اس صورت میں اول تو اسی وجہ سے اندیشہ فساد و عناد ہے شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو۔ دوسرے بعد نکاح اگر بوجہ استحقاق مذکور سب اپنا مطلب نکالتے رہیں تو درصورت تولد فرزند واحد فرزند کو تو پارہ پارہ نہیں کر سکتے جو اس طرح تقسیم کر کے ہر کوئی ساتھ لے جائے اور متعدد فرزند ہوں تو بوجہ اختلاف ذکورت و انوثت و تفاوت شکل و صورت و تباین خلق و سیرت و فرق قوت و ہمت موازنہ ممکن نہیں جو ایک ایک کو لے کر اپنے اپنے دل کو سمجھالیں۔ پھر بوجہ تساوئ محبت جملہ اولاد یہ دوسری دقت رہی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور ہوگا جتنا اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑے گا پھر اس وجہ سے خدا جانے کیا کیا فتنہ برپا ہو۔ غرض بہر طور اس نظام میں خرابیٔ نظام عالم تھی۔

ہاں اگر ایک مرد ہو اور متعدد عورتیں ہوں تو جیسے ایک کسان اپنی متعدد کھیتوں اور زمینوں میں تخم ریزی کر سکتا ہے ایک ہی ایک مرد بھی متعدد عورتوں سے بچے جنوا سکتا ہے پھر اس کے ساتھ اور کوئی خرابی نہیں عورتوں کے رنج سے چنداں اندیشہ نہیں، قتل و قتال کا کچھ خوف نہیں القصہ ایک عورت کا پانچ پانڈوں کے نکاح میں ہونا سامان دامن گذاری نہیں بلکہ اس صورت میں الٹا پنڈت جی اور ان کے دین کے بڑے پیشواؤں پر اعتراض واقع ہوگا۔

﴿جواب ثانی﴾

انعام میں راحت کے سامان اور اعزاز و اکرام کے اسباب تو دیئے جاتے ہیں پر رنج و کلفت کے سامان اور تحقیر و توہین کے اسباب انعام میں نہیں دیئے (باقی آگے)

خاموش ہوگئے تو اس عالم نے کہا اب سنو قرآن نے اس کو کس طرح ادا کیا قرآن نے کہا ہے: يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ (ق:۳۰)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جاتے یہ چیزیں سزا کے لئے ہوتی ہیں جب یہ بات دل نشین ہوچکی تو اب سنئے بہشت میں جو کچھ ہوگا بطور انعام وجزاء ہوگا اگر وہاں ایک مرد کو متعدد عورتیں ملیں تو اعزاز واکرام بھی ہے اور راحت وآرام بھی۔ اور ایک عورت کو متعدد خاوند ملیں تو راحت وآرام تو کچھ زیادہ نہ ہوگا خاص کر اس صورت میں جبکہ مرد کی قوت سب عورتوں کی خواہشوں کے برابر یا کم زیادہ بڑھادی جائے جیسے اہل اسلام کی روایات اس پر شاہد ہیں کیونکہ اس صورت میں آرام اور راحت ہرگز زیادہ نہ ہوگا پر بجائے اعزاز واکرام الٹی تحقیر وتذلیل وتوہین ہوگی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عورت موافق قواعد اہل اسلام محکوم اور مرد حاکم ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو وہ مالک ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کو مالک کہتے ہیں اور کیونکر نہ کہیں باندیاں تو مملوک ہوتی ہیں بیبیاں بھی بدلیل مہران کی خریدی ہوئی ہوتی ہیں وہاں اگر اعتاق [آزاد کرنا] ہے تو یہاں طلاق ہے یعنی جیسے باندی غلام باختیار خود قید غلامی سے نہیں نکل سکتے ہاں مالک کو اختیار ہے وہ چاہے تو آزاد کردے ایسے ہی عورت کو باختیار خود قید خاوند سے رہا نہیں ہوسکتی البتہ خاوند کو اختیار ہے چاہے تو طلاق دے دے جیسے باندی غلام کا نان نفقہ مالک کے ذمہ ہوتا ہے ایسے ہی عورت کا نان نفقہ خاوند کے ذمہ ہے جیسے مالک ایک، اور غلام باندی کئی کئی ہوتے ہیں ایسے ہی خاوند ایک اور عورتیں کئی کئی ہوتی ہیں۔

[اس شبہ کا جواب کہ: اگر خاوند بیوی کا مالک ہے تو اس کو بیچ کیوں نہیں سکتا]

بالجملہ عورتیں موافق قواعد اہل اسلام مملوک اور محکوم، اور خاوند مالک اور حاکم ہوتا ہے اور خاوند کی طرف سے بیع وہبہ کا نہ ہوسکنا دلیل عدم الملک نہیں اگر یہ بات دلیل عدم الملک ہوا کرے تو خدا کا مالک ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ بیع وہبہ سے ملک کا منتقل نہ ہونا بعد ثبوت ملک (جس کا بیان ہوچکا) اسی طرح قوت ملک پر دلالت کرتا ہے جیسے خدا کی ملک کا منتقل نہ ہونا اس کی ملک کی قوت پر دلالت کرتا ہے جیسے خدا کی ملک کا منتقل نہ ہونا اس کی ملک کی قوت پر دلالت کرتا ہے اور اس وجہ سے شوہر کو در بارۂ مالکیت خدا سے مشابہت تام ہے [شاید اس لئے فرمایا کہ اگر اللہ کے سوا کسی سجدہ جائز ہوتا تو عورت کو حکم ہوتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ مشکوۃ ص ۲۸۲۔ راقم] ہرچند خدا کے ملک کے سامنے شوہر کی ملک برائے نام ہے اور پھر اس کے ساتھ خدا کی ملک ممتنع الانفکاک [جس کا چھوٹنا محال ہو] اور شوہر کی ملک بوجہ ثبوت طلاق ممکن الزوال مگر پھر بھی جس قدر خدا کی ملک سے شوہر کی ملک مشابہ ہے اس قدر اور کسی کی ملک مشابہ نہیں۔

الحاصل شوہر کی ملک میں کچھ کلام نہیں بلکہ اس کی ملک اوروں کی ملک سے قوی ہے وہ حاکم ہے اور عورت محکوم۔ اور ظاہر ہے کہ محکوموں کی تعداد اور ان کی کثرت موجب عزت ہے وہ بادشاہ زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے جس کی رعیت زیادہ ہو اور حکام کی کثرت موجب ذلت ہے۔ اور طریقہ تو حکام کی کثرت کا نہیں ہاں یہ صورت ہوتی ہے کہ نیچے سے اوپر تک جتنے حکام ہوں ان سب کا یا اکثر کا یا بعض کا محکوم ہو۔ عوام رعیت کو دیکھئے وہ سب کے محکوم ہوتے ہیں کسی کے حاکم نہیں ہوتے ان سے بڑھ کر کوئی ذلیل نہیں اور حکام ماتحت حکام بالادست کے تو محکوم ہوتے ہیں اور رعیت کے حاکم وہ رعیت سے معزز اور حکام بالادست سے ذلیل ہوتے ہیں اسی طرح اوپر تک چلے جاؤ۔ بادشاہ سب کا حاکم ہوتا ہے اور کسی کا محکوم نہیں ہوتا اس سے بڑھ کر کوئی معزز ہی نہیں ہوتا۔

اس صورت میں اگر کسی عورت کے متعدد خاوند ہوں تو اول تو یہ ایسی صورت ہوگی جیسے فرض کرو تن واحد ایک شخص تو رعیت ہو اور بادشاہ اور حاکم کثیر۔ سب جانتے ہیں کہ یوں نہیں ہوا کرتا۔ ایک ملکہ وکٹوریہ کی کروڑوں آدمی رعیت ہیں پر ایک ایک رعیت کے آدمی کیلئے کروڑوں ملکہ نہیں غرض برابر کے درجہ کے متعدد آدمی نہیں ہوسکتے دوسرے خاوند متعدد ہوں گے تو یوں کہو کہ حاکم متعدد ہوں گے اور حاکم متعدد ہوئے تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت زیادہ ہوگی سو یہ تحقیر اور تذلیل اور توہین عورت کے حق میں اگر جائز ہوتی تو دنیا میں شاید کسی مذہب میں اس کی اجازت ہوتی مگر بہشت میں جو جائے عزت وآرام ہے یہ صورت تحقیر ہرگز ممکن الوقوع نہیں۔

ہاں اگر ایک خاوند سے رفع ضرورت متصور نہ ہوتی یا لذت میں کمی رہتی تو اس وقت شاید بنا چاری ان کیلئے یہ امر تجویز کیا جاتا مگر روایات صحیحہ اہل اسلام اس پر شاہد ہیں کہ ایک ایک مرد کو بہشت میں اتنی قوت ہوگی کہ علی الاتصال تیس تیس عورتوں کے پاس جاسکے۔ بالجملہ ایک خاوند تو بغرض رفع ضرورت ضروری ہے اس سے زیادہ میں ضرورت تو کچھ نہیں البتہ تحقیر وتذلیل زنان جنتی ہوگی اور ظاہر ہے کہ جنت جائے اعزاز واکرام ہے موقع تحقیر وتذلیل نہیں۔

اس تقریر سے صاف روشن ہوگیا کہ اہل اسلام کے قواعد پر تو یہ اعتراض واقع نہیں ہوسکتا ہاں اور مذہبوں کے قواعد کے مطابق اگر یہ اعتراض واقع ہو تو (باقی آگے)

’’جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر گئی تو وہ کہے گی کیا اور بھی ہے‘‘ اس پر وہ مان گئے کہ واقعی قرآن کی تعبیر بے مثال ہے۔ نہ یہاں تک کسی کا ذہن گیا، اور نہ اس سے بہتر کوئی تعبیر۔ لہٰذا قرآن کا یہ دعویٰ درست ہے کہ کوئی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتا۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کچھ دور نہیں بالخصوص ہنود کے قاعدہ دینی کے موافق۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نہ ان کے ہاں مہر جو دلیل خریداری ہو نہ ان کے ہاں طلاق جو بدلیل امکان زوال ملک، خاوند کی ملکیت ثابت ہو۔ اور جب ملک نہ ہوئی تو معاہدہ نکاح میں زن وشوہر دونوں تساوی الحقوق ہوئے اور مراتب میں ہم سنگ یک دگر ہوئے اور مثل بائع ومشتری واجیر ومستاجر ایک دوسرے کا مالک نہ ہوا اس لئے اگر مردوں کو کثرت ازدواج جائز ہے (چنانچہ دلیل عقلی جو معروض ہو چکی ہے اس پر شاہد ہے اور شری کرشن وغیرہ کی رانیوں کی کثرت ہنود کے مقابلہ میں عمدہ دلیل ہے) تو عورتوں کو بھی ان کے قواعد کے مطابق کثرت ازدواج جائز ہوگی پھر اس پر درو پدی کا پانچ بھائیوں سے ایک ساتھ دنیا میں بانی مذہب ہنود مؤلف بید بیاس جی کے فتوے سے شری کرشن کے روبرو نکاح کا ہونا اس کی تصدیق پر، اور ادھر بہشت میں اور بسی کا ہر کسی سے ہم آغوش ہونا (چنانچہ من پرب پرب سوم مہابھارت میں موجود ہے) اس کی تائید پر۔ غرض دنیا میں بھی عورتوں کیلئے کثرت ازدواج کے جواز کے واسطے عمدہ دلیل اور بہشت میں بھی عورتوں کیلئے مردوں کی کثرت کے واسطے عمدہ نظیر۔

اس صورت میں معلوم نہیں پنڈت جی نے کس منہ سے یہ اعتراض اہل اسلام پر کیا تھا مگر ہاں شاید پنڈت جی یا ان کتابوں کو معتبر نہ سمجھے ہوں جن میں درو پدی کے نکاح کا قصہ پانچ بھائیوں کے ساتھ مرقوم ہے اور بسی کی ہم آغوشی کا ذکر ہر کسی سے مسطور ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے دین کے اس قاعدہ کے موافق اہل اسلام کے دین میں کیوں نہیں۔ اگر وجہ اول موجب جرأت اعتراض ہے تو اس کا جواب تو یہ ہے کہ جس کتاب کو تمام علمائے ہنود معتبر سمجھتے ہوں وہ فقط آپ کے کہنے سے غیر معتبر نہیں ہو سکتی کتاب دینی کا معتبر غیر معتبر ہونا، یا روایات کے قوت وضعف وصحت وعدم صحت پر موقوف ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ امر نقل ہے عقل کو اس میں دخل نہیں اس میں ہر کسی کو محققین سلف کا اتباع ضرور ہے اور یا مضامین کتاب اور مسلمات اہل دین کے توافق اور عدم توافق پر موقوف ہوتا ہے سو اہل دین ہنود میں شری کرشن اور بیاس جی نے فتویٰ دیا اور شری کرشن نے اس کو روا رکھا اور منع نہ کیا۔ اور اگر وجہ اعتراض امر دوم ہے تو اس کا جواب معروض ہو چکا جس سے یہ آشکارا ہو گیا کہ قاعدہ اہل اسلام صحیح ہے اور قاعدۂ ہنود غلط۔ (انتصار الاسلام ص ۳۱ تا ص ۳۷)

## جنت میں نکاح کے ہونے پر پادریوں کا اعتراض اور حضرت نانوتوی کا جواب

کتاب ’’فرائد قاسمیہ‘‘ میں حضرت کا ایک مکتوب ہے جس کا عنوان ہے جواب اعتراض پادریان در بارہ تعدد نکاح وتعدد زنان در جنت۔ اس میں سلام دعا کے بعد فرماتے ہیں:

بہت سے محکوموں کا ہونا اسباب عزت میں ہے اور کثرتِ حکام موجب ذلت میں سے۔ بادشاہ کی نسبت سب محکوم ہیں وہ سب میں معزز ہوتا ہے اور رعیت کے حق میں چوکیدار اور کانسٹبل سے لے کر بادشاہ اور لاٹھ تک سب حاکم ہوتے ہیں وہ سب میں ذلیل سمجھے جاتے ہیں اس صورت میں اگر کسی ملازم کو نیچے کے عہدے سے بڑھاتے بڑھاتے گورنری اور سلطنت تک پہنچا دیں تو ہر نوبت میں بوجہ افزائش حکومت وقلت رعیت عزت کو ترقی ہوگی اور اگر سلطان وقت کو گھٹاتے گھٹاتے عوام الناس رعیت میں داخل کر دیں تو ہر تنزل میں بوجہ نقصان حکومت وکمی رعیت ذلت وخواری کو زیادتی ہوگی۔ غرض رعیت کے حاکم بہت ہوتے ہیں اور بادشاہ کے محکوم زیادہ ہوتے ہیں وہ سب میں زیادہ معزز، یہ سب میں زیادہ ذلیل ہوتے ہیں۔

یہ مضمون دلپذیر جب دلنشین ہو چکا تو اور سنئے مسلمانوں کے طور پر تو زوج حاکم ہوتا ہے اور زوجہ محکوم اور نصرانیان زمانۂ حال کے طور پر عورت حاکم ہوتی ہے اور خاوند محکوم۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلمانوں میں خاوند کی طرف سے مہر ہوتا ہے عورت کی طرف سے کچھ نہیں ہوتا، مرد کو اختیارِ طلاق ہوتا ہے عورت کو نہیں ہوتا، مرد خود مختار ہوتا ہے عورت نہیں ہوتی مرد کہیں آنے جانے میں عورت کی اجازت کا محتاج نہیں عورت اپنے آنے جانے میں مرد کی اجازت کی محتاج۔ ایک مرد چار عورت تک نکاح میں لا سکتا ہے عورت ایک سے زیادہ سے نکاح کی مجاز نہیں۔ اور نصرانیان زمانۂ حال کے طور پر نہ مرد کی طرف سے مہر ہے نہ اس کو اختیارِ طلاق ہے۔ عورت خود مختار کیا، فعل مختار ہوتی ہے۔ مرد کو ایک سے زیادہ کی اجازت نہیں۔

ان امور کو دیکھنے سے مسلمانوں کے طور پر خاوند کی حکومت اور عورت کی محکومی ظاہر ہوتی ہے۔ مرد کی وحدت اور عورتوں کی کثرت سے یہ بات عیاں ہے کہ مرد محکوم نہیں اگر ہے تو عورت ہی محکوم ہے کیونکہ حاکم ایک ہوتا ہے نہ محکوم۔ ہاں محکوم البتہ متعدد ہوا کرتے ہیں چنانچہ مشاہدۂ احوال سلاطین ورعایا سے ظاہر ہے مرد کی خود مختاری (باقی آگے)

امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ سبق کے دوران فرمایا کہ میں نے ایک کتاب لکھی تھی "عیسائیت کا پس منظر" اس میں میں نے لکھا تھا عیسائیوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کی کتاب کس زبان میں تھی فرماتے ہیں ایک دفعہ گکھڑ کچھ لوگ میرے پاس آئے کہنے لگے ہم

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور عورت کی بے اختیاری تو ہر کوئی جانتا ہے کہ بے حکومت مرد محکومی عورت درست نہیں ہوسکتی مرد کی طرف سے طلاق کا ہونا اور عورت کی طرف سے نہ ہونا اس بات پر شاہد ہے کہ مرد صاحب رعیت ہے اور عورت منجملہ رعیت۔ آخر یہی اختیار صاحب رعیت کو اپنی رعیت کے متعلق ہوا کرتا ہے جب چاہے صاحب رعیت اپنی رعیت کو اپنے مکان سے باہر کردے۔

علیٰ ہذا القیاس آقا کو بہ نسبت نوکر اور مالک کو بہ نسبت غلام یہی اختیار ہوتا ہے۔ مولیٰ جب چاہے غلام کو آزاد کردے پر غلام بطور خود آزاد نہیں ہوسکتا۔ بادشاہ جس وقت اور جب چاہے نوکر کو موقوف کردے پر نوکر بے قبول استعفاء نوکری نہیں چھوڑ سکتا۔ رہا مہر وہ دلیل خریداری ہے جس سے مالکیت زوج کا تسلیم کرنا ضرور ہوجاتا ہے ہاں اتنی بات ہے کہ جیسے اپنے اقرباء کی خریداری کے بعد ان کی بیع کا اختیار نہیں رہتا ایسے ہی بعد خریداری زوجہ زوج کو اس کی بیع کا اختیار نہیں رہتا جیسے چھت کی کڑیوں کو باوجود چھت میں لگے رہنے کے بیع نہیں کرسکتا ایسے ہی زوجہ کو باوجود زوجہ ہونے کے بیع نہیں کرسکتا البتہ وجہ ممانعت ہر جا جدی جدی ہے چھت کی کڑیوں کو قبل انفصال تسلیم نہیں کرسکتا پھر بیع کرے تو کیونکر کرے اپنے اقرباء مملوک ہوتے ہی آزاد ہوجاتے ہیں پھر بیع کیجئے تو کس کو کیجئے اور زوجہ کی بیع کا مانع کا مانع وہی امر ہے جو مانع تعدد ازواج اور سبب امتناع نکاح وقت عدت ہے۔

اس کی اطلاع مدنظر ہے تو سنئے بشہادت جملہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ مقصود اصلی عورتوں سے اولاد ہے درصورت تعدد ازواج واجتماع چند شوہر اشتراک اولاد لازم آئے گا، اور تقسیم کی کوئی صورت نہ نکلے گی کیونکہ اول تو یہ ضرور نہیں کہ بقدر تعدد ازواج ہی اولاد ہو، اور ہو بھی تو سب شکل وصورت وہنر وکمال ومزاج وسیرت میں یکساں ہوں دوسرے اولاد کی تقسیم جب ہوسکے جبکہ محبت کی تقسیم ہوسکے وہ ممکن نہیں یہ کیونکر ہو مگر تعدد ازواج کی صورت میں جیسی یہ دشواری ہے وقت عدت نکاح کیا جائے تو جب بھی یہی احتمال اشتراک نسب ہے کیونکہ وجہ تقرر عدت یہی ہے کہ کسی کے حمل میں کسی کا نطفہ شریک نہ ہوجائے اگر بجرد طلاق وموت خاوند دوسروں سے نکاح کی اجازت ہوتو ہوسکتا ہے کہ ایک ساعت پیشتر پہلے شوہر سے اتفاق مجامعت ہوا ہو اور اس کا نطفہ رحم زن میں ٹھہرا ہو، اور دوسری ساعت میں شوہر ثانی سے اتفاق ہوا اور اس کا نطفہ قرار پاوے اس لئے اس عورت کی عدت جس کو وقت مفارقت یا موت شوہر حمل معلوم ہوتا ہے یا اثناء عدت میں حمل ظاہر ہوجائے فقط وضع حمل مقرر ہوئی خواہ ایک ساعت بعد اتفاق وضع ہو یا مدت دراز کے بعد۔

اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ متعہ اور نکاح موقت بھی جائز نہیں ہوسکتے کیونکہ اس صورت میں عورت مدت معینہ کے لئے اجیر ہوگی سو جیسے بعد اختتام مدت اجارہ اور اجیروں کو دوسروں سے عقد اجارہ کا اختیار ہوتا ہے ایسے ہی بجرد انقضاء مدت متعہ ونکاح اس کو اختیار ہوگا چنانچہ مجوزان متعہ ونکاح موقت کے نزدیک متعہ اور نکاح موقت میں عدت کا نہ ہونا بھی اس پر شاہد ہے مگر اس صورت میں درصورت نکاح بجرد انقضاء مدت متعہ ونکاح موقت وہی امکان قربت زوجین ایک دو ساعت کے پس وپیش میں لازم آئے گا جس سے احتمال اختلاط نطفتین اور اشتراک نسب کا کھٹکا پیدا ہوگا مگر جب وجہ ممانعت تعدد شوہر ونکاح وقت عدت احتمال اشتراک نسب ہے تو بیع زوجہ بھی کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی ورنہ بجرد بیع جیسے اور مبیعوں میں مشتری کو اختیار تصرف ہوتا ہے اسی طرح مشتری زوجہ کو بھی زوجہ پر تصرف کا اختیار ہوگا اور اس صورت میں یہ ممکن ہوگا کہ ایک ساعت پیشتر بیع سے زوج اول سے مباشرت کا اتفاق ہوا ہو، اور ایک ساعت بعد بیع سے شوہر ثانی کو اتفاق قربت ہوا اور دونوں کا نطفہ مشترک ہوجائے اور اشتراک نسب اور اختلاط ولدیت لازم آئے۔

بالجملہ مہر دلیل خریداری ہے جس سے زوجہ کا مملوک ہونا ثابت ہوتا ہے پر باوجود مملوکیت اس کا بیع نہ کرسکنا ایک امر خارجی کے باعث ہے مقتضاء اصل عقد نہیں اس تقریر سے زنان اہل اسلام کا محکوم شوہر ہونا تو بوجہ اتم ظاہر ہوگیا زنان نصرانیان زمانہ حال کا حاکم ہونا بھی سن لیجئے مہر وطلاق وغیرہ امور مذکور کا نہ ہونا اس امر کیلئے تو دلیل کامل ہے کہ وہ محکوم شوہر تو نہیں پر ان کے حاکم ہونے کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ اگر اتفاق مفارقت بوجہ ناخوشی ہوجائے تو عورت کہیں بیٹھی ہو، پر مثل خراج سلطانی (باقی آگے)

عیسائیوں کے پادری ہیں آپ نے یہ بات لکھی ہے ہم سب متفق ہو کر کہتے ہیں کہ ہماری کتاب فلاں زبان میں نازل ہوئی تھی حضرتؒ نے فرمایا آپ لوگ جو کچھ کہتے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شوہر کے ذمہ زرِ مقررہ کا پہنچانا ضرور ہوگا، اُدھر قوانین حسن معاشرت نصرانیانِ زمانۂ حال کو دیکھئے تو جس قدر مردوں کے ذمہ مدارات زنان ہے اس قدر عورتوں کے ذمہ مراعات مزاج مرداں نہیں اگر یوں کہئے کہ نصرانیان زمانۂ حال بوجہ کمال شفقت زوجہ کو مثل اولاد سمجھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بجاء پر اولاد پر منصب حکومت بھی حاصل ہوتا ہے عورتوں پر حکومت کا نہ ہونا اس پر شاہد ہے کہ نصرانیانِ زمانۂ حال اپنی ازواج کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں اور وہ زیادتی یہ ہے کہ اولاد محکوم بھی ہوتی ہے ازواج محکوم تو کیا الٹی حاکم ہوتی ہیں اور کیوں نہ ہوں بوجہ کمال حسن و جمال محبوبیت میں یکتا ہوتی ہیں اور اہل محبت جانتے ہیں کہ محبوبیت اسباب کمال حکومت میں سے ہے۔

بالجملہ زنان اہل اسلام اپنے شوہروں کی محکوم ہیں اور زنانِ نصرانیان زمانۂ حال اپنے خاوندوں کی حاکم اور ظاہر ہے کہ جنت میں جو کچھ ہوگا انعام و اکرام ہوگا سو حکام کی زیادتی تو انعام و اکرام کی اقسام سے ہو ہی نہیں سکتی البتہ محکوموں کی کثرت از قسم انعام و اکرام ہے اس لئے مردان اہل اسلام کو تو بالضرور چار سے زیادہ پر حکومت ملے گی اور زنان اہل اسلام پر ایک شوہر سے زیادہ کوئی حاکم نہ ہوگا پر نصرانیانِ زمانۂ حال کے حق میں بفرض محال اگر مغفرت نصیب ہو بھی تو معاملہ بالعکس ہوگا عورتوں کے لئے ایک شوہر سے زیادہ بہت شوہر محکوم ملیں گے اور مردوں پر ایک عورت سے زیادہ اور کوئی عورت حاکم نہ ہوگی۔

اور اگر بالفرض والتقدیر مسلمانوں کے سامنے نصرانیان زمانۂ حال بوجہ شرم و خجالت عورتوں کی حکومت اور مردوں کی محکومیت میں کچھ گفتگو کریں یا انکار کر بیٹھیں تو اس کا کیا جواب کہ حاکم نہیں تو محکوم بھی نہیں محکوم ہونے میں ہرگز مجال دم زدن نہیں اس صورت میں مرد و زن ایک دوسرے کے حق میں مثل دیگر لذائذ و نعماء ہوں گے سو جیسے لذیذ کھانے اور شربت، پاکیزہ عمدہ پوشاکیں اور عمدہ سواریاں کسی کو بکثرت عنایت ہوں گی ایسے ہی یہ لذت کے سامان بھی زنان نصرانیان زمانۂ حال کو بکثرت میسر آئیں گے اور اس بات میں مرد و زن دونوں برابر رہیں گے کیونکہ جیسے عورت مرد کے لئے سامان لذت و راحت ہے ایسے ہی مرد عورت کیلئے سامان لذت و راحت ہے ہاں یہ عذر کریں تو بجا ہے کہ ہمیں جنت ہی نصیب نہ ہوگی باقی یہ عذر کہ جنت میں یہ سامان ہی نہ ہوں گے اہل عقل کے نزدیک گوزِ شتر سے کم نہیں [یعنی بالکل بے اثر ہے۔ راقم] کیونکہ یہ سامان اگر شان خلاق قدوس کے مناسب نہ تھے تو دنیا میں کیوں پیدا کئے بلکہ مناسب یوں تھا کہ اگر پیدا ہی کرنا تھا تو جنت میں پیدا کرنا تھا دنیا میں ان سامانوں کو پیدا کرنا مناسبت نہ تھا وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا دارِ عبادت ہے اور جنت خانۂ راحت۔ یہ سامان عبادت میں حارج ہیں راحت میں حارج نہیں بلکہ خود سامانِ راحت ہیں۔

علاوہ بریں کوئی شخص باختیار خود اپنی محبوبات اور مرغوبات سے جب تک دست بردار نہیں ہو سکتا جب تک اس کہ ان سے بہتر کی امید نہ ہو کسان غلہ کو زمین ڈال کر اسی امید پر خراب کرتا ہے کہ اس سے زیادہ کی امید ہے اور تاجر اپنا روپیہ بائع مال اسباب کو جبھی دے سکتا ہے جب اس مال کی بکری پر اتنے مال کے روپے کے حصول کی توقع ہو، اور ظاہر ہے کہ زیادہ کم ہونے کے لئے ضرور ہے کہ کم و زیادہ باہم ایک نوع کے فرد ہوں اور دونوں ایک قسم میں سے ہوں مقادیر متصلہ اور مقادیر منفصلہ میں کمی زیادتی کا ایک دوسرے کی نسبت اطلاق درست نہیں۔ علی ھذا القیاس وزن اور مساحت میں ایک دوسرے کی نسبت کمی زیادتی کے اطلاق کی کوئی صورت نہیں۔ جسم کی زیادتی اور ہے اور گرمی سردی کی اور، سیاہی سفیدی کی اور، نور ظلمت کی اور، خوشبو اور بدبو وغیرہ کی زیادتی کمی اور، ایک دوسرے سے کچھ نسبت نہیں ایک کو دوسرے کی نسبت کم زیادہ نہیں کہہ سکتے اور ظاہر یہ بھی ہے کہ انعام کے وعدہ پر کسی بدکام کا ترک کرانا اس پر شاہد ہے کہ تارک کارِ بد اپنے اس کار بد کو جو اس کا محبوب ہے باختیار خود ترک کرتا ہے بلکہ عذاب کی دھمکی بھی اہل عقل کے نزدیک دلیل اختیار ہے اگر اختیار نہ ہو تو دھمکانے کے کیا معنی؟ جیسے اینٹ پتھر کو ہم ہلاتے پھینکتے ہیں اسی طرح اگر حال بشر بھی ہوتا تو نہ وعدۂ انعام کی کوئی صورت تھی نہ وعید عذاب کی کوئی شکل اس صورت میں خواہ مخواہ یہ ماننا پڑے گا کہ تارکان لذائذ دنیا کے لئے جو باختیار خود حسب فرمان واجب الاذعان حضرت خالق چھوڑتے ہیں اسی قسم کی لذتیں بلکہ ان سے بہتر جنت میں عطا ہوں۔

بالجملہ نصرانیان زمانۂ حال مسلمانوں کے سامنے اس مقدمہ میں دم نہیں مار سکتے ہاں اگر متبعان تعلیم عیسوی جن کا اب پتا نہیں اور بوجہ تحریف سب ضائع ہوگئی اگر کچھ کہتے تو مضائقہ نہ تھا مگر ان کے انکار حکومت سے ہم کو اندیشہ بھی نہ تھا۔ وہ ہم پر بوجہ اتحادِ مشرب معترض بھی نہیں ہو سکتے واللہ اعلم بالصواب (فرائد قاسمیہ ص ۹۷ تا ص ۱۰۴)

<u>اشکال:</u> اس کی آسان وجہ کیا ہے کہ دنیا میں مردوں کو تعدد ازواج کی اجازت ہے عورتوں کو کیوں نہیں؟

<u>جواب:</u> نکاح کا مقصد اولاد ہے اللہ کا نظام ایسا ہے کہ بچہ پیدا ہو یا بچی ولادت سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کی ماں کونسی ہے؟ ایک تو وضع کے وقت دائی وغیرہ (باقی آگے)

ہو مجھے لکھ کردے دو، دیں میں اس بارے میں پاکستان کے پادریوں کو بھی لکھتا ہوں اور دوسرے ملکوں کے پادریوں کو بھی کہ وہ کیا کہتے ہیں حضرتؒ نے فرمایا اس پر وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عورتوں کی وجہ سے دوسرے نفاس کے حالات کی وجہ سے مگر باپ پر ایسے کوئی حالات نہیں ہوتے۔ کتنی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ بچے کی پیدائش کے وقت اس کا باپ ہزار ہا میل دور ہوتا ہے اس کو بچے کے پیدا ہونے کی خبر بھی بہت دیر سے ملتی ہے۔ اس لئے شریعت کا حکم ہے کہ مرد سے نسب نکاح کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ اب اگر ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو جس بیوی سے بھی ہو اس کے خاوند کی طرف منسوب ہوگا۔ ماں تو وہی کہلائے گی جس نے جنا ہوگا۔ دوسری بیویاں اس بچے کی ماں نہ ہوں گی۔ اور اگر بالفرض ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہوں اور بچی اپاہج پیدا ہو تو ماں کا تو پتہ چل ہی جائے گا مگر بچے کا باپ کس کو مانیں گے ہر کوئی دوسرے پہ ڈالے گا۔

سوال: اس کی آسان وجہ جنت میں مردوں کو ایک سے زیادہ بیویاں ملیں گی عورتوں کو ایک سے زیادہ خاوند کیوں نہ ملیں گے؟

جواب: [۱] پہلے یہ پتہ نہیں کہ وہاں جانا ہوگا یا دوزخ میں۔ اگر اللہ جنت میں لے جائے اور ان شاء اللہ وہاں جائیں گے پھر تو ہر خواہش پوری ہوگی مگر مرد کی طلب ہوتی ہے ازواج کی کثرت، عورتوں کی طبیعت ایک تو زیب و زینت اور نئے نئے کپڑوں کی طرف ہوتی ہے پھر بن سنور کر انتظار میں بیٹھنا جس طرح شادی کے بعد بیٹھتی ہیں دوسرے عورتوں کی طلب ہے کہ مرد ضعیف نہ ہو وہاں اللہ دونوں کی چاہت پوری کریں گے عورتوں کو کپڑے بھی ملیں گے زیب و زینت کا موقع بھی ہوگا خاوند اس کے پاس چل کر جائے گا جنتی مردوں میں کسی قسم کا ضعف نہیں ہوگا۔ گویا جتنا وقت جنتی دوسری ازواج کے پاس لگائے گا اتنی دیر یہ بیوی تیاری کرے گی اور تیار ہو کر جنتی کے انتظار میں بیٹھے گی [۲] یہ بات یاد رکھیں کہ مرضی اللہ ہی کی چلتی ہے اللہ کے فیصلے پر اعتراض کر کے کون جیتے گا دعا کرو اللہ ہمیں جنت میں لے جائے باقی باتیں بعد کی ہیں وہاں قدم رکھنے کی جگہ ہی مل جائے تو غنیمت ہے دوزخ سے تو رہائی ہوگی۔ اعتراض کر کے دوزخ میں جانا ہوگا جہاں سوائے مار پیٹ اور جلنے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

## ﴿سوالات﴾

آیت ۲۳ تا ۲۵ کیلئے مناسب عنوان قائم کریں پھران کا ترجمہ وماقبل سے ربط لکھیں۔ نیز بتائیں کہ شیعہ نے آیت ۲۳ میں کسی طرح تحریف کا قول کیا؟ ☆ پنڈت دیانند سرسوتی نے آیت ۲۳،۲۴ پر کیا اعتراض کئے، جوابات بھی لکھیں اور پنڈت کے ترجمہ کی خرابی بھی بتائیں ☆ ثابت کریں کہ پنڈت قرآن کی مثل لانے سے عاجز رہا ☆ فیضی کی تفسیر کس طرح کی ہے؟ اور وہ قرآن کی مثل کیوں نہیں؟ ☆ دوزخ کی آگ کا درجۂ حرارت دنیا کے پیمانوں سے ناپا جاسکتا ہے یا نہیں اور کیوں؟ نیز محض دنیا کی آگ سے ڈرنا ایمان کا تقاضا کیوں نہیں؟ ☆ حدیث شریف سے قرآن کا سب سے بڑا اور دائمی معجزہ ہونا ثابت کریں ☆ قرآن کا وجود ختم نبوت کی دلیل ہے اس کو حضرت نانوتویؒ نے کس انداز میں سمجھایا؟ ☆ حضرت نانوتویؒ نے نبی ﷺ کے افضل ہونے سے آپ کے آخری ہونے کو کس طرح ثابت کیا حضرتؒ کا استدلال لکھیں پھر اس کو جدول کی شکل میں پیش کریں ☆ حضرتؒ کی اس عبارت کا مطلب تحریر کریں: ''ایسے ہی ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے'' ☆ قرآن کی مثل لانے کا چیلنج کن لوگوں کو ہے اور کل کی مثل لانے کا یا بعض کی مثل لانے کا، دلیل بھی دیں ☆ محمد عمار خان ناصر کی وہ عبارت پیش کریں جس میں وہ کہتا ہے کہ جو شخص قرآن کی مثل کا دعویٰ کرے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے ☆ اس کو ثابت کریں کہ عمار اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ''**فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ**'' میں صیغۂ امر کس معنی کیلئے ہے؟ ☆ ''**فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ**'' ضمیر مجرور کا مرجع کیا کیا ہوسکتا ہے؟ راجح کیا ہے؟ وجہ ترجیح بھی لکھیں؟ ☆ ثابت کریں کہ قرآن کا منشا یہ ہرگز نہیں کہ اس کی مثل لانے کی کوشش کی جائے اور یہ کہ قرآن کی مثل لانے کی کوشش کرنا قرآن کی تکذیب کے مترادف ہے ☆ کوئی کافر اپنے کلام کے بارے میں دعویٰ کرے کہ وہ قرآن کی مثل ہے ہم تنقید کے بعد اس کے مثل قرآن ہونے کی تکذیب کریں یا فوری طور پر اور کیوں؟ ☆ ''سُوْرَة'' کا لفظی معنی اور وجہ تسمیہ ذکر کریں ☆ قرآن کے بے مثل ہونے کی کوئی آسان دلیل ذکر کریں ☆ مرزا محمود نے: **اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا** کیا ترجمہ کیا؟ اور اس میں خرابی کیا ہے؟ ☆ مرزائیوں کی دوستی اور ان کی مجالست کے کچھ برے اثرات ذکر کریں ☆ عیسائی کہتے ہیں قرآن کی کچھ باتیں بائبل سے ماخوذ ہیں اس کا جواب لکھیں ☆ مرزے نے عیسیٰ علیہ السلام کی نیز منصبِ نبوت کی جو توہین کی اس کا پس منظر کیا ہے؟ ☆ محکمات اور متشابہات کا صحیح معنی کیا ہے اور مرزا محمود نے کیا لکھا؟ ☆ آپ ﷺ کیلئے سایہ کا ہونا روایات سے ثابت کریں اور یہ بھی ثابت کریں کہ اگر بالفرض آپ ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تو بھی یہ بشر نہ ہونے کی دلیل نہیں بنتی ☆ آپ ﷺ کے دندانِ مبارک سے شعاع کے نکلنے والی روایت علم حدیث کی رو سے کیسی ہے؟ باحوالہ ذکر کریں ☆ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: ''جو شخص ان ظاہری اوصاف کو دیکھ کر آپ ﷺ کو اپنی مثل سمجھے وہ حماقت میں کفار مکہ سے بڑھ کر ہے'' اس بات کا الزامی وتحقیقی جواب لکھیں ☆ حضرت نانوتویؒ کی وہ عبارت تحریر کریں جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ بشر ہونے کے باوجود ہر طرح ہماری مثل نہیں ☆ مسئلہ بشریت کے تحقیق لکھیں اور علامہ اقبالؒ کی شعر بھی پیش کریں ☆ ثابت کریں کہ ہم عقیدے کے اظہار کے وقت انبیاء علیہم السلام کو بشر کہتے ہوئے بھی نبوت یا رسالت کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں مفتی احمد یار خان کی موافقت بھی تحریر کریں ☆ فصاحت وبلاغت کی آسان تعریف کریں اور اس کا جواب دیں کہ نہ قرآن کا فصاحت وبلاغت میں بے نظیر ہونا من جانب اللہ ہونے کی دلیل اور نہ ہی اللہ نے فصاحت میں قرآن کی مثل لانے کا چیلنج دیا ☆ نبوت خدا کی طرف سے عہدہ ہے یا نبوت کوئی فطری ملکہ ہے ☆ کیا جنت ودوزخ صرف راحت وتکلیف کا نام ہے یا یہ موجود چیزیں ہیں اور کس دلیل سے ☆ مرزا قادیانی نے قرآن کے معجزہ ہونے کا انکار کر کے اپنے کلام کے معجزہ ہونے کا اعلان کس طرح کیا؟ ☆ کوئی شخص کہے قرآن کا اپنی مثل لانے کا چیلنج جاہل عربوں کو تھا جب ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا ان لوگوں کا اس کی مثل نہ لاسکنا قرآن کی صداقت کی دلیل نہیں ہوسکتا، آج کوئی اس قسم کا چیلنج دے تو ایک نہیں ہزاروں اس کا جواب دینے پر آمادہ ہوجائیں، اس میں نبی ﷺ کے زمانے کا ادب ہے یا اس کی توہین اور کس طرح؟ نیز اس کا جواب کیا ہے، اور مرزا قادیانی نے اس کے جواب میں کیا کیا؟ ☆ مرزے نے نثر ونظم میں چیلنج دے کر قرآن سے فوقیت کا دعویٰ کیسے کیا؟ ☆ ثابت کریں کہ مرزا نے چیلنج کی کتابیں منکرین قرآن کے خلاف نہیں قرآن کو ماننے والوں کے خلاف لکھی تھیں ☆ قرآن کو ماننے والوں کی طرف سے مرزا کے چیلنج کے جواب میں لکھی گئی کچھ کتابوں کے نام تحریر کریں ☆ ابن قیمؒ کی سورۃ الفاتحہ کی لکھی ہوئی مفصل تفسیر کا نام بتائیں ☆ مرزا کی دونوں اعجازی کتابوں میں کیا رکھا ہے؟ ﴿جواب﴾ مرزا کی ان دونوں کتابوں میں کفریات کی بھرمار ہے گویا یہ کتابیں فصاحت وبلاغت میں نہیں کفریات میں بے مثال ہیں کہیں قیامت کا انکار کر کے اپنے زمانے کو یوم الدین قرار دیا (روحانی خزائن ج ۱۸ص ۱۶۴) کہیں خود کو **اسمه احمد** [الصف:۶] اور اپنے مریدوں کو **كزرع اخرج شطأه** [الفتح:۲۹] اور **وآخرين منهم** [الجمعۃ:۳] کا مصداق بتایا (ایضاً ص ۱۲۷) جابجا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا اعلان کر کے خود کو نزول کی روایات کا مصداق بتایا ہے (ایضاً ۱۸۶) کہیں حضرت حسن حسین رضی اللہ عنہما سے فوقیت کا دعویٰ کیا (خزائن ج ۱۹ص ۱۶۴)

☆اس کو ثابت کریں کہ ایسی ابحاث مرزا کی اپنی تیار کردہ نہ ہوتی تھیں وہ ان میں دوسروں سے مدد لیتا ہے☆ اعجازِ قرآنی کو سمجھانے کیلئے علمائے اسلام کی خدمات کا کچھ تعارف کروائیں☆ کس عالم نے ہندوؤں اور عیسائیوں میں جا کر قرآن کے معجزہ ہونے کا اعلان کیا اور ان کو لا جواب کیا؟☆ اس کو ثابت کریں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ اعجازِ قرآنی کے سمجھانے میں بہت گہری بصیرت عطا فرمائی تھی☆ شاہجہانپور کے مباحثے تحذیر الناس سے پہلے ہوئے یا بعد میں نیز ان میں آپ نے آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اعلان کیا یا انکار؟☆ کتاب ''حجۃ الاسلام'' کا سبب تالیف کیا ہے؟ اس کے عنوانات کن کے قلم سے ہیں نیز اس کتاب سے سب انبیاءؑ پر ایمان، آپ ﷺ کی افضلیت، آپ کا آخری نبی ہونا نیز علوم میں اور فصاحت وبلاغت میں قرآن کے معجزہ ہونے کے بارے میں کچھ عبارات تحریر کریں☆ اعجازِ قرآنی کو سمجھانے کیلئے انتہائی عام فہم دلیل حضرتؒ نے جو بیان فرمائی وہ کیا ہے؟☆ حضرتؒ نے اور کن کتابوں میں اعجازِ قرآنی پر بحث کی ہے اور راقم نے ان کو کہاں کہاں نقل کیا ہے؟☆ کتاب ''قبلہ نما'' کا سببِ تالیف تفصیل سے لکھیں نیز یہ بتائیں کہ اس میں اصل سوال کے جواب کے علاوہ آپ نے اور کون کونسے موضوعات پر گفتگو فرمائی؟☆ ''قبلہ نما'' سے اعجازِ قرآنی اور خاتمیت رتبی وخاتمیت زمانی کی کچھ عبارات ذکر کریں☆ قرآن کے اسلوب کی انفرادیت اور چیلنج کا عظیم ہونا ہر کسی کو کیسے سمجھایا جاسکتا ہے؟☆ شہید فی سبیل اللہ کو شہید کیوں کہتے ہیں؟ ☆ پنڈت دیانند سرسوتی نے کلام خداوندی کی پہچان کیا بتائی مفتی احمد یا خان نے اس کا جو جواب دیا نقل کریں پھر حضرت نانوتویؒ کی خدمات کی فوقیت وانفرادیت ثابت کریں☆ اللہ تعالیٰ کا شہید ہونا کس معنی میں ہے؟ قیامت کے دن نبی ﷺ کی امتیوں کے حق میں گواہی کس طرح ہوگی؟ آیت کریمہ میں **وادعوا شھداء کم** کا کیا معنی ہے؟☆ قرآن کی مثل لانے کا چیلنج فقط عظمت بتانے کیلئے ہے یا اس کا کوئی اور بھی منشا ہے؟☆ **فان لم تفعلوا** کا مفعول کیا ہے اور قرینہ کیا؟ حضرت نانوتویؒ کا حوالہ بھی دیں☆ اس کو شواہد سے ثابت کریں کہ قرآن کی مثل لانے کا دعویٰ ہی مدعی کی شکست کی دلیل ہے☆ یہ ثابت کریں کہ قرآن جس معیار کی بات کرتا ہے اس سے اوپر بات ہو ہی نہیں سکتی☆ کسی واقعہ سے ثابت کریں کہ قرآن کی مثل کوئی کلام ہو نہیں سکتا☆ اس کو ثابت کریں کہ ''**الفرقان الحق**'' کے عیسائی مصنف نے قرآن کریم میں **فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ** کو تو دیکھ لیا مگر **مِنْ مِثْلِهٖ** کو چھوڑ گیا نیز اس کو بھی ثابت کریں کہ یہ پادری اپنی کتاب کو بائبل سے اعلیٰ مانتا ہے☆ کتاب کے حقوق محفوظ کرنا قرآن کی مثل ہونے کے خلاف کس طرح ہے؟☆ اس کو ثابت کریں کہ اس پادری کی کتاب میں سورتوں کے نام اور بہت سے جملے قرآن کریم سے لئے ہوئے ہیں مگر ردوبدل کی وجہ سے فصاحت سے گر گئے☆ پادری نے قرآن کے تسمیہ کے مقابلہ میں جو تسمیہ بنایا اس کی کچھ کمزوریاں تحریر کریں☆ ثابت کریں کہ نہ اس میں خالق کائنات کا اسم علم ہے نہ وہ فصیح ہے، اور نہ اسے آسانی سے پڑھا جاسکتا ہے☆ **الآب** کے عربی میں معانی لکھیں اور بتائیں کہ پادری کے تسمیہ میں اس سے کیا مراد ہے اور اس میں کیا خرابیاں ہیں؟☆ **الکلمة** کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں اور پادری کے تسمیہ میں اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس پر کیا اشکالات ہیں؟☆ اس کو ثابت کریں کہ قرآنی تسمیہ کو عربی خط میں بے شمار خوبصورت طریقوں سے لکھا جاتا ہے پادری کا تسمیہ ہرگز اس طرح نہیں لکھا جاسکتا، اس اعتبار سے بھی یہ قرآن کی مثل نہیں☆ اس کو ثابت کریں کہ پادری نے تسمیہ میں ''**مُثَلِّثِ التَّوْحِيْدِ وَ مُوَحِّدِ التَّثْلِيْثِ**'' کہہ کر خود ہی تثلیث کا رد کر دیا ہے☆ پادری کی بنائی ہوئی پہلی سورت نقل کریں اور اس کو ثابت کریں کہ پادری سورۃ الفاتحہ کے مقابلہ قطعی طور پر بے بس رہا ہے☆ پادری ''**یا ایھا الذین ضلوا**'' سے خطاب کن کو کرتا ہے اور کیوں نیز اس میں کیا اشکال ہے؟☆ سورۃ الفاتحہ کی دعا اور انجیل کی دعا کا موازنہ کریں اور اس دعا سے آنحضرت ﷺ کی بشارت ذکر کریں (۱)۔

---

۱) اس دعا میں یہ جملے بھی ہیں: اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے (متی ۶:۹ تا ۱۰) اس میں تیری بادشاہی سے مراد آنحضرت ﷺ کی آمد ہے جس کے بارے میں بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت سی مثالیں منقول ہیں (دیکھئے متی ۱۳:۲۴، ۳۱، ۳۳، ۴۴، ۴۵، ۴۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے نزدیک آنے کی بشارت بھی دی چنانچہ لکھا ہے: ''اس وقت یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے'' (متی ۴:۱۷) دوسری جگہ ہے: ''اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا اور لوگوں کی ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری دور کرتا رہا'' (متی ۴:۲۳) ایک جگہ آپ کی بشارت ان الفاظ میں ہے: ''یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور تمہاری نظروں میں عجیب ہے اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا''۔ (متی ۲۱:۴۲ تا ۴۴) اس سے پتہ چلا کہ اب خدا کی بادشاہی سے مراد ہدایت ہو تو وہ عیسائیوں میں ہمیشہ نہ رہے گی بلکہ اللہ ایک عظیم نبی کو بھیجیں گے ان پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت کے بغیر کامیابی نہ ہوگی اور وہ عظیم الشان نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔

☆ ہندو کہتے ہیں وید بھی بے مثل ہے؟ اس کا کیا جواب ہے؟ ☆ تورات وانجیل بھی خدا کی کتابیں ہیں توان کی مثل لانے کا چیلنج کیوں نہیں؟ ☆ ''فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ '' کی مختصر تفسیر کریں نیز مرزائیوں نے اس کے معنی میں جوتحریف کی اسے ذکر کر کے جواب دیں ☆ جولوگ کہتے ہیں کہ دوزخ ابھی موجود نہیں ہے قرآن کی رو سے ان کی غلطی واضح کریں ☆ اس نظریے کا رد کریں کہ کفار کیلئے دوزخ کی سزا دائمی نہیں ہے ☆ جنت کی نعمتوں کا بے مثال ہونا ثابت کریں اور یہ کہ اہل جنت جنت میں اپنی ازواج کے ساتھ رہیں گے ☆ اس کو ثابت کریں کہ مرزائی جنت کی نعمتوں کے جسمانی ہونے کے منکر ہیں ان کے دلائل بھی ذکر کریں، جواب بھی دیں پھر اس بارے میں حضرت نانوتویؒ کی تحقیق لکھیں ☆ حضرت نانوتویؒ کے زمانے میں مرزائیت کا فتنہ نہ تھا تو آپ نے یہ مضامین کیونکر بیان فرمادیئے؟ ☆ عقلی طور پر اس کی وجہ بتائیں کہ جنت کی غذائیں کھانے سے فضلہ نہ ہوگا ہاں ڈکار آئے تو آئے ☆ دنیا میں شراب حرام ہے جنت میں حلال کیوں ہوگی؟ کچھ وجوہات ذکر کریں ☆ مرزائیوں کی کچھ عبارات ذکر کریں جن میں انہوں نے اہل جنت کے ازواج سے لطف اندوز ہونے سے انکار کیا ہے پھر یہ ثابت کریں کہ مرزائی ہندوؤں اور عیسائیوں کا رد کرنے کے بجائے ان سے متاثر ہو گئے پھر مرزائیوں کا رد بھی کریں ☆ پنڈت دیانند سرسوتی نے آیت ۲۵ پر کیا اعتراض کیا اور اس کا جواب کیا ہے؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ جنت میں مرد بھی خوش رہیں گے عورتیں بھی، مردوں کو ان کے مزاج کے مطابق خوشیاں ملیں گی عورتوں کو ان کے مزاج کے مطابق ☆ اس کو ثابت کریں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہی اجسام کو زندگی عطا فرمائیں گے نیز آخرت میں ہمیشہ رہنے کے بارے میں اس بارے میں مباحثہ شاہجہانپور سے حضرت نانوتویؒ کی تحقیق بھی ذکر فرمائیں ☆ قرآن کی مثل کسی مضمون کے بنانے سے غیر مسلموں کے عاجز ہونے کا کوئی واقعہ تحریر کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ جنت میں حور وقصور کی امید انسانی خیالات کو گندہ نہیں کرتی بلکہ نیکی کا جذبہ پیدا کرتی ہیں نیز اس کو بھی ثابت کریں کہ محض روحانی راحت کا تصور برائیوں سے روک نہیں سکتا ☆ ہندوؤں نے اعتراض کیا کہ جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی حضرت نانوتویؒ نے جواب میں اس کو ثابت کیا یا اس کا انکار کیا؟ نیز حضرتؒ کے الزامی وتحقیقی جوابات کا خلاصہ تحریر کریں ☆ مرد کو بیک وقت تعددِ ازواج کیوں جائز ہے عورت کو کیوں نہیں حضرت نانوتویؒ سے اس کا جواب نقل کریں ☆ جنت میں عورتوں کیلئے تعددِ ازواج کیوں نہ ہوگا؟ ☆ خاوند اپنی بیوی کا مالک ہے تو اس کو بیچ کیوں نہیں سکتا؟ ☆ حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں خاوند کی مالکیت خدا کی مالکیت کے مشابہ ہے اس کو حدیث نبویؐ سے ثابت کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ ہندوؤں کے ہاں خاوند بیوی متساوی الحقوق ہیں ☆ اگر ہندو اپنی کتب کا انکار کریں تو انہیں کیا جواب دیا جائے؟ ☆ جنت میں نکاح کے پائے جانے پر پادریوں کا اعتراض اور حضرت نانوتویؒ کا جواب تحریر فرمائیں؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ عیسائیوں کے اصول کی رو سے حاکم مرد نہیں عورت ہے ☆ عیسائیوں کو پتہ نہیں کہ ان کی کتاب کس زبان میں نازل ہوئی اس بارے میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا واقعہ تحریر کریں ☆ تعددِ ازواج کی صورت میں اولاد کے بارے میں پیدا ہونے والی کچھ مشکلات ذکر کریں ☆ حمل کی صورت میں عدت فقط وضع حمل کیوں ہے؟ ☆ متعہ اور نکاح موقت کے عدم جواز کی کیا حکمت ہے؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ جنت میں ازواج سے لطف اندوز ہونا شانِ قدوسی کے خلاف نہیں ☆ جنت میں ازواج کے وعدہ کے دنیا میں کیا اثرات ہیں ☆ اس کی آسان وجہ کیا ہے کہ دنیا میں مردوں کو تعددِ ازواج کی اجازت ہو، عورتوں کو نہ ہو؟ ☆ اس کی آسان وجہ کیا ہے کہ جنت میں مردوں کو ایک سے زیادہ بیویاں ملیں عورتوں کو ایک سے زیادہ خاوند کیوں نہ ملیں؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ نجات اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرنے ہی میں ہے۔



## [اثباتِ نبوت کیلئے اعجازِ قرآنی کے ذکر کے بعد قرآن کریم پر اعتراض کا جواب]

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا(1) مَا(2) بَعُوضَةً فَمَا(3) فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾

وقف لازم

**ترجمہ:** بیشک اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر یا اس سے اوپر (یعنی مچھر سے زیادہ معمولی) سو جو لوگ ایمان لائے وہ اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانتے ہیں اور رہے کافر تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا اس سے مثال دینے کا کیا مطلب ہے (اسی طرح) گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس (مثال) کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو، اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو، اور گمراہ انہیں کو کرتے ہیں جو نافرمان ہیں ☆ جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ پورا نقصان اٹھانے والے ہیں۔

## ﴿ربط اور ضروری مضامین﴾

۱) ربط: پہلے قرآن کی صداقت کا بیان تھا یہاں قرآن پر وارد ایک اعتراض کا جواب دے کر اس کی صداقت کو مؤکد کیا جا رہا ہے (۴) وہ اعتراض کیا ہے اس کا ذکر شانِ نزول کے ضمن میں آرہا ہے۔

---

۱) المنجد عربی اردو ص ۹۴۶ میں ہے: مِثْل بکسر میم اس کا معنی ہوتا ہے شبہ، نظیر، مشابہت۔ ج۔ امثال، اور مَثَل بفتحتین اس کا معنی ہوتا ہے شبہ، نظیر، صفت، بات، کہاوت، عبرت، دلیل۔ ج۔ امثال۔ جیسے مثل الجنة التي وعد المتقون (محمد:۱۵) کا معنی ہے: "جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے"۔

۲) یہ مَا اسمیہ مَثَلًا کیلئے صفت ہے، راقم کے ہاں یہ راجح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مَا حرفیہ زائدہ ہے۔ رضی شرح کافیہ ج ۲ ص ۵۴ میں ہے: اختلف في مَا التي تلي النكرة لأفادة الأبهام و توكيد التنكير، فقال بعضهم: اسم، فمعنى قوله تعالىٰ: (مثلا ما)، أيْ مَثَلٍ، وقال بعضهم: زائدة فتكون حرفا۔ ملا جامیؒ فرماتے ہیں وصفة نحو اِضْرِبْهُ ضربًا مَّا أيْ ضربًا أيَّ ضربٍ كَانَ۔ حاشیہ میں ہے ای ضربًا عظيمًا او حقيرًا الخ (شرح جامی مع حاشیہ ص ۲۴۸)

۳) ترکیب: ان حرف مشبہ بالفعل جاچاہتا ہے اسم منصوب خبر مرفوع، اسم الجلالہ اس کا اسم لا حرف نفی يستحيي فعل اس میں ھو ضمیر مستتر فاعل اَنْ حرف مصدر ونصب يضربَ فعل اس میں ھو ضمیر مستتر اس کا فاعل مثلاً موصوف مَا اسمیہ صفت موصوف صفت مل کر متبوع بعوضةً معطوف علیہ فا حرف عطف مَا اسم موصول فوق اسم ظرف مضاف ھَا ضمیر جر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر متعلق محذوف کے ہو کر معطوف۔ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر تابع عطف بیان، متبوع تابع مل کر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر حرف مصدر کی وجہ سے مصدر مؤول ہو کر يستحيي کا مفعول بہ ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ اِنَّ کی خبر اور اگر يستحيي کو لازم کہیں تو مصدر مؤول مِن حرف جار محذوف کا مجرور ہو کر يستحيي کا متعلق ہوگا پھر فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ان کی خبر بنے گا۔

یوں بھی ترکیب کرتے ہیں کہ يضرب کا مفعول بہ بعوضة، مثلاً اس سے حال مقدم کیونکہ جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم کرتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ يضرب، جعل کی طرح متعدی بدو مفعول ہو، مفعول اول بعوضة اور مفعول ثانی مثلا ما۔ امام نسفیؒ فرماتے ہیں: وبعوضةً عطف بيان لمثلاً او مفعول ليضربَ ومثلاً حال من النكرة مقدمة عليه، أو انتصبا مفعولين على أن ضرب بمعنى جعل (مدارک التنزیل مع الخازن ج ۱ ص ۳۷)

۴) مرزا بشیر الدین محمود اس آیت کا ربط یوں بیان کرتا ہے: پہلی آیت میں جنت اور اس دنیا کی نعمتوں کی مشابہت بیان کی گئی تھی تا کفار کا یہ اعتراض دور ہو کہ ہمارے پاس تو فلاں فلاں نعمتیں ہیں اور مسلمانوں کے پاس نہیں اور تا مسلمانوں میں سے کمزور لوگوں کے ذہن میں جنت کا ایک تمثیلی نقشہ آجائے لیکن دوسری طرف قرآن کریم (باقی آگے)

۴) شانِ نزول: [۱] حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں (مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا......أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ) (البقرۃ:۱۷تا۱۹) تو منافق کہنے لگے اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ یہ مثالیں بیان کرے تب اللہ نے یہ آیات اتاریں (۱) ابن جریر نے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں صاف طور پر دوسرے مقامات میں یہ بتا دیا گیا تھا کہ اس دنیا کی زندگی اور اخروی زندگی میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ وہ اعلیٰ روحانی زندگی ہے اور یہ مادہ سے گھری ہوئی زندگی اور کفار اس حقیقت سے واقف تھے پس اس بظاہر نظر آنے والے تضاد کو دور کرنا بھی ضروری تھا، تا مخالفوں کا اعتراض نہ ہو کہ ایسی دو مغائر باتوں کی مشابہت ظاہر کرنے سے مطلب کیا؟ اگر محض ایک ادنیٰ مشابہت کا اظہار مراد ہے تو اللہ تعالیٰ جیسی اعلیٰ ہستی کو ایسی معمولی سی مشابہت کے بیان کی کیا ضرورت پیش آئی سو اس سوال اور اس کے جواب کو اللہ تعالیٰ اس آیت زیر تفسیر میں بیان فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ بعض لوگ اعتراض کریں گے کہ جنت و دوزخ کا جو تمثیلی حال قرآن کریم نے بیان کیا ہے اس سے غرض کیا ہے اگر یہ جنت اور دوزخ کا صحیح نقشہ نہیں تو اس کے بیان کی ضرورت کیا تھی اللہ فرماتا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان باتوں کے بیان کرنے سے نہیں رک سکتا جو خواہ تمثیل کے رنگ میں ہوں مگر ہیں مفید اور ان تمثیلوں کے بیان کرنے سے بھی انسانی علم میں ترقی ہوتی ہے اور مومن کچھ نہ کچھ اندازہ اس بیان سے اپنے ذہنوں میں لگا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امر جس کا ذکر کیا گیا ہے ضرور اسی طرح ہو کر رہے گا جس طرح خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے پس اگر اس کی پوری حقیقت سمجھ میں نہیں آتی تو کوئی حرج نہیں اس کا ایک اندازہ تو ہو گیا جس سے ایمان کو تقویت حاصل ہوئی (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۵۹، ۲۶۰) محمد علی لاہوری مرزائی لکھتا ہے: یا چونکہ اوپر جنت کا ذکر تھا اور وہ بھی ایک مثال تھی اس لئے فرمایا کہ ان نعماء کو سمجھانے کے لئے اس دنیا کی چیزوں سے ان کی مثال دینے میں ہرج نہیں (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۲۲ حاشیہ ۴۰)

**اقول:** [۱] ٹھیک کہ اس دنیا کی زندگی کی آخرت کی زندگی سے کچھ نسبت نہیں وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (الرعد:۲۶) مگر قرآن مجید میں یہ بھی تو کہیں نہیں کہ آخرت کی زندگی محض روحانی ہوگی، اور نہ کہیں یہ مذکور ہے کہ کفار آخرت کی زندگی کو محض روحانی مانتے تھے بلکہ قرآن تو بتاتا ہے کہ کفار آخرت کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں: اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (الانعام:۲۹) ان کے رد میں قرآن نے جا بجا جسمانی زندگی کا اثبات کیا ہے سورۃ یٰس کے آخر میں ہے: أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ (77) وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (78) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (79) الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ (یٰس:۷۷تا۸۰) تو جب قیامت کے دن یہ اجسام زندہ ہوں گے تو لامحالہ اہل ایمان انہی اجسام کے ساتھ جنت جائیں گے۔ حساب کتاب کے بعد موت دے کر محض ارواح کو تو جنت میں نہ بھیجا جائے گا [۲] جنت کی نعمتوں کے جسمانی ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر جنت کی نعمتیں جسمانی نہیں تو کفار کا اعتراض تو باقی رہا کہ ان کے پاس ایسی نعمتیں ہیں جو مسلمانوں کے پاس نہیں ہاں جنت کی نعمتوں کو جسمانی ماننے سے یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے [۳] قرآن کریم نے جنت کی نعمتوں کو جس طرح بیان کیا اس سے جنت کا جو تصور ذہن میں آتا ہے اسے تمثیلی نقشہ نہیں تقریبی نقشہ کہنا چاہئے نیز وہ تصور صرف کمزور مسلمانوں کے ذہن میں نہیں سب کے ذہن میں آتا ہے اور جنت کی نعمتوں کا علم سب مسلمانوں کو ہونا چاہئے۔

حضرت نانوتویؒ کا حوالہ:

جنت کی زندگی کے جسمانی ہونے کی بابت حضرت نانوتویؒ کے کچھ حوالے گذر چکے ہیں یہاں کچھ اور عبارات ملاحظہ ہوں، تناسخ کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

چونکہ یہ تقسیم راحت و رنج بھی اس تقسیم نیکی و بدی میں دخل ہے کیونکہ لذت بھلائی کے اقسام میں سے ہے اور رنج برائی کے تو ان کی اصل بھی وہی دو مقام ہوں گے جن کو بہشت دوزخ کہہ کے تعبیر کیا ہے اس لئے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا کی ہر قسم کی لذتیں اگرچہ عورتوں سے صحبت کرنا ہی کیوں نہ ہو بہشت میں پائی جائیں ہاں زیادہ ہو تو کچھ عجب نہیں اور علی ھذا القیاس دوزخ میں دنیا کی ہر قسم کی تکلیفیں موجود ہوں البتہ اگر ان سے زیادہ بھی ہوں تو کچھ دور نہیں دوسرے وہاں کی لذتیں اور کلفتیں گو یہاں کی لذتوں اور کلفتوں کے ہمرنگ ہوں پر یہاں کی لذتوں اور کلفتوں کو وہاں کی لذتوں اور کلفتوں سے کچھ نسبت نہ ہو کیونکہ نہ یہاں کی لذتیں خالص لذتیں ہیں نہ یہاں کی تکلیفیں خالص تکلیفیں ہیں اور اس تقریر سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کی لذتیں اور تکلیفیں خالص لذتیں اور خالص تکلیفیں ہوں (تقریر دلپذیر ص ۵۶)

☆ امین احسن اصلاحی صاحب ان آیات کے تحت لکھتے ہیں: اس کے بعد سلسلۂ کلام کے بیچ میں ایک مناسب موقع تنبیہ بطور جملہ معترضہ کے آگئی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو متنبہ فرمایا ہے کہ یہ جنت اور اس کی نعمتوں کا جو ذکر ہوا ہے یہ بہرحال بہ شکل تمثیل کے ہے کیونکہ اس دنیا میں تمہیں جنت اور دوزخ سے متعلق جو (باقی آگے)

اس کو ترجیح دی ہے[۲] اللہ نے مشرکین کے معبودوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر مکھی کوئی چیز لے جائے تو یہ اس کو واپس بھی نہیں لاسکتے[الحج:۷۳] دوسری جگہ ان کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی[العنکبوت:۴۱] اس پر کفار نے کہا ایسی مثالیں اللہ کے کلام کے لائق نہیں ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں (لباب النقول مع الجلالین ص۱۲، ۱۳، نیز دیکھئے ابن کثیر ج ۱ ص ۶۵)

۴) <u>قرآن کی ذکر کردہ مثالیں بالکل درست ہیں:</u>

اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا **إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِىٓ** (۱) **أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً** (۲) **فَمَا فَوْقَهَا** کہ ایسی چیزوں کا بیان کرنا خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں[اور یہی معنی ہے **لَا يَسْتَحْيِىٓ** کا] کیونکہ مثال سے مقصود بات کی وضاحت ہوتی ہے اس لئے جیسی چیز ہوگی ویسی تشبیہ ہونی چاہئے۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ تورات وانجیل وکلام حکماء وسلاطین میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں (عثمانی ص ۷ ف ۲) حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: معترضین نے کہا تھا کہ رب محمد معاذ اللہ ایسی چیزوں کے ذکر سے نہیں شرماتے اس لئے جواب میں فرمایا گیا: **إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِىٓ أَنْ يَّضْرِبَ** الآیۃ (از بیان القرآن ج ۱ ص ۱۳، ۱۴)(۲)

**مَا فَوْقَهَا** کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مچھر سے حقارت اور چھوٹائی میں زیادہ ہو جیسے مچھر کا پر (۳) کہ بعض احادیث میں اس کو دنیا کی تمثیل میں ذکر فرمایا (عثمانی ص ۷ ف ۲) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہاں جو قدر مچھر کے پر کی ہوسکتی ہے اللہ کے ہاں دنیا کی اتنی قدر بھی نہیں ہے اور دنیا خدا سے غافل ہونے کا نام

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بات بھی سمجھائی جاسکتی ہے تمثیل ہی کے ذریعہ سے سمجھائی جاسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارا <u>سمجھنا</u> اس قدر مطلوب ومحبوب ہے کہ وہ ہر اس تمثیل کو تمہاری تعلیم کا ذریعہ بناتا ہے جس سے حقیقت تمہارے ذہن نشین ہوسکے عام اس سے کہ یہ تمثیل کسی مکھی کی ہو یا مچھر کی (تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۴۶)

**اقول** [۱] اگر اس کا مطلب یہ ہے جنت کی نعمتیں جسمانی نہیں تو اس نظریہ کا رد گزر چکا اس اعتبار سے یہاں تمثیل کی بجائے تقریب کا لفظ بولنا چاہئے[۲] جس ہستی پر قرآن نازل ہوا یعنی ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بے شک وہ بنی اسماعیل سے تھے مگر نہ قرآن صرف بنی اسماعیل کیلئے نازل ہوا، اور نہ آپ ﷺ صرف بنی اسرائیل کیلئے رسول تھے، اور نہ جنت میں صرف بنی اسماعیل جائیں گے اس لئے جنت کی نعمتیں صرف بنی اسماعیل کو سمجھانے کا کیا مقصد؟ بہر حال جمہور کا ذکر کردہ ربط اور شان نزول ہی درست ہے۔

۱) **یستحیی** کا مادہ حَيِیَ ہے حَيِیَ کا مصدر اگر حَیَاۃٌ ہو تو اس کا معنی زندگی ہے اور اگر اس کا مصدر حَیَاءٌ ہو تو اس کا معنی ہے بری باتوں سے رکنا اور ان کو ترک کرنا۔

**استحیاء** باب استفعال اگر حیاۃ سے ہو تو اس کا معنی ہے زندہ رکھنا، زندہ چھوڑنا جیسے یہودیوں کو آل فرعون کو مظالم بتاتے ہوئے قرآن کریم میں ہے: **يُذَبِّحُوْنَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ** (البقرۃ:۴۹) اور اگر **استحیاء** باب استفعال **حیاء** سے ہو تو اس کا معنی ہے شرم کرنا قبائح کو ترک کرنا، ارشاد باری ہے: **فَجَآءَتْهُ إِحْدٰهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ** (القصص:۲۵) امام راغب فرماتے ہیں: **وقوله عزوجل: (ویستحیون نساء کم) ای یستبقونهن، والحیاء انقباض النفس عن القبائح وترکه لذلک یقال حَيِیَ فهو حَیٌّ، واستحیَا فهو مستحیٍ، وقیل استحَی فهو مستحٍ، قال اللّٰه تعالیٰ: (إن اللّٰه لا یستحییٔ أن یضرب مثلا ما بعوضة فما فوقها) وقال عز وجل: (واللّٰه لا یستحییٔ من الحق) وروی: إن اللّٰه تعالی یستحِیٔ مِنْ ذِی الشیبةِ المسلمِ أن یعذبّه، فلیس یراد به انقباض النفس إذ هو تعالی منزه عن الوصف بذلک وإنما المراد به ترک تعذیبه، وعلی هذا ما روی: إن اللّٰهَ حَیِیٌّ ای تارک للقبائح فاعل للمحاسن** (مفردات امام راغب ص ۱۵۷)

۲) امام نسفیؒ فرماتے ہیں: **واصل الحیاء تغیر وانکسار یعتری الإنسان من تخوف ما یعاب به ویذم، ولا یجوز علی القدیم التغیر وخوف الذم ولکن الترک لما کان من لوازمه عبر عنه به، ویجوز أن تقع هذه العبارة فی کلام الکفرة فقالوا: أما یستحی رب محمد أن یضرب مثلاً بالذباب والعنکبوت، فجاءت علی سبیل المقابلة وإطباق الجواب علی السؤال** (مدارک مع الخازن ج ۱ ص ۳۷)

۳) مرزا طاہر لکھتا ہے: **فما فوقها** سے مراد ہے کہ مچھر جو چیز اٹھائے ہوئے ہے، جو اس کے اوپر ہے اور وہ ملیریا کے جراثیم ہیں دنیا میں سب سے زیادہ لوگ ملیریا سے اور ملیریا سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے مرتے ہیں (ترجمہ مرزا طاہر ص ۱۳ حاشیہ) (باقی آگے)

ہے۔ رہا یہ کہ ہمارے ہاں مچھر کے پر کی قدر کیا ہوسکتی ہے؟ مچھر کے پر کی قدر رہوگی تو مچھر کو ہوگی ہمیں کیا؟ مگر ذرا گہری نظر سے سوچیں تو مچھر کا پر کوڑے کرکٹ کے ساتھ بطور کھاد کھیت میں ڈال دیا جاتا ہے اگر فرض کریں ایک لاکھ مچھر کے پر کوڑے کے ساتھ کھیت میں ڈالے جائیں تو کسان کے ہاں ساری کھاد کے ساتھ اتنے پروں کی جو قدر رہوگی اس کا ایک لاکھواں حصہ ایک پر کے حصہ میں آئے گا اللہ کے ہاں دنیا کی اتنی قدر بھی نہیں ہے۔

۴) <u>قرآن پر اعتراض کا اصل منشا محض ضد ہے:</u>

اس کے بعد اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ اعتراض کا اصل منشا تکبر اور کفر ہے جس کو ایمان کی نعمت نصیب ہو، اسلام پر شرح صدر حاصل ہو اس کو ایسے اعتراض نہیں سوجتے وہ فوراً کہے گا کہ یہ مثال بالکل درست ہے۔ چنانچہ فرمایا: **فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ج وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ (۱) مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا** (۲) اہل ایمان کو اس میں کوئی تردد نہیں ہوتا کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (کیونکہ مثال اپنی جگہ ٹھیک ہے ممثل لہ کے مطابق ہے) وہ یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مثال واقعی صحیح ہے موقعہ کے مطابق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہے اور کافر لوگ عناد کرتے ہیں اور ماننے سے منکر ہیں وہ کہتے ہیں اس حقیر چیز سے اللہ نے کیا ارادہ فرمایا؟ (انوار البیان ج ۱ ص ۴۴)

---

(باقی آگے) **اقول:** [۱] مچھر سے زیادہ حقیر چیزوں میں ملیریا کے جراثیم بھی داخل ہیں مگر تیری تفسیر کے مطابق **ما فوقھا** سے ملیریا کے جراثیم ہی مراد ہیں مچھر کے پر وغیرہ نہیں اور یہ بات جمہور کی تفسیر کے خلاف تو ہے ہی مرزا محمود کی ذکر کردہ تفسیر کے بھی خلاف ہے مرزا محمود آیت کا معنی یوں بیان کرتا ہے: ''ہم اس بات سے نہیں رکتے کہ ہم کوئی بات بیان کریں خواہ وہ مچھر کے برابر ہو یعنی بہت چھوٹی ہو یا مچھر سے بھی چھوٹی ہو'' (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۵۸ کالم ۲) [۲] علاوہ ازیں قرآن کریم نے مچھر کو یہاں موت کے اسباب میں تو نہیں بتایا جس کے لئے ملیریا کے جراثیم سے تفسیر کی جائے۔

۱) مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں **یقولون** یہ لفظ یا تو حال کے معنی میں ہے یا استقبال کے یا دونوں کے بطریق عموم مشترک تو آیت کے یہ معنی ہوئے کہ کفار یہ اعتراض کرتے بھی ہیں اور کریں گے بھی لہٰذا یہ غیب کی خبر ہے اس کی سچائی اب بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ عیسائی وغیرہ اب بھی یہ اعتراض کر رہے ہیں (نعیمی ج ۱ ص ۲۲۵) نیز لکھتے ہیں: بری چیز کا جاننا اور اس کا ذکر کرنا برا نہیں ہاں فحش طریقے سے بیان کرنا برا ہے اس سے دیوبندیوں کا یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ حضور ﷺ کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے کیونکہ شیطان بری چیزوں کو بھی جانتا ہے اور حضور کیلئے ان کا جاننا عیب ہے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۲۶)

**اقول:** اگر بات اس علم نافع کی ہے جس کے حاصل کرنے کی قرآن وحدیث میں ترغیب دی گئی ہے تو مخلوقات میں آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر علوم نبوت کو جاننے والا کوئی نہیں اور اگر علم سے منطقی معنی لیا جائے یعنی کسی شے کی صورت کا ذہن میں آنا تو پھر ہر ہر چیز کے جاننے کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی درست نہیں ایک اس وجہ سے کہ ہر ہر چیز کے علم میں وہ علم غیر نافع بھی ہے جس سے آپ ﷺ نے پناہ مانگی آپ کی دعا ہے: ''**اللّٰهم إني أعوذ بک من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا يستجاب له**'' (مسلم ج ۴ ص ۲۰۸۸ حدیث نمبر ۲۷۲۲) دوسرے اس لئے کہ اس طرح علم نبوت کا امتیاز ختم ہو جائے گا کیونکہ پھر تو کسی بھی چیز کو جاننا حتی کہ فلمی اشعار اور فلمی کہانیاں بھی معاذ اللہ ثم معاذ اللہ علم نبوت بن جائیں گی۔ عجیب بات ہے کہ فحش طریقے سے بیان کرنا تو برا ہو لیکن خود فحش باتیں اور پنجابی اردو کے فحش اشعار کا علم تمہارے ہاں برا نہ ہو۔ کھل کر بتاؤ کہ فحش فلمیں تم سیکھتے سکھاتے ہو یا نہیں۔ اور اس پر قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کی طرح ثواب مانتے ہو یا نہیں اور کیوں؟

باقی یہ نرا بہتان ہے کہ دیوبندی حضور ﷺ کے علم سے شیطان کا علم زیادہ مانتے ہیں بلکہ دیوبندی تو کہتے ہیں کہ جو شخص شیطان کو آنحضرت ﷺ سے زیادہ علم والا کہے وہ کافر ہے (دیکھئے **المہند** ص ۴۶) ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ شیطان کو بعض ایسی باتوں کا علم ہو جن کو جاننا نبی ﷺ کی شان کے لائق نہیں مثلاً وسوسے کیسے ڈالتے ہیں جھوٹے وعدے کس طرح کرتے ہیں۔ تم نے ان شیطانی چیزوں کو ماننا ہے تو احمد رضا خان یا احمد یار خاں کیلئے مان لو، نبی کریم ﷺ کے لئے ان شیطانی مکائد کو کوئی مسلمان سن ہی نہیں سکتا۔

۲) اس کے تحت مرزا محمود لکھتا ہے:

چونکہ ان استعاروں کے علاوہ قرآن کریم میں جنت کی نعماء کی امتیازی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں اس لئے مومن ان استعاروں کو سن کر فوراً ان (باقی آگے)

## ۵) قرآن کا مقصد ہدایت ہے:

پھر فرمایا کہ تکوینی طور پر قرآن بہت سے لوگوں کیلئے ہدایت کا ذریعہ ہے اور نزول قرآن کا اصل مقصد ہدایت ہی ہے، **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** (البقرۃ ۲:)اور بہت سے لوگوں کیلئے گمراہی کا ذریعہ ہے **يُضِلُّ** (۱) **بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا**۔ مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: ہدایت کا ایک معنی ہے حق کو بیان کر دینا اور لوگوں کو حق کی تعلیم دینا یہ ہدایت اللہ کے ساتھ خاص نہیں انبیاء اور علماء کی طرف بھی اس کی اسناد ہوسکتی ہے نیز یہ ہدایت (یعنی اس ہدایت کا پانا۔ راقم) اہل ایمان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مومن وکافر سب کیلئے ہے۔ کفار کی رہنمائی کی گئی مگر وہ نہ مانے۔ ہدایت کا دوسرا معنی ہے اللہ کی فرماں برداری کی توفیق۔ یہ توفیق دینا اور دل کو موڑ دینا اللہ کے ساتھ خاص ہے اس ہدایت پر نہ کوئی ملک مقرب قادر ہے نہ کوئی نبی مرسل۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دوسرے مضامین کو یاد کر کے کہتے ہیں کہ جو کچھ فرمایا سچ فرمایا، اور یہ صداقت معمولی نہیں بلکہ وہ ہے جو ہمارے رب کی طرف سے آئی ہے یعنی یہ استعارے اور تشبیہات بالکل اس مضمون کے مطابق ہیں جو دوسرے جگہوں پر جنت کی روحانی کیفیات کے متعلق بیان ہوا ہے گویا مومن اس استعاروں کی صحت اور ان کی مطابقت کی داد دیتے ہیں اور ان کے دل اس لذت سے مسرور ہوجاتے ہیں مگر اس کے مقابلہ میں کفار جو قرآن مجید کے دوسرے مضامین کو جو اس بارہ میں بیان ہوئے ہیں......یا تو جانتے نہیں یا جاننا چاہتے نہیں ان استعاروں اور تشبیہوں کو سن کر کہتے ہیں **ماذا اراد اللہ بھذا مثلا** (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۶۰ کالم ۲)

**اقول** اس کا مقصد یہاں بھی جنت کی نعمتوں کے جسمانی ہونے کا انکار ہے اس نظریہ کا بطلان گذشتہ صفحات میں ہوچکا ہے۔

۱) اکثر مترجمین حضرات **يُضِلُّ** کا ترجمہ ایسا ہی کرتے ہیں کہ "گمراہ کرتا ہے"، دیکھئے ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ مع معارف القرآن کاندھلویؒ ج ۱ ص ۱۰۵، ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ ص ۶ مع ترجمہ نواب وحید الزمان ص ۶، ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ مع تفسیر عثمانی ص ۷، ومع تفسیر جواہر القرآن ج ۱ ص ۲۷، بیان القرآن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ج ۱ ص ۱۴، ترجمہ مولانا عبدالحق حقانیؒ در تفسیر حقانی ج ۱ ص ۴۷، ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھریؒ مع ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدینؒ ص ۸، ترجمہ مولانا احمد سعید دہلویؒ کشف الرحمٰن ج ۱ ص ۷، ترجمہ مولانا احمد علی لاہوریؒ ص ۷، تفسیر معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ج ۱ ص ۱۰۵ تا ۱۱۱، تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ ج ۱ ص ۱۶۶، ۱۶۷، تفسیر انوار البیان مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ ج ۱ ص ۴۴، ترجمہ امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدرؒ در تفسیر ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن ج ۱ ص ۱۰۰، ترجمہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتیؒ در تفسیر معالم العرفان ج ۲ ص ۱۳۰، تیسیر القرآن بتبصیر الرحمٰن مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ ج ۱ ص ۳۹، ترجمہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ص ۵۱، ترجمہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ صاحب در تفسیر ثنائی ج ۱ ص ۵۰، مودودی صاحب تفہیم القرآن ج ۱ ص ۵۹، مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن ج ۱ ص ۹۲، ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی ص ۸، ترجمہ محمد جوناگڑھی نظر ثانی صفی الرحمٰن مبارکپوری ص ۷ طبع دارالسلام، تفسیر نعیمی مفتی احمد یار گجراتی ج ۱ ص ۱۹۵، ترجمہ حافظ عبدالسلام ص ۴ طبع دارالاندلس۔

مرزا قادیانی کے دوسرے جانشین مرزا محمود نے اپنی میں ترجمہ یوں کیا: گمراہ قرار دیتا ہے۔ (تفسیر صغیر ص ۱۱، کبیر ج ۱ ص ۲۵۶) مرزے کا چوتھے جانشین مرزا طاہر ترجمہ کرتا ہے: گمراہ ٹھہراتا ہے (ترجمہ مرزا طاہر ص ۱۳) لاہوری مرزائیوں کے سربراہ محمد علی نے ترجمہ یوں کیا: "گمراہی میں چھوڑتا ہے" (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۳۸) اس طرح شیعہ مترجم فرمان علی نے ترجمہ کیا: "گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے" (ترجمہ فرمان علی ص ۷)

مگر اکثر مترجمین کا ترجمہ درست ہے کیونکہ اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ انسان کا ہدایت پر ہونا یا گمراہ ہونا اللہ کے حکم تکوینی سے ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا: **وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ** (سورۃ السجدۃ: ۱۳) فرمان علی ترجمہ یوں کرتا ہے: اور اگر ہم چاہتے تو (دنیا ہی میں) ہر شخص کو (مجبور کر کے) راہِ راست پر لے آتے مگر میری طرف سے روزِ ازل) یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں دوزخ کو جنات اور آدمیوں سے بھر دوں گا (ترجمہ فرمان علی ص ۶۶۳) خود فرمان علی نے بعض مقامات پر ایسا ہی ترجمہ کیا ہے چنانچہ ارشاد باری: **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ** (التوبۃ: ۱۱۵) کا ترجمہ موصوف نے یوں کیا: اور خدا کی یہ شان نہیں کہ کسی قوم کو جب ان کی ہدایت کر چکا ہو اس کے بعد انہیں گمراہ کردے حتی کہ وہ انہیں چیزوں کو بتا دے جن (باقی آگے)

ہدایت کے مقابل اضلال ہے اس کے بھی دو معنی ہیں ایک ہے اللہ کی نافرمانی کی دعوت دینا اور اس کو مزین کر کے دکھانا اس معنی میں اضلال شیطان، اور ائمہ کفر کی طرف منسوب ہوتا ہے [اور معترض نے اسی معنی کو لے کر اعتراض کیا۔راقم] اور اللہ تعالیٰ اِس سے پاک ہے، اِضلال کے دوسرے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے وہ پرہیز کریں (ایضاً ص۳۲۶) سورۃ الکہف:۱۷ میں فرمایا: **مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا** اس کا ترجمہ موصوف نے یوں کیا: ''جس کو ہدایت کرے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے تو پھر اس کا کوئی سرپرست راہنما ہرگز نہ پاؤ گے''۔ (ایضاً ص۴۷۰)

**﴿مرزائیوں کے شبہات﴾**

مرزا محمود لکھتا ہے:

**اضل اللّٰہ فلانا** کے ایک معنی یہ بھی ہیں **صیرہ الی الضلال** اللہ نے اسے گمراہی کی طرف پھیر دیا۔۔۔۔۔کلیات ابی البقاء اور مفردات راغب میں ہے کہ اضلال کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی دو طرح ہوتے ہیں [۱] کہ انسان گمراہ تو خود ہوتا ہے ہاں اللہ تعالیٰ اس کے گمراہ ہونے کا فیصلہ کر دیتا ہے اور آخرت میں اسے اس کے نتیجہ میں دوزخ کی طرف لے جاتا ہے [۲] فطرتِ انسانی میں یہ بات رکھ دی گئی ہے کہ جب وہ کسی بری بات کو یا اچھی بات کو بار بار کرتا ہے تو وہ اچھا سمجھنے لگ جاتا ہے اور اس سے رکنا اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اس بات کا کرنا اس کی عادت میں داخل ہو جاتا ہے چونکہ فطرت کو اللہ تعالیٰ نے ہی اس قسم کا بنایا ہے اس لئے اضلال یا ہدایت ِانسانی کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے (کلیات ابی البقاء و مفردات راغب) اس آیت میں **یضل بہ کثیرا** کے معنی **یحکم بہ بالضلال علیھم** کے کئے گئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کے گمراہ ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیتا ہے یا یہ کہ اس کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ قرار دیتا ہے (کبیر مرزائی ج۱ ص۲۵۷ کالم۲، نیز دیکھئے تفسیر صغیر حاشیہ ص۱۱)

محمد علی لاہوری لکھتا ہے:

امام راغب لکھتے ہیں کہ **اضلال** دو طرح پر ہے ایک یہ کہ اضلال نتیجہ ہو گمراہ ہو جانے کا مثلاً اگر کسی کا اونٹ گم ہو جائے تو وہ کہے گا **اضللت البعیر** اب اس کے یہ معنی نہیں کہ میں نے اونٹ گم کر دیا بلکہ یہ معنی ہیں کہ میرا اونٹ گمراہ ہو گیا یعنی گم ہو گیا اسی طرح کسی پر گمراہ ہونے کا حکم لگایا جائے یعنی اس کے متعلق کہا جائے کہ وہ گمراہ ہو گیا تو بھی **اضللتہ** کہہ دیں گے۔۔۔۔۔دوسرا یہ کہ **اضلال** کا نتیجہ گمراہی ہو یعنی ایک شخص دوسرے کو گمرہ کرنے کی کوشش میں لگا رہے یہاں تک کہ وہ گمراہ ہو جائے مثلاً باطل کو اچھے اچھے پیرایوں میں بیان کرے اب سوال یہ ہے کہ لفظ **اضلال** پہلے معنی میں خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یا دوسرے معنی میں؟ دوسرے میں منسوب کرنے سے مراد ہوگی کہ خدا تعالیٰ انسانوں کے سامنے باطل باتوں کو اچھے اچھے پیرایوں میں بیان کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ گمراہ ہو جاتے ہیں یہ بالبداہت باطل ہے اللہ تعالیٰ اعمال حسنہ کو اچھے پیرایوں میں بیان کرتا ہے اور ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے پس لازم پہلے معنی میں لفظ لیا جائے گا اور مراد صرف اس قدر ہوگی کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو گمراہ پا کر گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے یا ان پر گمراہ ہونے کا فتویٰ لگاتا ہے۔۔۔۔۔لغت حدیث میں بھی ہے کہ **اضللتہ** کے معنی اس طرح پر بھی آتے ہیں جیسے **احمدتہ** کے معنی ہیں میں نے اس کو محمود پایا اور **ابخلتہ** کے معنی ہیں میں نے اس کو بخیل پایا اسی طرح **اضللتہ** کے معنی ہیں میں نے اسے گمراہ پایا چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے: **ان النبی ﷺ اتی قوما فاضلھم** جس کے معنی ہیں کہ نبی ﷺ ایک قوم کے پاس آئے اور ان کو گمرہ پایا یہ معنی نہیں کہ ان کو گمراہ کر دیا (ن)۔۔۔۔۔ یہاں **ما یضل بہ الا الفاسقین** کہہ کر یہ بتا دیا کہ اضلال کے معنی گمراہ پانا یا گمراہی میں چھوڑنا ہے کیونکہ فاسق تو خود ہی پہلے گمراہ ہے اسے اور گمراہ کیا کرنا ہے کیونکہ فاسق اسی کو کہتے ہیں جو شریعت یعنی قانون کی حدود سے باہر نکل جاتا ہے تو وہ خود گمراہ ہو چکا ہوا ہے یہ دوسرا قرینہ ہے کہ اضلال کے معنی یہاں گمراہ ٹھہرانا یا گمراہی میں چھوڑ دینا ہیں (بیان القرآن مرزائی ج۱ ص۲۳ حاشیہ۴۱)

**اقول:** [۱] بابِ افعال جس طرح وجدان کیلئے آتا ہے اسی طرح نسبت کیلئے بھی آتا ہے، تعدیہ اور تصییر کیلئے بھی آتا ہے۔ خط کشیدہ تین مثالوں میں خاصہ وجدان ہے اور یہ بات ترجمے سے واضح ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے گمراہ ہونے کا فتویٰ لگائے تو اس میں خاصہ وجدان سے زیادہ خاصہ نسبت الی الماخذ کو ماننا زیادہ موزوں ہے جیسے **اَکْفَرْتُهٗ** میں خاصہ نسبت الی الماخذ مان کر اس کا معنی کرتے ہیں **نَسَبْتُهٗ اِلَی الْکُفْرِ** (دیکھئے نوادر الوصول ص۹۱) اس خاصہ کے ساتھ **اَضَلَّهٗ** کا معنی بنتا ہے **نَسَبَهٗ اِلَی الضَّلَالِ**۔ اس آیت میں چونکہ **يُضِلُّ** کے مقابل **يَهْدِيْ** ہے اور ''**وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا**'' کا ترجمہ مرزا محمود کرتا ہے: ''اور بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعہ سے ہدایت دیتا ہے''۔ مرزا طاہر ترجمہ کرتا ہے ''اور بہتوں کو اس کے ذریعہ سے ہدایت دیتا ہے'' خود محمد علی کا ترجمہ ہے: ''اور بہتیروں کو اس سے ہدایت دیتا ہے''۔

(باقی آگے)

اپنی توفیق اور لطف و رحمت سے محروم کردیں اس آیت میں اضلال و ہدایت کے وہی معنی مراد ہیں جو اللہ کی شان کے لائق ہیں (معارف القرآن ج ۱ ص ۱۰۷ تا ص ۱۱۱)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو جیسے **یَھْدِیْ** میں ہدایت دینے کا معنی ہے اس کے مقابل **یُضِلُّ** میں گمراہ کرنے کا معنی ہونا چاہئے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف باطل کو اچھے پیرایوں میں ذکر کرنے کی نسبت یقیناً غلط ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حق کو قبول کرنے کی توفیق نہیں دیتے جیسے فرمایا **وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ** (الدہر: ۳۰) محمد علی لاہوری ترجمہ کرتا ہے: ''اور تم نہیں چاہتے سوائے اس کے اللہ (تعالیٰ) چاہے'' (بیان القرآن مرزائی ج ۳ ص ۱۴۳۲) **وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ☆ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ** (الانعام: ۱۰۹، ۱۱۰) محمد علی لاہوری ترجمہ کرتا ہے: اور وہ بڑے زور کی قسموں کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس نشان آئے تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے کہہ نشان صرف اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر ہے کہ جب وہ نشان آئیں گے تو یہ ایمان نہیں لائیں گے اور ہم ان کے دِلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے جس طرح وہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بہکا ہوا چھوڑ دیں گے۔ (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۴۸۳، ۴۸۴)

[۲] قرآنی مثالوں کی وجہ سے ان فاسقین کو گمراہ قرار دینے کا کیا مطلب؟ گمراہ تو وہ پہلے قرار دیئے گئے ہیں کیونکہ جن اعمال کو ان کی طرف منسوب کیا گیا وہ اعمال پہلے ہی منع تھے۔ اسی طرح اس آیت میں فاسقین کو گمراہی میں چھوڑنے کا مطلب بھی درست نہیں کیونکہ گمراہی میں تو لوگ نزول قرآن سے پہلے چھوڑے ہوئے تھے نزول قرآن کے بعد یا ہدایت کا ملنا ہے یا گمراہی میں زیادتی۔ اور گمراہی میں زیادتی بھی گمراہی ہی ہے اس لئے گمراہ کرنے کے معنی ہی درست ہیں۔

حاصل یہ کہ اِضلال کے جو معنی اللہ کی شان کے لائق نہیں مرزائی نے اُسی معنی کو لے کر اعتراض کرتے ہیں جبکہ یہاں وہ معنی مراد ہیں جو اللہ کی شان کے لائق ہیں۔

**اشکال:** حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إن اللّٰه خلق خلقه في ظلمة فالقى عليهم من نوره فمن أصابه من ذلك النور اهتدى ومن أخطاه ضل ،رواه أحمد والترمذي** (مشکوۃ ص ۲۲) حدیث قدسی ہے: **يا عبادي كلكم ضال إلا من هديته** (مسلم ج ۴ ص ۱۹۹۴ حدیث رقم ۲۵۷۷ عن ابی ذرؓ) معلوم ہوا کہ ہدایت اللہ کے دینے سے ہے اللہ ہدایت نہ دے تو بندہ گمراہ ہے۔

**جواب:** [۱] بندے میں اصل گمراہی ہے ہدایت دینے والے اللہ ہی ہیں حتیٰ کہ بچہ جو فطرت پہ پیدا ہوتا ہے (بخاری ج ۱ ص ۱۸۱) اس کو فطرت پر پیدا کرنے والے بھی اللہ ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث قدسی میں یہ بھی ہے: **فَاسْتَهْدُوْنِيْ اَهْدِكُمْ** ''مجھ سے ہدایت مانگو میں ہدایت دوں گا'' پھر نجات کیلئے حق کو جان لینا یا حق کو دیکھ لینا کافی نہیں اس کو قبول کرنا بھی ضروری ہے پھر ایسا نہیں کہ جو ایک مرتبہ ہدایت پالے اب اسے اللہ کی رحمت کی ضرورت نہیں بلکہ بندہ ہر دم اللہ کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی اس کو ہدایت سے محروم کرسکتا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''**إن قلوب بني آدم كلها بين إصبعين من أصابع الرحمن كقلب واحد يصرفه حيث يشاء**'' بے شک بنی آدم کے سب دِل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں ایک دِل کی طرح جیسے چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے پھر آپ نے یہ دعا مانگی: ''**اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك**'' **رواه مسلم** (مشکوۃ ص ۲۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کثرت سے یہ دعا کیا کرتے تھے ''**يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك**'' میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہم آپ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جسے آپ لے کر آئے ہیں کیا آپ کو ہمارے بارے میں خدشہ ہے فرمایا ''**نعم ، إن القلوب بين أصبعين من أصابع الله يقلبها كيف يشاء**'' ہاں بے شک قلوب اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے جیسے چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے **رواه الترمذي وابن ماجه** (مشکوۃ ص ۲۲) اگر ہدایت کی طرح گمراہی اللہ کی تقدیر سے نہ ہو تو ایسی دعاؤں کا کیا منشا؟

[۲] پھر جس طرح موت جو بظاہر عدمی چیز ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے حتیٰ کہ اللہ نے فرمایا **خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ** تو جیسے موت اللہ کے پیدا کرنے سے ہے گمراہی بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہے۔ ارشادِ باری ہے: **جعل الظلمات والنور** (الانعام: ۱) جس کا معنی ہے: **خلق الظلمات والنور** (جلالین ص ۱۶۲)

[۳] تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یُضِل سے گمراہی میں زیادتی مراد ہے گمراہ تو وہ لوگ پہلے ہی ہیں پہلی گمراہی کے ساتھ نئی گمراہی اور مل گئی تو گمراہی میں بڑھ گئے۔ ابن کثیرؒ کے الفاظ یوں ہیں: **عن ابن مسعود، وعن ناس من الصحابة (يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا) يعني: المنافقين، (وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا) يعني المؤمنين، فيزيد هؤلاء ضلالة إلى ضلالهم لتكذيبهم بما قد علموه حقًا يقينًا، من المثل الذي ضربه الله بما ضرب لهم وأنه لما ضرب له موافق، فذلك إضلال الله** (باقی آگے)

لسان العرب میں ہے: والإضلالُ فی کلام العرب ضِدُّ الهداية "لغت عرب میں اضلال ہدایت کی ضد ہے"۔ مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر نسفی مع الخازن ج ا ص ۳۸ کے حوالے سے لکھتے ہیں: و الاضلال خلق فعل الضلال فی العبد و الهداية خلق فعل الاهتداء هذا هو الحقيقة

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) إياهم به (وَيَهْدِي بِهٖ) يعني بالمثل كثيرًا من أهل الإيمان والتصديق، فيزيدهم هدى إلى هداهم وإيمانًا إلى إيمانهم، لتصديقهم بما قد علموه حقًا يقينًا أنه موافق لما ضربه الله له مثلا وإقرارهم به، وذلك هداية من الله لهم به (ابن کثیر ج ا ص ۶۶)

**اشکال:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ گمراہ کرتا ہے دوسری جگہ گمراہ کرنے کی نسبت شیطان کی طرف ہے کہ اس نے کہا تھا وَلَأُضِلَّنَّهُمْ (النساء:۱۱۹) کہ میں بنی آدم کو گمراہ کروں گا بعض آیات میں گمراہ کرنے کی نسبت سرداران کفار کی طرف ہے جیسے وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (طٰہٰ:۷۷) قیامت کے دن لوگ کہیں گے کہ ہمارے بڑوں نے ہمیں گمراہ کر دیا (الاحزاب:۶۷) اس تعارض کا کیا حل ہے؟

**جواب:** شیطان کی طرف اضلال کی نسبت اس وجہ سے کہ وہ انسان کو وساوس سے گناہوں پر ابھارتا ہے، اور سرداران کفار کی طرف اس لئے کہ وہ لوگوں کو ترغیب وتہدید کے ساتھ گناہوں پر آمادہ کرتے ہیں گناہ کروانے کیلئے اپنا اثر ورسوخ اور اپنے اختیارات بھی استعمال کرتے ہیں اور اللہ کی طرف اس لئے کہ اللہ اس کا خالق ہے اگر اس کی طرف سے تکوینی منظوری نہ ہو تو بندہ گمراہ نہیں ہوسکتا۔ قرآن کی کسی مثال پر کسی مسلمان کے ذہن میں اعتراض آئے تو اسے ذہن سے نکالے گا، اس کا حل دریافت کرے گا، کسی کافر کے ذہن میں اعتراض آئے وہ اس کو نکالتا نہیں بلکہ خوشی سے اس پر مزید سوچتا ہے، زبان سے اس کا اظہار کرتا ہے، قرآن پر اعتراض کو خوشی سے قبول کرنا الگ گمراہی ہے اور زبان سے اس کا اظہار الگ گمراہی ہے اس طرح وہ لوگ گمراہی میں بڑھتے ہیں مگر یہ سب خدا تعالیٰ کے حکم تکوینی سے ہوتا ہے اگر اللہ چاہتا تو وہ اس اعتراض کو قبول ہی نہ کریں۔

**اشکال:** آیت کریمہ میں فرمایا کہ اللہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تو پھر کافروں کا کیا قصور؟

**جواب:** عقیدۂ تقدیر کے بارے میں کچھ بات اس سورت کی آیت نمبر ۷ کے تحت گزر چکی ہے۔ اُس کا بھی مراجعہ کریں اِس آیت کریمہ کا منشا یہ ہے کہ اللہ کے حکموں کے مقابلہ میں ضد کرنے والے نافرمان ہدایت سے محروم رہتے ہیں اس لئے اللہ کے حکموں کو خوش دِلی سے قبول کرنا ضروری ہے [اور اس معنی میں یہ آیت نص ہے] اگر انسان خوش دِلی سے فوراً ماننے کو تیار ہو جائے تو ہر قسم کی گمراہی سے بچے گا ورنہ ضد کی وجہ سے ہدایت سے دور رہے گا۔ پھر اس بدیہی بات کو تو کافر بھی مانتا ہے وہ جو کفر کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے مگر اسلام کہتا ہے کہ اس کے اختیار کے پیچھے اللہ کا اختیار ہے جس کا اس کو علم نہیں اسلئے وہ تقدیر کو بہانہ نہیں بنا سکتا۔ وہ تو اپنے اختیار سے کفر کرتا ہے اس لئے مجرم ہے۔ ہاں ہمیں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ کافر نے اگر اللہ کے حکم شرعی کو نہیں مانا تو بھی تکوینی طور پر تو اس کے حکم کے تابع ہی ہے۔ کافر نے اللہ تعالیٰ کو ہرایا نہیں اس کو شکست نہیں دی۔ عقیدۂ تقدیر کی بابت کچھ باتیں ان شاء اللہ سورۃ اعراف، سورۃ شعراء سورۃ السجدۃ وغیرہ کے تحت بھی آئیں گی۔

**﴿حضرت نانوتویؒ کے کلام سے تائید﴾**

ذیل میں عقیدۂ تقدیر کی بابت حضرت نانوتویؒ کا ایک ارشاد ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔

دلائل توحید سے جیسے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ خداوند کریم ایک ہے ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ تمام کائنات خدا کی پیدا کی ہوئی ہے یہاں تک کہ افعال بھی...... بیشک وشبہ خدائے جن وبشر ہی خالق خیر وشر ہے۔ پر (پھر) یہ ظاہر کے فاعل یعنی انسان اور حیوان، فرشتے، دیوتا (مراد فرشتہ ہی ہے۔ راقم) نبی، ولی سب اپنے کاموں میں اس کے سامنے ایسے ہیں جیسے پتلی پتلی والے کے سامنے ظاہر میں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ پتلی کام کرتی ہے پر جاننے والے جانتے ہیں کہ اس پتلی سے یہ کام کوئی اور لیتا ہے بادشاہ کی پتلی سے بادشاہ کا کام اور وزیر کی پتلی سے وزیر کا کام اور پیادہ کی پتلی سے پیادہ کا کام۔ [اس میں بندوں کے اختیار کی نفی نہیں بلکہ اس اختیار کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے اختیار کا ذکر ہے۔ راقم] علیٰ ھذا القیاس اب وہ اس ترتیب کو بدل دے اور بادشاہ وغیرہ سے وزیر وغیرہ کا کام لینے لگے تو ہوسکتا ہے۔ اور کسی پتلی کو گنجائش انکار نہیں پر مناسب یوں ہی ہے کہ بادشاہ سے بادشاہ کا کام، وزیر سے وزیر کا کام لے۔ پھر پیادہ وزیر کی پتلی کی یہ طاقت نہیں کہ جو اس کے سامنے دم مارے اور کہے کہ مجھ کو بادشاہ کیوں نہ بنایا؟ اس لئے کہ سب کا بادشاہ ہونا تو ممکن ہی نہیں جو سب بادشاہ ہوں تو کوئی بھی بادشاہ نہ ہوئے کیونکہ رعیت سے بادشاہ ہوتا ہے جب رعیت نہیں تو بادشاہ بھی نہیں اس صورت میں جسے اس کا جی چاہے گا بادشاہ بنائے گا جیسے جی چاہے وزیر۔ جس سے چاہے گا بڑے کام لے گا، جس سے چاہے گا چھوٹے۔ جس سے چاہے گا بھلے کام لے گا جس سے چاہے گا برے۔ (باقی آگے)

عنداھل السنۃ (انوارالبیان ج ۱ ص ۴۵)''اوراضلال بندے میں فعل ضلال کو پیدا کرنا اور ہدایت اہتداء کے فعل کو پیدا کرنا ہے یہ اہل السنۃ کے ہاں حقیقت ہے''۔

۲) قرآن سے محروم رہنے والوں کون؟

پھرایک ضابطہ بتایا جس سے پتہ چلے کہ قرآن سے گمراہ کون سے لوگ ہوتے ہیں؟ فرمایا ''وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ''(۱) فاسق جو کھلم کھلا گناہ کریں ضد کرکے اللہ کے حکموں کی مخالفت کریں۔ یادرکھیں اگر وہ باز نہ آئیں تو نقصان اور خسارہ انہیں کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان حقیقی کی حلاوت نصیب فرمائے اور

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جب پتلیوں میں باوجودیکہ وہ بھی ویسی ہی مخلوق ہیں جیسے خود پتلی والا۔ کسی کو بہ نسبت پتلی والے کے مواخذہ نہیں ہوسکتا ہے تو مخلوق کو خالق سے کیونکر محاسبہ اور مطالبہ ہوگا؟ [لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ]

یہ بات بھی وہاں ہوتی ہے جہاں کچھ اپنا کسی کے ذمہ آتا ہو خدا کے ذمہ کسی کا کچھ نہیں آتا۔ اب اس مثال سے سمجھنے والے سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ بروں کو یہ نہیں پہنچتا جو یوں ہیں کہ خدا نے ہمیں ایسا کیوں نہ بنایا؟ اور یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے کہ جیسے کارخانہ سلطنت کا بغیر بادشاہ اور وزیر ورعیت کے برقرار نہیں ہوتا اسے ہی خدا کی خدائی بھی بے نیک وبد کے پیدا کئے ناقص رہتی ہے یہ نیک وبد کا فرق اور بھلے برے کی تمیز ہمارے نسبت ہے خدا کی نسبت [بحیثیت مخلوق ومقدور ہونے کے۔ راقم] سب یکساں ہے۔ گلشن اور گلخن (کوڑا کرکٹ۔ فیروز اللغات جدید ص ۵۷۵) دونوں بہ نسبت آفتاب کے یکساں ہیں وہ جیسا وہاں چمکتا ہے ویسا ہی یہاں [ایسے ہی اچھا آدمی اچھے کام کرتا ہے تو خدا کی دی ہوئی طاقت سے کرتا ہے برا آدمی برے کام کرتا ہے وہ بھی خدا کی دی ہوئی طاقت سے کرتا ہے۔ راقم] معہذا بری چیز اگر بری ہے تو اپنے لئے ہے۔ پر سارے عالم کی نسبت ایسی سمجھو جیسے معشوقوں کے رخسار بہ نسبت خال سیاہ اور زلف سیاہ کے کہ یہ دونوں اپنے آپ گو بری شکل ہیں پر رخسار محبوب کے حسن کو دوبالا کردیتے ہیں۔ اب بدوں اس کے چارہ نہیں کہ اگر کوئی بھلا کام ہم سے بن پڑے تو خدا کا شکر کریں کہ ہمیں اچھی چیز دی اور اگر برا کام ہم سے سرزد ہو تو چون وچرا نہ کریں کیونکہ ہم بھی اس کے اور برے بھلے کلام بھی اس کے، ہم کو برے کاموں کے مناسب دیکھا تو ہم سے کرایا۔ پاخانہ [یعنی بیت الخلاء۔ راقم] میں جو اہل مکان پاخانہ پھرتا ہے [یعنی قضائے حاجت کرتا ہے۔ راقم] اور شہ نشین [یعنی بیٹھک یا ڈرائنگ روم۔ راقم] میں بیٹھتا ہے تو شہ نشین نے کوئی کام قابل انعام نہیں کیا اور پاخانہ نے کوئی تقصیر نہیں کی پر مناسب یوں ہی ہے کہ وہاں پاخانہ پڑے اور یہاں جلوس ہو۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ ڈرتے رہیں کبھی ایسا نہ ہو کہ جیسے پاخانہ کو سکھا کر آگ میں جھونک دیتے ہیں ہمیں بھی اسی طرح دوزخ میں نہ جھونک دیں گوہ گوبر کی تقصیر سوا ناپاک ہونے کے اور کیا ہے؟ اسی طرح بروں کی تقصیر سوا برے ہونے کے اور کچھ نہیں اگر ہم ڈرتے رہیں تو کچھ عجب نہیں کہ جیسے گندگی سے کھیت کا کھات [یعنی کھاد۔ راقم] بن کر گلاب کا پھول پیدا کردیتے ہیں ہمارے برے کام سے بھی کوئی نیک کام پیدا کردیں۔ اور بدکام سے نیک کام کے پیدا کرنے کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے چوری کی اور وہ چوری ثابت ہوگئی اور اس پر اس کو سزا ہوئی اور چار طرف سے لوگوں نے اس کو لعنت ملامت کیا اور اس کو جو اس سے ندامت ہوئی تو اس نے پھر اس کام کے نہ کرنے کا اپنے دل میں پکا عہد کیا اور اس کی مکافات کیلئے کچھ اور اچھے اچھے کاموں کی عادت کی تو اس صورت میں حقیت کو دیکھئے تو یہ عادت نیک اسی چوری سے پیدا ہوئی۔

الغرض یہ مقام خوف ہے کہ ہم بے بس اور بے اختیار ایک بڑے صاحب اختیار کے قبضہ میں آئے ہوئے ہیں اور اس کے ہاتھ تلے دبے ہوئے ہیں دیکھئے کیا کر بیٹھے اور کس کام میں لگادے مثل قیدیوں کے چکی پسوائے یا سڑک کھدوائے یا بان بٹوائے۔ [جیسے بعض لوگ زندگی بھر نیکی کے کام کرتے ہیں مرنے سے پہلے تقدیر غالب آتی ہے برے کاموں میں پڑجاتے ہیں اسی حالت میں موت آجاتی ہے برے خاتمہ کی وجہ سے دوزخ میں جاتے ہیں۔ متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۲۰] اور جب یہ سمجھ کر خوف ہوگا تو اس کی تمنا ہوگی کہ ہم سے خدا کسی طرح اچھے کام لے اور برے کام سے بچائے اور جب یہ تمنا ہوگی اور ادھر سے رغبت ہوگی تو بے اختیار اچھے کاموں کا ارادہ پیدا ہوگا اور جب ارادہ پیدا ہوگا تو قدرت اور طاقت سے جو انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ جسم کے اعضاء میں رکھی ہے تمنا کے موافق کام لے گا (تقریر دلپذیر ص ۶۲ تا ص ۶۴)

۱) اس کے تحت محمد علی لاہوری مرزائی لکھتا ہے: یہاں **ما یضل بہ الا الفاسقین** کہہ کر یہ بتادیا کہ اضلال کے معنی گمراہ پانا یا گمراہی میں چھوڑنا ہے کیونکہ فاسق تو خود ہی پہلے گمراہ ہے اسے اور گمراہ کیا کرنا ہے کیونکہ فاسق اسی کو کہتے ہیں جو شریعت یعنی قانون کی حدود سے باہر نکل جاتا ہے تو وہ خود گمراہ ہو چکا ہوا ہے یہ دوسرا قرینہ ہے کہ اضلال کے معنی یہاں گمراہ ٹھہرانا یا گمراہی میں چھوڑ دینا ہیں (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۲۳ حاشیہ ۴۱) (باقی آگے)

دینِ اسلام کے بارے میں شرح صدر عطا فرمائے آمین۔مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

اطاعت سے خارج ہونے والوں کو فاسق کہتے ہیں فاسق کا لفظ کافر اور مومن عاصی دونوں کو شامل ہے(۱) لیکن کافر کا فسق مومن عاصی کے فسق سے زیادہ سخت ہوتا ہے مگر اس آیت میں فاسق سے کافر ہی مراد ہے(۲)......کافر فاسق تو حدود ایمان سے ہی خارج ہو جاتا ہے اور مؤمن عاصی ایمان سے خارج نہیں ہوتا مگر حدودِ اطاعت سے خارج ہو جاتا ہے(معارف القرآن کاندھلویؒ ج۱ص۱۱۰،۱۱۱)

۷) فاسقوں کے اوصاف:

پھر اللہ تعالیٰ نے ان فاسقوں کے کچھ اوصاف ذکر کئے پہلا وصف یہ ذکر کیا: **يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ** کہ یہ لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑتے ہیں اس عہد سے یا تو عقل انسانی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمائی ہے اور یہ عقل دنیا میں انسان پر حجت ہے اور ایک طرح کا عہد ہے کہ انسان اپنی عقل سے خالق کو پہچانے اور اس کو ایک جانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے فرمایا، اور یا عہدِ اَلَستُ مراد ہے(۳) جس کا سورۃ اعراف:۱۷۲ میں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول:** قرآن نے ایسے فاسقین کو گمراہ تو ٹھہرادیا گمراہ تو ان کو تو بھی مانے گا لیکن سوال یہ ہے کہ قرآنی مثالوں پر اعتراض کرنے سے ایسے لوگوں کو کیا ملے گا یہاں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ ایسے لوگ قرآن سے ہدایت پانے کی بجائے بعض قرآنی مضامین پر اعتراض کر کے گمراہی میں مزید بڑھتے جاتے ہیں۔اور گمراہی میں بڑھنا گمراہی ہے چونکہ اس قسم کے بہت سے لوگوں کا گمراہی میں بڑھنا، اللہ کے حکم تکوینی سے تھا اس لئے فرمایا **يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا**۔

۱) مولانا عبدالحق حقانیؒ تفسیر پارہ الم ص۷۶،۷۷ میں فرماتے ہیں:

فسق خدا کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے نکل جانے کو کہتے ہیں اور اس کے تین درجے ہیں[۱] تغابی یعنی باوجودیکہ گناہ کو برا سمجھتا ہے پھر بھی کبھی خواہش نفسانی سے اس کا مرتکب ہو جاتا ہے[۲] انہماک یعنی گناہ کرنے کی عادت کرے اور کچھ پرواہ نہ کرے[۳] جحود کہ گناہ کو اچھا جان کر عمل میں لاوے اور خدا اور رسول کے فرمان کی کچھ حقیقت نہ سمجھے اس تیسرے درجے میں انسان کافر ہو جاتا ہے اور پہلے دو درجوں تک مومن رہتا ہے ان پر تمام احکام اسلام نماز جنازہ امامت وتوریث ومناکحت وغیرہ جاری ہوں گے عالم آخرت میں خدا چاہے گا اس کو بلا عذاب جنت میں جگہ دے گا چاہے گا بقدر گناہ سزا دے کر چھوڑ دے گا۔

۲) قرآن کریم میں فاسق کا لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے آیت: **ان المنافقين هم الفاسقون** (التوبۃ:۶۷) میں منافقین کو فاسقین کہا گیا ہے اور آیت: **بئس الاسم الفسوق بعد الايمان** اور آیت: **يآ ايها الذين امنوآ ان جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا** ان آیتوں میں فاسق اور الفسوق کے الفاظ اہل ایمان کیلئے ہیں۔

۳) مولانا عبدالحقؒ فرماتے ہیں اسی عہد کو بارامانت کہتے ہیں کہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے **انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان** الآیۃ پھر اس الہام الٰہی یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے معجزات وآیات وکتاب سے اس عہد کی مضبوطی اور تاکید وتائید ہے جہاں انبیاءؑ نہیں آئے وہاں کے لوگ بھی اپنے عہد کے ذمہ دار ہیں اگر شرک کریں گے تو جہنم میں بدعہدی کی سزا پاویں گے......پھر یہ عہد ہر شخص کے ساتھ اور بھی خصوصیت رکھتا ہے بادشاہوں کے ساتھ یہ خصوصیت کہ وہ عدل وانصاف کریں علماء سے یہ کہ وہ حق نہ چھپاویں مداہنت نہ کریں۔(تفسیر حقانی پارہ الم ص۷۶،۷۷)

☆ محمد علی لاہوری مرزائی اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

راغب لکھتے ہیں کہ **عهد الله** اللہ کا عہد کبھی یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایک بات ہماری عقل میں ودیعت رکھی ہے اور کبھی یہ کہ اس کے رسول کتاب وسنت سے ایک بات کا حکم دیتے ہیں تیسری صورت یہ بھی لکھی ہے کہ انسان خود اپنے اوپر ایک امر کو واجب کر لے جیسے نذر کہا جاتا ہے پہلے کی مثال **الست بربكم قالوا بلى** (الاعراف ۷۔۱۷۲) ہے جس کو قرآن کریم نے خود عہد فرمایا ہے اللہ کا سب سے بڑا عہد یہی ہے کہ جس کو ہر انسان کی فطرت میں رکھ دیا کہ وہ اپنے خالق کی عبادت کرے۔(بیان القرآن ج۱ص۲۳)

**اقول:** اللہ تعالیٰ نے جابجا عقل کی نعمت کا ذکر فرمایا، اور غور وفکر کرنے کی دعوت دی مگر سورۃ الاعراف میں مذکور عہد"الست"ایک الگ چیز ہے جیسا کہ آپ مولانا عاشق الٰہیؒ کے حوالے سے دیکھ چکے ہیں مگر اس مرزائی نے اس واقعہ کی ایسی شرح کی جس سے اصل واقعہ کا انکار ہی ہو جاتا ہے، سورۃ الاعراف کی مذکورہ بالا آیت کے تحت (باقی آگے)

ذکر ہے یہ عہد، اللہ نے سب سے لیا، اس کو یاد دلانے کیلئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ جس سے یہ عہد اور پختہ ہوتا گیا، اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے بھی عہد لیا تھا کہ تم اللہ کی کتاب کو لوگوں سے بیان کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں (آل عمران: ۱۸۷) کیونکہ علماءِ اہل کتاب حق کو چھپاتے تھے اور اسلام کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے (از انوار البیان ج ۱ ص ۴۶)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اپنی تفسیر ج ۱ ص ۵۴۲ حاشیہ ۱۷۴ میں لکھتا ہے: "یعنی فطرت انسانی میں ایک نور رکھا گیا ہے جو اسے حق کی طرف ہدایت کرتا ہے"۔

<u>عقیدۂ توحید کی فطری کس طرح ہوا؟</u>

صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں جو یہ عہد لیا، اس کے ساتھ تمام انسانوں کے ہاں اللہ جل شانہ کے رب ہونے کا عقیدہ فطری بن گیا نظری نہ رہا کیونکہ فطری بدیہی کی اقسام میں سے ہے اس لئے دنیا کے اکثر انسان کسی نہ کسی توحید خداوندی کا اقرار کرتے ہیں (تفصیل کیلئے دیکھئے تفسیر عثمانی ص ۲۲۹)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ کا رد کرتے ہوئے تقریر دلپذیر ص ۵۹ میں فرماتے ہیں:

باوجود تکلیفوں کے عبادت کی طرف رغبت ہونے سے الٹی یہ بات نکلتی ہے کہ پہلے زمانہ میں بھی یہ شخص نیکوں کے زمرے میں معدود تھا یعنی اس پیدائش سے پہلے بیشک اس کو کسی قسم کی تجلی جناب باری تعالیٰ کی میسر آئی ہے جس کے سبب اس کے دل میں خدا کی اس قدر محبت جم گئی کہ صدہا تکالیف اٹھاتا ہے اور پھر بھی خدا ہی کی طرف جھکتا ہے...... باقی اس کے یاد نہ رہنے کا باعث یہ ہوا ہو کہ لحہ دو لحہ یا گھڑی دو گھڑی کے لئے یہ قصہ پیش ہوا ہو سو ایسے واقعات کا بھول جانا کچھ مستبعد نہیں بایں ہمہ قطع نظر اس محبت کے کچھ کچھ اثر یادداشت اور بھی معلوم ہوتا ہے یہ اکثر عالم بلکہ تمام عالم کا توحید میں متفق ہونا چنانچہ اوپر مذکور ہوا خود اسی وجہ سے زیادہ معلوم ہوتا ہے کہ کبھی یہ بات کان میں پڑی ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

باقی عہد "الست" کے یاد نہ رہنے کے باعث اہل اسلام کو الزام نہیں دے سکتے کیونکہ وہ عہد از قسم تعلیم تھا، اور تعلیم میں چونکہ علم مقصود ہوتا ہے اس کو دل میں رہنا چاہئے تمام واقعات تعلیم اور کیفیات وقت تعلیم اور وقت تعلیم کا یاد رہنا ضرور نہیں لڑکپن سے زبان کا سیکھنا شروع کرتے ہیں مگر جب سیکھ جاتے ہیں تو الفاظ اور ان کے معنی تو یاد رہ جاتے ہیں اور یہ یاد نہیں رہتا کہ کب سیکھا تھا اور کس سے سیکھا تھا؟ اور کیا کیفیت تھی جب سیکھا تھا؟ اور سیکھنے کی کیا ضرورت ہوئی تھی اور کیا تقریب تھی بلکہ سن شعور میں جو لوگ اساتذہ سے علوم سیکھتے ہیں تو انہیں بھی کچھ یاد نہیں رہتا کہ یہ بات کب حاصل ہوئی تھی اور کس مکان میں حاصل ہوئی تھی؟ القصہ تعلیم و تعلم میں مقصود علم ہوتا ہے اس کا محفوظ رہنا اور دل میں باقی رہنا ضرور ہے باقی اور کیفیات کا یاد رہنا ضروری نہیں۔

چونکہ عہد "الست" یہ تھا کہ خدا نے بندوں سے اپنی خدائی اور ربوبیت کا اقرار کرایا تھا اور اس میں اس سے زیادہ کیا ہے کہ خدا کی ربوبیت کی اطلاع رہے تا کہ اس کے حقوق ادا کرتے رہیں اور غیر کی پرستش نہ کریں اور ظاہر ہے کہ یہ ایک علم ہے اس کا باقی رہنا ضرور ہے اور سوا اس کے اور واقعات اور کیفیات وقت تعلیم کو بھول جائے تو کچھ حرج نہیں سو اتنی بات ہر کسی کے جی میں مرکوز ہے کہ خدا ہمارا خالق اور مالک ہے (انتصار الاسلام ص ۲۵،۲۶)

☆ مرزا محمود سورۃ الاعراف کی مذکورہ بالا آیت لکھ کر کہتا ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر روح کے اندر ایک ایسا مادہ رکھا ہے کہ گویا وہ زبان حال سے اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے پھر فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی گویا ان صفات کے مخفی ظہور کے ذریعہ سے ان سے کہتا ہے کہ کیا تم اس پر گواہ ہو؟ اور وہ بزبان حال کہتی ہیں کہ ہاں ہم گواہ ہیں یہ انسانی فطرت کی ایک لطیف شہادت قرآن کریم نے بیان کی ہے لیکن کچھ لوگ اس فطرتی شہادت کو جو ہر انسان کے نفس میں پائی جاتی ہے بھلا کر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح گویا اس عہد کو توڑ دیتے ہیں جو ہر فطرت نے ہوش آتے ہیں توحید پر قیام کے متعلق کیا تھا۔

دوسری مراد عہد سے وہ عہد ہے جو ہر نبی اپنے سے بعد میں آنے والے نبی پر ایمان لانے کے متعلق لیتا ہے فرماتا ہے: **واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین**......(آل عمران: ع ۹) یعنی ہم نے ہر نبی سے اس کے وقت میں عہد لیا تھا کہ جو کلام اور جو مامور بعد میں میری طرف سے آئے اسے بھی ماننا ہوگا پس فاسق وہ ہوتے ہیں (باقی آگے)

ان فاسقوں کا دوسرا وصف یوں فرمایا: وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ کہ یہ لوگ ان چیزوں کو کاٹتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، ان میں حقوق اللہ بھی ہیں اور حقوق العباد بھی ان میں یہ بھی ہے کہ سب انبیاء پر ایمان لائیں جائز وعدوں کو پورا کرنا، اپنوں کے ساتھ یا غیروں کے ساتھ کیئے ہوئے وعدوں کو نبھانا بھی اس میں داخل ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ يَقْطَعُوْنَ کے تحت لکھتے ہیں: جیسے قطع رحم کرنا، انبیاء اور علماء اور رواعظین اور مومنین اور نماز اور دیگر امور خیر سے اعراض کرنا (عثمانی ص ۷ ف ۴)

ان فاسقین کا تیسرا وصف بتایا: وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ (۱) فساد سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ایمان سے نفرت دلاتے تھے اور مخالفان اسلام کو ورغلا کر مسلمانوں سے مقاتلہ کراتے تھے اور حضرات صحابہ اور صلحائے امت کے عیوب نکال کر تشہیر کرتے تھے تا کہ آپ کی اور دین اسلام کی بے وقعتی لوگوں کے ذہن نشین ہوجائے اور مسلمانوں کے راز مخالفوں تک پہنچاتے تھے اور طرح طرح کی رسوم وبدعات خلاف طریقہ اسلام پھیلانے میں سعی کرتے تھے (عثمانی ص ۷ ف ۵) فساد بگاڑ کو کہتے ہیں اور یہ بہت جامع لفظ ہے کفر اختیار کرنا، منافق بننا، شرک ہونا، اللہ کی وحدانیت کا منکر ہونا، دوسروں کو ایمان سے روکنا، حق اور اہل حق کا مذاق بنانا، حقوق کا غصب کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، قتل وخون کرنا جس کی شریعت میں اجازت نہیں دی گئی یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے (انوار البیان ج ۱ ص ۷۴)

آج کل کسی داڑھی والے سے کوئی غلطی ہوجائے تو بعض اخبارات بدنام کرڈالتے ہیں۔ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں کیا کچھ ہوتا ہے؟ اُن کے قائدین کیا کچھ کرتے ہیں اس پر کبھی تنقید نہیں کرتے۔ یہ بات پکی ہے کہ دین اور دینداروں کو بدنام کرنے والے ان لوگوں کی آخرت بہت خراب ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جو اس عہد کو بھول جاتے ہیں اور وقت کے مامور کا انکار کرتے ہیں (مرزائی کبیر ج ۱ ص ۲۶۳)

**اقول:** محمد علی لاہوری نے تو فقط عہد ''اَلَسْتُ'' کا انکار کیا تھا، اس نے اس کے ساتھ ساتھ میثاق النبیین کا ایسا معنی کیا جس کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ لاہوری مرزائیوں کا بھی رد کرنا چاہتا ہے اس کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے معاذ اللہ عہد لیا تھا کہ آنے والے مامور کو ماننا، وہ مامور معاذ اللہ مرزا قادیانی ہے اس کو نبی نہ مان کر جس طرح مسلمان فاسق ہیں اسی طرح لاہوری مرزائی بھی۔ وجہ یہ ہے کہ قادیانی مرزائی سورۃ آل عمران کو اس آیت کو مرزا قادیانی کو نبی ثابت کرنے کیلئے بھی پیش کرتے ہیں (دیکھئے عبدالرحمٰن خادم کی کتاب: مکمل تبلیغی پاکٹ بک ص ۲۶۷، اللہ دتہ جالندھری مرزائی کی کتاب: القول المبین ص ۳۷) یہ بات حجت ہوگی تو لاہوری مرزائیوں پر ہوگی ہمارے ہاں تو نبوت کا دروازہ تو ویسے ہی بند ہے انسان ولایت کے بڑے سے بڑے مرتبے تک کیوں نہ پہنچ جائے نبوت کو نہیں پاسکتا مگر مرزا قادیانی تو سرے سے مسلمان ہی نہ تھا، ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ صادق ومصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جنہیں تم نبوت ورسالت کے دعوے میں سچا کہتے ہو ان کو ختم نبوت زمانی اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے دعووں میں بھی سچا مان لو۔

۱) اس کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

بادشاہ کی فرمانبرداری کیلئے جو بھی کشت وخون کیا جائے وہ فساد نہیں بلکہ عین اصلاح ہے مگر اس کی مخالفت کرنا بغاوت اور فساد، ڈاکوؤں اور پولیس میں گولی چلی بہت کشت وخون وغیرہ ہوا، ان دونوں نے ایک ہی سا کام کیا مگر ڈاکو فسادی ہیں اور پولیس مصلح ہیں اسی طرح کفار اور مسلمانوں میں فی سبیل اللہ جنگ ہو تو کفار مفسد ہیں اور مسلمان مصلح۔ اسی طرح عالم دین کوئی ضروری مسئلہ بیان کرے اور بدمذہب اس پر شور مچائیں فتنہ برپا کریں اگرچہ لوگ تو اس کو فسادی کہتے ہیں لیکن اللہ کے نزدیک وہ عالم دین مصلح ہے یزیدی اور لشکروں میں جنگ ہوئی یقیناً حضرت حسین رضی اللہ عنہ مصلح تھے اور یزید مفسد۔ (نعیمی ج ۱ ص ۲۳۲)

**اقول:** اسی طرح جو لوگ امت میں غلط عقائد ونظریات پیش کریں وہ مفسد ہیں فرقہ واریت پھیلانے والے ہیں اور جو ان کی اصلاح کریں اور لوگوں کی صحیح رہنمائی کریں وہ مصلح ہیں۔ اللہ کے علاوہ کسی کے لئے علم غیب کو ماننا قرآن، حدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے اس لئے اللہ کے علاوہ کسی کے لئے علم غیب کے عقیدے کو پیش کرنے والے فسادی ہیں فرقہ واریت پھیلانے والے ہیں اس باطل عقیدے کا رد کرکے صحیح عقیدہ پیش کرنے والے مصلح ہیں فرقہ واریت سے پاک ہیں اس الجماعہ کے افراد ہیں جس کے ساتھ رہنے کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا (دیکھئے مشکوۃ ص ۳۰) اسی طرح ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مباحثوں میں عقیدہ ختم کو پیش کرنے والے حضرت نانوتویؒ کو (باقی آگے)

## ۸) قرآن پر اعتراض کرنے والوں کا انجام

آخر میں ایسے لوگوں کا انجام بتایا ''أُولٰٓـئِکَ هُـمُ الْـخٰسِرُوْنَ'' کہ یہ لوگ پورے خسارے میں ہیں یہ لوگ اپنے خیال میں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم بہت کامیاب ہیں کہ دنیا کے فائدوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ انہوں نے دنیا کے حقیر فائدے پر نظر کی اور آخرت کے دائمی عذاب کے مستحق بنے جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں (از انوار البیان ج ۱ ص ۴۷)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) منکر ختم نبوت کہنے والے فسادی ہیں اور ان کی خدمات کو پیش کر کے ان کو اپنے وقت کا مجدد ثابت کرنے والے مصلح ہیں۔

۱) مرزا محمود ''اَلْخَاسِرُوْنَ'' کے تحت لکھتا ہے:

عربی زبان میں یہ لفظ ہمیشہ لازم ہی استعمال ہوتا ہے میں نے بڑی تحقیق کی ہے مگر مجھے نہیں ملا کہ یہ لفظ عربی کے استعمال میں کہیں بھی متعدی استعمال ہوا ہو مگر عجیب بات ہے کہ تمام کے تمام مفسرین خَسِرُوْا کے معنی اَهْلَکُوْا کرتے ہیں لکن تاج العروس والا کہتا ہے ''**ولا یستعمل هذ الباب الا لازما کما صرح به ائمه التصریف** کہ سارے اہل تصریف اس کو لازم ہی قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ قرآن مجید میں متعدی استعمال ہوا ہے''۔ لیکن حق یہ ہے کہ لازم ہی ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ ہماری لغتیں مذہبی اثر کے نیچے ہیں اور تفسیروں کے ماتحت لغت کو بھی کر دیا ہے جس سے اسلام کو فائدہ نہیں پہنچا بلکہ نقصان پہنچا ہے اور کئی معارف قرآنیہ اس تصرف کی وجہ سے لوگوں کی نظر سے مخفی ہو گئے ہیں کاش کوئی شخص ہمت کر کے ایسی لغت تیار کرے جو تفسیروں کے اثر سے بالکل آزاد ہو، تا کہ لوگ اس ناجائز دباؤ سے بالکل آزاد ہو جائیں اور قرآن مجید کے سمجھنے میں لوگوں کو سہولت حاصل ہو جائے۔ **خسر** کے لفظ کے متعلق ہی اگر تفسیروں کا رعب ماننے کی بجائے عربی کے قواعد پر نظر کی جائے تو اسے خلافِ محاورہ متعدی بنانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اس کے معنی اس طرح کر سکتے ہیں کہ جس طرح **سفه نفسه** کے کرتے ہیں یعنی حرف جار محذوف تصور کر سکتے ہیں اور جملہ کو یوں تصور کرتے ہیں کہ **سفه فی نفسه** یا تمیز خیال کرتے ہیں جو شاذ و نادر کے طور پر معرفہ بھی آجاتی ہے الخ (کبیر مرزائی ج ۱ ص ۲۶۲، ۲۶۳)

**اقول** دراصل تکلیف اس کو یہ ہے کہ کتبِ تفسیر و کتبِ لغت لکھنے والے مسلمان کیوں ہیں وہ تفسیر و لغت کی کتابوں میں ایسی باتیں کیوں لکھ دیتے ہیں جو مرزائیوں کے راستے میں رکاوٹ ہوں مثلاً خَاتِم کا معنی آخری کرتے ہیں خاص عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو ختم نبوت کے خلاف نہیں جانتے **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** کی تفسیر میں رفع الی السماء کا ذکر کر دیتے ہیں ورنہ مرزا محمود نے جس قاعدے کا ذکر کیا وہ بھی تو انہی علماء سے لیا ہے، سَفِهَ نَفْسَهٗ کی جو توجیہ ہے وہ بھی تو انہی علماء سے لی ہے۔ ارے جب تم پہلے تھے ہی نہیں تو تمہارے عقائد ان کتب میں کیسے آتے؟ [۲] یہ تاج العروس کی عبارت سمجھا نہیں پوری عبارت یوں ہے: **(خَسَـرَ کفَرِحَ وضَرَبَ) الثّانِي لُغَة شَاذَّة کما صَرَّح به المُصَنِّف فی البَصَائِر قال ومِنْه قِرَاءةُ الحَسَن البَصْرِیّ "ولا تَـخْسِرُوا المِيزَانَ". (خَسْرًا) بفَتْح فسُكُون (وخَسَرًا) مُحَرَّكَةً (وخُسْرًا) بضَمٍّ فسُكُون (وخُسُرًا) بضَمَّتَين وبه قرأ الأَعْرَجُ وعِيسَىٰ بنُ عُمَر وأَبو بَكْر وابنُ عَبَّاس: لَفِي خُسُر (وخُسْرانًا) كعُثْمَان (وخَسَارَةً) بالفَتْح (وخَسَارًا) كسَحاب الثّانِيَة والثّالِثَة عن ابْنِ دُرَيْد: (ضَلَّ) ولا يُسْتَعْمَل هذا البَابُ إِلا لازِمًا كما صَرَّحَ به أَئِمَّة التَّصْرِيف، قال شَيْخُنَا: وتَعَقَّب هذا القَوْلَ جماعةٌ مُسْتَدِلِّين بقَوْله تَعَالَى: الذين خَسِرُوا أَنفسَهُم، وخَسِرَ الدُّنْيَا والآخِرَةَ، ونحوهما وقال: لا عِبْرَة بظَوَاهِر نُصُوصِهِم مع وُرُودِ خِلافِها فی الآياتِ القرآنِية** تاج العروس ج ۳ ص ۱۷۵) مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ جب باب سمع سے ہوگا تو لازم ہوگا باب ضرب سے متعدی جیسے **حزن** باب سمع سے بھی ہے باب نصر سے بھی سمع سے لازم ہے جیسے **لا خوف عليهم ولا هم يحزنون** نصر سے متعدی جیسے **وَلَا يحزُنک قولُهم**: علامہ زبیدیؒ کہتے ہیں یہ قول درست نہیں [۳] سَفِهَ پر قیاس بھی درست نہیں کیونکہ بعض نے اسے لازم کہا تو بعض نے جَهِلَ کے معنی میں کر کے اس کو متعدی بھی مانا ہے علامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں: **(أَوْ أَهْلَكَهٗ) فيه اشارة الی قول ابی عبيدة فانه يقول معنی "سَفِهَ نَفْسَهٗ" اَهْلَکَ نَفْسَهٗ وَاَوْبَقَهَا ...... وقال بعض النحويين فی قوله تعالیٰ "اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ" ای فِیْ نَسَهٗ ای صَارَ سَفِيْهًا الا أن "فِیْ" حذفت كما حذفت حروف الجر فی غير موضع وقال الزجاج القول الجيد عندی فی هذا ان "سَفِهَ" فی موضع "جَهِلَ" والمعنی والله اعلم: اِلَّا مَنْ جَهِلَ نَفْسَهٗ ای لم يفكر فی نفسه فوضع "سَفِهَ" فی موضع "جَهِلَ" وعُدِّیَ كَمَا عُدِّیَ الخ** (تاج العروس ج ۹ ص ۳۹۱)

## [اثباتِ توحید ورسالت کے بعد خدا کے انعامات کا ذکر اور عقیدۂ آخرت کا بیان]

كَيْفَ (۱) تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ (۲) وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا (۳) فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ (۴) يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

**ترجمہ:** تم اللہ کا انکار کیونکر کرسکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کے پاس تم لے جائے جاؤ گے۔

### ﴿ربط اور کچھ تفسیری نکات﴾

ربط: گذشتہ آیات میں توحید کے بعد قرآن کے معجزہ ہونے کا اعلان کرکے اور قرآن پر کئے گئے اعتراض کا جواب دے کر آپ ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کو ثابت کیا، اثباتِ رسالت کے بعد اس آیت میں خدا کے انعامات بتا کر آخرت کا ذکر کیا کیونکہ عقیدۂ رسالت کی طرح آخرت کا عقیدہ بھی بنیادی اسلامی عقیدہ ہے۔

---

۱) ترکیب نحوی: كَيْفَ اسم استفہام حال ہے تَكْفُرُوْنَ کی واؤ ضمیر سے۔ تَكْفُرُ فعل واؤ ضمیر ذوالحال بِاللّٰهِ جار مجرور متعلق فعل کے واؤ حرف حال كُنْتُمْ اَمْوَاتًا جملہ معطوف علیہ اس سے قبل قَدْ محذوف مانتے ہیں تاکہ یہ حال بن سکے فا حرف عطف اَحْيَاكُمْ جملہ فعلیہ معطوف، ثُمَّ حرف عطف اس کے بعد والے جملے اس پر معطوف ہیں معطوف علیہ اپنے معطوفات سے مل کر واؤ ضمیر سے حال ہیں ذوالحال اپنے دونوں حالوں سے مل کر فاعل۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

**فائدہ:** كَيْفَ کی ترکیب کا قاعدہ یوں ہے کہ جب كَيْفَ کے بعد جملہ کے بنیادی اجزاء سب موجود ہوں تو یہ حال ہوتا ہے جیسے كَيْفَ جَاءَ زَيْدٌ میں كَيْفَ، زَيْدٌ سے حال ہے اور اگر كَيْفَ کے بعد پورا جملہ نہ ہو تو یہ خبر مقدم ہوگا جیسے كَيْفَ اَنْتَ میں كَيْفَ خبر مقدم اَنْتَ مبتدا موخر ہے اور كَيْفَ كُنْتَ میں كَيْفَ كَانَ کی خبر مقدم ہے اسی طرح فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ میں (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے مغنی اللبیب ج۱ ص۲۰۴ تا ۲۰۷)

**اشکال:** حال اور اس کے عامل کا زمانہ ایک ہونا چاہئے اور یہاں ایسا نہیں کیونکہ کفر کا زمانہ حال ہے اور انسان کے بے جان ہونے کا زمانہ ماضی اور ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ کا زمانہ مستقبل تو یہ ترکیب میں حال کیسے ہوئے؟

**جواب:** مطلب یہ ہے کہ تم اس بات کو جانتے ہو کہ پہلے تم بے جان تھے پھر اللہ نے تم کو پیدا کیا، اور اس کو بھی مانتے ہو کہ تمہیں کسی دن مرنا ہے۔ اور جب اس کو مان لیا تو یہ بھی مان لو کہ تمہارے خالق نے یہ سارا نظام عبث تو نہیں بنایا بلکہ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرکے تمہارے اعمال کا حساب لے گا۔ اور ان امور کو جاننے کا زمانہ تو حال ہے۔ اگر یہ تاویل نہ ہو تو حال بنانا درست نہیں علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: **ولك ان تجعل جميع الجمل مندرجة في الحال وهو في الحقيقة العلم بالقصة كانه قيل (كيف تكفرون) وانتم عالمون بهذه القصة وباولها وآخرها، فلايضر اشتمالها على ماض ومستقبل الخ** (روح المعانی ج۱ ص۲۱۳)

۲) **تكفرون بالله** میں نہ صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کا بیان ہے بلکہ اس میں ایمان لانے کی دوسری چیزیں بھی شامل ہیں یعنی تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اس کے کلام کا کیسے انکار کرتے ہو اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کو کیوں نہیں مانتے؟ اور معاد پر تمہارا ایمان کیوں نہیں ہے؟ گویا **تكفرون بالله** میں وہ تمام چیزیں آگئیں جن کا کفار انکار کرتے تھے (معالم العرفان ج۲ ص۱۳۹ نیز دیکھئے معارف الفرقان ج۱ ص۱۵۲)

۳) اگر موت کا معنی بے جان ہونا ہو تو اموات کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اگر موت سے مراد زندہ ہونے کے بعد فوت ہونا ہو تو لفظِ اموات یا مجازی معنی میں ہے یا اس سے پہلے کاف حرفِ جار محذوف ہے علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: **واطلاق الاموات على تلك الاجسام مجاز ان فسر الموت بعدم الحياة عمن اتصف به، وحقيقة ان فسر بعدم الحياة عما من شانه كان حقيقة قاله السيالكوتي ويفهم من كلام بعضهم انه على معنىً كالاموات على التفسير الثاني وان فسر بعدم الحياة مطلقا كان حقيقة وهو المشهور** (روح المعانی ج۱ ص۲۱۴)

۴) بے جان ہونے کے بعد حیاۃ بلا مہلت ہے اس لئے فا لایا گیا، جبکہ اس کے بعد موت اور موت کے بعد اللہ کی طرف رجوع مہلت کے ساتھ ہے اس لئے ثُمَّ لایا گیا۔

مختصر تفسیر: اللہ نے اپنے احسانات بتاتے ہوئے فرمایا تم اموات تھے یعنی بیجان تھے اللہ نے تمہیں زندگی دی ان انعامات واحسانات کا مقتضی تو یہ تھا کہ تم شکر کرتے نہ کہ کفر، حیرت ہے کہ ان انعامات اور احسانات کے بعد تم کو کفر پر جرأت کیسے ہوئی ؟ کرلو جو کچھ کرنا ہے اللہ جب چاہے گا تمہیں وفات دے گا (۱) پھر زندہ کرے گا پھر اس کے دربار میں حساب کیلئے حاضری ہوگی۔ اگر وہ زندہ نہ کرتا تمہیں زندگی نہ ملتی پھر جب موت کا وقت آئے گا تم بچ نہ سکو گے ان باتوں کو تو تم مانتے ہو یہ بھی مان لو کہ جس خدا کے حکم سے زندگی اور موت ہے اسی خدا کے حضور پیش ہو کر تمہیں حساب دینا ہے اس لئے اس کی فرمان برداری کے بغیر چارہ نہیں (۲) اور اس کی فرمانبرداری ویسے ہی ہو سکتی ہے جیسے اس کے رسول بتائیں اس لئے اس کے آخری رسول ﷺ پر ایمان لانا بھی ضروری ٹھہرا۔

---

۱) موت مؤمن کیلئے نعمت ہے کیونکہ ایمان پر موت آنے سے ایمان ہمیشہ کیلئے محفوظ ہوتا ہے جس سے عذاب قبر سے نجات پاتا ہے، جنت کا حقدار ہوتا ہے۔

۲) اس آیت سے بعض مفسرین نے قبر کی زندگی پر بھی استدلال کیا ہے کما سیأتی۔ اور یہ بات تو احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ قبر میں عذاب سے وہی بچے گا جو وہاں آنحضرت ﷺ کی نبوت کی گواہی دے گا قبر میں اسی طرح حشر میں مرزا قادیانی کو ماننا ہرگز کام نہ آئے گا، اس لئے مرزائیوں کی کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کو قبر کے ان احوال کا پتہ نہ چلنے پائے۔ ذیل میں اس بارے میں مرزا قادیانی اور مرزائیوں کی کچھ عبارات مع تبصرہ ملاحظہ ہوں۔

## احوال قبر کے بارے میں مرزا قادیانی کا نظریہ

مرزائیوں کی مشہور کتاب فقہ احمدیہ میں ایک سوال اٹھایا ہے کہ: ''قبر میں سوال وجواب روح سے ہوتا ہے یا جسم میں وہ روح واپس ڈالی جاتی ہے؟'' پھر مرزا قادیانی سے اس کا جواب نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ''جواب: سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام [یعنی مسیح کالعدم متنبی قادیانی علیہ ما علیہ] نے فرمایا:

اس پر ایمان لانا چاہئے کہ قبر میں انسان سے سوال وجواب ہوتا ہے لیکن اس کی تفصیل اور کیفیت کو خدا پر چھوڑنا چاہئے یہ معاملہ انسان کا خدا کے ساتھ ہوتا ہے وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے پھر قبر کا لفظ وسیع ہے جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی حالت بعد الموت میں جہاں خدا اس کو رکھتا ہے وہی قبر ہے خواہ دریا میں غرق ہو جاوے خواہ جل جاوے خواہ زمین پر پڑا رہے۔ دنیا سے انتقال کے بعد انسان قبر میں ہے اور اس سے مطالبات اور مواخذات جو ہوتے ہیں اس کی تفصیل کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے انسان کو چاہئے کہ اُس دنیا کے لئے تیاری کرے نہ کہ اس کی کیفیت معلوم کرنے کے پیچھے پڑے''۔ (فقہ احمدیہ ج ۲ ص ۲۶۰)

اقول [۱] جو مسلمان کیفیت کے طلبگار ہوتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں جو کچھ اس کے بارے میں آیا ہے انہیں اس کا علم ہو جائے یعنی اپنے ایمان کی تکمیل کیلئے وہ ایسا کرتے ہیں وہ مانتے اسی کو ہیں جس کا علم ان کو قرآن وحدیث کے حوالے سے ہو [۲] بے شک پوری تفصیل تو اللہ ہی جانتا ہے مگر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی وساطت سے جو کچھ ہمیں بتا دیا، اسے تو ذکر کرتو اس سے بھی گریز کر رہا ہے، زیادہ نہیں تو اتنا ہی بتا دے کہ قبر میں بندے سے سوال کیا کیا ہوتے ہیں؟ وہاں اہم ترین سوال نبی ﷺ کی بابت ہے۔ کسی روایت میں ہے مَنْ نَبِیُّکَ کسی میں ہے مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ ۔ قادیانی نے نام نہاد بہشتی مقبرہ تو بنا دیا اس کے فضائل ومسائل پر مشتمل رسالہ لکھ مارا، اس میں دفن ہونے کے لئے دسویں حصے وصیت کی شرط بھی لگادی مگر قبر کے سوالات بتانے سے گریز کر گیا۔ مرزائیو! متنبی قادیانی کو القاب جو چاہو دے دو مگر گندگی کا نام کستوری رکھ دینے سے اس سے کستوری کی خوشبو تو نہ آئے گی۔ تم اس کو مسیح کہو یا نبی اور رسول کہو مگر یہ بات یاد رکھو کہ قبر حشر میں وہ کسی کام کا نہیں بلکہ مرزے کو نبی یا مجدد یا مسیح کہنے والوں کو مرنے کے بعد ہمیشہ کیلئے سخت ترین عذاب کا سامنا ہے۔

## محمد علی لاہوری مرزائی کی کچھ عبارات کا جائزہ

[۱] اس آیت کے تحت لکھتا ہے: اس آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے پہلی موت سے مراد عدم ہے یعنی نیستی کی حالت سے عالم وجود میں آنا...... نیستی سے ہستی دلیل الوہیت ہے: پس یہاں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل دی ہے کہ نیستی سے تم کو ہستی کی حالت میں لایا۔ اگر آریوں کی طرح محض یہ مانا جائے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال ہوتا ہے اور نیستی سے ہستی کوئی نہیں تو الوہیت پر دلیل پیدا نہیں ہوتی۔ (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۲۴ حاشیہ ۴۳)

 حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ نے تقریر دلپذیر، حجۃ الاسلام اور مباحثہ شاہجہانپور میں بہت احسن انداز میں اس کو ثابت کیا ہے کہ ہمیں نیستی سے ہستی میں (باقی آگے)

<u>کائنات کیلئے خالق ومدبر کا ہونا عقلاً بھی ضروری ہے:</u>

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ کائنات کیلئے خالق ومدبر کا ہونا عقلی طور پر بھی نہایت واضح ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کوئی شخص پہاڑ کی چوٹی پر زندگی بسر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لانے والا کوئی ہے اور وہ ایک ہے وحدہ لاشریک لہ، ہمیں لازم ہے کہ اس کی بندگی کریں پھر حضرتؒ نے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی نبوت کو ثابت کیا اور ختم نبوت کا اعلان کیا، اور اس بات کو منوایا کہ اب نجات صرف آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی اتباع میں ہے۔ اس طرح انہوں نے مرزائیت کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی مرزائیوں کے تمام ترشبہات کا رد کردیا (دیکھئے مباحثہ شاہجہانپور ص ۱۸ تا ۴۴، دیگر حوالہ جات کے لئے دیکھئے راقم کی کتاب حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت نیز راقم کی کتاب **حق الیقین بانّ سیدنا محمدا ﷺ آخر النبیین**) پھر جب پنڈت دیانند سرسوتی نے تناسخ کا قول کیا اور کہا کہ کائنات کا مادہ قدیم ہے تو حضرت نانوتویؒ کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا تھا کہ اس طرح توحید باقی نہیں رہتی۔ پنڈت حضرت نانوتویؒ کے جواب کا رد نہ کرسکا (دیکھئے مباحثہ شاہجہانپور ص ۸۷ تا ص ۸۴)

☆ محمد علی لاہوری مرزائی اسی آیت کے تحت لکھتا ہے:

**ثم یمیتکم ثم یحییکم** بطور دلیل نہیں بلکہ اس میں آئندہ کی ایک خبر بتائی کہ موت کے بعد وہ تمہیں پھر ایک زندگی عطا فرمائے گا۔ <u>اللہ کی طرف رجوع</u>: اور **ثم الیہ ترجعون** میں اس دوسری زندگی کی غرض بتائی کہ تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے بالآخر سب کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوگا (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۲۴ حاشیہ ۴۳)

**اقول** بیشک سب کو اللہ کی طرف جانا ہے مگر یہ بھی سوچا کہ وہاں نجات کیسے ہوگی؟ اس کیلئے آنحضرت ﷺ کی کامل تصدیق ضروری ہے جیسے دعویٰ نبوت میں آپ کو سچا ماننا ضروری ہے اسی طرح ختم نبوت کے دعوے میں اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے دعوے میں بھی تصدیق ضروری ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی کو عیسیٰ علیہ السلام ماننا تو ویسے ہی کفر ہے مرزا قادیانی کے کفریات پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان کہنے والا بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے چہ جائیکہ اس کو مجدد اور مسیح ماننے والا۔

☆ محمد علی لاہوری مرزائی ایک اور کتاب ''دین اسلام'' میں عنوان باندھتا ہے: <u>حالت برزخ میں روحانی تجربہ</u>، اس کے تحت لکھتا ہے

: یہ امر کہ موت کے معاً بعد ایک نئے روحانی تجربے کا ایک قسم کا شعور یا احساس پیدا ہوجاتا ہے، متعدد آیات قرآنی سے ثابت ہے...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرجائے تو صبح اور شام اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے لایا جاتا ہے...... یہ حدیث بھی ظاہر کرتی ہے کہ عذاب قبر سے عالم برزخ میں گنہگاروں کی صرف روحانی حالت مراد ہے اسی طرح صالح لوگوں کے متعلق ذکر آتا ہے کہ وہ مرنے کے فوراً بعد اپنے اعمال حسنہ کے پھل کھائیں گے۔ (دین اسلام ص ۲۸۴، ۲۸۵)

**اقول** [۱] کہنا ہے تو کہہ ''روحانی بدلہ'' بھلا تجربہ وہاں کون کرے؟ وہاں تجربہ کرنا بندہ کے تو بس میں نہیں، اور اللہ تعالیٰ تجربہ سے بے نیاز ہے۔ علاوہ ازیں قبر میں انسان کو روحانی وجسمانی اعمال کا کچھ بدلہ ملے گا، قبر کوئی تجربہ گاہ تو نہیں۔ اور پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا۔

[۲] تو متعدد آیات قرآنی کہتا ہے ارے قرآن کریم میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں روحانی تجربے کی تصریح ہے۔ اور روحانی تجربہ ہوتا کیا ہے؟ یہ بھی تو بتا دے۔ ہمیں تو احادیث میں قبر کے عذاب یا نعیم کا ذکر ملتا ہے۔ اور قرآن کی اُن آیات سے اس کی تائید ہوتی ہے جن سے علماء اسلام نے عذاب قبر پر استدلال کیا ہے۔

[۳] ٹھکانہ سامنے ہونے سے روحانی تجربے کا مفہوم کہاں سے نکل آیا؟ ٹھکانہ اس وقت دکھایا جاتا ہے جب روح کا جسم سے تعلق ہو چکا ہوتا ہے۔

[۴] قبر میں روحانی تجربے کا تو امت میں کوئی قائل نہیں البتہ حافظ ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ قبر میں جزا سزا محض روحانی ہوگی اول تو ان کی اس بات کو جمہور نے قبول نہیں کیا دوسرے موصوف آخرت کی نعمتوں کو جسمانی مانتے ہیں چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں: **ان اھل الجنۃ یاکلون ویشربون ویطئون ویلبسون و یتلذذون** الخ (المحلی ج ۱ ص ۱۲) ''اہل جنت کھائیں گے پئیں گے، ہمبستری کریں گے مزے کریں گے''۔ اور مرزائی آخرت کی نعمتوں کو محض روحانی کہہ کر آخرت کے منکر ہیں۔

<u>مرزا محمود کی کچھ عبارات کا جائزہ</u>

[۱] اس آیت کے تحت لکھتا ہے: **یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا** (مریم) حضرت مریمؑ نے دردِزہ کے وقت میں فرمایا کاش میں اس سے پہلے بے ہوش ہوجاتی اس جگہ موت سے مراد حقیقی موت نہیں بلکہ دردِزہ کی وجہ سے انہوں نے بے ہوشی کی خواہش کی ہے (کبیر ج ۱ ص ۲۶۵ کالم نمبر ۱) (باقی آگے)

کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے عقل وشعور جیسے اعلیٰ حواس سے نوازا ہے وہ زمین وآسمان جیسے نظام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کے باوجود وہ کفر کرتا ہے اور کائنات کیلئے کسی کو خالق نہیں مانتا تو اللہ کے ہاں اس کا مؤاخذہ ہوگا کیونکہ اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا اس پر واجب ہے (اصول الشاشی ص ۳۴، معالم العرفان ج ا ص ۱۴۰) ملاعلی قاریؒ نے اس پر قرآن کریم کی اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے: **قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ** [ابراہیم:۱۰] ''ان کے پیغمبر کہنے لگے کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے'' (شرح فقہ اکبر طبع محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۱۶۴)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول** [۱] بچے کے ولادت کے بعد جبکہ بچے کو سنبھالنے والا بھی پاس کوئی نہیں بے ہوشی کی طلب کا کیا مطلب؟ بغیر شوہر کے بچے کی پیدائش پر لوگوں کی طرف سے جس پریشانی کا خدشہ تھا اس کے پیش نظر انہوں نے موت ہی کی تمنا کی تھی اس لئے اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا و کنت نسیا منسیا [۲] مرزا محمود نے اس کا یہ معنی یا تو اس لئے کیا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کیلئے جائز باپ کا قائل تھا، اور یا مرزا قادیانی کی طرح ان کیلئے باپ تو نا جائز ہی مانتا تھا مگر اس کے ہاں نکاح سے قبل حمل ہو جانا باعث شرمندگی نہ تھا کہ موت کی تمنا کرتیں (دیکھئے ازالہ اوہام درخزائن ج ۳ ص ۲۵۴، ایام الصلح درخزائن ج ۱۴ ص ۳۰۰ حاشیہ، چشمہ مسیحی، درخزائن ج ۲۰ ص ۳۵۵، ۳۵۶)

[۳] یہ ترجمہ مرزائیوں کے دوسرے تراجم کے بھی خلاف ہے خود مرزا محمود دوسری جگہ ترجمہ یوں کرتا ہے: پس (جب وہ وہاں پہنچی تو) اسے دردِزہ (اٹھی اور اسے) مجبور کر کے ایک کھجور کے تنے کی طرف لے گئی (جب مریم کو یقین ہو گیا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے تو اس نے دنیا کی انگشت نمائی کا خیال کر کے) کہا اے کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور میری یاد مٹادی جاتی (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۷۶، تفسیر صغیر ص ۴۹۸ مزید دیکھئے ترجمہ مرزا طاہر ص ۵۰۹ بیان القرآن مرزائی ج ۲ ص ۸۵۵) مگر ان کی کوشش یہی ہے کہ لوگوں کو اس کا قائل کریں کہ حضرت مریمؑ نے یہ بات محض شدت درد سے کہی تھی (دیکھئے بیان القرآن مرزائی ج ۲ ص ۸۵۵، مرزائی تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۷۷)

[۴] قادیانی نے ایسے الفاظ کو اپنا الہام بھی بتایا ہے ترجمہ وہاں بھی اس نے مرنے کا ہی کیا ہے چنانچہ کتاب ''تذکرہ'' جو مرزا کے نام نہاد الہامات کا مجموعہ ہے اس میں لکھا ہے: کشتی نوح میں جو ۱۹۰۲ء کی تصنیف ہے حضرت اقدس [یعنی مرزا مسیح علیہ ماعلیہ] تحریر فرماتے ہیں: ''اس جگہ ایک اور الہام کا بھی ذکر کرتا ہوں ...... اور وہ اس زمانہ کا ہے جبکہ خدا نے مجھے پہلے مریم کا خطاب دیا اور پھر نفخ روح کا الہام کیا پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا تھا **فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا** یعنی پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے دردِزہ تنہ کھجور کی طرف لے آئی۔ یعنی عوام الناس اور جاہلوں اور بے سمجھ علماء سے واسطہ پڑا جن کے پاس ایمان کا پھل نہ تھا جنہوں نے تکفیر و توہین کی اور گالیاں دیں اور ایک طوفان برپا کیا تب <u>مریم نے کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور میرا نام ونشان باقی نہ رہتا</u> (تذکرہ طبع جدید ص ۵۶ حاشیہ) اور اس کے متعلق اور بھی الہام تھے جیسا **لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا، مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا** (تذکرہ ص ۵۷) اس میں مرزا خود کو مریم بھی کہہ رہا ہے اور اپنے لئے مؤنث کی ضمیریں بھی استعمال کر رہا ہے۔ اور **يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا** کا ترجمہ کر رہا ہے: کاش میں اس سے پہلے مر جاتی۔ یہاں بھی مرد ہونے کے باوجود وہ اپنے لئے مونث کے الفاظ تو استعمال کر رہا ہے مگر **مِتُّ** کا ترجمہ بیہوش ہونا نہیں کر رہا۔ مرزا محمود کو کیا سوجھی کہ وہ ایسا ترجمہ کرنے لگا۔

<u>تنبیہ:</u> ہمیں اس پر اعتراض نہیں کہ مرزے کو عورت بننے کا شوق کیوں تھا؟ اور نہ اس سے غرض ہے کہ اس نے اپنے اس شوق کو پورا کیا یا نہیں مگر یہ حقیقت یہ ہے کہ کسی پاکدامن عورت کے دردِزہ میں کہے ہوئے الفاظ کی یوں نقل اتارنا کسی شریف آدمی کا کام نہیں۔

☆ اس آیت کے تحت ہی مرزا محمود کہتا ہے:

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جس خدا نے تم کو بے جان سے جاندار بنایا اور پھر جان دینے کے بعد موت دیتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اس موت کے بعد دوسری زندگی نہ دے گا خلاف عقل ہے اور اگر دوسری زندگی ملنی ہے تو پھر کوئی ہدایت بھی اس کی طرف سے ضرور آنی چاہئے تا کہ وہ انسان کو دوسری زندگی کیلئے تیار کرے (کبیر ج ۱ ص ۲۶۵، ۲۶۶) **اقول** مگر اس کے لئے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے گستاخ مرزا قادیانی اور اس کی امتِ مرزائیہ سے براءت ضروری ہے۔

☆ اس آیت کے تحت مرزا محمود کہتا ہے:

اس آیت میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد عذاب قبر نہیں بلکہ جنت دوزخ سے ہی جب واسطہ پڑے گا پڑے گا کیونکہ اس میں پانچ زمانوں کا ذکر ہے ایک بے جان ہونے کا زمانہ، دوسرا دنیوی زندگی کا زمانہ، تیسرا جسمانی موت کا زمانہ، چوتھا پھر ایک نئی زندگی کا زمانہ اور اس کے بعد وہ زمانہ جب (باقی آگے)

**فائدہ:** ’’**ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ**‘‘ کے بارے میں ایک طبقہ کہتا ہے کہ قیامت کو زندہ کرنا مراد ہے اور ایک طبقہ کہتا ہے کہ قبر کی زندگی مراد ہے مفتی ابوالسعودؒ لکھتے ہیں: (**ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ**) **بِالنُّشُوْرِ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ أَوْلِلسُّؤَالِ فِي الْقُبُوْرِ** (تفسیر ابی السعود ج۱ ص۷۷) علامہ الوسیؒ نے پہلی تفسیر کو راجح کہا مگر یہ بھی لکھا کہ اس آیت میں عذاب قبر کی نفی پر کوئی دلیل نہیں الحمدللہ ہمارے پاس اس کے اور دلائل ہیں (روح المعانی ج۱ ص۲۱۴)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انسان خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوگا یعنی حشر۔ موت کے بعد حیات اور حیات کے بعد **ثُمَّ** کا لفظ رکھ کر **اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** فرمانا بتاتا ہے کہ موت کے جلد بعد ایک قسم کی حیات تو مل جاتی ہے مگر حشر بعد میں ہوتا ہے یہ حیات جو حشر سے پہلے ملتی ہے لازم ہے کہ اس میں کوئی نیک یا بد سلوک انسان سے ہو ورنہ اس حیات کے معنی ہی کوئی نہیں اور اگر نیک و بد سلوک ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ حشر سے پہلے بھی ایک نامکمل ثواب اور نامکمل عذاب ہے اور اسی کو سزا و جزاء قبر کہتے ہیں جو احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے قرآن کریم کی ایک اور آیت واضح طور پر اس عذاب کا ذکر کرتی ہے فرماتا ہے: **النار يعرضون عليها غدوا وعشيا ويوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب** (مومن رکوع ۵) یعنی فرعون کی قوم کو صبح اور شام دوزخ کے سامنے کیا جاتا ہے اور جب قیامت کا دن آئے گا تو کہا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے آل فرعون کو عذاب ملتا رہے گا اور قرآن کریم کے نزول کے وقت بھی مل رہا تھا۔ (کبیر ج۱ ص۲۶۶)

**اقول:** [۱] اس کو یہ بھی کہنا چاہئے تھا کہ کامل زندگی حشر کو ملے گی جنت دوزخ میں پورا داخلہ قیامت کو ہوگا: **ويوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب** (مومن:۴۶) [۲] باقی قبر کے عذاب و نعیم کا ذکر بہت سے علماء نے کیا ہے بعض نے سورۃ مومن کی آیت سے استدلال بھی کیا ہے (دیکھئے متن العقیدۃ الطحاویہ ص۲۲، ۲۳ طبع جدہ، متن العقائد لعمر النسفیؒ ص۲ مع شرح العقائد طبع نور محمد اصح المطابع ص۲۲۱، شرح العقائد ص۹۹، بخاری ج۱ ص۱۷۸، بخاری ج۱ ص۱۷۸، ص۱۸۳، ۱۸۴، الفقہ الاکبر تحقیق العلامۃ زاھد الکوثریؒ ص۷ ملحق العقیدۃ وعلم الکلام من اعمال الامام زاھد الکوثری طبع مکتبۃ الاحرار ص۶۲۳، **الفقہ الابسط** تحقیق العلامۃ زاھد الکوثریؒ ص۷ **ملحق العقیدۃ وعلم الکلام من اعمال الامام زاھد الکوثریؒ طبع مکتبۃ الاحرار ص ۶۰۹ والفقہ الابسط ھو الفقہ الاکبر بروایۃ ابی مطیع البلخی.** العقیدۃ وعلم الکلام ص۵۹۷، شرح فقہ اکبر ص۱۱۸ تا ۱۲۱، شرح عقیدہ طحاوی طبع دار الفکر ص۲۶۱ تا ۲۶۷ نیز دیکھئے امام اہل سنت کی کتاب تسکین الصدور) [۳] قبر کی حیات کو ماننا نجات کے لئے کافی نہیں، یہ بھی بتا کہ قبر میں نجات آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت سے ملے گی یا مرزے کو نبی ماننے اور عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی گستاخیاں کرنے سے؟ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد بھی نبی ہوں گے اس لئے مرزائی خواہ لاہوری ہوں یا قادیانی، منشی قادیانی کو مسیح مان کر منشی قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔

☆ مرزا محمود تفسیر کبیر ج۱ ص۲۶۶ میں لکھتا ہے:

اس آیت میں جس طرح جسمانی موت کے بعد ایک حیات کے وعدہ کا ذکر ہے دنیا کی قومی موت اور زندگی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور مراد یہ ہو سکتی ہے کہ دنیا مردہ تھی خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ سے اسے زندہ کیا ہے <u>پھر ایک دفعہ وہ مرے گی اور پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا</u> گویا اسلام کی دو ترقیوں کی خبر اس میں دی گئی ہے ایک شروع زمانہ میں اور ایک آخر زمانہ میں۔ <u>یعنی اس جگہ سورۃ جمعہ کی آیت **وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ** والی پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے</u> ان معنوں کے رو سے **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** سے یہ مراد ہوگی کہ پھر قیامت آئے گی اور اس طرف اشارہ <u>نکلے کہ دین اسلام آخری دین</u> اور اس کے بعد قیامت تک کوئی اور دین یا مذہب نہیں۔

**اقول:** دین اسلام بے شک آخری دین ہے، اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کو باقی رکھے گا جب تک دنیا میں ہدایت کو باقی رکھنا ہو اس لئے ہر زمانہ میں اہل حق کی ایک بڑی جماعت موجود رہی ہے اور موجود رہے گی دنیا میں مسلمانوں پر فتنے اور آزمائشیں تو بہت آئی ہیں اور بہت آئیں گے مگر اس کی یہ بات بالکل غلط ہے کہ ’’پھر ایک دفعہ وہ مرے گی اور پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا‘‘ علاوہ ازیں اس کا مقصد یہ ہے کہ مرزا قادیانی کے زمانے میں دین اسلام ختم ہو چکا تھا مرزے نے آکر اس کو زندہ کیا، سورۃ جمعہ کی آیت کو لانے کا مقصد بھی مرزے کو نبی کہنا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اس آیت میں معاذ اللہ نبی ﷺ کی دوسری بعثت بصورت مرزا بتائی گئی ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی ایک جگہ لکھتا ہے: میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت **وآخرين منهم لما يلحقوا بهم** بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمدؐ اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے (ایک غلطی کا ازالہ ص۸، در خزائن ج۱۸ ص۲۱۲، نیز قاضی نذیر مرزائی کی کتاب: الحق المبین ص۸۳ نیز ص۲۱۴، ۲۱۵) (باقی آگے)

حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ یہ بحث بقدر ضرورت اپنے مقام پر آئے گی کہ برزخ کی زندگی نَوْعٌ مِنَ الْحَیَاۃِ ہے کہ دوسرے کو محسوس نہیں[اسی لئے اسے یہاں ذکر نہ کیا] لیکن اس کے اندر اتنی حیاۃ ہے کہ قبر کی تکلیف وراحت کو محسوس کرے اور فرشتوں کے سوال کا جواب دے سکے [حضرت نے تسکین الصدور میں اس کے بارے میں لکھا ہے دیکھئے ص ۹۵،ص ۹۹،ص ۱۱۹]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) راقم الحروف دروس ختم نبوت ص ۱۸۱،۱۸۲،آیات ختم نبوت ص ۴۷ تا ص ۵۴،۷۵ نیز حق الیقین ج ۲ص ۱۲۹ تا ص ۱۲۲ نیز ج ۳ص ۲۲۸ تا ۲۵۱ میں اس باطل نظریہ کا رد کر چکا ہے۔ فی الحال اس کی جرأت دیکھئے کہ خود کو خاتم الانبیاء کہہ رہا ہے، عین محمد ﷺ بھی۔ اور یہ ایسا کفر ہے جو ابو جہل ابولہب اور عبداللہ بن ابی نے بھی نہ کیا تھا۔ مرزا محمود کی چالاکی دیکھئے کہ وہ اتنے بڑے کفر کیلئے ذہن سازی کر رہا ہے اور اس طرح کہ عام آدمی اسے ایک تفسیری نکتہ سمجھ کر اپنے ایمان کا بیڑا غرق کر بیٹھے۔

☆مولانا عبدالحق حقانی کی ایک عبارت پر اشکال اور جواب☆

**اشکال** مولانا حقانی حشر اجساد کے منکر تھے وہ فرماتے ہیں حشر صرف روحانی ہوگا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

گویا یوں کہنا چاہئے کہ انسان ملک عدم سے کوچ کر کے ملک ہستی میں آیا پھر یہاں سے انتقال کر کے ایک اور عالم میں جائے گا کہ جس کو باعتبار اس حیات کے موت کہتے ہیں لیکن چندے وہاں آلودگی جسمانی کے اثر میں مبتلا رہے گا پھر اس سے پاک ہو کر ایک کامل حیات پاوے گا اور جب یہ تکدر بالکل جاتا رہے گا تو خدائے تعالیٰ کے روبرو ظہور کلی یعنی حشر کے روز حاضر ہوگا اس تھوڑے سے کلام میں کس قدر مبدأ و معاد کے احوال اجمالاً مذکور ہیں توراتِ حال میں چوں کہ زمین و آسمان کی آفرینش سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کی تاریخ بیان کی ہے اس لئے عیسائی اہل اسلام سے معارضہ کیا کرتے ہیں کہ الہامی کتاب کے لئے ضرور ہے کہ وہ انسان کی بلکہ زمین و آسمان کی ابتدا و انتہاء اور انجام بتلائے کیونکہ ان باتوں کے ادراک سے عقل کا قافیہ تنگ ہے پس یہ باتیں قرآن میں نہیں اس لئے وہ کلام الٰہی نہیں پادریوں کو ایسی باتیں لکھتے اور کہتے شرم نہیں آتی قرآن کی اس آیت میں جس قدر یہ بیان ہے وہ تورات میں کہاں ہے علاوہ اس کے اور جابجا قرآن نے اس امر کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے مگر ہم اس کو کیا کریں کہ وہ لوگ سلسلہ وار تاریخ کی کتاب پر جلد ایمان لاتے ہیں اور ایسے کلام معجز نظام کو نہیں سمجھتے (حقانی پارہ الم ص ۷۹)

**الیہ ترجعون** کے تحت میں لکھتے ہیں:

رجوع کے معنی یہ ہیں کہ جہاں سے جاوے پھر وہیں ہٹ کر آوے جس طرح کہ کرہ میں جہاں سے ابتداء ہوتی ہے وہیں آکر انتہاء ہوتی ہے اسی طرح خدائے تعالیٰ چونکہ ہر شے پر محیط ہے (**انہ بکل شیء محیط**) اسی سے ابتداء ہے پھر اسی کی طرف انتہاء ہے لیکن احاطہ جسمانی نہیں پس کفر و الحاد ہر طرح کی بے دینی، شہوت پرستی روح کے لئے اس کی طرف رجوع ہونے میں چونکہ موانع اور عوائق ہیں جیسا سڑک پر چلنے والے کیلئے خار و دیوار یا اینٹ پتھر۔ (حقانی پارہ الم ص ۷۹)

**جواب** مولانا کا مطلب یہ نہیں کہ میدان حشر میں جسم نہ ہوں گے بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اِس جسم کی وجہ سے پیش آنے والی نفسانی خواہشات میدان حشر میں مٹ چکی ہوں گی اس کی دلیل یہ ہے کہ مولانا اپنی تصانیف میں جابجا جسمانی حشر اور جسمانی جزاء وسزا کی تصریح کرتے ہیں [اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخرت میں نہ صرف یہ کہ جسم بھی ملیں گے بلکہ زوجین کی ایک دوسرے کی طرف رغبت بھی جنت میں لوٹ آئے گی] چنانچہ ایک جگہ عنوان باندھتے ہیں:

"دوسری مرتبہ صور کا پھونکا جانا" اس کے تحت لکھتے ہیں: "خدا تعالیٰ اسرافیل کو زندہ کرے گا، سو وہ صور پھونکیں گے جس سے اول ملائکہ حاملان عرش پھر جبرئیل ومیکائیل وعزرائیل اٹھیں گے پھر نئی زمین وآسمان چاند سورج موجود ہوں گے پھر ایک مینہ برسے گا جس سے مثل سبزہ کے زمین کا، ہر ذی روح جسم کے ساتھ زندہ ہوگا اور اس دوبارہ پیدا کرنے کو شریعت میں حشر و بعث ونشر کہتے ہیں اور اس کے ثبوت میں اکثر آیات واحادیث وارد ہیں"۔ (عقائد الاسلام ص ۱۹۷)

ایک جگہ فرماتے ہیں "اہل کتاب کے نزدیک بھی اس عالم کا فنا ہونا اور پھر دوبارہ پیدا ہونا اور ہر ایک سے حساب لیا جانا ثابت ہے" (ایضاً ص ۱۹۶) آگے انجیل کی کچھ عبارات نقل کر کے لکھتے ہیں..... "یہاں سے مجملاً حشر بالاجساد اور حساب سب ثابت ہے"۔ (ایضاً ص ۱۹۷)

ایک جگہ حشر اجساد پر وارد ہونے والے شبہات اور ان کے جواب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **شبہ** اگر کسی جاندار کو کسی جاندار نے کھایا، اور وہ (باقی آگے)

<u>مشہور تفسیر کے مطابق اس آیت میں عذاب قبر کا ذکر کیوں نہیں؟</u>

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے جو قیامت کے دن ہونے والی ہے قبر کی زندگی جس کے ذریعہ قبر کا سوال وجواب اور قبر میں ثواب وعذاب ہونا قرآن کریم کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جزء بدن ہوگیا پس جس کو کھایا اگر اس کو بجمیع اجزاء زندہ کریں گے تو کھانے والے کا بجمیع اجزاء محشور ہونا باطل ہو جاوے گا کیونکہ اس کے بعض اجزاء میں یہ بھی داخل تھا اور اگر کھانے والے میں اس کو محشور کریں گے تو **آکل بجمیع اجزائه** محشور نہ ہوا مگر ماکول کا محشور ہونا **بجمیع اجزائه** باطل ہوگیا حالانکہ تم قائل ہو کہ ہر حیوان کے کل اجزاء بدن کو جمع کر کے اس میں روح ڈالی جاوے گی

**جواب:** کل اجزاء بدن سے مراد ہماری اجزاءِ اصلیہ ہیں جو اول سے آخر تک باقی رہتے ہیں اور یہ کھایا ہوا حیوان اس کھانے والے کے اجزاءِ اصلیہ میں داخل نہیں پس اس کو اپنے اجزائے اصلیہ کے ساتھ اٹھاویں گے۔

**شبہ:** حدیث میں آیا ہے کہ دوزخی کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور کئی گز موٹا اس کے بدن کا چمڑا ہو جاوے گا پس جہنمی کا وہ بدن جو دنیا میں ہے اس بدن کے جو جہنم میں ہوگا غیر ہوا کیونکہ وہ اتنا بڑا نہ تھا؟ پس جب ایک روح دو بدنوں کے ساتھ متعلق ہوئی تو تناسخ پایا گیا حالانکہ اہل اسلام تناسخ کا انکار کرتے ہیں۔

**جواب:** جہنم کا بدن اس پہلے بدن سے غیر نہیں بلکہ زیادہ عذاب دینے کیلئے اللہ تعالیٰ اسی دنیا کے دن کو اتنا بڑا کر دے گا۔ دوسرے تناسخ مین یہ شرط ہے کہ دنیا میں دو بدنوں مغایر سے باری باری ایک روح متعلق ہووے پس یہ شرط یہاں فوت ہے کیونکہ ایک بدن دنیا میں اور ایک آخرت میں پایا گیا پس اگر ان دونوں بدنوں کو غیر بھی کہیں تب بھی تناسخ ثابت نہیں (عقائد الاسلام ص ۱۹۷،۱۹۸)

<u>فکر آخرت پر ایک بیان</u>

**الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى ،اما بعد!** قبر و برزخ میں راحت وعذاب ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، اور اگر ہوتا ہے تو کس طرح ہوتا ہے امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں آٹھ مذاہب ذکر کئے ہیں (تسکین الصدور ص ۸۶ تا ۹۸) جس کو انہوں نے جمہور اہل سنت کا مذہب قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ قبر و برزخ میں ثواب وعذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے روح کا جسم سے ایک تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اس تعلق کی بنا پر مردہ کو نوع من الحیاۃ یعنی ایک گونہ حیات حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو سوال کے جواب بھی دیتا ہے اور ثواب وعذاب بھی محسوس کرتا ہے (تسکین الصدور ص ۹۵)

اتنی بات تو آپ جانتے ہیں اور آپ کا ایمان ہے کہ قبر میں فرشتے آکر سوال کرتے ہیں اور بندے کو جواب دینا ہوتا ہے اور فوری دینا ہوتا ہے، نہ کوئی وکیل ہوتا ہے نہ کوئی مشورہ دینے والا، اور نہ سوچنے سمجھنے کی لمبی مہلت۔ اگر بندہ صحیح جواب دے تو پھر کیا ہوتا ہے؟ نبی ﷺ فرماتے ہیں: **فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ ، وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ** ’’آسمان سے ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے ’’**صَدَقَ عَبْدِيْ**‘‘ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ اس لئے اس کیلئے جنت کا بستر بچھادو، اس کو جنت کا لباس پہنادو، اور اس کیلئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ اور کافر ہر سوال کے جواب میں کہتا ہے: **هَاه هَاه لَا اَدْرِيْ** ’’ہائے ہائے میں نہیں جانتا‘‘ پھر کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک اعلان کرنے والا آسمان سے اعلان کرتا ہے: ’’**كَذَبَ**‘‘ اس نے جھوٹ کہا [اس کو پتہ تھا مگر مانا نہیں] اس کیلئے دوزخ کا بستر بچھادو، دوزخ کا لباس پہنادو اور دوزخ کی طرف دروازہ کھول دو۔ (مشکوۃ ص ۲۵،۲۶)

<u>مثالوں سے وضاحت:</u>

آج انسان سکرین کے اوپر دوسرے براعظم میں ہونے والے کھیل کے مناظر دیکھتا ہے، موبائل سے ہزاروں میل دور کی آواز سن لیتا ہے جبکہ درمیان میں جتنے لوگ ہیں ان کو آواز نہیں سنائی دیتی۔ سامعین گرامی قدر! اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ قبر کی دیوار انسان کیلئے ایسی سکرین بن جائے کہ جنت یا دوزخ کا منظر دکھائی دے، ایسا سپیکر بن جائے کہ وہاں کی آوازیں سنائی دیں۔ وضاحت کیلئے ایک اور مثال سنئے۔ دنیا میں ایک کھانا ایک آدمی کیلئے لذیذ ہے دوسرے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے (باقی آگے)

روایات سے ثابت ہے اس کا ذکر نہیں وجہ یہ ہے کہ یہ برزخی زندگی اِس طرح کی زندگی نہیں ہے جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے یا آخرت میں پھر ہوگی بلکہ ایک درمیانی صورت ہے مثل خواب کی زندگی کے ہے اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جا سکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی اس لئے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے۔ (معارف القرآن ج ۱ص ۱۷۳)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایک کیلئے مفید ہے تو دوسرے کیلئے نری موت ہے، اللہ تعالیٰ قبر کے اسی ماحول میں نافرمان کیلئے آگ بنادے اور فرمانبردار کیلئے ٹھنڈی خوشبودار ہوا، اس کی قدرت کے آگے کچھ مشکل نہیں۔ [ایک اور مثال] بجلی کا روشن بلب ہمیں مسلسل جلتا نظر آتا ہے مگر سائنس دان کہتے ہیں یہ جلتا بجھتا ہے بلکہ یہ بجھ بجھ کر جلتا ہے مگر اس کے جلنے بجھنے کے درمیان اتنا کم وقفہ ہوتا ہے کہ انسان کی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر پاتی اسی طرح ہوسکتا ہے کہ قبر میں مردے کو عذاب ہو رہا ہو مگر ہمیں احساس نہ ہو۔ جیسے دوزخ میں مجرم کی کھال جلتے ہی تندرست ہو جائے گی پھر جلے گی اس طرح ہوسکتا ہے کہ قبر میں مردے کی دو حالتیں ہوں ایک حالت ہمیں نظر آتی ہے اور ایک حالت مردے پر گزرتی ہے جس کو مردہ جانتا ہے ہمیں قبر میں اس کا پڑا ہوا جسم نظر آتا ہے جبکہ مردہ آگ میں جل رہا ہے جل کر اس کا جسم راکھ ہو جاتا ہے پھر وہ عام حالت میں ہو جاتا ہے پھر جلتا ہے راکھ بنتا ہے پھر عام حالت میں ہو جاتا ہے مگر ان میں وقفہ بہت معمولی ہے ہماری آنکھ اس کو مسلسل عام حالت میں دیکھتی ہے جیسے ہم بلب کو مسلسل روشن دیکھتے ہیں اور جس وقت وہ آگ میں جل کر سیاہ ہو جاتا ہے، انتہائی مختصر ہونے کی وجہ سے ہمیں اس وقت کا احساس نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

یا جہنم اور قبر کے درمیان کی مٹی بہت معمولی وقت کیلئے اس کے سامنے سے ہٹ جاتی ہو پھر سامنے آجاتی ہو مردے کی نگاہوں پر اس کا وہ منظر غالب ہے جب وہ ہٹی ہوئی ہو ہماری نگاہوں پر وہ حالت غالب ہو جب وہ مٹی درمیان میں ہو اور وقفہ کے کم ہونے سے ہمیں اس وقت کا ادراک نہیں جب قبر کی مٹی اس کے راستے سے ہٹی ہوتی ہے جیسے بلب کا جلنا ہمیں دکھائی دیتا ہے اس کے بجھنے کا پتہ نہیں چلتا۔ واللہ اعلم۔

یہ صرف سمجھانے کیلئے ہے حدیث شریف کی مراد کیا ہے؟ قبر کے عذاب یا انعام کی کیا کیفیت ہوگی ہم اس زندگی میں اسے جان نہیں سکتے مگر ماننا ضروری ہے اس کے بغیر نجات نہیں۔

<u>ڈھلمل یقین والا عقیدہ کام نہیں دے گا:</u>

ان احادیث سے پتہ چلا کہ کمزور عقیدے والا قبر میں صحیح جواب نہ دے سکے گا وہاں بہت پختہ عقیدہ کام دے گا کچھ لوگ اسلام کے بتائے ہوئے عقائد کی پرواہ نہیں کرتے کافروں سے بھی دلی تعلق رکھتے ہیں کہہ دیتے ہیں جو جہاں لگا ہوا ہے ٹھیک ہے ایسے لوگ جب قبر میں جائیں گے تو کہیں گے لَا اَدْرِیْ مجھے کچھ پتہ نہیں جو لوگ کہتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا۔

<u>تمنا کیا ہونی چاہئے:</u>

دوستو! آج کسی کی تمنا اقتدار ہے کسی کی چاہت کاروبار ہے کسی نے مقصدِ زندگی دوسرے ملک کے ویزے کو بنا رکھا ہے کوئی چاہتا ہے اعلیٰ تعلیم ہو بڑی ڈگری ہو، اونچی نوکری ہو بڑا عہدہ ہو نوکر چاکر ہوں کار کوٹھی ملے تمنا تو یہ ہونی چاہئے کہ قبر میں اللہ کی طرف سے ہمیں یہ آواز سنائی دے۔ کسی کو پتہ ہے کہ میرے ساتھ قبر میں کیا ہونے والا ہے؟ دوستو! قبر میں ہمیں اگر اللہ طرف سے کہہ دیا گیا ''صَدَقَ عَبْدِیْ '' کہ میرے بندے نے سچ کہا تو پھر تو وارے نیارے ہیں اور اگر کہہ دیا گیا ''کَذَبَ'' اس نے جھوٹ کہا تو زندگی کے سارے اعمال بے کار ہو جائیں گے۔

بہر حال دنیا سے ایمان کے ساتھ جانا ضروری ہے جو ایمان کے ساتھ جائے گا وہ کبھی نہ کبھی تو جنت چلا ہی جائے گا اور جو ایمان کھو بیٹھا جتنا مرضی چیخے چلائے جتنے مرضی ایمان کے وعدے کرے اس کی کبھی بخشش نہ ہوگی، کوئی شخص دنیا میں کتنا ہی سرمایہ دار ہو، جاگیر دار ہو، فوج کا جرنیل یا ملک کا صدر یا سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہو اگر قبر میں کہہ دیا گیا: ''کَذَبَ'' اور اس پر خدا کا عذاب شروع ہو گیا بتایئے اس کا اقتدار اس کا سرمایہ کس کام آئے گا؟ اللہ تعالیٰ قبر کی وحشت اور عذاب سے سب مسلمانوں کو بچائے آمین۔

☆☆☆☆☆

# [اجمالی نعمتوں کے ذکر کے بعد تفصیلی انعامات کا بیان]

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤی (۱) اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ (۲) سَبْعَ (۳) سَمٰوٰتٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

ع ۳

**ترجمہ** وہی ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی تو ان کو درست کر کے سات آسمان بنائے اور اُس کو ہر چیز کا پورا علم ہے۔

## [ربط و ضروری مضامین]

**ربط:** [۱] آیت نمبر ۲۲ میں فرمایا تھا کہ اللہ نے زمین کو فرش آسمان کو چھت بنایا یہاں یہ بتاتے ہیں کہ یہی نہیں بلکہ سارا کچھ زمین میں اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے اور تمہیں اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا [۲] آیت ۲۸ میں بے جان انسان کو جاندار بنانے کا ذکر تھا یہاں یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بے جان میں جان ڈال کر یوں ہی

---

۱) مولانا محمد جوناگڑھی اس کا ترجمہ کرتے ہیں: پھر آسمان کی طرف قصد کیا (احسن البیان طبع دار السلام) حافظ محمد بن عبدالسلام ترجمہ کرتے ہیں: پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا (طبع دار الاندلس ص ۲۵)، مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں: استواء کے معنی سیدھے کھڑے ہونے کے ہیں اور الٰــــی کے ساتھ اس کا صلہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ لفظ توجہ کرنے یا اس کے ہم معنی کسی مفہوم پر مشتمل ہے (تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۰۰) مگر مولانا وحید الزمان نے ترجمہ کیا: پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا (ترجمہ وحید الزمان ص ۷)

**اقول:** [۱] علامہ سید امیر علی ملیح آبادیؒ استواء کے بارے میں لکھتے ہیں: زبان عرب میں یہ لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ایک یہ کہ قصد و توجہ کرنا اور اس کے واسطے حرف الیٰ آتا ہے اور وہ یہاں بھی موجود ہے......ابن عباس سے ہے کہ استواء بمعنی ارتفاع ہے......لیکن اس کے ساتھ حرف الٰــی نہیں آتا ہے اور جب ارتفاع و بلندی کے معنی میں ہوتا ہے تو حرف علیٰ آتا ہے جیسے فاذا استویت انت و من معك علی الفلك اور جیسے قولہ تعالیٰ لتستووا علی ظهوره لہٰذا یہاں جبکہ حرف الیٰ آیا ہے تو معنی اول یعنی قصد ہی یہاں مناسب ہیں اور اسی کو شیخ ابن کثیر نے [ج ۱ ص ۶۹ میں۔ راقم] اختیار کیا ہے (مواہب الرحمٰن ج ۱ ص ۱۰۳) [۲] اگر اِسْتَوٰی کو صَعِدَ کے معنی میں لینا ہو تو تاویل کرنی ہوگی قاضی شوکانیؒ کہتے ہیں: اخرج البیهقی فی الاسماء و الصفات عن ابن عباس فی قوله ثم استوی الی السماء یعنی صعد امره الی السماء فسواهن (فتح القدیر ج ۱ ص ۶۲، نیز دیکھئے خازن ج ۱ ص ۳۶، فتح البیان ج ۱ ص ۱۷۷) تاویل سے بچنے کیلئے بھی اول ترجمہ ہی راجح ہے۔ متشابہات کی بحث آگے ہوگی ان شاء اللہ۔

۲) فَسَوّٰىهُنَّ کی ضمیر "هُنَّ" کا مرجع یا تو سماء ہے اس اعتبار سے کہ یہ سَمَاءَةٌ یا سَمَاوَةٌ کی جمع ہے یا جنس کے معنی میں ہے، اور یا یہ مبہم ہے اس کی تفسیر سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے ہو رہی ہے جیسے رُبَّهٗ رَجُلًا۔ میں ہا ضمیر کی تفسیر رَجُلًا سے ہوتی ہے۔ (تفسیر ابی السعود ج ۱ ص ۷۸)

۳) محمد علی لاہوری مرزائی اس آیت کے تحت لکھتا ہے: آسمان دخان ہے: قرآن کریم میں فرمایا ثم استوی الی السماء وهی دخان [فصلت: ۱۱]......پس سماء کوئی ٹھوس چیز نہیں بلکہ محض ایک دخان ہے...... سات آسمان: سبع سموات میں ممکن ہے محض تکثیر مراد ہو یعنی کئی آسمان۔ یوں جو اوپر کوئی عالم ہم کو نظر آتا ہے ایک تو خود ہمارا نظام شمسی ہے، جس میں زمین کے علاوہ سات بڑے سیارے ہیں وہ سب چونکہ ہم کو زمین کے اوپر نظر آتے ہیں اس لئے بلحاظ ہماری زمین کے وہ سماء ہیں اور ایک جگہ ان کو سبع طرائق [المؤمنون: ۱۷]......یعنی سات رستے بھی کہا ہے اور کل فی فلك یسبحون [یٰس: ۴۰]......میں یہ بھی بتا دیا کہ سیارے اپنے اپنے فلک میں گردش بھی کرتے ہیں پس ایک تفسیر سبع سموات کی ہمارا نظام شمسی بھی ہو سکتا ہے اور دوسری تفسیر کل ستارے جو ہمیں نظر آتے ہیں۔ اب تک سائنسدانوں نے ان ستاروں کے جو کھلی آنکھ سے نظر آتے ہیں سات طبقے کیے ہیں اس لحاظ سے کوئی ان میں سے بڑا اور کوئی چھوٹا نظر آتا ہے ممکن ہے آئندہ جب افلاک کا علم اور بڑھ جائے تو کوئی اور سات تقسیمیں معلوم ہو جائیں۔ قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہ صدیوں بعد سچ ثابت ہوا ہے مثلاً فرمایا: و جعلنا من الماء کل شیء حی ...... یا فرمایا کہ ہم نے حیوانات نباتات ہر ایک قسم کے جوڑے پیدا کئے ہیں ان دونوں باتوں کا علم سائنسدانوں کو پہلے نہ تھا (مرزائی بیان القرآن ج ۱ ص ۲۵)

**اقول:** [۱] اس آیت میں سبع سے سات کا عدد ہی مراد ہیں جو چھ اور آٹھ کے درمیان ہے، جس طرح سورۃ الکہف: ۲۲ میں اصحاب کہف کی تعداد میں سبع سے سات ہی مراد ہے، دوزخ کے دروازوں کی تعداد میں سبع سے مراد سات (الحجر: ۴۴) مصر کے بادشاہ نے خواب میں جو گائے دیکھیں ان کی تعداد میں سبع سے مراد (باقی آگے)

نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس جسم وجان کی پرورش کے لئے ان تمام چیزوں کو پیدا فرمایا جو اس زمین میں ہیں مثلاً پھل فروٹ میوے درخت پہاڑ معدنیات، اور بے شمار نعمتیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سات (یوسف:۴۳)، جو خوشے دیکھے ان کی تعداد میں سبع سے مراد بھی سات (یوسف:۴۳) قوم ہود پر جو آندھی آئی وہ سات رات اور آٹھ دن تھی (الحاقۃ:۷) تو جیسے ان تمام مقامات میں سبع سے مراد سات ہے اسی طرح آسمانوں کی تعداد میں سبع سے مراد سات ہی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ان تمام میں سبع سے مراد سات ہو اور البقرۃ آیت ۲۹ میں کچھ اور ہی معنی لیا جائے؟ [تنبیہ] یونانی ماہرین فلکیات آسمانوں کی تعداد نو بتاتے ہیں قرآن کے مقابل ان کی بات قطعاً قبول نہیں اس لئے آسمانوں کی تعداد تو سات ہی مانی جائے گی البتہ بعض علماء تطبیق دینے کیلئے کہتے ہیں کہ سات آسمانوں کے ساتھ عرش اور کرسی کو شامل کرلیں تو نو بن جاتے ہیں کیونکہ عرش الگ ہے اور کرسی الگ ہے اور وہ آسمانوں سے بھی وسیع تر ہیں (معالم العرفان ج ۲ ص ۱۴۴، ۱۴۵) غرض یہ کہ اس طرح تطبیق دینے والے حضرات بھی آسمانوں کی تعداد سات ہی مانتے ہیں۔

[۴] سماء لغت میں متعدد معانی کے لئے ہے مثلاً آسمان، زمین کو گھیرنے والی فضائے آسمانی، ہر چیز کی چھت، بادل وغیرہ (دیکھئے المنجد عربی، اردو ص ۴۹۳، ۴۹۴) مگر اس آیت کریمہ میں سماء اور سموات سے وہی نیلی چھت مراد ہے جسے ہم آسمان کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے آسمان کو جو دُخان کہا وہ ماضی کے اعتبار ہے کیونکہ وَهِيَ دُخَانٌ جملہ معترضہ نہیں جملہ حالیہ ہے اس کا عامل فعل ماضی اِسْتَوٰی ہے۔ علامہ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے جو قیامت کو پھٹ جائے گی، عام ہے کہ وہ کوئی جسم اور قسم کا ہو قال اللہ تعالیٰ: اذا السماء انفطرت [الانفطار:۱] وقال اذا السماء کشطت [التکویر:۱۱] کیونکہ اگر آسمان فضا یا بعد موہوم کا نام ہو جیسا کہ بعض مقلدین یورپ کا قول ہے تو وہ ایک عدمی چیز ہے، اس کا پھٹنا اور اس کے چھلکوں یعنی طبقات کا اکھڑنا اور اس کو پیدا کرنا اور بنانا جس طرح کہ زمین اور اس کی چیزیں بنائیں یا اس کی کھڑکیاں کھلنا جس کا تورات میں ذکر ہے اور اس کو سقف محفوظ (چھت) کہنا چہ معنی دارد؟ (حقانی، پارہ الم ص ۸۵) تورات انجیل ہنود اور پارسیوں کی مذہبی کتب میں بھی آسمانوں کی بابت اس قسم کے مضامین ہیں (ایضاً ص ۸۲) ☆ غیر مقلد عالم مولانا محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں: حدیث میں ہے جس نے ظلم سے کسی کی ایک بالشت زمین پر بھی قبضہ کرلیا قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا، جس سے معلوم ہوا کہ زمینیں بھی سات ہیں اور آیت ومن الارض مثلھن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (ابن کثیر، قرطبی) (اشرف الحواشی ص ۷ نیز دیکھئے احسن البیان ص ۸۰۲) ☆ بریلوی مکتب فکر کے مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: ہر مذہب کی الہامی وغیر الہامی کتابوں سے آسمانوں کا ثبوت ملتا ہے سرسید وغیرہ نے اس کا انکار کیا اور کہا یہ تارے وغیرہ آسمان کے بغیر موجود ہیں ان کا کلام محض لغو اور باطل ہے کہ ساری آسمانی کتابوں کا انکار ہے اور محسوسات کی مخالفت (تفسیر نعیمی ۲۴۴) جس طرح بہت سے قرآنی حقائق سائنس دانوں پر بعد میں منکشف ہوئے ہوسکتا ہے کہ آسمانوں کی حقیقت بھی ان پر بعد میں منکشف ہوجائے اور اگر نہ ہو تب بھی آخرت میں نجات کیلئے آسمانوں کے وجود کو ماننا ضروری ہے۔

**اقول** ارشاد باری ہے: اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (الرعد:۲) اس میں اللہ تعالیٰ نے بغیر دکھائی دینے والے ستونوں کے آسمانوں کا رفع بتا کر اپنی عظمت کا اظہار کیا ہے۔ اس میں بغیر عمد ترونھا آسمانوں کے دخان نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ دخان تو ویسے ہی اوپر کو جاتا ہے اس کو تو ستونوں کی ضرورت ہی نہیں۔

**تنبیہ** آسمانوں کے مجسم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا مادہ زمین کی طرح ہو۔ بلکہ ہوسکتا ہے مجسم ہونے کے باوجود اس کا مادہ کسی اور طرح کا ہو حضرت صوفی عبدالحمید سواتیؒ امام شاہ ولی اللہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جس طرح زمین مختلف عناصر کا مجموعہ ہے اسی طرح آسمان بھی کئی عناصر پر مشتمل ہے مگر آسمان کے عناصر زمین کی نسبت لطیف ہیں اسی لئے وہاں شفافیت نظر آتی ہے واللہ اعلم (از معالم العرفان ج ۲ ص ۱۴۶ انقلاً عن تفہیمات الٰہیہ ج تفہیم ۶۷)

<u>نوری سال پر تبصرہ:</u>

سائنس دان کہتے ہیں کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل سفر کرتی ہے جو تین لاکھ کلومیٹر کے قریب ہے۔ اس رفتار سے ایک سال میں روشنی جتنا سفر طے کرے اس کو نوری سال کہتے ہیں سائنس دان ستاروں کے فاصلوں کو نوری سال سے ظاہر کرتے ہیں مثلاً فلاں ستارہ زمین دس ہزار نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ راقم کو اس کے بارے میں شک ہے کیونکہ اول تو اتنے لمبے فاصلے کی تحدید مشکل ہے پھر وہ نوری سالوں کے ساتھ عموماً میں کسر نہیں لاتے مثلاً یوں نہیں کہتے کہ فلاں ستارہ زمین سے سوا پانچ نوری سال کے فاصلہ پر ہے اور نہ یہ کہتے ہیں نوری سالوں کے ساتھ اتنے میل اور ہیں۔ کیا سب سیاروں کا فاصلہ پورے نوری سالوں کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ جبکہ ایک نوری سال (باقی آگے)

[۳] اوپر غیر اللہ کی عبادت سے روکا گیا تھا یہاں اللہ کے انعامات کا ذکر کر کے اس بات کو مدلل کرتے ہیں کہ عبادت کا حقدار اللہ ہی ہے۔ کیونکہ جو بھی کائنات کے نظام کو توجہ سے دیکھے گا اسے ماننا ہوگا کہ کائنات کے یہ سب اسباب اتفاقیہ ہی جمع نہیں ہوگئے کوئی ہستی ہے جس نے ان کو پیدا بھی کیا اور ان میں اثرات بھی ڈالے وہی عبادت کا حقدار ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں ۵۸۶۵۶۹۶۰۰۰۰۰۰ میل بنتے ہیں بہر حال نوری سال کی اصطلاح بھی قابل غور ہے اس لئے سائنس دانوں کی یہ باتیں ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن کریم یا حدیث نبوی شریف کے کسی مضمون کی بابت شک کیا جائے۔ ایسے موقع پر امام اہل قرآن وحدیث حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ارشادات ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔ آسمانوں کی تعداد، ان کی مسافت اور ان کے دروازوں کے بارے میں حضرت نانوتویؒ سر سید احمد خاں سے فرماتے ہیں:

جناب سید صاحب! اپنا تو یہ مشرب ہے اور آپ غور فرمائیں گے تو آپ بھی ان شاء اللہ ہماری ہی راہ لیں گے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تعلیم زبان ولغت کے لئے تشریف نہیں لائے بلکہ اسی زبان کے محاورات میں امتیوں کو تعلیم فرمایا ہے جو ان کی اصلی زبان ہوتی ہے: **وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه** [ابراہیم:۴] اس صورت میں **سماء** اور **ابواب** کے [سورۃ الاعراف آیت ۴۰ میں واقع: راقم] معنی جو کچھ عربی زبان میں ہیں وہی لینے ہوں گے .......... **علی هذا القیاس** ابواب اور اعداد مثل **خمس مائة** اور **ستین** اور **سبعون** وغیرہ الفاظ سے معانی وہی مراد لئے جائیں جو معانی عرب کے لوگ ان سے مراد لیتے ہیں بایں خیال کہ میرے یا تمہارے خیال میں یہ باتیں اور مضامین محض بے فائدہ سمجھ میں آئے ہوں ان معانی میں انحراف نہ چاہئے......اس لئے کلام شارع میں جس امر کی خبر یا جس حقیقت کے اثر کا ذکر ہو ہم کو بے تامل ماننا ضرور ہے ......خداوند قدیر ایسے سات جسم جن کا دل [یعنی موٹائی۔ فیروز اللغات جدید ص ۳۲۷۔ راقم] تو پانسو برس کی مسافت کے برابر ہے اور وسعت کو خدا جانے نہیں بنا سکتا؟ یا ان میں پانسو برس کی مسافت کے موافق فاصلہ نہیں رکھ سکتا؟ اور یا آفتاب کا یا قمر کا اپنے حیز سے [یعنی اپنے مقام سے۔ راقم] حرکت کرنا محال ہے؟ یا آسمانوں میں دروازوں کا ہونا مجملہ ممتنعات ہے یا سات زمینیں مثل سات توپ کے گولوں کے جدی نہیں بنا سکتا؟ یا ان کے بیچ میں پان پانسو برس کا فاصلہ نہیں رکھ سکتا یا ان میں آبادی نہیں ہوسکتی؟ ممکن اور محال کی تعریف کو ان امور پر مطابق کر کے دیکھئے معلوم نہ ہو تو پوچھئے ہاں اتنی گذارش ملحوظ رہے کہ محال وممکن کی تعریف کسی کسی کو معلوم ہے [ان کی تعریف آیت ۲۰ کے تحت گذر چکی۔ راقم] یہی وجہ ہوئی کہ بڑے بڑے آدمی اکثر ممکنات کو محال سمجھ بیٹھے...... یہ بات کہ ان دروازوں میں کنڈے زنجیر بھی ہیں یا انگریزی کھٹکے ہیں اور ایسی ہی یہ بات کہ کواکب تمام **بالذات** روشن ہیں یا **بالعرض** یہ ساری باتیں ہماری توجہ کے قابل نہیں ہیں کیونکہ امکان ہر طرح کا ہے اور مخبر صادق کی طرف سے کوئی تصریح نہیں (تصفیۃ العقائد ص ۳۷ تا ۴۱)

☆ <u>ایک جگہ فرماتے ہیں:</u> کلام خداوندی اور کلام نبوی ﷺ جیسے مخالف حقیقت اور مخالف واقع نہیں ہوسکتا ایسے ہی حقیقت اور واقع کے دریافت کرنے کی صورت اس سے بہتر کوئی نہیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کی طرف رجوع کیا جائے سو اگر کوئی طریقہ در بارۂ اخبار واقع وحقیقت مخالف کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ہو تو کلام اللہ اور احادیث کے وسیلہ سے اس کی تغلیط کر سکیں گے پر کلام اللہ اور احادیث کی تغلیط اس طریقہ کے بھروسے سے نہیں کر سکتے (تصفیۃ العقائد ص ۱۰)

[اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کے دل میں قرآن وحدیث کی کس قدر عظمت تھی سر سید نے خط میں یہ بات کہی تھی کہ قرآن وحدیث کی کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہونی چاہئے (تصفیۃ العقائد ص ۵) حضرت نانوتویؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں اس کا جواب دیا۔ حضرت کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل کی کوئی بات قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہونی چاہیے سر سید عقل کو قرآن وحدیث سے اوپر رکھتا تھا حضرت فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کا درجہ اوپر ہے عقل کو ان کے ماتحت کرو]

☆ <u>نیز فرماتے ہیں:</u> غرض عقل کی بات یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ نمونۂ صحت اور سقم دلائل عقلیہ سمجھے جائیں نہ بر عکس۔ علیٰ ھذا القیاس مضمون متبادر کلام اللہ وحدیث کو جو باعتبار قواعدِ صرف ونحو بدلالت مطابقی سمجھے جاتے ہوں اصل مقرر کر کے دلائل عقلیہ کو اس پر مطابق کریں اگر کچھ کھچا کر بھی مطابق آجائے تو فبہا ورنہ قصور عقل سمجھیں یہ نہ ہو کہ اپنے خیالات واوہام کو اصل سمجھیں اور کلام اللہ وحدیث کو کھینچ تان کر اُس پر مطابق کریں (تصفیۃ العقائد ص ۱۰)

[اس عبارت میں بھی حضرت نانوتویؒ نے اسی مضمون کو پختہ کیا کہ عقل کو قرآن وحدیث کے تابع کرو قرآن وحدیث کو عقل کے ماتحت نہ کیا جائے گا کیونکہ عقل کو قرآن وحدیث کا خادم بننا چاہئے ہے نہ کہ بر عکس]

حضرت نانوتویؒ کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے عقلی دلائل سے ثابت کیا کہ سب سے زیادہ اطاعت کئے جانے کا حقدار اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ جن امور کی بنا پر کسی کی اطاعت کی جاتی ہے وہ سب امور سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ میں پائے جاتے ہیں پھر اس کو بھی ثابت کیا کہ اللہ کی فرمانبرداری والے کاموں کو جاننے کیلئے انبیاء علیہم السلام کی ضرورت ہے پھر اس کے بعد آپ نے ختم نبوت کو بھی ثابت کیا ہے (دیکھئے مباحثہ شاہجہانپور ص ۲۵ تا ۴۴)

**کائنات کی کوئی چیز بے فائدہ نہیں:**

فرمایا **هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا** (۱) یعنی اللہ نے زمین کی تمام چیزیں ہمارے لئے بنائیں کہ بندے ان سے فائدہ اٹھائیں، اللہ کو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ خنزیز کے پیدا کرنے سے کیا فائدہ؟ کافر کو پیدا کرنے میں کیا فائدہ؟ ایسا معترض پہلے یہ بتائے کہ اللہ نے جو تجھے پیدا کیا، اس سے کائنات کو کیا فائدہ ہوا؟ تیرے بغیر کائنات میں کیا کمی تھی؟ جب تو مرے گا تو سورج بے نور تو نہ ہو جائے گا؟ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالعزیز فرہارویؒ صاحب نبراس سے کسی نے پوچھا کہ کافر کو پیدا کرنے کا کیا فائدہ؟ فرمایا اگر تو قتل کرے تو غازی، وہ تجھے قتل کرے تو تو شہید، سائل نے کہا کہ سانپ بچھو کو پیدا

---

۱) مرزا محمود اس آیت کے تحت لکھتا ہے: ہندوؤں کا خیال تھا کہ یہ دنیا گندی ہے اس سے بچنے میں ہی نجات ہے...... مسیح علیہ السلام نے ایک مالدار سے فرمایا تھا کہ پہلے اپنے مال کو لٹا پھر آ کر میرا مرید بنیو (متی باب ۱۹ آیت ۲۱، ۲۲)...... بڑے اور رائج الوقت مذاہب میں صرف یہودیت اور اسلام ہی ہیں جنہوں نے اس دنیا کو ایک سزا نہیں قرار دیا مگر ان دونوں میں آگے یہ فرق ہے کہ یہودیت نے صرف اس دنیا کو اپنا مقصد قرار دے لیا ہے پس اسلام ہی اس بات میں منفرد ہے کہ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ دنیا میں انسان کا آنا اس لئے نہیں کہ وہ دنیا سے بچے بلکہ اس لئے ہے کہ اس کو نیک استعمال کے ذریعہ سے عاقبت کی درستی کا ذریعہ بنائے۔ مگر یہ عجیب نظارہ اس وقت نظر آتا ہے کہ وہ دنیا جسے مختلف مذاہب نے ایک گندی اور پھینکنے والی شے قرار دے رکھا تھا آج وہ اسے دانتوں سے مضبوط پکڑے بیٹھے ہیں اور صرف مسلمانوں کو اس سے دور رکھا ہوا ہے اگر یہ دنیا ایسی ہی گندی تھی تو آج ان مذاہب کے پیروؤں نے اسے اپنا مقصد اور مدعا کیوں بنا رکھا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۲۶۸، ۲۶۹)

**اقول** مرزائی خود کو مسلمان کہتے ہیں مگر اپنی اور دوسروں کی آخرت تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، نہ ان کو قبر کے سوالات کی تیاری کا فکر ہے، نہ حشر میں شفاعت کے حصول کا، جانتے ہیں کہ قبر میں نجات وہی پائے گا جو آنحضرت کی نبوت ورسالت کی گواہی دے گا مگر مرزا کو نبی مان کر اپنی قبر خراب کر رہے ہیں، ان کو پتہ ہے کہ قیامت کے دن مرزا کسی کام نہ آئے گا کیونکہ شفاعت کی احادیث میں اس کا کہیں نام نہیں پھر اس کے گیت گا کر اپنے لئے دوزخ کو پسند کر رہے ہیں۔

☆ مفتی احمد یار خان اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

زمین کی ساری نعمتیں آسمانی مدد (بارش اور چاند سورج ستارے وغیرہ) کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں اس لئے آسمان کو بھی پیدا فرمایا گیا اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود زمین ہے کیونکہ ہم اسی پر رہتے ہیں اور زمین کے لئے آسمان بنایا گیا، اس لئے یہاں **ثُمَّ** ارشاد فرمایا گیا خواہ آسمان زمین سے پہلے بنا ہو یا بعد میں لیکن ہے زمین کے تابع اس لئے درجے اور رتبے میں زمین سے پیچھے ہی ہے اس لئے **ثُمَّ** صحیح ہے (نعیمی ج ا ص ۲۴۰)

**اقول** حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں سات زمینوں میں یہ زمین افضل ہے، جس میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے تفسیر عزیزی [ص ۱۵۳۔ راقم] میں ہے ابن المنذر از ابن عباس روایت کردہ است کہ **سید السموات السماء التی فیها العرش وسید الارضین التی انتم علیها** (تحذیر الناس طبع قدیم ص ۱۷) نیز دیکھئے حق الیقین ج ا ص ۴۸۸)

پھر آنحضرت ﷺ کی برکت سے اس زمین کو آسمان سے افضل مانتے ہوئے کہتے:

کرے ہے ذرہ کوئے محمدی سے تجلی      فلک کے شمس وقمر کو زمین لیل ونہار      (قصائد قاسمی ص ۱۴ شعر ۴۹)

[یعنی آنحضرت ﷺ کی وجہ سے زمین کو اتنا فخر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی گلی کے ایک ذرے کے ساتھ بھی وہ سورج اور چاند کو شرمندہ کر رہی ہے]

فلک پہ عیسیٰ وادریس ہیں تو خیر سہی      زمین پر جلوہ نما ہیں محمد مختار      (قصائد قاسمی ص ۵ شعر ۵۰)

[مختار کا معنی ہے اللہ کے پسندیدہ، چنے ہوئے بندے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ آپ کو کائنات کے ذرے ذرے کا اختیار دیا گیا۔ حضرت نانوتویؒ نے دوسری جگہ تصریح (باقی آگے)

کرنے کیا کیا فائدہ؟ فرمایا اگر ان کو پیدا نہ کیا ہوتا، اور تو نے ان کو نہ دیکھا ہوتا تو عذاب قبر کے سانپ سے کیسے ڈرتا؟ فائدہ یہی تو نہیں کہ چیز پیٹ میں ڈالو، عبرت بھی تو فائدہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کائنات کی ہر چیز میں صرف اپنا ذاتی فائدہ نہ سمجھے بلکہ یہ سب چیزیں کائنات کیلئے اجتماعی لحاظ سے فائدے مند ہے۔(۱)

<u>چیزوں میں اصل اباحت ہے یا حرمت:</u>

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی ہے کہ کائنات کا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔ دیکھئے اس کتاب میں قبلہ نما کی عبارت نمبر ۲]

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانی احمد      زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار (قصائد قاسمی ص۵ شعر ۱۵)

[اس میں مرزائیوں کے اعتراض کا جواب ملتا ہے۔ مرزائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اوپر آسمانوں پر اور نبی ﷺ نیچے زمین پر۔ اس سے تو سمجھ آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام افضل ہیں حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ان کا معیار غلط ہے افضلیت زمین یا آسمان کی وجہ سے نہیں افضلیت تو نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے آپ کی وجہ سے تو روضہ مبارکہ عرش بریں سے افضل ہے۔ یہ زمین آسمان سے افضل کیوں نہ ہوگی؟ آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ہیں مگر آنحضرت ﷺ جیسا تو وہاں کوئی نہیں] (ماخوذ از خدمات ختم نبوت ص۳۴۱، ۳۴۲)

☆    مفتی احمد یار خان صاحب ہی لکھتے ہیں:

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں انسان کے نفع کے لئے بنائی گئیں اس لئے انسان کو ساری مخلوقات سے پیچھے پیدا فرمایا کیونکہ سامان پہلے جمع کیا جاتا ہے اور جس کی خاطر یہ سامان ہو وہ بعد میں آتا ہے اگر کہیں جلسۂ وعظ ہو تو فرش وتخت، روشنی صفائی وغیرہ کا انتظام پہلے ہو جائے گا، سننے والوں کا اجتماع بھی پہلے ہو جائے گا اور مولوی صاحب کی تشریف آوری بعد میں ہوگی وہ جو حدیث قدسی میں آتا ہے اے محبوب **لولاک لما خلقت الافلاک** اس کی پوری تائید ہوتی ہے اگر حدیث ضعیف کی تائید قرآن سے ہو جاوے تو قوی ہو جاتی ہے لہٰذا یہ حدیث اگر ضعیف بھی ہو تو اب قوی ہے برات کا کھانا دانا براتیوں کیلئے، اور براتی دولہا کے طفیل، عالم کا بناؤ انسان کیلئے اور انسان حضور کیلئے اس لئے حضور تمام نبیوں سے پیچھے آئے کہ اصلی مقصود پیچھے ہوتا ہے حضور کی تشریف آوری سارے پیغمبروں کے بعد اسی لئے ہوئی کہ مقصود ذات او ست دگر جملگی طفیل (نعیمی ج۱ ص۲۴۲)

**اقول**   [۱] یہ مضمون حضرت نانوتویؒ کا ہے آنحضرت ﷺ کی خاتمیت زمانی کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ چونکہ سب سے اعلیٰ ہیں اس لئے آخر میں آئے جیسے بڑی عدالت میں انسان بعد میں جاتا ہے اسی طرح اعلیٰ نبی کو اللہ نے آخر میں بھیجا (از انتصار الاسلام ص۵۸) مزید بحث کیلئے دیکھئے آیات ختم نبوت، خدمات ختم نبوت۔

[۲] ملا علی قاریؒ اور حضرت نانوتویؒ مفتی صاحب کی ذکر کردہ حدیث قدسی کی باعتبار معنی کے پہلے تصحیح فرما چکے ہیں لکھتے ہیں: یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ عجب نہیں جو روایت **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ** صحیح ہو کیونکہ اس کا مضمون صحیح ہی معلوم ہوتا ہے (موضوعات کبیر مجتبائی ص۵۹، آب حیات ص۱۸۶ طبع مطبع قدیمی دہلی، ص۲۱۸ طبع ملتان)

۱)    اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

وہ ذات ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کیلئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب (خواہ کسی قسم کا فائدہ ہو کھانے کا پینے کا پہننے کا نگاہ کو تازگی بخشنے کا، نفس یا روح کو حظ دینے کا، کسی چیز کو دیکھ کر علم صحیح توحید کے حاصل ہو جانے کا۔ اس تقریر پر کوئی چیز ایسی نہ رہی جس میں کوئی فائدہ نہ معلوم ہو۔ اور فرضاً اگر معلوم نہ بھی ہو تو کیا ہوا بہت چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک شخص کو اس کا فائدہ معلوم نہیں ہوتا دوسرے کو معلوم ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ کوئی ایسی بھی چیز ہو جس کا فائدہ کسی مخلوق کو نہ معلوم ہو اور خالق سبحانہ وتعالیٰ کو معلوم ہو، اور بدوں ہمارے معلوم کرائے ہوئے ہم کو اس کا فائدہ پہنچ رہا ہو۔ کیا بچہ کو جن چیزوں سے فائدہ پہنچایا جا رہا ہے سب کا معلوم ہونا کچھ ضرور ہے؟ ہرگز نہیں۔

اور اس پر کوئی یوں شبہ نہ کرے کہ پھر سب چیزیں حلال ہونی چاہئیں کیونکہ سب میں کچھ نہ کچھ فائدہ تو ہے ہی بات یہ ہے کہ صرف کوئی سا فائدہ ہونے سے اس چیز کا قابل استعمال ہونا لازم نہیں آتا۔ کیا سمیات قاتلہ [خطرناک زہریلی چیزوں۔ راقم] میں کچھ نہ کچھ نفع نہیں ہوتا پھر اطباء ان کے استعمال سے کیوں روکتے ہیں فقط اسی لئے کہ گو اس میں نفع ضرور ہے مگر غالب ضرر ہے اسی طرح محرمات شرعیہ کو سمجھئے کہ گو ان میں کچھ نفع بھی سہی مگر چونکہ غالب ضرر ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا جاننا کافی ہے ہمارے جاننے کی ضرورت نہیں جس طرح وہاں طبیب کا جاننا کافی ہے عوام کا آگاہ ہونا ضرور نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ممنوع الاستعمال ٹھہرا دیا (از بیان القرآن ج۱ ص۱۶، ۱۷)

اس آیت سے بعض علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ انسان کیلئے حلال ومباح ہوں بجز ان چیزوں کے جن کو شریعت نے حرام قرار دے دیا اس کے بالمقابل بعض علماء کہتے ہیں کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے جب تک قرآن وسنت کی کسی دلیل سے جواز ثابت نہ ہو ہر چیز حرام سمجھی جائے گی بعض حضرات نے توقف کیا ہے......صحیح یہ ہے کہ اس آیت سے نہ حلت پر دلالت ہوتی ہے نہ حرمت پر کیونکہ خلق لکم میں لام سببیت بتلانے کے لئے آیا ہے کہ تمہارے سبب سے یہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں اس سے نہ انسان کے لئے ان چیزوں کے حلال ہونے پر کوئی دلیل قائم ہوتی ہے نہ حرام ہونے پر بلکہ حلال وحرام کے احکام جداگانہ قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں انہیں کا اتباع لازم ہے (معارف القرآن مفتی صاحبؒ ج۱ص۱۷۴)

اہل بدعت اباحت کے قول کو بدعات کے جواز کے لئے پیش کرتے ہیں (۱) اور لوگوں کا مال ناجائز کھاتے ہیں حضرت امام اہل سنت نے راہِ سنت ص۱۰۳تا۱۱۱میں اس پر بڑی مدلل بحث فرمائی ہیں آخر میں لکھتے ہیں: الحاصل! اشیاء میں اباحت اصلیہ کا قول حضرت فقہاء کرامؒ کا متفق علیہ قول نہیں...... پھر اباحت اصلیہ کا قول ورودِ شرع سے قبل کا ہے بعد کا نہیں لہٰذا اس سے استدلال کر کے بدعات کی ترویج کرنا جیسا کہ مفتی احمد یار خان صاحب کر رہے ہیں دین اسلام سے انتہائی درجہ کی خیانت ہے (راہِ سنت ص۱۱۱)

<u>اللہ کو ہر ہر چیز کا علم ہے:</u>

اس کے بعد فرمایا: ''فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ '' (۲) کہ اللہ نے سات آسمان ٹھیک بنائے اس کو ہر ہر چیز کا علم ہے تو جب اس کا علم بھی کامل قدرت بھی کامل اور احسانات بھی سب اسی کے تو پھر انسان اس کی بندگی سے منہ کیوں موڑے؟

---

۱) اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

وہابیوں اور دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو چیز حضور پاک کے زمانہ اقدس میں نہ ہو وہ سب بدعت اور حرام ہے جس سے لازم آیا کہ اعراب والا قرآن شریف، بخاری شریف وغیرہ پڑھنا پلاؤ، بریانی کھانا، ریل کی سواری وغیرہ سب حرام (نعیمی ج۱ص۲۴۲)

**اقول** [۱] بات کو الجھانے کی کوشش نہ کر، اعراب والا قرآن شریف اور بخاری شریف وغیرہ کتب دین ہے۔ پلاؤ بریانی تب حلال ہیں جب ان میں کوئی جز حرام نہ ہو۔ مردار، خنزیر، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے بکرے کا گوشت ڈال کر بریانی پکائی ہو تو وہ حرام ہی ہوگی۔ ریل کا سفر جائز نیت سے جائز ہے نیت بری ہو تو برا ہو جائے گا۔ ہم تجھے اس تیجے کے بارے میں پوچھتے ہیں جس میں ایصال ثواب کے نام پر یتیموں اور بیواؤں کا حق کھایا جاتا ہے اور تم لوگ اس کو تقسیم میراث کی آیات پر عمل بتاتے ہو (خزائن العرفان ص۱۱۵ سورۃ النساء فائدہ ۲۰) بتا یہ تیجہ حرام ہے یا نہیں؟ اس کیلئے پلاؤ اور بریانی تیار کرنا اور کھانا حرام ہے یا نہیں؟ اس مقصد کیلئے قرآن پڑھنا کیا دنیا داری نہیں؟ اس موقع پر یتیموں بیواؤں کا حق کھانا حرام ہے یا نہیں؟ اس کیلئے قرآنی آیات پیش کرنا کیا یہ تحریف فی الدین نہیں؟ [۲] فقہاء نے اگر مباح کہا ہے تو زمین سے نکلنے والی اور زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کو۔ بندوں کے اعمال تو زمین سے پیدا نہیں ہوتے، بندوں کو اپنے کاموں میں آزاد تو کسی فقیہ نے نہیں مانا، اس کی تو کسی نے اجازت نہیں دی کہ دین کے نام پر جو چاہو کرتے جاؤ [۳] بات پلاؤ کی حلت یا حرمت کی نہیں بات اس کی ہے کہ پلاؤ پکایا کس طریق سے ہے؟ تو اپنے حلال مال سے سامان خرید کر اپنے گھر میں پلاؤ پکوا، بریانی پکوا تجھے کھانے سے کون روکتا ہے؟ تیجے میں یتیموں کے مال سے پکے ہوئے پلاؤ کا جواز ثابت کر۔ خاص اس عمل کے بارے میں تیرے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کر۔

۲) اس کے تحت مرزا محمود لکھتا ہے:

نہ تو یہاں زمین کی پیدائش کا ذکر ہے اور نہ آسمان کی پیدائش کا، بلکہ صرف یہ بیان ہے کہ ہم نے تمہارے نفع کے لئے دنیا کی ہر چیز کو پیدا کر کے بلندی کی طرف توجہ کی اور سات بلندیوں میں اسے مکمل بنایا پس اس سے تو صرف اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دنیا میں ہر چیز کو انسان کے فائدہ کے لئے بنا کر اللہ تعالیٰ نے اس سے فائدہ اٹھانے والے کیلئے سات مدارج ترقیات کے تیار کیے یعنی جو لوگ ان سامانوں کو درست طور پر استعمال کریں گے ان کو اعلیٰ درجہ کی روحانی ترقیات ملیں گی جیسا کہ حل لغات میں بتایا گیا ہے سات سے مراد ضروری نہیں کہ سات ہی کا عدد ہو بلکہ اس سے مراد کثرت بھی ہوسکتی ہے اور آیت کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ زمین میں تمہارے عمل کیلئے بے انتہا سامان (باقی آگے)

**ایک تعارض کا حل:**

اس آیت سے اور سورۃ حم سجدہ کی آیات سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین پھر آسمان بنایا گیا جبکہ سورۃ النازعات میں ہے **وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحَاھَا** اس تعارض کے حل میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے دو دن میں زمین پھر آسمان کو بنایا دو اور دنوں میں ان کو برابر کیا پھر دو اور دنوں میں زمین کو بچھایا (بخاری

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پیدا کر کے ہم بلندی کی طرف متوجہ ہوئے یعنی اس کے بعد تمہاری روحانی ترقیات کے سامان ہم نے مقرر کئے اور بے عیب سامان ترقی کے کثرت سے تیار کئے (کبیر ج اص ۲۶۹ کالم ۲)

**اقول** یہ بات تو گزر چکی ہے کہ آیت کریمہ میں **سبع** سے سات اور **سموات** سے آسمان ہی مراد ہیں۔ رہی روحانی ترقیات وہ سب ان کو مرزائیت ہی میں نظر آتی ہیں۔

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے:

اس آیت میں اس مضمون کو ختم کیا گیا ہے جو الہام کے بارے میں تردد کے متعلق تھا اور بتایا ہے کہ دنیا کو جس طرح خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ الہام ہو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے الہام دے کر انسان کو ترقی نہ دینی تھی تو اس کے عمل میں بے انتہاء تنوع پیدا کرنے کیلئے وہ زمین میں بے انتہاء ایسی اشیاء کیوں پیدا کرتا جو سب کی سب انسان کے لئے مفید ہوں...... اس مضمون کو ایک دوسری آیت میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے جو میرے بیان کردہ معنوں کی پوری تصدیق کرتی ہے فرماتا ہے: ''**وَھُوَ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِی سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً**'' (ہود ع ۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں تدریجاً پیدا کیا ہے اور اس کا تخت حکومت روحانی پانی یعنی الہام پر قائم ہے تا کہ وہ دیکھے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے یعنی زمین اور آسمان کو پیدا کر کے خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے انسان پر حکومت شروع کی تا کہ جو باکمال انسان ہیں انہیں اپنے ہنر دکھانے کا موقع ملے اور وہ ادنیٰ سے اعلیٰ مقامات کی طرف ترقی کریں (کبیر ج اص ۲۷۰، ۲۷۱)

**اقول** [۱] مرزا محمود کو کہنا یوں چاہئے تھا کہ اللہ نے کائنات کی ہر ہر چیز کو انسان کے فائدے کیلئے بنایا تو انسان کس لئے؟ اللہ کی بندگی کیلئے۔ اور بندگی کیسے ہوگی جیسے انبیاء کہیں اس طرح وحی کی ضرورت ثابت ہوتی ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ انبیاء کا سلسلہ اللہ نے اپنے اعلیٰ نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم کر دیا۔ جیسے حضرت نانوتویؒ نے شاہجہانپور کے مباحثوں میں کیا، مگر مرزا محمود کا مقصد مرزائیت کیلئے ذہن سازی ہے کیونکہ مرزا کہتا ہے کہ مجھے الہام ہوتا ہے پھر وہ اپنے الہام کو اتنی فوقیت دیتا ہے کہ اس کی وجہ سے احادیث کو رد کرتا قرآن کی تفسیر کا خود مالک بنتا ہے۔ (حوالہ خزائن ج ۹ ص ۲۴، ج ۷ اص ۵۱) مذکورہ عبارت سے مرزا محمود بھی کچھ منوانا چاہتا ہے۔

**حضرت نانوتویؒ کا حوالہ:** حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں:

غرض پیدائش عالم جو سوال اول کی تیسری شق ہے البتہ قابل استفسار اور لائق جواب ہے اس لئے ہم بھی عرض کرتے ہیں...... مگر ہاں یہ مسلم کہ مطالب مقصودہ دو طرح کے ہوتے ہیں کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ کرنے والا نتیجۂ افعال اور مقاصدِ اعمال کا محتاج ہو جیسے بیمار طبیب سے نسخہ لکھوانے جاتے ہیں تو اس کو اس کی حاجت ہوتی ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ افعال کا کرنے والا ان کے نتیجہ کا محتاج نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا محتاج ہو، اور اس کی کاروائی مقصود ہو مثلاً اگر طبیب نسخہ لکھتا ہے تو بحیثیت طب، طبیب کو اس کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کی حاجت روائی مقصود ہوتی ہے ایسے ہی خداوند عالم کو عالم کی پیدائش سے اس قسم کا مطلب تو ہرگز مرکوزِ خاطر نہیں جس کی نسبت اس کا محتاج ہونا لازم آئے کیونکہ محتاج ہوگا تو خدا ہی کیا ہوگا بلکہ خدائی کو یہ لازم ہے کہ تمام موجودات اپنے وجود میں اس کے محتاج ہوں چنانچہ ہم کل ثابت کر چکے ہیں تو اس کے افعال میں حکمت ہوگی تو دوسری قسم کی ہوگی چنانچہ عالم کے پیدا کرنے کے معنی بھی یہی ہیں کہ وجود اور لوازم وجود سے اس کو سرفراز فرمایا۔ ہاں البتہ ان افعال میں جن میں دوسری قسم کی حکمت ہو خاص اپنی ذات کے لئے بجز اعزاز و تعظیم اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو یہی ہوتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہے اس لئے یہ داد و دہش وجود و صفات وجود بھی جو خلاصہ ایجاد ہے کسی نہ کسی غرض کے لئے ہوگی۔

وہ غرض کیا ہے؟ عبادت و بندگی اور عجز و نیاز ہے جو اصل مطلوب خدا ہونا چاہئے یعنی اور جس صفت کو دیکھئے خدا کی درگاہ میں اول موجود ہے۔ اور کوئی عالم ہے تو وہ علیم ہے اور قادر ہے تو وہ قدیر ہے اسی کے علم و قدرت کا پرتو ہے جو مخلوقات میں علم و قدرت نمایاں ہیں یعنی جیسے آئینہ میں عکس آفتاب اور پرتو آفتاب نظر آتا ہے درحقیقت (باقی آگے)

ج ۲ص ۱۲۷) حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اول زمین کا مادہ بنا پھر آسمان بصورت دخان پھر زمین کو بچھایا گیا اور اس میں پہاڑ وغیرہ بنائے پھر مادہ دخانیہ سے سات آسمان بنائے (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۷) حاصل جواب کا یہ ہے کہ ایک میں ثُمَّ ترتیب ذکری کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پھر اگلی بات سنو۔ واللہ اعلم

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آئینہ میں کوئی نور نہیں ہوتا ایسے ہی مخلوقات میں بھی عکس و پرتو خداوندی ہے درحقیقت ممکنات میں نہ علم ہے نہ قدرت اس لئے اس قسم کی صفات تو مطلوب نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ صفات تو خود اس کے دیئے ہوئے ہیں۔

مطلوب وہ چیز ہوگی جو اس کے پاس نہ ہوگی ایسی چیز بجز عبادت و عجز و نیاز اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہی ایک ایسی چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں خدا کی درگاہ میں اس کا پتہ نہیں مگر سارے عالم کا اس غرض سے مخلوق ہونا اس طرح پر ہے کہ سارا عالم انسان کیلئے ہے اور انسان اس کام کے لئے ہے اس وقت باقی عالم اور انسان کی ایسی مثال ہوگی جیسے کہا کرتے ہیں گھاس دانہ گھوڑے کیلئے اور گھوڑا سواری کے لئے مگر ظاہر ہے کہ اس وقت میں گھاس دانہ سے مطلب بھی وہی سواری ہوگی۔

علیٰ ہذا القیاس روٹی کھانے کے لئے ہوتی ہے اور لکڑی اپلے روٹی کیلئے ہوتے ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ اس وقت لکڑیاں اور اپلے بھی کھانے کے لئے مطلوب ہوں گے اس لئے لکڑی اپلے وغیرہ سب کے دام لگا کر کہا کرتے ہیں کہ کھانے میں اتنا صرف ہوا۔

الغرض! جو کسی کا سامان ہو وہ چیز اسی حساب میں اور اسی مد میں لکھی جاتی ہے اور اسی ذیل میں شمار کی جاتی ہے مگر زمین سے آسمان تک جس چیز پر نظر پڑتی ہے انسان کے کارآمد نظر آتی ہے پر انسان ان چیزوں میں سے کسی کے کام کا نہیں اعتبار نہ ہو تو دیکھ لیجئے۔ زمین اگر نہ ہوتی تو کاہے پر تھمتے اور کاہے پر بیٹھتے کاہے پر سوتے کاہے پر چلتے پھرتے کاہے پر کھیتی کرتے کاہے پر مکان بناتے؟ کاہے پر باغ لگاتے؟ غرض زمین نہ ہوتی تو انسان کو جینا محال تھا اور انسان نہ ہوتا تو زمین کا کچھ نقصان نہ تھا۔

علیٰ ہذا القیاس پانی نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ اور نہ پیتے تو کیونکر جیتے؟ کاہے سے آٹا گوندتے کاہے سے سالن وغیرہ پکاتے؟ کاہے سے کپڑے دھوتے کاہے سے نہاتے غرض پانی نہ ہوتا تو انسان کی زندگی دشوار تھی اور انسان نہ ہوتا تو پانی کا کیا نقصان تھا؟ ہوا نہ ہوتی تو سانس کیونکر چلتا کھیتی وغیرہ کا کام کیونکر نکلتا؟ یہ ٹھنڈی ہوا روح افزا کہاں سے آتی؟ غرض ہوا نہ ہوتی تو جان ہوا ہو جاتی۔ ہم نہ ہوتے تو ہوا کو کیا دقت پیش آتی؟ اسی طرح اوپر تک چلے جاؤ سورج چاند ستارے اگر نہ ہوتے تو دیکھنا بھالنا چلنا پھرنا ایک امر محال تھا انسان نہ ہوتا تو سورج کا کیا نقصان تھا نہ چاند سورج کو کوئی دشواری تھی۔ آسمان اور اس کی گردشیں نہ ہوتیں [جیسا کہ پرانے سائنسدان یعنی فلاسفہ کہتے تھے۔ راقم] تو یہ سائبانی کون کرتا؟ اور یہ گرمی جاڑے کے موسم کیونکر آتے اور انسان نہ ہوتا تو نہ آسمان کا نقصان تھا نہ گردشوں میں کوئی دقت تھی۔

الغرض انسان کو دیکھئے تو زمین و آسمان میں سے کسی کے کام کا نہیں پر سوا اس کے جو چیز ہے سب انسان کے کام کی ہے اس صورت میں اگر انسان خدا کے کام کا بھی نہ ہو تو یوں کہو کہ انسان سے زیادہ کوئی نکما ہی نہیں مگر تمہیں فرماؤ کہ اس دانش و کمال اور اس حسن و جمال پر انسان کو کون نکما کہہ دے گا؟ اگر انسان اس افضلیتِ مسلمہ اور مشہودہ پر بھی نکما ہے تو یوں کہو کہ اس سے زیادہ برا ہی کوئی نہیں اس لئے چاروناچار یہی کہنا پڑے گا کہ انسان خالق کائنات کے کام کا ہے۔ ایسی خوبی اور اس اسلوبی پر ایسے ہی بڑے کام کے لئے ہوگا۔

مگر ظاہر ہے کہ خداوندِ عالم کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں پھر انسان سے محتاج کا تو کیا محتاج ہوگا جس کی سب سے زیادہ محتاجگی اسی سے ظاہر ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام عالم کی اس کی ضرورت ہے اس لئے یہی کہنا پڑے گا کہ اس کو بندگی اور عجز و نیاز کیلئے بنایا ہے کیونکہ یہی ایک چیز ہے جو خدا کے خزانے میں نہیں مگر چونکہ یہ عجز و نیاز خدا کے مقابلہ میں موافق تقریر بالا ایسا ہوگا جیسا طبیب کے سامنے بیمار کی منت و سماجت۔ تو جیسے بیمار کی منت و سماجت کا یہ ثمرہ ہوتا ہے کہ طبیب اس کے حال زار پر مہربان ہو کر اس کی چارہ گری کرتا ہے ایسے ہی انسان کی بندگی یعنی عجز و نیاز کی بدولت خداوند عالم اس پر مہربان ہو کر اس کی چارہ گری کیونکر نہ کرے گا؟

بہر حال تمام عالم خدا کے لئے ہے اور انسان عبادت کے لئے ہے اس لئے جیسے بایں وجہ کہ گھوڑا سواری کیلئے اور گھاس دانہ گھوڑے کیلئے ہے تو گھاس دانے کو بھی سواری کے لئے سمجھتے ہیں ایسی ہی بایں وجہ کہ انسان عبادت کے لئے ہے اور تمام دنیا انسان کے لئے ہے تمام عالم کو بھی عبادت ہی کے لئے سمجھئے۔

غرض مقصودِ اصلی پیدائش عالم سے عبادت ہے جو سامان حاجت روائی بنی آدم ہے اپنی حاجت روائی مقصود نہیں (مباحثہ شاہجہانپور ص ۷۳ تا ۷۶) وللہ الحمد علیٰ ذٰلک۔

## ﴿سوالات﴾

البقرۃ آیت ۲۶، ۲۷ کا ترجمہ کریں ربط بیان کریں، شان نزول لکھیں اور مختصر تفسیر کریں نیز قرآنی مثالوں کا برمحل ہونا ثابت کریں ☆ لفظ **مِثل** اور **مَثَل** کے معنی کا فرق بتائیں ☆ **مَثَلاً مَّا** میں **مَا** کونسا ہے؟ **إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا** کی ترکیب کیسے ہوگی؟ ☆ مرزا محمود کی درج ذیل بات پر تبصرہ کریں:

''پہلی آیت میں جنت اور اس دنیا کی نعمتوں کی مشابہت بیان کی گئی تھی تا کفار کا یہ اعتراض دور ہو کہ ہمارے پاس تو فلاں فلاں نعمتیں ہیں اور مسلمانوں کے پاس نہیں اور تا مسلمانوں میں سے کمزور لوگوں کے ذہن میں جنت کا ایک تمثیلی نقشہ آجائے لیکن دوسری طرف قرآن کریم میں صاف طور پر بتادیا گیا کہ وہ اعلیٰ روحانی زندگی ہے اور یہ مادہ سے گھری ہوئی زندگی اور کفار اس حقیقت سے واقف تھے''۔

☆ جنت کی نعمتوں کے جسمانی ہونے کے بارے میں تقریر دلپذیر سے حضرت نانوتویؒ کی کوئی عبارت پیش کریں ☆ امین احسن اصلاحی صاحب کی اس عبارت پر تبصرہ کریں: اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو متنبہ فرمایا ہے کہ یہ جنت اور اس کی نعمتوں کا جو ذکر ہوا ہے یہ بہرحال بہ شکل تمثیل کے ہے ☆ **يَسْتَحْيِيْ** کی صرفی ولغوی تحقیق لکھیں اور یہ بتائیں کہ جب اس کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف ہو تو کیا معنی ہوتا ہے؟ نیز آیت کریمہ میں اس لفظ کو لانے کی کیا وجہ ہے؟ ☆ وہ حدیث کس طرح ہے جس میں دنیا کی مثال مچھر کے پر سے دی گئی ہے پھر اس کی وضاحت کریں ☆ مرزا طاہر نے **فما فوقها** کی تفسیر کس طرح کی نیز اس میں کیا خرابی ہے؟ ☆ مفتی نعیم الدین مرادآبادی کی اس بات کا جواب دیں:

''بری چیز کا جاننا اور اس کا ذکر کرنا برا نہیں ہاں فحش طریقے سے بیان کرنا برا ہے اس سے دیوبندیوں کا یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ حضور ﷺ کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے کیونکہ شیطان بری چیزوں کو بھی جانتا ہے اور حضور کیلئے ان کا جاننا عیب ہے''۔

☆ نبی ﷺ کیلئے ہر چیز کے علم کو ماننے میں کچھ خرابیاں ذکر کریں ☆ ہدایت کس معنی میں اللہ کے ساتھ خاص ہے اور کس معنی میں انبیاء وعلماء کی طرف اس کی اسناد ہو سکتی ہے؟ ☆ **يُضِلُّ** کا ترجمہ اکثر مترجمین کس طرح کرتے ہیں اور مرزائی کس طرح؟ ☆ اکثر مترجمین کا ترجمہ صحیح کیوں ہے اس بارے میں فرمان علی شیعہ کے حوالے بھی ذکر کریں ☆ **اِضْلَال** کے معانی لکھیں اور بتائیں کہ کس معنی کے اعتبار سے اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی کس معنی کے اعتبار سے اللہ کی طرف نہ ہوگی ☆ **يُضِلُّ** کا جو ترجمہ اکثر مترجمین کرتے ہیں مرزائیوں کے ان پر شبہات مع جواب لکھیں قاضی نذیر مرزائی کا حوالہ بھی پیش کریں(۱) ☆ مرزائیوں کے ترجمہ کے مطابق **يُضِلُّ** میں باب افعال کا کونسا خاصہ پایا جاتا ہے اور اہل السنۃ کے ترجمہ کے مطابق کونسا؟ نیز اہل السنۃ کے ترجمہ کے راجح ہونے کے کچھ دلائل ذکر کریں ☆ **يُضِلُّ** میں قرآنی مثالوں کی وجہ سے گمراہ قرار دیئے جانے کا معنی کیوں درست نہیں؟ ☆ حدیث قدسی **يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ** سے کیا اشکال پیدا ہوتا ہے؟ جواب کیا ہے؟ ☆ یہاں **اِضْلَال** کی نسبت اللہ کی طرف ہے بعض آیات میں شیطان کی طرف بعض میں سرداران کفار کی طرف، اس میں کیا حکمت ہے؟ ☆ آیت کریمہ میں فرمایا کہ اللہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تو پھر کافروں کا کیا قصور؟ ☆ عقیدۂ تقدیر کی بابت تقریر دلپذیر اور تصفیۃ العقائد(۲) سے حضرت نانوتویؒ کا ارشاد نقل کریں ☆ قرآنی مثالوں پر اعتراض کرنے والے کون لوگ ہیں؟ ☆ فاسق کسی کو کہتے ہیں آیت کریمہ میں فاسق سے کون مراد ہیں؟ نیز فاسقوں کی کچھ علامات ذکر کریں ☆ محمد علی لاہوری مرزائی کہتا ہے کہ **ما يضل به الا الفاسقين** اس کا قرینہ ہے کہ **اضلال** کے معنی یہاں گمراہ ٹھہرانا یا گمراہی میں چھوڑ دینا ہیں۔ اس کا جواب لکھیں ☆ فسق کے درجے لکھیں ☆ آیت کریمہ میں **عهد الله** سے کیا مراد ہے؟ نیز **عہدِ الست** کا دوسرا نام کیا ہے؟ اور اس کی پختگی کس طرح ہوتی ہے؟ ☆ محمد علی لاہوری مرزائی نے تاویل کے ساتھ **عہدِ الست** کا انکار کس طرح کیا؟ اور جواب کیا ہے؟ ☆ **عہدِ الست** سے عقیدۂ توحید

---

۱) قاضی نذیر مرزائی ''**يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ، وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ** ''(البقرۃ:۲۶) کے تحت لکھتا ہے: یعنی خدا تعالیٰ اس قرآن کی ذریعہ بہت سوں کو گمراہ کرتا، اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہ اس سے صرف انہی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو نافرمان ہوتے ہیں (الحق المبین فی تفسیر خاتم النبیین ص ۱۷۹)

۲) تصفیۃ العقائد میں حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں: واقعی خدا واحد ذوالجلال ازلی وابدی خالق وصانع تمام کائنات کا ہے فاعل ہوں یا افعال، اور افعال بھی اختیاری ہوں یا اضطراری اور یہی وجہ ہے کہ خداوند لایزال کو مالک کائنات اور کائنات کو اس کا مملوک سمجھنا چاہئے (تصفیۃ العقائد ص ۹) اس میں حضرتؒ نے جیسے سب بندوں کا خالق بھی خدا تعالیٰ کو مانا ہے بندوں کے افعال خواہ اختیاری ہوں یا اضطراری ان سب کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی کو مانا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بندے جس اختیار سے کام سرانجام دیتے ہیں اس اختیار کے پیچھے اللہ کا اختیار ہوتا ہے چونکہ اس کا ہمیں پتہ نہیں چلتا اس لئے گناہوں کے کرنے میں تقدیر کا بہانہ نہیں بنا سکتے۔ بہرحال تقدیر ماننے کی چیز ہے جاننے کی نہیں۔

فطری کس طرح بن گیا؟ اس بارے میں حضرت نانوتویؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی عبارات پیش کریں ☆ س: حضرت نانوتویؒ سے عہد الست کو عقل کی رو سے ثابت کریں نیز یہ بھی کہ اس کا یاد نہ رہنا مضر نہیں ☆ مرزا محمود لکھتا ہے: ''پس فاسق وہ ہوتے ہیں جو اس عہد کو بھول جاتے ہیں اور وقت کے مامور کا انکار کرتے ہیں'' اس کی اس عبارت پر جاندار تبصرہ کریں ☆ س: خالی جگہ پر کریں:

نبوت کا...... تو ویسے ہی بند...... انسان ولایت کے...... سے بڑے مرتبے تک کیوں نہ پہنچ...... نبوت کو نہیں...... سکتا مگر مرزا...... تو سرے...... مسلمان...... نہ تھا، ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ...... ومصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جنہیں تم...... ورسالت کے دعوے...... سچا کہتے ہو...... کو ختم نبوت زمانی...... نزول...... علیہ السلام کے دعووں...... بھی سچا مان لو۔

☆ **ویقطعون ما امر اللہ به ان یوصل ویفسدون فی الارض** میں مذکور قطع وفساد کی کچھ صورتیں تحریر کریں ☆ اس کو مثال دے کر واضح کریں کہ باطل کا رد کرنے والے مصلح بھی ہیں، فرقہ واریت سے پاک بھی ☆ فسادی کون ہیں حضرت نانوتویؒ کو منکر ختم نبوت کہنے والے یا ان کی خدمات کو پیش کر کے ان کو مجدد کہنے والے اور کیوں؟ ☆ مرزا محمود کی اس تفسیر پر تبصرہ کریں:

''افسوس یہ ہے کہ ہماری لغتیں مذہبی اثر کے نیچے ہیں اور تفسیروں کے ماتحت لغت کو بھی کر دیا ہے جس سے اسلام کو فائدہ نہیں پہنچا بلکہ نقصان پہنچا ہے''۔

☆ آیت ۲۸ **کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا الخ** کا ترجمہ، ربط اور ترکیب نحوی تحریر کریں نیز ''**کیف**'' کی ترکیب کا قاعدہ بھی لکھیں ☆ انسان کے کفر کا زمانہ حال ہے اور انسان کے بے جان ہونے کا زمانہ ماضی اور **یُمِیْتُکُمْ** کا زمانہ مستقبل تو یہ ترکیب میں حال کیسے ہوئے؟ ☆ آیت کریمہ میں لفظ **اموات** کس معنی کے اعتبار سے حقیقت ہے اور کس معنی کے اعتبار سے مجاز؟ ☆ آیت کریمہ میں **احیاکم** کے ساتھ حرف عطف **فا** لایا گیا تو باقیوں کے ساتھ **ثم** ایسا کیوں؟ ☆ آیت کریمہ کی مختصر تفسیر کریں اور بتائیں کہ **تکفرون باللہ** میں اور کونسے ایمانیات کا انکار داخل ہوسکتا ہے؟ ☆ قبر میں سوال وجواب روح سے ہوتا ہے یا جسم میں وہ روح واپس ڈالی جاتی ہے؟ اس کے بارے میں مرزا قادیانی کا جواب نقل کریں اور اس پر تبصرہ کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ اگر دعوت نہ پہنچے تو کائنات کیلئے خالق کو ماننا عقل سے ضروری ہے اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ کیا ہے؟ باحوالہ پیش کریں ☆ خالق کا وجود، اس کی وحدانیت، انبیاء کی ضرورت اور ختم نبوت کا اعلان حضرت نانوتویؒ کی کن کتابوں میں پایا جاتا ہے؟ ☆ محمد علی لاہوری مرزائی کی ان عبارات پر تبصرہ کریں:

''بالآخر سب کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوگا''؛ ''موت کے معاً بعد ایک نئے روحانی تجربے کا ایک قسم کا شعور یا احساس پیدا ہو جاتا ہے''۔

☆ حافظ ابن حزمؒ سے جنت کی نعمتوں کا جسمانی ہونا ثابت کریں ☆ مرزا محمود لکھتا ہے: **یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا** (مریم) حضرت مریمؑ نے دردِ زہ کے وقت میں فرمایا کاش میں اس سے پہلے بے ہوش ہو جاتی'' مرزا محمود کا ترجمہ درست ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کی کچھ وجوہات ذکر کریں ☆ مرزا قادیانی نے حضرت مریم کے اس جملے ''**یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا**'' کو اپنا الہام بتایا اس کا حوالہ دیں پھر اس پر تبصرہ کریں ☆ مرزا محمود کی اس بات پر تبصرہ کریں۔

''اگر دوسری زندگی ملنی ہے تو پھر کوئی ہدایت بھی اس کی طرف سے ضرور آنی چاہئے تا کہ وہ انسان کو دوسری زندگی کیلئے تیار کرے''۔

☆ آیت ۲۸ میں قبر کی حیات کا ذکر ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟ جواب باحوالہ لکھیں ☆ مرزا محمود کی وہ عبارت نقل کریں جس میں اس نے آیت ۲۸ سے قبر کی زندگی پر استدلال کیا پھر اس پر تبصرہ کریں نیز یہ بتائیں کہ نجات کے لئے قبر کی حیات کو ماننا کافی ہے یا مرزے سے بیزاری بھی ضروری ہے اور کس دلیل سے؟ ☆ کچھ کبار علماء کرام کے نام لکھیں جنہوں نے سورۃ مومن کی آیت **ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب** سے قبر کے عذاب وثواب پر استدلال کیا ہے ☆ مرزا محمود کی درج ذیل عبارت کا مقصد کیا ہے؟

''اس آیت میں جس طرح جسمانی موت کے بعد ایک حیات کے وعدہ کا ذکر ہے دنیا کی قومی موت اور زندگی کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے''

پھر اس کا رد بھی کریں ☆ مرزا محمود نے آیت ۲۸ کی تفسیر میں سورۃ جمعہ کی ایک آیت ''**وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ**'' بھی ذکر کی ہے اس سے مرزا محمود کا مقصد کیا ہے؟ اور وہ اچھا ہے یا برا اور کیوں؟ ☆ مولانا عبد الحق حقانیؒ کی کچھ عبارات پیش کریں جن سے شبہہ ہوتا ہے کہ مولانا حقانیؒ آخرت میں صرف حیاتِ روحانی کے قائل ہیں پھر مولانا کی

اپنی عبارات کی روشنی میں جواب بھی لکھیں ☆ اگر کسی جاندار کو دوسرے جاندار نے کھالیا اور کھایا ہوا دوسرے کا جزءِ بدن گیا تو قیامت کے دن ماکول اپنے جسم کے ساتھ کس طرح کھڑا ہوگا؟ ☆ تناسخ کی نفی پر مولانا حقانیؒ کی کوئی عبارت پیش کریں ☆ فکر آخرت کے بارے میں کوئی بیان پیش کریں ☆ اس کو مثالیں دے کر سمجھائیں کہ اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں کہ قبر میں صرف مردے کو جنت یا دوزخ کا منظر دکھادے اور جنت یا دوزخ کی آوازیں سنوادے ☆ بجلی کے بلب کی مثال سے قبر میں جنت کے منظر کو سمجھائیں ☆ جو شخص عقیدے میں ڈھلمل یقین ہو وہ فرشتوں کو جواب میں کیا کہے گا؟ ☆ انسان کی اصل تمنا کیا ہونی چاہئے؟

آیت ۲۹ کا ترجمہ، ربط اور مختصر تفسیر لکھیں ☆ اِسْتَوٰی کے کچھ معانی ذکر کریں اور ثابت کریں کہ اس آیت میں اسکا ترجمہ قَصَدَ ہے اور اگر یہاں اِسْتَوٰی کا ترجمہ اگر صَعِدَ کیا جائے تو تاویل کرنی ہوگی پھر وہ تاویل بھی ذکر کریں ☆ فَسَوّٰیهُنَّ میں هُنَّ ضمیر کا مرجع کیا ہے مفسر ابوالسعودؒ کی تحقیق لکھیں ☆ محمد علی لاہوری نے سبع اور سموات کے معنی کو خراب کرنے کیلئے کیا تاویلات کی ہیں ذکر کریں پھر اس کو ثابت کریں کہ آیت کریمہ میں سبع سے مراد خاص سات کا عدد ہی ہے اور سموات سے خاص آسمان ہی مراد ہیں ☆ آسمان کا ذکر کیا صرف قرآنِ کریم میں ہے یا دوسری الہامی کتابوں میں بھی ہے؟ ☆ ارشادِ باری: اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا سے کس طرح پتہ چلتا ہے کہ آسمان دخان نہیں ہیں ☆ کیا ضروری ہے کہ آسمان کا مادہ بھی زمین جیسا ہو؟ ☆ نوری سال کی اصطلاح پر تبصرہ کریں ☆ آسمانوں کے وجود، ان کی تعدد، اور ان کے ابواب وغیرہ کی بابت حضرت نانوتویؒ کے ایمان افروز ارشادات نقل کریں ☆ محال اور ممکن کی تعریف کر کے بتائیں کہ آسمانوں کا ہونا اور ان میں دروازوں کا ہونا عقلاً ممکن ہے یا محال؟ ☆ کواکب تمام بالذات روشن ہیں یا بالعرض یہ بات ہماری توجہ کے قابل ہے یا نہیں اور کیوں؟ ☆ قرآن وحدیث کو عقل کے تابع کرنا چاہئے یا نہیں؟ حضرت نانوتویؒ کی عبارات بھی ذکر کریں؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ مرزائی لاہوری ہوں یا قادیانی خود کو مسلمان کہہ کر اپنی اور دوسروں کی آخرت خراب کرنے پر تلے ہوئے ہیں ☆ اس کو ثابت کریں کہ خدا نے دنیا کی کوئی چیز بے کار نہیں بنائی ☆ زمین افضل ہے یا آسمان؟ اس بارے میں مفتی احمد یار خان کیا کہتے ہیں؟ حضرت نانوتویؒ سے اس مضمون کو نقل کریں حضرت نانوتویؒ کے اشعار بھی پیش کریں ☆ حضرت نانوتویؒ کے درج ذیل شعر سے مرزائیوں کا رد کریں:۔

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانی احمد　　　زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار

☆ مفتی احمد یار خان کی کوئی ایسی عبارت نقل کریں جس میں انہوں نے آنحضرت کی نبوت کو اصل بتایا ہے پھر یہی مضمون حضرت نانوتویؒ کے کلام سے دکھائیں ☆ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ سند کے اعتبار سے کس درجہ کی روایت ہے اور معنی کے اعتبار سے کس درجہ کی؟ ☆ حضرت تھانویؒ کے کلام سے اس کو ثابت کریں کہ فائدے کیلئے پیدا کرنے کا مقصد صرف کھانے پینے کی حلت نہیں ☆ چیزوں میں اصل حلت ہے یا حرمت اس کے بارے میں حضرت مفتی اعظمؒ اور حضرت امام اہل سنتؒ کی تحقیق ذکر کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ اگر چیزوں میں اصل اباحت ہی ہو تو بھی بدعات کا جواز ثابت نہیں ہوتا ☆ مفتی احمد یار خان کی اس بات کا جواب دیں: ''وہابیوں اور دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو چیز حضور پاک کے زمانہ اقدس میں نہ ہو وہ سب بدعت اور حرام ہے۔ جس سے لازم آیا کہ اعراب والا قرآن شریف، بخاری شریف وغیرہ پڑھنا پلاؤ، بریانی کھانا، ریل کی سواری وغیرہ سب حرام'' ☆ اس کو ثابت کریں کہ بریلوی حضرات تیجے میں تیمیوں کا مال کھانے کیلئے قرآں میں تحریف کے بھی مرتکب ہوتے ہیں ☆ سورۃ البقرۃ کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے زمین پھر آسمان بنا جبکہ سورۃ النازعات میں ہے وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا اس تعارض کا حل کیا ہے؟ ☆ ''فَسَوّٰیهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ'' کے تحت مرزا محمود لکھتا ہے: ''سات سے مراد ضروری نہیں کہ سات ہی کا عدد ہو بلکہ اس سے مراد کثرت بھی ہوسکتی ہے اور آیت کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ زمین میں تمہارے عمل کیلئے بے انتہا سامان پیدا کر کے ہم بلندی کی طرف متوجہ ہوئے یعنی اس کے بعد تمہاری روحانی ترقیات کے سامان ہم نے مقرر کئے'' مرزا محمود کی اس تفسیر پر تبصرہ کریں ☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے:

اس آیت...... بتایا ہے کہ دنیا کو جس طرح خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ الہام ہو...... خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے انسان پر حکومت شروع کی تا کہ جو باکمال انسان ہیں انہیں اپنے ہنر دکھانے کا موقع ملے اور وہ ادنیٰ سے اعلیٰ مقامات کی طرف ترقی کریں۔

مرزا محمود کی اس عبارت پر تبصرہ کریں اور ثابت کریں کہ مرزا محمود کی اس تحریف کا مقصد قادیانیت کے لئے ذہن سازی ہے ☆ حضرت نانوتویؒ کی تقریر کا وہ حصہ نقل کریں جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو محض اپنی بندگی کیلئے پیدا کیا۔

☆☆☆☆☆

[حسی اور ظاہری نعمتوں کے بعد آدمؑ کی علم میں فوقیت سے سب انسانوں پر اللہ کی معنوی اور باطنی نعمتوں کا ذکر]

وَإِذْ[1] قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ[2] إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓآدَمُ أَنۢبِئْهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّيٓ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۙ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣٣﴾

---

۱) إِذْ قَالَ رَبُّكَ سے پہلے اُذْکُرْ محذوف ہے (جلالین ص ۸) جس کیلئے یہ مفعول بہ ہے، مفعول فیہ نہیں اور اذ ظرفیہ جملے کی طرف مضاف ہے۔ معنی یہ ہے "اس وقت کو یاد کرو" جیسے دوسری جگہ ہے وَاذْکُرُوْا إِذْ کُنْتُمْ قَلِیْلًا فَکَثَّرَکُمْ (الاعراف 86) مفتی احمد یار خان اس کے تحت لکھتے ہیں:

خیال رہے کہ وہ چیز یاد دلائی جاتی ہے جو پہلے سے علم میں ہو یا تو بتادی گئی ہو یا دکھا دی گئی ہو معلوم ہوتا ہے کہ سارے واقعات حضور ﷺ کے علم میں ہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے پہلے بتائے نہیں گئے تھے کیونکہ قرآن کریم تو اب اتر رہا ہے اور حضور نے تواریخ بھی نہیں پڑھی تھی تو ثابت ہوا کہ وہ سب حضور کو دکھا دیئے گئے تھے...... بعض جگہ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ یعنی اے محبوب کیا تو نے وہ واقعہ نہیں دیکھا یعنی دیکھا ہے اس سے حضور کا علم غیب بھی ثابت ہوا، اور حاظر و ناظر ہونا بھی (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۴۷)

**اقول:** [۱] خود قرآن کریم نے جا بجا نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی بھی کی ہے اور آپ ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کی بھی بلکہ آپ سے اعلان کروایا قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب (الانعام:۵۰)، نیز فرمایا: وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم (آل عمران:۴۴) تیرے کہنے سے اگر نبی ﷺ کیلئے علم غیب کو مان لیں تو نہ صرف قرآن کی تکذیب ہوتی ہے بلکہ آنحضرت ﷺ سے نبوت کی نفی بھی ماننی پڑتی ہے کیونکہ دلیل نبوت "ان کے پاس نہ ہوتے ہوئے محض وحی الٰہی سے بالکل سچی خبر دینا" باطل ہو جاتی ہے۔ [۲] یہاں رؤیت سے مراد رؤیتِ بصری نہیں رؤیتِ علمی ہے امام اللغۃ والادب ابوعبداللہ الحسینؒ بن احمد المعروف بابن خالویہ (المتوفی ۳۷۰ھ سورۃ الفجر کی تراکیب کے تحت لکھتے ہیں: کل ما فی القرآن من الم تر فمعناہ الم تخبر، الم تعلم لیس من رؤیۃ العین (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن ص ۷۵) اسی قسم کا مضمون علامہ ابن خالویہؒ نے سورۃ الفیل کی تراکیب کے تحت ص ۱۹۱ میں لکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ "جہاں کہیں بھی قرآن کریم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ اَلَمْ تَرَ تو اس سے آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ اس سے دل کی رؤیت اور علم مراد ہے"۔

مثال سے وضاحت: نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: الم تروا کیف خلق اللّٰہ سبع سموات طباقا (نوح:۱۵) "اے انسانو! کیا تم نے نہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے" ظاہر ہے کہ جب آسمان کو بنایا گیا اسوقت قوم نوح موجود نہ تھی۔ نیز فرمایا: الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن (الانعام:۶) "کیا ان لوگوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنی جماعتیں ہلاک کر دی ہیں"۔ اگر ان مقامات پر رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہو تو ثابت ہوگا کہ کافر و مشرک بھی پہلے زمانے میں حاضر و ناظر تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر خطاب فرمایا ہے۔

تنبیہ: سورۃ آلِ عمران آیت ۴۴ سے استدلال کے بارے میں مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں: ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ آپ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ ہی نہ فرما رہے تھے اس جسد عنصری سے وہاں نہ ہونا اور چیز ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا کچھ اور۔ بلکہ آیات مذکورہ بالا کا مطلب ہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ وہاں بہ ایں جسم پاک موجود نہ تھے لیکن پھر آپ کا ان واقعات کو علم اور مشاہدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں (جاء الحق ص ۱۴۳)

**اقول:** [۱] مفتی صاحب کے خط کشیدہ الفاظ "بہ ایں جسم پاک" کسی لفظ کا ترجمہ نہیں بلکہ خالص تحریف ہے۔ جس کا انہیں حساب دینا ہوگا [۲] پوری آیت کریمہ یوں ہے: ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ (44) قرآن کی اس (باقی آگے)

**ترجمہ** اور جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے، اور ہم تیری حمد اور تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور اللہ نے آدم کو سب نام سکھا دیئے پھر ان (چیزوں) کو فرشتوں کے روبرو کر کے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ فرشتوں نے کہا آپ کی ذات پاک ہے ہمیں تو وہی علم ہے جو آپ نے ہمیں دیا (اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جانتے) بیشک علم و حکمت کے مالک آپ ہی ہیں۔ اللہ نے فرمایا اے آدم! ان کو ان چیزوں کے نام بتادو تو جب آدم نے فرشتوں کو ان کے نام بتا دیئے تو اللہ نے کہا کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے سب غیب جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو مجھے ان سب کا علم ہے۔

## ﴿ربط اور چند ضروری ابحاث﴾

۱) ربط: نعمتیں دو طرح کی ہیں حسی و ظاہری اور معنوی و باطنی۔ انسان کا اپنا وجود اسی طرح زمین و آسمان حسی نعمتیں ہیں گذشتہ آیات میں ان کا بیان تھا اب معنوی و باطنی نعمتوں کا ذکر ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو علم کے ساتھ فضیلت دے کر مسجودِ ملائکہ بنایا، اور تم کو ان کی اولاد میں ہونے کا فخر دیا (۱) (از بیان القرآن تھانوی ج اص ۱۷) چونکہ یہ تذکیر بآلاء اللہ ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر واجب ہے کہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرو اور اس زمانے میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ پر ایمان لاؤ اور ان کی اطاعت کرو۔

۲) ملائکہ فرشتوں (۲) کو کہتے ہیں فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک خاص مخلوق ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تصریح کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کریں کہ نبی کریم ﷺ کا گذشتہ واقعات کو صحیح صحیح بیان کرنا اللہ کے بتانے سے تھا یا آپ ﷺ کے مشاہدے سے؟[۳] اگر یہ واقعات آپ کے دیکھے ہوتے تو اللہ ان کو من انباء الغیب نہ کہتا کیونکہ یہ واقعات اللہ کی نسبت سے تو غیب نہ تھے ہاں نبی ﷺ کی نسبت سے غیب تھے۔ مزید تفصیلات کے لئے حضرت امام اہل سنت کی دیکھئے کتاب تبريد النواظر یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک ص ۱۲۹ تا ۱۳۳۔ (۲) ملائکہ جمع منتہی الجموع ہے چونکہ آخر میں تا ہے اس لئے یہ منصرف ہے سورۃ بنی اسرئیل: ۹۵، اور سورۃ التحریم: ۶ میں تنوین کے ساتھ اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس کا مفرد مَلَکٌ ہے قرآن پاک میں واحد جمع دونوں مستعمل ہیں۔ ان کی اصل میں اختلاف ہے کچھ صرفی کہتے ہیں کہ مَلَکٌ کی اصل مَلْاَکٌ ہے نقل حرکت کے بعد مَلَکٌ ہوگیا بروزن مَفَلٌ کیونکہ لَاَکَ بمعنی اَرْسَلَ آتا ہے۔ اس صورت میں مَلَائِکَۃٌ کا وزن مَفَاعِلَۃٌ ہوگا۔ دوسرا قول یہ کہ مَلَکٌ کی اصل مَأْلَکٌ ہے اَلُوْکَۃٌ بمعنی رِسَالَۃٌ سے مشتق ہے۔ قلب مکانی اور نقل حرکت کے بعد ہمزہ کو حذف کیا تو مَلَکٌ ہوگیا بروزن مَعَلٌ۔ اس صورت میں مَلَائِکَۃٌ کا وزن ہے مَعَافِلَۃٌ۔ تیسرا قول یہ کہ اس کی اصل مَلْاَکٌ بروزن فَعْاَلٌ ہے کیونکہ فرشتہ اللہ کی طرف سے کئی امور کا مالک ہوتا ہے۔ اس قول کے مطابق مَلَائِکَۃٌ کا وزن فَعَائِلَۃٌ ہوگا۔ مگر راجح پہلا قول ہے کہ یہ لَاَکَ بمعنی اَرْسَلَ سے مشتق ہے اور مصدر بمعنی مفعول ہے (از شافیہ مع الرضی ص ۲۳۷، ۲۳۸ طبع لاہور)

### ﴿اس صفحے کا حاشیہ﴾

۱) مفتی احمد یار خان تفسیر نعیمی ج اص ۲۴۶ میں لکھتے ہیں:

پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ انسان عالَم کا مقصود ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ انسان عالَم کا مسجود کیونکہ فرشتوں کا مسجود ہوا تو ان کے ماتحتوں کا بھی۔

**اقول:** یہ انسان ہی ہے جس کو دوسری جگہ بشر کہا، فرمایا: ''اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ☆ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ (ص آیت: ۷۱، ۷۲) جب بشر مسجودِ ملائکہ ٹھہرا تو کسی کو بشر کہنے میں توہین کا پہلو کہاں سے نکل آیا؟ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ہم انبیاء کیلئے پہلے نبوت یا رسالت کا ذکر کرتے ہیں پھر بشریت کا۔ یہاں تفسیر نعیمی ج اص ۲۴۶ میں محض انسان کو مسجودِ عالم کہہ رہا ہے اور دوسری جگہ لکھتا ہے کہ کسی کو صرف بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے (تفسیر نعیمی ج اص ۱۵۰ میں) ارے کیا مسجودِ ملائکہ ماننے سے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلا کرتا ہے

۲) سر سید احمد خان فرشتوں کا منکر تھا مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں۔ (باقی آگے)

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ (مسلم ج۴ص۲۲۹۴رقم۲۹۹۶)'' فرشتے نور سے پیدا کئے گئے'' مگر یہ نور وہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام نور بھی ہے اس سے کوئی چیز نہیں نکلتی فرشتے جس نور سے پیدا کئے گئے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فرشتہ کا لفظ (جسے عربی میں ملک اور ملائکہ کہتے ہیں) اصل تو ان معنی میں اطلاق ہوتا ہے جس کو عام مسلمان بلکہ یہود و نصاری اور عرب کے مشرک سمجھا کرتے تھے کہ خدا کی ایک مخلوق ہے گناہوں سے پاک اور اللہ کے حکم کی تابعدار...... ہوا کی طرح مرئی اور مشاہد نہیں ہوتے ...... یہ خلاصہ ہے ان معنوں کا جس پر اہل ادیان فرشتہ بولتے ہیں ...... یہود و نصاری کی کتابیں توریت و انجیل تو اس مضمون سے پر ہیں احادیث نبویہ میں تو اس کا ذکر بتصریح ہے کہ حضرت جبرائیل آنحضرت ﷺ کے پاس دحیہ کلبی صحابی کی صورت میں آیا کرتے تھے غرض ان معنوں سے کسی مسلمان، نہ کسی یہودی، نہ عیسائی کو انکار ہے کہ فرشتے خدا کی ایک جداگانہ مخلوق ہیں ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے مگر زمانہ حال کے محقق سرسید احمد خان اس معنی کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس سے سخت انکاری ہیں چنانچہ اپنی تفسیر کی جلد اول کے ص۴۹ پر رقم طراز ہیں۔

''جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا اصلی وجود نہیں ہوسکتا بلکہ خدا کی بے انتہاء قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کی پیدا کی ہیں مَلَک یا ملائکہ کہا ہے جن میں ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے'' تعجب ہے کہ سرسید اوروں پر تمسخر اور ہنسی تو اڑایا کرتے ہیں کہ ہمارے مفسرین کو بے دلیل کہنے کی عادت ہے فلاں قول امام رازی کا بے دلیل ہے فلاں توجیہ بیضاوی کی بے ثبوت ہے مگر خود کہتے ہوئے یہ قاعدہ ہی بھول جائیں کہ دعویٰ پر دلیل پیش کرنا بھی کوئی شے ہوتا ہے۔ سید صاحب! اس پر کیا دلیل ہے کہ ملائکہ سے مراد انسان کے قویٰ ہیں؟ حالانکہ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی فرشتوں کو اعلان کیا جاتا ہے کہ جب ہم آدم کو پیدا کریں گے تو تم نے اسے سجدہ کرنا...... پھر آپ کا اس آیت قرآنی: وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ، وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ☆ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ [الانعام: ۸،۹۔ راقم] کو نفی وجودِ ملائکہ بالمعنی المتعارف میں پیش کرنا پہلے سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے...... اس آیت کی تفسیر تو دوسری آیت سورۂ فرقان کی کر رہی ہے لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا [الفرقان: ۷۔ راقم] تو اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو کسی شے مرئی کی خواہش تھی چنانچہ اسی سورت کی دوسری آیت میں اس سے بھی واضح بیان ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا [الفرقان: ۲۱۔ راقم] اس سے تو صاف روزِ روشن کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ واقعی کفار کو کسی چیز قابل دید کی درخواست تھی جبھی تو جناب باری نے ان کے جواب میں: يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا [الفرقان: ۲۲۔ راقم] فرمایا (تفسیر ثنائی ج۱ ص۵۱ تا ۵۵ حاشیہ، مزید دیکھئے کشف البیان ج۱ ص۱۸۶ تا ۱۹۶)

﴿عقل و نقل میں تعارض کے وقت ترجیح کا ضابطہ﴾

اس آیت کے تحت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عقل پرستوں کا موقف یہ ہے کہ جب عقل اور نقل میں تعارض ہوگا تو ترجیح بہر حال عقلی نتائج ہی کو ہوگی کیونکہ تعارض کی صورت میں اگر دونوں کو چھوڑیں تو ارتفاع نقیضین ہوگا، اگر دونوں کو لیتے ہیں تو اجتماع نقیضین ہوگا اور یہ دونوں محال ہیں۔ اور نقل کو عقل پر ترجیح دینا بھی محال ہے کیونکہ جب نقل کا پورا کارخانہ عقل پر قائم ہے تو پھر نقل کو ترجیح دینے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم فرع کے ذریعے اصل کو باطل کر رہے ہیں لہٰذا ایک ہی صورت درست ہے کہ عقل کو ترجیح دی جائے اور نقل کی تاویل کی جائے (از کشف البیان ج۱ ص۱۹۶، ۱۹۷) پھر حضرت تھانویؒ کے حوالے سے جواب لکھتے ہیں کہ عقل و نقل میں تعارض کی چند صورتیں ہیں جن کی تفصیل مع حکم درج ذیل ہے۔

اول یہ کہ دلیل نقلی قطعی ہو جس میں کسی طرح گنجائش جانب مخالف نہ ہو اور دلیل عقلی بھی اسی طرح قطعی ہو۔ یہ صورت پیش ہی نہیں آسکتی۔ جہاں ایسا تعارض معلوم ہو فہم کا قصور ہوگا، دوسرے یہ کہ دلیل نقلی بھی ظنی ہو دلیل عقلی بھی، اس وقت دلیل نقلی کو معنی قریب سے پھیرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ دلیل عقلی خود ظنی ہے۔...... تیسرے یہ کہ دلیل نقلی قطعی ہو دلیل عقلی ظنی ہو اس کا حکم ظاہر ہے کہ اس صورت میں دلیل نقلی کو ترجیح دی جائے گی...... چوتھی صورت یہ ہے کہ دلیل شرعی ظنی ہو اور دلیل عقلی قطعی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہاں دلیل عقلی کو ترجیح دی جائے گی اور مگر اس ترجیح کا مطلب یہ نہیں کہ دلیل شرعی کو رد کر دیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دلیل شرعی کے وہ معنی لئے جائیں گے جس کو وہ محتمل ہو، یہ حکم بالکل فطرت کے موافق ہے اور ایسا کرنا دلیل شرعی کو چھوڑنا نہیں بلکہ اس کے ظنی ماننے کا اظہار ہے...... جیسے وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ...... یعنی ذوالقرنینؒ (باقی آگے)

ہیں وہ مخلوق ہے جس طرح مٹی مخلوق ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا (از ذخیرۃ الجنان ج ا ص ۱۱۷)

فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت (ا) نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ عام انسانوں کو موت سے پہلے نظر نہیں آتے موت کے وقت اور موت کے بعد دکھائی دیتے ہیں

---

نے یوں محسوس کیا کہ گویا سورج چشمے میں ڈوب رہا ہے (کشف البیان ج ا ص ۱۹۸ تا ۲۰۱)

**﴿حضرت نانوتویؒ کا ایمان افروز ارشاد﴾**

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں حضرت نانوتویؒ کا کلام بھی ذکر کر دیا جائے، سرسید نے کہا تھا کہ قرآن وحدیث کی کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہونی چاہئے حضرت نانوتویؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

کلام خداوندی اور کلام نبوی ﷺ جیسے مخالف حقیقت اور مخالف واقع نہیں ہوسکتا ایسے ہی حقیقت اور واقع کے دریافت کرنے کی صورت اس سے بہتر کوئی نہیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کی طرف رجوع کیا جائے سوا گر کوئی طریقہ دربارۂ اخبار واقع وحقیقت، مخالف کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ہو تو کلام اللہ اور احادیث کے وسیلہ سے اس کی تغلیط کر سکیں گے پر کلام اللہ اور احادیث کی تغلیط اس طریقہ کے بھروسے سے نہیں کر سکتے اس صورت میں اگر اشارۂ عقل معارض اشارۂ نقل ہو تو ہرگز قابل اعتبار نہیں۔

[اس کے بعد فرماتے ہیں]

غرض عقل کی بات یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ نمونۂ صحت اور سقیم دلائل عقلیہ سمجھے جائیں نہ برعکس۔ علیٰ ھذا القیاس مضمون متبادر کلام اللہ وحدیث کو جو باعتبار قواعد صرف ونحو بدلالت مطابقی سمجھے جاتے ہوں اصل مقرر کر کے دلائل عقلیہ کو اس پر مطابق کریں اگر کچھ کھچا کر بھی مطابق آجائے تو فبہا ورنہ قصور عقل سمجھیں یہ نہ ہو کہ اپنے خیالات واوہام کو اصل سمجھیں اور کلام اللہ وحدیث کو کھینچ تان کر اُس پر مطابق کریں (تصفیۃ العقائد ص ۱۰)

فقہائے اسلام اصول فقہ کی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ ہر مامور بہ حسن ہوتا ہے یہ نہیں کہتے کہ ہر حسن مامور بہ ہوتا ہے کیونکہ قرآن وحدیث کا درجہ اوپر ہے۔ عقل کو قرآن وحدیث کے تابع کرنا چاہئے نہ کہ قرآن وحدیث کو عقل کے ماتحت نہ کیا جائے گا۔ عقل کو قرآن وحدیث کے تابع کرنا ایمان ہے اور قرآن وحدیث کو عقل کے تابع کرنا الحاد۔

☆ محمد علی لاہوری مرزائی کہتا ہے:

مسلمانوں میں سے بعض لوگ [مسلمانوں میں سے نہیں خود کو مسلمان کہنے والوں سے، یعنی اسلام کے دعویداروں میں سے بعض لوگ۔ راقم] اس طرف گئے ہیں کہ ملائکہ صرف قوتوں اور طاقتوں کا نام ہے حتیٰ کہ نبوت کو بھی ایک ملکہ یا طاقت قرار دے کر اس کا نام جبرئیل قرار دیا ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے یہ عقیدہ بھی رکھنا پڑتا ہے کہ وحی الٰہی انسان کے اندر سے ہی ایک آواز کے پیدا ہونے کا نام ہے اور وہ کوئی خارجی شے نہیں۔ وحی الٰہی خارجی شے ہے:...... حالانکہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کے انسان سے کلام کرنے کا ذکر ہے وہاں اگر کلام کی ایک صورت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے تو دوسری صورت مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ فرمائی اور تیسری یہ کہ وہ رسول بھیج کر اپنا کلام پہنچاتا ہے جہاں رسول سے مراد جبرئیل ہی ہے پس اگر یہ محض اندر کی شے ہوتی تو یہ تیسری صورت قطعاً ناممکن تھی اور اگر وحی اندر کی آواز نہیں بلکہ خارجی شے ہے تو مَلَک یا فرشتہ بھی قوائے عالم یا قوائے انسانی کا نام نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ مَلٰٓئِکَۃ وہ وسائط ہیں جو ان قوائے عالم یا قوائے انسانی کے عمل میں آنے کا ذریعہ بنتے ہیں...... دنیا کے بڑے بڑے راستبازوں کی شہادت اس بات پر ہے کہ ملائکہ علیحدہ ہستیاں ہیں (بیان القرآن مرزائی ج ا ص ۲۵، ۲۶ حاشیہ ۴۵)

**اقول** اگر تو اسلام صرف دعوے کا نام ہے کہ ہر وہ شخص جو خود کو مسلمان کہے وہ مسلمان ہے پھر تو وحی اور نبوت کے منکروں کو مسلمان کہنا درست ہے اور اگر اسلام کوئی حقیقت رکھتا ہے یعنی کچھ مخصوص عقائد ہیں جن کو ماننے والا مسلمان ہوگا، اور جو شخص ان عقائد میں سے کسی کا منکر ہو وہ اسلام سے خارج ہوگا تو اس قسم کی تاویل سے نبوت یا وحی کے منکر کو مسلمان کیسے قرار دیا جائے؟ مگر محمد علی لاہوری کو اسلام سے کوئی غرض نہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ مرزائی جو کفریات چاہیں کریں مسلمان ان کو کافر نہ کہیں۔

ا) مفتی احمد یار خان صاحب فرشتوں کے بارے میں آیت ۳۰ کے تحت لکھتے ہیں:

فرشتے حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان وحی لانے والے قاصد ہوتے ہیں (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۴۷)

 اس میں انبیاءؑ کے عالم الغیب اور حاضر ناظر ہونے کی نفی ہے کیونکہ جو حاضر ناظر ہو جس کو علم غیب حاصل ہو، اسے علم لینے کیلئے قاصد کی ضرورت نہیں (باقی آگے)

روح فرشتے قبض کرتے ہیں اور قبر میں سوالات بھی فرشتے کرتے ہیں فرشتوں کے وجود پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور اس سے حسن عقیدت بھی ضروری ہے اگر چہ موت کا فرشتہ ہی ہو۔ ان پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ قرآن وحدیث میں جابجا ان کا ذکر ہے حتی سورۃ الفاطر کا ایک نام سورۃ الملائکہ ہے (دیکھئے بخاری ج ۲ ص ۷۰۹ کتاب التفسیر) فرشتوں سے حسن عقیدت اس لئے ضروری ہے کہ جو فرشتوں سے دشمنی رکھے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا دشمن قرار دیا ہے (البقرۃ: ۹۸)

۴) خلیفہ لغت میں نائب کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا تکوینی حکم جس طرح پوری کائنات میں نافذ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس کا تشریعی حکم زمین پر بھی نافذ ہو

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ☆ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: ان کی (یعنی فرشتوں کی۔ راقم) کثرت کا یہ حال ہے کہ تفسیر روح البیان وغیرہ نے فرمایا کہ انسان جنات کا دسواں حصہ اور جن وانس خشکی کے جانوروں کا دسواں حصہ اور یہ سب مل کر پرندوں کا دسواں حصہ اور یہ سب مل کر دریائی جانوروں کا دسواں حصہ اور یہ سب مل کر زمین کے فرشتوں کا دسواں حصہ اور یہ سب مل کر پہلے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ اور وہ سب مل کر دوسرے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ساتویں آسمان تک یہ ترتیب ہے پھر یہ تمام مخلوقات کرسی کے فرشتوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں وہ سب مل کر عرش اعظم کے ایک پردے کے فرشتوں کے مقابلے میں۔ خیال رہے کہ عرش اعظم کے چھ لاکھ پردے ہیں اور ہر پردے میں اسی قدر ملائکہ ہیں پھر یہ تمام مخلوق ان فرشتوں کے مقابلے میں جو عرش اعظم کے گرد گھومتے رہتے ہیں ایسے ہے جیسے دریا کے مقابلے میں قطرہ۔ ان کی تعداد رب ہی جانتا ہے...... اس جگہ تفسیر کبیر اور روح البیان میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے معراج میں ایک جگہ فرشتوں کی قطاریں جاتی ہوئی دیکھیں جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کہاں جارہے ہیں؟ جبرائیل نے عرض کیا میں تو جب سے پیدا ہوا ہوں اس قطار کو ایسے ہی دیکھا مجھ کو خبر نہیں کہ کہاں سے آرہے ہیں کہاں جارہے ہیں؟ ہاں جو فرشتہ ایک بار گزر جاتا ہے دوبارہ لوٹ کر نہیں آتا فرمایا چلو ان سے پوچھیں چنانچہ ان میں سے ایک سے سوال کیا گیا کہ تیری عمر کتنی ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے خبر نہیں ہاں اتنا جانتا ہے کہ رب تعالیٰ ہر چار لاکھ سال کے بعد ایک تارہ پیدا فرماتا ہے میں نے چار لاکھ تارے پیدا ہوتے ہوئے دیکھے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۴۷، ۲۴۸)

**اقول:** [۱] فرشتوں کی اس ترتیب سے کثرت کی روایت ضعیف بلکہ موضوع ہی معلوم ہوتی ہیں، اس انداز میں تعداد کا ذکر اس کے موضوع ہونے کی علامت ہے (دیکھئے علامہ ابن القیمؒ کی کتاب المنار المنیف ص ۴۴ تا ۵۲) مگر اتنی تعداد میں فرشتوں کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ فرشتے پیدا کرسکتا ہے مگر حیرت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی مثل کے امکان کی بات ہوتی ہے تو مفتی احمد یار خان فوراً کہہ دیتے ہیں کہ تحت القدرت ہی نہیں (دیکھئے تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۱۹۸۸) یہ حقیقت ہے کہ سب انسانوں کے کمالات یکجا کرلئے جائیں تو حبیب خدا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے کمالات کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ سب سے اعلیٰ اور آخری نبی ہیں آپ جیسا کوئی نہ پہلے ہوا نہ بعد میں ہوگا مگر بات قدرت خداوندی کی ہورہی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی مثل پیدا کرنے سے عاجز نہیں۔ **سبحانہ وتعالیٰ عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔**

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

فرشتے چند قسم پر ہیں...... بعض پانی برسانے والے بعض رحم میں بچہ بنانے والے بعض مصیبت کے وقت انسانوں کی مدد کرنے والے وغیرہ وغیرہ اسی جگہ تفسیر کبیر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ جو شخص کسی جنگل میں پھنس جائے تو اس طرح آواز دے **اعینونی عباد اللہ یرحکم اللہ** یعنی اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو۔ اسی طرح حصن حصین میں بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کو مصیبت میں پکارنا سنت صحابہ کرام ہے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۴۸)

**اقول:** ارے یہ پکارنا، نہ غائبانہ ہے اور نہ غیر خدا کو عالم الغیب یا حاضر ناظر سمجھ کر ہے۔ وہ فرشتے اس مقام پر موجود ہیں مگر بندے کا دکھائی نہیں دے رہے آپ ﷺ نے فوت شدگان کو تو پکارنے کا نہیں کہا۔ رحم میں مقرر فرشتوں سے بچہ بنانے کیلئے دعا کی تو اجازت نہیں دی، بادلوں پر مقرر فرشتوں سے بارش کی دعا کرنے کا حکم تو نہ دیا شرک تب ہے جب اس عقیدے سے پکارا جائے کہ جس کو پکارتا ہے وہ پکارنے والے کے ہر حال سے واقف ہے، دور ونزدیک سے ہر وقت اس کی پکار کو سن رہا ہے اور اس کی ہر ضرورت پوری کرنے پر، ہر مشکل کو دور کرنے پر قادر ہے اگر وہ اس کی مدد کرنا چاہے تو روک ہی نہیں سکتا۔ اور آپ ﷺ نے کسی فرشتے کیلئے تو ایسے علم یا اختیارات کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور جہلاء اسی عقیدے سے بعض فوت شدہ بزرگوں کو پکارتے ہیں کہ وہ ان کے ہر حال سے واقف بھی ہیں ان سے کچھ مخفی نہیں اور اگر وہ ان کی مدد کرنا چاہیں تو کوئی روک نہیں سکتا۔

اور اس کے نفاذ کا ذریعہ انسان ہو(۱) اسی مفہوم میں حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ کہا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے احکام کے تنفیذ کے لئے نائب بنا کر بھیجا۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو نائب بنانا محتاج ہونے کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے امور میں تصرف اور نفاذ کے لئے نائب بنانے کی ضرورت کیوں ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نیابت بطور احتیاج کے نہیں بلکہ انسان کو اپنے تقرب کا شرف بخشنے کیلئے عنایت کی گئی (کشف البیان ج ۱ ص ۲۰۹)

۴) فرشتوں کے قول: اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ (۲) فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ میں صورت مشورہ تو ہے مگر یہ نہ مشورہ تھا (۳) نہ اعتراض اور نہ انسانوں سے حسد کی وجہ سے فرشتوں نے یہ بات کہی (ابن کثیر ج ۱ ص ۷۰)

---

۱) محمد عمار خان ناصر جاوید احمد غامدی کے اس نظریہ پر کہ اب جہاد اور جزیہ کا حکم ختم ہو چکا ہے تفریع بٹھاتے ہوئے کہتا ہے کہ اب "غیر مسلم انسانی اور قانونی حقوق کے لحاظ سے مسلمانوں کے مساوی تصور کئے جائیں گے" (حدود و تعزیرات چند اہم مباحث ص ۱۲۲)

**اقول:** جس حکومت میں مسلم اور غیر مسلم قانونی طور پر برابر ہوں وہ حکومت اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی کیونکہ مسلمانوں کا ایک حاکم ہونا چاہئے جو احکام شریعت کا نفاذ کرے، حدود کو قائم کرے، لشکروں کو تیار کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے (دیکھئے عقائد نسفیہ مع شرح التفتازانی ص ۱۵۲، ۱۵۳ نیز ۲۲۲ طبع نور محمد کراچی، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۳ تحت قولہ **انی جاعل فی الارض خلیفة** آیت ۳۰، در مختار ج ۱ ص ۵۴۸) اور مسلمانوں کا الگ سے حاکم تب ہی ہوگا جب مسلمانوں کی مستقل ایسی حکومت ہو جس کا مقصد اسلام کو غالب کرنا ہو۔ محمد عمار خان ناصر کی تحریر سے سمجھ آتا ہے کہ اب اسلامی حکومت کا مقصد اسلام کی سربلندی نہیں اس لئے مسلمان اور کافر حقوق میں برابر ہیں گویا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی ختم ہو گیا ارشاد باری ہے: "هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا [سورۃ الفتح: ۲۸، سورۃ الصف: ۹، سورۃ التوبہ: ۳۳] (مزید دیکھئے راقم الحروف کی کتاب "رجم کی شرعی حیثیت، ایک تحقیقی جائزہ" ص ۱۵۴ تا ص ۱۶۸)

۲) امین احسن اصلاحی صاحب اس کے تحت لکھتے ہیں:

اپنی مرضی ہی فساد ہے، جس کا نتیجہ خون ریزی اور بغاوت ہے (از تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۵۸)

**اقول:** بیشک اپنی مرضی ہی فساد ہے اسی لئے صراط مستقیم امت مسلمہ کے ساتھ جڑے رہنے کا نام ہے، مرزا قادیانی، مودودی، اصلاحی، غامدی اور عمار خان جیسے اسی لئے تو مفسد ہیں کہ یہ لوگ من مرضی کرتے ہیں۔

۳) مفتی احمد یار خان البقرۃ آیت ۳۰ کے تحت لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ مشورہ سنت الٰہیہ ہے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۴۷ نیز ص ۲۵۴)

**اقول:** مشورہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے (آل عمران: ۱۵۹) آنحضرت ﷺ کی سنت ہے، سنت الٰہیہ نہیں اللہ کی طرف سے فرشتوں کو احکام آتے ہیں ان میں فرشتوں سے کرنے یا نہ کرنے کی بابت مشورہ تو نہیں لیا جاتا (دیکھئے بخاری ج ۱ ص ۶۸۲) یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ نہ لیا مگر ایسا انداز اس لئے اختیار کیا کہ بندوں کو مشورہ کی تعلیم ہو یہ بھی راجح نہیں مشورہ کے بارے دوسری آیات موجود ہیں اس واقعہ سے استنباط کی کوئی ضرورت نہیں حضرت تھانویؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے (تاکہ وہ اپنی رائے ظاہر کریں ورنہ وہ اپنی رائے ظاہر کریں ورنہ وہ تو باطن کو بھی جانتے ہیں اور حقیقت میں ان سے مشورہ لینا نہ تھا اس کی حاجت ہی کیا ہے بلکہ اس کا تو احتمال بھی نہیں......) (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۷، ۱۸)

☆ مفتی احمد یار خان تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۵۰ میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

خدا تعالیٰ ہر وقت موجود ہے اس کو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو ضرورت ہے کیونکہ حق تعالیٰ تک ان کی رسائی نہیں...... خلیفہ تین قسم کا ہوتا ہے پس وفات سلطان اس کا کام چلانے والا جیسے حضور کے خلفاء راشدین، پس پشت سلطان کارفرما جیسے موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں حضرت ہارون یا حضور کی غیبت میں حضرت ابن ام مکتوم، پس پردہ نیابت کرنے والا یہاں تیسری خلافت مراد ہے کیونکہ رب نہ میت ہے نہ غائب بلکہ محجوب ہے اس لئے قیامت میں کوئی اس کا خلیفہ نہ ہوگا۔ (باقی آگے)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: ملائکہ کا سوال محض حکمت دریافت کرنے کے لئے تھا کہ خون ریزی کرنے والوں کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے حاشا، بطور اعتراض کے نہ تھا...... مقصد فقط یہ تھا کہ اس قسم کی مخلوق کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اگر عبادت اور بندگی مقصود ہے تو ہم اس لئے حاضر ہیں اور تیری معصیت اور نافرمانی سے بالکلیہ پاک اور بری ہیں (معارف القرآن کاندھلویؒ ج اص ۱۱۹، نیز دیکھئے انوار البیان ج اص ۵۱)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول:** البقرۃ آیت ۱۹ کے تحت تفسیر ج اص ۱۸۸ مفتی احمد یار خان نے نبی ﷺ کو حاضر ناظر مانا اور اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے کا انکار کیا جبکہ اس عبارت میں اس کو تسلیم کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دکھائی نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر مانا، اور آنحضرت ﷺ سے حاضر ناظر ہونے کی نفی کر کے اپنی پہلی بات کا رد کر دیا کیونکہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کو حاضر ناظر مانتے تو آپ ﷺ کے خلفاء کی خلافت بھی اس تیسری قسم میں شمار کرتے۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

خیال تو کرو کہ عرب کا ایک ناقہ نشین شہنشاہ ﷺ آن کی آن میں زمین و آسمان کو طے فرماتا ہوا وہاں تشریف فرما ہو کر آ گیا جہاں فرشتوں کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا یہ تو قوت انبیاء کا کچھ ذکر ہوا، شاید اس کا کفار انکار کر جائیں لیکن اب سائنس کے کرشمے اور مسمریزم کی طاقتیں تو سب پر ظاہر ہو گئیں کہ جس نے انسان کی طاقت وقوت کو بالکل ظاہر کر دیا (تفسیر نعیمی ج اص ۲۵۰)

**اقول:** بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عام انسانوں سے زیادہ طاقت عطا فرمائی تھی مگر آسمان پر جانا آپ کا معجزہ ہے کہ حضرت جبریلؑ کے ساتھ گئے تھے۔ رہے سائنسی کرشمے تو وہ عالم اسباب سے ہیں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے افعال کو ان پر قیاس کرنا درست نہیں۔

<u>مثال سے وضاحت:</u>

مفتی صاحب کے مرید اور معتقدین تو مفتی صاحب کو یقیناً ولی مانتے ہیں جب مفتی صاحب زندہ تھے تو ریل گاڑی تو اپنی جگہ ایک بیل گاڑی کے برابر وزن بھی نہ کھینچتے تھے، ہوائی جہاز کی طرح مسافروں کو اٹھا کر جدہ نہ پہنچاتے تھے، کیا مفتی صاحب کی قوت ساعت ایک ادنیٰ سے موبائل کے برابر تھی جو دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے میں آواز سنا دے اور وہ بھی فوری طور پر، درمیان میں کچھ وقفہ نہیں۔ اُدھر منہ سے آواز نکلی ادھر دوسرے نے سن لی۔

اگر سائنسی کرشموں پر قیاس درست ہے تو آج کے موبائل استعمال کرنے والے کافر گذشتہ زمانے کے اہل ایمان سے اعلیٰ بنتے ہیں جبکہ مفتی صاحب خود فرماتے ہیں: ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ میں نے آپ کی کوئی کرامت نہ دیکھی فرمایا کہ تم نے میرا کوئی کام خلاف سنت دیکھا کہا نہیں فرمایا یہ استقامت ہی میری کرامت ہے اور کیا چاہئے ہوا میں اڑنا پانی پر چلنا ولایت نہیں یہ کام مکھی اور مچھلی بھی خوب کرتی ہے دجال بڑے بڑے عجوبے دکھائے گا دین پر استقامت ولایت ہے (مواعظ نعیمیہ ص ۹۵)

☆ مفتی صاحب موصوف ہی لکھتے ہیں:

شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ کے دسویں باب میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام حضور ﷺ کے پہلے خلیفہ اور نائب ہوئے امام ابوحیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فَاِنَّکَ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ کَوَاکِبُهَا — یُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

یعنی اے نبی ﷺ آپ بزرگی کے سورج ہیں اور سارے پیغمبر آپ کے تارے۔ اسی قسم کا مضمون مولوی صاحب بانی دار العلوم دیوبند نے بھی تحذیر الناس میں لکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام بلکہ سارے [انبیاء ہمارے۔ راقم] پیغمبر ﷺ کے خلیفہ ہیں (تفسیر نعیمی ج اص ۲۵۱)

**اقول:** جی ہاں حضرت نانوتویؒ نے واقعی یہ مضمون لکھا ہے (دیکھئے تحذیر الناس ص ۳، ۴) ایک مقام پر یہ بھی لکھا کہ جس خلافت کا سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۰ میں ذکر ہے وہ اعلیٰ درجہ میں آنحضرت ﷺ کیلئے ہے (دیکھئے مناظرہ عجیبہ ص ۲۹) حضرت تھانویؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے والد گرامی قدرؒ کے ترجمہ کے ساتھ نشر الطیب ص ۱۲، ۱۳ میں بھی اس شعر کو نقل کیا ہے (مزید دیکھئے حق الیقین ج ۲ ص ۲۲۷ تا ۲۳۰) اسی مرتبہ کو حضرت نانوتویؒ خاتمیت رتبی سے تعبیر کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں: اور یہ وہ خاتمیت مرتبی ہے جس کی طرف صاحب قصیدہ بردہ اس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں: فَاِنَّہٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ کَوَاکِبُهَا — یُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ (تنویر النبراس ص ۱۰۰) اسی وجہ سے وہ آنحضرت ﷺ کو نبی الانبیاء کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں: غرض آپ جیسے نبی الامت ہیں ایسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں (تحذیر الناس ص ۴۴ طبع گوجرانوالہ) (باقی آگے)

۵) فرشتوں نے کہا: ''اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ''سوال یہ ہے کہ فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ انسان فتنہ فساد کریں گے حالانکہ فرشتے غیب کا علم نہیں رکھتے عالم الغیب تو اللہ ہی کی ذات ہے۔

اس کے متعدد جواب ہیں[۱] اللہ نے فرشتوں کو بتا دیا تھا کہ خلیفہ کی ذریت میں فساد ہوگا(۱)[۲] حضرت ابن عباسؓ سے ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مفتی احمد یار خان نے بھی اپنی کتاب ''شان حبیب الرحمٰن'' ص ۳۲، ۳۳ میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کو اصل کہہ کر خاتمیت زمانی کی علت بتایا، اور یہی کچھ حضرت نانوتویؒ کہتے ہیں مگر اس کے باوجود تم لوگ حضرت نانوتویؒ منکر ختم نبوت کہہ کر مرزائیوں کو خوش کرتے ہو۔

بہر حال حضرت نانوتویؒ نے مرزائیت کو کچھ نہ دیا انہوں نے تو سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۰: '' مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا '' سے آنحضرت ﷺ کیلئے تین قسم کی خاتمیت ثابت کی خاتمیت رتبی خاتمیت زمانی خاتمیت مکانی پھر عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول پر بھی زور دیا، آپؒ سے تو مرزائیت کا رد ہی ملتا ہے مگر تم لوگوں نے ختم نبوت کے ایسے عظیم مجاہد کو منکر ختم نبوت بنا کر پیش کر کے مرزائیوں کے ہاتھ میں ایک ہتھیار دے دیا جس کی وجہ سے کچھ لوگ مرزائی ہو گئے کچھ مرزائیوں کے خلاف کام کرنے والوں کو پریشان کر کے ختم نبوت کے کام میں رکاوٹ بنے۔ کتنی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ دیو بندی کسی مرزائی کو سمجھاتا ہے تو بریلوی مرزا قادیانی کی طرفداری کرنے آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قاسم نانوتویؒ ختم نبوت کا منکر تھا پہلے اس کا جواب دو۔

یاد رکھیں، حضرت نانوتویؒ نے کہیں بھی ختم نبوت کا انکار نہیں کیا۔ لوگ خود ہی کفریہ عبارات بنا کر ان کے ذمہ لگاتے ہیں اور مصداق بنتے ہیں اس آیت کا: وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا[النساء: ۱۱۲] کا۔ کہ دوہرا گناہ ذمہ لیتے ہو کفر کرنے کا بھی اور بہتان باندھنے کا بھی۔

بریلویوں سے درخواست ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے بارے میں موقف درست کر لیں اگر حضرت نانوتویؒ خدانخواستہ عقیدۂ ختم نبوت کے منکر تھے تو ہم ان سے بری ہیں اور اگر وہ ختم نبوت زمانی کے منکر نہیں اور یقیناً نہیں تو کفر بہتان اور تائید مرزائیت کے گناہ تم پر۔ بریلویو! کیا تم ان گناہوں کے عذابوں کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو؟ فَمَآ اَصْبَرَكُمْ عَلَى النَّارِ۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا، اَللّٰهُمَّ اَعِذْنَا۔

☆ اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان صاحب ایک اچھی بحث کی ہے کہتے ہیں:

شیعہ کہتے ہیں خلیفہ کا انتخاب رب تعالیٰ کی طرف سے ہونا ضروری ہے نہ لوگوں کی رائے سے[تحقیقی جواب] خلافت، نبوت کے ساتھ ہو تو محض خدا کے انتخاب سے ہوگی۔ ہارون علیہ السلام کو نبوت دعا سے ملی مگر ملی تو اللہ ہی کی طرف سے تھی خلافت بغیر نبوت کے اس کا قاعدہ اللہ کی طرف ہوتا ہے اس قاعدے کے مطابق مقرر کرنا مسلمانوں نے ہوتا ہے[الزامی جواب] اگر خلافت کیلئے انتخاب الٰہی ضروری ہو تو نبوت وخلافت میں فرق نہ رہے گا...... نیز بارہ اماموں کی خلافت کیلئے شیعہ کونسی آیت یا نص پیش کریں گے۔ ستر گز والے چھپے ہوئے قرآن میں ہو تو ہو۔ اس قرآن میں تو نہیں لہٰذا اگر ہماری تین خلافتیں ختم ہیں تو تمہاری تو بارہ ہی ختم۔ ہمارے قاعدے کے مطابق چاروں ثابت ہیں تمہارے قاعدے کے مطابق تین باطل ہیں تو ثابت ایک بھی نہیں ہوتی۔ نیز جس طرح نبی اپنی نبوت کو نہیں چھپا سکتا اور جھوٹے نبی کو نبی نہیں مان سکتا ورنہ خود کافر ہو جائے گا، اسی طرح مولیٰ علی پر لازم تھا کہ صدیق اور فاروق کے زمانے میں اپنی خلافت کا اعلان کرتے اور ان کو خلیفہ نہ مانتے۔ کیا شیعہ حضرات صدیق وفاروق کی خلافت کا انکار کر کے اہل بیت اطہار کا ایمان بھی ثابت کر سکیں گے (خدا کی پناہ) (از تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۵۶ ملخصاً)

۱) حافظ ابن کثیرؒ تفسیر ج ا ص ۷۱ میں لکھتے ہیں:

**قال السدي في تفسيره عن أبي مالك وعن أبي صالح، عن ابن عباس وعن مرة، عن ابن مسعود، وعن ناس من الصحابة أن الله تعالى قال للملائكة: (إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً قالوا) : ربنا وما يكون ذلك الخليفة؟ قال: يكون له ذرية يفسدون في الأرض ويتحاسدون ويقتل بعضهم بعضا. قال ابن جرير: فكان تأويل الآية على هذا: (إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً)مني، يخلفني في الحكم بالعدل بين خلقي، وإن ذلك الخليفة هو آدم ومن قام مقامه في طاعة الله والحكم بالعدل بين خلقه. وأما الإفساد وسفك الدماء بغير حقها فمن غير خلفائه.**

☆☆☆☆☆

سال پہلے اس زمین پر جنات آباد تھے ان کے اندر قتل وغارت رہتی تھی فرشتوں نے ہونے والے انسانوں کوان پر قیاس کرلیا (ابن کثیر ج اص ۱۷) [۳] لفظ "خلیفہ" سے فرشتوں نے سمجھا کہ حاکم اور خلیفہ کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں جھگڑا ہو فتنہ فساد ہو، جہاں جھگڑا فساد نہ ہو وہاں خلیفہ کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ جنت میں ایک بھی تھانیدار نہ ہوگا (از ذخیرۃ الجنان ج اص ۱۲۰، انوار البیان ج اص ۵۰، ۵۱) اس توجیہ کے مطابق اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً سے فساد اور سفکِ دماء کا علم دلالت التزامی سے حاصل ہوا۔

۲) فرشتوں نے جو کہا: نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ (۱) اس کا ایک معنی یہ ہے کہ ہم سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں (۲) حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس کا معنی کرتے ہیں

---

۱) نام نہاد جماعت المسلمین کا امیر مسعود احمد اس آیت کے تحت لکھتا ہے: ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں (فساد وخونریزی سے بالکل مبرا ہیں) حاشیہ میں لکھتا ہے: فرشتوں کی خواہش کہ وہ خلیفہ بنائے جائیں دلالۃ النص سے ثابت ہوتی ہے (تفسیر قرآن عزیز ج اص ۱۹۷) نیز لکھتا ہے: فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تحمید اور تقدیس بیان کرنے کا طریقہ بھی بتادیا تھا وہ تحمید اور وہ تحمید اور تقدیس میں اپنا وقت گزارا کرتے تھے اور اسی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو خلافتِ ارضی کا اہل سمجھتے تھے اگرچہ انہوں نے صراحتاً اس کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کے دل میں یہ خیال موجود تھا جو دلالۃ النص سے ثابت ہے (تفسیر قرآن عزیز از مسعود احمد ج اص ۲۰۲)

**اقول:** اس کو کیا ضرورت پیش آگئی کہ اصول فقہ کی اصطلاحات استعمال کرنے لگا پھر جس بات کا ذکر کیا وہ سمجھ آتی ہے تو اشارۃ النص سے نہ دلالۃ النص سے۔

ہم نے نام نہاد اس لئے کہا کہ جماعۃ المسلمین کا لفظ تو مسلمان شروع سے استعمال کرتے آئے ہیں چنانچہ امام طحاویؒ لکھتے ہیں: **ولا نخالف جماعة المسلمين** (عقیدہ طحاویہ ص ۱۶ طبع السعودیہ، ہدایہ ج ۲ ص ۵۱۹ کتاب الحدود، ۵۸۵ کتاب السیر طبع مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان) ہاں مسلمانوں کی کسی جماعت نے بطور علم اپنا یہ نام نہ رکھا بلکہ وہ سب مسلمانوں کو مجموعی طور پر جماعۃ المسلمین کہتے رہے۔ مگر مسعود احمد نے اپنے عقیدت مندوں کو جماعت المسلمین نام دے کر سب مسلمانوں کو غیر مسلم سمجھ لیا۔

۲) ﴿مرزا بشیر الدین محمود کی تحریفات کا جائزہ﴾

مرزا غلام احمد قادیانی کے دوسرے جانشین مرزا بشیر الدین محمود نے اس آیت کے تحت بہت تحریفات کی ہیں ذیل میں اس کی کچھ تحریفات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

☆ مرزا محمود لکھتا ہے:

الہام الٰہی کا نزول کوئی نئی شے نہیں بلکہ جب سے انسان پیدا ہوا ہے خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا چلا آیا ہے چنانچہ سب سے پہلا انسان آدم تھا اور اس کی پیدائش کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ کا الہام نازل ہوا۔ (مرزائی تفسیر کبیر ج اص ۲۷۶)

**اقول:** [۱] مگر یہ بھی تو کہہ کہ نبوت کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم ہوگیا ہے اب کسی کو منصب نبوت نہ ملے گا اور الہام بھی وہی قبول ہوگا جو آپ ﷺ کی وحی کے خلاف نہ ہو۔ مگر تو یہ بات کہے تو مرزائیت ختم ہوتی ہے، اور اس کتاب کے لکھنے سے تیرا مقصد صرف اور صرف قادیانیت کی حمایت ہے تو ایسی بات لکھے تو کیونکر لکھے؟ [۲] یہاں اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا انسان کہا مگر آگے اس کا انکار بھی کرے گا۔

☆ مرزا محمود تفسیر کبیر ج اص ۲۷۶ میں لکھتا ہے:

نبی کی بعثت سے پہلے اس کی ضرورت لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا کرتی کیونکہ نبی کا وجود خدا تعالیٰ کے غیبوں میں سے ایک غیب ہوتا ہے اس کی ضرورت کلی طور پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ اپنا کام پورا کرلیتا ہے تب ان تغیرات کی وجہ سے جو اس کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہیں لوگوں کو ماننا پڑتا ہے کہ اگر وہ ظاہر نہ ہوتا تو دنیا ایک عظیم الشان اور مفید انقلاب سے محروم رہ جاتی...... **اتی امر الله فلا تستعجلوه**...... [النحل: ۱۔ راقم] یعنی خدا تعالیٰ کے مقررہ تغیرات کا زمانہ نزدیک آپہنچا ہے پس اسے جلد دیکھنے کی خواہش نہ کرو کہ وہ اپنے وقت میں ظاہر ہوگا اور دنیا کو معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہے اور لوگوں کے شرک سے بہت بلند ہے الخ

**اقول:** [۱] اسلام تو کہتا ہے کہ انبیاءؑ کی دعوت پر فوری ایمان ضروری ہے جو دعوت پہنچنے کے بعد بغیر ایمان لائے فوت ہوجائے دوزخ جائے گا، بتا کہ تیرے نزدیک ایمان لانے میں جلدی کی جائے یا انبیاء کے کاموں کی تکمیل کا انتظار کیا جائے؟ تکمیل کا انتظار مطلوب ہے تو تکمیل سے پہلے ایمان لانے والے بے وقوف ٹھہرتے ہیں۔ (باقی آگے)

بحمد اللہ ہم تیری برابر تسبیح کرتے ہیں (بیان القرآن تھانوی ج ۱ص ۱۸) تقدیس کی متعدد تفسیریں ہیں مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں، ہم تیری بڑائی بیان کرتے ہیں، ہم تیری

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اگر کہے کہ جلد ایمان لانا مطلوب ہے تو تیرے کہنے کے مطابق درست نہیں کیونکہ ایمان کی ضرورت ہی سمجھ نہیں آئی ضرورت تو تکمیل سے سمجھ آتی ہے۔ کیا اس میں دور لازم نہیں آتا کہ تکمیل کیلئے ایمان ضروری اور ایمان کیلئے تکمیل کا انتظار ضروری [۲] اس کا مقصد مرزا قادیانی کی حمایت ہے، کہنا یہ چاہتا ہے کہ جن لوگوں نے قادیانی کی مخالفت کی تھی اچھا نہیں کیا تھا۔ دیکھو اس کی سالہا سال کی محنت سے کتنا اچھا انقلاب آیا مگر وہ انقلاب ہے کیا؟ یہی کہ بہت سے لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے گستاخ ہو کر مرتد ہو گئے معاذ اللہ [۳] اسلام کی طرف راغب کرنے کا طریقہ وہ نہیں جو مرزے نے اپنایا کہ دعوؤں کے بعد سچے نبیوں کی اتنی توہین کی کہ لوگ کہیں ان سے تو مرزا قادیانی اچھا ہے یہ اسلام کی طرف نہیں دعوت نہیں اسلام سے دور کرنے کی سازش ہے۔ اسلام کی طرف راغب کرنے کا صحیح طریقہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا ہے وہ کائنات کا فانی ہونا ثابت کرتے ہیں پھر کائنات کے فانی ہونے سے خالق کے وجود پر استدلال کرتے ہیں پھر خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں اس کے بعد نبوت کی ضرورت سمجھاتے ہیں پھر اوصاف نبوت ذکر کر کے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو منواتے ہیں آخر میں اپنے مخصوص انداز سے ختم نبوت زمانی کو مبرہن کر کے اس کا اعلان کر دیتے ہیں کہ اب آنحضرت ﷺ کی اتباع کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں (دیکھئے مباحثہ شاہجہانپور، حجۃ الاسلام) اور جب ضرورت ہوتی ہے تو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے نزول کا بھی کھل کر ذکر کرتے ہیں (دیکھئے حاشیہ صحیح بخاری ج ۲ص ۱۰۴۰ حاشیہ نمبر ۱۰، تحذیر الناس ص ۴، آب حیات ص ۱۸۴، ۱۸۵)

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

غرض آدم کے واقعہ کے ذکر، فرشتوں کے مکالمہ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بد اور ادنیٰ لوگ تو الگ رہے نیک اور ملائکہ صفت لوگ بھی نبی کے نزول کے وقت اس انقلاب عظیم کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے جو اس کے ذریعہ سے ہونے والا ہے پس شرافت یہ ہے کہ انسان اگر مان نہیں سکتا تو کم از کم قبل از وقت مخالفت تو نہ کرے اور اس دن کا انتظار کرے جب وہ اپنا کام کر چکے اگر وہ سچا ہے تو خود ہی اس کے کام سے اس کی سچائی ظاہر ہو جائے گی اور اگر جھوٹا ہے تو اس کا کام اس کے جھوٹے ہونے کا شاہد ہوگا...... **ان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم الخ** [سورۃ المؤمن: ۲۸۔ راقم] (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۲۷۷)

**اقول** [۱] فرشتوں نے کسی نبی کی مخالفت نہ کی تھی انہوں نے اپنی خدمات کو پیش کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا جب انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہی نہ ہوئے تھے تو ان کے منصب نبوت کی مخالفت کا کیا مطلب؟ [۲] مرزا محمود نے منصب نبوت کی اہمیت ہی گرا دی انبیاء کرام علیہم السلام کو سیاست دانوں جیسا بتایا۔ ارے اگر جلد ہی انسان کی موت آگئی تو کیا بنے گا؟ ہاں مرزا محمود قادیانیت کے تحفظ کیلئے کام کر گیا، اور یہی اس کا مقصد ہے کہتا ہے ہمیں کچھ نہ کہو آگے آگے دیکھتے جاؤ ہوتا ہے کیا؟ [۳] اس نے آل فرعون کے رجل مومن کے واقعہ کو سمجھنے میں بھی غلطی کی اس رجل مومن نے یہ تو نہ کہا تھا کہ تسلی سے ایمان لاؤ رجل مومن نے مذکورہ بالا بات اس وقت کہی تھی جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کو شہید کروانا چاہتا تھا، ان کا مطلب یہ تھا کہ ان کو شہید کرنے کا نہ سوچو کیونکہ اگر یہ جھوٹا ہے تو خدائی عذاب سے ہلاک ہوگا تمہیں مارنے کی ضرورت نہیں اور اگر سچا ہے تو اس کا مارنا تمہارے فائدے میں نہیں تم پہ عذاب آئے گا۔ اگر ایمان لانے میں جلدی مطلوب نہ ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام نہ معجزات دکھاتے، نہ جادوگروں سے مقابلہ کرتے۔

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے:

انبیاء کی زندگی میں اس کی ناقابل انکار مثالیں پائی جاتی ہیں طوفان کے وقت حضرت نوحؑ کا محفوظ رہنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دشمنوں کا آگ میں ڈالنے کی کوشش کرنا لیکن باوجود کوشش کے آگ کا نہ جلنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمندر میں سے گذرنے کے وقت ان کی قوم کا بچ جانا، لیکن فرعون کی فوج کے سمندر میں داخل ہوتے ہی طوفان کا آجانا اور پانی زمین پر چڑھ جانا اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر لٹکائے جانے کے وقت آندھی کا آجانا اور یہود کے عقیدہ کے مطابق کہ سبت کے دن کوئی شخص صلیب پر نہ لٹکا رہے ان کا چند گھنٹوں میں صلیب پر سے اتارا جانا اور صلیبی موت سے محفوظ رہنا۔ رامچندر جی کا باوجود اکیلے ہونے اور دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے ہونے کے راون پر فتح پانا، کرشن جی کا زبردست دشمنوں کے مقابلہ پر جبکہ ان کے ساتھی جی چھوڑ رہے تھے فتح پانا، زردشت کا زبردست مخالفتوں کے باوجود (باقی آگے)

نافرمانی نہیں کرتے (ابن کثیرج اص ۲۱۷) فرشتوں کا مدعا یہ تھا کہ اے پروردگار! کسی اور مخلوق کو جو خلیفہ بنانا ہے تو ہمیں بنا دیجئے ہم ہر وقت تیری تسبیح وتقدیس میں لگے رہتے ہیں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کامیاب ہونا اور ان سب سے آخر لیکن شان کے لحاظ سے سب سے شاندار طور پر رسول کریم ﷺ کا تن تنہا سارے عرب کا مقابلہ کرنا اور غیر معمولی سامانوں سے فتح پانا یہ سب ایسے واقعات ہیں کہ کوئی اندھا ہی ان کے غیر معمولی ہونے کا انکار کرسکتا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج اص ۲۷۷)

**اقول** اس عبارت میں مرزا محمود نے چپکے سے کئی کفریات ڈال دیئے تا کہ پڑھنے والا کسی نہ کسی کفر کو قبول کر کے ایمان سے محروم ہو جائے مثلاً ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے تو گئے مگر جلے نہیں مرزا محمود کی عبارت میں اس کا انکار ہے وہ کہتا ہے آگ جلی ہی نہیں ارے اگر آگ جلی ہی نہیں تو اس کا کیا مطلب؟ **قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ** (الانبیاء:۶۹) پھر اس عبارت میں موسیٰ علیہ السلام کیلئے سمندر میں پانی کی لہروں کے ٹھہر جانے اور پانی میں راستوں کے بن جانے کا انکار ہے پھر اس عبارت میں عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب مان کر معجزے کے نام سے قرآن کا انکار کیا گیا ہے، علاوہ ازیں اس عبارت میں ہندوؤں اور پارسیوں کے پیشواؤں کو قطعی طور پر نبی کہا گیا ہے جبکہ ان کے بالیقین نبی ہونے کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ اگر مرزا محمود احتمال کے درجہ میں یہ بات کہتا جیسا کہ حضرت نانوتویؒ نے کہی تو اعتراض نہ تھا حضرتؒ فرماتے ہیں: کیا عجب ہے کہ ہندو صاحب جن کو اوتار کہتے ہیں اپنے زمانے کے نبی یا ولی نائب نبی ہوں (دیکھئے مباحثہ شاہجہانپور ص ۴۱، ۴۲، حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت ص ۱۹۲)

☆ مرزا محمود تفسیر کبیر ج اص ۲۷۸ میں کہتا ہے:

آیت کریمہ **انی جاعل فِی الارض خلیفۃ** بتاتی ہے کہ آدم علیہ السلام کو پیدا بھی اسی زمین میں کیا گیا اور ان کو رکھا بھی اسی زمین میں گیا، اسی طرح **لا لغو فیھا ولا تأثیم** [الطور:۲۳۔راقم] **لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین** [الطور:۲۳۔راقم]، **ولکم فیھا ما تدعون** [حم السجدۃ:۳۱۔راقم] **نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء** [الزمر:۷۴۔راقم] بھی اس کی تائید کرتی ہیں کیونکہ جنت میں کوئی ممانعت نہ ہوگی جبکہ ان سے کہا گیا تھا **ولا تقربا ھذہ الشجرۃ** [الزمر:۷۴۔راقم]۔

**اقول** [۱] جنت میں ہمیشہ کیلئے داخلہ تو یوم جزاء یعنی قیامت کے دن ہوگا حضرت آدم علیہ السلام کو بعض حکمتوں کی بنا پر کچھ عرصے کیلئے وہاں رکھا گیا۔ اس لئے جنت سے ان کا نکالا جانا ہرگز اس کی دلیل نہیں کہ وہ جنت دنیا کا کوئی باغ تھا [۲] آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہراتے وقت فرمایا: **اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی ☆ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَأُ فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی** [طٰہٰ:۱۱۸، ۱۱۹] یہ باتیں دنیا کے کسی باغ میں تو نہیں پھر جنت سے نکالتے وقت فرمایا **ولکم فی الارض مستقر** [البقرۃ:۳۶] اگر وہ پہلے سے جنت میں ہوتے تو نکالتے وقت ان الفاظ کا کیا معنی؟ [۳] شفاعت کی احادیث میں ہے: **فیأتون آدم فیقولون یا أبانا استفتح لنا الجنۃ فیقول وھل أخرجکم من الجنۃ إلا خطیئۃ أبیکم آدم لست بصاحب ذلک الخ** (مسلم تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی ج اص ۱۸۷ رقم ۳۲۹) دیکھئے اس صحیح حدیث میں اسی جنت سے آدم علیہ السلام کے نکالے جانے کا ذکر ہے جس میں قیامت کے دن ایمان والے جائیں گے۔

☆ مرزا محمود تفسیر کبیر ج اص ۲۷۹، ۲۸۰ میں کہتا ہے:

**ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ** [حم السجدہ:۱۱۔راقم] ......اس آیت میں خدا تعالیٰ کا قول بھی تسخیر کے معنوں میں ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے ان کو ایسا بنایا کہ ان کے بعض حصے اپنی مرضی سے فرمانبردار ہیں اور بعض جیسے انسانوں کا ایک حصہ کہ جبر سے فرمانبرداری کرتے ہیں اور آسمان وزمین کا جواب جو بیان کیا ہے وہ بھی اس کی حالت کا بیان ہے نہ کہ واقعہ میں وہ زبان سے بولے اور اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اپنی حالت سے یہ بتایا کہ وہ خوشی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے یعنی وہ کلی طور پر خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے فرمانبردار ہیں......اس آیت میں اور بعد کی آیات میں [یعنی آیت ۳۰ تا آیت ۳۹ میں۔راقم] جو سوال وجواب کا ذکر ہوا ہے ضروری نہیں کہ اسی طرح سوال وجواب ہوا ہو بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہر اک چیز نے اپنی اپنی حالت کے مطابق خدا تعالیٰ کے حکم کا جو جواب دیا وہ الفاظ میں اس طرح ادا ہوسکتا ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں فرشتوں نے اپنے عمل سے جواب دیا، ابلیس نے اپنی حالت کو پیش کیا......خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں پھر نہ معلوم معترضین نے مشورہ کا مفہوم کہاں سے نکال لیا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سوال کرنے کی اجازت دی ہے......مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرہ میں آدم کی تائید میں لگ جائیں......انہوں نے سمجھنے کیلئے یہ سوال کیا۔ (باقی آگے)

۷) فرشتوں نے سوچا تھا کہ ہماری موجودگی میں فسادوالی مخلوق کی کیا ضرورت ہے؟ ہم ہر طرح فرمان برداری کو تیار ہیں اللہ نے فرمایا: **انی اعلم ما لا**

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول:** [۱] یہ بات تو درست ہے کہ خدا تعالیٰ نے مشورہ نہیں کیا مگر فرشتوں سے مکالمہ تو ہوا۔[۲] فرشتے تو بولنے والی مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ تو جس چیز کو چاہے گویائی عطا فرمادے زمین وآسمان سے اللہ نے کلام کیا تو کیا بعید ہے قیامت کے دن بھی تو یہ زمین باتیں کرے گی **یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا** (الزلزال:۴)[۲] یہ قرآن کے محکمات ہیں کہ اللہ کی فرشتوں سے یہ باتیں ہوئیں، شیطان کو بھی اللہ کی طرف سے سجدے کا حکم تھا، اس نے انکار کیا تو اللہ کی اس پر لعنت ہوئی اس نے اللہ تعالیٰ سے لمبی مہلت طلب کی اللہ نے اس کو مہلت بھی دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ خوش نہ ہو، تیرا اور تیرے پیروکاروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے مگر مرزا محمود کے ہاں یہ سب کہی ہوئی باتیں احوال پر محمول ہیں۔ مرزائیو! قبر میں جو سوال جواب ہوں گے، قیامت میں جو حساب ہوگا، ہر بندے کو اللہ کے ہاں پیش ہونا ہوگا، شفاعت کیلئے انبیاء کے پاس جائیں گے بالآخر آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے مرزائیو! بتاؤ یہ بھی کچھ حقیقت ہے یا زبان حال پر ہی محمول ہیں[۳] اگر سچ مچ ان چیزوں کی اللہ تعالیٰ کی ان سے ہمکلامی ہوئی ہو تو اس کا بیان کرنے کیلئے کونسے الفاظ ہو سکتے ہیں جب ہمکلامی کو بتانے کیلئے الفاظ یہی ہوں گے اور ان سب چیزوں سے اللہ کی ہمکلامی ممکن بھی ہے اور امت مسلمہ اس کو ظاہر پر محمول بھی کرتی رہی ہے تو اس کو چھوڑنے کی کیا وجہ؟[۴] مرزا غلام احمد قادیانی فرشتوں سے ہمکلامی کا دعویٰ رکھتا تھا مثلاً کہتا ہے کہ ایک فرشتے نے اسے اپنا نام ٹیچی بتایا (دیکھئے تذکرہ ص ۴۴۵) مرزائیو! کیا یہ حقیقت ہے یا مرزا کے نام نہاد الہام کشف اور وحی سب زبان حال ہی پر محمول ہیں؟ جواب مرزے کے کلام سے دیا جائے۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے اس وقت کے ظاہری تقویٰ شعار لوگوں کے دِلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے پھر جو تقوی کے اصلی مقام پر ہوتے ہیں وہ تو اپنی غلطی کو سمجھ جاتے ہیں اور وقت کے امام کو مان لیتے ہیں لیکن جن کا تقوی کامل نہیں ہوتا وہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور آخر ملائکہ کی صف سے نکل کر ابلیسوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۸۱)

**اقول:** [۱] اس کا مقصد یہاں بھی قادیانیت کا دفاع ہے یہاں اس کی تنقید اہل اسلام کے ساتھ ساتھ بظاہر لاہوری مرزائیوں پر بھی ہے مگر حقیقت میں ان پر نہیں کیونکہ لاہوری مرزائی مرزا قادیانی کو مسیح کہہ کر نبی مانتے ہیں[۲] ارے جب اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کو نبی نہیں بنایا، تو تو زبردستی اس کو یہ منصب کیسے دلا دے گا؟ اللہ نے اس کو نہ مجدد بنایا نہ مسیح محض دعووں سے تو کوئی ان مناصب کو نہیں پا سکتا۔ ہم صدق دل سے کہتے ہیں کہ مرزے کو نبی بنانے کا خیال دل سے نکال دو، موت کے بعد نجات چاہتے ہو تو مرزا قادیانی کو کافر کہو اور اس پر لعنت بھیج کر کے سچے مسلمان بنو۔

☆ مرزا محمود ہی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۸۲ میں کہتا ہے:

بشر جو آدم کی بعثت سے پہلے عام حیوانوں کی سی ایک حیثیت رکھتا تھا آدم کے ذریعہ سے شریعت سن کر اور اس پر عمل کر کے اب ملائکہ کے درجہ کو پہنچنے والا تھا الخ

**اقول:** کہنا یہ چاہتا ہے کہ آدم علیہ السلام سب انسانوں کے باپ نہیں اور یہ نظریہ قرآن حدیث اور امت مسلمہ کے اجماع سے تو باطل ہے ہی مرزا قادیانی کے مرید خاص محمد علی لاہوری کے نظریے کے بھی خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے آدم ابوالبشر کیلئے اسم معرفہ ہے (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۲۷ حاشیہ ۴۹) بلکہ خود مرزا محمود چند صفحات پہلے سب سے پہلا انسان حضرت آدم علیہ السلام کو قرار دے چکا ہے (دیکھئے تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۷۶)

☆ مرزا محمود تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۸۲، ۲۸۳ میں کہتا ہے:

پولوس کے خط رومیوں میں لکھا ہے: ’’کیونکہ شریعت کے ظاہر ہونے تک گناہ دنیا میں تھا پر جہاں شریعت نہیں گناہ گنا نہیں جاتا (باب ۵ آیت ۱۴) اسی طرح لکھا ہے: شریعت قہر کا سبب ہے اس لئے کہ جہاں شریعت نہیں وہاں نافرمانی بھی نہیں (رومیوں باب ۴ آیت ۱۵) یہی وہ خیال ہے جسے فرشتوں نے پیش کیا تھا۔

**اقول:** ارے کہاں فرشتے کہاں پولوس؟ فرشتے خدا کی معصوم مخلوق، پولوس اس زمانے کے سچے دین عیسوی کو بگاڑنے والا یہودی منافق اور اس بات کو مرزا قادیانی بھی مانتا ہے (دیکھئے روحانی خزائن ج ۲۰ ص ۳۷۷) فرشتوں کو پولس کے ساتھ ملا دینا نہایت بری بات ہے؟ فرشتوں نے کب کہا تھا کہ شریعت کے احکام لعنت ہیں شریعت کے احکام تو سراپا رحمت ہیں۔ اگر فرشتے شریعت کو لعنت سمجھتے تو آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرتے۔ سجدہ کا حکم فرشتوں کیلئے شریعت ہی تو تھا۔

(باقی آگے)

تعلمون میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے میں ایسی مخلوق بنانا چاہتا ہوں جس میں خواہشات ہوں ان کو دبا کر فرمانبرداری کریں (ذخیرۃ الجنان ج ا ص ۱۱۸) فرشتوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ کیا شریعت کے نزول کے بعد بشر کی حالت بدل جائے گی پہلے وہ جن افعال کو کرنے کے سبب سے مجرم قرار نہیں دیا جاتا تھا اب انہی افعال کے کرنے کی وجہ سے مجرم قرار دیا جائے گا (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۲۸۳)

اقول ارے شریعت کے نزول سے قبل بشر تھے کہاں؟ تفسیر کبیر ج ا ص ۲۷۶ میں تو نے خود لکھا ہے کہ پہلے انسان آدم علیہ السلام تھے، اور انسان اور بشر ایک ہے تو آدم علیہ السلام پہلے بشر ہوئے، اور جب سے پیدا ہوئے احکام آئے جنت میں حکم تھا ایک درخت کے پاس نہ جانے کا، دنیا میں تشریف لائے تو اور احکام بھی آئے۔ اور ہماری شریعت تو ایسی کامل ہے کہ انسان کا کوئی کام بغیر شریعت کے رہتا ہی نہیں۔ دِل کے خیالات تک کے احکام اس میں موجود ہیں۔ ہر ہر کام سے جنت میں درجات بڑھ سکتے ہیں۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

گو خلافت کے قیام سے انسانوں کا ایک حصہ مورد سزا بننے والا تھا..... مگر ایک دوسرا حصہ خدا تعالیٰ کا محبوب بننے والا تھا..... حق تو یہ ہے کہ اس اعلیٰ حصہ کا ایک ایک فرد اس قابل تھا کہ اس کی خاطر اس سارے نظام کو تیار کیا جاتا، اسی حکمت کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بعض اپنے کامل بندوں سے فرمایا ہے **لولاک لما خلقت الدنیا** (ابن عساکر) اگر تو نہ ہوتا تو ہم دنیا جہان کے نظام کو ہی پیدا نہ کرتے یہ حدیث قدسی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نسبت وارد ہوئی ہے بعض اور کامل وجودوں کو بھی اس قسم کے الہام ہوئے ہیں (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۲۸۴)

اقول ہمیں اس معنی کی روایت "**لولاک لما خلقت الافلاک**" ملی ہے جو سند کے اعتبار سے درست نہیں ہاں معنی کے اعتبار سے درست ہے مگر ہے خاص ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جبکہ مرزا محمود اس شرف کو نبی ﷺ کے ساتھ خاص نہیں مانتا، خط کشیدہ عبارت میں مرزا قادیانی کو نبی ﷺ کے برابر بتا کر نبی ﷺ کی گستاخی کی مرتکب ہو رہا ہے کیونکہ "بعض اور کامل وجودوں" سے اس کی مراد "مرزا قادیانی ہے" اس لئے کہ تذکرہ ص ۵۲۵، ص ۵۵۶ میں مرزا قادیانی اپنے لئے ایسے الہام کا مدعی ہے تذکرہ ص ۵۲۵ میں اس کا ترجمہ یوں ہے "اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا" اور تذکرہ ص ۵۵۶ میں ترجمہ یوں ہے: اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

خلیفہ کا وجود خدا کی ظل ہوتا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۲۸۴)

اقول کوئی بعید نہیں کہ اس عبارت میں یہ خود کو خدا کا ظل کہہ رہا ہو کیونکہ یہ بھی تو خلافت کا مدعی تھا۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

یہ جو آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بولتا ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس کی بھی زبان ہے تالو ہے حلق ہے ہونٹ ہے اور دانت ہیں جن کی مدد سے وہ آواز نکالتا ہے بلکہ جب بولنے کا لفظ بولا جائے تو اس سے صرف یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ اپنے عندیہ کو دوسری مخلوق پر الفاظ پیدا کر کے یا دِل میں خیال پیدا کر کے ظاہر کر دیتا ہے یہی حال اس کے سننے یا دیکھنے کا ہے ان الفاظ کے استعمال سے یہ مراد نہیں کہ اس کے کان ہیں یا آنکھیں ہیں بلکہ محض یہ مراد ہے کہ وہ مخلوق کی خواہشات اور پکار کو معلوم کرتا اور ان کے حالات کو معلوم کرتا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۲۸۵)

اقول اس عبارت میں مرزا محمود اللہ تعالیٰ سے صفت کلام، صفت سمع اور صفت بصر سب کی نفی کر رہا ہے۔ اسے یوں کہنا چاہئے تھا کہ وہ بغیر کانوں کے سنتا ہے بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے بغیر زبان کے کلام کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ جل شانہ اعضاء سے پاک ہے (عقیدہ طحاویہ ص ۱۰ طبع سعودیہ)

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

آدم علیہ السلام انسانی نظام کی سب سے پہلی کڑی ہیں اور قرآن کریم کے بیان کے مطابق الہام الٰہی کا سلسلہ انسانوں میں ان سے چلا ہے میں سب سے پہلے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آدم علیہ السلام کے ذکر سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ بشر کی پیدائش آدم علیہ السلام کے ذریعہ سے چلی ہے یا یہ کہ خدا تعالیٰ نے یکدم ایک بشر یعنی آدم کو پیدا (باقی آگے)

نے صرف نافرمانوں کا فساد ذکر کیا انہیں کیا معلوم تھا کہ انسانوں میں بڑے متقی پرہیزگار بھی ہوں گے جو خواہشات کو دبائیں گے مگر اللہ کی نافرمانی نہ کریں گے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کردیا اور پھر اس کی پسلی سے اس کی بیوی بنادی اور ان سے آگے انسانی نسل چلی۔ اس خیال کی تصدیق قرآن کریم سے ہرگز نہیں ہوتی بلکہ یہ بیان بائبل اور دوسری کتب کا ہے اور اسے غلطی سے اسلام کی طرف منسوب کردیا گیا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ص ۲۸۷، ۲۸۸)

**اقول:** [۱] خود مرزا محمود نے اس کتاب کے ص۲۷۶ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا انسان لکھا ہے، پہلے انسان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ پیدائش کا سلسلہ ان سے چلا ہے اگر اس نظریہ قرآن کریم سے نہیں ہوتی تھی تو مرزا محمود نے اسے کیوں لیا؟ [۲] احادیث شفاعت میں ہے: **فَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ اَبُوْ كُمْ آدَمُ ، فَيَأْتُوْنَهٗ فَيَقُوْلُوْنَ يَا آدَمُ اَنْتَ اَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُوْحِهٖ وَاَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْا لَكَ وَ اَسْكَنَكَ الْجَنَّةَ اَلَا تَشْفَعُ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ** (بخاری ج۱ص ۴۷۰) ایک روایت میں ہے: **واسجد لک ملائکته** (بخاری ج۲ص ۱۱۴۲) پھر ان احادیث میں یہ بھی ہے کہ سب اولین وآخرین اس وقت ایک میدان میں جمع ہوں گے اور اس کی تائید سورۃ واقعہ آیت ۴۹، ۵۰ سے بھی ہوتی ہے۔ احادیث شفاعت سے ایک تو یہ پتہ چلا کہ سب اولین وآخرین حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا باپ کہیں گے۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس کا رد نہیں کیا۔ اگر ان سے پہلے انسانی سلسلہ ہوتو یہ احادیث غلط ہوجائیں۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس وقت صرف اس آدمؑ کی اولاد وہاں ہوگی کیونکہ نصوص میں اولین وآخرین کے اکٹھے ہونے کی تصریح ہے [۳] اگر اللہ نے آدم علیہ السلام سے پہلے انسانوں کو پیدا کیا ہو، ان پر انعامات کئے ہوں تو ان پر اللہ کی فرمانبرداری کیوں نہ ہوگی؟ اللہ نے انسانوں کو من مرضی کرنے کیلئے تو پیدا نہیں۔ **اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ** (سورۃ المومنون آیت ۱۱۵)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: **إن اللّٰه لما أخذ في خلق آدم قالت الملائكة: ما اللّٰه خالق خلقا أكرم عليه منا ولا أعلم منا، فابتلوا بخلق آدم، وكل خلق مبتلى كما ابتليت السماوات والأرض بالطاعة فقال اللّٰه تعالى: اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ** [فصلت: ۱۱] (ابن کثیر ج۱ص ۷۲) یعنی فرشتوں پر آزمائش آئی زمین وآسمان پر آزمائش آئی، اگر آدم علیہ السلام سے پہلے انسان تھے تو ان پر بھی آزمائش چاہئے تھی۔ آدم علیہ السلام سے پہلے احکام شرعیہ کا نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام سے قبل انسانی سلسلہ ہی نہ تھا۔

**تنبیہ:** بخاری شریف کی روایت میں "**وَاَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْا لَكَ**" کا ترجمہ ہے: "اور فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا" مگر مرزائی یہاں بھی دھاندلی کرتے ہیں چنانچہ محمد علی لاہوری اپنی کتاب فضل الباری ج۱ص ۱۳۹۹ میں اس کا ترجمہ کرتا ہے: "اور ملائکہ کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کی فرمانبرداری کی"۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

زمانہ حال کے فلاسفر سائنسدانوں میں سے ڈارون نے یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ ایک لمبے عرصہ کے تغیر کے بعد زندگی کے ذرہ نے ترقی شروع کی اور مختلف حیوانوں کی شکلوں میں ترقی کرتے ہوئے ایک جانور سے جو موجودہ بندر کے مشابہ تھا انسان بنا اس فلسفہ کے ماتحت انسانی پیدائش ذرۂ حیات کی ترقی کی آخری کڑی ہے اور فوری طور پر کوئی انسان پیدا نہیں ہوا (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ص ۲۹۰)

**اقول:** نظریہ ارتقاء کی عقل ونقل کی رو سے کوئی حقیقت نہیں۔ بیج زمین میں ڈالا جاتا ہے وہ اللہ کے حکم کے تحت پودا بنتا ہے پھر زرد ہوکر ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے مزید ترقی نہیں کرتا، اسی طرح انسان کا چھوٹا بچہ پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بڑا کرتے ہیں جوانی کے بعد ادھیڑ عمر پھر بڑھاپا پھر موت۔ سورۃ الحدید: ۲۰ میں اس کا ذکر ہے نظریہ ارتقاء کا ان حقائق سے کیا تعلق؟ اصل بات وہ ہے جو ہمیں جامعہ ام القری مکہ مکرمہ میں ایک سوڈانی استاد محترم شیخ حسن نے بتائی تھی کہ ہفتے کے دن حیلے سے مچھلیاں پکڑنے والے یہودیوں کو سزا میں بندر بنایا گیا تھا **کونوا قردۃ خاسئین** [البقرۃ: ۶۵] ڈارون یہودی تھا اس نے یہودیوں سے اس بدنامی کو دور کرنے کیلئے یہ نظریہ پیش کیا کہ اگر یہودی بندر بنائے گئے تو کیا ہوا، سب انسان اصل میں بندر تھے۔ مگر اس بات کا جواب کیا ہوگا کہ اس کے نظریہ کی رو سے بھی عام لوگ بندر سے ترقی کرکے انسان بنے ہیں اور یہودی انسان ہونے کے بعد بندر بنے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کا مقصد کسی کو بدنام کرنا نہیں بلکہ ہمیں سمجھانا ہے کہ اللہ کے ہاں بندگی اور فرمانبرداری ہی نجات دیتی ہے وہ سزا دینے پہ آئے تو اس کی سزا بھی بہت سخت ہے۔ ڈارون بجائے اس کے کہ اللہ کی مان کر اس کے آخری نبی ﷺ پر ایمان لاکر اپنی آخرت سنوارتا، ساری انسانیت کو بدنام کرنے پر تل گیا۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے: قرآنی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ارتقاء کا قانون ضرور رائج ہے روحانی دنیا میں بھی اور مادی دنیا میں بھی...... قرآن کریم (باقی آگے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے نزدیک انسانی ارتقاء اپنی ذات میں مستقل اور جداگانہ ہے......**وقد خلقکم اطوارا** ......ایک دور انسانی پیدائش پر وہ آیا جو آسمان وزمین کی پیدائش سے بھی پہلے تھا......جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا جسم پھر مٹی میں مل جاتا ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کی ابتداء مٹی کے اجزاء سے ہی کی گئی تھی ورنہ وہ سڑ کر مٹی نہ بن سکتا پس اس کا مٹی میں مل جانا، اور اس کے اجزاء کا مٹی کے اجزاء میں شامل ہو جانا اس کی اصلیت کی ایک دلیل ہے......وہ ادوار جو سورۂ نوح میں بیان کئے گئے ہیں ان کی مزید تشریح قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے ہوتی ہے...... **ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين** ......اس آیت نے بتادیا کہ طین سے انسان کا بننا ایک اور دور سے متعلق ہے طینی دور بشر کی پیدائش سے پہلے کا دور ہے مگر جب طین سے بشر کی پیدائش ہوگئی تو بشر کی ترقی کا دوسرا دور یہ شروع ہوا کہ نسل انسانی نطفہ سے پیدا ہونی شروع ہوئی اور پیدائش مفردہ کا سلسلہ بند کر دیا گیا (مرزائی تفسیر کبیر ج اص ۲۹۰ تا ۲۹۲)

**اقول** انسان کے جسم کی پیدائش زمین کی مٹی سے ہوئی تو زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے اس پر کوئی دور کیسے آسکتا ہے؟ ہاں آدم وحواء علیہما السلام کے بعد انسانوں کا سلسلہ ماں باپ سے چلا سوائے عیسیٰ علیہ السلام کہ ان کا باپ کوئی نہیں۔ عام انسانوں کی پیدائش کے مختلف مراحل کبھی نطفہ کبھی علقہ کبھی مضغہ، پیدائش کے بعد بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ اور ان مراحل کا ذکر قرآن میں کئی جگہ ہے مثلاً سورۃ الحج آیت ۵، سورۃ المومنون آیت ۱۲، ۱۴، سورۃ غافر آیت ۶۷ مگر اس کا ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے کیا تعلق؟

☆ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ایک شیعہ کا کلام ذکر کریں تا کہ پتہ چلے کہ مرزائیوں کی گمراہی نرالی ہے فرمان علی شیعہ البقرۃ آیت نمبر ۳۰ کے تحت لکھتا ہے:

آسمان وزمین کو پیدا کرنے کے بعد خدا نے حضرت عزرائیل کے ذریعہ سے مختلف امزجہ کی مٹی ایک مٹھی منگوائی اور اس کو پہلے پانی میں گندھوایا پھر اس کو خمیر کیلئے ایک عرصہ تک چھوڑ دیا تو اس میں چسپیدگی پیدا ہوئی اس کے بعد اس کا ایک پتلا بنایا اور اسے سوکھنے کو ایک عرصہ تک چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس میں مثل ٹھیکرے کے کھنکھناہٹ پیدا ہوگئی اس کے بعد اس میں روح داخل کی اور فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا پھر چندے بہشت میں رکھا اس کے بعد دنیا میں لایا اور زمین سے اگنے والی چیزیں اس کی غذا قرار دی جو معدے میں جا کر مل جل کر بہت سے انقلابات کے بعد نطفہ بنی پھر اس نطفہ کو رحم میں عورت کے جا نگریں کیا پھر اس سے (علقہ) منجمد خون بنایا اور اس کے بعد مضغہ (لوتھڑا) بنایا اس کے بعد آدمی بنا، اسی وجہ سے اپنے کلام میں کہیں انسان کی اصل حقیقت کو تراب (سوکھی تراب) اور کہیں (گیلی مٹی) کہیں صلصال (ٹھیکرا) کہیں نطفہ کہیں علقہ کہیں مضغہ ارشاد فرمایا ہے اور وہ سب اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہے ۱۲ (ترجمہ فرمان علی ص ۸ حاشیہ ۲)

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

دوسرے حیوانوں کے نطفے امشاج نہیں یعنی ان کے اندر مختلف طاقتوں کا مجموعہ نہیں......آج کا بندر وہی طاقتیں رکھتا ہے جو ہزاروں سال پہلے کا بندر رکھتا تھا......یعنی نطفۂ امشاج سے پیدا ہونے کے بعد ایک زمانہ وہ آیا کہ انسان بالقوۃ سے بالفعل بھی انسان بن گیا اور سمیع وبصیر ہوگیا (مرزائی تفسیر کبیر ج اص ۲۹۲، ۲۹۳)

**اقول** [ا] امشاج کا مطلب ہے مذکر ومونث کے پانی کا مرکب (تفسیر الجلالین ص ۴۸۱)، اور ایسا تو سب چوپاؤں میں ہوتا ہے کیونکہ سب چوپائے نر مادہ سے پیدا ہوتے ہیں، اگر عاقل ہونے کا تعلق نطفہ امشاج سے ہے پھر تو سب چوپائے عاقل ہوتے اصل بات یہ ہے کہ سمجھنے سوچنے کا تعلق جسم سے نہیں روح سے ہے۔ اور انسانی روح دوسرے جانوروں کی ارواح سے مختلف ہے۔ علاوہ ازیں اگر سمع بصر اور عقل وفہم کا تعلق نطفہ امشاج سے ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام سمع بصر کی نعمت نہ پاتے کیونکہ ان کی پیدائش یقیناً نطفۂ امشاج سے نہیں ہوئی۔ تیرے نزدیک ہوئی ہو تو مسلمان تیرے نظریہ کے پابند نہیں۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

قرآن کریم کے نزدیک بشر کی پیدائش یکدم نہیں ہوئی اور آدم علیہ السلام سے اس کی ابتداء نہیں ہوئی بلکہ آدم علیہ السلام بشر کی اس حالت کے پہلے ظہور تھے جب سے وہ حقیقی طور پر انسان کہلانے کا مستحق ہوا، اور شریعت کا حامل ہونے کے قابل ہوا۔ اور اس وجہ سے گو آدم علیہ السلام روحانی لحاظ سے ابوالبشر ہیں کیونکہ روحانی دنیا کی ابتداء ان سے ہوئی اور وہ پہلے ملہم انسان تھے مگر جسمانی لحاظ سے ضروری نہیں کہ وہ سب موجود انسانوں کے باپ ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ حصہ انسانوں کا ان دوسرے بشروں کی اولاد ہو جو آدم علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے (مرزائی تفسیر کبیر ج اص ۲۹۴)

(باقی آگے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول** جب قیامت کے دن سب انسان پریشان ہوکر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو ان کو جسمانی طور پر سب انسانوں کا باپ سمجھ کر ہی کلام کریں گے وہ بھی خود کو جسمانی لحاظ سے سب انسانوں کا باپ ہی مانیں گے وہ اس کا انکار تو نہ کریں گے بلکہ کہیں گے کہ جنت سے تم کو تمہارے باپ کی خطا نے نکالا تھا (دیکھئے مسلم تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی ج ۱ص ۱۸۷ رقم ۳۲۹) تیرے "ہوسکتا ہے" کہنے سے ان حقائق کو چھوڑا تو نہیں کیا جاسکتا۔

☆ مرزا محمود سورۃ البقرۃ آیت ۳۰ کے تحت ہی کہتا ہے:

اس آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس میں انسانی پیدائش کا کوئی ذکر نہیں......سوال صرف بشر میں سے ایک خلیفہ بنانے کا ہے اور ظاہر ہے کہ خلیفہ بنانے سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ اس سے پہلے کوئی انسان نہ تھا (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۲۹۴) یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ آدم کو اس وقت پیدا کیا گیا تھا بلکہ ان کی بلوغت روحانی کے زمانہ میں انہیں الہام کا مرکز بنانے کا اعلان تھا (ایضاً ج ۱ص ۲۹۵)

**اقول** قرآن کریم صرف اسی آیت کا نام نہیں اور نہ امت مسلمہ صرف اسی آیت کو لیتی ہے دوسری آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس بشر یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا بھی اسی وقت کیا گیا۔ارشاد فرمایا: **إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِن طِينٍ ☆ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ** (سورۃ ص ۷۱،۷۲) اس آیت میں واضح طور پر طین سے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ذکر ہے۔اسی قسم کا مضمون سورۃ الحجر آیت ۲۸،۲۹ میں بھی بیان ہوا ہے۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

دوسری آیت جس میں آدم کا ذکر ہے وہ یہ ہے **ولقد خلقناکم ثم صورناکم ثم قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم** [الاعراف:۱۱]......**ثم صورناکم** کے معنی یہ کئے ہیں کہ تم کو اعلیٰ سے اعلیٰ قویٰ بخشے۔اس کے بعد جو فرمایا کہ پھر ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو۔اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ محض پیدائش انسان کے بعد معاً ہی ملائکہ کو آدم کی فرمانبرداری کا حکم نہ دیا گیا بلکہ انسان کے پیدا ہونے کے بعد جب درجہ بدرجہ ترقی کر کے انسان نے اپنی روحانی قوتوں کو کامل کیا تھا اس وقت آدم کے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۲۹۵)

**اقول** [۱] سورۃ ص آیت ۷۲،۷۳ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ نے سجدے کا حکم دے دیا تھا۔جس سے نفس وجوب ثابت ہوا تھا، اس امر سے وجوب اداء ثابت ہوا تو یہ کہنا بالکل تحریف ہے کہ انسان تو پہلے سے موجود تھے ان ہی میں سے ایک فرد کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ قویٰ بخشے [۲] اگر آدم علیہ السلام سے پہلے بھی انسان موجود تھے تو ان سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہ کرایا گیا جبکہ ان سے سجدہ کرانا زیادہ موزوں تھا؟ جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام کی اقوام کو انبیاء کی اطاعت کا حکم دیا گیا آدم علیہ السلام کے زمانے میں پہلے سے موجود انسانوں کو ایسا حکم دینا کہیں مذکور نہیں، پھر انہوں نے اطاعت کی یا نہ کی نتیجہ کیا ہوا؟ صحابہ کرامؓ کی طرح کامیاب ہوئے یا نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح ہلاک ہوئے، کچھ منقول نہیں۔وجہ اس کی یہی ہے کہ آدم علیہ السلام پہلے بشر ہیں ان سے پہلے کوئی بشر نہ تھا۔

☆ مرزا محمود سورۃ طہٰ کی آیت ۱۱۵ **وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا** ذکر کر کے کہتا ہے کہ اس آیت میں بھی یہ ذکر نہیں کہ آدم کو سب بشروں سے پہلے پیدا کیا گیا تھا بلکہ محض یہ ذکر ہے کہ آدم کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی......[سورۂ آل عمران کی آیت ۵۹ **إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ** کے بارے میں کہتا ہے جس۔راقم] میں یہ بتایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو آدم سے ایک مشابہت ہے مگر ان آیات میں سے کسی میں بھی یہ ذکر نہیں کہ آدم کو اللہ تعالیٰ نے پہلا بشر بنا کر پیدا کیا (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۲۹۶)

**اقول** ایک طرف تو امت مسلمہ کے اجماعی متواتر عقیدہ کی بلکہ متواتر احادیث شفاعت کی تیرے ہاں قدر نہیں دوسرے تیرا جو دعویٰ ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بھی انسان تھے اس کے بارے میں تیرے پاس کوئی نص نہیں۔محض بلا دلیل دعووں پر تلا ہوا ہے۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

سورۂ حجر آیت ۲۸،۲۹، سورۃ ص آیت ۷۲،۷۳ ذکر کر کے کہتا ہے کہ......اس جگہ آدم کا ذکر نہیں محض ایک بشر کی پیدائش کا ذکر ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ (باقی آگے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان آیات کے یہ معنی نہ کئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے بشر کی پیدائش کے وقت فرشتوں کو بتا دیا تھا کہ ایک دن بشر میرے الہام پانے کا مستحق ہوگا پھر آدم کے زمانہ میں اس کے خلیفہ بنانے کا وقت جب قریب آ گیا تو دوبارہ انہیں اپنے ارادے کی خبر دی (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۲۹۶)

**اقول** اگر تو قرآن پاک کو اس طرح سمجھنا ضروری ہے جیسے قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ سمجھتی رہی پھر تو تیرے ذکر کردہ مطلب کی کوئی گنجائش نہیں اور اگر فقط نئی رائے دے کر نصوص سے استہزاء کرنے کا نام تفسیر ہے تو پھر تجھے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس نے قرآن نازل کیا وہ خود ہی تجھ سے پوچھ لے گا۔

☆ مرزا محمود سورۂ سجدہ کی آیات ۷تا۹ ذکر کر کے کہتا ہے:

اس آیت میں پیدائش کی ترتیب یوں بیان کی گئی ہے (۱) انسان کو گیلی مٹی سے پیدا کیا گیا (۲) اس کے بعد اس کی نسل نطفہ سے چلی (۳) اس کے بعد انسانی قویٰ ایک وقت میں جا کر مکمل ہوئے (۴) اس کے بعد اس پر خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوا۔ اس ترتیب سے صاف ظاہر ہے کہ کلام الٰہی نطفہ سے چلنے والی مخلوق پر نازل ہوا نہ کہ ابتدائی انسان پر...... پس آدم جس پر کلام نازل ہوا تھا نطفہ سے پیدا ہونے والے انسانوں میں سے تھا نہ کہ ان انسانوں میں سے جو نطفہ کی پیدائش سے پہلے ابتدائی کڑی کے طور پر مٹی سے ترقی دے کر بنائے گئے تھے الخ (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۲۹۷)

**اقول** سورۃ السجدۃ کی ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ نوع انسانی کی پیدائش کی ابتداء اللہ نے مٹی سے کی اس طرح کہ اس نوع کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر ان کی نسل کو پانی کے قطرے سے اس طرح بنایا کہ اس کی مکمل صورت رحم میں بنائی پھر اس کو دیکھنے سننے اور سمجھنے کی قوتیں دے کر اس دنیا میں بھیجا۔ خط کشیدہ عبارت میں جو تیرا دعویٰ ہے اس کی طرف تو ان آیات میں اشارہ تک نہیں۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

**اسکن انت وزوجک**...... کے یہ معنی بنتے ہیں کہ اس وقت آدم کے اور بھی ہم جنس موجود تھے اور اگر اس کے معنی بیوی کے لئے جائیں تو بھی اس کے یہ معنی ہیں کہ اس وقت عورت اور مرد پیدا ہو چکے تھے کیونکہ اس جگہ کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جس سے معلوم ہو کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آدم کیلئے کوئی بیوی پیدا کی تھی...... **قلنا اهبطوا منها جميعا**...... اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ اس وقت بہت سے اور افراد بھی آدم علیہ السلام کے ساتھ موجود تھے...... اس کے مخاطب ان کے ساتھی تھے (تفسیر کبیر ج ۱ص ۲۹۷)

**اقول** [۱] عبارۃ النص سے تو نہیں مگر اقتضاء النص سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے اور ان کو **اسكن انت وزوجك الجنة** کہنے کے درمیان ان کیلئے زوج یعنی بیوی کو پیدا کیا گیا تھا۔ کیونکہ اگر بیوی پہلے پیدا ہو چکی ہوتی تو فرشتوں سے **انی خالق بشرا من طين** نہ فرمایا جاتا کیونکہ ان کی بیوی بھی تو بشر ہی تھی۔ غرض ارشادِ باری: **انی خالق بشرا من طين** اس کی دلیل ہے کہ اس ارشاد کے وقت ان کی بیوی موجود نہ تھی اور ارشادِ باری: **اسكن انت وزوجك الجنة** اس کی دلیل ہے کہ اس ارشاد کے وقت حضرت حواء پیدا ہو چکی تھیں۔ [۲] جنت میں ان دونوں کے ساتھ کسی اور انسان کا رہنا اس لئے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ حکم "**اسكن انت وزوجك الجنة**" ان دونوں کو ملا تھا، رہا یہ کہ اترتے وقت جمع کا صیغہ ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہاں اور انسان بھی تھے کیونکہ ان دونوں کو تو اکل شجرہ کی بنا پر نکلنے کا حکم ہوا، کسی اور انسان کیلئے نہ ایسا حکم ثابت ہے نہ اس حکم کی نافرمانی۔ جمع کا صیغہ اس لئے کہ شیطان بھی وہاں چلے جاتا تھا تینوں کو نکلنے کا حکم دیا۔

رہا یہ کہ شیطان کو پہلے بھی حکم ہوا تھا تو بیشک اسے حکم ہوا تھا مگر ہو سکتا ہے کہ وہ نافرمانی کر کے وہاں چلا جاتا ہو۔ اب کی بار تشریعی کے ساتھ تکوینی حکم بھی ہوا، اور اسے وہاں جانے سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا گیا جبکہ آدم علیہ السلام کو وقتی طور پر وہاں سے نکالا گیا قیامت کے دن ہمیشہ کیلئے جنت جائیں گے۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

شیطان جس نے آدم کو دھوکہ دیا اس وقت کے بشروں میں سے ایک بشر تھا جو آدم پر ایمان نہ لائے تھے...... شاید اس جگہ کسی کو یہ اعتراض ہو کہ اوپر کی تشریح سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بھی بشر کی نسل سے تھا حالانکہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ: "**قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ**" [الاعراف: ۱۲]...... اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ابلیس اور شیطان میں فرق کیا گیا ہے جہاں کہیں آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کا ذکر ہے وہاں ابلیس کا ذکر (باقی آگے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہے اور جہاں کہیں آدمؑ کا ورغلانے کی کوششوں کا ذکر ہے وہاں شیطان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے......پس ضرور ہے کہ سجدہ سے انکار کرنے والا کوئی اور وجود ہو اور ورغلانے والا کوئی اور وجود ہو......نار سے پیدا کرنے کا ذکر تو ابلیس سے متعلق ہے نہ کہ شیطان سے متعلق......دوسرا جواب اور اصلی جواب یہ ہے کہ نار سے پیدا کرنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ابلیس یا جن اس مادی آگ سے پیدا کئے گئے تھے بلکہ یہ ایک عربی کا محاورہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی طبیعت ناری ہے اور وہ اطاعت کی برداشت نہیں کر سکتا تھا (تفسیر کبیر ج۱ ص۲۹۸ کالم نمبر۱ تا ص۲۹۹ کالم نمبر۲)

**اقول:** [۱] امت مسلمہ کا عقیدہ تو ہے ہی مرزے کا مرید خاص محمد علی لاہوری بھی مانتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرنے والا، پھر ان کو ورغلانے کی کوشش کرنے والا ایک ہی ہے دو نہیں وہ کہتا ہے:

ابلیس ہی کو شیطان بھی کہا گیا ہے جب تک وہ خود انکار کرتا ہے ابلیس ہے جب دوسروں کو ورغلاتا ہے شیطان ہے اور بلحاظ لغت بھی یہی درست ہے کیونکہ ابلیس وہ ہے جو خود رحمت الٰہی سے مایوس ہے اور شیطان جو شَطَنَ بمعنی بَعُدَ یعنی دوری سے ہے وہ ہے جو دوسروں کو رحمت الٰہی سے دور کرتا ہے (بیان القرآن ج۱ ص۲۹ حاشیہ ۵۲(ا) کیونکہ ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تو اس نے عزم کیا کہ میں اس کو جنت میں نہ رہنے دوں گا [۲] یہ تو تو بھی تسلیم کر چکا ہے کہ انسانی پیدائش کی ابتداء گیلی مٹی سے ہوئی "وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ [سورۃ السجدۃ:۷]" کی تفسیر کرتے ہوئے تیرے الفاظ یوں ہیں: "کلام الٰہی نطفہ سے چلنے والی مخلوق پر نازل ہوا، نہ کہ اس ابتدائی انسان پر جو گیلی مٹی سے بنا تھا" (تفسیر کبیر ج۱ ص۲۹۷ سطر۶، ۷) تو جیسے وہاں تو نے مِنْ طِينٍ سے لغوی معنی گیلی مٹی لئے ہیں ایسے ہی مِنْ نَارٍ سے بھی لغوی معنی ہی مراد لے کیونکہ سورۃ الاعراف کی مذکورہ بالا آیت میں یہ دونوں الفاظ ایک ساتھ موجود ہیں: خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ۔ یہ کیسی بات ہے کہ آیت کے ایک حصہ میں لفظی لئے جائیں دوسرے میں چھوڑ دیئے جائیں۔

☆ مرزا محمود سورۃ اللہب کی پہلی آیت نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ......یعنی "شعلہ کے باپ کے دونوں ہاتھ برباد ہوگئے اور وہ خود بھی برباد ہوگیا" اس آیت میں ابولہب یعنی شعلوں کا باپ کسی کا نام نہیں بلکہ ایک مخالف اسلام کی صفت بتائی ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے ہاں آگ پیدا ہوتی تھی بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ اس کی طبیعت ناری تھی اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بغض و حسد میں جلتا رہتا تھا اور آپؐ کی مخالفت میں آگ بنا رہتا تھا۔ (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ ص۳۰۰)

**اقول:** [۱] بیشک وہ آپ ﷺ سے بغض و حسد میں جلتا رہتا تھا مگر اس کو ابولہب اس وجہ سے اس کو نہیں کہا گیا کیونکہ جس کافر کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں ابولہب تو اس کو آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت سے پہلے ہی کہتے تھے، پھر اس کے انجام سے اس نام کی مناسبت ہوگئی فرمایا: **سيصلى نارا ذات لهب**۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں: **وابو لهب: هو ابن عبد المطلب عم النبي ﷺ واسمه عبد العزى قال مقاتل: كني بأبي لهب لحسنه وإشراق وجهه** (معالم التنزیل ج۷ ص۳۱۷، ۳۱۸ مع الخازن) [۲] اگر یہ وجہ ہوتی تو ابوجہل، عبداللہ بن ابی، کعب بن اشرف وغیرہ سب سرداران کفار اس نام کے حقدار تھے جبکہ اس سے مراد ایک خاص شخص ہے اور اس کو دوسرے خط کشیدہ الفاظ میں تو نے بھی تسلیم کیا ہے۔

**تنبیہ:** مرزا محمود نے سورۃ اللہب کا ترجمہ و تفسیر کیا کیا ترجمہ اور تفسیر سے استہزاء ہی کیا ہے۔ تفسیر کبیر میں پہلی آیت کا جو ترجمہ کیا وہ آپ نے دیکھ لیا تفسیر صغیر میں پہلی آیت کا ترجمہ یوں کرتا ہے: "شعلہ کے باپ کے دونوں ہاتھ ہی شل ہوگئے اور وہ (خود) بھی شل ہو کر رہ گیا" حاشیہ میں لکھتا ہے: یا تو ابولہب کے رنگ کی طرف اشارہ ہے......یا امریکہ اور روس کی طرف اشارہ ہے (تفسیر صغیر ص۱۰۶۷) سوچنے کی بات ہے کہ اس زمانے میں امریکہ اور روس کہاں سے آگئے؟ شاید اسی لئے خود مرزائیوں نے بھی ان تشریحات کو قبول نہیں کیا چنانچہ اس کا بیٹا مرزا طاہر اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے: ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ خود ہلاک ہوگیا (ترجمہ مرزا طاہر احمد ص۱۲۲۵) محمد علی لاہوری کا ترجمہ یوں ہے: ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ بھی ہلاک ہوا۔ حاشیہ میں لکھتا ہے: عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب کی کنیت ابولہب ہے یہ آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اور مقاتل سے مروی ہے کہ یہ اس کی کنیت اس وجہ سے تھی کہ اس کے رخسارے سرخ تھے اور یا یہ کنایہ جہنمی ہونے سے ہے (بیان القرآن مرزائی ج۳ ص۱۴۹۲ حاشیہ ۳۶۶۲) (باقی آگے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

قرآنِ کریم کی تعلیم کے مطابق (۱) انسان کی پیدائش یکدم نہیں ہوئی بلکہ باریک در باریک ذرات کی صورت نے ترقی کر کے اور مختلف احوال سے گذر کر انسانی شکل اختیار کی ہے (۲) انسان شروع سے ہی بطور انسان پیدا کیا گیا ہے اور وہ فلاسفروں کے خیال کے مطابق جانوروں کے ارتقاء کا اتفاقی نتیجہ نہیں ہے (۳) سب سے پہلا الہام الٰہی پانے والا وجود وہ تھا جو نطفہ سے پیدا ہونے والا تھا...... (۴) اس سے پہلے ملہم کے زمانے میں اس کے علاوہ اس کے اور ہم جنس بھی تھے انہی کے نظام اور ہدایت کے لئے اسے خلیفہ بنایا گیا تھا یہ لوگ اس کے ساتھ اس جنت ارضی میں رہتے تھے جس میں آدم رکھے گئے تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ اس ارضی جنت سے نکالے گئے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۰)

**اقول** [۱] مگر سوال یہ ہے کہ سجدہ فرشتوں سے اور ابلیس سے کروایا گیا۔ اگر اور انسان تھے تو ان سے سجدہ کیوں نہ کروایا گیا؟ حالانکہ خلافت تو ان پر ہوئی تھی [۲] پھر آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو اکل شجرہ کی بنا پر نکالا گیا، اگر وہاں دوسرے انسان تھے تو بتا کہ ان کو کس چیز سے منع کیا گیا اور ان کو کس وجہ سے نکالا گیا؟ اور اس کا ثبوت کیا ہے؟ [۳] جس جنت میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ٹھہرایا گیا مرزا محمود نے اس کو جنت ارضی کہا، اس جنت کے ارضی نہ ہونے کے دلائل گزر چکے ہیں۔

☆ مرزا محمود تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۰ میں ایک سوال قائم کرتا ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد کے نکاح کیسے ہوئے وہ سب بہن بھائی تھے اور بہن کا بھائی سے نکاح قبیح ہے، پھر جواب یوں دیتا ہے کہ انسان تو پہلے بھی تھے ہاں شریعت آدمؑ سے شروع ہوئی اس وقت تک بہت سے دوسرے انسان پیدا ہو چکے تھے اس لئے بہن بھائی کے آپس میں نکاح نہیں ہوئے، باقی رہا ان سے پہلے کا زمانہ سو اس وقت تک انسانی دماغ بالقوۃ انسانی دماغ نہ بنا تھا اور شریعت کو سمجھنے یا اس پر عمل کرنے قابل ہی نہ تھا پس اس کے کسی فعل کو قابل اعتراض نہیں کہا جا سکتا (از مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۰ ملخصاً)

**اقول** [۱] آدم علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انسان جن کا تجھے دعویٰ ہے کہ وہ بھی جنت میں رہتے تھے اور وہ تیرے ہاں غیر مکلف تھے نہ ان کو کسی چیز کا حکم تھا اور نہ ان سے کوئی لغزش سرزد ہوئی تو سوال یہ ہے پھر ان کو جنت سے کیوں نکالا گیا؟ [۲] تو کہتا ہے کہ اس وقت جو لوگ تھے ان کا دماغ بالقوۃ انسانی دماغ نہ بنا تھا، ارے کیا اس وقت ان کا دماغ چوپایوں کا دماغ تھا یا پرندوں کا تھا؟ پھر اگر اس وقت بالقوۃ بھی انسانی دماغ نہ تھا تو بعد میں بالفعل انسانی دماغ کیسے بن گیا؟ [۳] تاریخ تیرے کہنے سے نہ بنے گی یقیناً حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں اور عاقل بالغ انسان ہیں چونکہ ان کی صلبی اولاد سب حقیقی بہن بھائی تھے ان کے علاوہ اور انسان دنیا میں تھے نہیں اس لئے نسل انسانی کو پھیلانے کیلئے محدود وقت کیلئے ان میں نکاح کی اجازت ہوئی۔ اس میں اشکال کی کونسی بات ہے؟

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے:

یہ بھی ضروری نہیں کہ آدم علیہ السلام سے پہلے کے بشر ایک ہی جوڑے سے ترقی کر کے بنے ہوں...... زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ کئی جوڑوں سے ترقی کر کے بنے ہوں...... مرزا قادیانی کہتا ہے...... ہم تو اس آدم سے پہلے بھی نسل انسانی کے قائل ہیں...... محی الدین صاحب ابن عربی نے ایک عجیب کشف کا ذکر اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ خواب میں کسی کو دیکھا اس نے کہا میں تمہارے اجداد میں سے ہوں مجھ پر چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے میں نے کہا اتنا عرصہ تو حضرت آدم علیہ السلام پہ نہیں گزرا کہنے لگے تم کونسے آدم کے متعلق سوال کرتے ہو جو سب سے زیادہ تم سے قریب ہے یا کسی اور کے متعلق...... اس کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ ملہم آدم جس کی طرف اس زمانہ کے لوگ منسوب ہوتے ہیں پہلا آدم نہیں بلکہ آخری آدم ہے...... اس کشف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بشر کی نسل بہت قدیم سے چلی آتی ہے اور یہ جو سات ہزار سال کا دور اس دنیا کی پیدائش کے متعلق احادیث میں مذکور ہے اس سے مراد صرف آخری آدم کا دور ہے (از مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۱ ملخصاً)

**اقول** [۱] باقی زمینوں میں جو آدم ہیں جن کا ذکر سورۃ الطلاق کی آخری آیت کی تفسیر کے تحت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے [دیکھئے حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۴۵۳ نقلاً عن فتح الباری ج ۶ ص ۲۹۳] ان کا اس زمین کے انسانوں سے کوئی نسبی تعلق نہیں وہ دوسری زمینوں کے لوگوں کے آباء ہیں [۲] قرآن کے ظاہر سے احادیث شفاعت سے پھر امت مسلمہ کے اجماع سے اس زمین پر پیدا ہونے والے سب انسان اسی آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں جن کا ان آیات میں ذکر ہے مرزا قادیانی تو امت مسلمہ سے نہیں اس کے قول کا کیا اعتبار؟ [۳] رہا شیخ ابن عربیؒ کا کشف تو اس کا تعلق عالم مثال سے ہے نہ کہ عالم شہادت سے حضرت مجدد الف ثانیؒ اس کشف کے بارے میں فرماتے ہیں: (باقی آگے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میرے مخدوم ومکرم! اس مسئلہ میں اللہ سبحانہ کی عنایت سے جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب آدم جو حضرت آدم **علی نبینا وعلیه الصلوۃ والسلام** کے وجود سے پیشتر گذر چکے ہیں ان کا وجود عالم مثال میں ہوا ہے نہ کہ عالم شہادت میں وہ تو وہی حضرت آدم **صلوات اللّٰہ تعالی وتسلیماته سبحانه علی نبینا وعلیهم اجمعین** ہیں جو عالم شہادت میں موجود ہوئے ہیں اور زمین میں خلافت پاکر مسجود ملائکہ ہوئے ہیں...... اس فقیر نے اس بارے میں دور دور تک نظر دوڑائی اور بہت غور کیا لیکن عالم شہادت میں کوئی دوسرا آدم نظر نہیں آیا اور عالم مثال کے شعبدوں کے علاوہ کچھ نہ پایا (مکتوبات مجدد اردو ترجمہ از سید زوار حسینؒ ج ص ۲۱۲ دفتر دوم مکتوب ۵۸ نیز دیکھئے دفتر اول مکتوب ۲۱۶ کا آخر)

اگر ایسی توجیہ نہ کی جائے تو ان کے اس کشف کو رد کرنا ضروری ہے امت مسلمہ کے متواتر قطعی عقیدے کے خلاف ایسے کشف کی کوئی حیثیت نہیں۔

[۴] جن روایات میں اس دنیا کی عمر سات ہزار سال بتائی گئی وہ موضوع حدیثیں ہیں قرآن کی محکم آیات کے بالمقابل ان کی کوئی حیثیت نہیں حافظ ابن قیمؒ موضوع احادیث کو پہچاننے کے ضابطے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

**ومنها مخالفة الحديث صريح القرآن كحديث مقدار الدنيا وأنها سبعة آلاف سنة ونحن في الألف السابعة. وهذا من أبين الكذب لأنه لو كان صحيحا لكان كل أحد عالما أنه قد بقي للقيامة من وقتنا هذا مئتان وأحد وخمسون سنة والله تعالى يقول يسألونك عن الساعة أيان مرساها قل إنما علمها عند ربي لا يجليها لوقتها إلا هو ثقلت في السموات والأرض لا تأتيكم إلا بغتة يسألونك كأنك حفي عنها قال إنما علمها عند الله وقال الله تعالى إن الله عنده علم الساعة ،وقال النبي ﷺ لا يعلم متى تقوم الساعة إلا الله .**

**وقد جاهر بالكذب بعض من يدعي في زماننا العلم وهو يتشبع بما لم يعط أن رسول الله كان يعلم متى تقوم الساعة . قيل له فقد قال في حديث جبريل ما المسؤول عنها بأعلم من السائل فحرفه عن موضعه وقال معناه أنا وأنت نعلمها. وهذا من أعظم الجهل وأقبح التحريف الخ**

(المنار المنیف ص ۸۰، ۸۱ تخریج کیلئے اس کا حاشیہ دیکھئے)

محشیؒ فرماتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ "شیخ ابن قیمؒ نے اس کتاب کو ۷۴۹ھ میں لکھا کیونکہ گیارھویں صدی ہجری کو شروع ہونے میں اس سال ۲۵۱ سال باقی تھے"۔ اقول: اگر سات ہزار سال عمر والی روایت درست ہوتی تو گیارھویں صدی شروع ہوتے ہی قیامت آجاتی۔ جبکہ اس سال ۱۴۳۸ھ تک قیامت کی بڑی نشانیاں نزول عیسٰی علیہ السلام خروج یاجوج ماجوج وغیرہ بھی ظاہر نہیں ہوئیں۔ مگر یہ سب کچھ ہوگا ضرور مگر کب ہوگا۔ اللہ اعلم۔ ہمیں ان پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

☆ مرزا محمود تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۴ میں کہتا ہے:

آدم نے اپنی خلافت کو جس تمدن کے قیام سے ظاہر کیا وہ مندرجہ ذیل اصول پر مبنی ہے (۱) آدم کی جماعت کا فرض مقرر کیا گیا کہ وہ شادی کریں...... آدم سے پہلے چونکہ شریعت نازل نہ ہوئی تھی شادی کا خاص دستور بشر میں نہ تھا آدم کے ذریعہ سے شادی کا حکم جاری ہوا...... (۲) کچھ امور سے اجتناب کا بھی حکم دیا گیا تھا جیسا کہ **ولا تقربا هذه الشجرة** ...... کے الفاظ سے ظاہر ہے (۳) وہ تعاون سے اپنی جماعت کے کھانے پینے کا انتظام کریں (۴) پانی کا انتظام کریں (۵) لباس پہنیں اور ننگے نہ رہیں (۶) مکان بنائیں اور اکٹھے رہیں۔ تین سے چھ تک کے امور اس آیت سے ظاہر ہو رہے ہیں **ان لک ان لا تجوع فيها ولا تعرى وانک لا تظمأ فيها ولا تضحى** ...... یعنی اے آدم! جس مقام پر ہم تم کو رکھنے لگے ہیں اس میں تمہارا فرض ہوگا کہ بھوکے نہ رہو...... یہ امور تو اس دنیا میں جانوروں تک کو میسر ہیں پس یہ جنت کی تفصیل نہیں آدم کے تمدن کا نقشہ کھینچا گیا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۴)

**اقول** [۱] جو چیزیں جانوروں کو میسر ہیں تیرے نزدیک آدم علیہ السلام سے پہلے جو انسان تھے کیا ان کو یہ چیزیں میسر نہ تھیں؟ ان کو تو بدرجہ اولی میسر ہونی چاہئیں، اور جو چیزیں پہلے سے میسر ہوں ان کیلئے حکم دینے کا کیا مطلب؟ کیا اس طرح تو نے آدم علیہ السلام کے تمدن کو معاذ اللہ تعالی جانوروں کے برابر نہیں کر دیا؟ [۲] سورۃ طہٰ کی جو آیات تو نے پیش کیں وہ تیرے خلاف ہیں کیونکہ ان میں **انّ لک** ہے جس کا مطلب ہے کہ تجھے جنت میں یہ نعمتیں حاصل ہوں گی اور تو کہتا ہے کہ تمہارے اوپر یہ چیزیں (باقی آگے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فرض ہوگی جوترجمہ ہے: اِنَّ عَلَیۡکَ کا۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ لفظ[خلیفہ۔راقم] تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے(۱) نبی اور مامور کے معنوں میں......(۲) ہر قوم جو پہلی قوم کی تباہی پر اس کی جگہ لیتی ہے ...... (۳) نبی کے وہ جانشین جو اس کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۵)

اقول: [۱] مامور کے لفظ سے اس کا مقصد مرزے کے دعوائے نبوت کیلئے ذہن سازی کرنا ہے کیونکہ مرزا قادیانی مامور ہونے کا مدعی بھی تھا (سیرۃ المہدی ج ۲ ص ۱۵۱) اور اس عبارت میں آپ مامور اور نبی کو ایک ساتھ دیکھ رہے ہیں[۲] تیسرے معنی کے اعتبار سے مرزا محمود خود کو خلیفہ کہہ کر سورۃ البقرۃ آیت ۳۰ کا مصداق بننا چاہتا ہے، کیونکہ یہ ایک طرف اپنے باپ مرزا قادیانی کو نبی مانتا ہے دوسری طرف یہ اس کا جانشین ہو کر اس کے نقش قدم پر چلنے کا مدعی ہے۔ الغرض اس بحث سے اس کا مقصد اسلام کی خدمت نہیں، مرزائیت کا تحفظ ہی ہے۔ **وانما الاعمال بالنیات۔**

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے: اس سلسلہ کی آخری کڑی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام تھے جن کو تدبر فی القرآن نہ کرنے کے سبب کئی مسلمان خصوصاً آخری زمانہ کے مسلمان باشریعت نبی سمجھ بیٹھے ہیں (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۶)

اقول: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کے بعض احکام کو بدلا، ارشاد باری ہے **ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم** [آل عمران: ۵۰] اس لئے آپ تشریعی نبی تھے کیونکہ تشریعی نبی بعض احکام ہی کو بدلتے تھے سب احکام کو تو نبی کریم ﷺ نے بھی نہیں بدلا۔ مثلاً کفر، شرک اور زنا پہلی شریعتوں میں بھی حرام تھے ہماری شریعت میں بھی حرام ہیں

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

امت محمدیہ میں ان تینوں قسم کی خلافتوں کا وعدہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے...... **لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم**...... تیسری قسم کی خلافت جو تابع انبیاء کے ذریعہ سے حاصل ہوتی تھی اس کی طرف سے مسلمان ایسے غافل ہوئے کہ آخری زمانہ میں اس قسم کی نبوت کا سرے ہی سے انکار ہی کر دیا اور باب نبوت کو خواہ غیر تشریعی ہی کیوں نہ ہو بند کر کے اس عظیم الشان فضل سے منکر ہو گئے جو اس زمانہ میں صرف اسلام سے ہی مخصوص تھا، اور جو رسول کریم ﷺ کے زندہ نبی ہونے کا ایک زبردست ثبوت تھا کیونکہ تابع نبی کی نبوت متبوع کی نبوت اور شان کو بڑھاتی اور روشن کرتی ہے نہ کہ کم کرتی ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۶، ۳۰۷)

اقول: [۱] امت مسلمہ میں تابع نبی کو ماننے سے نبی کریم ﷺ کی شان بڑھتی نہیں بلکہ تابع نبی کو ماننے سے نبی ﷺ کی تکذیب ہوتی ہے کیونکہ آپ نے بغیر کسی استثناء کے فرمادیا ہے **لا نبی بعدی** کہ میرے بعد کسی کو نیا نبی نہیں [۲] اگر تابع نبی کو ماننا آپ ﷺ کو زندہ ماننے کا ثبوت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا گا کہ مرزا مسیح کے دعوائے نبوت سے پہلے نبی ﷺ معاذ اللہ زندہ نہ تھے اور یہ **الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون** کے خلاف ہے [۳] ہجرت سے پہلے جب مسلمان ہر طرف مظلوم تھے اس وقت امت کو تابع نبی کی ضرورت نہ ہوئی جب دین مکمل ہو گیا دنیا میں ہر طرف مسلمانوں کو ایک مذہبی قوت مان لیا گیا اس وقت کسی تابع نبی کی ضرورت کہاں سے؟ علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

در پیشینیان انبیاء تحت رسلؑ برائے تکمیل کاری بودند کہ **اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری** نیز قال **سنشد عضدک باخیک** ودر مقام خاتم الانبیاء کدام جزء از کمال فرو نہ گذاشتہ اند حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وازیں طرف **الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون** [حاشیہ میں ہے: **رواہ البیھقی وصححہ وابو یعلی والبزار**. فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲] ثابت شدہ کہ مراد از حیات، اعمال حیات ہستند نہ مجرد بقاء روح کہ در ہمہ مشترک است (کتاب: خاتم النبیین ص ۷۳، ۷۴)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اس کا ترجمہ وتشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پہلی امتوں میں انبیاء کرام تکمیل کار کے لئے رسولوں کے ماتحت ہوتے تھے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے: اُشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِیۡ وَاَشۡرِكۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ [سورۃ طہ: ۳۱، ۳۲] نیز موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں ارشاد خداوندی ہے: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیۡكَ [سورۃ القصص: ۳۵] اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے (باقی آگے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مقام میں کمال کا کوئی جز باقی نہیں چھوڑا گیا (بلکہ کارِ نبوت کی تکمیل من کل الوجوہ آپؐ ہی کی ذات گرامی سے کرادی گئی لہٰذا اب کوئی منصب باقی نہیں رہا جس کیلئے کسی نئے نبی کو مبعوث کیا جاتا چنانچہ آپ کی شان تو یہ ہے) ؎ حسن یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور اُدھر یہ حدیث کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں ثابت ہے کہ حیات سے اعمال حیات مراد ہیں نہ کہ صرف بقائے روح کیونکہ یہ تو (مومن و کافر، نبی و غیر نبی) سب میں مشترک ہے (پس یہ امر انبیاء کرام کے ساتھ مختص نہ ہوا، حالانکہ حدیث سے اختصاص ثابت ہوتا ہے۔ الغرض جب آنحضرت ﷺ کے ذریعہ کارِ نبوت کی تکمیل ہو چکی اور پھر حیات انبیاء کی بنا پر آپ اُمت میں زندہ موجود ہیں گو پس پردہ ہوں تو نئے نبی کی بعثت بے معنی ہوئی) (کتاب: خاتم النبیین ص ۲۰۵)

حاصل یہ کہ نبی ﷺ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا بھی نئے نبی کی آمد کے خلاف ہے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی موجودگی میں بھی اور انبیاء ہوتے رہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت لوط علیہ السلام اس لئے قبروں میں ان کا زندہ ہونا، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ ہونا آنحضرت ﷺ کی بعثت میں رکاوٹ نہیں۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

جماعت احمدیہ [یعنی مرزا کو مسیح ماننے والی امت مرزائیہ یا امت مسیحیہ۔ راقم] کا بیان ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام [یعنی مرزا مسیح علیہ ما علیہ۔ راقم] کے ذریعہ سے اس پر فتن زمانہ کی اصلاح اور اسلام کو دوبارہ اس کے مقام پر کھڑا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پھر اس تابع نبوت کا جو رسول اللہ ﷺ کی شان کے مناسب حال امتی نبوت ہے دروازہ کھولا ہے اور آپ کے ذریعہ سے اس نے پھر آپ کے ماننے والوں میں خلافت کو بھی زندہ کر دیا ہے جس سے پھر ایک دفعہ ساری دنیا میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو ایک ہاتھ پر جمع ہو کر خدمت اسلام کر رہا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۷)

**اقول** [۱] جب نبی کریم ﷺ نے کہہ دیا **لا نبی بعدی** تو اب کسی انداز میں بھی کوئی دعوائے نبوت کرے وہ کافر ہے کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کا مکذب بنتا ہے پھر جیسی مرزے کی نبوت ویسی ہی اس کے خلفاء کی خلافت یعنی مرزا کی نبوت بھی کالعدم اور مرزا محمود کی خلافت اور محمد علی لاہوری کی امارت بھی کالعدم [۲] تو کہتا ہے کہ مرزا تابع نبی تھا جبکہ مرزا تو سب انبیاء کی نبوت کو کالعدم کر کے اکیلا ہی نبی بنتا پھرتا ہے کہتا ہے میں آدم ہوں میں نوح ہوں الخ (حقیقۃ الوحی ج ۲۲ ص ۵۲۱) [۳] مرزے نے اصلاح کیا کرنی تھی وہ تو خود سب سے بڑا فتنہ تھا [۴] ٹھیک ہے کہ مرزا قادیانی کو مسیح ماننے والی امت مسیحیہ ایسا کہتی ہے مگر اسلام تو ایسا نہیں کہتا اسلام تو کہتا ہے آپ ﷺ کا دین زندہ ہے محفوظ ہے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ اور آخرت کی نجات تو ہے ہی اسلام میں نہ کہ مرزائیوں کے نظریات میں۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

**واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا** ...... یعنی یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو پس سب نے فرمانبرداری کی (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۱۰)

**اقول** یہاں **اسجدوا** میں سجدہ کا حکم ہی مراد ہے اللہ نے سجدہ کا حکم دیا فرشتوں نے اللہ کے حکم کی وجہ سے سجدہ کیا۔ اگر ''**اسجدوا لآدم**'' میں حضرت آدم علیہ السلام کی فرمانبرداری کا حکم ہوتو بتائیں کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے کن کن احکام کی پیروی کی اور شیطان نے آدم علیہ السلام کے کس حکم کی نافرمانی کی۔ نیز شیطان پر جب عتاب ہوا تو اللہ نے فرمایا: **ما منعک ان لا تسجد اذ امرتک** (الاعراف: ۱۲) یہ نہ فرمایا کہ تو نے میرے خلیفہ کی اطاعت نہ کی۔ حاصل یہ کہ آیت کریمہ کہتی ہے کہ اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

جو لوگ روحانیت سے ادنیٰ تعلق بھی رکھتے ہیں انہیں ملائکہ کو دیکھنے کو بھی موقعہ ملا ہے جیسا کہ انجیل میں حضرت مسیح پر جبریل کے اترنے کا ذکر آتا ہے اور قرآن کریم میں اور احادیث میں رسول کریم ﷺ پر جبریل امین کے اترنے کا ذکر آتا ہے اور موجودہ زمانہ میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ملائکہ سے تعلق کا دعویٰ کیا ہے راقم سطور بھی اس امر میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کچھ مشاہدہ رکھتا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۱۰)

(باقی آگے)

۸) آیت نمبر۳۰ میں بغیر نام لئے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر تھا، آیت نمبر ۳۱ میں ان کا نام لے کر بتاتے ہیں: **وَعَلَّمَ اٰدَمَ** (۱) **الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** (۲) کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام سکھائے۔ مطلب یہ کہ ان کی ضرورت کی جتنی چیزیں تھیں ان سب کے نام سکھائے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول:** [۱] روحانیت کے ادنیٰ تعلق کی مثال دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا ہے ان حضرات کو تو نہایت اعلیٰ روحانیت حاصل تھی اگر ان کی روحانیت بھی ادنیٰ تھی تو متوسط کس کی ہوگی اور اعلیٰ کس کی؟ [۲] مرزا محمود تو فرشتوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بھی ہمکلامی کا دعویٰ رکھتا ہے چنانچہ الہام کو وجود باری کی ایک دلیل قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے: اس عاجز سے بھی اس نے کلام کیا اور اپنے وجود کو دلائل سے ثابت کیا (پاکٹ بک خادم ص۱۰) ارے کلام کرنا کیا اس کے وجود کی دلیل نہیں یہ بھی کیسی بات کہی کہ متکلم کو اپنا وجود ثابت کرنے کیلئے دلائل کی ضرورت پڑی الغرض مرزا محمود کی یہ بات ہی اس کے دعویٰ کے جھوٹا ہونے کیلئے کافی ہے [۳] ہم مرزے کے دعوے کو کیا کریں ہم نبی ﷺ کو جھوٹا نہیں مان سکتے جب آپ ﷺ نے بتا دیا کہ میرے بعد نبوت کسی کو نہ ملے گی تو قادیانی لامحالہ جھوٹا ہے اس پر کوئی فرشتہ وحی نہیں لایا۔ رہا یہ کہ مرزا کہتا ہے تو ایک طرف مرزا کا کہنا ہے دوسری طرف آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے مرزے کو جھوٹا کہنا ہمارے لئے بہت آسان ہے آنحضرت ﷺ کے فرمان کو ہم نہیں چھوڑ سکتے [۴] پھر مرزا پر اترنے والے فرشتے کون تھے؟ مرزا کسی کا نام "خیراتی" بتاتا ہے (تذکرہ طبع چہارم ص۳۳) کسی کا "شیر علی" (ایضاً ص۲۴) کسی کا "مٹھن لال" (ایضاً ص۴۷۴) کسی کا "حفیظ" (ایضاً ص۶۴۳) بقول مرزا کے اس کے پاس ایک فرشتہ آیا مرزا کہتا ہے "میں نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا نام کیا ہوتا ہے؟ نام کچھ نہیں میں نے کہا کچھ بتلاؤ نام کیا ہے؟ اس نے کہا ٹیچی (ایضاً ص۴۴۵) مرزے کے فرشتے بھی مرزے جیسے تھے پہلے کہتا ہے نام کچھ نہیں پھر نام بتا بھی دیا۔ اگر اس کی پہلی بات سچی ہے تو دوسری جھوٹی، دوسری سچی ہے تو پہلی جھوٹی۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

یہ بھی ہمیشہ سے یہ سنت اللہ چلی آئی ہے کہ جب وہ مامور آتا ہے بدکار لوگ تو الگ رہے نیکوکار اور فرشتہ خصلت لوگ بھی بوجہ نبوت کے زمانہ سے بعد کے اور اس کی خصوصیات سے ناواقفیت کے نبوت کی ضرورت کو نہیں سمجھتے، اور اس نئے نظام کی حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ وقت کے نبی کی ذریعہ سے قائم کرنا چاہتا، اس کی بعثت کا انکار کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بہرحال اس نظام کو قائم کرتا ہے اور دنیا کی غیر معمولی بہتری کے سامان پیدا کر دیتا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ ص۳۱۱)

**اقول:** یہاں بھی اس کا مقصد مرزائیت کے لئے ذہن سازی کرنا ہے، کہتا کہ قادیانی کی مخالفت تو بہت کی گئی مگر اللہ نے اس کا کامیابی دی۔ ارے یہ کامیابی نہیں بلکہ سخت ناکامی ہے کہ بغیر توبہ کئے کفریات کے ساتھ مرا، کامیابی تب ہوتی اگر اپنے تمام کفریات سے اور ہر صغیر کبیرہ گناہ سے سچی توبہ کر کے مرتا۔ کفریہ دعووں کے ساتھ مرنے کی حالت میں اگر مرزا کو کامیاب مانا جائے تو نبی ﷺ کو معاذ اللہ غیر صادق ماننا پڑتا ہے جبکہ آپ ﷺ یقیناً صادق ہیں لامحالہ قادیانی ہی جھوٹا ہے۔

۱) لفظ **اٰدم** کی صرفی تحقیق:۔

بعض علماء کہتے ہیں **اٰدمُ** کی اصل **أَدَمُ** ہے بروزن **أَفْعَلُ** ہمزہ ساکن ماقبل ہمزہ مفتوح ہے اس دوسرے کو وجوباً الف سے بدلا ہوا ہے، جمع بناتے وقت دوسرے ہمزہ کو واؤ سے بدل کر **اَوَادِمُ** پڑھتے ہیں کیونکہ ہمزہ مجتمعہ میں کوئی ایک مکسور نہیں نیز دوسرا لام کلمہ بھی نہیں۔ اور یہ **ادیم الارض** یا **ادمة** سے مشتق ہے **ادیم الارض** کا معنی زمین کی سطح چونکہ زمین کی سطح سے مٹی لے کر ان کو پیدا کیا گیا تھا اس لئے ان کو آدم کہتے ہیں،، اور **ادمة** کا معنی گندم گوں رنگ والا ہونا چونکہ ان کا رنگ گندمی تھا اس لئے ان کو آدم کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں **اٰدم** عجمی لفظ ہے اس کا وزن کیا جائے تو **فَاعَل** ہوگا جیسے آزَر کا وزن **فَاعَل** کہتے ہیں اس وقت بھی جمع منتہی الجموع **اَوَادِم** ہوگی الف کو واؤ سے بدل کر جیسے **خَاتَم** کی جمع **خَوَاتِم** (از فتح القدیر للشوکانی ج۱ ص۶۴)

۲) پنڈت دیانند سرسوتی کتاب ستیارتھ پرکاش میں اعتراض نمبر۱۰ کہہ کر لکھتا ہے:

**وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ [قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ] قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ**

(البقرۃ:۳۱ تا ۳۳) آدم کو سارے نام سکھائے پھر فرشتوں کے سامنے کر کے کہا اگر تم سچے ہو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ کہا اے آدم ان کو ان کے نام بتادے تب اس نے بتادیئے تو خدا نے فرشتوں سے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ یقیناً میں زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزوں کو اور ظاہر اور پوشیدہ فعلوں کو جانتا ہوں (آیت ۲۹ و ۳۱) [پھر کہتا ہے] محقق: فرشتوں کو (باقی آگے)

ہانڈی چمچہ وغیرہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں مگر چونکہ ان کا تعلق ضروریات انسانی سے ہے لہٰذا ان کے نام آدم علیہ السلام کو بتلا دیے گئے جن چیزوں کی انسان کو ضرورت نہیں ان کے نام سکھانے مراد نہیں (از معالم العرفان ج ۱ ص ۱۵۶ تا ۱۵۸) امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ فرماتے ہیں: **عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: علمہ اسم کل شیء حتی القصعۃ و المِغرَفَۃ** (مدارک مع الخازن ج ۱ ص ۴۱) ''اللہ نے آپؑ کو ہر چیز کا نام سکھایا حتی کہ پیالے اور چمچے کا بھی''۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس طرح دھوکہ دے کر اپنی بڑائی کرنا کیا یہ خدا کی خدائی کے شایاں ہے اور کیا یہ ریا کاری نہیں؟ اس کو کوئی عقلمند نہیں مان سکتا پھر خدا کی لاف زنی بھی کچھ قابل توجہ نہیں کیا ایسی باتوں سے ہی خدا اپنا سکہ جمانا چاہتا ہے؟ ہاں وحشیوں میں کوئی کیسی ہی مکاری کیوں نہ پھیلا دے پھیل سکتی ہے شائستہ آدمیوں میں نہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۶۹۹، ۷۰۰)

**اقول:** [۱] اس نے جیسا کیسا بھی ترجمہ کیا آیت ۳۱، اور آیت ۳۳ کا کیا ہے آیت ۳۲ جسے ہم نے بریکٹ میں دیا ہے اس کو نہ اس نے نقل کیا نہ اس کا ترجمہ دیا لہٰذا اس کا ''آیت ۲۹ و ۳۱'' کہنا درست نہیں [۲] تعلیم تو آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی موجودگی دی گئی تھی اور جیسا کہ نسفی ج ۱ ص ۴۱ میں ہے کہ اجناس کو دکھا کر دی گئی تھی مگر فرشتوں کو ضرورت نہ تھی اس لئے انہوں نے دلچسپی نہ لی وہ اخذ نہ کر سکے آدم علیہ السلام کو ضرورت تھی وہ اخذ کر گئے (از بیان القرآن تھانویؒ ج ۱ ص ۲۰) جیسے بچیاں گھر میں رہ کر ماں سے کھانا پکانا سیکھ لیتی ہیں ان کے بھائی اسی گھر میں رہتے ہوئے عموماً اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور اس اخذِ تعلیم کے اظہار کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ مستحق خلافت آدم علیہ السلام ہیں تم نہیں، اور اگر یہ سب نام آدم علیہ السلام کو فطری طور پر سکھائے نہ بطریق تعلیم و تعلم (حاشیہ مولانا احمد علی لاہوری ص ۹) تو پھر فرشتوں کے سامنے پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے اس لئے تم خلافت کے اہل نہیں۔ بات تو سیدھی سادھی ہے مگر پنڈت دیانند شائستہ آدمیوں سے ہوتا تو بات سمجھ آتی مگر یہ وحشیوں کی طرح ضدی بنا ہوا ہے [۳] ریا کاری دکھاوے کو کہتے ہیں فرشتوں کو اس بات کے سمجھانے میں ریا کاری کونسی؟ دھوکہ دہی بھی ہرگز نہیں فرشتوں کو دلیل کے ساتھ یہ بات بتادی کہ زمینی چیزوں کے نام نہ جاننے کی وجہ سے تم زمین اور اہل زمین پر خلافت کے حقدار نہیں۔ اگر دلیل سے بات سمجھانا ریا کاری یا دھوکہ دہی ہے تو خود پنڈت دیانند سرسوتی بڑا ریا کار اور دھوکہ باز ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر بات دلیل سے کرتا ہے [۴] اللہ تعالیٰ یقیناً عالم الغیب والشہادہ ہے کیونکہ وہ خالق مدبر ہے (دیکھئے خزائن العرفان ص ۶۰۱ تحت سورۃ السجدۃ: ۲ تا ۶) اس میں لاف زنی ہو تو اس کا مرتکب ستیارتھ پرکاش کا مصنف خود جو ستیارتھ پرکاش طبع چہارم ص ۱۷، ۱۸ میں خدا تعالیٰ کو خالق رازق حاضر ناظر اور عالم الکل مانتا ہے۔ دوسری جگہ لکھتا ہے: حمد وثناء، دعا پرستش سب سے افضل ہی کی کی جاتی ہے سب سے افضل اُس کو کہتے ہیں جو صفات، افعال اور خواص میں صداقت اور سچے بیوہاروں میں سب سے بڑھ کر ہو پس ان سب افضل تر (وجودوں) میں بھی جو نہایت ہی افضل ہے وہ پرمیشور ہے جس کے برابر نہ کوئی ہوا ہے نہ ہے اور نہ ہوگا۔ جب برابر نہیں تو اس سے بڑھ کر کوئی کیونکر ہو سکتا ہے؟ جیسے پرمیشور [یعنی خدا تعالیٰ] کی راستی انصاف رحم قدرت اور ہمہ دانی وغیرہ بے شمار صفات ہیں ویسے اور کسی بے جان یا جاندار کے نہیں (ایضاً ص ۲۰) ان مضامین کو لکھنے کے باوجود قرآن کے کسی مضمون پر اعتراض کرنا کسی وحشی مکار کا کام تو ہو سکتا ہے کوئی شائستہ آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔

<u>آریہ کے کچھ اور اعتراضات کے جوابات:</u>

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے آریہ کے یہ اعتراضات نقل کئے ہیں [۱] فرشتوں سے مشورہ کیا جس سے اس کی بے علمی ثابت ہوتی ہے [۲] فرشتوں نے معقول جواب دیا مگر خدا تعالیٰ نے معاذ اللہ تعالیٰ ضد کی نتیجہ وہی ہوا جو فرشتے کہتے تھے۔ [۳] فرشتوں کو سکھائے آدم کو نہ سکھائے اس میں دھوکا ہے آدم کی کوئی بزرگی ثابت نہیں ہوتی۔

<u>الجواب:</u> [۱] مشورہ نہ تھا حکم سنانا تھا فرمایا: **اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ☆ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ** یہاں بھی **اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً** کہہ کر **مَا تَقُوْلُوْنَ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ** تو نہ کہا جو مشورہ کا دستور ہے جیسا کہ ملکہ بلقیس نے کہا تھا: **مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ** [النمل: ۳۲] یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے **اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ** کہہ کر قصورِ فہم کا اعتراف کر لیا (از تفسیر ثنائی ج ۱ ص ۵۵) [۲] فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی ذریت کے بعض افراد کی نسبت سے یہ بات کہہ دی ان کی اولاد میں ہونے والے انبیاء اولیاء اور نیک لوگوں کا استثناء نہ کیا جو اپنی خواہشات کو اللہ کے حکموں پر قربان کرنے والے تھے اس لئے فرشتوں کو کہا گیا **اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** ہاں اگر سب انسان ہی فسادی ہوتے تب فرشتوں کی بات درست ہوتی مگر ایسا نہ ہوا [۳] تیسرے اعتراض کے بارے میں بات ہو چکی ہے کہ راجح تفسیر کے مطابق آدمؑ کو اسماء کی تعلیم تو فرشتوں کے سامنے ہی ہوئی تھی مگر فرشتے اخذ نہ کر سکے آدم علیہ السلام نے ان کو اخذ کر لیا اس لئے آدم علیہ السلام کی بزرگی ثابت ہو گئی۔

☆ محمد علی لاہوری مرزائی آیت نمبر ۳۱ کے تحت لکھتا ہے:

حضرت آدم کے ذکر میں نبی آدم بھی شامل ہیں یعنی نسل انسانی کا بھی ذکر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ **خلق الانسان علمه البیان** [سورۃ الرحمٰن: ۴] میں ہر ایک انسان کا ذکر ہے نہ صرف حضرت آدم کا کیونکہ بیان سب کو سکھایا تو پس چیزوں کے اسماء یعنی ان کے صفات یعنی خواص بھی سب کو ہی سکھائے اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا (باقی آگے)

اسم کی مسمی سے مناسبت ہوتی ہے اسلئے جن چیزوں کی اُن کو ضرورت تھی سب کی معلومات ان کو مل گئیں۔ اسماء کا علم بہت وسیع علم ہے ڈاکٹری چارٹ میں صرف دانت جو جسم کا ایک چھوٹا سا عضو ہے اس کے معمولی معمولی حصوں کے اتنے نام لکھے ہوتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے مگر علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ انسان ان باتوں کو خود تدریجا سیکھتے ہیں......اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کے سیکھنے کی استعداد انسان کے اندر رکھ دی ہے وہ گویا اس نے انسان کو سکھا ہی دی ہیں (بیان القرآن مرزائی ج ۱ص ۲۷ حاشیہ ۴۹)

**اقول** [۱] بیشک اللہ نے انسان کو بیان سکھایا، اس میں سیکھنے سکھانے کی صلاحیت رکھی بچہ آوازیں سن سن کر ذہن میں بٹھاتا ہے اس کے مطابق بولتا ہے اس لئے عرب کا رہنا والی عربی بولتا ہے پٹھان کا بچہ پشتو بولتا ہے جبکہ آدم علیہ السلام نے بغیر کسی سے سنے محض اللہ کے بتانے سے بولنا شروع کر دیا۔ اور یہاں آدم علیہ السلام کو دی گئی یہ خاص تعلیم ہی مراد ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ احادیث شفاعت میں خاص آدم کو سکھانے کا ذکر ہے، فرشتوں کے سامنے صرف آدم علیہ السلام کو پیش کر کے چیزوں کے اسماء پوچھے گئے اور جواب بھی حضرت آدم علیہ السلام نے ہی دیا پھر فرشتوں سے سجدہ بھی انہی کو کروایا گیا اس لئے یہاں آدم علیہ السلام کے ذکر میں نسل انسانی شامل نہیں ہے۔ ہاں ان کی اولاد ہونے کے سبب سے سب انسانوں کیلئے یہ بات باعث شرف ضرور ہے۔ اس اعتبار سے اس کا ذکر تذکیر بآلاء اللہ میں داخل ہے۔

☆ آیت نمبر ۳۱ کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور سارے ایمانیات کا علم ان کی پیدائش سے پہلے ہی دے دیا گیا تھا اسی لئے انہوں نے چھینک آتے ہی الحمد للہ کہا اور پھر جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پڑھ لیا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس سے معلوم ہوا کہ نبی آخر الزمان ﷺ کو بھی جانتے تھے اور ان کی نبوت رسالت کو بھی پہچانتے تھے اور لکھے ہوئے حروف پڑھ لیتے تھے مگر ساری چیزوں کا علم پیدائش کے بعد عطا ہوا (تفسیر نعیمی ج ۱ص ۲۵۷)

**اقول** عرش پر کلمہ طیبہ پڑھنے کی روایت اس درجہ کی نہیں کہ اس پر کسی عقیدہ کی بنیاد رکھی جاسکے، چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیدائش سے قبل ہی سب ایمانیات کا علم ہو۔ اس لئے یہ دعوی بلا دلیل ہے۔ علم غیب بہر حال اللہ ہی کی شان ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کیلئے "علم" اور "غیب" دو لفظوں کو یکجا ثبوت نہیں۔

☆ مفتی احمد یار خان آیت نمبر ۳۱ کے تحت ہی لکھتے ہیں:

جیسے خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہر چیز کا خالق ہے ایسے ہی یہاں كُلَّهَا سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام ہر نام والی چیز کے عالم ہیں۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کا علم اس قدر وسعت کے باوجود ہمارے نبی ﷺ کے دریا کا قطرہ ہے الخ (تفسیر نعیمی ج ۱ص ۲۵۸)

**اقول** [۱] استغراق ہمیشہ حقیقی نہیں ہوتا استغراق عرفی بھی تو ہوتا ہے استغراق حقیقی کی مثال **عالم الغيب والشهادة** اور استغراق عرفی کی مثال **جمع الامير الصاغة** امیر نے سب سناروں کو جمع کیا (تلخیص المفتاح ص ۱۱) اور یہاں **وعلم آدم الاسماء كلها** میں استغراق عرفی ہی ہے کہ جن چیزوں کی آدم علیہ السلام کو ضرورت تھی ان تمام کے نام ان کو سکھائے گئے تھے واللہ اعلم۔ [۲] بیشک آنحضرت ﷺ علم میں فائق ہیں حضرت نانوتویؒ نے حجۃ الاسلام اور مباحثہ شاہجہانپور میں علم میں سب انبیاء علیہم السلام پر آنحضرت ﷺ کی فوقیت کو دلائل سے ثابت کیا (دیکھئے حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت ص ۱۳۹ تا ۱۴۵، ص ۱۸۴ تا ۱۸۷) مگر اس سے انبیاء کرامؑ کیلئے علم غیب تو ثابت نہیں ہوتا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنا کسی بے دین ہی کا کام ہوگا۔ [۳] اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے پوچھ لیا کہ میں نے اپنی کتاب قرآن کریم میں بار ہا "علم" اور "غیب" دو لفظوں کے ساتھ "علم غیب" کو اپنے لئے بتایا، اور غیروں سے علم غیب کی نفی کی تھی اور میرے رسول ﷺ نے بھی "علم" اور "غیب" دو لفظوں کے ساتھ "علم غیب" کو مجھ خدا کے سوا کسی کیلئے نہیں بتایا تو تو نے میرے علاوہ کسی اور کیلئے "علم غیب" کو کیوں مانا تھا؟ مفتی احمد یار خان اور اس کے معتقدین بتائیں کہ پھر وہ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ مگر جواب میں قرآن کریم یا حدیث متواتر سے ان دو لفظوں "علم" اور "غیب" کی اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے تصریح دکھانی ہوگی۔

☆ مفتی احمد یار خان آیت ۳۱ کے تحت لکھتے ہیں:

تفسیر عزیزی میں اس کے دوسرے نہایت نفیس معنی کئے گئے وہ یہ کہ ملائکہ سمجھتے تھے کہ ہم حق تعالیٰ کی کامل حمد و تسبیح کرتے ہیں لہٰذا ہم ہی کامل عابد ہیں اس آیت میں فرمایا گیا کہ کامل حمد وہ کر سکتا ہے جو حق تعالیٰ کے سارے نام اور صفات سے واقف ہو اور پورا شکر وہی بجالا سکتا ہے جو اس کی ساری نعمتوں کی خبر رکھتا ہو۔ (باقی آگے)

سوال: ہر ہر چیز کا علم ہی تو علم غیب ہے لہٰذا آدم علیہ السلام کو علم غیب حاصل ہو گیا۔



جواب: [۱] اول تو جن چیزوں کی اپنے زمانے میں حضرت آدم علیہ السلام کو ضرورت نہ تھی اور بعد میں پیدا ہوئیں مثلاً آج کل کی سائنسی ایجادات، ممکن ہے کہ ان

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اے فرشتو! جب تم کو ساری نعمتوں کا نام بھی معلوم نہیں اور رب کے صفات اور سارے ناموں کا بھی پورا پتہ نہیں تو تم اس کی پوری حمد اور شکر کیسے کر سکتے ہو؟ اے فرشتو! پوری حمد بھی وہی کرے گا جس کا علم کامل ہو گا غرض کہ اس میں فرشتوں کو جھوٹا کہنا منظور نہیں بلکہ ان کی غلط فہمی دور کرنا (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۵۹)

اقول: حضرت نانوتویؒ نے انتصار الاسلام کے آخر میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ کامل عبادت حضرت خاتم ﷺ ہی سے ہو سکتی ہے پھر اس کے ساتھ حضرتؒ نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا، اور اس کو ثابت کیا کہ اب قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، حضرت نانوتویؒ کی عبارت قدرے تفصیل کے ساتھ ہم نے حق الیقین ج ا ص ۴۴۶ تا ص ۴۵۱ میں نقل کی ہے یہاں بقدر ضرورت پر اکتفاء کیا جاتا ہے حضرتؒ فرماتے ہیں:

بالجملہ ہر صفت خداوندی اس کی مقتضی ہے کہ بوجہ احتیاج اس کے مقابلہ میں ایک قسم کا عجز و نیاز ہو...... مگر خدا کی صفات کا کوئی ٹھکانہ نہیں ایسے ہی بندہ کی احتیاجات کی کچھ انتہاء نہیں سو ہر صفت کے مقابل میں بالتفصیل یا بالاجمال عجز و نیاز عبادت ہو تو عبادت پوری ہے ورنہ ادھوری۔ سو بالتفصیل تو اس لئے ممکن نہیں کہ صفات غیر متناہی کے مقابلہ میں زمانہ بھی غیر متناہی ہی چاہئے ہاں بالاجمال ممکن ہے پر اسی شخص سے جو خاتم المراتب ہو...... وہی شخص سب کا سردار اور سب سے افضل ہو گا ایسے شخص سے البتہ بالاجماع عجز و نیاز کامل ادا ہو سکتا ہے...... ہم اسی کو عبد کامل اور سید الکونین اور خاتم النبیین کہتے ہیں اور وجہ اس کہنے کی خود اسی تقریر سے ظاہر ہے...... اب کلام اس میں رہا کہ وہ کون ہے؟ ہمارا یہ دعوی ہے کہ وہ حضرت محمد عربی ﷺ ہیں۔ [اس عبارت میں حضرتؒ نے پہلے اس ہستی کا ذکر کیا جو عبد کامل، سید الکونین اور خاتم النبیین ہو پھر کہا کہ وہ حضرت محمد عربی ﷺ ہیں، اس کے بعد حضرتؒ فرماتے ہیں] الحاصل عبادت کاملہ بجز حضرت خاتم النبیین ﷺ اور کسی سے متصور نہیں...... دین خاتم النبیین کو دیکھا تو تمام عالم کیلئے دیکھا وجہ اس کی یہ ہوئی کہ بنی آدم میں حضرت خاتم بمنزلہ بادشاہ اعظم ہوئے جیسا اس کا حکم تمام اقلیم میں جاری ہوتا ہے ایسا ہی حکم خاتمؑ یعنی دین خاتم تمام عالم میں جاری ہونا چاہئے ورنہ اس دین کو لے کر آنا بے کار ہے (انتصار الاسلام ص ۵۵ تا ۵۹ طبع دیوبند)

دیکھئے اس عبارت میں آپ ﷺ کو آخری نبی بھی کہا اور یہ بھی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا، ہاں قیامت آئے گی اور اعمال کا بدلہ ملے گا۔

☆ مفتی احمد یار خان آیت ۳۱ کے تحت تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۶۰ میں لکھتے ہیں:

بری باتوں کا جاننا برا نہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کو ہر بری بھلی چیز کو علم دیا گیا اور اس سے ان کی افضلیت ظاہر فرمائی گئی نیز سب سے بری چیز کفر ہے اس کا بچنے کیلئے سیکھنا فرض ہے نیز حق تعالیٰ کو بھی بری بھلی باتوں کا علم ہے اگر بری بات جاننا برا ہوتا تو حق تعالیٰ اس سے پاک ہوتا لہٰذا وہابیوں دیوبندیوں کا یہ کہنا کہ بری بات کا علم حضور ﷺ کی شان کے خلاف ہے محض غلط ہے رہی آیت: **وما علمناہ الشعر** اس کی تحقیق ہم ان شاء اللہ اسی آیت میں کریں گے نیز اس کیلئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

اقول: [۱] یہ تو بتاؤ کہ برے بھلے کاموں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ علم نبوت اور غیر علم نبوت میں کوئی فرق ہے یا ہر چیز کا علم، علم نبوت ہی ہے؟ ہمارے ہاں تو علوم نبوت اور غیر علوم نبوت ہرگز برابر نہیں حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں:

علوم میں بھی فرق ہے یعنی جیسے گلاب [یعنی عرق گلاب۔ راقم] ہو یا پیشاب ہو۔ دیکھنے میں دونوں برابر ہیں مگر جس کو دیکھتے ہیں اس میں اتنا تفاوت ہے کہ اس سے زیادہ کیا ہو گا؟ ایک پاک اور خوشبودار دوسرا ناپاک اور بدبودار۔ ایسے ہی علم ذات وصفات خداوندی اور علم اسرار احکام خداوندی اور علم معلومات باقیہ میں یہی فرق ہے بلکہ غور سے دیکھئے تو اس سے زیادہ فرق ہے اس لئے کہ گلاب و پیشاب میں اتنا تو اتحاد ہے کہ یہ بھی مخلوق وہ بھی مخلوق۔ خالق اور مخلوق میں تو اتنا بھی اتحاد و مناسبت نہیں (حجۃ الاسلام ص ۳۸، خدمات ختم نبوت ص ۱۴۱) نیز فرماتے ہیں: علوم شرعیہ اگر اتنے آسان ہوتے جیسے اور علوم تو خداوند عالم ہماری ہی عقل پر چھوڑ دیتا اور اپنی طرف سے معلم یعنی انبیاء کرام کو نہ بھیجتا یہ علوم کچھ دقیق ہی تھے تو یہ انتظام ہوا اور اس وقت ہی کی وجہ سے تو اس علم کا نام منقول ہوا معقول نہ ہوا اور نہ یہ مطلب نہیں کہ علوم نقلیہ سے عقل کو سروکار نہیں (قاسم العلوم از مولانا کاندھلوی ص ۴۵۹، ۴۶۰، خدمات ختم نبوت ص ۸۶) [۲] جیسے اللہ تعالیٰ کا کسی بھی چیز کو پیدا کرنا برا نہیں ایسے اس کی نسبت سے کسی چیز کا علم برا نہیں۔ (باقی آگے)

کے نت نئے نام بھی ان کو نہ سکھائے گئے ہوں اور علم غیب میں تو ان کا مفصل علم بھی داخل ہے [۲] دوسرے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان کی انواع کے نام بتائے گئے ہر ہر فرد کے نہیں۔ امام نسفیؒ فرماتے ہیں: **ومعنى تعليمه أسماء المسميات أنه تعالى أ راه الأجناس التي خلقها وعلمه أن هذا اسمه فرس وهذا**

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حرام خور زانیوں شرابیوں کے ہر ہر کام سے واقف ہوگا تب ہی ان کو پوری سزا دے گا ہمیں علم خداوندی کو نہیں علم نبوت کو حاصل کرنا باعث ثواب ہے۔ اگر علم خداوندی کو حاصل کرنا مطلوب ہو تو ہر قسم کے اخبار بلکہ ٹی وی کی خبریں اور ساری نشریات کو جاننا بھی باعث ثواب ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ ہمیں کافروں سے سختی کا بلکہ ان سے جہاد کا حکم دیتا ہے مگر خود ان کو رزق دیتا ہے۔ اسی طرح علم نبوت کو علم خداوندی پر قیاس نہیں کر سکتے۔ [۲] برے کاموں کا علم برا نہیں تو ان کے علم کے وسائل بھی برے نہ ہوں گے اب بتایئے کہ برے کاموں کو دیکھنا برا ہے یا نہیں؟ عام آدمی سے سن کر بھی زنا کا علم ہوتا ہے، اور اگر زانی اور زانیہ کو اس برے کام میں دیکھ لیں ویڈیو میں یا اصل حالت میں تو بھی زنا کا علم ہوتا ہے۔ اور جو خود زنا کا ارتکاب کرے اسے بھی زنا کا علم ہوتا ہے تمہارے نزدیک یہ سب صورتیں جائز ہیں یا کچھ ناجائز بھی ہے اور کیوں؟ اور تم نے زنا کی حقیقت کا علم کس کس طریقے سے حاصل کیا ہوا ہے؟ اور اگر اس کے علم کی کچھ صورتیں ناجائز ہیں تو تمہارا یہ کلیہ کدھر جائے گا کہ بری چیز کا علم برا نہیں؟ [۳] انبیاء کرام علیہم السلام کو تو ہم فعل زنا سے منزہ مانتے ہیں اسی طرح زنا کی حقیقت جاننے کیلئے اس کو اصل حالت میں یا ویڈیو میں دیکھنے سے بھی اللہ تعالیٰ کے ان مقرب بندوں کو منزہ و معصوم مانتے ہیں تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ علم حاصل کرنے کیلئے تم نے کتنی مرتبہ اس کا ارتکاب کیا؟ اور کتنی مرتبہ ویڈیو دیکھ کر اس کا علم حاصل کیا؟ [۴] حضرت نانوتویؒ تو دیگر انبیاءؑ کے علوم کو بھی آنحضرت ﷺ کے علوم کے برابر نہیں جانتے اور تم نے زانیوں شرابیوں کی گندی معلومات کو اولیاء کے علوم سے اعلیٰ مان لیا کیونکہ زانیوں شرابیوں کو زنا وشراب کا علم یقیناً زیادہ ہوتا ہے۔ [۵] **وما علمناه الشعر** کے بارے میں مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ اس میں ملکہ شعر کی نفی ہے یعنی آپ ﷺ شعر بنا نہیں سکتے تھے شعراء کے بنائے ہوئے اشعار کے جاننے کی نفی نہیں حالانکہ اگر بالفرض آپ شعر بناتے تو آپ کی شان کے مطابق جامع کلمات پر مشتمل ہوتے مگر ان لوگوں نے نبی ﷺ سے اس کی نفی کر دی اور گندے قسم کے فلمی اشعار تک کے علم کو نبی ﷺ کیلئے مان لیا (مزید دیکھئے اساس المنطق ج ۲ ص ۷۷) [۶] علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کیلئے کس کام کا ملکہ ماننا خود نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی کرتا ہے کیونکہ جسے علم غیب ہو وہ ان ملکات سے مستغنی ہے (**انظر لنفي الملكة عن الله تعالىٰ** فواتح الرحموت ج ۱ ص ۲۰۷)

[۷] مفتی صاحب نے جاء الحق ص ۹۸ تا ۱۰۰ میں آنحضرت ﷺ کیلئے علم شعر کی بحث کی ہے مگر آپ دیکھ لیں کہ اس میں ادھر ادھر کی باتیں تو ہیں مگر ہمارے اشکالات کے جوابات کی طرف ان میں اشارہ تک نہیں ہے۔

[۸] حضرت نانوتویؒ علم میں آنحضرت ﷺ کو سب سے اوپر مانتے ہیں آپ فرماتے ہیں مباحثہ شاہجہانپور میں فرماتے ہیں:

الحاصل جب بنی آدم خصوصاً انبیاء میں مختلف قسم کے حالات موجود ہوں اور پھر سب کے سب خدا ہی کا عطا اور فیض ہوں تو بدلالت آثار و کاروبار (یعنی اعمال: راقم) انبیاء یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ یہ نبی خدا تعالیٰ کی کونسی صفت سے مستفید ہے اور وہ نبی کونسی خدا کی صفت سے مستفیض ہے۔ یعنی گو ایک کے ساتھ اور سب صفتیں قلیل و کثیر آئیں پر اصل منبع فیض کوئی ایک ہی صفت ہوگی مگر بدلالت معجزات انبیاء معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور صفت سے مستفید ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور صفت سے مستفید ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں بدلالت احیاء موتی و شفاء امراض مضمون جان بخشی کا پتہ لگتا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں بدلالت اعجوبہ کاری عصائے موسوی کہ کبھی عصا تھا کبھی اژدہا تھا معلوم ہوتا ہے کہ صفت تبدیل و تقلیب کا سراغ نکلتا ہے۔

مگر حضرت محمد ﷺ میں بدلالت اعجاز قرآنی و کمال علمی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صفت علم سے مستفید ہیں اور بارگاہ علمی میں باریاب ہیں ...... اور ...... وہ نبی جو صفت العلم سے مستفید ہو اور بارگاہ علمی تک باریاب ہو تمام انبیاء سے مراتب میں زیادہ اور رتبہ میں اول اور سب کا سردار اور سب کا مخدوم مکرم ہوگا۔ اور سب اس کے تابع اور محتاج ہوں گے اس پر مراتب کمالات ختم ہو جائیں گے اس لئے وہ نبی <u>خاتم الانبیاء</u> بھی ضرور ہی ہوگا ...... الخ (مباحثہ شاہجہانپور ص ۳۳، ۳۴)

☆ مفتی احمد یار خان آیت ۳۱ کے تحت لکھتے ہیں:

آدم علیہ السلام نے گندم کیوں کھایا؟ اگر جان بوجھ کر کھایا تو سخت گناہ ہوا جس سے انبیاء معصوم ہیں اگر بے علمی سے کھایا تو علم مکمل نہیں پھر اس کا جواب دیتے ہیں کہ کھاتے وقت بھول گئے **فنسی ولم نجد له عزما** الخ (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۶۱) (باقی آگے)

**اسمہ بعیر وھذا اسمہ کذا وھذا اسمہ کذا** (مدارک مع الخازن ج۱ص۴۱) ’’کہ ان کی چیزوں کے نام سکھانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو وہ اجناس دکھائی گئیں جن کو اللہ نے پیدا کیا اور ان کو یوں سکھایا کہ یہ اس کا نام **فرس** ہے اور یہ اس کا نام **بعیر** یعنی اونٹ ہے اور یہ اس کا نام یہ اور اور یہ اس کا نام یہ ہے‘‘۔اسی طرح

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول** [۱] اس کا مقصد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے درخت سے جان بوجھ کر تو نہ کھایا، کھایا تو بھول کر ہے مگر یہ بھولنا علم غیب کے منافی نہیں مگر یہ بات قطعاً بلا دلیل ہے اس لئے کہ ’’علم غیب‘‘ کے اثبات کیلئے جن دو لفظوں کی ضرورت ہے یعنی ’’علم‘‘ اور ’’غیب‘‘ مفتی صاحب آدم علیہ السلام کیلئے وہ دو لفظ کبھی نہیں دکھا سکتے [۲] آدم علیہ السلام کیلئے ہر چیز کا علم مان لیا جائے تو ان کے ہاں آدم علیہ السلام کی نبی ﷺ سے برابری ہو جاتی ہے کہ نبی ﷺ کو بھی ہر چیز کا علم مانتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کیلئے بھی جبکہ آپ ﷺ علم میں بھی باقی انبیاء علیہم السلام سے برتر ہیں [۳] رہا اکل شجرہ سے اعتراض اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے قصد سے نہیں بلکہ خدا کا قرب حاصل کرنے کیلئے یہ کام کر بیٹھے اور اس کو بھول گئے کہ شیطان ان کا دشمن ہے اور یہ بھی بھول گئے کہ اگر اس درخت سے کھا لیا تو ظلم ہو جائے گا (از مباحثہ شاہجہانپور ص۴۸ تا ۵۱ مع حاشیہ)

☆ مرزا محمود آیت ۳۱ کے تحت لکھتا ہے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانوں کے متمدن ہونے کی صورت میں ان کے لئے ایک زبان کی ضرورت تھی اور اللہ تعالیٰ نے ضرور آدم کو زبان کا علم سکھایا ہوگا (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ص۳۱۲)

**اقول** [۱] سکھایا ہوگا کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آپ کو زبان سکھائی تب ہی تو شیطان کی بات کو سمجھے، خطا کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا، اپنی اولاد کو بھی زبان سکھائی [۲] آدم علیہ السلام کو بالخصوص سکھانے کا کیا مطلب؟ تیرے نزدیک انسان تو پہلے سے تھے کیا ان کی کوئی زبان نہ تھی بغیر کسی لغت کے زندگی گزارتے تھے۔

☆ آیت نمبر ۳۱ کے تحت ہی مرزا محمود تفسیر کبیر ج۱ص۳۱۴ میں کہتا ہے:

یہ خصوصیت صرف عربی زبان میں ہے کہ اس کے اسماء مسمیات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں دوسری زبانوں میں یہ بات نہیں............دیکھو مرزے کی کتاب منن الرحمٰن۔

**اقول** [۱] عربی زبان کے فضائل و مزایا کے بارے میں سلف صالحین نے بہت کچھ لکھا ہے نہایت مختصر معلومات لینی ہوں ہو تو مفتی اعظم مفتی محمد شفیع ؒ نے المنجد عربی اردو کے شروع میں جو مقدمہ لکھا ہے اسی کو دیکھ لیں علمی نکات مرزا قادیانی کو نصیب نہ تھے۔ چراغ دین جمونی کو اپنی جماعت سے نکالتے وقت مرزے کے قلم سے یہ راز نکل گیا کہ علمی نکات کیلئے وہ دوسروں سے مدد لیتا تھا چنانچہ وہ کہتا ہے:

> خدا کے نزدیک وہ لوگ قابل تعریف ہیں جو سالہائے دراز سے میری نصرت میں مشغول ہیں اور میرے نزدیک اور میرے خدا کے نزدیک ان کی نصرت ثابت ہو چکی ہے مگر چراغدین نے کونسی نصرت کی اس کا تو وجود و عدم برابر ہے...... میں نہیں جانتا کہ وہ کس بات میں مجھے مدد دینا چاہتا ہے کیا عربی نویسی کے نشان میں یا معارف قرآنی کی میدان میں میرا امدگار ہوگا، یا ان مباحث دقیقہ میں میری اعانت کرے گا جو طبعی اور فلسفہ کے رنگ میں دوسرے فرقوں سے پیش آتے ہیں؟ میں تو جانتا ہوں کہ وہ ان تمام کوچوں سے محروم ہے (دافع البلاء ص۲۶، روحانی خزائن ج۱۸ص۲۴۲)

☆ مرزا محمود آیت نمبر ۳۱ کے تحت ہی کہتا ہے:

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ علم دین جو صفات الٰہیہ سے تعلق رکھتا ہے دنیا پر آہستہ آہستہ کھولا گیا ہے اور اس کی تکمیل رسول کریم ﷺ کے ذریعہ سے ہوئی ہے جیسا کہ فرماتا ہے **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** [المائدۃ:۳۔راقم] (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ص۳۱۶)

**اقول** مگر مرزا قادیانی کہتا ہے کہ دین مجھ پر مکمل ہوا اس کا شعر ہے:

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک | میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ وبار (خزائن ج۲۱ص۱۴۴)

نیز وہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اسلام ہلال کی طرح تھا مرزا قادیانی کے زمانے میں بدر کی طرح ہو گیا۔ (خزائن ج۱۶ص۲۷۵) مرزا کی موافقت کی وجہ سے تو بھی ان کفریات میں اس کے ساتھ ہے۔

(باقی آگے)

مثلاً انسان کو دکھا کر بتایا کہ "یہ انسان ہے" یا "اس کا نام انسان ہے" مگر انسان کے جو اربوں کھربوں افراد ہیں ان میں سے ہر ہر فرد کا نام تو نہ بتایا گیا، اور اگر ہر ہر فرد کا نام معلوم ہو بھی، تب بھی ہر ہر فرد کے مکمل حالات کے علم کی پھر کوئی دلیل نہیں کیونکہ صرف نام کے علم سے مکمل حالات معلوم نہیں ہوتے۔ ایک کتب فروش کو

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ☆ مرزا محمود آیت نمبر ۳۱ کے تحت کہتا ہے:

آدم کے بعد آنے والے انبیاء کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہ سلوک نظر آتا ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والے ایک یا ایک سے زیادہ نبیوں کی خبر دیتے رہے ہیں اور رسول کریم ﷺ جو جامع جمیع کمالات تھے ان کی تو ہر نبی نے ہی خبر دی ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۱۸)

**اقول:** بیشک آنحضرت ﷺ کی پہلے انبیاء کے خبر دی ہے یہ بھی درست ہے کہ آپ سب کمالات کے جامع تھے حضرت نانوتویؒ نے تو اس مضمون کو بہت ہی کھول کھول کر بیان کیا ہے مگر تجھے اس سے کیا؟ تو مرزا قادیانی کا امتی ہے مرزا قادیانی کے نبی ہونے کی تو انبیائے سابقین علیہم السلام میں سے کسی نبی نے خبر نہیں دی۔ آنحضرت ﷺ نے یا تو خبر دی ہے جھوٹے نبیوں کے آنے کی، اور قادیانی بھی ان جھوٹوں میں داخل ہے، اور یا آپ ﷺ نے خبر دی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی قادیانی اس کو اپنے اوپر فٹ کرنے لگا، حالانکہ جو فرق اصلی کرنسی اور جعلی کرنسی میں ہے وہی فرق اصلی مسیح اور جعلی مسیح میں ہے۔ کیا مرزا کو مسیح ماننے والے مسیحیوں نے کبھی یہ شعر نہیں سنا:

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے    خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

☆ مرزا محمود آیت ۳۱ کے تحت کہتا ہے: اللہ تعالیٰ کے تعلیم دینے کی ایک تازہ مثال اس زمانہ میں بھی پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ [یعنی مرزا مسیح علیہ ما علیہ۔ راقم] جنہوں نے کسی باقاعدہ مدرسہ میں تعلیم نہ پائی تھی انہوں نے خدا تعالیٰ کے حکم سے عربی زبان میں کتب لکھنی شروع کیں تو ایک دفعہ انہیں ایک رات میں چالیس ہزار عربی الفاظ سکھائے گئے چنانچہ اس کے بعد انہوں نے دعویٰ سے عربی کتب لکھیں اور دنیا کو چیلنج دیا کہ اس قسم کی فصیح عبارت اور لطیف مضامین پر مشتمل کتب الگ الگ یا مل کر لکھ کر پیش کریں لیکن باوجود اس کے کہ ان کتب کو عربی بلاد میں کثرت سے پھیلایا گیا آج تک کوئی ان کی مثل نہیں لکھ سکا۔ اور یہ معجزہ قرآنی معجزہ کی تائید میں اور اس کے افاضۂ کمال کے ثبوت میں تھا (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۱۹)

**اقول:** اول تو علمی مضامین کیلئے مرزا کا دوسروں سے مدد لینا روحانی خزائن کی جلد ۱۸ ص ۲۴۲ سے ثابت ہے۔ دوسرے اردو زبان کی تو اس کی اپنی زبان تھی جس کے اپنی زبان کے مضامین نہایت بے کار ہوں وہ دوسری زبان میں کیا لکھے گا، اب مرزا کے اردو مضمون کی بیہودگی بھی دیکھیں طوالت بھی اور تکرار بھی مرزا قادیانی لکھتا ہے:

میں تو یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آ چکا ہے کہ بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہے جس کی تمام جوانی بدکاری میں ہی گذری ہے کچھ سچی خواب دیکھ لیتی ہے اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ ایسی عورت کبھی ایسی رات میں بھی کہ جب وہ بادہ بسر و آشنا ببر کی مصداق ہوتی ہے کوئی خواب دیکھ لیتی ہے اور وہ سچی نکلتی ہے (توضیح مرام در روحانی خزائن ج ۳ ص ۹۵)

یاد رہے کہ یہ کتاب "توضیح مرام" مرزا نے ۱۸۹۰ء میں لکھی (دیکھئے سیرۃ المہدی ج ۲ ص ۱۵۱) اس کے ۲۷ سال بعد مرزا اور ایک کتاب میں جسے ۱۹۰۷ء میں لکھا (دیکھئے سیرۃ المہدی ج ۲ ص ۱۵۴) اسی مضمون کو مزید بیہودہ انداز میں ادا کرتا ہے چنانچہ اپنے تجربات کے حوالوں سے لکھتا ہے:

اس مقام پر عام لوگوں کو حیرت میں ڈالنے والا ایک اور امر بھی ہے اور وہ یہ کہ بعض فاسق اور فاجر اور زانی اور ظالم اور غیر متدین اور چور اور حرام خور اور خدا کے احکام کے مخالف چلنے والے بھی ایسے دیکھے گئے ہیں کہ ان کو بھی کبھی کبھی سچی خوابیں آتی ہیں اور میرا ذاتی تجربہ ہے کہ بعض عورتیں جو قوم کی چوہڑی یعنی بھنگن تھیں جن کا پیشہ مردار کھانا اور ارتکاب جرائم کام تھا انہوں نے ہمارے روبرو بعض خوابیں بیان کیں اور وہ سچی نکلیں، اس سے بھی عجیب تر یہ کہ بعض زانیہ اور قوم کے کنجر جن کا دن رات زنا کاری کام تھا ان کو دیکھا گیا کہ بعض خوابیں انہوں نے بیان کیں اور وہ پوری ہو گئیں اور بعض ایسے ہندوؤں کو بھی دیکھا کہ نجاست شرک سے ملوث اور اسلام کے سخت دشمن ہیں بعض خوابیں ان کی جیسا کہ دیکھا تھا ظہور میں آ گئیں۔

چنانچہ عین اس رسالہ کی تحریر کے وقت ایک قادیاں کا ہندو میرے پاس آیا جو قوم کا کھتری تھا اس نے بیان کیا کہ فلاں سب پوسٹماسٹر کو میں نے دیکھا تھا کہ (باقی آگے)

یہ تو پتہ ہے کہ ''فتاوی رضویہ'' کے مصنف ''مولانا احمد رضا خان بریلوی'' ہیں مگر صرف ان کے نام معلوم ہوجانے سے فاضل بریلوی کی پیدائش سے وفات تک ایک ایک منٹ سیکنڈ کے تفصیلی حالات تو معلوم نہیں ہوجاتے۔ جبکہ علم غیب میں ان سب حالات کو جاننا داخل ہے[۳] اصل بات یہ ہے قرآنِ پاک میں جہاں بھی ''علم'' اور ''غیب'' کا اکٹھے ذکر آیا وہ صرف اللہ کیلئے ہے غیر اللہ سے اُس کی نفی ہی نفی ہے۔ اس آیت میں آدم علیہ السلام کیلئے ''علم'' کا ذکر تو ہے ''غیب'' کا لفظ یہاں نہیں ہے۔ تو اس آیت کریمہ سے آدم علیہ السلام کیلئے ''علم'' کا ثبوت ہوا نہ کہ ''علم غیب'' کا۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس علم کا ثبوت ہے اس کو مانا جائے اور جس علم کی نفی ہے اس کی نفی کی جائے۔

۹) اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ عَرَضَهُمْ (۱) عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ (۲) اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ضرورت کی سب چیزوں کے نام سکھانے کے بعد وہ چیزیں فرشتوں کے سامنے پیش کیں (۳) اور فرشتوں سے کہا کہ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ زمین میں جس خلافت کی بات ہو رہی ہے اس کی ذمہ داری ادا کرنے کی ہم میں کامل صلاحیت ہے تو ان چیزوں کے نام یعنی مع آثار و خواص کے بتاؤ (۴) (بیان القرآن تھانویؒ ج ۱ ص ۲۰)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تھا کہ تبدیلی اس کی ہو کر پھر ملتوی رہ گئی چنانچہ ایسے ہی ہوا، اور اس ہندو نے مختلف وقتوں میں میرے پاس بیان کیا کہ کئی اور خوابیں بھی میری سچی ہوگئی ہیں مجھے معلوم نہیں کہ ایسے بیانات سے اس کی کیا غرض تھی اور کیوں وہ بار بار اپنی خوابیں مجھے سناتا تھا کیونکہ ویدک کی رو سے تو خوابوں اور الہاموں پر مہر لگ گئی ہے ایسا ہی ایک بڑا بدذات چور اور زانی بھی جو ہندو تھا اور قید میں ڈالا گیا تھا جیل سے رہائی پا کر کسی اتفاق سے مجھے ملا اور مجھے یاد ہے کہ کسی جرم سرقہ وغیرہ میں اس کو کئی سال کی قید ہوئی تھی اس کا بیان ہے کہ جس صبح کو عدالت سے قید کی سزا کا حکم مجھے دیا جانا تھا جس حکم کی بظاہر کچھ بھی امید نہ تھی رات کو خواب میں میرے پر ظاہر کیا گیا کہ میں قید کیا جاؤں گا سو ایسا ہی ظہور میں آیا اور اسی دن میں جیل خانہ میں داخل کیا گیا (حقیقۃ الوحی در خزائن ج ۲۲ ص ۵،۶)

مرزے کی اپنی زبان میں لکھی ہوئی عبارت آپ نے دیکھ لی جب یہ شخص عربی میں لکھے گا تو کیا گل کھلائے گا؟ اس کی نقل وہ اتارے جو ایسا ہی بیہودہ ہو، اور اس کا واسطہ ایسے ہی چوروں زانیوں سے رہتا ہو، علماء تو علماء ہیں عام شریف آدمی بھی اس کی طرف التفات نہ کرے گا۔

ایسی تحریریں لکھنے والے مرزا کو مقابلہ کرنا ہے تو کسی ڈوم یا مراثی سے کرے علماء کو یہ کس چیز میں دعوت مقابلہ دیتا ہے۔ اگر پھر بھی یہ مقابلہ کی بات کریں، تو جائیں سب مرزائی مل کر اسلام کی حقانیت پر اس سے بہتر کوئی بیان تیار کر دیں جیسے بیانات حضرت نانوتویؒ نے شاہجہانپور میں کیئے تھے۔ یہ فخر کس چیز پر کرتے ہیں؟

۱) جن چیزوں کے نام پوچھے گئے ان میں مذکر عاقل بھی تھے مثلاً مرد کے مختلف حالات بچہ جوان بوڑھا۔ تو مذکر عاقل کو باقیوں پر غلبہ دیتے ہوئے جمع مذکر کی ضمیر لائی گئی حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: **قوله عرضهم ای المسميات وانما ذكر لان فی المسميات العقلاء فغلبهم ۱۲. کشاف** (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۹ حاشیہ)

۲) **باسماء هؤلاء**...... کے تحت مرزا محمود تفسیر صغیر ص ۱۳ میں لکھتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آئندہ پیدا ہونے والے کاملین کشفی طور پر دکھائے خواہ وہ تقویٰ کے لحاظ سے کامل بننے والے تھے یا کفر کے لحاظ سے...... دوسرے معنی اس آیت کے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ آدمؑ کی اولاد میں جو لوگ نیکی میں کامل ہونے والے تھے ان کے وجودوں کو ان کے سامنے رکھ کر پوچھا کہ کیا تم ان کی صفات اور خواص ظاہر کرسکتے ہو؟

**اقول** یہاں بھی اس کی مراد قادیانی کیلئے ذہن سازی کرنا ہے کیونکہ خط کشیدہ عبارت میں نیکی میں کامل ہونے والے وجودوں میں ایک وجود مرزائیوں کے ہاں مرزا قادیانی ہے جس کا ایک الہام تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۸۴ میں **لولاک لما خلقت الدنیا** کا، اور تذکرہ ص ۵۲۵، ص ۵۵۶ میں **لولاک لما خلقت الافلاک** کا الہام لکھا ہے۔ اور ہم اس سورت کی آیت نمبر ۳۰ کے تحت اس پر کلام کرچکے ہیں۔

۳) یا تو وہ چیزیں پیدا کر کے فرشتوں کے روبرو کردیں، اور یا ان کی صورت مثالی سامنے کردی۔ صورتِ مثالی ایسے ہی جیسے آئینے میں کسی چیز کا عکس دیکھتے ہیں۔ واللہ اعلم

۴) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

مثلاً بھوک کی حقیقت جبرئیل علیہ السلام نہیں سمجھ سکتے تو فرشتے باوجود سننے کے اس لئے نہ بتلا سکے...... حق تعالیٰ شانہ نے اس امتحان سے یہ بتلا دیا کہ (باقی آگے)

چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرشتے ان کے نام نہ بتا سکیں گے اس لئے اَنْبِئُوْنِیْ میں امر تعجیز کیلئے ہے (انوار البیان ج اص ۵۲)

۱۰) فرشتوں نے جواب میں صرف یہ نہ کہا کہ ہم نہیں جانتے بلکہ اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کرنے لگے سُبْحٰنَکَ (۱) لاَ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تم میں وہ استعداد نہیں اور وہی شرط ہے خلافت کی۔ رہا یہ شبہ کہ جب آدم علیہم السلام نے ان کو بتا دیا تو ضرور سمجھے ہوں گے تو ان میں بھی استعداد ثابت ہوگئی مگر یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ بتلانے کیلئے مخاطب کا سمجھنا لازمی نہیں اس لئے اَنْبِئْ فرمایا عَلِّمْ نہ فرمایا تعلیم کے معنی سمجھا دینے کے ہیں اور انباء کے معنی اخبار یعنی تقریر کر دینے کے ہیں گو مخاطب نہ سمجھا ہو اور یہ استعداد خاصہ بشر کا ہے اگر فرشتوں کو یہ استعداد عطا کر دی جائے تو وہ فرشتے نہ رہیں جیسے حس و حرکت خاصہ حیوان کا ہے اگر جماد میں یہ صفت پیدا فرمادیں تو جماد جماد نہ رہے گا حیوان بن جائیگا۔ (معارف القرآن ج اص ۱۲۴)

**اقول:** جیسے ڈاکٹر ذمہ داری سے بے تکلف علاج شروع کر دے تو جاہل مریض کہتا ہے کہ ڈاکٹر ماہر ہے اور اگر ڈاکٹر کمزوری دکھائے تو مریض سمجھ جاتا ہے کہ ڈاکٹر ماہر نہیں حالانکہ مریض علاج معالجہ کے فن سے واقف نہیں۔ آدم علیہ السلام کے بلا تکلف جواب دینے سے فرشتے مان گئے کہ یہ آدمؑ ان چیزوں کا علم رکھتے ہیں۔

☆ منصب نبوت و رسالت انسان کو کیوں دیا گیا؟ حضرت حکیم الامتؒ نے بیان القرآن ج اص ۱۹، ۲۰، اور اس کے حاشیہ میں جو جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ:

ہر منتظم اور مصلح کو ضرور ہے کہ جس چیز کا انتظام اور اصلاح کرنا چاہے اس کی اصل و حقیقت اور اس کے ہر قسم کے نشیب و فراز سے پوری طرح واقف ہو...... مثلاً نشہ کی چیز حرام ہے تو اب جو شخص نشہ کی حقیقت اور آثار کو نہ جانتا ہو اس کے سامنے کوئی شراب پی کر بدمست بھی ہو جاوے تو اس کو زجر و تنبیہ و نہی عن المنکر نہیں کر سکتا...... بخلاف اس شخص کے جو جانتا ہے کہ نشہ دار چیز کی کیا خاصیت ہے اور اس کے پینے سے کیا حالت ہو جاتی ہے وہ شخص اس پر احتساب و احتجاج کر سکتا ہے یا مثلاً رسول مقبول ﷺ نے ابتداء میں جو برتن شراب رکھنے کے تھے ان میں شربت رکھنے کو بھی حرام فرما دیا کیونکہ آپ طبائع کی حالت جانتے تھے کہ بعض چالاک شربت کے بہانہ سے شراب پینے لگیں گے پھر آپ کو جب اطمینان ہو گیا کہ اب لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت ہو گئی ہے آپ نے اجازت دے دی سو اگر آپ طبائع کے ان خواص سے واقف نہ ہوتے تو ہرگز یہ احکام خاص صادر نہ فرما سکتے تھے...... [ایک اور مثال: امتحان کی نگرانی جس طرح استاد کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا کیونکہ دوسرا نقل لگانے میں طلبہ کی چالاکیوں سے واقف نہیں۔ راقم]

ظاہر ہے کہ احوال بشریہ سے جس قدر بشر واقف ہو سکتا ہے ملائکہ یا جن ہرگز واقف نہیں ہو سکتے...... فرشتہ کو جب بھوک نہیں لگتی تو وہ بھوک کی حقیقت و خاصیت کو کیسے جان سکتا ہے؟ رہ گئے جنات سو...... ان کی طبائع میں شر غالب ہے...... اس لئے انسان کی کامل اصلاح انسان ہی کر سکتا ہے۔

**سوال:** ملائکہ اصلاح انسان کے لئے...... کافی نہیں تو وحی کا لانا ان کے ذمہ کیونکر کیا گیا؟

**جواب:** یہ علم خاص یعنی مہارت تامہ مذکورہ اسی مصلح کے لئے ضروری ہے جو تبلیغی کی حالت رکھتا ہو جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان ہے کہ امم کی...... اصلاح و تربیت ان کی رائے و اجتہاد پر مبنی کی گئی ہے اور ملائکہ علیہم السلام کی شان محض سفارت کی ہے کہ ایک معین عبارت یا مضمون انبیاء علیہم السلام کو پہنچا دیا اس میں اس مہارت کی ضرورت نہیں۔

**سوال:** جیسے جنات انسانوں کی اصلاح کیلئے کافی نہیں انسان بھی جنوں کی اصلاح کیلئے بوجہ اختلاف طبائع کافی نہیں ہونا چاہئے پھر جنوں کیلئے انسانوں کو رسول کیوں بنایا گیا؟

**جواب:** جنات میں شر کا پہلو غالب ہے اس لئے اصلاح کا منصب نہ دیا گیا جبکہ انسان میں شر کا پہلو غالب نہیں اس لئے جنات کی اصلاح کا کام اس سے لے لیا گیا۔

۱) لفظ سُبْحَان کی نحوی تحقیق کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: **سبحانک قیل ھو علم للتسبیح ولا یکاد تستعمل الا مضافا وقیل انه مصدر منکر کغفران لا اسم مصدر ومعناه علی الاول نسبحک وعلی الثانی ننزھک عن ذلک ۱۲۔ ابو السعود. اقول السھل ان یقال اصله نسبحک سبحانا فحذف العامل واضیف السبحان الی الکاف. ۱۲** (بیان القرآن ج اص ۱۹ حاشیہ)

**اقول:** اس عبارت کو سمجھنے کیلئے دو باتوں کو جاننا ضروری ہے [۱] نحوی قاعدہ ہے کہ مفعول مطلق کو فاعل یا مفعول بہ کی طرف مضاف کریں یا اس کے بعد فاعل یا مفعول بہ پر لام حرف جر داخل کریں تو مفعول مطلق کے عامل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے جیسے **حمدًا للّٰه** کہ اس کی اصل **حمدت اللّٰه حمدًا** مانتے ہیں. **فبعدًا لمدین کما <u>بعدت ثمودُ</u>** [ہود: ۹۵] خط کشیدہ سے پتہ چلا کہ **بعدًا لمدین** کی اصل ہے **بعدت مدینُ بعدًا. صبغةَ اللّٰه** کی اصل ہے **صَبَغَنَا اللّٰهُ صِبْغَةً**۔ تو **سبحان اللّٰه** کی اصل ہے **سَبَّحْتُ اللّٰهُ سُبْحَانًا** [۲] جو لفظ مصدر کا معنی دے مگر اس کے حروف تعداد میں مصدر قیاسی کے حروف سے کم ہوں اسے اسم مصدر کہتے ہیں جیسے **اعطی** کا مصدر قیاسی (باقی آگے)

عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ (۱) کہ ہم ان چیزوں کے نام نہیں بتا سکتے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا آپ نے عطا فرمایا ہے اور ساتھ ہی انہوں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اِعْطَاء** ہے تو اس معنی میں **عَطَاء** اسم مصدر ہے کہ اس میں ایک حرف ہمزہ کم ہے، اور جو لفظ معنی مصدر کے دے اور غیر منصرف ہو مگر اس میں غیر منصرف کا صرف ایک سبب نظر آئے اور دوسرا سبب علم مانا جائے اسے علم مصدر کہتے ہیں جیسے لفظ **فَـرَّۃُ** ایک سبب تانیث بالتاء ہے اس میں دوسرا سبب علم مانتے ہیں اس کو علم مصدر کہتے ہیں۔ لفظ **سبحان، تسبیح** کے معنی میں ہے۔ اور ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے اس کے آخر میں الف نون زائدتان بھی ہے اگر اسے **غفران** کی طرح ثلاثی مجرد کا مصدر مانا جائے تو یہ منصرف ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ معنی تسبیح کے دیتا ہے مگر اس کے حروف تسبیح سے کم ہیں کہ اس میں تائے تانیث نہیں، تو یہ اسم مصدر ہے اور منصرف ہے اور اگر اسے بغیر اضافت کے غیر منصرف مانا جائے ایک سبب الف نون زائدتان دوسرا سبب علمیت ہو تو یہ علم مصدر ہوگا (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے عنایۃ النحو ص ۲۴۸، ۲۴۹ نیز ص ۴۷۵ تا ۴۷۹)

۱) مرزا محمود اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

آدم کے واقعہ کی اس تفصیل کے بیان کرنے سے پیدائش عالم کی غرض اور حکمت بتانا مقصود ہے اور یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ ہر زمانہ میں الہام الٰہی کا نزول اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے اور جو لوگ نبیوں کی بعثت پر معترض ہوتے ہیں وہ گویا دوسرے لفظوں میں اس امر پر معترض ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش کی غرض کو کیوں پورا کرنے لگا ہے۔ اور یہ اعتراض ان کا ایسا بودا ہے کہ اس کی بنا پر نبوت کے سلسلہ کو منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۲۱، ۳۲۲)

**اقول** [۱] ہر زمانے میں الہام الٰہی کا ذکر کرنے کا مقصد قادیانی کیلئے ذہن سازی کرنا ہے مرزائیو! مرزا قادیانی کے بعد زمانہ ختم تو نہیں ہوگیا تو مرزا قادیانی کے بعد کسی کو تم نبی کیوں نہیں مانتے؟ گولی کیوں نہیں مارتے ایسے خلیفہ کو جو نہ خود دعوائے نبوت کرتا ہے نہ تمہیں کرنے دیتا ہے۔ [۲] اگر تو نبوت کا سلسلہ تیرے جاری رکھنے سے ہے تو اسے منقطع نہ کرنے کا بھی تجھے اختیار ہے اور اگر نبوت اللہ کے دینے سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اس سلسلہ کو ختم فرمادیا، تو اس حقیقت کا انکار کر کے اپنی آخرت تو خراب کرے گا مگر کسی کو نبوت دلا تو نہ سکے گا [۳] مرزائی بھی نبوت کو جاری نہیں مانتے فرق یہ ہے کہ مسلمان آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مانتے ہیں اور مرزائی آخری نبی مرزا قادیانی کو مانتے ہیں بلکہ یہ لوگ نبی مانتے ہی مرزا قادیانی کو ہیں کیونکہ مرزا کہتا ہے میں ہی آدم ہوں میں ہی نوح ہوں الخ (خزائن ج ۲۲ ص ۵۲۱)

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے:

یہ جو ملائکہ نے کہا کہ **لا علم لنا الا ما علمتنا** ہمیں اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا اس کا مفہوم یہ نہیں کہ جو تو نے ہمیں سکھایا اسی قدر ہمیں علم ہے کیونکہ یہ تو ایک ظاہر حقیقت ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمارا علم اس طرح نہیں بڑھتا جس طرح کہ انسان کا بڑھتا ہے۔ (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۲۲)

**اقول** بیشک اللہ تعالیٰ نے انسان کو تعلیم و تعلم میں ایک امتیاز عطا فرمایا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی فرشتے کا علم بڑھتا ہی نہیں جو فرشتے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں ان کے بارے میں آتا ہے **یعلمون ما تفعلون** [الانفطار:۱۲] آخرت میں کچھ فرشتے انسان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ انسان کے اعمال کو دیکھ کر یا اس کی باتیں سن کر فرشتوں کو جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ پہلے معلوم نہیں۔ مگر اس طرح بھی جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بھی اللہ ہی کے دینے سے ہے۔ یہ وسائل ہیں وسائل پر نتیجہ تو خدا تعالیٰ ہی مرتب فرماتے ہیں۔ اسی طرح انسان کسی چیز کو دیکھ کر یا سن کر یا پڑھ کر یا سوچ کر علم حاصل کرتا ہے وہ بھی اللہ کے دینے سے ہی ملتا ہے کیونکہ یہ وسائل بھی تو اسی نے دیئے ہیں۔

☆ اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان صاحب تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۶۴ میں لکھتے ہیں:

[فرشتوں نے] یہ نہ کہا کہ تو نے ہمیں بہت کم علم دیا بلکہ یہ عرض کیا کہ ہم میں اتنے ہی علم کی طاقت تھی جتنا تو نے عطا فرمایا تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں شیطان نے یہ کہا **بما اغویتنی** تو نے مجھے گمراہ کر دیا اس لئے وہ تو مردود ہوا اور یہ سب محبوب رہے۔۔۔۔۔شیطان بھی اشیاء کے نام نہ بتا سکا اس لئے سجدہ نہ کرنے کی وجہ اپنا نار سے پیدا ہونا بیان کیا نام بتانے کی جرأت نہ کی اب جو شخص کہے کہ شیطان کا علم حضور سے زیادہ ہے وہ اس آیت کا منکر ہے اس کا علم تو حضرت آدم کے علم کا بھی کروڑواں حصہ نہیں۔

**اقول** حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ پر **علم للبشر** ہی ختم ہوگیا (تحذیر الناس ص ۱۴) اور بشر کا علم فرشتوں سے زیادہ ہونا سورۃ البقرۃ کی ان آیات سے ثابت ہے، جب آپ ﷺ پر علم بشر ختم ہوگیا تو علم ملائکہ تو بدرجہ اولیٰ ختم ہوا، اور شیطان تو پھر شیطان ہے؟ ہمارے حضرات اس شخص پر کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے۔۔۔۔۔یا جو شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں [آدمی، یا جن یا فرشتے۔ راقم] کا علم نبی علیہ السلام (باقی آگے)

نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی کہ آپ نے جو اس مخلوق کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا ہے بالکل صحیح ہے آپ ہر عیب اور نقص سے پاک ہیں آپ نے جو کچھ ارادہ فرمایا، اس کے متعلق کسی قسم کا سوال اٹھانا درست نہیں آپ علیم ہیں سب کچھ جانتے ہیں حکیم ہیں آپ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں (از انوار البیان ج ۱ ص ۵۲)

۱۱) جب فرشتوں نے چیزوں کے نام بتانے سے عاجزی کا اظہار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب کر کے کہا: **یٰۤـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ** (۱) اے آدم فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا، حضرت آدم علیہ السلام فوراً ان کے نام بتانے لگے مثلاً یہ ہنڈیا ہے اس میں سالن پکایا جاتا ہے یہ 'توا' ہے اس

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے علم سے زیادہ ہے (**المھند** ص ۴۶ تا ۴۸) اس لئے یہ بات ہمیں نہ سنا، یہ بات مولانا عبدالسمیع رامپوری کو سنا جس نے لکھا ہے کہ: اصحاب محفل میلاد تو زمین کی جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ ﷺ کا نہیں دعویٰ کرتے، ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک و ناپاک، کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے (انوار ساطعہ مع براہین قاطعہ ص ۵۳)

☆ اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

کسی شخص کو بغیر فضل مولیٰ علم غیب نہیں مل سکتا...... بلکہ حق یہ ہے کہ کوئی علم بھی حق تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں مل سکتا، کتابیں پڑھنا، وعظ سننا، علماء کے پاس حاضر رہنا یہ سب محض اسباب ہیں اصل چیز مسبب الاسباب کے قبضے میں ہے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۶۴)

**اقول** [۱] واقعی علم اللہ ہی دیتا ہے علم کے حصول کیلئے اسی سے دعا کرنی چاہئے، اس نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا **وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا** [طٰہٰ:۱۱۴] مگر اس نے یہ تو نہ کہا کہ وہ علم غیب بھی دیتا ہے، اور نہ ہی اس نے علم غیب کے حصول کیلئے دعا کا حکم دیا۔ تیرے پاس کونسی دلیل ہے "علم غیب" کے عطا ہونے کے؟ ہمیں بھی دکھا مگر اس میں "علم" اور "غیب" دونوں لفظ دکھانے ہوں گے۔ [۲] تو نے خود لکھا ہے کہ "غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں" (جاء الحق ص ۹۷ سطر ۷) [۳] فرشتوں نے جو کہا **لاعلم لنا الا ما علمتنا**۔ اس میں صرف "علم" کا لفظ ہے "غیب" کا لفظ تو اس میں نہیں۔ علم غیب کو اللہ نے اپنے ساتھ خاص کرتے ہوئے فرمایا **انی اعلم غیب السموات و الارض**۔ دعائے استخارہ میں ہے: **انک انت علام الغیوب** [بخاری ج ۱ ص ۱۵۵] مطلب یہ ہے اگر چہ آدم علیہ السلام کو بہت سی ایسی چیزوں کا علم دیا جن کا فرشتوں کو علم نہ تھا مگر فرشتوں سے مطلق علم کی تو نفی نہیں کی مگر علم غیب کی نفی تو فرشتوں سے جنات سے انسانوں سے حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام سب سے ہے۔ ثابت ہوا کہ علم غیب سوائے اللہ کے کسی کی شان نہیں۔

۱) اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

آدم علیہ السلام نے تو اپنے زمانہ میں فرشتوں کو یہ سب کچھ بتا دیا لیکن ہمارے حضور ﷺ نے بھی ایک مرتبہ منبر پر قیام فرما کر ابتدائے آفرینش سے قیامت تک کے سارے حالات پورے بیان کر دیئے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۶۶)

**اقول** [۱] حضرت امام اہل سنتؒ نے ازالۃ الریب میں اس پر مدلل بحث فرما کر یہ ثابت کیا کہ ان احادیث سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اس مجلس میں قیامت تک ہونے والے بڑے بڑے فتنوں کو بیان فرما دیا تھا چونکہ مخاطب یہ بات سمجھ لیتا ہے اس اعتبار سے یہ قیاس خطابی ہے اور جب یہی معنی متعین ہیں دوسرا احتمال قطعاً مردود ہے اس لئے معنی مراد کے اندر یہ برہان ہے [۲] اس حدیث کے ایک راوی حضرت حذیفہؓ ہیں ان کی حدیث کو صاحب مشکوٰۃ نے کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ محدثین نے اس سے فتنوں کا ذکر ہی سمجھا ہے [۳] مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ از روز اول تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ و قطرہ بیان کر دیا (جاء الحق ص ۶۷) یہ نرا سفسطہ ہے کیونکہ اس طرح تو فریق مخالف کے نزدیک نبی علیہ السلام ساری دنیا کی زبانیں جانتے تھے اور ہر ہر انسان کے قول و عمل سے بالتفصیل مطلع ہیں ان کے نزدیک حیا سے گرے ہوئے گیت کا علم بلکہ اس گیت کی کیفیت بھی آپ جانتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو آپ کی ساری بات کو سمجھا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا سارا خطبہ خالص عربی زبان میں تھا۔ فریق مخالف کے عقیدہ کے مطابق تو یہ لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر کسی کی بات اس کی زبان میں نقل کی بلکہ متکلم کے لب و لہجہ میں ادا کی تو بتایئے کہ اس کے اندر فتاوی رضویہ، جاء الحق تقویۃ الایمان اور مقیاس حنفیت بھی سنائی تھی۔ آج کل کے حیا سوز فلمی گانوں کی نسبت کیا خیال ہے؟ تمہاری اس تفسیر سے تو ان بیہودہ گانوں کو صحیح طور پر ادا کرنے کی نسبت بھی بارگاہِ رسالت کی طرف لازم آ رہی ہے مفتی صاحب تو فلمی گانوں کو زبان پر لانا قبیح سمجھتے ہوں اچھروی صاحب تو کسی مغنیہ کا انداز اپنانا اپنے منصب کے خلاف (باقی آگے)

پر روٹی پکائی جاتی ہے یہ فلاں چیز ہے یہ فلاں چیز ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: **اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ** کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا **اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (۱) کہ میں زمین وآسمان کی سب پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہوں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جائیں اور نسبت کرتے ہوان باتوں کی سرورِ کائنات ﷺ کی طرف۔ پھر یہ بھی لازم آتا ہے کہ ان سب لغویات کا علم علمِ نبوت بن جائے اور باعث ثواب ہو۔ الغرض فریق مخالف کا اس سے علمِ غیب کلی پر استدلال سفسطہ ہی ہے۔ (مزید دیکھئے ازالۃ الریب ص ۵۱۰ تا ص ۵۱۷، اساس المنطق ج ۲ ص ۴۴۲ تا ص ۴۴۴)

۱) **غیب السموات والارض** مرکب اضافی ہے اسی طرح علمِ غیب، **علـمُ الغیب**، **عالمُ الغیب** اور **علامُ الغیوب** مرکب اضافی ہیں ان میں اضافت استغراق کیلئے ہیں، جس طرح کہ الغیب اور الغیوب میں الف لام استغراق کیلئے ہے چنانچہ مختصر المعانی ص ۸۲ میں **عالم الغیب والشهادة** کو استغراق حقیقی کی مثال کے طور پر ذکر کیا ہے۔

**سوال:** الف لام کا استغراق کیلئے ہونا تو معروف ہے کیا اضافت بھی استغراق کیلئے ہوتی ہے۔ جیسے حضرت شیخ الہندؒ ارشادِ باری: **وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ** (التوبة:۱۰۵) کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: اور تم جلد لوٹائے جاؤ گے اس کے پاس جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں سے واقف ہے (عثمانی ص ۲۶۹) لفظ 'تمام' استغراق پر دال ہے۔

**جواب:** جی ہاں اضافت بھی استغراق کیلئے ہو جایا کرتی ہے۔ جس کے چند شواہد درج ذیل ہیں: ☆ علامہ تفتازانیؒ "تلخیص المفتاح" کی بڑی شرح میں لکھتے ہیں: او **لافادة الاضـافة جنسية او تعميما كقولهم تدلك على خزامى الارض النفحة من رائحتها يعنى على جنس الخزامى وذلك لان الاسم المفرد حـامـل لـمعنى الجنسية والفردية فاذا اضيف اضافة هى خواص الجنس دون الفرد علم ان القصد به الى الجنس** (مطول ص ۱۴۵ قبل قول الماتن: **واما التنكير فللافراد**) اس سے معلوم ہوا کہ اضافت اگر جنسیت کیلئے ہوا کرتی ہے تو تعمیم یعنی استغراق کیلئے بھی ہوا کرتی ہے۔

☆ علامہ سیوطیؒ اضافت کے فوائد کے تحت فرماتے ہیں:

**ومنهـا الاستـغـراق ولـم يذكروه قال ابن السبكى عجبت من اهل هذا الشأن كيف لم يذكروا ارادة الاستغراق من الاضافة وهى من أدوات العموم كما ان أداة التعريف كذلك بل عموم الاضافة أبلغ** (شرح عقود الجمان فی المعانی والبیان ج ۱ ص ۵۷) "کہ اضافت کا ایک معنی استغراق ہے اور اس کو علماء نے ذکر نہیں کیا سبکیؒ کہتے ہیں مجھے اس فن کے ماہرین سے تعجب ہے کہ انہوں نے اضافت سے استغراق کے ارادے کا ذکر کیوں نہ کیا حالانکہ وہ ادوات عموم سے ہے جیسا کہ لام تعریف استغراق کیلئے ہے بلکہ اضافت کا عموم زیادہ اعلیٰ ہے"۔

☆ درس نظامی میں داخل نصاب کتاب: "**شرح التهذيب**" کے متن: "**التهذيب**" میں علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں: **الذين سعدوا فى مناهج الصدق بالتصديق وصعدوا فى معارج الحق بالتحقيق** ...... خط کشیدہ کے تحت شارح عبداللہ یزدی لکھتے ہیں: **يعنى بلغوا اقصى مراتب الحق فان الصعود على جميع مراتبه يستلزم ذلك** (شرح تہذیب ص ۴) "یعنی وہ حق کے سب سے اونچے مرتبے کو پہنچ گئے اس لئے کہ اس کے تمام مراتب پہ چڑھنا اس کو مستلزم ہے"۔

اس میں **جميع مراتبه** اس کی دلیل ہے کہ شارح کے نزدیک **معارج الحق** میں اضافت استغراق کیلئے ہے۔

☆ فاضل بریلوی سے سوال ہوا کہ ارشادِ نبویؐ: **لعن اللّٰه اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد** سے مرزائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرتے ہیں۔ فاضل بریلوی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اولاً **اَنْبِیَائِهِمْ** میں اضافت استغراق کیلئے نہیں کہ موسیٰ سے یحییٰ **عليهما الصلوة والسلام** تک ہر نبی کی قبر کو یہود ونصاریٰ نے مسجد کر لیا ہو یقیناً غلط ہے...... یہود کے سب انبیاء نصاریٰ کے بھی انبیاء تھے یہود ونصاریٰ کا ان میں بعض کی قبور کریمہ کو (مسجد بنالینا) صدق حدیث کیلئے بس (الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی ص ۱۲ در مجموعہ رسائل ردِ مرزائیت ص ۸۷ ناشر ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فاضل بریلوی کے ہاں بھی اضافت کبھی استغراق کے لئے ہوتی ہے۔

قرآن کریم سے اضافت برائے استغراق کی مثالیں:

☆ **اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ** (البقرة:۲۸۵)

اس میں **مَلٰٓئِكَتِهٖ**، **كُتُبِهٖ** اور **رُسُلِهٖ** میں اضافت استغراق کے لئے ہے کیونکہ مومن وہی ہے جو سب فرشتوں پر ایمان رکھے، اللہ کی نازل کردہ سب کتابوں کو مانے (باقی آگے)

حضرت صوفی صاحبؒ فرماتے ہیں:

جن چیزوں کو غیب کہا وہ مخلوق کے اعتبار سے ہیں اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی پس پردہ نہیں البتہ مخلوق کیلئے بعض چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور بعض پوشیدہ۔

دوسری جگہ ہے: وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ تیرے رب سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں اس پر تو ہر چیز عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عالم الغیب والشہادۃ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سب پیغمبروں کو مانے۔ کیونکہ اگر بعض کے انکار کے بعد بھی انسان مومن رہے تو آج کے یہود و نصاریٰ بھی مومن بنتے ہیں۔

☆ "إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ لا وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلاً ☆ أُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ج وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا☆ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا "(النساء:۱۵۰ تا ۱۵۲) ان آیات میں "رسلہ" میں اضافت استغراق کیلئے ہے اس لئے ایک تو تمام رسولوں پر ایمان ضروری ہے۔ دوسرے اللہ کے رسولوں میں سے کسی بھی ایک رسول کا انکار کفر ہے۔

☆ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ط إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ ج أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ز فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ج قف وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ط انْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ط إِنَّمَا اللَّهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ م لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلاً (النساء:۱۷۱) اس میں "رسلہ" میں اضافت استغراق کیلئے ہے

☆ وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (المائدۃ:۱۲) "رُسُلِيْ" میں رسل کی اضافت استغراق کے لئے ہے۔

☆ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (الحدید:۲۱)

دیکھا آپ نے کہ ان آیات میں "رُسُلِهٖ" اور "رُسُلِيْ" میں رسل کی اضافت استغراق کے لئے ہے اس لئے بعض رسل کا منکر مومن نہیں ہو سکتا، ان تمام رسل پر ایمان کا حکم ہے جن کی نبی ﷺ نے خبر دی صحابہ کرام سب پر ایمان رکھتے تھے جن کی نبوت کی آپ نے خبر دی قادیانی ہرگز ان میں شامل نہیں۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب "آیات ختم نبوت" میں اضافت برائے استغراق سے عقیدہ ختم ختم نبوت کی جگہ استدلال کیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کتاب مذکور کے صفحہ ۲۰۰ تا صفحہ ۲۰۴۔

**فائدہ:** علم غیب ذاتی کلی دائمی محیط اور قطعی ہوتا ہے جبکہ انباء الغیب، اطلاع علی الغیب وغیرہ میں یہ سب قیود یکجا نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کا علم ذاتی ہے دوسروں کا علم عطائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم یقینی و قطعی ہے اس میں کوئی شک شبہ نہیں، دائمی ہے اس پر کوئی نسیان نہیں، کلی ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۳ علم غیب کے کلی ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ "اعلم غیب السموات والارض" میں "غیب" کی اضافت استغراق کیلئے ہے چنانچہ حضرت تھانویؒ ترجمہ کرتے ہیں: بیشک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی...... حاشیہ میں ہے تمام پوشیدہ چیزیں لعموم الغیب ۱۲ (بیان القرآن ج ۱ ص ۲۱)

☆ حضرت صوفی صاحبؒ فرماتے ہیں: إِنِّيْ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو جانتا ہوں جو مخلوق یعنی انسان جن اور فرشتوں کے اعتبار سے خواہ پوشیدہ ہیں یا ظاہر ہیں (معالم العرفان ج ۲ ص ۱۶۱) ☆ ڈپٹی نذیر صاحب نے ترجمہ یوں کیا: آسمانوں کی اور زمین کی سب مخفی چیزیں ہم کو معلوم ہیں (ترجمہ ڈپٹی نذیر ص ۹) ☆ جناب احمد رضا خان بریلوی ترجمہ یوں کرتے ہیں: میں جانتا ہوں آسمانوں و زمین کی سب چھپی چیزیں (کنز الایمان ص ۱۰) ☆ جناب امین احسن اصلاحی صاحب اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کارخانہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ساری حکمتیں اور مصلحتیں صرف اسی کو معلوم ہیں (تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۶۲) یہ عبارتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک "غیب السموات والارض" میں اضافت برائے استغراق ہے۔ (باقی آگے)

اس لئے بولا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے جو مخلوق کے اعتبار سے پوشیدہ ہے یا ظاہر ہے یہاں بھی اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱) کا مطلب یہی ہے کہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **سوال:** کیا نبی ﷺ کیلئے علم غیب عطائی ماننا درست نہیں؟

**جواب:** [۱] نہیں، یہ درست نہیں اس کی بنیاد غلط فہمی ہے حضرت امام اہل سنتؒ فرماتے ہیں بعض اہل علم دیانۃً اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں (ازالۃ الریب ص ۳۴) انہوں نے ان نصوص کو جن میں علم غیب کی نفی ہے اور ان نصوص میں جن میں آپ ﷺ کیلئے علم مذکور ہے جیسے **علمک ما لم تعلم** [النساء:۱۱۳] **یا من انباء الغیب** [آل عمران:۴۴]، ان میں تطبیق دینے کیلئے یہ بات کہی ہے (ازالۃ الریب ص ۱۱۴ تا ۱۱۷) مگر ان حضرات کی اس سے مراد اُن مغیبات کا علم ہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے زمین و آسمان کے ہر ہر غیب کا علم مراد نہیں ہوتا، یا یوں سمجھئے کہ اُن کے ہاں علم غیب کا معنی ہے ''علم بعض الغیب'' جبکہ قائلین علم غیب کی مراد ہوتی ہے ''علم کل الغیب'' دلیل یہ ہے کہ قائلین علم غیب اپنے ہر ہر حال پر مطلع مان کر بعض اللہ والوں کو حل مشکلات کیلئے پکارتے ہیں۔ [۲] بہترین تطبیق یہ ہے کہ نفی علم غیب کی مانی جائے اور اثبات محض علم کا مانا جائے یا **من انباء الغیب** کا۔ منفی مثبت دو الگ الگ امور ہیں تعارض ہے ہی نہیں۔

<u>علم غیب کے بارے میں مفتی احمد یار خان کا ایک اہم حوالہ:</u>

مفتی احمد یار خاں سورۃ النمل آیت ۶۵ نقل کر کے تفسیر مدارک کے حوالے سے لکھتے ہیں: **والغیب ما لم یقم علیه دلیل ولا اطلع علیه مخلوق** [مدارک مع الخازن ج ۳ ص ۳۹۰] ''غیب وہ ہے، جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو'' پھر کہتے ہیں: مدارک کی اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں:

''<u>جو علم عطائی ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں</u>''۔ اب کوئی اشکال نہ رہا جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے (جاء الحق ص ۹۷)

مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ چونکہ مخلوق کا علم ہوتا ہے عطائی ہے اس لئے اس کو علم غیب کہا ہی نہیں جا سکتا۔ علم غیب سے مراد ہوتا ہے علم الٰہی ہے کیونکہ وہی ذاتی ہے تو مخلوق کیلئے علم غیب کو ماننا شرک ہوگا۔ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ نے فیوض قاسمیہ ص ۴۷ میں علم غیب کو اللہ ہی کیلئے مانا، اور رسالہ اسرار الطہارۃ میں غیر اللہ کیلئے علم غیب کو شرک قرار دیا۔ (دیکھئے حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت ص ۸۷)

۱) آیت کریمہ میں ایجاز ہے اس لئے کہ جیسے اللہ تعالیٰ غیب کو جانتا ہے حاضر کو بھی جانتا ہے مگر غیب جاننے کے ذکر پر اکتفاء کیا کیونکہ غیب کے جاننے سے دلالۃ النص کے طور پر ثابت ہوا کہ وہ حاضر کو بھی جانتا ہے علامہ الوسیؒ فرماتے ہیں: **ولا یخفی ما فی الآیة من الایجاز اذا کان الظاهر (اعلم غیب السموات والارض) وشهادتهما الا انه سبحانه اقتصر علی (غیب السموات والارض) لانه یعلم منه شهادتهما بالاولیٰ** (روح المعانی ج ۱ ص ۲۲۸) آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ عقیدہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے سے ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ ہے۔

**تنبیہ:** مفتی احمد یار خان صاحب **انی اعلم غیب السموات والارض** کے تحت لکھتے ہیں:

**انی اعلم غیب السموات والارض** کہ میں آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں۔ بہت پر لطف بات یہ ہے کہ اس واقع سے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کا علم غیب معلوم ہوا تھا [غیب کا لفظ خود لگایا۔ راقم] مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے تم کو میرا علم معلوم ہوگیا [یہاں اس نے غیب کا لفظ حذف کر دیا۔ راقم] جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کا کمال رب کے کمال کا آئینہ ہے انہی کی عظمت سے رب کی عظمت معلوم ہوتی ہے کیونکہ شاگرد کی قابلیت سے استاد کے علم کا پتہ چلتا ہے دیو بندیوں کے یہاں خدا کی تعظیم نبیوں کی توہین سے ہوتی ہے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۶۷)

**اقول:** [۱] اس سے بھی پر لطف بات یہ ہے کہ اس واقع سے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کا ''علم'' معلوم ہوا مگر یہ کہتا ہے ''علم غیب'' معلوم ہوا ''غیب'' کا لفظ خود بڑھا دیا، فرشتوں نے چیزوں کے اسماء کے علم کی نفی کی تھی کہا تھا **لا علم لنا الا ما علمتنا**، اس کے بالمقابل آدم علیہ السلام کا ''علم'' ظاہر ہوا یہ کہتا ہے ''علم غیب'' ظاہر ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ''علم غیب'' کا ذکر کیا فرمایا: **انی اعلم غیب السموات والارض** مگر یہ کہتا ہے کہ ''رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے تم کو میرا ''علم'' معلوم ہو گیا'' مفتی صاحب کے اس رویے کو عظمت خداوندی کے بیان سے مثالی نفرت نہ کہا جائے تو اسے کیا نام دیا جائے؟ [۲] کہتا ہے کہ انبیاء کی عظمت سے رب کی عظمت معلوم ہوتی ہے ارے کیا رب تعالیٰ کے بتانے سے عظمت معلوم نہیں ہوتی؟ کیا تجھے رب کی بات پر اعتبار نہیں؟ رب نے جو کہہ دیا کہ غیب میں ہی جانتا ہوں؟ اس کے رسول نے جو فرما دیا کہ (باقی آگے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین آسمان کی تمام چیزوں کو جانتا ہوں جو مخلوق یعنی انسان جن فرشتوں کے اعتبار سے خواہ پوشیدہ ہیں یا ظاہر ہیں حتیٰ کہ آدم علیہ السلام کی صلاحیت اور اس کے کمال کو بھی جانتا ہوں۔

ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کے دِل میں یہ بات آئی ہو کہ اے مولا کریم! ہم تیری تسبیح و تقدیس بیان کرنے والے ہیں اگر زمین میں نیابت کی ضرورت ہے تو ہم حاضر ہیں۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** (۲) کہ میں ہر اس چیز کو جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو، یا چھپاتے ہو۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) غیب اللہ ہی جانتا ہے (مستدرک حاکم ج ا ص ۷ علی شرط مسلم دیکھئے ازالۃ الریب ص ا) یہ باتیں تجھے برداشت کیوں نہیں ہیں؟ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق میں نبیوں کی توہین ہے۔ خدا ہی سمجھ عطا فرمائے [۳] کیا خدا کی مخلوقات خدا کی قدرت پر دلیل نہیں اگر صرف انبیاء کی عظمت سے خدا کی عظمت معلوم ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا اپنی قدرت کی دیگر نشانیاں ذکر کرنا عبث ہوتا۔ پھر عجیب بات ہے کہ خدا کی عظمت کے کسی حد تک منکرین انبیاء بھی قائل تھے کہ جو لوگ باوجود شرک کرنے کے اللہ تعالیٰ کو کائنات کا رب مانتے تھے [العنکبوت: ۶۱، ۶۳، لقمان: ۲۵، الزمر: ۳۸، الزخرف: ۹، ۸۷] امام ابوحنیفہؒ نے کیوں فرمادیا کہ جس شخص کو انبیاء کی دعوت نہ ملی اس پر ضروری ہے کہ وہ اپنی عقل سے خالق کو پہچانے (اصول الشاشی ص ۹۷ بحث الامر) شاگرد سے استاد کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے اس کا کوئی منکر نہیں مخلوق کے کمالات سے خالق کے کمالات کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ بندوں پر اپنے احسانات ذکر نہ فرماتا [۴] ہمارے ہاں اللہ کی محبت بھی ضروری ہے اس کے رسول ﷺ کی بھی اور یہ ہمارے اصولوں میں داخل ہے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی ادنیٰ سی گستاخی بھی قابل برداشت نہیں تمہارے الزامات کا اللہ تم سے حساب لے گا حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے کیا عجیب بات کہی فرماتے ہیں:

قہوۂ حمد را سزد انور　　　دارچینی زنعت مصطفیٰ

[شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ اے انور شاہ کشمیری حمد خداوندی کے قہوہ کیلئے مصطفیٰ ﷺ کی نعت سے دارچینی ضروری ہے]

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس شعر کا مطلب یوں بیان کیا کہ حمد خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک کہ نعت رسول ﷺ نہ کہی جائے (انوار انوری ص ۲۰۸) الحمدللہ ہماری توحید پر مشتمل سب کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا ادب واحترام سے ذکر ضرور ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ کا رسول ہی مانا جاتا ہے اور آپ کو اللہ کا رسول کہنا بھی تو نعت ہے۔

(۲) **"وما کنتم تکتمون"** کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

تفسیر عزیزی میں اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ فرشتوں کی بعض صفتیں بالکل ظاہر تھیں جیسے رب تعالیٰ کی عبادت کرنا، اور ان کا گناہوں سے معصوم ہونا وغیرہ وغیرہ اور بعض صفتیں ایسی چھپی ہوئی تھیں جن کی خود ان کو بھی خبر نہ تھی کہ ہم کو رب نے یہ قوتیں بھی عطا فرمائی ہیں جیسے عورتوں کے رحم میں بچہ بنانا، مسجدوں کی خدمت کرنا، لوگوں کی جانیں نکالنا...... <u>زندوں کی نذر و نیاز مردوں تک پہنچانا</u>، مسلمانوں کے درود سبز گنبد کے اندر لے جا کر شہنشاہِ کونین کی خدمت میں حاضر کرنا (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۶۸)

**اقول** [۱] خط کشیدہ الفاظ کا تعلق قیامت سے نہیں قبر سے ہے کیونکہ قیامت کے دِن کوئی مردہ نہ ہوگا سب ہی زندہ ہوں گے وہاں تو قربانی کے جانور بھی زندہ ہوں گے تو اس عبارت کا تعلق عالم برزخ سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو چیز ایصال ثواب میں دی جائے اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے اس کا ثواب فوت شدہ مسلمانوں کو پہنچا دیتے ہیں، اور اگر مولانا احمد رضا خان کی وصیت کو دیکھا جائے کہ میرے مرنے کے بعد احباب فلاں فلاں چیز بھیج دیا کریں (دیکھئے وصایا شریف ص ۹) تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زندوں کی طرف سے ایصال ثواب میں دی ہوئی چیز بعینہٖ فوت شدہ کو پہنچتی ہے مگر یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ تقسیم میراث کی آیت پر عمل کے نام سے جو تیجا کیا جاتا ہے جس کا ذکر خزائن العرفان میں سورۃ النساء کی آیت ۸ کے تحت کیا گیا ہے اس تیجے کا کھانا تو حاضرین کے پیٹ میں جائے مردوں کو کیسے پہنچے؟ علاوہ ازیں اگر تیجہ میں کھلایا جانے والا مال مردے کو پہنچے تو ترکہ وارثوں کو کیسے ملے؟ وہ بھی تو تیجہ کے مال کی طرح فوت شدہ کو ہی پہنچنا چاہیئے۔ [۲] اس قسم کے نظریہ کا ہندوؤں میں پایا جانا پنڈت دیانند سرسوتی نے ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے کسی دیہاتی کی ایک بہت عمدہ گائے تھی اس کے باپ کی موت کے وقت ایک پنڈت اگلے جہان کے عذاب سے بچانے کے نام پر وہ گائے اپنے گھر لے گیا دیہاتی نے بادِل ناخواستہ دے دی جب رسم و رواج کے دن گزر گئے تو دیہاتی پنڈت کے گھر گیا، دیکھا وہ گائے بندھی ہوئی ہے کہنے لگا تو تو کہتا تھا یہ گائے میرے باپ کو فلاں ندی پار کروائے گی یہ تو یہاں بندھی ہوئی ہے پنڈت کہنے لگا اس جیسی ایک گائے وہاں پیدا ہوگئی کہنے لگا تجھے کیسے پتہ چلا؟ پنڈت کہنے لگا فلاں کتاب میں لکھا ہوا ہے کہنے لگا اسے تیرے بڑوں (باقی آگے)

اے فرشتو! شاید تمہارا خیال ہو کہ جو صلاحیت ہم میں پائی جاتی ہے وہ آدم میں نہ پائی جاتی ہو مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے آدم میں وہ کمال رکھ دیا ہے جہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہے لہٰذا نیابت کا حقدار آدم علیہ السلام ہی ہے۔ (از معالم العرفان ج ۲ ص ۱۶۰، ۱۶۱) جبکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے تیرے کیلئے لکھ دیا ہوگا یہ کہہ کر وہ گائے کھول کر اپنے گھر لے آیا (دیکھئے ستیارتھ پرکاش طبع چہارم ص ۴۵۰ تا ۴۵۲ نیز دیکھئے ص ۳۷۲)

☆ اسی آیت کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ذریعے انبیاء کرام کو علم ملتا ہے کیوں کہ وحی اور کتاب فرشتے ہی لے کر آتے ہیں مگر حقیقت میں نبی کے ذریعے فرشتوں کو علم ملا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا۔ اب نبی کے پاس جو وحی آئے گی وہ ان کے علم میں پہلے سے ہوگی اس وحی سے یا تو ان کا علم ظاہر ہوگا، یا ان کا ذہول اور زیاں دور ہوگا ہمارا یہ دعویٰ حضرت آدم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے متعلق ہے۔ (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۶۸)

**اقول** [۱] بظاہر ہی نہیں حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے کہ انبیاء کو فرشتوں کے ذریعے بھی علم ملتا تھا تیرے کہنے کا مطلب تو یہ ہے کہ فرشتے انبیاء کرام کو بھولی ہوئی باتیں ہی یاد کرواتے ہیں [۲] ارے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتے اللہ کی جو حمد و ثناء کرتے تھے اس کے لئے انہوں نے کس نبی سے تعلیم پائی تھی؟ [۳] فرشتوں نے جو چیزوں کے نام نہ بتائے وہ اس لئے نہیں کہ وہ سارے علوم آدم علیہ السلام سے حاصل کرتے تھے بلکہ اس لئے کہ اللہ نے ان کو ان چیزوں کے ناموں کا علم عطا نہ فرمایا تھا اس لئے فرشتوں نے یہ نہ کہا تھا کہ ہمیں تو کسی نبی نے سکھایا ہی نہیں بلکہ یہ کہا **سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا** [۴] آدم علیہ السلام کے نام بتا دینے سے یہ کیسے لازم آیا کہ فرشتوں کی سابقہ ساری معلومات بواسطہ آدم علیہ السلام تھیں اور یہ کہ فرشتے انبیاء علیہم السلام کے پاس جو وحی لاتے تھے وہ فقط ذہول کو دور کرنے کیلئے ہوتی تھی۔ مفتی صاحب سمجھتے ہیں کہ شاید ان کیلئے صرف دعویٰ ہی کافی ہے۔ اپنے دعوے پر کوئی دلیل بھی تو پیش کر۔ اور دلیل ایسی ہو جو شان نزول کی قطعی صریح روایات سے بھی زیادہ محکم ہو [۵] آیت کریمہ سے اتنا تو معلوم ہوا کہ چیزوں کے نام آدم علیہ السلام نے بتائے فرشتے نہ بتا سکے مگر اس سے یہ کس دلالت سے پتہ چلا کہ فرشتوں نے پہلے بھی جو علم پایا وہ حضرت آدم کی وساطت سے پایا؟ دلالت مطابقی سے یا تضمنی سے یا التزامی سے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام کے بتا دینے سے فرشتے سمجھ گئے؟ آدم علیہ السلام کے بتا دینے سے آدم علیہ السلام کا اور فرشتوں کا علم برابر تو نہیں ہوا۔ حقیقت یہی ہے کہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، کسی کو واسطہ بنا کر دے دے یا بلا واسطہ عطا کر دے۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

حضرات انبیاء کرام رب کی طرف سے مالک و مختار ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جو بھی جس کو دیتا ہے وہ اُن کے ذریعہ سے دیکھو رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بلا واسطہ علم عطا فرمایا لیکن فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے ذریعے حالانکہ وہ اس پر بھی قادر تھا کہ فرشتوں کو سب کچھ خود ہی بتا دے مگر نہ بتایا (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۶۹)

**اقول** [۱] بیشک اللہ تعالیٰ بہت سی نعمتیں انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے دیتا ہے مگر اس میں انبیاء علیہم السلام کا علم یا اختیار تو ضروری نہیں جیسے اولاد کے پیدا ہونے میں ماں باپ واسطہ ہیں مگر کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ خاوند بیوی اولاد کی تمنا کرتے ہیں اس کیلئے دعائیں بھی کرتے ہیں علاج معالجہ بھی کرواتے ہیں اولاد نہیں ہوتی اور کتنی مرتبہ نہ چاہتے ہوئے بھی اولاد ہو جاتی ہے اسی طرح ایمان کی نعمت انبیاء کے واسطہ سے ملتی ہے مگر انبیاء علیہم السلام کی چاہت کے باوجود بہت سے لوگ ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں [۲] آدم علیہ السلام کے بتا دینے سے فرشتوں کو یہ تو پتہ چل گیا کہ آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے اسماء کا علم ہے مگر فرشتوں کو تو سب اسماء کا علم نہ ہو گیا تھا۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

جو بغیر وسیلۂ انبیاء خدا تک پہنچتا ہے وہ محض بے وقوف ہے فرشتوں کو جو کہ نوری ہیں رب کا قرب خاص آدم علیہ السلام کے ذریعے عطا ہوا شیطان نے براہِ راست خدا تک پہنچنا چاہا مردود کر کے نکال دیا گیا آج بھی شیاطین جب آسمان پر جانا چاہتے ہیں تو ان کو شہاب (ٹوٹا ہوا تارا) سے مار دیا جاتا ہے کیونکہ وہ مدینہ والے راستے کو چھوڑ کر براہِ راست جانا چاہتے ہیں (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۶۸)

**اقول** [۱] تجھے کس نے کہہ دیا کہ شیطان رب تک پہنچنا چاہتا تھا؟ رب تعالیٰ تک پہنچا جاتا ہے اس کی بندگی کر کے اس کے سامنے عاجزی و انکساری کر کے نہ کہ فضاؤں میں اڑ کر [۲] آدم علیہ السلام نے نہ شیطان کو تبلیغ کی، نہ کسی کام کا حکم دیا۔ اللہ نے خود شیطان کو حکم دیا تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے [الاعراف: ۱۲] فرشتوں نے (باقی آگے)

جملہ: **واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون** تفصیل ہے جملہ: **انی اعلم ما لا تعلمون** کی، وہاں اور الفاظ تھے یہاں اور الفاظ ہیں مطلب دونوں کا ایک ہی ہے فرشتوں کے خیال سے اس کا کوئی تعلق نہیں واللہ اعلم (از بیان القرآن ج ا ص ۱۲ مع حاشیہ)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جو آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اس میں آدم علیہ السلام کی نہیں کی، اللہ کی اطاعت کی ہے [دیکھئے البقرۃ: ۳۴] ہاں ہمارے لئے آنحضرت ﷺ کے ذریعہ کے بغیر گزارا نہیں ہمیں تو ان واقعات کا علم بھی آنحضرت ﷺ کی وساطت سے ہوا ہے [۳] جنات آسمان پر جاتے خدا کی نافرمانی کرنے کو نہ کہ رب کا وصل پانے کیلئے مگر تجھے اتنے واضح حقائق بھی سمجھ نہیں آتے۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

مولوی اشرف علی صاحب نے اس جگہ کمال ہی کر دیا وہ تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے ان نام بتانے سے فرشتے چیزوں کے نام بھی نہ سمجھ سکے بلکہ اس تمام تقریر سے ان کو صرف آدم علیہ السلام کے علم کا پتہ چلا یعنی انہوں نے صرف اتنا سمجھا کہ آدم علیہ السلام واقعی بڑے عالم ہیں پھر مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ جیسے ناسمجھ کے سامنے کوئی سمجھدار آدمی کسی باریک مسئلے کی تقریر کرے تو وہ ناسمجھ اس تقریر سے وہ مسئلہ نہ سمجھے گا مگر اس عالم کے زورِ علمی کا قائل ہو جائے گا۔ سبحان اللہ یہاں تو آدم علیہ السلام کے ایسے خیرخواہ بنے کہ فرشتوں سے بڑھ چڑھ کر انہیں عالم مان لیا لیکن یہی صاحب سید الانبیا ﷺ کا علم جانوروں اور پاگلوں کی طرح بتا رہے ہیں اور انہیں کے قوت بازو مولوی خلیل احمد صاحب شیطان اور ملک الموت کا علم حضور سے زیادہ مان رہے ہیں اور ان کے پیشوا مولوی قاسم حضور کا علم آدم علیہ السلام سے زیادہ مانتے ہیں ان صاحبوں کے کلام سے یہ ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام کا علم سارے فرشتوں اور شیطانوں سے زیادہ کیونکہ اس موقع پر شیطان بھی چیزوں کے نام نہ بتا سکا اور حضور علیہ السلام کا علم آدم علیہ السلام سے زیادہ تو نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ حضور کا علم سارے فرشتوں اور شیطان سے کہیں زیادہ مگر ان صاحبوں نے نتیجہ یہ نکالا کہ حضور کا علم ملک الموت اور شیطان سے کم۔ واللہ یہ الٹی منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۶۹، ۲۷۰)

**اقول** [۱] تجھے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ تقسیم ترکہ کی آیت تقسیم ترکہ پر نہیں تیجا پر دلالت کرتی ہے (خزائن العرفان ص ۱۱۵) پتہ ہے کہ لوگ ترکہ کی تقسیم میں سستی کرتے ہیں مگر اس کی تاکید نہیں کرتا تیجے کا فکر پڑ گیا جس میں علاوہ بدعت ہونے کے اکثر بلاواسطہ یا بالواسطہ یتیموں، نابالغوں کا حق لگا ہوتا ہے۔ بالواسطہ اس طرح کہ اگر سب ورثہ بالغ ہیں اور بعض یا کل صاحب اولاد ہیں تو جو کچھ وارث کے حصے میں آئے گا اس سے اس کی نابالغ اولاد کو بھی فائدہ ہوگا مگر تیجے کے نام سے مولوی ان نابالغوں کا حق کھاتے ہیں، اور بدنام دوسروں کو کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کی گستاخی کر دی۔ لگتا ہے کہ ایسے الزامات بری کمائی کے اثرات ہیں [۲] شیطان کا موازنہ کرنا ہے تو احمد یار خان گجراتی یا نعیم الدین مرادآبادی سے کر جنہوں نے ترکہ کے تقسیم سے یتیموں کے حق کھلانے والے تیجہ پر استدلال کیا، شیطان کے علم کی بابت سوال کرنا ہے تو مولوی عبدالسمیع رامپوری سے کر جو انوار ساطعہ ص ۵۳ میں نبی ﷺ کی نسبت شیطان کا حاضر ناظر ہونا زیادہ جگہ مانتا ہے [۳] خط کشیدہ الفاظ ہرگز علمائے دیوبند کے نہیں، تو خود ہی الزام لگاتا ہے۔ خود ہی فتوے دیتا ہے۔ حضرت تھانویؒ اور حضرت سہارنپوریؒ نے اپنے عقائد کی وضاحت کر دی تجھے دنیا میں ان کی بات سمجھ نہ آئی تو کیا ہوا؟ آخرت میں فرشتے سمجھا دیں گے کہ کفریہ عبارت بنا کر کسی کی طرف منسوب کر کے اسے کافر کہنا کیسا ہوتا ہے؟ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (النساء: ۱۱۲) [۴] آدم علیہ السلام کے علم سے آنحضرت ﷺ کے علم کے زیادہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ہر ہر معلومات کا آپ ﷺ کو علم ہو بلکہ کلی فضیلت مراد ہے کہ جیسی بے مثال کتاب آپ ﷺ کو عطا ہوئی کسی اور کو نہ ہوئی جیسی جامع اور کامل شریعت آپ کو ملی کسی اور کو نہ ملی جیسے جامع کلمات آپ کو عطا ہوئے کسی کو نہ ہوئے۔ جتنی پیشگوئیاں آپ ﷺ کی کسی اور کی نہیں۔ مثال درکار ہو تو لیجئے کہ فاضل بریلوی کو اگر احمد یار خان سے بڑا عالم مانا جائے تو یہ مطلب تو بریلوی بھی شاید نہ لیں کہ تفسیر نعیمی کا ایک ایک صفحہ فاضل بریلوی کے علم میں تھا۔

☆☆☆☆☆

## ﴿سوالات﴾

آیت :وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کا ربط تحریر کریں اور بتائیں کہ ''إِذْ'' اسم ظرف یہاں ترکیب میں مفعول فیہ ہے یا مفعول بہ اور کیوں؟ ☆ مفتی احمد یار خان نے ''وَإِذْ قَالَ'' اور ''أَلَمْ تَرَ'' سے اپنے نظریہ کے مطابق عقیدۂ علم غیب اور حاضر ناظر پر کیسے استدلال کیا اور جواب کیا ہے؟ ☆ ''وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ'' [آل عمران:۴۴] کا ترجمہ مفتی احمد یار خان نے کیا کیا، اور کیوں؟ نیز جواب کیا ہے؟ ☆ لفظ مَلَكٌ اور لفظ مَلٰٓئِكَةٌ کی اصل اور وزن میں صرفیوں کا اختلاف ذکر کریں اور بتائیں کہ راجح قول کیا ہے؟ ☆ مسجودِ ملائکہ ہونے سے بشر کی عظمت ثابت کریں ☆ قرآن وحدیث سے فرشتوں کا وجود ثابت کریں اور اللہ کی طرف سے فرشتوں کے ذمہ لگائے گئے کچھ کام ذکر کریں ☆ فرشتوں کے بارے میں سرسید کا نظریہ اور اس کا رد تحریر کریں ☆ عقل ونقل میں تعارض کے وقت ترجیح کا ضابطہ تحریر کریں ☆ سرسید نے کہا تھا کہ قرآن وحدیث کی کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہونی چاہئے۔ حضرت نانوتویؒ نے اس کے جواب میں کیا ارشاد فرمایا تحریر کریں پھر فقہائے اسلام سے اس کی تائید لکھیں ☆ نبوت کو ملکہ قرار دینے والوں کا محمد علی لاہوری نے کیسے رد کیا؟ اور اس میں کمزوری کیا ہے؟ ☆ فرشتوں کا قاصد ہونا انبیاء علیہم السلام کیلئے علم غیب کو ثابت کرتا ہے یا اس کی نفی کرتا ہے اور کیسے؟ ☆ فرشتوں کی تعداد کے بارے میں مفتی احمد یار خان نے جو روایت دی اس کا درجہ ذکر کریں اور بتائیں کہ یہ روایت امکان نظیر کی مؤید ہے یا نہیں ☆ جو شخص کسی جنگل میں پھنس جائے اُس کا آواز دے کر أَعِينُونِي عِبَادَ اللّٰهِ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ کہنا کس معنی میں ہوگا ☆ خلیفہ کا معنی کیا ہے؟ اور انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کس معنی میں ہے؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ فرشتوں کے قول: أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ الخ میں نہ مشورہ تھا، نہ اعتراض اور نہ انسانوں سے حسد۔ پھر بتائیں کہ فرشتوں کے اس قول کا منشا کیا تھا؟ ☆ محمد عمار خان ناصر لکھتا ہے کہ اب: ''غیر مسلم انسانی اور قانونی حقوق کے لحاظ سے مسلمانوں کے مساوی تصور کئے جائیں گے'' اس کا رد کریں ☆ امین احسن اصلاحی صاحب کے قول ''اپنی مرضی ہی فساد ہے جس کا نتیجہ خون ریزی اور بغاوت ہے'' پر تبصرہ کریں ☆ مفتی احمد یار خان کی وہ عبارت ذکر کریں جس سے سمجھ آتا ہے کہ حاضر ناظر اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ ☆ مفتی احمد یار خان سے ثابت کریں کہ اصل کرامت سنتِ نبوی پر استقامت ہے نہ کہ عجیب وغریب کام دکھانا۔

☆ اس شعر کا ترجمہ کریں: ''فَإِنَّكَ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهِرْنَ أَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ'' اور بتائیں کہ مفتی احمد یار خان نے یہ کہاں لکھا کہ حضرت نانوتویؒ نے اس مضمون کو تحذیر الناس میں لکھا ہے، ☆ حضرت نانوتویؒ نے ختم نبوت کی کتنی قسمیں بتائیں اور اس شعر میں خاتمیت کی کونسی قسم مذکور ہے ☆ حضرت نانوتویؒ کو منکر ختم نبوت کہنا عقیدۂ ختم نبوت کی خدمت ہے یا ختم نبوت کے کام میں رکاوٹ ہے اور کس طرح؟ ☆ حضرت نانوتویؒ کو منکر ختم نبوت کہنے والے دوہرے گناہ کے مرتکب کس طرح ہیں؟ ☆ سورۃ البقرۃ آیت ۳۰ کے تحت مفتی احمد یار خان صاحب نے ردِ شیعہ میں کچھ لکھا اس کا خلاصہ تحریر کریں ☆ عالم الغیب تو اللہ ہی ہے پھر فرشتوں نے یہ کس طرح کہہ دیا تھا کہ انسان فتنہ فساد کریں گے؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ سب سے پہلے قیاس کرنے والے فرشتے تھے ☆ نام نہاد جماعت المسلمین کے امیر کی اس بات پر تبصرہ کریں:

'' فرشتوں کی خواہش کہ وہ خلیفہ بنائے جائیں دلالۃ النص سے ثابت ہوتی ہے'' نیز یہ بتائیں کہ اس جماعت کو جماعت المسلمین کہا جائے یا نام نہاد جماعت المسلمین اور کیوں؟ ☆ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کا معنی تحریر کریں اور بتائیں کہ اس سے فرشتوں کا مقصد کیا تھا؟ ☆ مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے: ''جب سے انسان پیدا ہوا ہے خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا چلا آیا ہے'' اس میں قادیانیت کی طرفداری کس طرح پائی جاتی ہے؟ ☆ مرزا محمود کی اس بات پر تبصرہ کریں: ''نبی کی ضرورت کلی طور پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ اپنا کام پورا کر لیتا ہے'' ☆ أَتٰى أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ کا معنی کیا ہے؟ مرزا محمود نے کیا معنی کیا؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ اسلام کی طرف دعوت دینے کا طریقہ وہ نہیں جسے مرزا قادیانی نے اپنایا، اسلام کی طرف دینے کا طریقہ وہ ہے جسے حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ نے اپنایا ☆ مرزا محمود کہتا ہے: انبیاء کی زندگی میں اس کی ناقابل انکار مثالیں پائی جاتی ہیں طوفان کے وقت حضرت نوحؑ کا محفوظ رہنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دشمنوں کا آگ میں ڈالنے کی کوشش کرنا لیکن باوجود کوشش کے آگ کا نہ جلنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمندر میں سے گذرنے کے وقت ان کی قوم کا بچ جانا، لیکن فرعون کی فوج کے سمندر میں داخل ہوتے ہی طوفان کا آجانا اور پانی زمین پر چڑھ جانا اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر لٹکائے جانے کے وقت آندھی کا آجانا اور یہود کے عقیدہ کے مطابق کہ سبت کے دن کوئی شخص صلیب پر نہ لٹکا رہے ان کا چند گھنٹوں میں صلیب پر سے اتارا جانا اور صلیبی موت سے محفوظ رہنا۔ رامچند رجی [ہندوؤں کے پیشوا۔ راقم] کا باوجود اکیلے ہونے اور دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے ہونے کے راون پر فتح پانا، کرشن جی [ہندوؤں کے پیشوا۔ راقم] کا زبردست دشمنوں کے مقابلہ پر جبکہ ان کے ساتھی جی چھوڑ رہے تھے فتح پانا، زردشت [مجوسیوں کے پیشوا۔ راقم] کا زبردست

مخالفتوں کے باوجود کامیاب ہونا اوران سب سے آخر لیکن شان کے لحاظ سے سب سے شاندار طور پر رسول کریم ﷺ کا تن تنہا سارے عرب کا مقابلہ کرنا اور غیر معمولی سامانوں سے فتح پانا یہ سب ایسے واقعات ہیں کہ کوئی اندھا ہی ان کے غیر معمولی ہونے کا انکار کرسکتا ہے'' اس عبارت میں مرزا محمود نے کچھ کفریات ڈالے ہیں نشاندہی کریں ☆ ثابت کریں کہ آدم علیہ السلام کو جنت الماویٰ میں ٹھہرایا گیا تھا، نہ دنیا کے کسی باغ میں، پھر مرزا محمود کے اعتراضات کے جوابات تحریر کریں ☆ مرزا محمود نے ابلیس اور فرشتوں کے کلام کرنے کا کس طرح انکار کیا اور جواب کیا ہے؟ ☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے اس وقت......جن کا تقویٰ کامل نہیں ہوتا وہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور آخر ملائکہ کی صف سے نکل کر ابلیسوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں'' اس میں اس نے قادیانیت کی ترجمانی کس طرح کی؟ ☆ آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں اس بارے میں مرزائیوں کے کچھ حوالے ذکر کریں ☆ انسان کو پیدا کرنے کی کچھ حکمتیں ذکر کریں ☆ مرزا محمود کی وہ عبارت ذکر کریں جس میں اس نے فرشتوں کو پولس کے ساتھ ملانے کی کوشش کی پھر اس کا جواب بھی لکھیں ☆ مرزا محمود کی اس عبارت پر تبصرہ کریں: ''فرشتوں کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ کیا شریعت کے نزول کے بعد بشر کی حالت بدل جائے گی'' ☆ مرزا محمود درج ذیل عبارات میں کیا کہنا چاہتا ہے؟ [۱] ''**لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا**...... یہ حدیث قدسی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نسبت وارد ہوئی ہے بعض اور کامل وجودوں کو بھی اس قسم کے الہام ہوئے ہیں'' [۲] ''خلیفہ کا وجود خدا کی ظل ہوتا ہے'' ☆ مرزا محمود کی وہ عبارت پیش کریں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا محمود اللہ تعالیٰ سے صفت کلام، صفت سمع اور صفت بصر سب کی نفی کر رہا ہے۔ پھر بتائیں کہ صحیح عبارت کیا ہونی چاہیے؟ ☆ مرزا محمود کی اس بات پر تبصرہ کریں: ''خدا تعالیٰ نے یکدم ایک بشر یعنی آدم کو پیدا کر دیا اور پھر اس کی پسلی سے اس کی بیوی بنا دی اور ان سے آگے انسانی نسل چلی۔ اس خیال کی تصدیق قرآن کریم سے ہرگز نہیں ہوتی بلکہ یہ بیان بائبل اور دوسری کتب کا ہے'' نیز بتائیں کہ ''**وَاَمَرَ الْمَلٰٓئِکَۃَ فَسَجَدُوْا لَکَ**'' کے ترجمہ میں مرزائیوں نے کیا خرابی کی؟ ☆ نظریہ ارتقاء کیا ہے مرزا محمود نے اس کو کس مقصد کیلئے پیش کیا نیز اس نظریہ کا جاندار رد تحریر کریں اور یہ بھی بتائیں کہ یہ نظریہ کس نے پیش کیا اور کیوں؟ ☆ مرزا محمود نے انسان کی پیدائش پر آنے والے جو اطوار ذکر کیے اور ایک کے بارے میں کہا کہ وہ زمین وآسمان کی تخلیق سے قبل ہے ان پر تبصرہ کریں ☆ فرمان علی شیعہ کا وہ کلام پیش کریں جس میں اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں مختلف نصوص میں تطبیق ذکر کی ہے ☆ **مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ** کا معنی کیا ہے، مرزا محمود نے کیا معنی کیا؟ مرزا محمود کی بات نقل کر کے اس کا جواب تحریر کریں ☆ آدم علیہ السلام جسمانی طور پر ابو البشر ہیں یا نہیں مرزا محمود کیا کہتا ہے صحیح کیا ہے اور کیوں؟ ☆ ''خلیفہ بنانے سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ اس سے پہلے کوئی انسان نہ تھا'' مرزا محمود اس عبارت سے کیا کہنا چاہتا ہے جواب کیا ہے؟ ☆ مرزا محمود نے: **وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** [الاعراف: ۱۱]، **وَلَقَدْ عَھِدْنَآ اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا** [طٰہٰ: ۱۱۵]، **اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ** [آل عمران: ۵۹]، **وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ** [الحجر: ۲۸]، **فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ** [الحجر: ۲۸، ۲۹]، **فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ** ☆ **فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ** [سورۃ ص آیت ۷۲، ۷۳]، **اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ** ☆ **ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ** ☆ **ثُمَّ سَوّٰىہُ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ** [السجدہ: ۷تا۹] کے معانی میں کیا کیا تحریفات کیں، جواب بھی ذکر کریں ☆ مرزا محمود کہتا ہے: **اُسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ**...... کے یہ معنی بنتے ہیں کہ اس وقت آدم کے اور بھی ہم جنس موجود تھے'' اس کا استدلال مع جواب تحریر کریں نیز بتائیں کہ جنت میں رہنے کیلئے تو فرمایا: **اُسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ**۔ نکلنے کیلئے جمع کا صیغہ: **اِھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعًا** ایسا کیوں؟ ☆ مرزا محمود کہتا ہے: ''شیطان جس نے آدم کو دھوکہ دیا اس وقت کے بشروں میں سے ایک بشر تھا''، نیز کہتا ہے ''ابلیس اور شیطان میں فرق ہے'' مرزا محمود کی دلیل مع جواب ذکر کریں ☆ ثابت کریں کہ مرزا محمود نے اپنی کتابوں میں **سورۃ اللھب** کی پہلی آیت کا ترجمہ وتفسیر نہیں، بلکہ اس سے استہزاء کیا ہے ☆ مرزا محمود کی وہ عبارت ذکر کریں جس میں کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے ساتھ اور بھی ہم جنس جنت ارضی میں رہتے تھے، آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی ان کو اس جنت سے نکالا گیا پھر اس کا رد بھی کریں ☆ آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کے نکاح کے بارے میں مرزا محمود کا نظریہ لکھ کر اس پر تبصرہ کریں ☆ آدم علیہ السلام کے زمانے میں انسانوں کے پائے جانے کے بارے میں مرزا محمود نے ابن عربیؒ کے کسی کشف سے استدلال کیا ہے وہ کشف ذکر کریں پھر دلیل کے ساتھ مرزا محمود کے استدلال کا جواب تحریر کریں ☆ دوسری زمینوں میں اگر انسانوں کا سلسلہ ہو تو ان کے جد امجد ہمارے باپ آدم علیہ السلام ہی ہیں

---

۱) یاد رہے کہ پسلی سے عورت کے پیدا کیے جانے کا ذکر صحیح حدیث میں ہے۔ دیکھیے سورۃ النساء کی پہلی آیت کے تحت تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۴۴۹

یا کوئی اور؟ اور کس دلیل سے؟ ☆ جن روایات میں دنیا کی عمر سات ہزار سال بتائی گئی ان کی کیا حیثیت ہے؟ ارشادِ نبویؐ ہے: **مَا الْمَسْؤُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ** آپ ﷺ کیلئے علم غیب ماننے والے اس کا کیا مطلب لیتے ہیں؟ اور جواب کیا ہے؟ ☆ مرزا محمود نے آدم علیہ السلام کے تمدن کے اصولوں کے نام سے قرآنی آیات میں کس کس طرح تحریف معنوی کا ارتکاب کیا؟ ☆ مرزا محمود نے خلیفہ کے تین معانی کیا کیا بیان کیے، اور اس کا کیا مقصد ہے؟ ☆ اس کا حوالہ دیں کہ مرزا محمود عیسیٰ علیہ السلام کو غیر تشریعی نبی کہتا ہے پھر ثابت کریں کہ وہ تشریعی نبی تھے ☆ مرزا محمود کی اس بات کا جواب دیں کہ غیر تشریعی نبوت رسول کریم ﷺ کے زندہ نبی ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے، اور اس بات کا کہ تابع نبی کی نبوت متبوع کی نبوت اور شان کو بڑھاتی ہے نہ کہ کم کرتی ہے ☆ نبی ﷺ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا بھی نئے نبی کی آمد کے خلاف ہے۔ اس بارے میں علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی عبارات پیش کریں ☆ مرزا محمود کی اس بات کا جواب دیں کہ اللہ نے مرزے کے لئے تابع نبوت کا دروازہ کھولا اور مرزا کے ذریعہ سے مرزا کے ماننے والوں میں خلافت کو زندہ کر دیا ہے ☆ مرزائی **اُسْجُدُوْا لِآدَمَ** کا کیا ترجمہ کرتے ہیں اور اس میں خرابی کیا ہے؟ ☆ مرزا محمود کی اس بات کا کیا جواب ہے کہ: جو لوگ روحانیت سے ادنیٰ تعلق بھی رکھتے ہیں انہیں ملائکہ کو دیکھنے کو بھی موقعہ ملا ہے جیسا کہ انجیل میں حضرت مسیح پر جبریل کے اترنے کا ذکر آتا ہے اور قرآن کریم میں اور احادیث میں رسول کریم ﷺ پر جبریل امین کے اترنے کا ذکر آتا ہے اور موجودہ زمانہ میں بانی سلسلہ احمدیہ نے ملائکہ سے تعلق کا دعویٰ کیا ہے راقم سطور بھی اس امر میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کچھ مشاہدہ رکھتا ہے ☆ مرزا محمود کہتا ہے: "اس عاجز سے بھی اس نے کلام کیا اور اپنے وجود کو دلائل سے ثابت کیا" اس جملے سے ثابت کریں کہ مرزا محمود سے خدا کی ہمکلامی نہیں ہوئی ☆ مرزا کہتا ہے کہ مجھ پر فرشتے وحی لے کر آتے ہیں ہم اس کے ذاتی واقعہ میں اس کی تکذیب کیسے کریں؟ ☆ مرزا کے فرشتوں کے کچھ نام بتائیں اور ثابت کریں کہ جیسا مرزا ویسے اس کے فرشتے ☆: "یہ بھی ہمیشہ سے یہ سنت اللہ چلی آئی ہے کہ جب وہ مامور آتا ہے بدکار لوگ تو الگ رہے نیکوکار اور فرشتہ خصلت لوگ بھی بوجہ نبوت کے زمانہ سے بعد کے اور اس کی خصوصیات سے ناواقفیت کے نبوت کی ضرورت کو نہیں سمجھتے"۔ مرزا محمود کی عبارت مکمل کریں اور بتائیں کہ اس عبارت میں مرزائیت کیلئے ذہن سازی کیسے ہے؟ ☆ **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** کا ترجمہ اور تفسیر لکھیں نیز ثابت کریں کہ علم الاسماء بہت وسیع علم ہے مگر علم غیب پھر بھی خاصہ خداوندی ہے ☆ خالی جگہ پر کریں:

قرآنِ پاک...... جہاں بھی "علم"...... "غیب"......اکٹھے......آیا وہ صرف اللہ کیلئے......غیر اللہ......اُس کی نفی ہی نفی ہے۔ اس...... میں آدم علیہ السلام کیلئے "علم" کا ......تو ہے "غیب" کا...... یہاں...... ہے۔ تو آدم علیہ السلام...... لئے "علم"......ثبوت ہوا نہ کہ "علم غیب"......۔ اور ایمان کا تقاضا...... ہے کہ جس علم......ثبوت ہے......کو مانا جائے اور جس......کی نفی ہے اس کی......کی جائے۔

☆ لفظ **آدم** کی صرفی ولغوی تحقیق لکھیں اور بتائیں کہ یہ غیر منصرف کیوں ہے؟ ☆ ☆ پنڈت دیانند سرسوتی نے آدم علیہ السلام کو اسماء سکھانے پر کیا اعتراض اٹھائے اور ان کے جواب کیا ہیں؟ ☆ اس کا کیا جواب ہے کہ تعلیم تو آدم علیہ السلام کو دی گئی اور پوچھا گیا فرشتوں سے ☆ اس کو ثابت کریں کہ آدم علیہ السلام کو تعلیم اسماء میں فرشتوں کو دھوکہ دینا نہیں بلکہ دلیل سے کچھ سمجھانا مقصد تھا ☆ ستیارتھ پرکاش سے دکھائیں کہ عالم الکل صرف اللہ تعالیٰ ہے ☆ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے آریہ کے کچھ اعتراضات ذکر کیے ہیں ان کو نقل کر کے جواب لکھیں ☆ اس کو ثابت کریں کہ ارشادِ باری: **اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً** مشورہ نہ تھا حکم سنانا تھا ☆ اس کو ثابت کریں کہ فرشتوں کی یہ بات: **اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ** پوری نہ ہوئی ☆ محمد علی لاہوری کہتا ہے: "حضرت آدم کے ذکر میں نبی آدم بھی شامل ہیں یعنی نسل انسانی کا بھی ذکر ہے" کیا **عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** میں واقعی بنی آدم داخل ہیں یا یہ صرف آدم علیہ السلام کیلئے ہے اور کس دلیل سے؟ ☆ آیت نمبر ۳۱ کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور سارے ایمانیات کا علم ان کی پیدائش سے پہلے ہی دے دیا گیا تھا...... مگر ساری چیزوں کا علم پیدائش کے بعد عطا ہوا" نیز کہتے ہیں: جیسے **خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ** سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہر چیز کا خالق ہے ایسے ہی یہاں **كُلَّهَا** سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام ہر نام والی چیز کے عالم ہیں۔ کیا اس سے آدم علیہ السلام کیلئے علم غیب ثابت ہوتا ہے؟ ☆ خالی جگہ پر کریں:

اگر قیامت کے......اللہ تعالیٰ...... پوچھ لیا کہ میں......اپنی کتاب......کریم میں بارہا "علم" اور "......" دو لفظوں کے ساتھ "علم غیب" کو اپنے لئے بتایا، اور غیروں سے علم

---

۱) جواب یہ ہے کہ نہ جاننے میں تساوی مراد ہے اور اس جواب میں یہ نکتہ ہے کہ ہر سائل اور ہر مسئول کا یہی حال ہے کہ قیامت کا علم ان کو نہیں سوائے اللہ کے۔ حوالہ جات کیلئے دیکھئے حضرت امام اہل سنتؒ کی کتاب ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب ص ۳۳۰ تا ۳۳۸

غیب کی......کی تھی اور میرے رسول ﷺ نے بھی ''علم'' اور ''غیب''......لفظوں......ساتھ ''علم غیب'' کو مجھ خدا......سوا کسی کیلئے نہیں......تو تو......میرے علاوہ......اور کیلئے ''علم غیب'' کو کیوں مانا تھا؟......احمد یار خان اور اس......معتقدین بتائیں کہ پھر وہ اللہ تعالیٰ......کیا جواب دیں گے؟ مگر جواب......قرآن کریم یا حدیث متواتر ......ان دو لفظوں ''علم''......''غیب'' کی اللہ......علاوہ کسی......کیلئے تصریح......ہو۔

☆ کامل عبادت حضرت خاتم ﷺ ہی سے ہوسکتی ہے جن کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ حضرت نانوتویؒ سے اس مضمون کی عبارت پیش کریں ☆ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: ''اگر بری بات جاننا برا ہوتا تو حق تعالیٰ اس سے پاک ہوتا لہٰذا وہابیوں دیوبندیوں کا یہ کہنا کہ بری بات کا علم حضور ﷺ کی شان کے خلاف ہے محض غلط ہے''۔ اس کا جواب تحریر کریں ☆ ہم سے علم نبوت کو حاصل کرنا مطلوب ہے یا علم خداوندی کو اور کس دلیل سے؟ ☆ مفتی صاحب موصوف کہتے ہیں کہ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ میں آنحضرت ﷺ سے ملکۂ شعر کی نفی ہے، شعراء کے بنائے ہوئے اشعار کے جاننے کی نفی نہیں اس کا جواب کیا ہے؟ ☆ علم میں آپ ﷺ ساری مخلوق سے بڑھ کر ہیں حضرت نانوتویؒ سے اس مضمون کو پیش کریں اور اس سے خاتمیتِ زمانی پر استدلال بھی ذکر کریں ☆ ''فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا'' کی صحیح تفسیر لکھیں نیز یہ بتائیں کہ مفتی احمد یار خان نے اس سے علم غیب پر کیسے استدلال کیا، اور جواب کیا ہے؟ ☆ ثابت کریں کہ آدم علیہ السلام کیلئے علم غیب ماننے سے آدم علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ کے برابر ماننا لازم آتا ہے ☆ مرزا محمود کی اس بات پر تبصرہ کریں کہ: اللہ تعالیٰ نے ضرور آدم کو زبان کا علم سکھایا ہوگا ☆ اس کو ثابت کریں کہ مرزا قادیانی علمی نکات کیلئے دوسروں سے مدد لیتا تھا ☆ مرزا کا وہ شعر پیش کریں جس میں اس نے کہا کہ دین کی تکمیل مجھ پر ہوئی نیز یہ بھی ثابت کریں کہ مرزا قادیانی خود کو نبی ﷺ سے اعلیٰ مانتا تھا ☆ مرزا محمود نے یہ کہاں لکھا کہ ''رسول کریم ﷺ جو جامع جمیع کمالات تھے ان کی تو ہر نبی نے ہی خبر دی ہے'' پھر یہ بھی ثابت کریں کہ مرزا محمود نے اس سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا ☆ اصلی مسیح اور جعلی مسیح کے درمیان فرق کو مثال سے واضح کریں نیز کوئی شعر بھی پیش کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ مرزا قادیانی کی تحریر میں طوالت بھی ہوتی ہے اور بیہودگی بھی ☆ ثُمَّ عَرَضَهُمْ میں هُمْ ضمیر جمع مذکر عاقل کی کیوں لائی گئی جبکہ وہ چیزیں اکثر غیر جاندار یا غیر عاقل تھی؟ نیز یہ بتائیں کہ چیزوں کو پیش کرنا کس طرح تھا؟ ☆ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ میں امر کس معنی کیلئے ہے؟ اور إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ میں فرشتوں کا کس چیز میں سچے ہونا مراد ہے؟ ☆ فرشتوں نے سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا کے بعد جو کہا: إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ اس کا کیا مطلب ہے؟ ☆ بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ......کے تحت مرزا محمود نے کہا: ''دوسرے معنی اس آیت کے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ آدمؑ کی اولاد میں جو لوگ نیکی میں کامل ہونے والے تھے ان کے وجودوں کو ان کے سامنے رکھ کر پوچھا کہ کیا تم ان کی صفات اور خواص ظاہر کرسکتے ہو''؟ اس میں قادیانی کیلئے ذہن سازی کس طرح ہے؟ ☆ فرشتوں کو چیزوں کے نام معلوم نہ تھے تو آدم علیہ السلام کے بتانے سے ان کو کیسے پتہ چل گیا کہ آدم علیہ السلام کو ان کے نام معلوم ہیں؟ ☆ منصبِ نبوت و رسالت انسان کو کیوں دیا گیا ☆ ملائکہ اصلاحِ انسان کے لئے کافی نہیں تو وحی کا لانا ان کے ذمہ کیونکر کیا گیا؟ ☆ فرشتوں کو انسانوں کیلئے رسول نہ بنایا گیا تو انسانوں میں سے جنوں کیلئے رسول کیوں بنائے گئے ☆ سُبْحٰنَكَ کی نحوی تحقیق لکھیں اور اس کی مناسبت سے قواعد بھی تحریر کریں ☆ مرزا محمود لکھتا ہے: ''ہر زمانہ میں الہام الٰہی کا نزول اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے'' اس سے مرزا محمود کا مقصد کیا ہے جواب کیا ہے؟ ☆ فرشتوں کا علم بڑھتا ہے یا نہیں اور کس دلیل سے؟ ☆ اکابر علمائے دیوبند کے حوالے سے ثابت کریں کہ کسی بھی مخلوق کا علم نبی ﷺ کے علم سے زیادہ نہیں پھر مولانا عبدالسمیع رامپوری کی وہ عبارت پیش کرو جس میں اس نے شیطان کا آنحضرت ﷺ کی نسبت زیادہ مقامات میں حاضر ناظر ہونا لکھا ہے ☆ ثابت کریں کہ علم غیب ہوتا ہی ذاتی ہے پھر مفتی احمد یار خان کی اس عبارت پر تبصرہ کرو: کسی شخص کو بغیر فضل مولیٰ علم غیب نہیں مل سکتا ☆ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: ہمارے حضور ﷺ نے بھی ایک مرتبہ منبر پر قیام فرما کر ابتدائے آفرینش سے قیامت تک کے سارے حالات پورے بیان کردیئے'' اگر موصوف اس سے نبی ﷺ کیلئے علم غیب ثابت کرنا چاہتے ہیں تو تفصیل سے جواب تحریر کریں ☆ ثابت کریں کہ علم الغیب، عالم الغیب، علام الغیوب میں جس طرح الف لام استغراقِ حقیقی کیلئے ہے اسی طرح غیب السموات والارض، علم غیب، علم الغیب، عالم الغیب، علام الغیوب میں اضافت بھی استغراقِ حقیقی کیلئے ہے ☆ اضافت کبھی استغراق کیلئے بھی ہوتی ہے اس کو کتب بلاغہ، کتبِ منطق (۱) نیز فاضل بریلوی کی تحریر سے بھی

---

۱) کتب منطق کے کچھ حوالہ جات اور ملاحظہ فرمائیں: علامہ تفتازانیؒ نے ''التهذيب'' میں جو لکھا: الذين سعدوا فی مناهج الصدق بالتصديق و صعدوا فی معارج الحق بالتحقيق ...... خط کشیدہ کے تحت ملا جلال لکھتے ہیں: فالمعنی صعدوا معارج الحق وبلغوا اقصاه ے بسبب التحقيق والايقان (ملا جلال ص ۷) محشی لکھتے ہیں: ے وبلغوا أقصاه الخ اشار بهذا التفسير الی ان المقصود من صعودهم معارج الحق هو الوصول الی أقصاه فانه كمال الذی شانه أن يمدح به (باقی آگے)

ثابت کریں☆قرآن کریم سے اضافت برائے استغراق کی کچھ مثالیں تحریر کریں☆علم غیب، انباء الغیب وغیرہ میں فرق تحریر کریں دلیل بھی ذکر کریں☆علم غیب کے کلی ہونے پر سورۃ البقرۃ آیت ۳۳ سے کس طرح استدلال ہوتا ہے☆احمد رضا خاں سمیت بعض مترجمین سے ثابت کریں کہ **غیب السموات والارض** میں اضافت استغراق کیلئے ہے☆کیا نبی ﷺ کیلئے علم غیب عطائی ماننا درست نہیں؟☆اس معنی میں نبی کریم ﷺ کیلئے علم غیب عطائی ماننا کہ نبی ﷺ کو ہر ہر چیز کا علم ہے، یا یہ کہ آپ ہمارے ہر حال سے ہر وقت واقف ہیں یا یہ کہ اللہ نے آپ ﷺ کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ قیامت کب آئے گی یہ تو یقیناً باطل ہے لیکن اس معنی میں آپ ﷺ کیلئے علم غیب عطائی ماننا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بہت زیادہ علوم عطا فرمائے یہ جائز ہے یا نہیں؟(۱)☆علم غیب کے ذاتی ہونے پر مفتی احمد یار خاں کا حوالہ پیش کریں اور بتائیں کہ غیر اللہ کیلئے علم غیب کو ماننا شرک کیوں ہے؟☆اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں پھر اسے عالم الغیب کیوں کہا جاتا ہے؟☆**اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** میں ایجاز کس طرح ہے؟☆علم غیب کے ذکر کے بعد الگ سے جو فرمایا: **وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** اس کا مطلب کیا ہے؟☆یہ ثابت کریں کہ آیت ۳۳ جس طرح علم غیب کو ساری مخلوق سے نفی کر کے اللہ کے ساتھ خاص بتاتی ہے اسی طرح اس عقیدے کو نہایت قدیم بھی بتاتی ہے☆مفتی احمد یار خان کی اس بات پر تبصرہ کریں: ''بہت پر لطف بات یہ ہے کہ اس واقع سے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کا علم غیب معلوم ہوا تھا، مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے تم کو میرا علم معلوم ہو گیا''☆مفتی صاحب موصوف کے اس بہتان کا جواب دیں کہ دیوبندیوں کے یہاں خدا کی تعظیم نبیوں کی توہین سے ہوتی ہے☆ یہ شعر کس کا ہے؟ علماء دیوبند کے ہاں نعت رسول مقبول ﷺ کی اہمیت کے بارے میں کوئی شعر ذکر کریں اور شاعر کا نام بھی بتائیں☆ایصال ثواب کی صورت میں میت کو ثواب پہنچتا ہے یا بعینہٖ صدقہ کی ہوئی چیز پہنچتی ہے اس بارے میں مفتی احمد یار کا موقف باحوالہ لکھ کر تنقید کریں پھر ثابت کریں کہ یہ نظریہ ہندوؤں سے ماخوذ ہے☆مفتی احمد یار خان کی ان باتوں کا جواب لکھیں: [۱] بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ذریعے انبیاء کرام کو علم ملتا ہے......مگر حقیقت میں نبی کے ذریعے فرشتوں کو علم ملا......اب نبی کے پاس جو وحی آئے گی وہ ان کے علم میں پہلے سے ہوگی اس وحی سے یا تو ان کا علم ظاہر ہوگا، یا ان کا ذہول اور زیاں دور ہوگا، حضرات انبیاء کرام رب کی طرف سے مالک و مختار ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جو بھی جس کو دیتا ہے وہ اُن کے ذریعہ سے دیکھو [۲] آج بھی شیاطین جب آسمان پر جانا چاہتے ہیں تو ان کو شہاب (ٹوٹا ہوا تارا) سے مار دیا جاتا ہے کیونکہ وہ مدینہ والے راستے کو چھوڑ کر براہِ راست جانا چاہتے ہیں☆مفتی صاحب موصوف نے حضرت تھانویؒ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ پر الزام لگایا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے علم کی تنقیص کی ہے اس الزام کا جواب تحریر کریں۔☆**وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا** (النساء:۱۱۲) کا مطلب تحریر کریں اور بتائیں کہ بریلوی اس کے مصداق کس طرح ہیں؟

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **وجه استفادته أن الجمع المضاف يفيد الاستغراق والصعود على جميع مراتب الشيء يستلزم الوصول الى غايته** ۱۲یزدی (حاشیہ ملا جلال ص۷)

ملا جلالؒ کی مذکورہ بالا عبارت کے تحت میر زاہدؒ لکھتے ہیں: **بلغوا أقصاه الخ هذا مستفاد** ۹ **من معارج الحق فان الجمع المضاف يفيد العموم** ۱۰ **وكذا يستفاد من مناهج الصدق انهم صعدوا فى كل منهج من مناهج الصدق ووصلوا منتهاه بسبب التصديق والايمان** (میر زاہد علی ملا جلال ص۵۵)

محشی لکھتے ہیں: ۹ **قوله هذا مستفاد الخ اى معنى البلوغ الى اقصى معارج الحق فانه يستفاد من اضافة لفظ المعارج الى الحق لانه جمع مضاف والجمع المضاف يفيد الاستغراق** ۱۲مولانا محمد مبین۔ ۱۰ **قوله يفيد العموم الخ فكان معناه انهم صعدوا على جميع مراتب الشيء يستلزم الوصول الى غايته فصار معناه انهم بلغوا اقصى معارج الحق وغايته.** ۱۲م (حاشیہ میر زاہد علی ملا جلال ص۵۵)

اشکال: **غیب السموات، علم غیب یاعالم الغیب** میں مضاف جمع نہیں، اس کی اضافت سے استغراق کا معنی کیوں؟

جواب: ان میں غیب سے مراد **ما غاب عن العباد** ہے (جلالین ص۲۶۹، یونس:۲۰، ص۲۷۷ سورۃ الجن:۲۶) اور **ما** عموم کے الفاظ سے ہے (نور الانوار ص۷۹) تو اضافت سے استغراق کا معنی ہو گیا، علاوہ ازیں مولانا احمد رضا خان نے **غیب السموات والارض** کے ترجمہ سے استغراق کا معنی سمجھ آتا ہے۔

۱) یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں ان لفظوں کا استعمال ہوتا ہے جن کی قرآن نے نفی کر دی تو یہ تعبیر کی فاش غلطی ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔ دیکھئے نبی کے لغوی معنی خبر دینے والا ہے، مگر اصلاح شرع میں خاص ہستیوں کو نبی کہتا جاتا ہے۔ تو جیسے کسی کو اپنے آپ کو کسی تاویل سے نبی کہنا جائز نہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کیلئے علم غیب ماننا بھی جائز نہیں۔ ہاں انبیاء کیلئے وحی، **من أنباء الغيب، اظهار على الغيب، اطلاع على الغيب** کو مانا جائے، اولیاء کرام کیلئے الہام صادق کو۔ رہا علم غیب تو وہ خاص اللہ ہی کی شان ہے۔

[علم میں آدمؑ کی فوقیت ظاہر کرنے کے بعد ان کو مسجودِ ملائکہ بنا کر زمین میں بھیجنے اور ان کی اولاد کو مکلف بنانے کا ذکر]

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ (۱) عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں سے ہو گیا، اور ہم نے کہا اے آدم! آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ اور اس درخت کے قریب بھی نہ جانا کہ ظالموں سے ہو جاؤ گے، تو شیطان نے اُن کو اس سے پھسلایا اور جن نعمتوں میں وہ تھے ان سے ان کو نکال دیا، اور ہم نے کہا تم اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانا، پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ باتیں سیکھ لیں تو اللہ نے اُس کی توبہ کو قبول کیا بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ ہم نے کہا تم سب اس سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو یہ لوگ دوزخی ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

## ﴿ربط اور چند ضروری باتیں﴾

۱) ربط: اوپر اس کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم میں فرشتوں پر فوقیت دی، ان آیات میں اس کا بقیہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائکہ بنا کر جنت میں رکھا شیطان نے ان کو وہاں نہ رہنے دیا، زمین پر آئے تو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد مکلف بنائے گئے۔(۲)

---

۱) لفظ شیطان کی لغوی تحقیق: علامہ احمد بن محمد فیومی المتوفی ۷۷۰ھ مادہ (ش ط ن) کے تحت فرماتے ہیں:

شَطَنَتِ الدَّارُ شُطُوْنًا مِنْ بَابِ قَعَدَ بَعُدَتْ، وَالشَّطَنُ الْحَبْلُ، وَالْجَمْعُ اَشْطَانٌ مِثْلُ: سَبَبٍ وَاَسْبَابٍ، وَفِى الشَّيْطَانِ قَوْلَانِ اَحَدُهُمَا اَنَّهٗ مِنْ شَطَنَ اِذَا بَعُدَ عَنِ الْحَقِّ اَوْ عَنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ فَتَكُوْنُ النُّوْنُ اَصْلِيَّةً وَوَزْنُهٗ فَيْعَالٌ وَكُلُّ عَاتٍ مُتَمَرِّدٍ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالدَّوَابِّ فَهُوَ شَيْطَانٌ وَوَصَفَ اَعْرَابِىٌّ فَرَسَهٗ فَقَالَ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ فِىْ اَشْطَانٍ [ترجمہ: گویا وہ شیطان ہے رسیوں میں] وَالْقَوْلُ الثَّانِىْ اَنَّ الْيَاءَ اَصْلِيَّةٌ وَالنُّوْنَ زَائِدَةٌ عَكْسُ الْاَوَّلِ وَهُوَ مِنْ شَاطَ يَشِيْطُ اِذَا بَطَلَ اَوِ احْتَرَقَ فَوَزْنُهٗ فَعْلَانُ (المصباح المنیر ج ۱ ص ۳۳۵)

۲) مفتی احمد یار خان ان آیات کا ماقبل سے ایک تعلق یعنی ربط یوں بتاتے ہیں کہ پہلے ان کے [آدم علیہ السلام کے] علم کا ذکر ہو چکا اب ان کی قدرت کا ذکر ہو رہا ہے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۱۷۱ سطر آخر)

اقول: [۱] قدرت کا بیان نہیں واقعہ کی تکمیل ہے کہ ان کی فضیلت کے ظاہر ہونے کے بعد عملی طور پر اس کا اظہار کروایا کہ فرشتوں سے سجدہ کروایا [۲] سجدہ فرشتوں نے کیا، اللہ کے حکم سے کیا، اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی قدرت کے ظہور کا کیا تعلق؟ [۳] انسان کو فوقیت ہے نہ کہ قدرت میں۔ حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں:

ملائکہ اور جنات کی ترقی علمی نہ دیکھی نہ سنی البتہ ان کے زورِ قدرت کے افسانے دیکھے نہیں تو سنے تو اس کثرت سے ہیں کہ گنجائش انکار باقی نہیں بالخصوص ملائکہ کا حال تو کچھ نہ پوچھئے اخبار استبازان دین انبیاء و صدیقین اس پر ناطق ہیں کہ احیاء و اماتت و حمل عرشِ اعظم و تحریک اجرام علویہ وغیرہ امور عظام سب انہیں کے حوالے ہیں یہاں تک کہ بذریعہ نفخ صور عالم کا برباد ہونا اور پھر قائم ہونا بھی انہیں کے زور اور قوت سے متعلق ہے۔ (قبلہ نما ص ۹۵)

۲) جب خلافت کیلئے ضروری علوم میں سیدنا آدمؑ کی فوقیت ظاہر ہوگئی تو اللہ تعالیٰ سے فرشتوں سے کہا: اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (۱) میں سجدہ کا لغوی معنی ہے عاجزی وخاکساری سے جھکنا ہے شریعت میں سجدہ کا معنی ہے: وضع الجبھة علی قصد العبادة (بیضاوی ص۶۳) عبادت کے ارادے سے پیشانی زمین پر رکھ دینا۔ عبادتِ غیر اللہ تو کسی شریعت میں جائز نہ ہوئی اس لئے سجدۂ عبادت تو یہاں مراد نہیں پھر مراد ہے کیا؟ اس کے بارے میں مفسرین کے چند اقوال ہیں [۱] سجدہ اللہ کو تھا

---

۱) مرزائی کہتے ہیں: ارشادِ باری ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ'' سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتے صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور اس سے بھی کہ اللہ نے غیر کو مسجود بنانے سے منع کیا فرمایا: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ (حم السجدہ: ۳۷) لہٰذا یہ درست نہیں کہ اللہ نے فرشتوں سے کسی اور کو سجدہ کروایا ہو۔ علاوہ ازیں سجدہ کرنے کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آدم کی فرمانبرداری اور اطاعت کرو، یعنی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے فائدوں کیلئے کام کرو (از مرزائی تفسیر کبیر ج۱ ص۳۲۶، صغیر ص۱۳، بیان القرآن مرزائی ج۱ ص۲۸، ۲۹ حاشیہ ۵۲، ترجمہ مرزا طاہر ص۱۵)

**جواب:** ادب واحترام کے ساتھ مسجود کے آگے پیشانی رکھ دینا بھی سجدہ کا لغوی معنی ہے یہاں یہی مراد ہے محض فرمانبرداری مراد نہیں جس کے چند شواہد یہ ہیں: [۱] فرمانبرداری کی صورت میں فسجدوا الا ابلیس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی فرمانبرداری کی ابلیس نے نہ کی جبکہ یہ ثابت نہیں کہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو کوئی حکم دیا ہو اور فرشتوں نے اسے مانا اور شیطان نے انکار کیا، ہاں اللہ کی طرف سے سجدہ کا حکم ہوا فرشتوں نے سجدہ کیا شیطان نے انکار کیا [۲] اگر سجدہ سے مراد آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی مصالح کو قائم کرنا ہے تو پھر تو شیطان کو تب مردود ہونا چاہئے تھا جب وہ ساری نسل انسانی کی نافرمانی کرتا، یا سب کا نقصان کرتا جبکہ آدمؑ کی طرف سے کسی حکم کے ملے بغیر ہی وہ مردود ہو گیا [۳] فرشتے ہماری فرمانبرداری تو نہیں کرتے بلکہ اللہ کے حکم سے موت کے وقت اچانک روح لینے آجاتے ہیں ہاں فرشتے انسان کے فائدے کیلئے بہت سے کاموں پر مامور ہیں مگر اسے خدمت کہا جا سکتا ہے نہ فرمانبرداری جیسے حکمران عوام کے فائدے کیلئے بہت سے کام کرتے ہیں اسے خدمت کہتے ہیں نہ فرمانبرداری [۴] احادیث شفاعت میں کہ جب لوگ آدم علیہ السلام کی خدمت میں طلب شفاعت کیلئے جائیں گے تو عرض کرتے ہوئے کہیں گے: وامر الملائکة فسجدوا لک (بخاری ج۱ ص۴۷۰) "اور اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا" یہ الگ بات ہے کہ یہاں بھی لوگ معنی خراب کرنے سے باز نہیں آتے چنانچہ محمد علی لاہوری نے اس کا ترجمہ یہ کیا: ملائکہ کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کی فرمانبرداری کی (فضل الباری ج۱ ص۱۳۹۹) حالانکہ اگر فرمانبرداری مراد ہو تو آدم علیہ السلام کی خصوصیت نہ ہو فرشتوں نے جنگ بدر میں صحابۂ کرام ساتھ مل کر لڑائی کی تھی یہ گویا آپؐ کی فرمانبرداری ہی تھی مگر قیامت کے دن صرف آدمؑ سے کہیں گے کہ فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا معلوم ہوا یہاں سجدہ ہی مراد ہے جو فرشتوں کی طرف سے صرف آدم علیہ السلام کو کیا گیا محض فرمانبرداری مراد نہیں [۵] ٹھیک ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں مگر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا ذکر بھی تو قرآن نے کیا ہے اگر تمہارا اپنی بات پر اصرار ہے تو اس کے برعکس بھی کہا جا سکتا ہے کہ ولہ یسجدون سے مراد یہ ہے کہ اسی کی فرمانبرداری کرتے ہیں فرمانبرداری میں خدا کو سجدہ کرنا بھی داخل ہے اور خدا کے حکم سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا بھی، ہم پہ اعتراض تو تب ہوتا اگر آدم علیہ السلام کے مسجود ہونے کا ذکر قرآن میں نہ ہوتا۔

☆ محمد علی لاہوری بیان القرآن مرزائی ج۱ ص۲۸، ۲۹ حاشیہ ۵۲ میں کہتا ہے:

ملائکہ کی فرمانبرداری سے مراد سارے عالم پر حکمرانی ہے دوسری جگہ اسی کے مطابق فرمایا: مسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منه (الجاثیة: ۱۳)......اس سے مراد ایسی استعداد کا انسان کے اندر رکھنا ہے جس سے وہ کل عالم کو اپنے کام میں لگا سکتا ہے......یا مراد اس سے فرشتوں کا جھک جانا اور فرمانبردار ہونا ہے......جمع کے صیغہ میں اشارہ ہے کہ آدم میں نسل آدم بھی شامل ہے جیسا کہ فرمایا ولقد خلقناکم ثم صورناکم ثم قلنا للملائکة اسجدوا لآدم (الاعراف ۷: ۱۱) ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے ہی تمہاری تصویریں بنائیں پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو۔ گویا ہر بشر کیلئے وہی ہوتا ہے جو ابوالبشر کیلئے ہوا۔

**اقول:** [۶] اللہ تعالیٰ نے جو انعامات حضرت آدم پر کئے ان سب میں ان کی اولاد شریک نہیں بعض میں شریک ہے سجدہ تو انہیں کو ہوا مگر خلافت ان کی اولاد کو بھی ملی، جنت میں داخلہ کی حقدار ان کی صاحبِ ایمان اولاد بھی ہوگی۔ مگر مسجودِ ملائکہ تو حضرت آدم علیہ السلام ہی ہوئے قیامت کے دن ان کی اولاد ان کے سامنے اسی شرف کا ذکر کرے گی جس میں اور کوئی شریک نہیں۔ ہاں ان کی اولاد کو اس بات کا شرف ہے کہ ان کے باپ مسجودِ ملائکہ تھے۔ (باقی آگے)

آدم علیہ السلام کی وجہ سے تھا جیسے کوئی اللہ کی قدرت کی نشانی دیکھ کر سجدے میں گر پڑے جیسے سورج گرہن کے وقت نماز پڑھی جاتی ہے[۲] سجدہ اللہ کو تھا اور آدم علیہ السلام قبلہ تھے[۳] سجدہ آدم علیہ السلام کو ہی تھا مگر سجدے سے مراد صرف جھکنا ہے پیشانی زمین پر رکھنا نہیں[۴] پیشانی زمین پر رکھنا مراد ہے جسے شرعی سجدہ کہتے ہیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ☆ اس آیت کے تحت محمد علی لاہوری لکھتا ہے:

ابلیس اور شیطان: ابلیس ہی کو شیطان بھی کہا گیا ہے جب تک وہ خود انکار کرتا ہے ابلیس ہے جب دوسروں کو ورغلاتا ہے **شیطان** ہے اور بلحاظ لغت بھی یہ درست ہے کیونکہ **ابلیس** وہ ہے جو خود رحمت الٰہی سے مایوس ہے اور **شیطان** جو **شطن** بمعنی **بعد** یعنی دوری سے ہے وہ ہے جو دوسروں کو رحمت الٰہی سے دور کرتا ہے......ابلیس سے مراد بعض لوگوں نے قوت وہمیہ کو لیا ہے چنانچہ سر سید احمد خان کا بھی خیال تھا......مگر ہمارے نزدیک جس طرح ملائکہ کو محض قوائے عالم یا قوائے انسانی قرار دینا غلطی ہے اسی طرح ابلیس اور اس کی ذریت کو محض قوائے انسانی قرار دینا غلطی ہے الخ (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۲۹ حاشیہ ۵۲ ل)

**اقول** اس میں جس طرح سر سید کا رد ہے اسی طرح مرزا محمود کے نظریہ کا بھی رد ہے جو کہتا ہے کہ ابلیس اور ہے شیطان ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:

سجدہ نہ کرنے والا ابلیس اور آدم کو دکھ میں ڈالنے کی کوشش کرنے والا شیطان دو الگ الگ وجود ہیں (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۳۰)

**فائدہ** جس طرح محمد علی لاہوری کے کلام میں مرزا محمود کا رد ہے خود مرزا محمود کے کلام میں بھی تعارض ہے ایک جگہ لکھتا ہے: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو دو ناموں سے یاد کیا ہے ابلیس اور شیطان (ایضاً ج ۱ ص ۳۳۱) نیز لکھتا ہے: ابلیس تو اس وجود کا نام رکھا گیا ہے جو فرشتوں کے مقابل پر بدی کا محرک ہے اور شیطان ایک عام نام ہے اس ابلیس کو بھی شیطان کہہ سکتے ہیں اور ان تمام لوگوں کو بھی جو ابلیس کے نائب کے طور پر اور اس کے ورغلائے ہوئے اس دنیا کے پردہ پر بدیوں کی رہنمائی کرتے ہیں (ایضاً ج ۱ ص ۳۳۱) نیز لکھتا ہے: ابلیس سے مراد وہ روح خبیثہ ہے جو فرشتوں کے مدِمقابل ہے اور دلوں میں وساوس ڈالتی ہے اور شیطان اسے بھی کہتے ہیں اور اس کے اظلال کو بھی جو انسانوں میں سے اس جیسے کام کرتے ہیں (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۳۱) ان عبارات کی رو سے شیطان وہ ابلیس بھی ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔

☆ محمد علی لاہوری ہی لکھتا ہے:

یہ کہنا کہ شیطان کو خدا نے پیدا ہی کیوں کیا؟ گویا اس کا مرادف ہے کہ انسان کو یہ زندگی ہی کیوں عطا فرمائی حیوانی زندگی میں سے ہو کر ہی روحانی زندگی مل سکتی ہے اس لئے حدیث میں آتا ہے **ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم** (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۲۹ حاشیہ ۵۲ ل)

**اقول** یوں کہہ کہ دنیا کی فانی زندگی کے بعد ابدی زندگی ملتی ہے محض روحانی زندگی تو عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ "قیامت میں بیاہ شادی نہ ہوگی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہوں گے (متی ۲۲: ۳۰، مرقس ۱۲: ۲۵، لوقا ۲۰: ۳۵)

☆ محمد علی لاہوری بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۳۰ حاشیہ ۵۳ میں لکھتا ہے:

جس طرح ملائکہ کے سجدہ کرنے سے مراد ان کا انسان کی تکمیل نفس میں معاون ہونا ہے جیسا کہ مفسرین نے بھی مانا ہے اسی طرح ابلیس کا انکار یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ انسان کی ترقی کی راہ میں ہارج ہوگا اور یہ وہ قوت بہیمیہ کو اکسا کر یا نفس امارہ کو تحریک میں لا کر کرتا ہے یہاں تک کہ انسان اس کو اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے یعنی اس کے قوائے بہیمیہ حالت اعتدال میں آجاتے ہیں اور وہ کبھی ان کو غیر محل پر استعمال نہیں کرتا۔ شیطان کی فرمانبرداری: چنانچہ جب نبی کریم ﷺ نے شیطان کا مجری الدم ہونا بیان فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ سے بھی فرمایا ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مدد دی سو وہ فرمانبردار ہو گیا ہے اور کمال انسانی کا یہی پہلا مرتبہ ہے کہ وہ شیطان کو اپنا فرمانبردار بنا لے۔

**اقول** [۱] اس کی عبارت میں عجیب تعارض ہے پہلے کہتا ہے کہ شیطان انسان کی ترقی کی راہ میں ہارج ہوتا ہے نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ انسان اس کو اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے جبکہ اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ شیطان انسان کو اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے[۲] نہ شیطان کو فرمانبردار بنانا مقصد نہیں اور نہ اس کو قتل کرنا مقصد ہے جیسا کہ مرزا قادیانی انبیاء کے قتل کو اور شیطان کے قتل کو اپنا مقصدِ حیات قرار دیتا ہے (ملفوظات ج ۵ ص ۳۹۸ حاشیہ) زندگی کا مقصد اس کے شر سے بچنا ہے اس لئے **من شر الوسواس الخناس** دعا سکھائی گئی ہے۔ یہ بھی فرمایا: **ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا** (الفاطر: ۶) محمد علی لاہوری نے یہاں جو نظریہ پیش کیا وہ اسلام کے خلاف تو ہے ہی مرزا قادیانی کے خلاف بھی ہے جو شیطان کو قتل کرنا چاہتا ہے[۳] شیطان کا فرمانبردار ہو جانا یا یوں کہو کہ شیطان کا مسلمان ہو جانا نبی ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اور تو اسے کمال انسانی کا پہلا مرتبہ (باقی آگے)

حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ سجدہ سے معروف سجدہ ہی مراد ہے کیونکہ تفسیر ابن کثیر میں سورۃ یوسف کی آیت **فَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا** کے تحت لکھا ہے کہ پہلی شریعتوں سجدۂ تعظیمی (۱) جائز تھا، ہماری شریعت میں حرام (ابن کثیر ج۲ ص۴۹۱) اس لئے تاویل کی ضرورت نہیں۔ امام نسفیؒ فرماتے ہیں: **والجمهور على أن المأمور به**

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قرار دیتا ہے۔ ارے کیا آنحضرت ﷺ تیرے نزدیک کمال انسانی کے پہلے مرتبہ پر ہی رہے معاذ اللہ تعالیٰ۔

☆ محمد علی لاہوری ہی لکھتا ہے:

جنت دارالخلد میں بھی بیبیوں کے موجود ہونے کا ذکر ہے اس پر اعتراض کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہاں سکون نہ ہو (بیان القرآن مرزائی ج ا ص ۳۰ حاشیہ ۵۴)

**اقول** یہ بات گزر چکی ہے کہ مرزائیوں کے ہاں جنت میں اہل جنت کے درمیان ازدواجی تعلقات نہ ہوں گے اور اس کا رد بھی گزر چکا ہے۔

☆ محمد علی لاہوری ہی لکھتا ہے:

کیا جنت سے مراد وہ بہشت ہے جس کا وعدہ اعمال صالحہ پر ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ نہیں...... یہ جنت اس دنیا کی جنت ہے اور مفسرین نے اس کو مانا ہے...... جسمانی لحاظ سے تو انسان کو جنت یوں حاصل ہے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام سامان پیدا کر رکھے ہیں جن سے انسان کی بھوک دور ہوتی ہے اور پیاس دور ہوتی ہے اور جن سے لباس ملتا ہے اور مکان ملتا ہے اور یہی انسان کی ضرورت کی چار چیزیں ہیں جو کوشش سے حاصل ہو جاتی ہیں اس لئے معنی ظاہر ہیں ایک طرف عالم میں سامان موجود ہیں دوسری طرف انسان میں وہ طاقت ودیعت کی گئی ہے جس سے وہ ان کو اپنے کام میں لاتا ہے یا مسجودِ ملائکہ بنتا ہے جوں جوں اس کا علم بڑھتا ہے توں توں اس کی طاقت بڑھتی ہے اور اسی طرح ہی تدریجاً اس کی راحت کے سامان بڑھتے ہیں...... روحانی سکون یا اطمینان قلب اس وقت تک رہتا ہے جب تک انسان بدی کا ارتکاب نہیں کرتا۔ بدی کے ارتکاب کے ساتھ سکون روحانی دور ہو جاتا ہے پس وہ جنت روحانی یہ ہے کہ انسان معصومیت کے مقام پر ہو سو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کو فطرۃً بے گناہ پیدا کر کے وہ مقام دے دیا ہے...... کون کہہ سکتا ہے کہ یہ قصہ عیسائیت سے لیا گیا ہے جب اس کی بنیاد ہی انسان کے فطری طور پر معصوم ہونے پر ہے حالانکہ عیسائی مذہب نے اسی کو انسان کی پیدائشی گناہ گار ہونے کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ (بیان القرآن مرزائی ج ا ص ۳۰ حاشیہ ۵۴)

**اقول** اس میں فرشتوں کے وجود کو تو مانا مگر ان کے سجدے کا انکار یوں کیا کہ ہر انسان کو مسجودِ ملائکہ کہہ گیا۔ جنت کو مانا مگر جگہ بدل دی، جنت میں اللہ نے ہر قسم کے راحت وآرام کا ذکر کیا اس نے شروع سے پر مشقت زندگی بتائی، آخر میں اس نے عیسائیت کا ذکر کر دیا۔ تا کہ اس کی تحریفات پر پردہ پڑ جائے ارے عیسائیت کا ذکر کرنے سے یہ کہاں سے نکل آیا کہ تم جیسے چاہو معانی میں ردوبدل کرتے رہو۔

۱) حضرت نانوتویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں سجدۂ عبادت اور سجدۂ خلافت آپ فرماتے ہیں:

اس تقریر سے یہ بات روشن ہوگئی کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں ایک سجدۂ عبادت دوسرے سجدۂ خلافت اور ان دونوں میں مسجود ساجد مسجود لہ ہوتا ہے اتنا فرق ہے کہ سجدۂ عبادت میں جو کوئی مسجود ہوتا ہے وہ مسجود حقیقی ہوتا ہے اور مسجود بالذات اور سجدۂ خلافت میں جو کوئی مسجود ہوتا ہے وہ مسجود بالعرض اور مسجود مجازی۔ رہا کعبہ وبیت المقدس وہ نہ مسجود لہ حقیقی ہے نہ مسجود لہ مجازی البتہ مسجود الیہ کہئے تو بجا ہے (قبلہ نما ص ۱۰۰) [جس تقریر کی طرف آپ نے اشارہ کیا وہ یہ ہے] سجدۂ آدم وسجدۂ یوسفی سجدۂ خلافت تھا سجدۂ عبادت نہ تھا جو منجملۂ شرک اس کو قرار دیا جاوے اور بت پرستی کو اس کے برابر کر دیا جائے۔ ہاں بتوں میں لیاقت خلافت ہوتی تو یہ بھی احتمال تھا کہ اول حکم اداء حقوق خلافت ہوگا کم فہم اس کو بوجہ تشابہ عبادت سمجھ بیٹھے مگر اس کو کیا کیجئے کہ بتوں میں لیاقت عبادت تو در کنار لیاقت خلافت معبود بھی نہیں...... بناء حکومت اختیار نفع وضرر پر ہے اور بناء بندگی احتیاج پر سو بتوں کو دیکھا تو محتاج بت پرستاں پایا، صورت وشکل، حرکت وسکون اصنام سب عابدان اصنام کے اختیار میں ہے رہی خلافت اس کی لیاقت کا عدم ان کی بے شعوری سے ظاہر ہے خلافت کیلئے علم درکار ہے جہاں عقل وشعور وحس وادراک نہ ہو وہاں خلافت خداوندی ہو تو کیونکر ہو؟ (قبلہ نما ص ۹۹، ۱۰۰)

☆ مولانا سلیم اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے افادات میں ہے کہ جن چیزوں میں شرعاً کوئی تعظیمی پہلو نہیں پایا جاتا ان کے لئے سابقہ شرائع میں بھی سجدہ تعظیمی کی اجازت نہیں تھی جیسے چاند سورج ستارے دیوی صلیب درخت عمارت جنات ان کو سجدہ کرنا کفر ہے یہاں کوئی تاویل قبول نہیں (از کشف البیان ج ا ص ۲۱۷)

**وضع الوجه على الأرض، وكان السجود تحية لآدم عليه السلام في الصحيح إذ لو كان لله تعالى لما امتنع عنه إبليس، وكان سجود التحية جائزًا فيما مضى ثم نسخ** (مدارک مع الخازن ج۱ص۴۲)''جمہور کہتے ہیں کہ مامور بہ زمین پر چہرہ رکھنا ہے اور صحیح قول میں یہ آدم علیہ السلام کیلئے ادب کا سجدہ تھا کیونکہ اگر یہ سجدہ اللہ کو ہوتا تو شیطان اس سے نہ رکتا، اور سجدہ تعظیمی گذشتہ امتوں میں جائز تھا پھر منسوخ ہوگیا''۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیتے وقت فرمایا تھا: ''**فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ**'' (الحجر:۲۹)(۱) یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ محض جھکنے کا حکم بلکہ گر جانے کا حکم تھا اور سجدے میں

---

۲) مفتی احمد یار خان صاحب سورۃ البقرۃ آیت ۳۴ کے تحت لکھتے ہیں:

**فاذا سويته ونفخت فيه من روحي فقعوا له ساجدين** ...... پیدائش سے پہلے ہی سجدے کا حکم دے کر ان کو اس کیلئے تیار کر دیا گیا تھا اب اس علم کے ظہور کے سجدہ کرایا گیا...... جیسے مال آتے ہی زکوۃ واجب ہو جاتی ہے لیکن سال گذرنے پر ادا کروائی جاتی ہے (تفسیر نعیمی ج۱ص۲۷۲)

**اقول** بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے جیسے بجلی کے استعمال سے صارف پہ اس کی قیمت واجب ہوتی ہے لیکن جب تک محکمے کی طرف سے بل نہ آئے قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں، بجلی کے استعمال سے صارف کے ذمہ نفس وجوب ہے اور بل کے ملنے سے وجوب ادا ہے۔ پہلے بجلی کے بلوں پر لکھا ہوتا تھا کہ ''بل ملتے ہی واجب الاداء ہوتا ہے'' بعد میں یہ عبارت بلوں میں ترک کر دی گئی۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

بعض کہتے ہیں سجدہ اللہ کو تھا اور آدم مثل قبلہ...... فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے سامنے جھک کر اللہ کو سجدہ کیا...... یہ بھی ضعیف ہے......اس لئے کہ اگر آدم علیہ السلام فقط قبلہ ہوتے تو اس سے ان کی افضلیت اور عزت ثابت نہ ہوتی حضورﷺ کعبے کی طرف سجدہ کرتے تھے حالانکہ آپ کعبہ سے افضل تھے (تفسیر نعیمی ج۱ص۲۷۳)

**اقول** حضرت نانوتویؒ نے استقبال قبلہ کے ذکر کے ساتھ آنحضرتﷺ کی افضلیت بہت احسن انداز میں ذکر کیا ساتھ ہی توحید خداوندی کا بھی اعلان کرتے گئے چنانچہ ہندو پنڈت کے جواب میں فرماتے ہیں:

> اہل اسلام کے نزدیک مستحق عبادت وہ ہے جو بذات خود موجود ہو اور سوا اُس کے اور سب اپنے وجود و بقا میں اس کے محتاج ہوں اور سب کے نفع ضرر کا اُس کو اختیار ہو اور اس کا نفع ضرر کسی سے ممکن نہ ہو، اُس کا کمال و جمال وجلال ذاتی ہو اور سوا اُس کے سب کا کمال و جمال وجلال اُس کی عطا ہو مگر موصوف بایں وصف اُن (یعنی اہل اسلام۔راقم) کے نزدیک بشہادت عقل ونقل سوا ایک ذات پاک خداوندی کے اور کوئی نہیں یہاں تک کہ اُن کے نزدیک بعد خدا سب میں افضل محمد رسول اللہﷺ ہیں نہ کوئی آدمی ان کے برابر، نہ کوئی فرشتہ، نہ عرش وکرسی ان کے ہمسر، نہ کعبہ اُن کا ہم پلہ۔ مگر بایں ہمہ اُن کو بھی ہر طرح خدا کا محتاج سمجھتے ہیں ایک ذرہ کے بنانے کا ان کو اختیار نہیں۔ ایک رتی برابر نقصان کی ان کو قدرت نہیں خواہ خالق کائنات، خواہ فاعل افعال اہل اسلام کے نزدیک خدا ہے وہ نہیں [یعنی بندوں کا خالق بھی خدا ہے بندوں کے افعال کا خالق بھی خدا ہے۔ رسول اللہﷺ نہ خالق کائنات نہ خالق افعال۔راقم] اسی لئے کلمۂ شہادت میں جس میں مدار کار ایمان ہے یعنی **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله** خدا کی وحدانیت اور رسول اللہﷺ کی عبدیت ورسالت کا اقرار کرتے ہیں اس صورت میں اہل اسلام کی عبادت سوائے خدا اور کسی کیلئے متصور نہیں اگر ہوتی تو رسول اللہ کیلئے ہوتی مگر جب ان کو بھی عبد ہی مانا معبود نہیں مانا بلکہ ان کی افضلیت کی وجہ ان کی کمال عبودیت کو قرار دیا تھا تو پھر خانہ کعبہ کو ان کا مسجود ومعبود قرار دینا بجز تہمت وکم فہمی وجہالت اور کیا ہو سکتا ہے؟ (قبلہ نما ص۷)

☆ مفتی احمد یار خان ہی تفسیر نعیمی ج۱ص۲۷۳ میں لکھتے ہیں:

چوتھا قول یہ ہے کہ یہ سجدہ تعظیمی تھا اور آدم علیہ السلام ہی کیلئے تھا پہلی شریعتوں میں جائز تھا ہمارے اسلام میں منسوخ ہو گیا اب رب کے سوا کسی کو کسی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں یہ قول صحیح ہے اور اس کی قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے ☆ تتمہ: اسلام میں جس طرح سجدہ حرام کیا گیا اسی طرح جھک کر تعظیم کرنا بھی۔

**اقول** سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے پر حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن ج۱ص۲۲ کے حاشیہ اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف القرآن ج۱ص۱۹۰ میں (باقی آگے)

گرنا پیشانی رکھ کر ہی ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں گرنے کا ذکر ہے، فرمایا: وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (یوسف:۱۰۰) اور سجدۂ تلاوت کی آیات میں بھی یَخِرُّوْنَ کے الفاظ ہیں (دیکھئے بنی اسرائیل:۱۰۷، ۱۰۹) اور فقط تعظیم میں گر جانا نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ فرشتوں کو پیشانی رکھنے کا حکم ہوا تھا محض تعظیم کا نہیں۔ واللہ اعلم۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بڑی مدلل بحث کی ہے۔ احکام القرآن للجصاص کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں بڑوں کی تعظیم کیلئے صرف سلام اور مصافحہ کی اجازت دی گئی رکوع سجدہ اور بہیت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دے دیا گیا (ایضاح ج ا ص ۱۸۸) حضرت نانوتویؒ نے شاہجہانپور کے پہلے مباحثہ میں فرمایا:

مسلمان توحید کے اوپر اس درجہ کو مستقیم ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو سب میں افضل سمجھتے ہیں اور بعد خداوند عالم انہیں کو جانتے ہیں مگر بایں ہمہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا بھی کہ ادنیٰ درجہ عبودیت میں سے ادنی درجہ کا ادب ہے ان کے لئے جائز نہیں سمجھتے (میلہ خداشناسی ص ۲۶)

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

جب فرشتے ان کے سامنے جھک گئے اور ان کے زیر فرمان ہو گئے تو باقی چیزیں خود بخود قبضے میں آگئیں (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۷۴)

**اقول** یوں کہہ کہ باقی چیزوں پر ان کی فضیلت ثابت ہو گئی کیونکہ سب چیزیں تو انسان کے قبضے میں نہیں سورج ہمارے قبضے میں تو نہیں آسمان ہمارے قبضے میں تو نہیں۔ ہاں ان سے انسان کو فائدے ضرور ہیں۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

خیال رہے کہ اِس عالم کی ابتدا بھی تعظیم نبی سے ہوئی کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا، اور اُس عالم آخرت کی ابتدا بھی تعظیم نبی سے ہوگی کہ محشر میں اولاً تلاش شفیع کے لئے حضور کے دروازے پر حاضری ہوگی پھر کوئی اور کام۔ تمام عبادات میں سے بڑی عبادت تعظیم پیغمبر ہے (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۷۴)

**اقول** انبیاء کرام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، اور فرشتے تو آدم علیہ السلام سے قبل بھی اللہ کی عبادت کرتے تھے **ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک** تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ عالم کی ابتداء تعظیم نبی سے ہوئی، آخرت کی پہلی منزل قبر ہے قبر میں نجات تو بیشک آپ کی رسالت کی گواہی دینے سے ہے مگر وہاں تین سوالوں میں پہلا سوال مَنْ رَّبُّکَ ہوگا، قیامت میں دن زندہ ہونے کے بعد سب سے پہلے خدا کی طرف بلایا جائے گا پھر شفاعت کی فکر ہوگی نیز قیامت کا دن عبادت کا دن نہیں عبادات پر صلہ کا دن ہوگا ہاں ایک وقت آئے گا جب سجدہ کی طرف بلایا جائے گا، اس وقت سجدہ صرف اللہ کو ہی ہوگا [القلم:۴۲] تجھے یہ حقائق کیوں سمجھ نہیں آتے ؟ عظمت خداوندی کے ذکر سے تجھے دوری کیوں ہے؟ پیغمبروں کو جو عزت ملتی ہے اللہ کے دینے سے ملتی ہے اور تیری عبارت سے یوں سمجھ آتا ہے جیسے اللہ کو عظمت رسولوں سے ملتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی عظیم تھا جب اس نے رسولوں کو پیدا نہ کیا تھا نبی ﷺ کی تشریف آوری سے قبل بھی تو اللہ تعالیٰ کی یہی صفات تھیں آپ کی آمد سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں تو اضافہ نہیں ہو گیا۔

اولیاء تیرے محتاج اے رب کل  ترے بندے ہیں سب انبیاء اور رسل

ان کی عزت کا باعث ہے نسبت تری  ان کی پہچان تیرے سوا کون ہے؟

اللہ چاہے تو انہیں دی ہوئی عظمتیں واپس لے لے ہاں وہ واپس لے گا نہیں اور یہ بات کوئی دیوبندی نہیں کہتا اللہ کا قرآن کہتا ہے ارشاد فرمایا: "**وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا (86) اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ اِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا**" (الاسراء:۸۶، ۸۷) نیز فرمایا "**وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا**" (الاسراء:۷۴)

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

انکار کی وجہ دوسری آیت میں مذکور ہے: **ما کنت لاسجد بشر** حضرت آدم کو حقیر اور اپنے کو عزت والا جاننا معلوم ہوا کہ تمام کفروں کی جڑ توہین نبی ہے جو شیطان سے سرزد ہوا (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۷۶)

**اقول** یہ جس وقت کا واقعہ ہے اس وقت نہ حضرت آدم کی نبوت کا اعلان نہ ہوا، نہ اللہ نے کہا کہ نبی کو سجدہ کرو اور نہ شیطان نے کہا کہ میں نبی کو سجدہ نہ کروں گا بلکہ اس نے تو کہا میں بشر کو سجدہ نہ کروں گا۔ اور تم بشر کو کلمہ توہین مانتے ہو (تفسیر نعیمی ج ا ص ۱۵۰، آخری سطر) بتاؤ بشر کو کلمہ توہین ماننا شیطان والا کام ہے یا نہیں؟

(باقی آگے)

۲) سجدے کا حکم ہوتے ہی سب فرشتے اکٹھے سجدے میں گر گئے ارشاد فرمایا: "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ " (الحجر:۳۰) مگر ابلیس شیطان نے سجدہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

شیطان جب عابد تھا تو اگر چہ خدا کے علم میں وہ کافر تھا مگر اس وقت کی حالت کے لحاظ سے اس کو فرشتوں میں عزت دی گئی اور جب اس کا کفر ظاہر ہوا تب نکالا گیا، اسی طرح حضور ﷺ کا منافقوں کی رعایت فرمانا بے علمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اسی طرح تھا (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۷۷)

اقول: اللہ جل شانہ پر مخلوق کو قیاس کرنا درست نہیں انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے الگ سے دلیل درکار ہے محض قیاس سے کام نہ چلے گا۔ اللہ عزوجل نے اپنے بارے میں فرمایا **انی أعلم غیب السموات والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون** (البقرۃ:۳۳) اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں فرمایا: **وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اهل المدینة مردوا علی النفاق ، لا تعلمهم نحن نعلمهم** (التوبہ:۱۰۱) اب تو ہی بتا کہ تیرے قیاس کو مانا جائے یا قرآن کو۔ یقینی بات ہے کہ آپ ﷺ کو بعض منافقوں کا علم نہ تھا بعض کا تھا۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

بغیر عظمت انبیاء توحید لعنت کا سبب ہے شیطان نے توحید الٰہی کا انکار نہ کیا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کا، اس واقعہ سے دیوبندیوں اور وہابیوں کو سخت عبرت پکڑنی چاہئے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۷۷)

اقول: [۱] اس میں اول تو دیوبندیوں کیلئے توحید کو مان لیا۔ الحمدللہ ہم موحد ہیں باقی ہماری طرف توہین انبیاء کی نسبت نرا الزام ہے۔ الحمدللہ ہم سب انبیاء کا ادب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نبی کی گستاخی ہمارے ہاں کفر ہے [۲] انبیاء کی تکذیب بھی تو ان کی گستاخی ہے۔ انبیاء فرمائیں علم غیب اللہ کی شان ہے تو ہی بتا کہ اب جو کہے علم غیب اللہ ہی کی شان ہے وہ انبیاءؑ کا مصدق ہوگا یا گستاخ؟ یقیناً جو شخص انبیاء علیہم السلام کیلئے علم غیب کو مانے وہ مکذب انبیاء ہے۔

<u>مثال سے وضاحت:</u> استاد کی خوشی اس میں ہے کہ شاگرد اس کی تعلیم کو یاد رکھے نہ یہ ہر جگہ اسی کا نام لے۔ استاد پڑھائے پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح ہیں۔ استاد کی خوشی اسی میں ہے کہ شاگرد امتحان میں کہے پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی خوشی اسی بات میں ہے کہ امتی کہے علم غیب صرف اللہ کی شان ہے تمہاری مثال تو ایسے ہے جیسے شاگرد امتحان میں لکھے کہ پاکستان کے بانی مفتی نعیم الدین مراد آبادی ہیں۔ بریلویو! بتاؤ کیا تم ایسے شاگرد کو انعام دو گے کہ اس کو مفتی نعیم الدین مراد آبادی کا بڑا ادب ہے یا اس کے اس جواب سے بیزار ہو گے۔

<u>دوسری مثال:</u> دو جمع دو کتنے ہوتے ہیں؟ تمہارا شاگرد اس کا جواب لکھ دے: مولانا احمد رضا خان بریلوی۔

بتاؤ بریلویو! کیا تم ایسے شاگردوں سے خوش ہو گے کہ یہ ہمیں نہیں بھولتے۔ یا کہو گے کہ انہوں نے ہمیں ذلیل کر دیا اسی طرح کوئی کلمہ پڑھ کر کہے کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں ان سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں نبی ﷺ قیامت کے دن اس سے اسی طرح بیزار ہوں گے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں سے بیزار ہوں گے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا کا شریک بنایا۔ [۳] جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی ایک کو مانے بغیر انسان مسلمان نہیں، عقیدۂ ختم نبوت کے بغیر مسلمان نہیں اسی طرح بغیر توحید خداوندی کو مانے انبیاء علیہم السلام پر ایمان بھی تو معتبر نہیں عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے مگر توحید کے منکر تھے۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے والے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے بھی دین حق سے خارج ہی تھے۔ تم توحید کی اہمیت کو بیان کیوں نہیں کرتے؟

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

سب سے بڑھ کر کفر اہانت پیغمبر ہے کہ شیطان کا کفر اسی قسم کا تھا وہ رب کی ذات وصفات وغیرہ میں سے کسی چیز کا انکاری نہ تھا (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۷۷)

اقول: [۱] اللہ تعالیٰ نے شیطان نے یہ نہ تھا کہ تو نے میرے نبی کی مخالفت کی، کسی نبی کی طرف سے تو اسے کوئی حکم ہی نہ ہوا تھا، اس نے براہِ راست اللہ کا حکم توڑا تھا: ارشادِ باری ہے: **ما منعک الا تسجد اذ امرتک** (اعراف:۱۲) [۲] وہ پیغمبر کس کے تھے؟ یقیناً اللہ کے پیغمبر تھے اللہ ہی کے پیغام لانے والے تھے۔ پیغمبر کی توہین (باقی آگے)

نہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہنے لگا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (۱) میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ [اشکال] حکم فرشتوں کو تھا تو نہ ماننے پر ابلیس کو عتاب کیوں ہوا؟ [جواب] دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ابلیس کو بھی حکم تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے ارشادِ باری ہے: قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف:۱۲) [اس میں ''لا'' صلہ یعنی زائد ہے اس کا ترجمہ نہیں ہوگا]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا کفر ہونا ان کے اس منصب کی وجہ سے ہے اگر پیغمبر کو منصبِ نبوت نہ ملا ہوتا تو اس کی گستاخی کفر نہ ہوتی۔ مگر تو ایسے بات کر رہا ہے جیسے خدا تعالیٰ کا ادب کوئی معمولی سا کام ہے، خدا تعالیٰ کا منکر جیسے کوئی مجرم ہی نہیں۔

ابلیس کے کفر کی وجہ:

ابلیس کے کفر کی وجہ وہ نہیں جو تو نے بتائی بلکہ ابلیس کے کفر کی وجہ وہ ہے جو حضرت حکیم الامتؒ نے بتائی۔ فرماتے ہیں: اس پر تکفیر کا فتویٰ اس لئے دیا گیا کہ اس نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں تکبر کیا، اور اس کے قبول کرنے میں عار کیا، اور اس کو خلافِ حکمت وخلافِ مصلحت ٹھہرایا جیسا دوسرے مقام پر اس کا قول مذکور ہے کہ میں ناری الاصل ہونے کی وجہ سے اس ترابی الاصل سے افضل ہوں اور افضل سے مفضول کی تعظیم کرانا بے موقع ہے۔ مسئلہ: جو شخص اس طرح حکم شرعی کے ساتھ رد وانکار سے پیش آوے وہ کافر ہے (بیان القرآن ج۱ص۲۲، ۲۳ نیز دیکھئے معارف القرآن ج۱ص۱۹۰)

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ دیوبندی علماء نے واقعی حضور کی توہین تو کی ہے مگر وہ ہیں بڑے عالم وعامل وہ اس واقعہ سے عبرت پکڑیں دیوبندی مولوی شیطان سے بڑھ کر عالم وعابد نہیں (تفسیر نعیمی ج۱ص۲۷۸)

**اقول** اگر تو بات علم نافع کی ہے تو شیطان اس سے محروم، اور اگر بات علم ضار کی ہے تو شیطان واقعی اس میں علمائے اسلام سے بڑھ کر ہے۔ علم ضار سے خدا کی پناہ۔ مگر مفتی احمد یار خان اس میں شاید شیطان سے بھی بڑھ کر ہو کہ شیطان تو وسوسے ڈالتا ہے اور یہ کفر خود بناتا ہے اور لگاتا ہے اللہ والوں کے ذمہ۔ انکارِ ختم نبوت پر مشتمل جملہ خود بنایا، اور کہتا ہے قاسم نانوتوی منکرِ ختم نبوت ہے۔ یہ کام تو شیطان نے نہ کیا۔ اس کام میں واقعی یہ شیطان سے بڑھ کر ہے۔ تقسیم وراثت کی آیت (النساء:۸) سے تیجا ساتواں وغیرہ جو انہوں نے نکالا۔ تو یتیموں کے مال سے شیاطین اپنا پیٹ ان ہی کی وساطت سے بھرتے ہیں۔ جب پیٹ میں ایسا مال جائے گا تو یہی سوجھے گی کہ دیوبندی گستاخ ہیں۔ ارے شاہجہانپور کے مباحثوں میں تم کیوں شریک نہ ہوئے؟ اس لئے محض اسلام کی ترجمانی کرنا تھی۔ اگر وہاں تیجے کا ختم ہوتا تو دیکھتے تمہارے مولوی کیسے نہ پہنچتے؟

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

فرشتے اب تک رب کیلئے سجدے کرتے رہے...... ان سجدوں میں براہِ راست رب ہی کی تعظیم تھی ماسوی اللہ کی تعظیم کو دخل نہ تھا آج اس سجدہ کا حکم دیا جا رہا ہے جس میں بواسطہ حضرت آدم رب کی تعظیم ہوگی کیونکہ آج حضرت آدم نورِ الٰہی کی تجلی گاہ ہیں (تفسیر نعیمی ج۱ص۲۷۹)

**اقول** اس میں اس قول کو اختیار کیا کہ آدم علیہ السلام بمنزلہ قبلہ تھے جبکہ ص۲۷۳ میں اس کو مرجوح کہہ چکا ہے۔ ارے پہلے مسجود ذاتِ باری تعالیٰ تھی اب اس کے حکم سے مسجود حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ شیطان نے اللہ کے حکم کی قدر نہ کی مسجود کو اپنے سے ادنیٰ کہہ کر انکار کر گیا فرشتوں نے حکم کی قدر کی سجدے میں جھک گئے۔

۱) مٹی بہ نسبت آگ کے زیادہ فوائد رکھتی ہے آگ صرف گرمی پہنچاتی ہے مٹی گرمی بھی پہنچاتی ہے سردی سے بھی محفوظ رکھتی ہے مٹی میں چیزیں اگتی ہے آگ صرف جلاتی ہے مٹی میں زندہ لوگ مکانات بنا کر زندگی گزارتے ہیں فوت ہو جائیں تو مٹی میں دفنائے جاتے ہیں اور جن کو اللہ سعادت بخشے مٹی میں ان کے بدن خراب نہیں ہوتے لیکن آگ میں تو کوئی رہ نہیں سکتا وہ تو سب کو جلا کر راکھ بناتی ہے مگر یہ کہ اللہ کسی کیلئے بردوسلام بنا دے۔ مٹی میں نہریں ہیں دریا ہیں کنویں اور چشمے ہیں جبکہ آگ پانی کو اڑا دیتی ہے سنبھالتی نہیں۔ لیکن اگر بالفرض آگ بہتر ہو تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ پھر بھی خلافت کی اہلیت مٹی سے بنی ہوئی مخلوق میں ہے۔ پہلے آپ یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب سے مستغنی اور بے نیاز ہے اس کا خلیفہ وہ ہونا چاہئے جو سب سے زیادہ ضرورت مند ہو، اس کے بعد فرماتے ہیں:

مخلوقات میں باعتبارِ حاجت دیکھا تو انسان سب سے نیچے نظر آیا...... ملائک تو حاجات کے حساب سے ایسے ہیں کہ گویا کسی بات میں محتاج ہی نہیں (باقی آگے)

۳) شیطان کے انکار کے بارے میں فرمایا: اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ ۔اِبَاء کا معنی ہے شِدَّۃُ الۡاِمۡتِنَاع (مفردات راغب ص۱۴) یعنی سختی سے انکار کرنا۔اِسۡتِکۡبَار کا معنی تکبر کرنا،خود کو بڑا سمجھنا۔فرشتے نوری ہونے کے باوجود مان گئے کیونکہ معصوم تھے اور ابلیس ناری ہونے کے باوجود اکڑ گیا۔حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ بشر کی سب سے پہلے توہین کرنے والا ابلیس تھا اور سب سے پہلے تعظیم کرنے والے فرشتے تھے۔

اس کے بعد شیطان کے بارے میں فرمایا: کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ابلیس پہلے ہی کافروں سے تھا یعنی اللہ کے علم میں وہ پہلے ہی کافر تھا دوسرے یہ کَانَ بمعنی صَارَ ہو پھر ترجمہ ہوگا کہ وہ کافروں سے ہوگیا۔حضرت مفتی اعظم فرماتے ہیں: ابلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہ تھا کیونکہ کسی فرض کو عملاً ترک کردینا اصول شریعت میں فسق وگناہ ہے کفر نہیں۔ابلیس کے کفر کا اصل سبب حکم ربانی سے معارضہ اور مقابلہ کرنا ہے کہ آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا مجھے حکم دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں یہ معارضہ بلاشبہ کفر ہے (معارف القرآن ج۱ ص۱۹۰)

۴) شیطان کے مردود ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں رہائش دے دی،فرمایا: اُسۡکُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ (۱) انسان کی بنیادی ضروریات تین ہیں روٹی کپڑا اور مکان۔جنت کی رہائش مل گئی مکان کا مسئلہ حل ہوگیا،لباس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ان کے جسموں پر خدا کی طرف سے ایسا قدرتی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) زن وفرزند،خورد ونوش ولباس ومکان،گھوڑا سواری،اسباب اثاث البیت وغیرہ ضروریات میں سے کسی چیز سے سروکار ہی نہیں،رہے جنات بوجہ نیرنگیٔ ظہور واختیار پرواز وحرکات سریعہ وطاقت حمل اثقال باوجود احتیاج بہت سے اسباب سے مستغنی،اس کے سوا جمادات علویہ ہوں یا سفلیہ سوائے موجد وجود بظاہر اور کسی کے محتاج نہیں......رہے حضرت انسان ان کو دیکھا تو سراپا حاجت پایا پھر جس چیز کو دیکھئے زمین سے لے کر آسمان تک سب انہیں کی کاربرای کیلئے مہیا۔زمین،پانی،ہوا،آگ،چاند ،سورج،ستارے،نباتات،حیوانات سب اس کے کام کے،پر وہ کسی کے کام کا نہیں زمین وغیرہ اشیاءِ مذکورہ نہ ہوں تو انسان کو زندگی وبال جان ہوجائے مرے نہیں تو ناک میں دم آجائے،پر انسان نہ ہو تو کسی کا کوئی نقصان نہیں......اس لئے موافق قاعدہ قالب،مقلوب یوں خیال میں آیا کہ وہ صفت اس میں منعکس ہوگی جو سب میں اوپر اور سب سے مستغنی ہے سو وہ کون ہے یہی علم ہے......بالجملہ علم میں انسان کو نمبر اول آتا ہے اس لئے مستحق خلافت خداوندی اس کے ہوتے ہوئے اور کوئی نہیں ہوسکتا (قبلہ نما ص۹۵،۹۶) مزید تفصیل کیلئے اصل کتاب قبلہ نما ہی ملاحظہ فرمائیں۔

۱) پنڈت دیانند سرسوتی لکھتا ہے:

**وَقُلۡنَا یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ وَکُلَا مِنۡہَا رَغَدًا حَیۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا ہٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ☆ فَاَزَلَّہُمَا الشَّیۡطٰنُ عَنۡہَا فَاَخۡرَجَہُمَا مِمَّا کَانَا فِیۡہِ وَقُلۡنَا اہۡبِطُوۡا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ وَلَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ☆ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ** (البقرۃ:۳۵تا۳۷) ہم نے کہا کہ اے آدم تو اور تیری جورو بہشت میں رہ کر آرام سے جہاں چاہو کھاؤ لیکن نزدیک مت جاؤ اس درخت کے۔گنہگار ہوجاؤ گے۔شیطان نے ان کو لغزش دی اور ان کو بہشت کی خوشی سے محروم کردیا۔تب ہم نے کہا اترو،تم ایک دوسرے کے دشمن ہو تمہارا ٹھکانہ زمین ہے اور ایک خاص وقت تک فائدہ ہے۔آدم اپنے مالک کی باتیں کچھ سیکھ کر زمین پر آگیا (آیت ۳۳،۳۵) **اوّل:** یہ آیت ۳۵ تا ۳۷ کا ترجمہ کیا،نمبر غلط لکھے پھر خط کشیدہ کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے تواب اور رحیم ہونے کا ذکر ہے اور پنڈت نہ خدا تعالیٰ کو تواب مانتا ہے نہ رحیم کیونکہ نہ وہ توبہ کا قائل ہے نہ مغفرت کا۔اس کے بعد اعتراض یوں کرتا ہے کہ

دیکھئے خدا کی لاعلمی ابھی تو بہشت میں رہنے کی دعا دی اور ابھی کہا کہ نکلو۔اگر خدا مستقبل کے فیصلہ کو جانتا ہوتا تو دعا ہی کیوں دیتا؟ اور خدا شیطان کو سزا نہ دینے سے کم ہمت بھی معلوم ہوتا ہے۔وہ درخت کس لئے پیدا کیا تھا کیا اپنے لئے یا دوسرے کے لئے؟ اگر دوسرے کے لئے تو کیوں آدم کو روکا؟ ایسی باتیں نہ خدا کی نہ کلام اللہ کی ہوسکتی ہیں۔حضرت آدم خدا سے کتنی باتیں سیکھ آئے تھے اور زمین پر وہ کس طرح رہے کیا وہ بہشت پہاڑ پر ہے یا آسمان پر؟ وہاں سے کیسے اتر آئے؟ پرندوں کی مانند اڑ کر یا پتھر کی طرح گر کر؟ جب حضرت آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہشت میں بھی مٹی ہوگی اور جتنے وہاں فرشتے وغیرہ ہیں وہ بھی مٹی کے ہوں گے کیونکہ مٹی کے جسم بغیر اعضا نہیں بن سکتے اور خاکی جسم ہونے کی وجہ سے مرنا بھی ضرور لازم آئے گا؟ پھر بتایئے وہ موت کے بعد کہاں جاویں گے؟ اگر کہو کہ وہاں موت نہیں تو ماننا پڑے گا کہ (باقی آگے)

لباس تھا کہ ان سے اندرونی اعضاء پوشیدہ تھے اسی لئے وہاں اس وقت ازدواجی تعلقات بھی نہ ہوئے اور جب حضرت حواء سے ایسے تعلق نہ ہوئے تو جنت کے حوروں سے کسی طرح ہوسکتے تھے؟ کھانے کی ضرورت یوں پوری ہوئی کہ جنت میں سب کچھ کھانے کی اجازت دی مگر ایک خاص درخت سے منع کیا گیا۔اس کے بارے میں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وہاں پیدائش بھی نہیں ایسی صورت میں قرآن کی یہ بات کہ بیویاں ہمیشہ بہشت میں رہتی ہیں غلط ہوجائے گی کیونکہ انہیں بھی مرنا ہوگا۔اور اسی طرح جو بہشت میں جائیں گے وہ بھی آخر کار مریں گے(ستیارتھ پرکاش ص ۷۰۰، ۷۰۱)

**اقول** [۱] اللہ تعالیٰ نے وہاں رہنے کی دعا نہ دی وہاں رہائش کیلئے کہا تھا تجھے اتنا فرق بھی معلوم نہیں اور اعتراض کرتا ہے رب تعالیٰ کے قرآن پر۔ واقعی ایسے لوگ ہی قرآن پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ جن کو اللہ نے بصیرت عطا فرمائی وہ تو قرآن کو اللہ کا کلام ہی مانتے ہیں ان کو اعتراض کیا سوجھے وہ تو اس کی ہیبت سے خائف رہتے ہیں [۲] اللہ نے رہائش کیلئے کہا تھا، اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اس شیطان کی بات نہ ماننا کہیں تمہیں یہ جنت سے نہ نکال دے(طٰہٰ:۱۱۷) اگر خدا مستقبل کو نہ جانتا ہوتا تو ایسی بات نہ کہتا [۳] اللہ تعالیٰ شیطان کو ضرور سزا دے گا یہ اس کا فیصلہ ہے مگر اس نے اس کو ایک وقت تک موخر کیا ہے اس کا بھی قرآن میں ذکر ہے(الحجر:۳۸) تیرے ہاں قیامت نہیں تو خدا تیرے نظریے کا پابند تو نہیں قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی شیطان کو بھی سزا ملے گی اور اس کے پیروکاروں کو بھی خواہ وہ ستیارتھ پرکاش کا مصنف ہی کیوں نہ ہو۔ نہ تو یہ لوگ اللہ سے کہیں چھپ سکیں گے اور نہ کہیں بھاگ سکیں گے اور نہ اس کو عاجز کرسکیں گے۔ تاخیر میں ان کو دیر لگتی ہے اللہ کے ہاں کوئی دیر نہیں **انھم یرونہ بعیدا ونراہ قریبا** [المعارج: ۶،۷] [۴] وہ درخت اللہ نے اس لئے پیدا کیا تھا کہ آدم علیہ السلام کے زمین پر نازل ہونے کا سبب ہو۔ ہر چیز اس نے کھانے کیلئے تو پیدا نہیں کی۔ جن جانوروں کو مسلمان حلال جانتے ہیں تو ان کو بھی نہیں کھاتا۔ اعتراض کرنے سے پہلے بتا کہ اللہ نے ان کو کیوں پیدا کیا؟ [۵] کہتا ہے ایسی باتیں خدا کے کلام میں نہیں ہوسکتیں ارے یہ امر ونہی ہی تو ہے۔ خدا کے کلام میں امر ونہی کیوں نہیں ہوسکتے؟ وہ جس چیز کا چاہے حکم دے، جس چیز سے چاہے روکے تو کون ہے پوچھنے والا؟

[۶] آدم علیہ السلام نے بہت کچھ سیکھا، ساری لغت سیکھی اگر وہ لغت نہ سیکھتے تو کوئی انسان زبان نہیں بول سکتا تھا۔ کیونکہ انسان سن سن کر بولتا ہے، بولنا آجائے تو زبان میں ترقی کرسکتا ہے کچھ نئے الفاظ بنا سکتا ہے نئی تراکیب پیش کرسکتا ہے لیکن اگر بالکل نہ سنے تو کچھ نہیں بول سکتا۔

**واقعہ**۔ کہتے ہیں ایک بادشاہ کے دل میں شوق ہوا کہ یہ جانے کہ انسان فطری طور پر کونسی زبان بولتا ہے اس نے کچھ بچے منتخب کئے ان کی تربیت کیلئے کچھ لوگ رکھے ان کو تاکید کردی کہ ان کے کانوں میں کوئی لفظ نہ پڑنے پائے تاکہ پتہ چلے کہ فطری طور پر یہ کونسی زبان بولتے ہیں جب وہ بچے بڑے ہوئے تو کوئی زبان نہ بول سکے۔

بہرحال آدم علیہ السلام نے ساری زبان سیکھی پھر جب ان کے کوتاہی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کے کلمات سیکھے مگر تیرے ہاں استغفار چیز ہی کچھ نہیں اس لئے کہ نہ توبہ نہ معافی۔ تیرے ہاں خدا معاذ اللہ ایک مشین کی طرح ہے جو چلاتو کرتی ہے مگر اپنے اردے سے نہیں۔

[۷] وہ بہشت آسمانوں پہ ہے وہاں سے کیسے اترے؟ جیسے بھی اللہ نے اتار دیا [۸] مٹی سے پیدا ہوئے مٹی زمیں سے لی گئی اسلامی روایات میں اس کی تصریح موجود ہے [۹] ہر چیز مٹی سے نہیں تیرے ہاں بھی ارواح موجود ہیں مگر وہ مٹی سے نہیں اسی طرح ملائکہ ہیں [۱۰] جنت میں موت نہیں اس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے دی ہے مگر جنت کیلئے ابتدا ضروری ہے اور ہر مخلوق کیلئے ابتدا ضروری ہے یہ بات مولانا نانوتویؒ نے مباحثہ شاہجہانپور ص ۸۳،۸۴ میں سمجھائی کہ ابتدا تو ضروری ہے انتہاء کے بارے میں انبیاء سے معلوم ہوا کہ قیامت آئے گی پھر جنت ہے یا دوزخ۔

تو نے بھی ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ ابتدا ضروری ہے کیونکہ تو نے کہا کہ جو مرکب ہے اس کی ابتدا ہوگی اور یہ بھی لکھا ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے والا تو ضروری ہے مگر اس کا خالق کوئی نہیں ورنہ دور یا تسلسل لازم آئے گا جو باطل ہے تیرے الفاظ یوں ہیں: "مرکب چیز کا آغاز ضرور ہوتا ہے" (ص ۵۵۷ طبع چہارم) "جو ترکیب سے پیدا ہوتا ہے وہ ازلی اور ابدی کبھی نہیں ہوسکتا، اور فعل بھی پیدائش اور فنا سے آزاد نہیں جہاں میں جس قدر اشیاء پیدا ہوتی ہیں وہ سب ترکیب سے پیدا ہونے والی ہیں اور وہ پیدا اور فنا ہوتے دیکھی جاتی ہیں پھر دنیا پیدائش اور فنا کے تابع کیوں نہیں" (ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص ۵۷۸) "فاعل (اولین) کا فاعل اور علت (اولیٰ) کی علت کوئی بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ فاعل اولین اور علت اولیٰ کے ہونے پر ہی معلول بنتا ہے" (ایضاً ص ۵۸۳) "دور، تسلسل بھی باطل ہے" (ایضاً ص ۵۷۱ حاشیہ) بہرحال جنت میں موت نہیں اس لئے اہل جنت کے ساتھ ان کی ازواج بھی ہمیشہ رہیں گی۔

فرمایا: وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا(۱) مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ(۲) کہ اس درخت کے قریب نہ جانا کہ ظالموں سے ہوجاؤ گے۔

---

۱) فَتَكُوۡنَا میں نہی کے بعد فاہے اس فا کے بعد اَنۡ مقدر ہے اس لئے تَكُوۡنَا مضارع منصوب ہے علامتِ نصب نون اعرابی کا حذف ہے۔

۲) سورۃ البقرۃ کی مذکورہ بالا آیت نمبر ۳۵ کے تحت مرزا محمود کہتا ہے:

بائبل میں ہے ''اور خداوند خدا نے عدن میں پورب کی طرف ایک باغ لگایا، اور آدم کو جسے اس نے بنایا وہاں رکھا'' (پیدائش باب ۲ آیت ۸)......اس باغ کو دجلہ اور فرات سیراب کرتے ہیں......دجلہ اور فرات کے پاس کے علاقہ کی اس سے تعیین ہوجاتی ہے چونکہ حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے واقعات بھی اسی علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسکن بھی اور ہے......قرین قیاس یہی ہے کہ آدمؑ کا مولد عراق کا علاقہ ہی تھا الخ (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۳۳۵)

**اقول** یہ بات تو ضروریاتِ دین سے ہے کہ قیامت آئے گی اور قیامت کے دن اہل ایمان کو جنت میں بھیجا جائے گا چونکہ قیامت کے دن یہ دنیا ساری ختم کردی جائے گی اس لئے وہ جنت اس دنیا کا کوئی باغ نہ ہوگا، قیامت کے دن حضرت آدم کہیں گے کہ ان کی خطا کے سبب جنت سے نکلنا ہوا تھا (مسلم ج ۱ص ۱۸۷ بتحقیق محمد فؤاد عبد الباقی) معلوم ہوا کہ وہی جنت یہاں مراد ہے اور جب جنت اس زمین پر نہیں تو عراق میں کہاں سے؟ رہی بائبل سو وہ غیر معتبر ہے۔ امت کے اجماعی عقیدے نیز حدیثِ مسلم کے آگے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ پھر خود عیسائی بھی بائبل کی رو سے اس جگہ کی تعیین نہ کرسکے چنانچہ خود عیسائی لکھتے ہیں: باغ عدن ایک علاقہ جہاں خداوند خدا نے ایک باغ لگا کر آدم کو جسے اس نے پیدا کیا تھا رکھا......باغ عدن کے محل وقوع کے بارے میں قدیم زمانے اور موجودہ زمانے میں بھی بہت تحقیق وتفتیش ہوتی رہی ہے درحقیقت بائبل میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اتنا نہیں ہے کہ اس جگہ کا تعین کیا جاسکے الخ (قاموس الکتاب ص ۶۹۰ طبع ۲۰۱۶ء)

☆ مرزائیوں کے ہاں آدم علیہ السلام کو جس شجرہ کے پاس جانے سے منع کیا وہ کوئی درخت نہ تھا اس لئے هذه الشجرة کے معنی میں تحریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اگر یہ ممنوع چیز ظاہری درخت ہوتا تو یہ قصورِ آدم کا دیدہ دانستہ ہوسکتا تھا ایک معین درخت جس سے منع کیا گیا تھا اس کا پھل کھانا کسی صورت میں غلطی کا نتیجہ نہیں ہوسکتا ......اور یہ چیز معنوی درخت ہی ہوسکتی ہے مثلاً ظلم کا درخت......غرض ان امور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز سے آدم علیہ السلام کو روکا گیا تھا اسے استعارۃً شجر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے ورنہ وہ تھی کچھ اور (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۳۳۸)

**اقول** ظلم سے عام طور پر بندوں کی حق تلفی مراد ہوتی ہے اور بندوں کی حق تلفی کا برا ہونا نہایت بدیہی ہے اگر درخت سے مراد ظلم ہو تو اس کا ارتکاب زیادہ بڑی غلطی ہو کہ یہ تو عقلاً برا ہے اور ہر شریعت میں ممنوع رہا۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں سوائے آدم علیہ السلام یا حضرت حواء کے کوئی انسان تھا ہی نہیں تو ان کو کس پر ظلم کرنے سے روکا گیا؟ یہ ایسے ہے جیسے کسی غیر شادی شدہ سے کہا جائے کہ اولاد کے حقوق کا خیال رکھنا۔ اگر تو کہے کہ وہاں اور انسان بھی تھے تو یہ تیرا عقیدہ ہے جسے تو مسلمانوں پر مسلط نہیں کرسکتا۔

☆ آیت ۳۵ کے ہی تحت مرزا محمود کہتا ہے:

گو شجرہ سے مراد وہ تمام بدیاں ہوسکتی ہیں جن سے آدم علیہ السلام کو منع کیا گیا تھا مگر اس آیت کے مضمون کے لحاظ سے خصوصیت سے یہ امر اس شجرۂ ممنوعہ میں داخل ہوگا کہ ابلیس اور اس کی ذریت سے بچ کر رہیں کیونکہ اس نے آدم اور ان کی اولاد کو گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۳۳۹)

**اقول** درخت اور اتباعِ شیطان دونوں کو ایک کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لئے کہ درخت سے الگ ممانعت ہوئی [البقرۃ:۳۵] شیطان کی اتباع سے الگ ممانعت [طٰہٰ:۱۱۷] درخت سے ممانعت تو اس وقت تک تھی جب تک آپ جنت میں تھے مگر اتباعِ شیطان سے ممانعت زندگی بھر کیلئے اور جب زندگی کا پیمانہ لبریز ہوتا ہے تب شیطان پیچھا چھوڑتا ہے

☆ آیت ۳۵ کے تحت مرزا محمود تفسیر کبیر ج ۱ص ۳۳۹ میں کہتا ہے:

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک ایسے مقام میں رہنے کا حکم دیا جو نہایت آرام دِہ تھا اور بمنزلہ جنت کے تھا، اور ایسی شریعت عطا کی جو اس دنیا کو جنت بنا دینے والی تھی اور ایسی بیوی اور ساتھی بخشے جو مطیع اور فرمانبردار تھے اور ہر قسم کے آرام کا موجب ہو کر اس زندگی کو جنت میں تبدیل کردینے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آدم علیہ السلام سے کہا کہ اب تو اور تیرے ساتھی اس جنت میں رہو اور اسی استعارہ کو مدنظر رکھتے ہوئے نظام کی خرابیوں اور برے ساتھیوں کو ایک درخت قرار دے کر فرمایا کہ ایک طرف تو ہم اس جنت میں رہنے کا تم کو حکم دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کے مخالف صفات والے درخت سے بچنے کا حکم دیتے ہیں۔

(باقی آگے)

**الجنة** کے لفظی معنی باغ کے ہوتے ہیں قرآن کریم میں یہ لفظ اکثر بہشت کیلئے آتا ہے جس میں اہل ایمان اعمال کا بدلہ پانے کیلئے داخل ہوں گے، بعض

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول** اوپر کہتا ہے کہ وہ جنت دنیا میں تھی اب اس سے بھی منکر ہو گیا کہتا ہے یہ دنیا ہی بمنزلہ جنت ہے۔ اسے استعاروں کا کچھ زیادہ ہی شوق ہے ارے یہ تو بتا کہ اس کی حقیقت کیا تھی؟ خود حقیقت بتاتا نہیں، جو بتاتے ہیں ان کی سنتا نہیں۔

☆ آیت ۳۵ کے تحت مرزا طاہر اپنے ترجمہ کے ص ۱۵ پہ لکھتا ہے:

یہاں **شجرة** سے مراد وہ احکام شریعت ہیں جو **مَنَاهِی** سے تعلق رکھتے ہیں وہ احکام اگر توڑے جائیں تو پھر دنیا میں انسان کیلئے امن اٹھ جاتا ہے یہاں دو کو مخاطب فرمایا ہے مگر اس سے مراد یہ نہیں کہ صرف آدم و حوا جنت میں رہتے تھے کیونکہ بعد کی آیات میں **اهبطوا منها جميعا** اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اور بھی بنی آدم وہاں تھے۔

**اقول** ان کے علاوہ اگر اور انسان بھی جنت میں رہتے تھے تو یہ بتا کہ وہ کب وہاں داخل ہوئے؟ وہاں کیا کرتے تھے؟ ان کو اللہ کی طرف سے وہاں کیا احکام ملے؟ انہوں نے پورے کئے یا نہیں کئے؟ جب **لاتقربا** کی نہی میں داخل نہ تھے تو **اهبطوا** کے امر میں ان کو داخل کیوں کیا گیا؟ بہر حال جنت میں حضرت آدم و حواء کے علاوہ کسی کا ہونا قطعاً بلا دلیل ہے۔ اس لئے مسلمان مفسرین کی توجیہات کو لینے میں ہی خیر ہے۔

☆ آیت ۳۵ کے تحت محمد علی لاہوری کہتا ہے:

**هذه الشجرة** سے کونسا درخت مراد ہے؟...... شیطان سجدے سے انکار کرتا ہے تو اس کو حکم ہوتا ہے کہ اس حالت سے نکل جا تب وہ کہتا ہے میں نسل انسانی کو سیدھی راہ سے پھیر دوں گا ...... اس کے بعد آدم کو حکم ہوتا ہے...... **ولا تقربا هذه الشجرة** ...... معلوم ہوا کہ **هذه** میں اشارہ اسی شیطان کے ورغلانے کی طرف ہے جو انسانی ترقی کی راہ میں روک بننا چاہتا ہے۔ اور **هذه الشجرة** سے مراد سوائے بدی کے اور کچھ نہیں...... اور ظاہر ہے کہ جس درخت سے آدم کو روکا اسی درخت سے بنی آدم کو بھی روکا ہو گا اور بنی آدم کو فرمایا **لا تقربوا الفواحش** (الانعام ۶:۱۵۱) بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۳۱ حاشیہ ۵۵)

**اقول** [۱] سورۃ الانعام آیت ۱۵۱، ۱۵۲ میں بہت سے کاموں کا حکم دیا بہت سی برائیوں سے روکا، اور تیرے ہاں آدم علیہ السلام کو صرف فواحش سے روکا، ارے جنت میں آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کے علاوہ انسان ہی کوئی نہ تھا بے حیائی کا کیا تصور جس سے منع کیا جاتا؟ [۲] وہاں ان کی بیوی کے علاوہ کوئی عورت نہ تھی، حضرت حواء کیلئے ان کے خاوند کے علاوہ کوئی نہ تھا [رہی جنت کی حوریں تو وہ آخرت میں ملیں گی] اگر زوجین کا اکٹھے رہنا فواحش میں داخل تھا تو تیرے لئے کیونکر جائز ہو گیا تیری بھی دو بیویاں تھیں ایک ڈاکٹر بشارت احمد مرزائی کی لڑکی تھی، اور تیرے پیر مرزا قادیانی کی بھی دو بیویاں تھیں۔ اس لئے درست یہی ہے کہ کوئی خاص درخت تھا جس کو کھانے سے یا اس کے پھل کو کھانے سے روکا گیا تھا۔ اولاد زمین پر اترنے کے بعد ہوئی اس لئے اولادِ آدم کو اس درخت کے کھانے سے روکنا بے معنی ہے۔ کیونکہ وہ درخت دنیا میں ہے نہیں۔

☆ آیت ۳۵ کے تحت محمد علی لاہوری کہتا ہے:

<u>**لا تقربا** کا حکم فطری ہے:</u> اس آیت کا سارا نقشہ حالت اور فطرت کا نقشہ ہے اور **لا تقربا** کا حکم بھی فطرت کے رنگ کا حکم ہے یہ الہام نہیں وحی نہیں کیونکہ الہام اور وحی اس فطری حکم کی خلاف ورزی کا علاج ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے پھر یہ میاں بی بی دونوں کو حکم ہے جہاں وحی کا ذکر ہے وہاں **فتلقى آدم** ہے یعنی آدم کو وہ کلمات سکھائے گئے پس یہ فطری حکم ہے اور اوپر دکھایا جا چکا ہے کہ فطری حکم بھی اللہ تعالیٰ کے عہد میں داخل ہے دیکھو نمبر ۴۲۔ مگر انسان کمزور ہے اس لئے اس فطری حکم کی تقویت کے لئے وہ ذکر کا محتاج ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اسے عطا فرماتا ہے۔ (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۳۱ حاشیہ ۵۵)

**اقول** [۱] آیت کریمہ میں **قُلْنَا** سے خطاب حضرت آدم علیہ السلام کو ہے، حضرت حواء نہیں اس لئے جیسے **فتلقى آدم** سے وحی کا ذکر ہے **قلنا يا آدم** میں بھی وحی کا ذکر ہے، اس کے وحی ہونے میں کوئی بعد نہیں۔ رہا یہ کہ **لا تقربا** میں میاں بیوی دونوں کو حکم ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف **اسكن انت وزوجك** کے اوپر ہے۔ اگر صرف تثنیہ کا صیغہ وحی نہ ہونے کی دلیل ہو تو **اقيموا الصلوة وآتوا الزكوة** اسی طرح **واقمن الصلوة وآتين الزكوة**، **ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبكما** وغیرہ سب ہی وحی سے خارج ہو جائیں۔ [۲] قرآن کریم میں کئی جگہ اس واقعہ کی تفصیلات ہیں قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اگر واقعی اللہ کی طرف سے وحی کا نزول بتانا ہو تو کیا الفاظ ہوں گے؟ یقیناً یہی الفاظ ہوں گے۔ الغرض تو ظاہر سے انحراف کرتا ہے اس لئے دلیل تجھے درکار ہے ہمیں نہیں۔

(باقی آگے)

جگہ عام باغ کے لئے ہوتا ہے، اَصۡحَابُ الۡجَنَّةِ سے عام طور پر اہل بہشت مراد ہوتے ہیں، مگر سورۃ القلم آیت: ۱۷ میں اَصۡحَابُ الۡجَنَّةِ سے مراد دنیا کے ایک باغ کے مالک مراد ہیں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) محمد علی لاہوری آیت ۳۵ کے تحت ہی لکھتا ہے:

بائبل کی غلطی کی اصلاح: بائبل نے **ھذہ الشجرۃ** کو نیکی اور بدی کی تمیز کا شجر کہا ہے ظاہر ہے کہ آدم کو اس سے روکنے کے یہ معنی ہوئے کہ اس کو تمیز کا جوہر خدا نے عطا نہ کیا تھا پھر حیوانوں پر اس کی فضیلت کیا؟ اور یہ کس قدر بیہودہ بات ہے کہ وہ عجیب جوہر جس سے انسان حیوان پر ممتاز ہوتا ہے خدا کے حکم کی نافرمانی کر کے انسان نے زبردستی حاصل کر لیا، قرآن کریم اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ اس فطری حکم کی نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہو گے یعنی اس اطمینانِ قلب اور راحتِ روحانی کو کھو دو گے جو فطرت نے تمہیں دی ہے کس طرح اس کو کھو دیا اس کا نقشہ سورۂ اعراف میں کھینچا ہے (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۳۱ حاشیہ ۵۵)

**اقول:** بات بائبل کی غلط ہے تو تیری بھی کونسی درست ہے؟ نہ وہاں نیکی بدی کی تمیز کا کوئی درخت تھا، نہ وہاں بدی کا درخت تھا جس کا تو نے بیان القرآن ج ۱ ص ۳۱ سطر ۱۴ میں ذکر کیا ہے۔ بلکہ ایک متعین مادی درخت کے قریب جانے کو ہی بدی قرار دیا، اس لئے جب تک اس سے کھایا نہیں عتاب نہ آیا۔

☆ محمد علی لاہوری ہی لکھتا ہے:

آدم جس جنت میں تھے وہ اطمینان قلب کی جنت ہے اور وہ دار الخلد نہیں جو انسان کو موت کے بعد بطورِ جزائے اعمال عطا کی جاتی ہے جہاں شیطان کا گزر نہیں اس لئے شیطان کے وسوسہ ڈالنے پر کوئی اعتراض نہیں (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۳۲ حاشیہ ۵۶)

**اقول:** [۲] آدم علیہ السلام اس جنت ہی میں تھے جو دار الخلد ہے وہاں ان کو اطمینان قلب بھی نصیب تھا محمد علی لاہوری اس کا انکار تو کرتا ہی ہے اس کے الفاظ سے بظاہر قیامت کا بھی انکار ہے جو کہتا ہے جنت موت کے بعد عطا کی جاتی ہے۔ حالانکہ جنت میں ہمیشہ کیلئے داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا۔

☆ جاوید احمد غامدی آیت ۳۵ کے تحت لکھتا ہے:

یہ غالباً اسی دنیا کا کوئی باغ تھا جسے آدم و حوا کا مستقر قرار دیا گیا (البیان ج ۱ ص ۵۱ حاشیہ)

**اقول:** [۱] ایک طرف صحیح مسلم شریف کی روایت ہے دوسری طرف تیرا "غالباً" ہے ہم تیرے "غالباً" کو کیا کریں؟ یقیناً آپؑ اس وقت کسی زمینی باغ میں نہ تھے کیونکہ اکل شجرہ کے بعد آپؑ سے کہا گیا: **اھبطوا منھا** یعنی جنت سے اتر جاؤ اترنا اونچی جگہ سے ہوتا ہے اگر یہ کوئی زمین کا باغ ہوتا تو فرمایا جاتا **اخرجوا منھا**، ایک اور قرینہ یہ ہے کہ اس اکل شجرہ کے بعد آپؑ سے یہ بھی کہا گیا: **ولکم فی الارض مستقر** اگر آپ پہلے ہی زمین کے باغ میں ہوتے تو یہ کہنا بے معنی ہے۔

☆ غامدی ہی لکھتا ہے:

سورۃ طٰہٰ (۲۰) کی آیت ۱۲۰ میں اسے **شجرۃ الخلد** کہا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ لفظ **الشجرۃ** یہاں مجازی مفہوم میں ہے **شجرۃ الخلد** کے لفظ سے جو معنی ظاہر ہوتے ہیں اور درخت کا پھل کھانے کے جو اثرات قرآن کے دوسرے مقامات پر بیان ہوئے ہیں دونوں اس بات کی طرف صاف اشارہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہی شجرۂ تناسل ہے جس کا پھل کھانے کے باعث انسان اس دنیا میں اپنے آپ کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ (البیان ج ۱ ص ۵۲)

**اقول:** [۱] تناسل تو نکاح کا مقصد ہے بالخصوص اُس زمانے میں جب ان دو کے سوا کوئی انسان تھا ہی نہیں تو تناسل سے منع کرنے کا کیا معنی؟ [۲] یہ بات اس لئے بھی درست نہیں کہ جنت میں تناسل کا موقع ہی نہ ہوا، جونہی اعضائے مستورہ ظاہر ہوئے وہاں سے نکلنا پڑ گیا [۳] پھر یہ بات اس کے استاد امین احسن اصلاحی کے نظریے کے بھی خلاف ہے وہ لکھتے ہیں: آدمؑ کی اطاعت و وفاداری کا امتحان ان کیلئے جنت کے درختوں میں سے ایک درخت کو حرام ٹھہرا کر لیا نعمتوں سے بھری ہوئی اس جنت میں صرف ایک درخت ہی ایسا تھا جس سے فائدہ اٹھانے سے حضرت آدم علیہ السلام کو روکا گیا تھا (تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۶۶ سطر ۱۴ تا ۱۶)

**تنبیہ:** جاوید غامدی اگرچہ امین احسن اصلاحی کو اپنا استاد مانتا ہے، کہتا ہے کہ ترجمۂ قرآن کے حواشی زیادہ تر "تدبر قرآن" سے نقل کرتا ہوں مگر اسے پورا اعتماد اس پر بھی نہیں۔ خود کہتا ہے: میرا نقطۂ نظر جن مقامات پر ان سے مختلف ہے وہ بھی کم نہیں ہیں (البیان ص ۷)

اس جگہ الجنۃ سے کیا مراد ہے؟ جمہور اہل سنت و جماعت کا قول ہے کہ یہاں الجنۃ سے بہشت ہی مراد ہے(۱) دنیا کا کوئی باغ نہیں تو اللہ نے آدم علیہ السلام کو چند دن کیلئے بہشت میں اس لئے لے جا کر رکھا کہ زمین کی خلافت میں ایسا مست و مدہوش نہ ہو جائے کہ ادھر کا خیال نہ رہے(از حقانی پارہ الم ص ۱۰۰)

---

۱) مفتی احمد یار خان اس آیت نمبر ۳۵ کے تحت ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں اعتراض یوں نقل کرتے ہیں کہ: ''حضرت حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی تھیں کیونکہ ان کے جسم پاک سے پیدا ہوئیں تو ان کے ساتھ زوجیت کا برتاؤ کیسے جائز ہوا؟'' [پھر اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ] اولاد کہلاتی ہے جو کہ اپنے نطفے سے پیدا ہو یہاں ایسا نہ ہوا لہٰذا وہ ان کی بیٹی نہ ہوئیں ہمارے جسم سے بہت سی جاندار چیزیں بن جاتی ہیں سر میں پیٹ میں بہت سے جانور پیدا ہو جاتے ہیں وہ ہماری اولاد نہیں کہلاتے کیونکہ وہ ہمارے نطفے سے نہیں ہیں اسی لئے بعض علماء فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم کہنا مجاز ہے اس لئے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حضرت جبریل کی پھونک سے پیدا ہوئے اور حضرت مریم کا شکم شریف ان کی امانت کی جگہ تھی وہاں مریم کا بھی نطفہ نہ تھا......اور اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت حواء آدم علیہ السلام کی بیٹی ہی تھیں تو بھی جس طرح ان کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا اس طرح مجبوراً اس بیٹی سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا کیونکہ دوسری عورت کا ملنا ناممکن تھا (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۸۴)

**اقول:** [۱] جس طرح اس نے اس موقع پر سر اور پیٹ میں پیدا ہونے والے جانوروں کا ذکر کر کے مسئلہ سمجھا اگر کوئی اور ایسا کرے تو یہ لوگ اسے گستاخ کہہ دیں [۲] حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے حقیقی بیٹے تھے نہ کہ مجازی اس لئے کہ بلوغت کے بعد اچانک ایک غیر مرد کو سامنے دیکھ کر حضرت مریم کے دل میں ایک طبعی تحریک پیدا ہوئی نسوانی جذبات ابھرے، نظر پڑی تو کہنے لگیں **انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا** کہا، جسے مرد سمجھی تھیں اس نے کہا **انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا** یہ کہہ کر پھونک ماری تو حمل ہوگا۔ قرآن کریم نے حمل کا بھی ذکر کیا وضع حمل کا بھی (دیکھئے سورۃ مریم:۲۲،۲۳) حضرت جبریل نے یہ نہ کہا تھا: **لاضعہ فی بطن امک**۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم کو اپنی والدہ مانتے ہوئے فرمایا: **وبرا بوالدتی** (مریم:۳۲) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی بتائے گا خطاب میں بھی انعامات بتاتے ہوئے بھی فرمائے گا: **یا عیسی بن مریم اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک** (المائدۃ:۱۱۰) شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:

**فلما قال لها( انما انا رسول ربک) جئت (لاھب لک غلاما زکیا) انبسطت عن ذلک القبض وانشرح صدرها فنفخ فیها فی ذلک الحین عیسیٰ فکان جبریل ناقلا کلمۃ اللہ کما ینقل الرسول کلام اللہ لامنہ وھو قولہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ <u>فسرت الشھوۃ فی مریم فخلق جسم عیسیٰ من ماء محقق من مریم ومن ماء متوھم من جبریل</u>** (فصوص الحکم ص ۱۳۹) خط کشیدہ عبارت میں یہ کہتے ہیں کہ حضرت جبریل کے اس ارشاد کے بعد حضرت مریم میں شہوت پیدا ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم اس پانی سے بنا جو حضرت مریم سے تو پیدا شدہ تھا حضرت جبریل کی طرف سے متوہم تھا۔

☆ مفتی صاحب نے یہاں کچھ اور اعتراضات مع جوابات لکھے ہیں افادۃً ان کو نقل کیا جاتا ہے [اعتراض] جنتی تو جنت میں ہمیشہ رہیں گے آپ نکالے کیوں گئے [جواب] ہمیشہ رہنا تب ہوگا جب ثواب کیلئے جانا ہوگا [اعتراض] شیطان جنت میں کیسے گیا؟ [جواب] جیسے چور چوری کیلئے مسجد چلا جاتا ہے [اعتراض] شیطان جنت سے نکال دیا گیا تھا پھر کیسے چلا گیا؟ [جواب] جیسے معزولی کے بعد کوئی اپنے دفتر چلا جائے [اعتراض] بہشت میں شرعی احکام نہیں تو ان کو **لا تقربا** کیوں کہا گیا؟ [جواب] یہ آزادی جب ثواب کیلئے جائیں گے [اعتراض] کہتے ہیں کہ آدم وہاں سوگئے تھے حالانکہ جنت میں نیند نہیں [جواب] یہ بھی جب ثواب کیلئے جائیں گے (از تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۸۵)

☆ مفتی احمد یار خان صاحب تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۸۶ میں کہتے ہیں:

**سوال:** یہاں فرمایا **ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین** [البقرۃ:۳۵] دوسری جگہ فرمایا: **لا ینال عھدی الظالمین** [البقرۃ:۱۲۴] معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نبی نہیں کیونکہ نبوت ظالموں کو نہیں ملتی۔

**جواب:** ظلم جس طرح کفر شرک کو کہتے ہیں فسق و فجور کو بھی کہتے ہیں اور حد سے نکلنے یا کسی چیز کو بے موقع استعمال کرنے کو بھی یہاں **ربنا ظلمنا انفسنا** [الاعراف:۲۳] میں ظلم سے مراد خطا لغزش ہو جانا، اور **لا ینال عھدی الظالمین** [البقرۃ:۱۲۴] میں ظلم سے مراد بدکاری فسق و فجور ہے یعنی بدکاروں فاسقوں کو نبوت نہ ملے گی قرآن نے سیدنا آدم علیہ السلام کی پاکدامنی کا ہر جگہ اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے کہیں فرمایا اُن کو شیطان نے بہکا دیا وغیرہ وغیرہ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے کوئی کہہ دے کہ اللہ مومن ہے قرآن [الحشر:۲۳] سے ثابت ہے اور ہر مومن ہمارا بھائی ہے یہ بھی قرآن [الحجرات:۱۰] سے ثابت ہے جیسے یہاں مومن کے چند معانی میں فرق نہ کیا گیا ایسے ہی یہاں بھی (باقی آگے)

جنت میں کس درخت سے منع کیا گیا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں قطعی کوئی نہیں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں خدا جانے وہ درخت کیا تھا (بیان القرآن ج۱ص۲۳) بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ گندم کا درخت تھا اس پر اشکال ہوتا ہے کہ گندم کا تو درخت نہیں ہوتا حضرت شیخؒ نے فرمایا یہ جنت کی بات ہو رہی ہے دنیا کی نہیں۔ جنت میں دودھ اور شہد کی نہریں ہیں وہاں گندم کے درخت کیوں نہیں ہوسکتے۔ یعنی امکان تو ہے کہ وہ درخت گندم کا ہو مگر یہ بات قطعی نہیں۔

۵) **فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ (۱) عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ** ''تو شیطان نے اُن کو اس سے پھسلایا اور جن نعمتوں میں وہ تھے ان سے ان کو نکال دیا'' مردود ہونے کے بعد شیطان نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو گمراہ کرنے کا عزم کرلیا، اس نے آدم علیہ السلام کو ممنوعہ پھل کھلانے کیلئے جھوٹی قسمیں بھی کھائیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **قول:** عام علماء کے ہاں خاتمیت صرف زمانی ہوتی ہے یعنی اُن کے ہاں ''خاتم النبیین'' کا معنی ''صرف آخری نبی'' ہے جبکہ حضرت نانوتویؒ کے ہاں خاتمیت جیسے زمانی ہوتی ہے رتبی اور مکانی بھی ہوتی ہے اور ان کے ہاں سورۃ الاحزاب کی آیت خاتم النبیین سے خاتمیت کی یہ تینوں قسمیں آنحضرت ﷺ کیلئے ثابت ہوتی ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رتبہ کے اعتبار سے سب انبیاء سے اعلیٰ ہیں، زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری ہیں کہ آپ کے بعد کسی کو منصب نبوت نہ ملے گا، ساتوں زمینوں میں یہ زمین اعلیٰ ہے اللہ نے آپ ﷺ کو اس زمین میں مبعوث فرمایا ہے۔ تحذیر الناس ص۱۴، ص۲۸ میں خاتمیت رتبی یعنی افضلیت مطلقہ ہی کا بیان ہے تم نے ہر جگہ زمانی سمجھ کر فتوے لگانے شروع کردیئے۔ اگر حضرت نانوتویؒ نے کہیں ان اصطلاحات کی تصریح نہ کی ہوتی تو اور بات تھی مگر انہوں نے بڑی صراحت کے ساتھ تحذیر الناس میں ان اقسام کا ذکر فرمایا ہے۔ اس لئے تمہارے یہ فتوے قطعاً کالعدم ہیں یا تمہارے اوپر ہی پلٹتے ہیں۔

۱) حضرت آدم علیہ السلام تو نبی تھے شجرہ ممنوعہ سے کیوں کھا بیٹھے؟ اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس خاص درخت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا: **لا تقربا هذه الشجرة** اس درخت کے قریب نہ جانا تو جس درخت کی اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا انہوں نے وہ مخصوص درخت سمجھا اور اس کے قریب نہیں گئے اس نوع کے دوسرے درخت کو غیر ممنوع سمجھ کر اس سے کھالیا یہ غلطی ہوگئی دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس نہی کو نہی تحریمی نہیں سمجھا بلکہ نہی تنزیہی سمجھا، اور نہی تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ بچنا بہتر ہے اگر کرلو تو گناہ نہیں ہے تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شیطان کے قسم اٹھانے سے مغالطہ ہوا کہ یہ جو قسم اٹھا کر کہہ رہا ہے کہ تم کھالو شاید اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم اٹھالیا ہو، اور ابلیس کو اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم ہوگیا ہو بہر حال کچھ بھی ہوا یہ مقدر تھا کہ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو زمین پر اترنا تھا سو اتار دیئے گئے (ماخوذ از ذخیرۃ الجنان ج۱ص۱۳۴)

بہر حال یہ بات تو یقینی ہے کہ انبیاء کرام جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کیونکہ اگر ان کے لئے عصمت نہ مانی جائے تو نہ تو نبی اور غیر نبی میں فرق رہے گا، اور نہ پھر نبی پر اعتماد ہوسکے گا، کیا پتہ کہ وہ اپنی باتوں میں، اپنے وعدوں میں جھوٹا ہو؟ وہ وحی کا مدعی ہے مگر کیا پتہ ہے کہ اس کو وحی آتی ہے یا نہیں؟ بہر حال اخلاق و کردار میں نبی کا امتیاز ہی ختم ہوجائے گا۔ ایک دکاندار جھوٹ بولے تو قابل اعتماد نہیں منصب نبوت تو پھر منصب نبوت ہے۔ نبی کا قول فعل تقریر حجت ہے یہ بھی عصمت کی دلیل ہے کیونکہ تقریر حجت ہو تو قول فعل بدرجہ اولیٰ حجت ہوں گے، آپ پر سورۃ عبس وغیرہ میں تنبیہ کے نازل ہونے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ معصوم تھے کوئی کام اگر خلاف اولیٰ ہوجاتا تو اللہ کی طرف سے فوراً تنبیہ نازل ہوجاتی۔ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ تھا۔

**فائدہ:** عصمت انبیاء علیہم السلام کی بابت مکاتیب قاسم العلوم میں حضرت نانوتویؒ کا ایک اہم مکتوب ہے جو قاسم العلوم مع انوار النجوم ص۱۲۳ تا ۱۴۹ میں موجود ہے۔ شاہجہانپور کے دوسرے مباحثہ میں پہلے دن اسلام کی حقانیت پر آپ نے جو بیان فرمایا اس میں ہندوؤں اور عیسائیوں کے نامی گرامی مناظرین کی موجودگی میں توحید خداوندی کو ثابت کرنے کے بعد نبوت کی ضرورت کو بیان کیا اور یہ بھی ثابت کیا کہ نبی کیلئے معصوم ہونا ضروری ہے پھر عصمت کی ایسی تعریف فرمائی کہ آدم علیہ السلام کے اکل شجرہ سے جو اعتراض پیدا ہوتا ہے تعریف کے اندر ہی اس کا جواب ہوگیا۔ آپ نے فرمایا:

یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی کسی کا مقرب جبھی ہوسکتا ہے جب کہ وہ اس کے موافق مرضی ہو جو لوگ مخالف مزاج ہوتے ہیں قربت و منزلت ان کو میسر نہیں آسکتا......اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انبیاء و مرسل سراپا اطاعت ہوں اور ایک بات بھی ان میں خلاف مرضی خداوندی نہ ہو، اسی وجہ سے ہم انبیاء کو معصوم کہتے ہیں ہاں یہ بات ممکن ہے (باقی آگے)

سوال یہ ہے کہ شیطان کو جنت سے نکال دیا تھا تو اس نے آدم علیہ السلام کو کس طرح گمراہ کیا اس میں کئی احتمال ہیں ایک یہ کہ شیطان جنت سے دور تھا مگر اس کی آواز

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ بوجہِ سہو یا غلط فہمی جو گاہ بگاہ بڑے بڑے عاقلوں کو بھی پیش آجاتی ہے اور سوائے خداوند علیم وخبیر اور کوئی اس سے منزہ نہیں کسی مخالف مرضی کام کو موافق مرضی اور موافق مرضی کو مخالفِ مرضی سمجھ جائیں اور اس وجہ سے بظاہر خلافِ مرضی کام ہو جائے تو ہو جائے [حاشیہ میں ہے: مثلاً اپنا مخدوم برابر بٹھلائے اور یہ بوجہ ادب برابر نہ بیٹھے۔ منہ] یا بوجہِ عظمت ومحبتِ مطاع ہی مخالفت کی نوبت آئے اس کو گناہ نہیں کہتے گناہ کیلئے یہ ضرور ہے کہ عمداً مخالفت کی جائے بھول چوک کو لغزش کہتے ہیں گناہ نہیں کہتے یہی وجہ ہے کہ موقعِ عذر میں یہ کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا یا میں سمجھا نہ تھا۔ اگر بھول چوک بھی گناہ ہی ہوا کرے تو یہ عذر الٹا اقرارِ خطا ہوا کرتا عذر نہ ہوا کرتا (مباحثہ شاہجہانپور ص ۲۸، ۲۹)

<u>عیسائیوں کے اعتراضات اور حضرتؒ کے فوری جوابات:</u>

حضرتؒ کے بیان کے بعد اعتراض کرنے کی اجازت تھی ہندوؤں کی طرف سے کوئی کھڑا نہ ہوا عیسائیوں کی طرف سے ایک پادری کھڑا ہوا، اس نے عصمتِ انبیاء کے اوپر تین اعتراض اٹھائے ایک یہ کہ آدم علیہ السلام نے درخت سے کھایا دوسرے یہ کہ حضرت داود علیہ السلام نے معاذ اللہ زنا کیا (دیکھئے ۲۔سموئیل باب ۱۱) تیسرے یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بت پرستی کی۔ حضرت نانوتویؒ نے اسی مجلس میں کھڑے ہو کر جواب دیئے کہ آدم علیہ السلام سے بھول ہوگئی (طٰہٰ:۱۱۵) نیز انہوں نے قرب حاصل کرنے کیلئے ایسا کیا کیونکہ شیطان نے یہی کہا تھا کہ اگر تم کھاؤ گے تو فرشتے ہو جاؤ گے (الاعراف:۲۰) اور فرشتے خدا کے مقرب ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے عمداً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی اور ہم کہہ چکے ہیں کہ گناہ کہتے ہی اس کو ہیں کہ عمداً نافرمانی کی جائے۔ حضرت داود علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف ان گناہوں کی نسبت ہی غلط ہے (دیکھئے مباحثہ ص ۴۸ تا ۵۱) عیسائیوں نے کہا حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ان گناہوں کا ذکر قرآن میں نہیں تو بائبل میں ہے اور قرآن تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے حضرت نانوتویؒ نے فرمایا۔ جو تورات وانجیل تمہارے پاس ہے اس میں تو تحریف ہو چکی ہے، قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے جو انبیاء پر نازل ہوئیں اس پر انہوں نے کہا کہ تم تحریف ثابت کرو تب ایک مسلمان مناظر مولانا ابو منصورؒ نے اسی مجلس میں بائبل میں تحریف کو ثابت کر دیا۔ (دیکھئے مباحثہ ص ۵۳، ۵۴)

**سوال:** انبیاء کرام تو عیسائیوں کے ہاں بھی محترم اور معصوم ہیں وہ ایسے اعتراض کیوں کرتے ہیں؟

**جواب:** عیسائی کے ہاں انبیائے کرام معیارِ حق نہیں بلکہ ان کے ہاں انبیاء علیہم السلام کا نہ تو وہ متقی پرہیزگار ہونا ضروری ہے اور نہ ان کا باایمان وباعمل ہونا ضروری ہے، بلکہ جس طرح نجومی لوگوں کو غیب کی سچی جھوٹی خبریں دیتے ہیں اسی قسم کا منصب ان کے ہاں انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ پھر ان کے ہاں نبوت ختم نہیں ہوئی ہر عیسائی ان کے ہاں نبی بن سکتا ہے، ذیل میں اس کے لئے کچھ حوالے ملاحظہ ہوں:

[۱] پولس جس نے عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد عیسائیت کو بگاڑا، اور موجودہ عیسائیت کا بانی ہے عیسائی خود کہتے ہیں کہ "یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ پولس کی یہ تحریریں مسیحی علم الٰہی [یعنی عیسائیوں کے عقائد] کی جان ہیں" (قاموس الکتاب ص ۲۳۸) وہ ایک خط میں لکھتا ہے: جس کو نبوت ملی وہ ایمان کے اندازہ کے موافق نبوت کرے ......اگر کوئی معلم ہو تو تعلیم میں مشغول رہے (رومیوں ۱۲:۶، ۷) [۲] عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کے حالات میں لکھا ہے کہ: یہوداہ اور سیلاس نے جو خود بھی نبی تھے بھائیوں کو بہت سی نصیحتیں کر کے مضبوط کر دیا (اعمال ۱۵:۳۲) اسی زمانے کے حالات میں ہے کہ: ہمیں ایک لونڈی ملی جس میں غیب دان روح تھی وہ غیب گوئی سے اپنے مالکوں کیلئے بہت کچھ کماتی تھی (اعمال:۱۶:۱۶) [۳] بائبل میں ایک جگہ بین القوسین لکھا ہے (اگلے زمانہ میں اسرائیلیوں میں جب کوئی شخص خدا سے مشورہ کرنے جاتا تو یہ کہتا تھا کہ آؤ ہم غیب بین کے پاس چلیں کیونکہ جس کو اب "نبی" کہتے ہیں اس کو پہلے "غیب بین" کہتے تھے) (۱۔سموئیل ۹:۹) [۴] عیسائیوں کی مشہور کتاب قاموس الکتاب میں ہے: ہر ایک مسیحی کے نبی ہونے کا امکان ہے آدمیوں پر پاک روح کا نزول اس نتیجے کا حامل ہوتا ہے کہ وہ "نبوت کریں گے" (اعمال ۲:۱۸) (قاموس الکتاب ص ۱۰۹۶) بہر حال منصبِ نبوت ان کے ہاں منصبِ تعلیم کی طرح ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا ایسا منصب نہیں جس کی انتہاء کسی پر ہوئی جیسے ہم کہتے ہیں کہ منصبِ نبوت کی انتہاء محمد ﷺ پر ہوگئی۔

<u>عیسائیوں کے ہاں انبیاءؑ کے القاب:</u>

عیسائی ہی کہتے ہیں کہ: انبیاء کیلئے دو عام لقب استعمال ہوتے ہیں پہلا: مردِ خدا...... دوسرا لقب: "تیرا، اس کا یا میرا بندہ۔ خادم"...... ایک خاص لقب (باقی آگے)

جنت میں آدم علیہ السلام تک پہنچ گئی دوسرے جیسے باہر سے کوئی بولے آواز اندر جاتی ہے اسی طرح شیطان نے جنت کے دروازے سے آواز دی ہوگی، تیسرے یہ کہ حکم خداوندی کی نافرمانی کر کے جنت میں چلا گیا ہو۔اور اس وقت تکوینی طور پر جنت میں اس کا داخلہ منع نہ ہوا ہو۔واللہ اعلم۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بتاتے ہیں''روہ'' اس کا ترجمہ''غیب بین''اور ایک لقب''خوزہ''اس کا ترجمہ بعض اوقات''نبی''یا پھر''غیب بین'' کیا گیا ہے(ایضاً ص ۱۰۸۷ ملخصاً)

فائدہ ''غیب بین'' کا ترجمہ ہوتا ہے غیب کو دیکھنے والا، تو معلوم ہوا کہ بعض جہلاء جو کہتے ہیں نبی کا معنی''غیب دان''۔''غیب جاننے والا'' یہ معنی عیسائیوں سے ماخوذ ہے۔ ہاں انبیاء اللہ کی طرف سے وحی شدہ غیب کی خبریں دیتے ہیں فرمایا: **تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک** (ہود:۴۹) مگر علم غیب وہ اللہ ہی کی شان ہے(النمل:۶۵)

عیسائیوں کی طرف سے بہت سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار:

عیسائی کہتے ہیں: بائبل مقدس میں پہلی مرتبہ جس شخص کو نبی کہا گیا وہ ابرہام ہے......لیکن عہد عتیق میں نبوت کو حتمی شکل موسیٰ کی شخصیت اور زندگی میں ملی جو مستقبل کے تمام انبیاء کیلئے معیار بن گیا(قاموس ص ۱۰۸۶)

حضرت نوح حضرت لوط حضرت اسحاق حضرت یعقوب حضرت یوسف حضرت داود حضرت سلیمان علیہم السلام وہ حضرات ہیں جن کو قرآن کریم نے انبیاء میں ذکر فرمایا وہ یقیناً نبی ہیں مگر عیسائی ان کو عام انسانوں کی طرح ذکر کر کے ان کی طرف ایسی خرافات منسوب کر دیتے ہیں جن سے عام آدمی بھی پناہ مانگتا ہے مثلاً لکھتے ہیں:

نوح: سیت [یعنی شیث علیہما السلام۔راقم] کی نسل سے آدم سے دسویں پشت میں لمک کا بیٹا......نوح باغبان گیا، اور اس کے تاکستان لگایا ایک دن وہ زیادہ مے پی کر مدہوش ہو گیا اور اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا(قاموس الکتاب ص ۱۱۲۱،۱۱۲۲) لوط: حاران کا بیٹا اور ابرہام کا بھتیجا......لوط نے خود غرضی سے سدوم کے سرسبز وشاداب گردونواح کو چنا یہ شہر اپنی بدی کے باعث بڑا بدنام تھا......اس تباہ کن انتخاب سے اس کی قسمت پر مہر لگ گئی......لوط کی اپنی بیٹیاں اپنے باپ کو مے پلا کر اس کے ساتھ ہم بستر ہوئیں......[پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرتے ہوئے لوط علیہ السلام کے بارے میں لکھتا ہے کہ۔راقم] وہ المسیح کے نسب نامے میں شامل ہے(ایضاً ص ۹۲۱) اسحاق: یہ ابراہام اور سارہ کا اکلوتا بیٹا تھا(ایضاً ص ۸۶) یعقوب(چالاکی سے دوسرے کی جگہ لینے والے) نے اپنے بڑے بھائی کی بھوک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے پلوٹھے کا حق حاصل کر لیا نیز اس نے دھوکے سے وہ برکات خود حاصل کر لیں جو دستور کے مطابق پلوٹھے بیٹے کو دی جانی چاہئے تھیں(ایضاً ص ۱۱۲۳) یوسف: یعقوب کے بارہ بیٹوں میں سے گیارھواں اور راخل کا پہلا بیٹا......وہ شمالی سلطنت کے دو قبیلوں منسی اور افرائیم کا جد امجد تھا(ص ۱۲۵۰،۱۲۵۱) داؤد: اسرائیل کا عظیم ترین بادشاہ(ص ۴۲۵) پھر اس کتاب میں داود علیہ السلام کی طرف اوریا کی بیوی سے زنا کی نسبت اور ان کے بیٹے کی طرف سوتیلی بہن سے زنا بالجبر کی نسبت کی ہے(قاموس الکتاب ص ۴۲۷) سلیمان: متحدہ اسرائیل کا تیسرا اور آخری بادشاہ(ص ۵۶۹) سلیمان نے اپنی بت پرست بیویوں کو خوش کرنے کیلئے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش کے لئے مندر تعمیر کئے(قاموس الکتاب ص ۵۷۱) اس کتاب میں ان حضرات کو کہیں بھی نبی نہیں لکھا۔

تنبیہ عیسائی سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی کو معصوم نہیں کہتے لیکن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے جو حالات لکھتے ہیں وہ ان کو معصوم نہیں بتاتے مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی سے کہا: تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا(مرقس ۱۰:۱۸) ☆ باوجودیکہ بائبل میں ہے: تو اپنے ماں اور باپ کی عزت کرنا(خروج ۲۰:۱۲) مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم کا بے ادب بتایا چنانچہ لکھتا ہے کہ: جب وہ بھیڑ سے یہ کہہ ہی رہا تھا تو دیکھو اس کی ماں اور بھائی باہر کھڑے تھے اور اس سے بات کرنا چاہتے تھے کسی نے اس سے کہا کہ دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں اس نے خبر دینے والے کو جواب میں کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی؟ اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا کہ دیکھو کہ میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے(متی باب ۱۲:۴۶ تا ۵۰) یسوع نے اس سے کہا اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ہے؟(یوحنا ۲:۴) اب ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے بھائی ماننے حالانکہ آپ علیہ السلام اکلوتے تھے بن باپ کے تھے قرآن نے اسی لئے ان کے بارے میں فرمایا:''**وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً**''(المومنون:۵۰) پھر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایسے بے ادبی کی بات منسوب کی جیسے حضرت مریم کوئی پرلے درجے کی بے دین اور اجنبی عورت ہو حالانکہ وہ تقوی اور پاکدامنی میں اپنی مثال آپ تھیں اور والدہ ہونے کی وجہ تو ان کیلئے بہت ہی ادب کا مقام تھیں ☆ پھر بائبل ہی کہتی ہے کہ ایک غلط عورت نے آپ کے پاؤں پر عطر ڈالا اور انہیں چوما(از لوقا ۷:۳۷،۳۸) (باقی آگے)

۲) مولانا سلیم اللہ صاحبؒ کے افادات میں حضرت تھانویؒ سے ہے کہ قرآن کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ باقاعدہ مکالمہ ہوا تھا کیونکہ قسمیں عموماً کلام ہی میں کھائی جاتی ہیں اور کلام ملاقات کی صورت میں ممکن ہے۔ باقی رہا یہ اشکال کہ ایک آیت میں **فوسوس لھما الشیطان** میں وسوسہ کی تصریح ہے تو اس کے متعلق اتنا جان لینا چاہئے کہ وسوسہ صرف دِل میں خیال لانے کا نام نہیں بلکہ کلام میں کسی کو ورغلانا بھی وسوسہ کہلاتا ہے۔..... مکالمہ کہاں ہوا؟..... ممکن ہے آدمؑ سیر کیلئے جنت سے باہر آسمانوں کی طرف آئے ہوں وہاں ابلیس سے ملاقات ہوگئی ہو یا آدم جنت کے دروازے پر ہوں اور ابلیس جنت کے دروازے کے باہر اور یہ مکالمہ ہوگیا ہو (کشف البیان ج ۱ ص ۲۲۰) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیطان نے کسی اور شکل میں آکر دھوکہ دیا ہو (بیان القرآن ج ۱ ص ۲۴)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دیکھا آپ نے کہ عیسائیوں کے ہاں نبی اس قابل نہیں ہوتے کہ اس کی اتباع کی جائے محض ایک نجومی کی طرح ہوتے ہیں۔

**سچا دین اسلام ہی ہے:** اسلام کے سچا ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ سب انبیاء علیہم السلام کا ادب واحترام سکھاتا ہے **لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ**، عیسیٰ علیہ السلام تو اپنی جگہ ان کی والدہ مقدسہ طاہرہ کی پاکدامنی کا اعلان کرتا ہے۔

**تنبیہ:** عیسائی یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ تمہارا قرآن ہمارے نبی کی اور ان کی والدہ کی تعریف کرتا ہے اس لئے تم عیسائی ہو جاؤ کیونکہ اگر موجودہ عیسائیت صحیح دین ہوتا تو اس کی تعلیمات ایسی گندی نہ ہوتیں دراصل موجودہ عیسائیت کی تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات نہیں بلکہ یہ پولس کی خرافات ہیں۔ اگر نجات چاہتے ہو تو اسلام میں داخل ہونا پڑے گا عیسائیت میں ہماری نجات کیسے ہوسکتی ہے اسلام تو ایسا عظیم الشان دین ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو اسلام ہی کو نافذ کریں گے۔

**نتیجہ:** حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہر حال میں محترم ہیں، ہماری نجات ان پر ایمان لانے اور ان کے ادب واحترام میں ہی ہے ان کی بھول بھی رحمت ہوتی ہے دیکھئے آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو ہمیں استغفار کی تعلیم ملی، اور یہ دعا بھی عطا ہوئی: **رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** (الاعراف: ۲۳) حضرت یونس علیہ السلام کی برکت سے ہمیں آیتِ کریمہ ''**لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ**'' (الانبیاء: ۸۷) نصیب ہوئی۔ اب جتنے لوگ ان دعاؤں کو پڑھتے ہیں ان حضرات کو ثواب ملتا رہتا ہے۔ اعتراض کرنے والا تو اپنے اعمال ہی ضائع کرے گا۔

**شیعہ کے بارے میں:** آیت ۳۴، ۳۵ کے تحت فرمان علی شیعہ لکھتا ہے:

اس مقام پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ حضرت آدم نبی اور معصوم تھے پھر ایسا گناہ ان سے کیونکر ہوسکتا ہے اس اعتراض کو بہت سے لوگوں نے تو چاہے کسی خیال کے ہوں مان بھی لیا، اور اس کے قائل ہوگئے کہ انبیاء سے العیاذ باللہ گناہ ہوسکتا ہے۔ اور بعض حضرات ہمعصر نے بعض ملاحدہ کی تقلید میں اس اعتراض سے بچنے کے واسطے یہ اختیار کیا ہے کہ وہ آدم جن سے گناہ ہوا ہے وہ آدم ابوالبشر نہ تھے بلکہ ان کی نسل سے کوئی آدمی تھا جس کا قصہ قرآن میں ہے اور بہشت بھی بہشتِ خلد نہ تھا بلکہ بہشتِ دنیا۔ اگر چہ یہ ایراد کوئی جدید نہیں ہے بلکہ بہت قدیم ہے..... مگر مجھے افسوس ہے تو اس کا کہ اگر چہ مفسرین نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ وہ درخت کونسا درخت؟ وہ بہشت کونسا بہشت؟ مگر اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا تھا کہ حضرت آدم کون تھے؟ یہ بالکل انوکھی بات ہے جسے..... میں سنتا ہوں کیونکہ اگر قرآن مجید کی آیتوں کی تاویل کسی طرح کرلی جائے تو خیر مگر احادیث صحیحہ اس کثرت سے صاف اور صحیح اس بارے میں وارد ہیں کہ ان کو نہ ماننا گویا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ بہر حال اس کے وجوہات ملاحظہ ہوں ﴿نمبر ۱﴾ خدا نے اس درخت کے پاس جانے کی ممانعت کی تھی نہ کھانے کی، پھر اگر حضرت آدم نے کھایا تو کیا برائی کی؟ [بہتر ہے کہ یوں کہا جائے کہ کھانے کی ممانعت تو تھی مگر وہ اس لفظ سے یہ نہ سمجھے اس لئے بے گناہ ہوئے ان کا کھانا اجتہادی خطا تھی۔ راقم] ﴿نمبر ۲﴾ اگر مان لیا جائے کہ کھانے کی ممانعت کی تھی تو خدا نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے معین کر دیا تھا اور حضرت آدم نے خاص اس درخت سے ہرگز نہیں کھایا بلکہ اسی قسم کے درخت سے کھایا اور چونکہ اس قسم کے درخت سے کھانا بھی جناب آدم کی شان کے خلاف تھا اسوجہ سے یہ عتاب خدا کی طرف سے ہوا ﴿نمبر ۳﴾ اگر چہ ممانعت تھی مگر حرام نہ تھا جس کے فعل پر گناہ کا الزام رکھا جائے بلکہ مکروہ تھا اور محض آداب میں داخل تھا جس طرح ہم سے یہ کہا جائے کہ راہ میں دوڑ کر نہ چلو ورنہ اپنا آپ نقصان کرو گے اسی طرح حضرت آدم سے بھی یہ کہا گیا تھا اور ظلم کے یہی معنی ہیں کہ اپنا نقصان کرنا اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت نے کھا کر یہ نقصان کیا کہ وہ عیش وراحت جو بہشت میں حاصل تھی جاتی رہی اور اگر وہ کھانا حرام اور گناہ کا باعث ہوتا تو خدا فوری عتاب نہ کرتا بلکہ اس کو آخرت پر اٹھا رکھتا اور یہ ظاہر ہے کہ (باقی آگے)

**فائدہ:** آدمؑ جنت سے نکلے تو اللہ کے حکم سے تھے شیطان سبب بن گیا اس لئے **فَاَخۡرَجَهُمَا** میں نکالنے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی یہ اسناد مجازی ہے لیکن **اَزَلَّهُمَا** کی نسب حقیقی ہے کیونکہ شیطان نے اسی لئے وسوسے ڈالے۔ یا یوں کہا جائے کہ شیطان کی طرف کسب کے اعتبار سے نسب ہے نہ حقیقی خلق کے اعتبار سے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک گناہ کی دو سزائیں زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی عدلِ خدا سے بعید ہے تو معلوم ہوا کہ وہ کھانا ہرگز حرام نہ تھا بلکہ صرف مکروہ تھا، اور فعل مکروہ کا احیاناً سرزد ہونا اگرچہ شانِ نبوت کے خلاف ہے اور اسی وجہ سے عتاب ہوا، اور حضرت آدم اس قدر توبہ میں مشغول رہے مگر عصمت کے ہرگز خلاف نہیں اور نہ کوئی نبوت میں دھبہ آسکتا ہے خدا کے احکام پر جو جزا یا سزا ہوتی یا گناہ یا ثواب دیا جاتا ہے وہ صرف دارِ تکلیف یعنی دنیا کے واسطے ہے اور حضرت آدم اس وقت دنیا میں نہ تھے پھر آپ پر کوئی الزام کیونکر آسکتا ہے۔ ان کا بہشت میں رہنا جیسا کسی ماں کے رحم میں رہنا اور دنیا میں آنا گویا پیدا ہونا، اور عصمت کے معنی یہ ہیں کہ وقتِ پیدائش سے مرنے کے وقت تک کوئی گناہ نہ کرے رحم کی حالت کی ذمہ داری نہیں ہوتی اور نہ کوئی عاقل اس کے فعل کو گناہ کہہ سکتا ہے۔ غرض یہ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قصہ حضرت آدم ابوالبشر اور نبی ہی کا ہے اور ان سے ہرگز کوئی گناہ نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔ (ترجمہ فرمان علی حاشیہ ص ۹، ۱۰)

**اقول:** [۱] آنحضرت ﷺ نے حضرات خلفاءِ راشدین کی اتباع کا جو حکم دیا (مشکوٰۃ ص ۳۰، ترمذی ج ۲ ص ۹۲، ابوداود ج ۲ ص ۲۹۰) بخاری مسلم اور دیگر کتب حدیث کی مرویات میں خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرامؓ کے جو فضائل بیان کئے بعض کو نام لے جنتی کہا (دیکھئے مشکوٰۃ ص ۵۵۳ تا ۵۸۱) اگر واقعی ایسے ہی ہے تو ہمیں صحابہؓ کا ذکر اچھے لفظوں میں ہی کرنا چاہیئے، اور صدقِ دل سے ان کی اتباع کی کوشش کرنی چاہیئے، اور اگر وہ متبوع بننے کے اہل نہ تھے تو آپ نے معاذ اللہ نا اہل کی اتباع کا حکم دیا، اور اگر وہ اہل جنت سے نہ تھے تو آپ ﷺ نے غلط خبر دی۔ اور نا اہل کی اتباع کا حکم دینا اسی طرح جھوٹی خبر دینا عصمت کے خلاف ہے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو وہی لوگ معصوم مانتے ہیں جو صحابہؓ کا بھی ادب کرتے ہیں اور اہل بیتؓ کا بھی۔ والحمد للہ۔ [۲] آدم علیہ السلام کے بارے میں تو فرمان علی نے یہ بات بھی کہی کہ وہ دوسرے جہان میں تھے مگر نبی ﷺ نے تو اسی جہان میں ان کی اتباع کا حکم دیا اور ان حضرات کے جنتی ہونے کی خبر دی ہے۔ اس لئے آپ کے اس فرمان کو ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

﴿ائمہ معصوم نہیں﴾

مولانا سلیم اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے افادات میں ہے کہ شیعہ کے نزدیک انبیاء و رسل کے علاوہ ان کے ائمہ بھی معصوم ہوتے ہیں ان کا یہ اعتقاد اصول کافی کتاب الحجہ، باب نادر جامع فی فضل الامام، ا/۲۰۰، ۲۰۳، بحار الانوار، کتاب الامامۃ، باب عصمۃ الامام، ۲۵/۲۱۱ میں مذکور ہے ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ امام نبی کا نائب ہوتا ہے

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ نبی کو براہِ راست خدا سے وحی آتی ہے جبکہ امام کو نہیں اس لئے امام سے غلطی ہو جائے تو وحی سے اصلاح نہ ہوگی، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس طرح شیعہ کے علمائے مجتہدین بھی معصوم ہونے چاہئیں کیونکہ یہ نائب نبی یا نائب امام ہیں حالانکہ اپنے علمائے مجتہدین کو یہ بھی معصوم نہیں مانتے۔

دوسری دلیل ائمہ کی عصمت پہ شیعہ دیتے ہیں **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم**۔ اگر امام رسول کی طرح معصوم نہ ہوتا تو رسول کی طرح اس کی اطاعت کا حکم نہ ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس آیت میں خاص ائمہ کا ذکر نہیں مطلق **اولو الامر** کی اتباع کا حکم ہے، دوسرے اس آیت کا یہ حصہ **فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ و الرسول** ان کے نظریے کا رد کرتا ہے کیونکہ اگر ائمہ معصوم ہوتے تو ان سے تنازع ممکن نہ ہوتا (از کشف البیان ج ا ص ۲۲۷ تا ۲۳۱)

﴿سید مودودی کی بے احتیاطی﴾

تفہیم القرآن کے مصنف سید مودودی نے انبیاء کرام کے بارے میں بعض نازیبا باتیں لکھیں جن کا نمونہ آپ کو تفسیر کشف البیان ج ا ص ۲۳۱ تا ۲۳۳ میں دیکھنے کو ملے گا۔ علماء نے اس پر احتجاج کیا تو مودودی صاحب کے عقیدت مندوں نے انبیاء کے دفاع کی بجائے مودودی کی حمایت میں لکھا۔ تفسیر کشف البیان میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق مولانا سید مودودی کے قلم سے نکلے ہوئے یہ شہ پارے سوءِ ادب میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس کا ایک معیار تو بقول حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے یہ ہے کہ اگر یہی فقرے، یہی تعبیرات و تمثیلات خود مولانا موصوف کے حق میں استعمال کئے جائیں تو وہ سوءِ ادب میں شمار ہوں گے یا نہیں مثلاً اگر کہا جائے کہ مولانا ڈکٹیٹر تھے، اپنے دور کے مسولینی تھے، جذبہ جاہلیت سے مغلوب ہو جاتے تھے، حاکمانہ اقتدار کا نامناسب استعمال کر جاتے تھے، اپنے فرائض کی دائیگی میں کوتاہی سے کام لیتے (باقی آگے)

۷) اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت سے نکالتے وقت کہا: **اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** (۱) اس سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔

سوال: حضرت آدم و حواء تو دو تھے ان کو جنت سے نکالتے وقت **اِهْبِطُوْا** جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟

جواب: یا اس لفظ سے آدم حوا، اور ابلیس تینوں کو خطاب ہے (ابلیس ابھی تک آسمانوں میں تھا، زمین پر نہیں آیا تھا) اور یا صیغہ جمع اس لئے لایا گیا کہ حضرت آدم اور حضرات حوا اور ان کی ذریت کا مجموعہ مراد ہے یہ اتارے گئے تو ان کی ساری ذریت اتاری گئی گو ابھی موجود نہ تھی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تھے ان کے کاموں میں خواہش نفس کا بھی کچھ دخل ہوتا تھا۔

یقین جانئے مولانا کا کوئی مداح اور عقیدت مند یہ الزامات برداشت نہیں کرے گا، اگر جملے مولانا کے روبرو دہرائے جاتے تو وہ بھی صدائے احتجاج بلند کرتے۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں جو الفاظ سید مودودی کی ذات مآب کے لئے تنقیص شان کا آئینہ دار ہوں وہ انبیاء علیہم السلام جیسے مقدس گروہ کے حق میں محترم اور معزز کیسے ہو سکتے ہیں؟ اپنی تقدیس شان کے بارے میں لکھتے ہیں:

خدا کے فضل سے میں نے کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں کیا اور کہا حتی کہ ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہا کہ اس کا حساب مجھے خدا کو دینا ہے نہ کہ بندوں کو چنانچہ اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں کہ میں نے ایک لفظ بھی خلاف حق نہیں کہا......ایک تقریر میں فرماتے ہیں:

میرے رب کی مجھ پر عنایت ہے کہ اس نے میرے دامن کو داغوں سے محفوظ رکھا۔

مودودی صاحب کی ان باتوں کو نقل کرنے کے بعد تفسیر کشف البیان میں لکھا ہے۔

مولانا غیر معصوم ہوتے ہوئے بھی کبھی جذبات سے مغلوب نہیں ہوئے اور ان کا دامن داغوں سے محفوظ رہا۔ اور انبیاء کرام کی معصوم جماعت جن کی رہنمائی کے لئے عرش الٰہی سے وحی اترتی تھی وہ ان کے زعم میں کبھی جذبات سے مغلوب ہو جاتی اور کبھی خواہش نفس کا شکار ہو جاتی **فیا للعجب**۔ (کشف البیان ج ا ص ۲۴۳، ۲۴۴)

۱) مرزا محمود تفسیر کبیر ج ا ص ۳۴۲ میں آیت ۳۶ **بعضکم لبعض عدو** کے تحت لکھتا ہے:

یعنی اس دشمنی کو یہیں ختم نہ سمجھنا یہ دشمنی آئندہ جاری رہے گی اور ہر نبی کے وقت میں پھر شیطان اسی طرح حملہ کرنے کی کوشش کیا کرے گا۔

**اقول:** [ا] مرزا محمود یہ چاہتا ہے کہ مرزا قادیانی نبی تھا جنہوں نے اس کے خلاف کام کیا وہ شیطان اور اس کے پیروکار تھے۔ ارے اول تو قادیانی ہرگز نبی نہ تھا دوسرے شیطان صرف نبیوں کے زمانے میں تو حملے نہیں کرتا شیطان تو ہر دم ہر انسان کو نقصان دینے پہ تلا ہوا ہے۔ اس سے تو جان موت کے وقت ہی چھوٹتی ہے۔

☆ اسی آیت کے تحت مرزا محمود لکھتا ہے:

اس آیت سے ایک زبردست استدلال ہوتا ہے جو مسلمانوں کے ایک غلط عقیدہ کا قلع قمع کرتا ہے [وہ کیسے مسلمان جو قرآن کے خلاف عقیدہ رکھیں۔ دراصل امت کا عقیدہ قرآن کے خلاف نہیں تیرے مزاج کے خلاف ہے۔ راقم] اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کیلئے اسی دنیا میں رہنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور شیطانی حملہ سے بچنے کے لئے کسی اور جگہ جانے کو ناممکن بتایا ہے لیکن باوجود اس کے بعض مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر شیطان کی ذریت نے حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان سے بچانے کے لئے انہیں آسمان پر لے گیا [مسلمان ہی نہیں تیرا باپ قادیانی خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۱ میں اپنا پہلا اعتقاد یہی بتاتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ راقم] یہ عقیدہ اس آیت کے صریح خلاف ہے [پھر تیرے باپ نے یہ عقیدہ کیوں رکھا تھا؟ راقم] اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ باوجود شیطان کے حملہ کے آدم اور ان کی اولاد کو اسی دنیا میں رہنا ہوگا پھر کس طرح ہو سکتا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ آسمان پر لے جاتا [یہ باتیں اپنے باپ سے بھی پوچھ۔ راقم] اگر کوئی حقدار تھا کہ اسے آسمان پر لے جایا جاتا تو وہ آدم علیہ السلام تھے جو سب سے پہلے نبی تھے یا پھر سید ولد آدم حضرت نبی کریم ﷺ تھے مگر حضرت آدم کی نسبت تو مسلمان یہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں شیطان کے حملہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین پر پھینک دیا [اللہ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر پھینکا نہیں بھیجا ہے مرزائی مسلمانوں والا عقیدہ نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ مسلمان نہیں۔ راقم] اور نبی کریم ﷺ کی نسبت یہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ جانا پڑا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان دو کی نسبت اس آیت کا بیان کردہ قانون نہیں بدلا تو (باقی آگے)

''بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ''اس کے بھی دو معنی ہیں بنی آدم کی آپس کی دشمنیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن رہے گا اور تم اس کے دشمن ہو گے (انوار البیان ج ا ص ۶۰)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیونکر بدل دیا اور خود اپنے فیصلہ کو کیوں غلط کر دیا؟ (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۳۴۲)

**اقول** [۱] مسلمانوں کے خلاف عقیدہ رکھنے کے باعث تو مسلمان نہیں پہلے اپنے غیر مسلم ہونے کا اقرار کر پھر مسلمانوں سے سوال کر کیونکہ اگر تو مسلمان ہے تو اسلامی عقیدے کا دفاع تجھ پر ضروری ہے تو بھی کیسا انسان ہے کہ خود کو مسلمان کہتا ہے اور اسلامی عقیدے کا دفاع کرنے کے بجائے اس پر اعتراض کر رہا ہے [۲] اس آیت میں **الٰی حِیۡنٍ** کے لفظ ہیں یہ **دائما** یا **ابدا** کے نہیں اور کوئی شک نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک وقت تک اس زمین میں رہے اور نزول کے بعد بھی اس زمین پر آئیں گے جیسے ہوائی جہاز میں سواری کرنے والے یا چاند پر جانے والے تھوڑی دیر زمین سے اوپر رہ کر پھر زمین پر آتے ہیں ان کا فضا میں یا چاند پر جانا اس آیت کے خلاف نہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا چاند پر جانا اس آیت کے خلاف نہیں [۳] اگر تو کہے کہ **فِی الۡاَرۡضِ** تقدیم کی وجہ سے حصر کا معنی دیتا ہے کہ زمین ہی میں رہنا ہوگا، تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس زمین میں سوائے انسانوں کے کوئی رہ نہیں سکتا کیونکہ **لَکُمۡ** میں بھی تو تقدیم پائی جاتی ہے جبکہ جمادات و نباتات تو اپنی جگہ، زمین پر رہنے والے حیوانات کو شمار کرنا بھی ہمارے بس میں نہیں تو جیسے زمین میں انسانوں کے علاوہ اور مخلوق کا ہونا آیت کریمہ کے خلاف نہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا کچھ وقت کیلئے آسمان پہ چلے جانا، یا لوگوں کا ہوائی جہاز میں سفر کرنا یا کچھ دیر کیلئے چاند پر چلے جانا اس آیت کے خلاف نہیں [۵] علاوہ ازیں یہ آیت عام مخصوص منہ البعض ہے جیسے **والمطلقات یتربصن بانفسھن** الخ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں **رَافِعُکَ اِلَیَّ** اور **بَلۡ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیۡہِ** نہ ہوتا، نزول کی روایات نہ ہوتیں اور وہ ہیں بھی متواتر، تو تمہاری بات قابل غور ہو سکتی تھی

کتنے دکھ کی بات ہے کہ جب سائنس دان کہتے ہیں ہم چاند پر چلے گئے مان لیتے ہیں، اور جب نبی ﷺ معراج کی خبر دیتے ہیں تو انکار کر دیتے ہو۔

☆ آیت ۳۶ کے تحت ہی مرزا محمود لکھتا ہے:

ابلیس تو ایک بدی کی محرک روح ہے وہ براہ راست تو آ کر آدم کو دھوکا دے نہ سکتی تھی اس کے اتباع ہی بری تحریکوں کا موجب ہو سکتے تھے مگر یہ اتباع چونکہ انسان ہوتے ہیں بسا اوقات ان کا پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے...... قسمیں کھا کر کہا کہ میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں...... اس صورت میں آدم علیہ السلام کو دھوکہ لگنا بالکل ممکن تھا کیونکہ انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ گو یہ شخص پہلے ابلیس کا ظل تھا اور اس وقت اس سے بچنا ضروری تھا مگر اب یہ مخالفت کا راستہ ترک کر کے ہمارے ساتھ آملا ہے اور قسمیں کھاتا ہے کہ میں تمہارا مخلص خادم ہوں...... یہ اجتہاد گو غلط تھا مگر باوجود ابلیس سے بچنے کے حکم کے اس اجتہاد کی وجہ سے دھوکہ کھا جانا بالکل ممکن تھا (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۳۴۲ ص ۳۴۳)

**اقول** قرآن کریم کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، حسد کی وجہ سے اسی نے وسوسے ڈال کر آدم علیہ السلام کے پھسلایا اسی کو امت مسلمہ مانتی آئی ہے مرزا محمود یہاں اس کا انکار کر رہا ہے، پھر مرزا محمود یہ بھی کہتا ہے کہ جس نے ان کو پھسلایا وہ انسان تھا، ارے یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آدم علیہ السلام کے اولاد بھی نہ ہوئی تھی سوائے آدم و حوا علیہما السلام کے اور کوئی انسان تھا ہی نہیں تو یہ شرارتی انسان کدھر سے نکل آیا جو اس وقت بھی ابلیس کا پیروکار تھا جب ابلیس کو سجدے کا حکم بھی نہ ہوا تھا؟

☆ آیت ۳۶ کے تحت ہی مرزا محمود تفسیر کبیر ج ا ص ۳۴۵ میں کہتا ہے:

باقی رہا یہ سوال کہ وہ امر کیا تھا جس کے بارہ میں شیطان نے دھوکہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت سے اس امر کو پوشیدہ رکھا ہے۔

**اقول** بات تو صاف ہے کہ جس درخت سے آدم علیہ السلام کو روکا گیا تھا شیطان نے اسی سے کھلایا لیکن جب تو نے قرآن کو ماننا ہی نہیں تجھے امت مسلمہ کے ساتھ رہنا ہی نہیں تو تجھے قرآن کی یہ تصریحات کیسے سمجھ آئیں؟

☆ محمد علی لاہوری اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

**قلنا اھبطوا** یہ کہنا بلحاظ اس حالت کے ہے جو پیدا ہو گئی گویا پہلے فعل کا نتیجہ یہ ہوا۔ نتیجہ بھی چونکہ حکم الٰہی سے وارد ہوتا ہے اس لئے اس پر **قلنا** کا لفظ فرمایا دیکھو **قَوۡل** کے معنی میں نمبر ۴۵۔ **اھبطوا** میں ضمیر جمع ہے اس لئے خطاب آدم اور اس کی ذریت سب سے ہے یعنی سب انسانوں سے جیسا کہ فراء نے کہا ہے (ر) اور (باقی آگے)

زمین کی طرف اتارتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَى حِيْنٍ ۔ مُسْتَقَرٌّ اگر اسم ظرف ہو تو اس کا معنی ہے "ٹھہرنے کی جگہ" ،اور اگر مصدر میمی ہو تو اس کا معنی ہے "ٹھہرنا"۔ مطلب یہ کہ تمہاری اصل رہائش گاہ زمین ہوگی زمین کو چھوڑ کر کہیں فضاؤں یا سمندروں میں جاؤ گے تو عارضی قیام ہوگا مستقل قیام تو زمین پر ہی کرو گے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آدم اور حواء اور ہر ایک انسان کو یہ وحی تو ہوئی نہیں اس لئے قلنا اظہارِ حالت کیلئے ہی ہے چونکہ یہ حالت نقصان کی تھی اس لئے هبط کا لفظ استعمال کیا ہے (بیان القرآن مرزائی ج ا ص ۳۲ حاشیہ ۵۶)

اقول [ا] یہ سب کچھ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی نصوص میں تحریف کیلئے ذہن سازی کی تیاری ہے کہ اگر انسان یہ بات مان جائے کہ یہاں ہبوط سے مراد اترنا نہیں تو اسے یہ منوانا آسان ہوگا کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی روایات میں نہ تو عیسیٰ سے مراد خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور نہ نزول سے مراد اترنا ہے [۲] اگر اس طرح تاویل کا دروازہ کھل جائے۔ تو شرک سے روکنے کا حکم محض فطری رہ جائے گا منصوص نہ ہوگا، اور قال اللّٰه: لا تتخذوا الهين اثنين انما هو اله واحد محض حالت کے بیان کے لئے ہوگا اسی طرح انبیاء پر اترنے والی سب وحی فطری حالت ہوگی جیسا کہ سر سید کہتا ہے کیونکہ یہاں بھی تو آدم علیہ السلام کو ہونے والی وحی اس نے محض فطری امر کہہ دیا ہے۔ جبکہ اسی صفحہ میں چند سطروں کے بعد عنوان باندھتا ہے: وحی الٰہی خارجی شے ہے۔ [۳] حاشیہ نمبر ۴۵ جس کا اس نے حوالہ دیا اس میں بھی اس کے لئے کچھ نہیں کیونکہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قول کبھی زبان کی بات کو کہتے ہیں کبھی دل کی بات کو، آگے جا کر قول کی چند صورتیں ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول یا کچھ فرمانا بندوں سے الگ رنگ رکھتا ہے...... انبیاء کی وحی اور ہی رنگ رکھتی ہے (بیان القرآن ج ا ص ۲۵ حاشیہ ۴۵ ملخصاً) ثابت ہوا کہ قول کا لفظ ہمیشہ اظہارِ حالت کیلئے نہیں ہوتا۔ اور یہاں بھی ایسے ہی ہے۔

☆ محمد علی لاہوری لکھتا ہے:

بعضكم لبعض عدو ...... اس میں شیطان کی عداوت کا ذکر نہیں...... یا تو انسانوں کی باہمی عداوت کی طرف اشارہ ہے...... اور یا یہ مراد ہے کہ انسان کے اندر دونوں قسم کی تحریکات ہیں (بیان القرآن مرزائی ج ا ص ۳۲ حاشیہ ۵۶)

اقول شیطان کی انسان سے دشمنی ختم تو نہ ہوئی تھی انسانوں کی دشمنی تو دوستی سے بھی بدل جاتی ہے کتنے کافر مسلمان ہو کر اسلام کے سچے خیر خواہ ہو جاتے ہیں مگر شیطان ایسا دشمن ہے جو نہ رشوت لے کر باز آتا ہے نہ خوشامد سن کر۔ ارشادِ باری ہے: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا [الفاطر:۶] اس لئے اس میں شیطان کی عداوت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

☆ مفتی احمد یار خان آیت ۳۶ کے تحت لکھتے ہیں:

حضرت آدم و حواء کو جو کچھ ہوا وہ خطأ ہوا نہ کہ جان بوجھ کر۔ اگرچہ فاعل حقیقی تو رب تعالیٰ ہے لیکن چونکہ ان واقعات کا شیطان سبب بنا اس لئے اس کی طرف نسبت کر دی گئی اس بہکانے کی (تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۸۷)

اقول [ا] بیشک خطأ ہوا نہ کہ جان بوجھ کر مگر یہ بات تو نہیں کہ ان کو پہلے سے پتہ تھا کہ ہم درخت کھائیں گے جس کے نتیجہ میں جنت سے نکلنا ہوگا۔ بہر حال خطا سے علم غیب پر تو استدلال نہیں اگر خطا کا وقوع علم غیب کی دلیل ہوا کرے تو قتل خطا کا وقوع اس کی دلیل ہو کہ قاتل عالم الغیب ہے، اور خطا سے روزہ توڑنے والا بھی عالم الغیب ٹھہرے [۲] أَزَلَّ کی نسبت شیطان کی طرف حقیقی ہے اس کا نتیجہ اللہ کے حکم سے مرتب ہوا اس لئے اللہ کی طرف نسبت باعتبار خلق کے ہوگی ہاں جنت سے نکالنے کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے شیطان اس کا سبب بنا اس لئے أَخْرَجَ کی نسبت شیطان کی طرف مجازی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆ مفتی احمد یار خان تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۸۸، ۲۸۹ میں آیت ۳۶ کے تحت لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی قسموں پر اعتبار آ گیا وہ یہ سمجھے کہ کسی میں یہ ہمت ہی نہیں کہ رب تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھائے آدم علیہ السلام کو یہ خیال نہ رہا کہ رب سے پوچھ لیں پوچھنا بھول گئے کیونکر نہ بھولتے دنیا میں آ کر رنگ لگانا تھا۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے وقت اللہ کو سونپنا بھول گئے چالیس یا اسی سال کی جدائی ہوگئی اس جدائی کی برکت سے آپ کو سلطنت ملی...... غرضکہ ہماری بھول نفسانی شیطانی ہوتی ہے پیغمبر کی بھول رحمانی جس کے شاندار نتیجے نکلتے ہیں۔ (باقی آگے)

کچھ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم چاند مریخ یا دوسرے سیاروں میں بھی چلے جائیں گے یہ محض شیطانی پراپیگنڈا ہے جو چاند پر جاتے ہیں جلد واپس آتے ہیں کہتے ہیں وہاں نہ پانی ہے نہ ہوا، جب پانی اور ہوا نہیں تو کھیت اور باغات بھی نہ ہوں گے، دن کے وقت نا قابل برداشت گرمی اور رات کے وقت نا قابل برداشت ٹھنڈک۔ چاند کے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول** مگر اس سے علم غیب تو ثابت نہیں ہوتا۔ ایسا تو نہیں ہوتا کہ ان کو ہر بات کا پہلے سے علم ہوتا ہے اس کے باوجود بھولتے رہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے خواب کی وجہ سے یقین تھا کہ ملاقات ہوگی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ان کو یوسف علیہ السلام کے لحہ لحہ کے حالات کی قطعی خبر تھی۔ بہر حال تمہارا علم غیب کا عقیدہ تو بے دلیل ہی ہے۔ جب تک نصوص قطعیہ سے "علم" اور "غیب" دو لفظ نہیں دکھاتے تمہارا دعویٰ قابل التفات نہیں۔

☆ مفتی احمد یار خان آیت ۳۶ کے تحت تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۹۳ میں لکھتے ہیں:

☆ سب باتیں آدم علیہ السلام کے علم میں تھیں مگر ہونے والی ہو کے رہتی ہے جب یہ موقع آیا سب کچھ بھول گئے جیسے قرآن کریم فرما رہا ہے فَنَسِیَ آدم علیہ السلام بھول گئے۔ جاننا اور چیز ہے اور علم حضور دوسری چیز انہیں اس وقت علم تھا حضور نہ رہا جیسے کہ دنیا میں سب جانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام شفیع المذنبین ہیں مگر قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی ولی نبی قطب غوث کو یہ خیال نہ رہے گا۔ اور ادھر اُدھر کسی شفاعت کرنے والے کو ڈھونڈتے پھریں گے اور سوا عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی پیغمبر شفیع المذنبین کا صحیح پتہ نہ دیں گے دوسرا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس طرح اور سب باتیں معلوم تھیں ایسے ہی اپنا یہ سارا واقعہ بھی معلوم تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا اس لئے شیطان سے بہت جرح نہ کی۔

**اقول** [۱] شفاعت کے بارے میں نبی ﷺ نے بتا دیا کہ وہاں سب سے پہلے شفاعت میں ہی کروں گا، اور یہ بھی آپ نے ہی بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجنے کے بعد ہی آپ کی خدمت میں جائیں گے مگر آدم علیہ السلام کے بارے میں تو کہیں ایسا مذکور نہیں کہ ان کو سب کچھ پہلے سے معلوم تھا، تو ایسے نکات کو اپنے پاس ہی رکھ، خالی تیرے دعوے کو عقیدہ نہیں بنایا جاسکتا [۲] یا تو "علم" اور "غیب" دو لفظوں سے یہ ثابت کر کہ آدم علیہ السلام کو "علم غیب" تھا اور یا نصوص قطعیہ سے خاص اس کی تصریح دکھا کہ انہیں پتہ تھا کہ اس درخت سے کھائیں گے پھر عتاب آئے گا پھر استغفار کرنا ہوگا [۳] پھر دعویٰ یہ ہے کہ ان کو "علم غیب" تھا دلیل یہ ہے کہ وہ بھول گئے تھے۔ بھولنا تو علم میں کمزوری کی دلیل ہے اور اس کے ہاں بھولنا "علم غیب" کی دلیل ہے ارے اگر بھولنے کا نام "علم غیب" ہے تو تجھے ہر انسان کو عالم الغیب کہنا چاہئے [۴] پھر یہ بھی سوچا کہ کیا بھولے تھے وہ مستقبل کے ان واقعات کو نہیں بھولے تھے جن کے بارے میں تو کہتا ہے کہ ان کو پہلے سے علم تھا بلکہ وہ اکل شجرہ کا نتیجہ بھول گئے تھے اس طرح کہ اکل شجرہ کا نتیجہ ظالم ہوجانا تھا **فتکونا من الظالمین** (البقرۃ:۳۵) جبکہ شیطان نے کہا اس کا نتیجہ فرشتے ہوجانا ہے **الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین** (الاعراف:۲۰) [۵] مفتی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ سب کچھ پتہ ہونے کے باوجود کھایا، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ انہوں نے بھول کر نہیں جان بوجھ کر یہ کام کیا تاکہ زمین میں آئیں۔ ارے سوچ یہ بات کس کے بارے میں کر رہا ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ اگر انسان کو پتہ ہو کہ اگر میں فلاں گناہ کروں تو مجھ پر خدا کی طرف سے عتاب ہوگا پھر میں توبہ کر کے خدا کو راضی کروں گا تو بھی محبت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان گناہ نہ کرے کیونکہ ایک لحہ کیلئے بھی محبوب حقیقی کو ناراض کرنا کسی سچے محب کے بس میں۔ پھر اگر جان بوجھ ہی کرنا تھا تو خود ہی کر لیتے شیطان کو کیوں بیچ میں لائے؟

☆ مفتی احمد یار خان آیت ۳۶ کے تحت تفسیر نعیمی ج ا ص ۲۹۳ میں لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا خطائے اجتہادی کی وجہ سے تھا مگر چونکہ نیکوں کی بھلائیاں بھی مقربین کے درجے کے لحاظ سے برائیاں ہوتی ہیں اس لئے ان خطاؤں کو بھی وہ لوگ گناہ فرما دیتے ہیں اور ہم جیسے گناہ گاروں سے ان خطاؤں کی پرسش نہیں ہوتی لیکن ان کے بلند درجے کے لحاظ سے ان لغزشوں پر بھی عتاب آجاتا ہے۔

**اقول** اوپر کہتا ہے کہ ان کو معلوم تھا یہاں کہتا ہے اجتہادی خطا ہوگئی جان بوجھ نافرمانی کرنے کو خطائے اجتہادی تو نہیں کہا جاتا۔

☆ مفتی احمد یار خان آیت ۳۶ کے تحت لکھتے ہیں

عصمت انبیاء کے دلائل ☆ گناہ گار فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی مخالفت کرنا ضروری اور نبی کی اطاعت کرنا فرض اگر نبی گناہ گار یا فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہوجائے گی اور مخالفت بھی۔ یہ اجتماع ضدین ہے ☆ فاسق کی بات بلا تحقیق نہیں ماننی چاہئے قرآنی حکم ہے اور پیغمبر کی بات بلا تحقیق ہی ماننا ضروری ہے۔ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات کا ماننا اور نہ ماننا دونوں ضروری ہوں گے اور یہ اجتماع نقیضین ہے ☆ گناہ گار سے شیطان راضی ہے..... اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گناہ گار ہوں تو معاذ اللہ وہ حزب الشیطان میں داخل ہوں گے ☆ پیغمبر کے گناہ کرتے وقت اگر امتی نیکی کر رہا ہو تو وہ نبی سے افضل ہوگا اور یہ باطل ہے ☆ انبیاء فرشتوں سے افضل ہیں (باقی آگے)

ایک سفر پہ اربوں کھربوں ڈالر خرچ ہوجاتے ہیں پھر جتنی دیر وہاں ٹھہرے گا تو خلائی لباس میں رہے گا، باہر نکل کر کہیں گھوم پھر بھی نہ سکے گا۔ واقعی زمین ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہے انسانوں کی تعداد جتنی بھی ہو سب اس میں سما جاتے ہیں اور جو فوت ہوتے ہیں وہ بھی سارے اس میں دفن کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اس دنیا کی زندگی میں انسانوں کا اصل ٹھکانہ یہ زمین ہے(۱) ہاں جس کو اللہ چاہے آسمانوں کی سیر کرادے جتنی دیر کیلئے چاہے وہاں رکھے۔ یہ اس آیت کے خلاف نہیں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور فرشتے معصوم تو انبیاء بدرجہ اولیٰ معصوم ☆ شیطان نے کہا تو کہ تیرے خالص بندوں پر میرا داؤ نہ چلے گا حضرت شعیب نے فرمایا: **وما ارید ان اخالفکم الی ما انھاکم عنه** ۔ اب جو لوگ انبیاء کو گناہ گار کہیں شیطان سے بھی بدتر ہیں، لہٰذا ایسی حدیثیں جن سے انبیاء کے گناہ ثابت ہوں قابل قبول نہیں اور جن آیات سے ایسا شبہ ہو ان کی تاویل ضروری ہے ورنہ تو اللہ بھی گناہ گار ہوگا **ومکر اللہ ، وھو خادعھم** (از تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۹۳،۲۹۴)

**اقول** [۱] یہاں اس کو اجتماع ضدین اور اجتماع نقیضین یاد آ گیا دوسری جگہ بھولنے سے علم غیب پر استدلال کرتا ہے۔ ارے کیا ''بھولنے'' میں اور ''علم غیب'' میں تناقض نہیں؟ کیا عالم الغیب بھی بھولا کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے ہرگز نہیں بھولتا فرمایا: **وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا** (مریم:۶۴) نیز فرمایا: **لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى** (طٰہٰ:۵۲) جب تو کسی اور کیلئے علم غیب مانتا ہے تو اس کیلئے نسیان کیوں مانتا ہے؟ [۲] یہ کہنا بھی درست نہیں کہ نسیان علم کے اس لئے منافی نہیں کہ نسیان علم کے بعد ہی ہوا کرتا ہے جس کا علم نہیں اس کے نا جاننے کو لاعلمی کہیں گے نسیان نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نسیان علم کے منافی ہے نسیان کے ساتھ علم ختم ہوجاتا ہے یاد آنے پر علم مانا جاتا ہے آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: **آفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ** (الدارمی ص ۱۵۰) ''علم کی مصیبت نسیان ہے'' علاوہ ازیں اگر نسیان بھی علم ہے تو جس حافظ کو قرآن بھول چکا ہو تراویح میں آگے کیوں نہیں کرتے؟ [۳] علاوہ ازیں ''نسیان''، ''علم'' کے منافی ہو یا نہ ہو ''علم غیب'' کے ضرور منافی ہے۔ اگر تجھے ہماری بات سے اتفاق نہیں تو یہ ثابت کرنا تیرے ذمہ ہے کہ علم غیب اور نسیان میں تنافی نہیں مگر قیامت کے دن شفاعت کی احادیث سے استدلال نہ کرنا کیونکہ جو طلب شفاعت کیلئے جائیں گے ان میں عالم الغیب تو کوئی بھی نہیں عالم الغیب تو اللہ ہے اس کو تو شفاعت کے یہ واقعات نہ بھولیں گے۔ بہر حال وہاں اگر علم کے ساتھ نسیان جمع ہوا ہے تو علم غیب کے ساتھ نسیان جمع نہیں ہوا۔ ہاں نسیان علم سابق کی دلیل ہے مگر نا سی جس چیز کو بھولا ہوتا ہے ماضی میں اس کیلئے اسی کا علم مانا جاتا ہے نہ کہ ہر ہر چیز کا علم۔

**اشکال** اللہ تعالیٰ تو ہر عیب اور ہر کوتاہی سے پاک ہے، دوسروں کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے، دوسروں کیلئے علم غیب کے بعد نسیان آ سکتا ہے۔

**جواب** اللہ کے علاوہ کسی کیلئے علم غیب کا ثبوت ہی نہیں تم صرف دعویٰ ہی پیش کرتے صرف دعوے سے تو بات نہیں بنتی۔ اللہ کے لئے دونوں باتیں ثابت ہیں علم غیب بھی اور عدم نسیان بھی۔ انبیاء اولیاء کیلئے نسیان ثابت ہے علم غیب نہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جو ثابت ہے اس کو مان لیا جائے جس کی نصوص میں نفی ہے اس کی نفی مان لی جائے۔

۱) **لطیفہ** ایک دیندار سے کسی نے کہا، لوگ چاند پر چلے گئے تم ابھی وہی فکر آخرت کی باتیں کرتے ہو، وہ کہنے لگے تم بھی چاند پر چلے جاؤ۔ جو جاتے ہیں وہ واپس کیوں آجاتے ہیں کہتے ہیں وہاں ہوا نہیں پانی نہیں۔ ارے پھر فخر کس پر کرتے ہو؟ سائنسدان چاند پر چلے گئے تو کیا ہوا؟ دین پر چلنے سے انسان ہمیشہ کیلئے جنت میں جاتا ہے۔

**نکتہ** علماء سے کہا جاتا ہے سائنس پڑھو، عربی تعلیم میں رکھا ہے ارے تم دوسرے کام کیوں کرتے ہو؟ چھوڑو سارے عہدے، ڈی سی، ایس پی وغیرہ کیوں بنے ہوئے ہو، عدالت میں جج کیوں لگے ہوئے ہو؟ چھوڑو اپنے کارخانے، چھوڑو اپنی دکانیں چھوڑو اپنے دفاتر، جاؤ سائنس پڑھو۔ کالجوں میں تاریخ کا مضمون کیوں پڑھاتے ہو؟ اردو، انگریزی حساب کیوں پڑھاتے ہو؟ سوائے سائنس کے باقی تمام شعبے بند کیوں نہیں کر دیتے؟ خود سب کچھ کرتے ہو۔ جو چند افراد علم دین کو سنبھالے ہوئے ہیں انہیں کہتے ہو دینی تعلیم چھوڑو۔ تو ان کا یہ مطالبہ سائنس کی محبت کی بناء پر نہیں بلکہ دین سے دشمنی کی بناء پر ہے۔

**تنبیہ** مرزا قادیانی **ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین** سے ماضی میں عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہوجانے پر استدلال کرتا ہے (ازالہ اوہام در روحانی خزائن ج ۳ ص ۴۲۹) اسی طرح مرزائی اس آیت سے رفع ونزول عیسیٰ اور معراج کی رات نبی ﷺ کے آسمانوں پر جانے کا انکار کرتے ہیں ان سے پوچھو کیا انسان چاند پر نہیں گیا اور کیا تم ہوائی جہاز کے ذریعے فضاؤں میں نہیں اڑتے اگر تمہارا فضاؤں میں سفر کرنا زمین پر رہنے کے خلاف نہیں تو معراج میں نبی ﷺ عالم بالا میں تشریف لے جانا یا عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر چلے جانا اس کے خلاف کیسے ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس زمین میں ہی ان کی وفات ہوگی۔ مرزائی اگر کہیں ہم تھوڑی دیر کیلئے فضا میں جاتے ہیں ارے جاتے تو ہو تمہارا تھوڑی دیر کیلئے جانا اس آیت کے خلاف نہیں تو نبی ﷺ کا رات کے کچھ حصے میں عالم بالا سے ہو کر آجانا اس آیت کے خلاف کیسے ہوگیا؟

۸) اس کے بعد فرمایا: فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (۱) تَلَقّٰی کا معنی پانا یا سیکھنا ہے ان کلمات کا اللہ تعالیٰ نے الہام کیا یا دل میں ڈالا ان کلمات کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کی (معالم العرفان ج ۲ ص ۱۷۳) راجح تفسیر یہ ہے کہ ان کلمات سے مراد سورۃ الاعراف آیت ۲۳ میں مذکور یہ دعا ہے: رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (۲) یعنی اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اپنا نقصان خود کر بیٹھے، تو ہمیں معاف کر دے [اگر تو ہمیں معاف نہ کرے تو ہم کس سے معافی مانگیں] اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشے اور ہم پہ رحم نہ کرے تو ہم خسارے میں ہوں گے۔ یہی انسان کی شرافت ہے کہ رب کے حکم کے آگے اکڑتا نہیں ہے۔ فَتَابَ عَلَیْهِ پس اللہ نے ان پہ رجوع کیا یعنی ان کی توبہ قبول فرمائی اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ بے شک وہی

---

۱) اس آیت کے تحت محمد علی لاہوری لکھتا ہے:

جب آدم نے اپنے رب سے کلمات سیکھے تو اللہ نے اس پر رجوع برحمت فرمایا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو نقص اس میں تھا وہ دور کر دیا گویا فطری کمزوری کے نقص کا علاج وحی الٰہی سے کیا گیا۔ پس بندہ کی روحانی ربوبیت کا سامان خدا کے کلام میں ہے (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۳۲ حاشیہ ۵۷)

**اقول:** [۱] ان کلمات کا بذریعہ وحی ملنا متعین نہیں ممکن ہے بذریعہ الہام ملے ہوں، ہو، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں ان کا القاء ہو گیا ہو پھر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کے جو کلمات حاصل ہوئے یعنی ربنا ظلمنا انفسنا الخ۔ محمد علی لاہوری نے نہ ان کا ذکر کیا، اور نہ حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ کرنے کا ذکر کیا، اس میں محمد علی لاہوری کی طرف سے کہیں مرزا غلام احمد قادیانی کے دفاع کی کوشش تو نہیں جس نے بقول خود غلط عقیدہ طبع کروا کر پھیلایا، پھر نہ اس پر عتاب آیا، نہ اسے توبہ کرنی پڑی بلکہ ڈانٹ دوسروں کو پڑی کہ تم مرزے کو مانتے کیوں نہیں (دیکھئے روحانی خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۱، ۱۱۲) اور مرزا کو بقول خود اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ مقرب ہو گیا۔ دلیل یہ ہے کہ روحانی خزائن جلد اول کے آخر میں صفحہ ۶۷۳ میں اس نے اعلان کیا کہ اب اس کتاب [یعنی براہین احمدیہ۔ راقم] کا متولی ظاہراً و باطناً اللہ رب العالمین ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ [۲] اگر یہ مصنف حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کی طرح یہ لکھتا کہ: "جب آدم علیہ السلام کے تعلق باللہ کی درستگی بغیر الہام کے نہیں ہوتی تو نسل آدم کے لئے یہ چیز بطریق اولیٰ ضروری ہے" (حاشیہ مولانا احمد علی لاہوری ص ۱۰) تو اشکال نہ ہوتا۔

☆ محمد علی لاہوری تفسیر ج ۱ ص ۳۲ حاشیہ ۵۷ میں لکھتا ہے:

<u>وحی الٰہی خارجی شے ہے</u>: اس سے یہ بھی، معلوم ہوا کہ کلام الٰہی انسان کے اندر کی آواز نہیں جیسا کہ سرسید نے غلطی سے خیال کر لیا کیونکہ اگر یہ بات پہلے فطرت میں ہی موجود تھی تو فطرت کی کمزوری کا علاج خود فطرت کی آواز کس طرح ہو سکتی ہے؟ علاج صرف خارجی ہو سکتا ہے اور خدا کے کلام سے یہ علاج ہوا۔

**اقول:** [۱] حکم خداوندی: ولا تقربا هذه الشجرة کو تو نے فطری کہا تو نے لکھا ہے: ولا تقربا کا حکم بھی فطرت کے رنگ کا حکم ہے یہ الہام نہیں وحی نہیں (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۱ سطر ۱۵ ح ۵۵) یہاں سرسید کی مخالفت کس بنیاد پر کرتا ہے؟ [۲] انسان جس طرح فیصلے میں غلطی کر لیتا ہے اس کی اصلاح بھی بسا اوقات خود ہی کر لیتا ہے کتنی مرتبہ سوال حل کرتے وقت یا کسی کو جواب دیتے وقت انسان سے غلطی ہو جاتی ہے پھر خود ہی اس کی اصلاح بھی کر لیتا ہے تو تیرا یہ کہنا کیونکر درست ہے کہ فطرت کی کمزوری کا علاج فطرت کی آواز کسی طرح ہو سکتی ہے؟ [۳] اگر یہ کلمات بذریعہ وحی ملے ہوں تو اصلاح تو محض وحی سے نہیں ہوئی وحی سے اصلاح کے کلمات ملے اس کے بعد آدم علیہ السلام نے توبہ کی اللہ نے قبول فرمائی اگر صرف نزول وحی سے اصلاح ہوتی ہے تو قرآن کریم کے نزول سے ساری کائنات کی اصلاح ہو جانی چاہئے وحی اصلاح کی ترتیب دیتی ہے اصلاح بعد میں وحی کو قبول کرنے سے ہوتی ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام وحی کو لامحالہ قبول کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ محمد علی لاہوری سے یہ سب غلطیاں امت مسلمہ سے کٹنے کی وجہ سے ہو رہی ہیں، امت مسلمہ کی تشریحات پر اعتماد کرتا تو اسے ایسی کوئی الجھن پیش نہیں آتی۔

۲) سورۃ البقرۃ آیت ۳۷ کے تحت فرمان علی شیعہ صفحہ نمبر ۱۰ کے حاشیہ میں لکھتا ہے:

وہ کلمات جن کی برکت سے خدا نے حضرت کی توبہ قبول کی اسمائے پنجتن پاک یعنی محمد، علی فاطمہ، حسن حسین ہیں دیکھو تفسیر درمنثور سیوطی جلد اول صفحہ ۶۰ سطر ۱۱ مطبوعہ مصر۔

**اقول:** [۱] درمنثور جلال الدین سیوطیؒ کی تصنیف ہے اس میں کثرت سے منقولات ہیں لیکن رطب ویابس (تفسیر حقانی ج ۱ ص ۱۵۱) خود امام سیوطیؒ نے جمہور کی (باقی آگے)

توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے (از ذخیرۃ الجنان ج ۱ ص ۱۳۳ تا ۱۳۶)

قَابَ کا [مصدری۔ راقم] معنی رجوع کرنا ہے [جب اللہ کی طرف نسبت ہو تو اس کے بعد علٰی ہوتا ہے جب بندے کی طرف نسبت ہو تو اس کے بعد الٰی ہوتا ہے۔ راقم] جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رجوع کیا اپنی مہربانی کے ساتھ اور جب اس لفظ کو بندے کی

---

تفسیر کو ترجیح دی ہے نہ کہ شیعہ کی ذکر کردہ روایت کو چنانچہ لکھتے ہیں: ﴿فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ **الھمہ ایاھا وفی قراءۃ بنصب آدم ورفع کلمات ای جاءہ وھی (رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا) الآیۃ فدعا بھا ﴿فَتَابَ عَلَیْهِ﴾ ای قبل توبتہ** (تفسیر الجلالین ص ۹) [۲] تفسیر درمنثور میں علامہ سیوطیؒ نے صرف یہی ایک قول نہیں دیا بلکہ اور بہت سی روایات دی ہیں کئی روایات میں یہی دعا (رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا) الآیۃ مذکور ہے شیعہ کا نقل کردہ قول صرف ابن نجار کے حوالے سے دیا، اور ابن نجار کی کتابیں اُن کتابوں سے ہیں جن میں سب حدیثیں ضعیف ہیں الا ما شاء اللہ (خیر الاصول ص ۸، عجالہ نافعہ شاہ عبدالعزیز ص ۸، قواعد التحدیث ص ۲۴۲، ۲۴۷ نقلاً عن حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۳۵) [۳] جمہور کی تفسیر اس لئے بھی راجح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سے کہا گیا تھا **ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین** (البقرۃ) اور ایسے ہی کلمات دعا میں ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا یعنی دعاء میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے کا ذکر ہے، پھر دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں سے بھی جمہور کی تفسیر کی تائید ہوتی ہے ان میں بھی استغفار اور عاجزی کا اظہار ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے: **رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ** (ھود: ۴۷) حضرت یونس علیہ السلام نے دعا کی تھی **لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ** (الانبیاء: ۸۷) آنحضرت ﷺ کی نماز کی دعاؤں میں ہے: **اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ، ظَلَمْتُ نَفْسِیْ، وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ** (مشکوۃ ج ۱ ص ۲۵۶ بحوالہ مسلم ج ۱ ص ۵۳۵ نمبر ۱۷۷۱) خدا جانے حضرت آدم علیہ السلام نے اس موقع پر کس قدر آنسو بہائے کس قدر دعائیں کیں یقیناً یہ چیزیں ضائع نہ گئیں آپ علیہ السلام کے لئے رفع درجات کثیرہ کا باعث بنیں۔

[۴] ابن نجار کی یہ روایت محدثین کے ہاں موضوع ہے قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: **حدیث: ان ابن عباس قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الکلمات التی تلقاھا آدم من ربہ قال سأل بحق محمد، وعلی، وفاطمۃ، والحسن والحسین الا تبت علی، فتاب علیہ۔ قال الدارقطنی تفرد بہ عمرو بن ثابت وقد قال یحیی انہ لا ثقۃ ولا مأمون وقال ابن حبان یروی الموضوعات** (الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص ۳۹۵)

☆ اب ذیل میں تفسیر درمنثور میں مذکور روایات ملاحظہ ہوں۔ امام سیوطیؒ ارشادِ باری: فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ کے تحت لکھتے ہیں:

**[۱] أخرج الطبرانی فی المعجم الصغیر والحاکم وأبو نعیم والبیہقی کلاھما فی الدلائل وابن عساکر عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ ﷺ: لما أذنب آدم الذنب الذی أذنبہ، رفع رأسہ إلی السماء فقال: أسألک بحق محمد إلا غفرت لی؟ فأوحی اللہ إلیہ: ومن محمد؟ فقال: تبارک اسمک. لما خلقتنی رفعت رأسی إلی عرشک فإذا فیہ مکتوب " لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ" فعلمت أنہ لیس أحد أعظم عندک قدرًا ممن جعلت اسمہ مع اسمک. فأوحی اللہ إلیہ: یا آدم انہ آخر النبیین من ذریتک، ولولا ھو ما خلقتک.**

**اشکال** اس میں کلمہ طیبہ " **لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ**" مذکور ہے۔

**[۲] وأخرج الفریابی وعبد بن حمید وابن أبی الدنیا فی التوبۃ وابن جریر وابن المنذر وابن أبی حاتم والحاکم وصححہ وابن مردویہ عن ابن عباس فی قولہ (فتلقی آدم من ربہ کلمات) قال: أی رب ألم تخلقنی بیدک؟ قال: بلی، قال: أی رب ألم تنفخ فیّ من روحک؟ قال: بلی. قال: أی رب ألم تسبق إلیّ رحمتک قبل غضبک؟ قال: بلی. قال: أی رب أرأیت إن تبت وأصلحت أراجعی أنت إلی الجنۃ؟ قال: نعم.**

**[۳] وأخرج الطبرانی فی الأوسط وابن عساکر بسند ضعیف عن عائشۃ عن النبی ﷺ قال لما أھبط اللہ آدم إلی الأرض قام وجاء الکعبۃ فصلی رکعتین، فألھمہ اللہ ھذا الدعاء: اللّٰھم إنک تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی، وتعلم حاجتی فأعطنی سؤلی، وتعلم ما فی نفسی فاغفر لی ذنبی. اللّٰھم أسألک إیمانًا یباشر قلبی، ویقینًا صادقًا حتی أعلم أنہ لا یصیبنی إلا ما کتبت لی، وأرضنی بما قسمت لی،** (باقی آگے)

طرف منسوب کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بندے نے رجوع کیا اپنی عاجزی کے اعتراف کے ساتھ اور برائی کے ترک کے ساتھ (معالم العرفان ج ۲ ص ۱۷۴) حضرت مفتی اعظمؒ فرماتے ہیں کہ توبہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے گناہ کو گناہ سمجھنا اور اس پر نادم وشرمندہ ہونا، اس گناہ کو بالکل چھوڑ دینا تیسرے آئندہ کے لئے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فأوحى الله إليه: يا آدم قد قبلت توبتك، وغفرت ذنبك، ولن يدعوني أحد بهذا الدعاء إلا غفرت له ذنبه، و كفيته المهم من أمه، وزجرت عنه الشيطان، واتجرت له من وراء كل تاجر، وأقبلت إليه الدنيا راغمة وإن لم يردها.

[۴] وأخرج الجندي والطبراني وابن عساكر في فضائل مكة عن عائشة قالت: لما أراد الله أن يتوب على آدم أذن له فطاف بالبيت سبعًا والبيت يومئذ ربوة حمراء فلما صلى ركعتين قام استقبل البيت وقال: اللّهم إنك تعلم سريرتي وعلانيتي فاقبل معذرتي فأعطني سؤلي، وتعلم ما في نفسي فاغفر لي ذنوبي: اللّهم إني أسألك إيمانًا يباشر قلبي، ويقينًا صادقًا حتى أعلم أنه لا يصيبني إلا ما كتبت لي، والرضا بما قسمت لي،فأوحى الله إليه :إني قد غفرت ذنبك، ولن يأتي أحد من ذريتك يدعوني بمثل ما دعوتني إلا غفرت ذنوبه، وكشفت غمومه وهمومه، ونزعت الفقر من بين عينيه، واتجرت له من وراء كل تاجر، وجاءته الدنيا وهي راغمة وإن كان لا يريدها

[۵] وأخرج الأزرقي في تاريخ مكة والطبراني في الأوسط والبيهقي في الدعوات وابن عساكر بسند لا بأس به عن بريدة قال قال رسول اللهﷺ لما أهبط الله آدم إلى الأرض طاف بالبيت أسبوعًا، وصلى حذاء البيت ركعتين ثم قال: اللّهم أنت تعلم سري وعلانيتي فاقبل معذرتي، وتعلم حاجتي فأعطني سؤلي، وتعلم ما عندي فاغفر لي ذنوبي أسألك إيمانًا يباهي قلبي، ويقينًا صادقًا حتى أعلم أنه لا يصيبني إلا ما كتبت لي، ورَضِّني بقضائك.فأوحى الله إليه: يا آدم إنك دعوتني بدعاء فاستجبت لك فيه، ولن يدعوني به أحد من ذريتك إلا استجبت له، وغفرت له ذنبه، وفرجت همه وغمه، واتجرت له من وراء كل تاجر، وأتته الدنيا راغمة وإن كان لا يريدها.

[۶] وأخرج وكيع وعبد بن حميد وأبو الشيخ في العظمة وأبو نعيم في الحلية عن عبيد بن عمير الليثي قال: قال آدم: يا رب أرأيت ما أتيت أشيء كتبته عليّ قبل أن تخلقني أو شيء ابتدعته على نفسي؟ قال: بلى شيء كتبته عليك قبل أن أخلقك قال: يا رب فكما كتبته علي فاغفره لي.فذلك قوله (فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه إنه هو التواب الرحيم)

[۷] وأخرج عبد بن حميد وابن المنذر والبيهقي في شعب الإيمان عن قتادة في قوله (فتلقى آدم من ربه كلمات) قال: ذكر لنا أنه قال: يا رب أرأيت إن تبت وأصلحت؟ قال: فإني إذن أرجعك إلى الجنة (قالا ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين) فاستغفر آدم ربه وتاب إليه فتاب عليه.وأما عدو الله إبليس فوالله ما تنصل من ذنبه، ولا سأل التوبة حين وقع بما وقع به، ولكنه سأل النظرة إلى يوم الدين، فأعطى الله كل واحد منهما ما سأل.

[۸] وأخرج الثعلبي من طريق عكرمة عن ابن عباس في قوله (فتلقى آدم من ربه كلمات) قال: قوله (ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين)

[۸] وأخرج ابن المنذر من طريق ابن جريج عن ابن عباس في قوله (فتلقى آدم من ربه كلمات) قال هو قوله (ربنا ظلمنا أنفسنا) الآية.

[۹] وأخرج عبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم والبيهقي عن محمد بن كعب القرظي في قوله (فتلقى آدم من ربه كلمات) قال: هو قوله (ربنا ظلمنا أنفسنا) الآية .ولو سكت الله عنها لم يخبرنا عنها لتفحص رجال حتى يعلموا ما هي.

[۱۰] وأخرج وكيع وعبد بن حميد وابن جرير وابن أبي حاتم عن مجاهد في قوله (فتلقى آدم من ربه كلمات) قال: هو قوله (ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين).

[۱۱] وأخرج عبد بن حميد عن الحسن وعن الضحاك مثله. [**قول** دیکھئے ان چھ روایات میں قرآن پاک میں مذکور دعا ہی مذکور ہے] (باقی آگے)

دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ کرنا محض زبان سے اللہ توبہ کے الفاظ بول دینا نجات کے لئے کافی نہیں جب تک یہ تینوں چیزیں جمع نہ ہوں (معارف القرآن ج ا ص ۲۰۰) نیز فرماتے ہیں تَـوَّاب کا لفظ جب بندے کیلئے بولا جائے تو مطلب ہوتا ہے گناہ سے اطاعت کی طرف رجوع کرنے والا [ جیسے إِنَّ الـلّٰـــهَ يُـحِــبُّ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) [۱۲] وأخرج عبد بن حميد وابن المنذر وابن أبي حاتم من طريق ابن اسحق التميمي قال: قلت لابن عباس ما الكلمات التي تلقى آدم من ربه؟ قال: علم شأن الحج ،فهي الكلمات .

[۱۳] وأخرج عبد بن حميد عن عبدالله بن زيد في قوله (فتلقى آدم من ربه كلمات) قال :لا إله إلا أنت سبحانك وبحمدك .رب عملت سوءً ا وظلمت نفسي فاغفر لي إنك أنت خير الغافرين .لا إله إلا أنت سبحانك وبحمدك .رب عملت سوءً ا وظلمت نفسي فارحمني إنك أنت أرحم الراحمين .لا إله إلا أنت سبحانك وبحمدك .رب عملت سوءً ا وظلمت نفسي فتب علي إنك أنت التوّاب الرحيم .

[۱۴] وأخرج البيهقي في شعب الإيمان وابن عساكر عن أنس في قوله (فتلقى آدم من ربه كلمات ) قال: سبحانك اللّٰهم وبحمدك عملت سوءً ا وظلمت نفسي فاغفر لي إنك أنت خير الغافرين .لا إله إلا أنت سبحانك وبحمدك عملت سوءً ا وظلمت نفسي فارحمني إنك أنت أرحم الراحمين .لا إله إلا أنت سبحانك وبحمدك عملت سوءً ا وظلمت نفسي فتب علي إنك أنت التوّاب الرحيم .وذكر أنه عن النبي صلى الله عليه وسلم ولكن شك فيه .

[۱۵] وأخرج هناد في الزهد عن سعيد بن جبير قال: لما أصاب آدم الخطيئة فزع إلى كلمة الاخلاص فقال: لا إله إلا أنت سبحانك وبحمدك ربي عملت سوءً ا وظلمت نفسي فتب علي إنك أنت التوّاب الرحيم .

[۱۶] وأخرج ابن عساكر من طريق جويبر عن الضحاك عن ابن عباس .إن آدم عليه السلام طلب التوبة مائتي سنة حتى آتاه الله الكلمات ، ولقنه إياها قال: بينا آدم عليه السلام جالس يبكي ، واضع راحته على جبينه إذ أتاه جبريل فسلم عليه ، فبكى آدم وبكى جبريل لبكائه فقال له : يا آدم ما هذه البلية التي أجحف بك بلاؤها وشقاؤها ، وما هذا البكاء ؟ قال: يا جبريل وكيف لا أبكي وقد حوّلني ربي من ملكوت السموات إلى هوان الأرض ، ومن دار المقام إلى دار الظعن والزوال ، ومن دار النعمة إلى دار البؤس والشقاء ، ومن دار الخلد إلى دار الفناء ؟ كيف أحصي يا جبريل هذه المصيبة؟ فانطلق جبريل إلى ربه فأخبره بمقالة آدم فقال الله عز وجل: انطلق يا جبريل إلى آدم فقل: يا آدم ألم أخلقك بيدي؟ قال: بلى يا رب قال: ألم أنفخ فيك من روحي؟ قال: بلى يا رب قال: ألم أسجد لك ملائكتي؟ قال: بلى يا رب قال ألم أسكنك جنتي؟ قال: بلى يا رب قال: ألم آمرك فعصيتني؟ قال :بلى يا رب قال: وعزتي وجلالي وارتفاعي في علو مكاني لو ان ملء الأرض رجالاً مثلك ثم عصوني لأنزلتهم منازل العاصين ، غير أنه يا آدم قد سبقت رحمتي غضبي ، قد سمعت صوتك وتضرعك ، ورحمت بكاءك ، وأقلت عثرتك ، فقل: لا إله إلا أنت سبحانك وبحمدك عملت سوءً ا وظلمت نفسي فارحمني إنك أنت خير الراحمين .لا إله إلا أنت سبحانك عملت سوءاً وظلمت نفسي .فتب علي إنك أنت التوّاب الرحيم .فذلك (فتلقى آدم من ربّه كلمات ) الآية .

[۱۷] واخرج ابن المنذر عن محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب قال: لما أصاب آدم الخطيئة عظم كربه ، واشتد ندمه .فجاءه جبريل فقال: يا آدم هل أدلك على باب توبتك الذي يتوب الله عليك منه؟ قال بلى يا جبريل قال: قم في مقامك الذي تناجي فيه ربّك فمجده وامدح ، فليس شيء أحبّ إلى الله من المدح قال: فأقول ماذا يا جبريل؟ قال: فقل لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو حي لا يموت ، بيده الخير كله وهو على كل شيء قدير .ثم تبوء بخطيئتك فتقول: سبحانك اللّٰهم وبحمدك لا إله إلا أنت .رب إني ظلمت نفسي وعملت السوء فاغفر لي إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت .اللّٰهم إني أسألك بجاه محمد عبدك وكرامته عليك أن تغفر (باقی آگے)

التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۔البقرۃ:۲۲۲۔راقم]اور جب اللہ کیلئے بولا جائے تو معنی ہوتا ہے توبہ قبول کرنے والا[جیسے:اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔البقرۃ:۳۷]

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لی خطیئتی قال: ففعل آدم فقال الله: یا آدم من علمک هذا؟ فقال: یا رب إنک لما نفخت فیّ الروح فقمت بشرًا سویًا أسمع وأبصر وأعقل وأنظر رأیت علی ساق عرشک مکتوبًا بسم الله الرحمن الرحیم، لا إله إلا الله وحده لا شریک له محمد رسول الله فلما لم أر علی أثر اسمک اسم ملک مقرب، ولا نبی مرسل غیر اسمه علمت أنه أکرم خلقک علیک .قال: صدقت. وقد تبت علیک وغفرت لک خطیئتک قال: فحمد آدم ربه وشکره وانصرف بأعظم سرور، لم ینصرف به عبد من عند ربه .وکان لباس آدم النور قال الله (ینزع عنهما لباسهما لیریهما سوآتهما) ثیاب النور قال: فجاء ته الملائکة أفواجاً تهنئه یقولون :لتهنک توبة الله یا أبا محمد.

**اقول** ان دوروایتوں میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے اپنے اوپر ظلم کا اقرار پایا جاتا ہے۔

[۱۸] وأخرج أحمد فی الزهد عن قتادة قال :الیوم الذی تاب الله فیه علی آدم یوم عاشوراء.

[۱۹] وأخرج الدیلمی فی مسند الفردوس بسندٍ واهٍ عن علی قال سألت النبی ﷺ عن قول الله (فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه) فقال: إن الله أهبط آدم بالهند، وحوّاء بجدة، وإبلیس ببیسان، والحیة بأصبهان،وکان للحیة قوائم کقوائم البعیر، ومکث آدم بالهند مائة سنة باکیاً علی خطیئته حتی بعث الله إلیه جبریل وقال: یا آدم ألم أخلقک بیدی؟ ألم أنفخ فیک من روحی؟ ألم أسجد لک ملائکتی؟ ألم أزوّجک حواء أمتی؟ قال: بلی .قال: فما هذا البکاء؟ قال: وما یمنعنی من البکاء وقد أخرجت من جوار الرحمن؟ قال: فعلیک بهؤلاء الکلمات.فإن الله قابل توبتک، وغافر ذنبک. قل: اللّٰهم إنی أسألک بحق محمد وآل محمد، سبحانک لا إله إلا أنت عملت سوءً ا وظلمت نفسی فاغفر لی إنک أنت الغفور الرحیم.اللّٰهم إنی أسألک بحق محمد وآل محمد سبحانک لا إله إلا أنت عملتُ سوءً ا وظلمتُ نفسی فتب علیّ إنک أنت التوّاب الرحیم.فهؤلاء الکلمات التی تلقی آدم . [**اقول** اس روایت کو خود امام سیوطیؒ نے بسند واہٍ کہہ کر رد کر دیا ہے]

[۲۰] وأخرج ابن النجار عن ابن عباس قال سألت رسول الله ﷺ عن الکلمات التی تلقاها آدم من ربه فتاب علیه قال: سأل بحق محمد، وعلی، وفاطمة، والحسن، والحسین، إلا تبت علی فتاب علیه . [اقول:یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ روایت موضوع ہے]

[۲۱] وأخرج الخطیب فی أمالیه وابن عساکر بسند فیه مجاهیل عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال إن آدم لما أکل من الشجرة أوحی الله إلیه: اهبط من جواری .وعزتی لا یجاورنی من عصانی. فهبط إلی الأرض مسوداً، فبکت الأرض وضجت.فأوحی الله: یا آدم صم لی الیوم یوم ثلاثة عشر.فصامه فأصبح ثُلُثُهُ أبیض، ثم أوحی الله إلیه: صم لی هذا الیوم یوم أربعة عشر.فصامه فأصبح ثلثاه أبیض، ثم أوحی الله إلیه صم لی هذا الیوم یوم خمسة عشر.فصامه فأصبح کله أبیض،فسمیت أیام البیض. (درمنثور ناشر محمد امین درج وشرکاۂ بیروت ج۱ص۵۸تا۶۱)

☆ ایک روایت یوں ہے:

وأخرج الطبرانی عن أبی برزة الأسلمی قال :إن آدم لما طؤطیء منع کلام الملائکة وکان یستأنس بکلامهم بکی علی الجنة مائة سنة فقال الله عز وجل له: یا آدم ما یحزنک؟ قال: کیف لا أحزن وقد اهبطتنی من الجنة ولا أدری أعود إلیها أم لا؟ فقال الله تعالیٰ: یا آدم قل: اللّٰهم لا إله إلا أنت وحدک لا شریک لک سبحانک وبحمدک رب إنی عملت سوءً ا وظلمت نفسی فاغفر لی إنک أنت خیر الغافرین . والثانیة: اللّٰهم لا إلٰه إلا أنت وحدک لا شریک لک سبحانک وبحمدک .رب إنی عملت سوءً ا وظلمت نفسی فاغفر لی إنک أنت أرحم الراحمین. والثالثة: اللّٰهم لا إله إلا أنت سبحانک وبحمدک لا شریک لک، رب عملت سوءً ا وظلمت نفسی فاغفر لی إنک أنت التوّاب الرحیم . فهی الکلمات التی أنزل الله علی محمد ﷺ (فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه إنه هو التوّاب الرحیم) (درمنثور ج۱ص۶۲)

**اقول** اس روایت میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے اپنے اوپر ظلم کا اقرار ہے اور بار بار ہے۔ (باقی آگے)

۔راقم] تائب کا لفظ بندے کیلئے بولا جاتا ہے [جیسے سورۃ التوبۃ آیت ۱۱۲ میں التائبون اور سورۃ التحریم آیت ۵ میں تائبات کے لفظ ہیں۔ راقم] مگر اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں کیونکہ قرآن وحدیث میں اللہ کیلئے اس کا استعمال نہیں ہوا (معارف القرآن کراچی ج ۱ ص ۲۰۱ نقلاً عن القرطبی)

**فائدہ:** کبھی گناہ خیر کا ذریعہ بن جاتا ہے جیسے حضرت ماعزؓ کیلئے زنا ایسی توبہ کی ذریعہ بنا کہ نبی ﷺ نے ان کے جنت میں جانے کی بشارت دی اس لئے دوسروں کے بارے میں حسن ظن رکھے مگر اپنے بارے میں ہمیشہ فکر مند رہے اسی طرح آدم علیہ السلام کیلئے جو بھول ہوئی اس کے بعد انہوں نے توبہ کی قیامت تک جتنے لوگ توبہ کریں گے حضرت آدم علیہ السلام کو اس سے ثواب ہوگا کیونکہ انسانوں میں سب سے پہلے انہوں نے توبہ کی۔ (از معارف القرآن کاندھلویؒ ج ۱ ص ۱۴۲ تا ۱۴۵ نیز ص ۱۵۴ تا ۱۵۹ نقلاً عن ابن القیمؒ) **فائدہ:** ہمارے اکابر اگر طالب علم میں نفسانی گناہ دیکھتے تو اس کو سمجھاتے اور مدرسے سے نہ نکالتے کہ توبہ کرلے گا لیکن اگر تکبر اور گستاخی دیکھیے تو اس کو برداشت نہ کرتے اور مدرسے سے نکال دیتے۔ کیونکہ تکبر اور خود پسندی اللہ کو قطعاً پسند نہیں (مزید دیکھئے کاندھلویؒ ج ۱ ص ۱۵۹ تا ۱۶۲)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سورۃ البقرۃ آیت ۳۷ کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

عاشورہ جمعہ کو بڑے اہم واقعات ہوئے آدم علیہ السلام کی توبہ نوح علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا...... موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا...... امام حسینؓ کا کربلا میں شہید ہونا سب دسویں محرم کو ہوا، ان بزرگوں کی گیارھویں شب راحت کی گزری اس لئے اہل سنت گیارھویں شریف کرتے ہیں بظاہر حضور غوث پاک کی فاتحہ ہوتی ہے درحقیقت ان تمام بزرگوں پر انعام الٰہی ملنے کی خوشی (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۹۷ سطر ۱۳ تا ۱۷)

**اقول:** یہ سب کھانے پینے کا چکر ہے یہاں یہ بہانہ مل گیا اور تیجا ساتواں دسواں کرنے کیلئے آیت تقسیم میراث میں تحریف معنوی کرڈالی (دیکھئے خزائن العرفان ص ۱۱۵ تحت سورۃ النساء آیت ۸) ورنہ سال میں کونسی تاریخ ہے جس میں کوئی نہ کوئی خوشی نہ ہوئی ہو کسی دن غزوہ بدر میں کامیابی کی خوشی، کسی دن غزوہ احزاب میں کامیابی کی خوشی، کسی دن فتح مکہ کی خوشی۔ تاریخ میں دیکھو ہر دن کوئی نہ کوئی خوشی کا واقعہ ہوا ہے۔ لیکن سوچنے کی بات ہے کہ اللہ نے ہمیں دنیا میں جشن منانے کیلئے بھیجا ہے یا آخرت کا فکر کرنے کیلئے بھیجا ہے [۲] کہتا ہے کہ اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے پر خوشی ہے کہ ان کی گیارھویں رات خوشی میں گزری ارے وہ تو شہید ہوتے ہی خوشیوں میں چلے گئے رات کے انتظار کا کیا معنی؟ پھر ایک گیارھویں رات کی تعیین کیوں؟ ان کی تو سب راتیں اور سب دن خوشیوں میں گزر رہے ہیں۔ پوچھ اہل بیت سے کہ اس شہادت سے ان پہ کیا گزری تھی؟ تو نے چند سطروں پہلے خود لکھا ہے: پانچ آدمی بہت روئے ہیں آدم علیہ السلام اپنی خطا پر، یعقوب علیہ السلام فراق فرزند میں، یحییٰ علیہ السلام خوف الٰہی سے، حضرت فاطمہ زہراء حضور ﷺ کی وفات کے بعد، امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد۔ مگر ان سب میں آدم علیہ السلام کی گریہ زاری سب سے بڑھ کر ہے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۹۷ سطر ۷ تا ۹) [۳] اگر یہ دن خوشی ہی کا ہو تو نبی ﷺ کی سیرت ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے آپ نے نبی ﷺ نے دس محرم کو روزہ رکھا کہ اللہ نے اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی (بخاری ج ۱ ص ۲۶۸ مسلم بتحقیق محمد فواد عبدالباقی ج ۲ ۷۹۶) مسلم شریف میں ہے کہ یہودی تو اس دن عید کرتے تھے اپنی عورتوں کو زیورات اور اچھے کپڑے پہناتے تھے مگر آنحضرت ﷺ نے صرف روزہ رکھا، تو اس کے بہانے گیارھویں میں عام دنوں سے بھی زیادہ کھاتا پیتا ہے۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں: بظاہر یعقوب علیہ السلام فراق یوسف میں رو رہے تھے مگر درحقیقت خالق یوسف کی محبت ان کو رلا رہی تھی کیونکہ وہ کنعان میں بیٹھے یوسف کا ہر حال دیکھ رہے تھے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۲۹۹)

**اقول:** علم غیب تو ایسے حیلوں سے ثابت ہونے سے رہا اس لئے کہ اس کیلئے ''علم'' اور ''غیب'' جن دو لفظوں کی ضرورت ہے وہ موجود نہیں مگر یہ تو بتا کہ یوسف علیہ السلام سے ملنے کے بعد وہ رونا کیوں بند ہوا؟ قمیص کے لگنے سے آنکھوں کی بینائی واپس کیوں آگئی؟ جبکہ خالق یوسف کی محبت تو یقیناً یوسف کے ملنے کے بعد بھی ان کے دل میں تھی اور پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ تو نے خود لکھا ہے: کہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے فراق میں بہت روئے [یہاں یہ نہ کہا کہ یعقوب علیہ السلام خالق یوسف کی محبت میں بہت روئے] (نعیمی ج ۱ ص ۲۹۷ سطر ۷) قرآن نے کہا وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ [یوسف: ۸۴] کہ غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں اور غم سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت قرآن نے کردی۔ اِنِّیْ لَيَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ [یوسف: ۱۳]، اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ [یوسف: ۸۶]۔

۹) توبہ کی قبولیت کے بعد اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اب ایک وقت تک زمین میں ہی رہو، تمہاری اور تمہاری اولاد کی آزمائش ہو سکتی ہے: **قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا (۱) فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** (البقرۃ:۳۸)

**اشکال:** اترنے کا حکم تو اکل شجرہ کے بعد ہی ہو گیا تھا جس کا ذکر آیت ۳۶ میں ہے، زمین پہ اترنے کے بعد پھر اس حکم کا کیا مطلب؟

**جواب:** [۱] زمین پہ اترنے کا حکم تکوینی تھا کیونکہ جنت سے زمین پہ اترنا ان کے بس میں نہ تھا، اللہ نے اپنی قدرت سے اتارا، مگر پہلی دفعہ اترنے کا حکم ابتداء کیلئے تھا دوسری مرتبہ دوام یعنی قائم رہنے کیلئے (۲) مطلب یہ ہے اب تم اترے رہو جنت میں فوری واپسی نہ ہوگی اور جس کی ہوگی ایمان کے ساتھ ہوگی اس لئے اس کے بعد فرمایا: **فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى** الخ الغرض ہبوط کا حکم تو بطور تمہید ہے اصل مقصد یہ حکم سنانا ہے: **فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ** الخ اور ہدایت کی اتباع کرنا نہ کرنا اختیاری فعل ہے۔ امام نسفیؒ ج ا ص ۴۵ میں فرماتے ہیں: **اِهْبِطُوْا** کے تکرار کا ایک مقصد اس پر **فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى** کا عطف ڈالنا ہے۔

**سوال:** حضرت آدم اور حضرت حواء دو فرد ہیں ان کو حکم دینے کا تثنیہ کا صیغہ چاہئے جمع کا صیغہ **اِهْبِطُوْا** کیوں لایا گیا؟

**جواب:** اس کی وجہ گزر چکی ہے کہ یا تو یہ حکم ان دونوں کے ساتھ ساتھ شیطان کو بھی تھا ان تینوں سے کہا گیا: **اِهْبِطُوْا**۔ یا اس لئے کہ زمین میں رہنے کا حکم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی ہے (۳) اس لئے جمع کا صیغہ **اِهْبِطُوْا** لایا گیا۔ اس کے برخلاف جنت میں رہنا وہاں کھانا پینا اور خاص درخت سے بچنا ان دونوں کے ساتھ

---

۱) مفتی ابوالسعودؒ فرماتے ہیں: و (جميعًا) **حال في اللفظ وتأكيد في المعنى ، كأنه قيل: اهبطوا أنتم أجمعون ولذلك لا يستدعي الاجتماع على الهبوط في زمان واحد كما في قولك: جاء وا جميعًا ، بخلاف قولك: جاء وا معًا** (ابوالسعود ج ا ص ۹۳) مطلب یہ ہے کہ اگر یہ حکم حضرت آدم و حواء اور ابلیس تینوں کو ہو تو یہ مطلب نہیں کہ تینوں کو ایک ساتھ زمین پر اترنے کا حکم تھا بلکہ مطلب ہے تینوں کو زمین پر رہنا ہے خواہ اکٹھے نازل ہوئے یا الگ الگ۔ شیطان کو پہلے نکلنے کا حکم ہو چکا اس لئے نزول کے وقت میں معیت مراد نہیں۔ ہاں اگر **مع** کا لفظ آتا مثلاً یوں ہوتا **اهبطوا معا** تو نزول میں معیت مراد ہوتی۔ اس کے برخلاف **سجد الملائكة كلهم اجمعون** میں ایک ساتھ سجدہ کرنے کا قرینہ موجود ہے کیونکہ وہاں یہ بتایا ہے کہ کسی فرشتے نے حکم پورا کرنے میں تاخیر نہ کی۔ (دیکھئے روح المعانی ج ا ص ۲۳۸)

۲) اس کے کچھ شواہد کہ پہلا **اهبطوا** انشاء یا ابتداء کیلئے ہے، دوسرے استمرار کیلئے ہے [۱] مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں: حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول فرمائی مگر فی الفور جنت میں جانے کا حکم ارشاد نہ فرمایا بلکہ دنیا میں رہنے کا جو حکم ہوا تھا اسی کو قائم رکھا کیونکہ مقتضائے حکمت و مصلحت یہی تھا ظاہر ہے کہ زمین کیلئے خلیفہ بنائے گئے تھے نہ کہ جنت کے لئے (عثمانی ص ۹ ح ۳) **اقول:** اس میں اشارہ ہے کہ دوسرے **اِهْبِطُوْا** میں امر دوام و بقاء کیلئے ہے انشاء و ابتداء کیلئے نہیں۔ [۲] مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: ہم نے ان کو حکم دیا کہ تم فی الحال اسی جگہ رہو جہاں تم کو بہشت سے اتارا گیا ہے یعنی فی الحال دنیا ہی میں رہو...... نیز فرماتے ہیں: پہلی بار ہبوط کا حکم جنت سے اترنے کیلئے تھا اور دوسری بار ہبوط کا حکم زمین میں مقیم رہنے کیلئے ہے (معارف القرآن ج ا ص ۱۵۳، ۱۵۴) [۳] حکیم الامتؒ فرماتے ہیں: دوسری مرتبہ **اِهْبِطُوْا** تاکید کیلئے لائے یا پہلا حاکمانہ ہے دوسرا حکیمانہ (بیان القرآن تھانویؒ ج ا ص ۲۵) **اقول:** یعنی پہلا عتاب کے طور پر تھا اب عتاب کے طور پر تو نہیں مگر کسی حکمت سے فوری جنت واپسی نہ ہوگی بلکہ جس خلافت کیلئے تمہیں پیدا کیا ہے اس کے لئے اب تمہیں زمین کو آباد کرنا ہوگا۔ [۴] حضرت حکیم الامتؒ ایک سوال ذکر کرتے ہیں کہ امر **اُسْكُنْ** سے متبادر احداث مسکنیٰ ہوتا ہے مطلب یہ کہ آدم علیہ السلام پہلے جنت میں نہ تھے بعد میں **اُسْكُنْ** کے امر سے ان کو جنت میں بھیجا گیا پھر جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ ابقائے سکنیٰ بھی اس کا مدلول ہو سکتا ہے (بیان القرآن ج ا ص ۲۴) مطلب یہ کہ جب ان کو سجدہ کروایا ممکن ہے اس وقت بھی جنت میں ہو، تو **اُسْكُنْ** کا مطلب یہ ہوگا کہ حسبِ سابق جنت میں رہو۔ بہرحال حکیم الامتؒ کے اس جواب سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امر کبھی فعل سابق کو باقی رکھنے کیلئے بھی ہوتا ہے۔ اس کو باقی رکھنا چونکہ انشاءِ ابقاء ہے اس لئے جملہ اس سے انشائیہ ہی بنے گا۔

۳) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ معارف القرآن ج ا ص ۱۳۲ میں فرماتے ہیں:

**اهبطوا** کا خطاب حضرت آدمؑ اور حواءؑ کو ہے جیسا کہ دوسری جگہ **قلنا اهبطا منها جميعا** بصیغہ تثنیہ وارد ہے چونکہ حضرت آدم ابوالبشرؑ اور حضرت حواء ام البشرؑ ہونے کی وجہ سے تمام نبی نوع انسان کے قائم مقام ہیں اس لئے اس جگہ **قلنا اهبطوا** میں حضرت آدم اور حواء کو صیغہ جمع کے ساتھ مخاطب فرمایا۔ (باقی آگے)

خاص تھا اولاد کیلئے یہ احکام نہ تھے اس لئے اس کیلئے صرف تثنیہ کے صیغے لائے گئے (ا): يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرة:۳۵)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مفتی ابوالسعودؒ فرماتے ہیں: (وَقُلْنَا اهبطوا) الخطابُ لآدمَ وحواءَ عليهما السلام بدليل قوله تعالى: (قَالَ اهبطا مِنْهَا جَمِيعًا) وجُمعَ الضمير لأنهما أصلُ الجنس، فكأنهما الجنسُ كلُّهم، وقيل: لهما وللحية وإبليسَ على أنه أُخرج منها ثانيًا بعدما كان يدخلها للوسوسة أو يدخلها مُسارقة، أو أُهبط من السماء وقرئ بضم الباء (بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ) حال استغنى فيها عن الواو بالضمير أى متعادِين يبغى بعضُكم على بعض بتضليله، أو استئناف لا محل له من الإعراب، وإفراد العدوّ إما للنظر إلى لفظ البعض وإما لأن وِزانَه وِزانُ المصدر كالقبول.

(تفسیر ابی السعود ج ا ص ۹۱)

**سوال:** شیطان کو تو پہلے ہی اترنے کا حکم ہو چکا تھا اب اس کو حکم دینے کی کیا ضرورت؟

**جواب:** کیا بعید ہے کہ شیطان کو جنت سے نکال کر آسمان دنیا پر بھیج دیا اب آسمان سے بھی اترنے کا حکم ہو گیا یا شیطان کو حکم تو پہلے ہو گیا تھا مگر خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے جنت میں چلا جاتا تھا جیسا کہ ابوالسعود کے حوالہ سے گزرا اب اس امر کے ذریعے شیطان کا وہاں جانا ممنوع قرار دیا وہ جانا بھی چاہے تو نہ جا سکے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

اگر شیطان اس وقت تک زمین پر نہیں آیا ہے جیسا کسی نوکر کو نوکری سے برطرف کر دیا جاوے مگر جو آقا کریم ہوتے ہیں اس کا بوریہ بستر فوراً ہی نہیں پھکوا دیا کرتے بتدریج نکال دیتے ہیں تب تو اس خطاب میں وہ بھی داخل ہے اور آدم وحوا کو خطاب کا شامل ہونا ظاہر ہی ہے اور اگر زمین پر آ چکا ہے تو یہ خطاب آدم وحوا کو مع ان کی اولاد کے ہے کہ تمہاری اولاد میں احیاناً عداوت ہوگی (بیان القرآن ج ا ص ۲۴)

ا) ابلیس لعین اور سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعہ میں اترنے کا حکم تین موقعوں پر ہے، آدم علیہ السلام کے اکل شجرہ سے پہلے، اکل شجرہ کے بعد توبہ سے پہلے، توبہ کے بعد۔ اکل شجرہ سے پہلے تو اُس وقت جب ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور اُسے جنت سے نکلنے کا حکم ہوا، اس لئے صیغہ واحد کا صیغہ اهبط لایا گیا فرمایا: قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ☆قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (الاعراف ۱۲،۱۳) اور ظاہر ہے کہ یہ حکم خاص ابلیس کو ہوا۔

دوسرے جب آدم علیہ السلام شجرہ ممنوعہ سے کچھ کھا بیٹھے تو انہیں کہا گیا "اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" پوری آیت یوں ہے: فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (البقرة:۳۶) اس میں اترنے کا حکم جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ یا تو یہ حکم حضرت آدم حضرت حواء اور ابلیس تینوں کو ہے کیونکہ ابلیس اس وقت زمین میں نہ اترا تھا جنت سے اتر کر آسمان دنیا پہ آ گیا تھا، یا وہ حکم خداوندی کی مخالفت کر کے جنت میں چلا جاتا ہے جب اس کے وسوسہ اندازی سے آدم علیہ السلام اکل شجرہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو تینوں کو حکم ہوا کہ یہاں سے نکل جاؤ اس حال میں کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، تمہیں زمین میں بھی ہمیشہ نہیں ایک وقت تک رہنا ہوگا، شیطان کو قیامت تک کی مہلت ملی حضرت آدم وحواء اپنا اپنا وقت پورا کر کے تشریف لے گئے۔ شیطان اور اس کے پیروکار دوزخ میں جائیں گے اہل ایمان جنت میں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس حکم میں ان کی اولاد بھی داخل ہے ان کی اولاد میں کچھ افراد ایک دوسرے سے دشمنی کریں گے لڑائی جھگڑا ہوگا جس میں فیصلہ کی ضرورت ہوگی اور مقصدِ خلافت ہے کہ من مرضی نہ کی جائے بلکہ خدا کی زمین پر خدا کا نظام نافذ کیا جائے۔

تیسرے جب آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کی توبہ قبول ہوئی تو اللہ کی طرف سے پھر اس کا حکم ہوا ایک آیت میں تثنیہ کے صیغہ سے ایک میں جمع کے صیغہ سے سورۃ طٰہٰ میں ہے: ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (122) قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (طٰہٰ:۱۲۲،۱۲۳) سورۃ البقرہ میں ہے: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ (باقی آگے)

**سوال:** کیا ایسا کہنا درست ہے کہ پہلے **اِهْبِطُوْا** کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کا جنت سے آسمانِ دنیا کی طرف نزول ہوا دوسرے **اِهْبِطُوْا** کے ساتھ آسمان دنیا سے زمین کی طرف؟

**جواب:** یہ درست نہیں بلکہ پہلے **اِهْبِطُوْا** (۱) کے ساتھ ہی زمین کی طرف نزول ہوا۔ زمین پر ہی انہوں نے توبہ کی زمین پر ہی توبہ کی قبولیت کی خوشخبری ملی اور زمین پر مقیم رہنے کا حکم ہوا کیونکہ پہلے **اِهْبِطُوْا** کے ساتھ زمین کا ذکر ہے فرمایا: **وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ** (خازن مع النسفی ج ۱ ص ۴۵)

۱۰) قولہ تعالیٰ: **فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى.** (۲) **اِمَّا** اصل میں **اِنْ مَا** ہے نون ساکن کا میم میں ادغام ہوا ہے **اِنْ** حرف شرط اور **مَا** زائدہ برائے تاکید ہے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** (البقرۃ:۳۸) سورۃ الاعراف میں ہے: **قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ☆ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ** (الاعراف:۲۳،۲۴)

اس میں ایک توجیہ تو یہ ہے کہ دونوں جگہ خطاب حضرت آدم وحواء کو ہے تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ خطاب میں تو کوئی اشکال نہیں، جمع کے صیغہ کے ساتھ اس لئے کہ ان کی اولاد بھی ساتھ شامل ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ حکم بھی حضرت آدم وحواء اور شیطان لعین تینوں کو ہے تثنیہ لانے کی صورت میں بالاصالۃ خطاب تو حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کو ہے حضرت حواء حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بالتبع شامل ہیں۔

۱) مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

**اهبطوا** جمع کا لفظ ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی نہ تھے بلکہ آدم کے اتباع بھی تھے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۴۷)

**اقول:** قرآن میں صرف **اِهْبِطُوْا** نہیں **اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ** [البقرۃ:۳۵] بھی ہے **وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا** [ایضاً] بھی ہے۔ **وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** [ایضاً] بھی ہے **اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ** [طٰہٰ:۱۱۷] بھی ہے۔ درخت سے کھالیا تو اس کے بارے میں فرمایا: **فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ** [طٰہٰ:۱۲۱]۔ ان تمام میں تثنیہ کے صیغے ہیں اگر وہاں اور انسان بھی ہوتے تو بتا ان کو وہاں سے کس وجہ سے نکالا گیا؟ قرآن کریم میں ان مقامات میں تو کسی اور کا ذکر نہیں، اگر دوسروں بغیر نافرمانی کے نکالا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ سوال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو تو اکل شجرہ کی بعد نکالا ان کو کس وجہ سے نکالا گیا؟ اور اگر نافرمانی کے بعد نکالا تو بتا کہ حضرت آدم وحواء کے علاوہ باقی انسانوں کو جنت میں کونسا حکم ہوا؟ اور انہوں نے کب نافرمانی کی؟ قطعی دلیل چاہئے محض قیاس آرئیاں نہ سنانا ☆ **اِهْبِطُوْا** جمع لانے کی توجیہات گذشتہ میں گزر چکی ہیں۔

۲) چنانچہ مرزا محمود اس آیت کے تحت کہتا ہے:

اس آیت میں وعدہ کیا گیا ہے کہ آدم کی اولاد میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو لوگوں کو نیکی اور ہدایت کی طرف بلاتے رہیں گے...... اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کے بعد وحی کا سلسلہ ختم نہیں ہو گیا بلکہ اسی وقت سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ آئندہ بھی وحی الٰہی ہوتی رہے گی اور اس کے ماننے والوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہوتے رہیں گے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۴۷، ۳۴۸)

**اقول:** [۱] آیت کریمہ میں **اِنْ** شرطیہ کے ساتھ وعدہ نہیں امکان بتایا ہے پھر بیشک اللہ نے آدم علیہ السلام کے بعد ایک عرصہ تک وحی کا سلسلہ جاری رکھا مگر یہ تو نہ فرمایا کہ وحی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا، بلکہ آنحضرت ﷺ پر نبوت کو ختم فرمادیا آپ کے بعد کسی کو منصب نبوت نہ ملے گا مگر مرزا محمود کے الفاظ سے سمجھ آتا کہ وحی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے حالانکہ اس زمانے میں نبوت کو مرزا محمود بھی جاری نہیں مانتا [۲] مسلمانوں کے نظریہ میں اور مرزا محمود کے نظریہ میں فرق یہ ہے کہ مسلمان کہتے ہیں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور مرزا محمود کہتا ہے کہ اللہ کا آخری نبی مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ بلکہ مرزائی تو سب انبیاء علیہم السلام کی جگہ ایک مرزا غلام احمد قادیانی کو ہی مانتے ہیں کیونکہ مرزا کہتا ہے سب انبیاء کے نام مجھے دے دیئے گئے میں آدم ہوں میں نوح ہوں الخ (براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۲) کہتا ہے میں خاتم الانبیاء ہوں (ایک غلطی کا ازالہ روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۲) [۳] مرزائیوں کا آپس میں یہ اختلاف تو ہے کہ مرزا نبی تھا یا نہیں مگر مرزے کے بعد کسی کو نبی نہ ماننے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (باقی آگے)

اس کے بعد فعل کے ساتھ نون تاکید کا آنا بہتر ہوتا ہے (دیکھئے شرح جامی ص۳۹۲ بحث حروف زوائد، حاشیہ الجمل علی الجلالین) اِنْ شرطیہ سے پتہ چلا کہ انبیاء کو بھیجنا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دونوں گروپ مرزے کے بعد کسی کو نبی نہیں مانتے۔اور کیسے مانیں جموں کے رہنے والے مرزائی چراغ دین جمونی نے نبوت کا دعویٰ کیا مرزے نے اس کو اپنی جماعت سے نکال دیا تھا (خزائن ج۱۸ص۲۳۹ ۲۳۹ تا ۲۴۲)[۴] مرزا محمود کی اس بات کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ انبیائے سابقین کی طرح نبی ﷺ بھی تو ہدایت ہی لائے تھے جیسے آپ کی باقی تعلیمات ہدایت ہیں آپ کا آخری نبی ہونے کا دعویٰ بھی تو ہدایت ہے کیونکہ جس زبان سے آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اسی زبان سے آخری نبی ہونے کا دعویٰ فرمایا، پھر حضرت نانوتویؒ کے بقول جیسے قطعی تواتر کے ساتھ آپ ﷺ سے نبوت کا دعوی منقول ہوا، ویسے ہی قطعی تواتر کے ساتھ آپ ﷺ سے ختم نبوت کا دعویٰ منقول ہوا (قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم ص۴۳۰) اس لئے جو شخص آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا منکر ہے وہ آپ ﷺ کی نبوت کا ہی منکر ہے۔علاوہ ازیں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی جو آپ ﷺ نے خبر دی وہ بھی تو ہدایت ہے اس لئے قادیانی خود کو عیسیٰ علیہ السلام کہہ کر کافر ہی ٹھہرتا ہے۔

**تنبیہ** جیسے سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کو نبوت کے امکان کی خبر دی ایسے ہی سورہ الاعراف کی آیت ۳۵: **يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ** الآیۃ میں آدم علیہ السلام کی اولاد میں امکانِ نبوت کا ذکر ہے مگر نصوص قطعیہ کی رو سے نبوت کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم ہو چکا ہے عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے جو انبیاء سابقین سے ہیں مگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا۔مرزائی سورۃ الاعراف آیت ۳۵ کو بھی ختم نبوت کے خلاف پیش کرتے ہیں (دیکھئے مرزا بشیر احمد کی کتاب تبلیغ ہدایت ص۲۹۱، اللہ دتہ جالندھری کی کتاب تفہیماتِ ربانیہ ص۶۰،۶۱،۶۷، پاکٹ بک قاضی نذیر ص۱۱۳،۱۱۴، پاکٹ بک خادم ص۲۵۶،۲۵۷) عبدالرحمٰن خادم مرزائی تفسیر بیضاوی کا حوالہ دے کر یہ عبارت نقل کرتا ہے: **اِتْيَانُ الرُّسُلِ اَمْرٌ جَائِزٌ غَيْرُ وَاجِبٍ** پھر اس کا مطلب یوں بیان کرتا ہے: ''یعنی **يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ** سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد رسولوں کا آنا جائز ہے اگرچہ ضروری نہیں کہ رسول ضرور ہی آئیں''۔(پاکٹ بک خادم ص۲۶۰)

**اقول** مرزائیوں کے استدلال کی بنیاد خط کشیدہ الفاظ ہیں مگر یہ الفاظ تفسیر بیضاوی کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں یہ نری تحریف ہے۔قاضی بیضاویؒ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلا کہ بنی آدم میں انبیاء کرام کو بھیجنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ میں انبیاء کو بھیجوں گا بلکہ امکان کی خبر دی کہ اگر آئیں تو ان کی پیروی ضروری ہے۔اور اللہ نے اپنی مہربانی سے ہزار ہا انبیاء کرام کو بھیجا مگر خادم کہتا ہے کہ قاضی بیضاوی نے آنحضرت ﷺ کے بعد رسولوں کے آنے کو جائز مانا ہے۔جبکہ قاضی بیضاویؒ نے ہرگز یہ بات نہ کہی۔

☆ اسی آیت ۳۸ کے تحت محمد علی لاہوری مرزائی لکھتا ہے:

آدم ابو البشر کو وحی عطا فرمائی مگر اس کے بعد ہر ایک انسان کو وحی نہ دی جاتی تھی اس لئے ان کے متعلق یہاں قانون بیان فرمایا کہ اس حالتِ ہبوط کا علاج یہ ہے کہ نسل انسانی میں وقتاً فوقتاً من جانب اللہ ہدایت آتی رہے گی اس کی پیروی سے پھر انسان اس کھوئی ہوئی جنت کو اس اعلیٰ مقام روحانیت کو، اس راحت وسکون کو حاصل کر سکتا ہے جس سے وہ نکلے گا نہیں (بیان القرآن مرزائی ج۱ص۳۴ حاشیہ ۵۸)

**اقول** [۱] یہ بھی تو کہہ کہ پھر سلسلہ وحی آنحضرت ﷺ پر منقطع ہو گیا اب کوئی نیا نبی نہ آئے گا ہاں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا تا کہ اسلامی عقیدے کی پوری وضاحت ہو مگر تو مسلمان ہوتا تو یوں لکھتا۔[۲] حالتِ ہبوط کیا ہوتی ہے؟ اللہ نے ان کو جنت سے زمین پر اترنے کا حکم دیا یہ عبارۃ النص سے پتہ چلتا ہے بات واضح ہے مگر تجھے نصوص کی تصریحات قبول ہوتیں تو مرزا قادیانی کو عیسیٰ علیہ السلام کیسے مان لیا؟ عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کا انکار کیسے کر دیتا؟ [۳] اگر کھوئی ہوئی جنت سے مراد وہی جنتِ ماویٰ ہے، اور امت مسلمہ تو یہی کہتی ہے مگر یہ اس کے نظریہ کے خلاف ہے۔اور اگر کھوئی ہوئی جنت سے مراد محض راحت وسکون ہے تو مذکورہ بالا عبارت سے محمد علی لاہوری قیامت کا اور جنتِ ماویٰ کا منکر ٹھہرتا ہے کیونکہ اس کے ہاں جنتِ ماویٰ تو آدم علیہ السلام کو کبھی ملی ہی نہ تھی (دیکھئے بیان القرآن ج۱ص۳۰ سطر ۱۷ ح ۵۴) اس کے کھوئے جانے کا کیا مطلب؟

☆ محمد علی لاہوری اسی آیت کے تحت لکھتا ہے:

**اما یاتینکم رسل منکم** ......تمہارے پاس کبھی رسول آجایا کریں گے یہ نسل انسانی کے ہادی ہوں گے اس طرح پر کہ جو شخص اس ہدایت کی جو وہ لائیں پیروی کرے گا (لفظ تَبِعَ یہاں قابل توجہ ہے خالی ایمان نہیں بلکہ اس ہدایت کی پیروی کی ضرورت ہے) وہ اس حالت پر قائم ہو جائے گا جہاں نہ شیطان کے حملے کا خوف ہے کہ وہ وسوسہ اندازی سے پھسلا دے اور نہ یہ غم ہو گا کہ یہ راہ اختیار کی یا نہ کی......(بیان القرآن مرزائی ج۱ص۳۴ حاشیہ ۵۹) (باقی آگے)

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اللہ پر لازم نہیں اگر وہ نہ بھیجتا تو اسے کون پوچھ سکتا تھا؟ (ذخیرۃ الجنان ج ۱ ص ۱۳۶) اللہ نے توبہ قبول لیکن فوری جنت میں نہ بھیجا بلکہ فرمایا کہ اب

---

**اقول:** بیشک انبیاء کرام علیہم السلام وقتاً فوقتاً آتے رہے ہیں مگر یہ بھی تو بتا کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت نہ ملے گا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے بیشک آئیں گے مگر وہ پہلے انبیاء سے ہیں ان کو منصب نبوت پہلے مل چکا۔ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جو منصب نبوت کا دعوی کرے وہ کافر ہے۔ خواہ مستقل نبی ہونے کا یا خود کو عیسیٰ علیہ السلام کہہ کر۔ اگر چہ ایسا مدعی مرزا قادیانی ہی کیوں نہ ہو [۳] انبیاء کرام علیہم السلام تو معصوم ہوتے ہیں، انبیاء کی پیروی کرنے سے کوئی معصوم نہیں ہو جاتا ہاں ایمان کے ساتھ دنیا سے جائے تو ہمیشہ کے لئے شیطان سے بچ کر جنت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ مگر تیری عبارت سے سمجھ آتا ہے کہ انبیاء کے پیروکار معصوم ہو جاتے ہیں یہ درست نہیں کیونکہ پھر تو سب مسلمانوں کو معصوم ماننا ہوگا۔ اور تیرے نزدیک کوئی اور معصوم ہو یا نہ ہو، مرزا کی وجہ سے تو بھی معصوم ہے اور مرزا محمود بھی۔

☆ محمد علی لاہوری ہی تحت لکھتا ہے:

وحی الٰہی کی ضرورت دنیا میں کیا ہے؟ فطرت انسانی کی کمزوری کا علاج صرف اللہ تعالیٰ کے طاقتور ہاتھ سے ہوسکتا ہے اور وہی انسان گرنے سے بچ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں اپنے آپ کو دے دیتا ہے (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۵۹ حاشیہ ۳۳)

**اقول:** وحی الٰہی کی ضرورت کو تو کیا جانے؟ وحی الٰہی کی ضرورت عقل ونقل کی رو سے علماء ہر دور میں سمجھاتے رہے ہیں عنقریب آرہا ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے تو اس موضوع کو بہت ہی آسان کر دیا مگر یہ تو بتا کہ وحی کو اس کے مفہوم کے مطابق ماننا ضروری ہے مگر وحی کے مفہوم کا تعین کیسے ہوگا؟ مسلم ج ۲ ص ۴۰۰ میں نزول کی احادیث میں آپ ﷺ بار بار فرماتے ہیں 'نبی اللہ عیسیٰ' '' جس کا مطلب واضح ہے کہ قتل دجال کیلئے اللہ کے نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہی نازل ہوں گے مگر تمہارے دونوں گروپ مرزا قادیانی کو عیسیٰ کہتے ہیں پھر قادیانی گروپ اس کو نبی بھی مانتا ہے اور کہتا ہے کہ مرزا قادیانی معاذ اللہ اس حدیث کی رو سے نبی ہے (دیکھئے مرزا بشیر احمد کی کتاب تبلیغ ہدایت ص ۲۹۴) اس طرح ایک غیر نبی کو نبی قرار دے کر قادیانی گروپ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور تمہارا لاہوری گروپ کہتا ہے کہ اس حدیث کا مصداق تو مرزا ہے مگر چونکہ نازل ہونے والا عیسیٰ نبی نہیں اس لئے مرزا نبی نہیں (اختلاف سلسلہ احمدیہ ص ۶۶) اس طرح تمہارا لاہوری گروپ ایک سچے نبی عیسیٰ بن مریم کی نبوت کا بھی منکر ہو کر کافر ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ قادیانی مرزائی ایک جھوٹے کو نبی کہتے ہیں تو لاہوری مرزائی ایک سچے نبی کی نبوت کے انکاری ہیں۔ اور حقیقت میں دونوں ہی مرزے کو عیسیٰ علیہ السلام کہہ کر جھوٹے کو نبی مانے ہوئے ہیں۔

## ﴿وحی الٰہی کی ضرورت کو سمجھانے کیلئے حضرت نانوتویؒ کا منفرد انداز﴾

خداوند عالم کو حاکم محبوب اور مطاع منوا کر حضرت نانوتویؒ وحی الٰہی کی ضرورت یوں سمجھاتے ہیں کہ:

خداوند عالم جب حاکم اور مطاع ومحبوب ٹھہرا تو اس کی رضا جوئی ہمارے ذمہ فرض ہوئی اور اس کی رضا کے موافق کام کرنا ہمارے ذمے لازم ہوا مگر یہ بات بے اطلاع رضا وغیر رضا متصور نہیں مگر رضا کی اطلاع کا یہ حال کہ ہماری تمہاری رضا غیر رضا بھی بدوں ہمارے بتلائے کسی کو معلوم نہیں ہوسکتی خداوند عالم کی رضا غیر رضا بے اس کے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہوسکے؟ اس لئے اس کے انتظار کا ارشاد ہے [اقول: اس میں کتابت کی غلطی سے تقدیم تاخیر معلوم ہوتی ہے شاید عبارت یوں ہو: اس کے ارشاد کا انتظار ہے۔ راقم] مگر اس کی شان عالی کو دیکھئے تو یہ بات کب ہوسکتی ہے کہ خداوند عالم ہر کس وناکس کو اپنی رضا غیر رضا کی خبر دے اور ہر کسی کو منہ لگائے بادشاہان دنیا اس تھوڑی سی نخوت پر اپنے ہی بنی نوع سے نہیں کہتے، دکان دکان اور مکان مکان پر کہتے نہیں پھرتے۔ مقربان بارگاہی سے کہہ دیتے ہیں وہ اوروں کو سنا دیتے ہیں اور بذریعہ اشتہارات ومنادی اعلان کرا دیتے ہیں خداوند عالم کو ایسا کیا کم سمجھ لیا ہے کہ وہ ہر کسی سے کہتا پھرے وہاں بھی یہی ہوگا کہ اپنے مقربوں اور اپنے خواصوں سے فرمائے اور وہ اوروں کو پہنچائیں ایسے لوگوں کو اہل اسلام انبیاء اور پیغمبر اور رسول کہتے ہیں (حجۃ الاسلام طبع دیوبند ص ۳۱، ۳۲، مزید دیکھئے میلہ خدا شناسی ص ۲۲ تا ۲۴، مباحثہ شاہجہانپور ص ۲۶ تا ۲۸)

☆ محمد علی لاہوری مرزائی اپنی تفسیر ج ۱ ص ۳۳، ۳۴، ح ۵۹ میں لکھتا ہے:

اصل غرض تو انسان کو اس کے کمال کی راہ بتانا تھا مگر جب وہ بتادی تو جو لوگ ان کے مقابل پر ہیں ان کا بھی ذکر کر دیا کہ وہ جب الٰہی پیغام آتا ہے تو نہ صرف اس کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو جھوٹا بھی کہتے ہیں ایسے لوگ اپنے اقوال وافعال میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں...... ان کا تعلق نار کے ساتھ ہو جاتا ہے گویا ایک جلن اور قلق اور اضطراب ان کے اندر رہتا ہے یہ تو اس دنیا کی حالت ہے اور آخرت میں وہی جنت ونار ایک ظاہری صورت اختیار کر لیں گے۔ (باقی آگے)

کچھ وقت دنیا میں رہو گے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ معارف القرآن ج۱ ص۱۵۳ میں فرماتے ہیں:

زمین میں اتارنے سے مقصد ہی یہ ہے کہ امر و نہی کے ذریعہ سے تمہارا امتحان کریں پس اے اولادِ آدم خوب سمجھ لو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو لوگ میری ہدایت کی اتباع کریں گے ان پر نہ آئندہ کا کوئی ڈر ہوگا کہ مثلاً یہاں سے نکالے جائیں اور نہ گزشتہ پر وہ مغموم و محزون ہوں گے مثلاً یہ حسرت کہ ہم سے فلاں راحت اور لذت فوت ہوگئی وہاں پہنچ کر ایسی لذتیں مسرتیں ہیں کہ دنیا کی ساری لذتین اور مسرتیں ان کے سامنے ہیچ ہو جائیں گی۔

☆ <u>اوصاف نبوت اور حضرت نانوتویؒ کی تحقیق:</u>

حضرت نانوتویؒ کے زمانے میں ایک طرف عیسائی پادری سر عام اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے لگے دوسری طرف ہندو پنڈت سر عام اسلام پر اعتراض کرنے لگے اس زمانے میں اور علماء نے بھی اسلام کی ترجمانی کیلئے جو کوششیں کیں ان کا انکار نہیں مگر حضرت نانوتویؒ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ایسے عقلی دلائل سے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول** [۱] مرزا غلام احمد قادیانی سے زیادہ آیات قرآنیہ کا مکذب کون ہوگا؟ اس کی صحبت کا یہ اثر یعنی قلق و اضطراب محمد علی لاہوری، مرزا محمود اور مرزا بشیر احمد پر بھی ہے۔ ان کے قلق و اضطراب کی حالت یہ ہے کہ محمد علی لاہوری کہتا ہے کہ مرزا قادیانی نے دعوائے نبوت نہیں کیا، مرزا قادیانی نبی نہ تھا، مرزا محمود، اور مرزا بشیر احمد کہتے ہین کہ مرزا قادیانی نے دعوائے نبوت کیا، مرزا قادیانی نبی تھا۔ اتنے بڑے اختلاف کے باوجود دونوں گروپ ایک دوسرے کو احمدی کہہ کر مرزائی بھی مانتے ہیں ☆ ان کے مرشد قادیانی کے اضطراب کی داستان تو بہت لمبی ہے حتی کہ مرتے وقت بھی شک کے ساتھ دنیا سے گیا۔ مرزے نے غالباً وفات سے دو دن پہلے بطور نصیحت جو باتیں کہیں ان میں ایک بات یہ ہے: جماعت احمدیہ کیلئے بہت فکر کا مقام ہے کیونکہ ایک طرف تو لاکھوں آدمی انہیں کافر کافر کہتے ہیں دوسری طرف اگر یہ بھی خدا کی نظر میں مومن نہ بنے تو ان کے لئے دوہرا گھاٹا ہے۔ اس کو سننے والا ڈاکٹر حشمت اللہ مرزائی کہتا ہے: جہاں تک مجھے یاد ہے یہ مرزا صاحب کی ''آخری نصیحت یا وصیت'' تھی (از حیات طیبہ ص ۳۵۲)

اس سے پتہ چلا کہ مرزا کو اپنے دعوؤں کی صداقت کا یقین نہ تھا اگر وہ اپنے آپ کو سچا سمجھتا تو اپنے مریدوں سے کہتا تم بڑے خوش نصیب ہو ساری دنیا تمہیں کافر کہہ رہی ہے جبکہ تم خدا کے ہاں پکے مومن ہو۔

☆ آیت ۳۸ کے تحت مفتی احمد یار خان کہتے ہیں:

ہدایت رب کی طرف سے ہی آتی ہے خواہ کسی ذریعہ سے ملے فرشتے بلا واسطہ پاتے ہیں انبیاء کرام کبھی فرشتوں کے ذریعہ سے کبھی بلا واسطہ، صحابہ کرام انبیاء کے ذریعے سے، ان کے بعد کے لوگ علماء و مشائخ کے واسطہ سے (تفسیر نعیمی ج۱ ص۳۰۱)

**اقول** مگر دوسری جگہ تو نے فرشتوں کیلئے بھی انبیاء علیہم السلام کو واسطہ قرار دیا ہے۔ آیت ۳۳ کے تحت تیرے الفاظ یوں ہیں:

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ذریعے انبیاء کو علم ملتا ہے کیونکہ وحی اور کتاب فرشتے ہی لاتے ہیں مگر حقیقت میں نبی کے ذریعے فرشتوں کو علم ملا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا۔ اب نبی کے پاس جو وحی آئے گی وہ ان کے علم میں پہلے سے ہوگی (نعیمی ج۱ ص۲۶۹ سطر ۱ تا ۳) بیشک چیزوں کے نام آدم علیہ السلام نے ان کو بتائے مگر اس سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے جو وحی لے کر آتے ہیں سب انبیاء کو پہلے سے اس کا علم ہوتا ہے نیز اس طرح تیری صفحہ ۳۰۱ والی عبارت غلط ہو جاتی ہے کہ انبیاء کو کبھی فرشتوں کے ذریعے سے ہدایت آتی ہے۔ ☆ پھر تیری یہ بات واقعات کے خلاف ہے۔ عقل سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ اگر پہلے سے علم ہو تو اللہ کا فرشتوں کو بھیجنا بالکل لغو ہو جاتا ہے کیونکہ فرشتے امتیوں کو تو نظر نہیں آتے اور انبیاء کو پہلے سے معلوم ہے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ لغو باتوں سے پاک ہے۔

☆ نام نہاد جماعت المسلمین کا امیر مسعود احمد اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

**اما یأتینکم رسل منکم** ...... آیت بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت آئے گی وہ ہم تک اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ذریعہ پہنچے گی اس کے علاوہ ہدایت پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہ ہوگا۔ (تفسیر قرآن عزیز از مسعود احمد ج۱ ص۲۱۶)

 یہ تو درست ہے کہ اللہ کی طرف سے وحی ہر بندے پر نہیں اترتی اللہ نے اس کے لئے انبیاء علیہم السلام کو چنا، آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں لیکن (باقی آگے)

اسلامی عقائد کو ثابت کیا جس سے تمام دیگر مذاہب کے سامنے اسلام کی فوقیت بھی ثابت ہوئی آپ نے نبوت کی ضرورت کو بیان کرنے کے بعد اوصاف نبوت کی تعیین کی پھر ان سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو ثابت کیا، اور یہ بھی ثابت کیا کہ اب کامیابی صرف اور صرف آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی اتباع میں ہے۔ اور انداز ایسا مدلل اور مضبوط تھا کہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے نامی گرامی مناظرین کو بھی تسلیم کرنا پڑا (۱) اس لئے گذشتہ صدی کے مجدد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہی بنتے ہیں۔ علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ نے ان کے بارے میں فرمایا: **مجدد هذه الاعصار حقا** (التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ص ۲۶)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ کہنا درست نہیں کہ اس زمانے میں ہدایت انبیاء ہی سے ملے گی کیونکہ آنحضرت ﷺ کی امت میں ایک بڑی جماعت ہر زمانے میں ہدایت پر موجود رہی اور اس زمانے میں بھی ہے۔ ہمارے لئے صراط مستقیم یہی ہے کہ اپنے سے لے کر آنحضرت ﷺ تک اکابر کی جماعت پر اعتماد کیا جائے۔ جو اس بڑی جماعت پر اعتماد نہیں کرتا وہ کبھی صراط مستقیم پر نہیں ہوسکتا۔

۱) شاہجہانپور کے پہلے مباحثے میں آپؒ نے یہ ثابت کیا کہ نبوت کا مدار عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہیں [یعنی اللہ نبی اُس کو بناتے ہیں جو منصب نبوت ملنے سے پہلے ہی اپنی ساری قوم میں عقل و اخلاق میں نہایت ممتاز ہوتے ہیں] رہے معجزات تو وہ عطاء نبوت کے بعد عنایت ہوتے ہیں۔ (میلہ خداشناسی ص ۳۶ تا ۳۸)

<u>حضرتؒ کی تحقیق پر سب مذاہب کا اتفاق:</u>

ہندو اور عیسائیوں کے مناظرین بھی اس پر اعتراض نہ کرسکے بلکہ اس کو تسلیم کرگئے کہ نبوت کا مدار عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہیں چنانچہ اس میلہ میں ایک ہندو پنڈت نے تقریر کے دوران یہ بھی کہا تھا کہ میں اِس سے پوچھتا ہوں اور مولوی محمد قاسمؒ کی طرف اشارہ کرکے کہا خاص ان مولوی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ نبوۃ کیلئے کس چیز کی ضرورت ہے؟ اس پر مولوی محمد قاسم صاحبؒ سے پہلے پادری نولس صاحب نے فرمایا کہ تو دیا اخلاق چاہئیں یعنی مولوی محمد قاسم صاحبؒ کی تقریر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ انہوں نے بیان تو کردیا ہے کہ نبوۃ کیلئے اخلاق کی ضرورت ہے (میلہ خداشناسی ص ۵۳ طبع کراچی) اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کی اس بات کو عیسائی پادری بھی مان گئے اور ہندو پنڈت بھی۔ گویا اس تحقیق پر سب مذاہب کا اتفاق ہو چکا ہے۔ پھر حضرت نانوتویؒ نے جن دلائل سے نبی ﷺ کی نبوت کو ثابت کیا انہیں دلائل سے آپ ﷺ کی خاتمیت کو ثابت کردیا۔ تفصیل کیلئے مباحثوں کی روئیداد پڑھیں اور یہ مباحثے تحذیر الناس کے چھپنے کے کئی سال بعد ہوئے۔ واقعی آپ عقیدۂ ختم نبوت میں امیر المومنین ہیں۔

<u>اوصاف نبوت کی مزید بحث:</u>

یاد رہے کہ یہ پہلے مباحثہ کی بات ہے اس میں حضرتؒ کو اسلام کی حقانیت پر وعظ کرنے کیلئے بہت تھوڑا وقت دیا گیا تھا، قلت وقت کے پیش نظر حضرت نے صرف اخلاق عالیہ کے ذریعے آنحضرت ﷺ کیلئے نبوت پھر ختم نبوت کا اثبات کیا، اگلے سال کے مباحثہ میں بیان کیلئے کچھ زیادہ وقت ملا اس میں آپ نے قدرے تفصیل سے اس موضوع کو بیان کیا، اور فرمایا کہ نبوت کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں عقل وفہم میں ممتاز ہونا نیز اخلاق میں برتر ہونا۔ پھر عقل وفہم اخلاق اور معجزات میں آنحضرت ﷺ کی فوقیت کو ثابت کرکے آپ کا نبی ہونا پھر خاتم النبیین ہونا ثابت کیا اور یہ کہ اب نجات صرف آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی اتباع میں ہے۔

کتاب ''حجۃ الاسلام'' میں آپ نے زیادہ تفصیل سے کلام کیا اور ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نبوت عطا کرتا ہے جو انسانوں میں عقل وفہم میں ممتاز اور اخلاق میں عالیشان ہوتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان میں اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت ہوتی ہے کہ اس کی نافرمانی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

<u>حضرت نانوتویؒ کے قلم سے عقیدۂ ختم نبوت کے منکرین پر فتوائے کفر:</u>

یہ بھی یاد رہے کہ حضرت کی یہ گفتگو عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ تھی عیسائیت اور ہندومت، اسلام سے قدیم ہیں ان دونوں مذاہب کا بطلان ثابت کرنے کیلئے آپ نے یہ طریق اپنایا۔ آپ کی گفتگو کسی ایسے شخص کے ساتھ نہ تھی جو آنحضرت ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کو نبی مانتا ہے۔ بعد کے مدعیان نبوت کے حالات کی تحقیق ضرورت نہیں اُن کا دعویٔ نبوت ہی ان کے اور ان کے پیروکاروں کے کافر ہونے کیلئے کافی ہے۔ خواہ وہ لوگ بظاہر بڑے دیندار ہی ہوں کیونکہ آپ ﷺ کے بعد جس طرح نبوت کا مدعی کافر ہے اسی طرح عقیدۂ ختم نبوت میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت کا اظہار تو حضرت نانوتویؒ کی بہت سی تصانیف میں ہے مثلاً حجۃ الاسلام، میلہ خداشناسی، حجۃ الاسلام انتصار الاسلام، قبلہ نما، تحذیر الناس، مناظرہ عجیبہ۔ مگر تحذیر الناس طبع گوجرانوالہ ص ۵۶ میں تو حضرت نانوتویؒ نے ختم نبوت زمانی کے منکر کو برملا کافر بھی کہا ہے۔

۱۱) اہل ایمان کے اچھا انجام بتانے کے بعد کفار کا برا انجام ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ☆ کفار کو صراحت سے **اَصْحٰبُ النَّارِ** یعنی جہنمی کہا جبکہ ایمان والوں کیلئے اہل جنت کی صفات کو بیان کر کے ان کو جنتی کہا، ان کے بارے میں فرمایا: **فَلَا خَوْفٌ** (۱) **عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ۔اصحاب النار کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ان کو دوزخ سے نکلنا نہ ہوگا (۲) اس کی ایک دلیل یہ

---

۱) **فَلَا خَوْفٌ** کے ساتھ فا اس لئے لایا گیا کہ جب مبتدا میں شرط کے معنی پائے جائیں تو اس کی خبر میں فا کا داخل ہونا جائز ہوتا ہے [کافیہ بحث مبتدا و خبر] **فَمَنْ تَبِعَ** میں **مَنْ** اسم شرط ہو تب تو شرط کے معنی کا پایا جانا واضح ہے اور اگر **مَنْ** اسم موصول ہو تو اس کے بعد جملہ خبریہ ہونے کی وجہ سے اس میں بھی شرط کے معنی پائے جاتے ہیں اس لئے فا کا داخل ہونا درست ہے دوسرا جملہ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ** میں بھی شرط کے معنی ہیں مگر اس کے بعد فا نہیں فرمایا: **اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ** کیونکہ اس کے بعد جس طرح فا کا داخل ہونا جائز ہے ایسے ہی فا کے بغیر رکھنا بھی جائز ہے۔

۲) اس آیت کے تحت مرزا محمود قادیانی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۴۸ میں لکھتا ہے:

اسلام دائمی عذاب کا قائل نہیں بلکہ دوزخ کو ایک شفاخانہ کی طرح قرار دیتا ہے جس میں لوگ صرف اصلاح کیلئے داخل کئے جائیں گے اسلام کا خدا غیظ و کینہ کے طور پر انتقام نہیں لیتا بلکہ وہ سزا کی یہ وجہ بیان فرماتا ہے کہ انسان کی اصلاح ہو جائے جب یہ بات حاصل ہو جاتی ہے تو عذاب ٹل جاتا ہے اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اس میں کوئی بھی دوزخی نہ ہوگا، <u>اور نسیم اس کے دروازے ہلائے گی</u>۔<u>تفسیر معالم التنزیل سورۃ ہود زیر آیت</u> **و اما الذين شقوا**۔

**اقول** [۱] خط کشیدہ الفاظ تفسیر معالم التنزیل کی کسی عبارت کا ترجمہ نہیں علاوہ ازیں خط کشیدہ الفاظ اس کے موافق بھی نہیں کیونکہ اگر جہنم کے دروازوں پر نسیم چلے گی تو مجرموں کو اس سے نکالنے کا کیا فائدہ؟ پھر تو جہنم ہی ان کیلئے جنت بن جائے؟ [۲] امام بغویؒ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بغیر سند کے نقل کرتے ہیں: **ليأتين على جهنم زمان ليس فيها أحد وذلك بعد ما يلبثون فيها أحقابا** دیکھئے اس میں کشیدہ عبارت کا مفہوم نہیں پھر امام بغویؒ اول تو اس کو ثابت نہیں مانتے دوسرے اس کے ظاہری مفہوم کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس میں تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **ومعناه عند أهل السنة إنْ ثبت أن لا يبقى فيها أحد من اهل الايمان واما مواضع الكفار فممتلئة أبدا** (معالم التنزیل مع تفسیر الخازن ج ۳ ص ۲۵۵) "اگر یہ ثابت ہو جائے [مطلب یہ کہ یہ قول ان حضرات سے ثابت نہیں اور اگر ثابت ہو تو۔ راقم] تو اہل سنت کے ہاں اس کا معنی یہ ہے جہنم پر ایسا وقت ضرور آئے گا جب اس میں اہل ایمان میں سے کوئی نہ رہے گا مگر کفار کی جگہیں وہ ہمیشہ بھری رہیں گی [۳] آیت نمبر ۲۴ کے تحت گزر چکا ہے کہ قرآن کریم کی محکم آیات بتاتی ہیں کہ کفار دوزخ سے نہ نکلیں گے بخاری شریف ج ۲ ص ۹۶۱ میں ہے کہ موت کو ذبح کر کے اہل جنت سے کہا جائے گا **خلود فلا موت** اہل جہنم سے کہا جائے گا **خلود فلا موت** اور دوزخ یا جنت کے فانی ہونے پر تیرے پاس کوئی نص قطعی نہیں اگر ہوتی تو اس کو پیش کرتا اور یوں کہہ کر مغالطہ نہ دیتا کہ حدیث میں آیا ہے بلکہ باحوالہ حدیث پیش کرتا۔ الخ [۴] بہرحال جنت و دوزخ کا دائمی ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ ویسے بھی سوچنے کی بات ہے کہ جو شخص اس لئے کفر شرک سے بچتا ہے کہ کفر شرک کی سزا دائمی دوزخ ہے تو اگر بالفرض دوزخ دائمی نہ ہو تو بھی اس کا کچھ نقصان نہیں کیونکہ وہ کبھی نہ کبھی جنت میں چلا ہی جائے گا، اور اگر کوئی اس وجہ سے کفر کرتا ہے کہ دوزخ دائمی نہیں جیسے یہودی کہتے تھے کہ ہم صرف چند دن دوزخ میں رہیں گے [دیکھئے سورۃ البقرۃ: ۸۰] تو اگر دوزخ دائمی ہوئی۔ اور دوزخ کفار کیلئے یقیناً دائمی ہے۔ تو اس کو دوزخ سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا، اگر چہ وہ فرشتوں سے چلا چلا کر کہتے رہیں کہ ہم تو دوزخ کی سزا دائمی نہیں مانتے تھے۔

☆ مرزا محمود قادیانی اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

وہی لوگ تمدنی ترقی کا موجب ہوتے ہیں جو آسمانی آواز پر لبیک کہتے ہیں <u>اس زمانہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہنے والے ایک جدید اور مفید تمدن کی بنیاد رکھیں گے</u> چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت کے مطابق اس جدید روحانی سلسلہ کے تبع ایک جدید اور عظیم الشان تمدن کے بانی ہوئے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۴۹)

**اقول** خط کشیدہ عبارت کا قرآن و حدیث میں تو کہیں ذکر نہیں اور ہو بھی کیسے اور ہو بھی کیسے نبی ﷺ کی آواز پر لبیک کہنے والوں کیلئے اسلامی تمدن ہی کافی ہے ان کو کسی نئے تمدن سے کیا غرض؟ رہا مرزا قادیانی تو وہ ایک نئے تمدن کا نہیں بلکہ ایک نئے دین کا بانی ہے جس میں اصل الاصول حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کی شدید توہین ہے۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے: (باقی آگے)

بھی ہے کہ دوسری جگہ فرمایا: لَا یَسۡتَوِیۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ھُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ (الحشر:۲۰) اگر دوزخ والے بھی بالآخر جنت میں جائیں تو اَصۡحٰبُ النَّارِ اور اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃ تو پھر برابر ہو جائیں گے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جب ظاہری مخالفت ناکام رہتی ہے تو الٰہی سلسلوں کے دشمن ان میں شامل ہو کر ان کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ آدم کے وقت میں شیطان نے کیا اور ایسا ہی معاملہ اسلام سے وہ کریں گے اور کر رہے ہیں لیکن جس طرح آدم کا شیطان ناکام رہا اور حقیقی نقصان آدم علیہ السلام کو نہ پہنچا سکا یہ منافق بھی اسلام کو کوئی حقیقی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۳۴۹)

اقول: "منافق" سے مرزا محمود کی مراد "لاہوری مرزائی" ہیں۔ اور "اسلام" سے اس کی مراد "مرزائیت" یا یوں کہو کہ "مرزا کو مسیح ماننے والوں کی مسیحیت" ہے کیونکہ لاہوری مرزائی اس کی نظر میں منافق ہیں اور ہم مسلمان اس کی نظر میں کافر ہیں جبکہ حقیقت میں لاہوری مرزائی اور قادیانی مرزائی دونوں مرتد ہیں۔ مرزائیوں کو چاہئے کہ دوسروں کو کفر ونفاق کا طعنہ دینے کے بجائے اپنے ایمان کی فکر کریں۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

الٰہی ہدایت کا سلسلہ محدود نہیں ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ ہدایت بھجواتا رہے گا اگر ہدایت کا سلسلہ محدود ہوتا تو پھر اسے پہلے نبی کے ساتھ ہی بند ہو جانا چاہئے تھا جیسا کہ بعض ہندوؤں کا خیال ہے لیکن وہ آدم اول کے ساتھ ختم نہیں ہوا بلکہ آدم اول کے منہ سے اللہ تعالیٰ نے آئندہ ہدایتوں کے آنے کی خبر دی پس آئندہ کسی وقت میں اس کا بند ہونا خلاف عقل وخلاف وحی الٰہی ہے۔ (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۳۴۹، ۳۵۰)

اقول: [۱] یہ اجراء نبوت پر ایک شیطانی استدلال ہے۔ آپ ﷺ پر نبوت کا بند ہونا خلاف وحی الٰہی بھی نہیں خلاف عقل بھی نہیں یقین نہ ہو تو حضرت نانوتویؒ نے مباحثوں میں جو دلائل دیئے ان کا جواب دے دو، تم کیا جواب دو گے ہندو اور عیسائی مناظر اُن کا جواب نہ دے سکے [۲] یہ بتاؤ کہ مرزے کے بعد تم کسی کو نبی کیوں نہیں مانتے؟ بلکہ تم تو مرزے کے علاوہ کسی کو نبی مانتے ہی نہیں آدم، نوح، ابراہیم علیہم السلام بھی تم مرزے ہی کو مانتے ہو (دیکھئے روحانی خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۲) ☆ پہلے کسی نبی نے ختم نبوت کا اعلان نہ کیا اس لئے آنحضرت ﷺ تک نبوت کا سلسلہ جاری رہا، آپ کی تشریف آوری سے قبل آخری نبی کا انتظار ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ نے آکر دعائے نبوت کے ساتھ آخری نبی ہونے کا دعویٰ کیا، ختم نبوت کا اعلان کیا۔ اس لئے آپ کے بعد کسی کو منصب نبوت نہیں مل سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اس کے منافی نہیں وہ انبیاءِ سابقین سے ہیں۔

☆ اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

منافقین جو دِل سے کافر اور زبان سے مصدق تھے وہ جہنمی اور مشرکین وکفار جو دِل سے حق جانیں مگر زبان سے تکذیب وہ بھی جہنمی جیسے ابوجہل وغیرہ لہٰذا نعت گو ہندو سب اس میں داخل ہیں (تفسیر نعیمی ج ا ص ۳۰۴)

اقول: مفتی احمد یار خان صاحب نے یہ نہ بتایا کہ اگر کوئی نعت گو قرآن وحدیث کی صریح نصوص کو رد کرتے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کیلئے علم غیب مانے تو وہ جہنمی ہوگا یا نہیں اور کیوں؟

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

آدم علیہ السلام نے تمام روحوں کو سیاہ وسفید رنگ میں ملاحظہ فرمایا سیاہ کفار کی روحیں تھیں سفید مومنوں کی ہمارے حضور ﷺ نے دو کتابیں صحابہؓ کو دکھائیں ایک مومنوں کی دوسری کافروں کی فہرست تھی (تفسیر نعیمی ج ا ص ۳۰۴)

اقول: مگر اس میں آپ ﷺ کیلئے "علم" اور "غیب" دو لفظوں کے ساتھ "علم غیب" کا تو ذکر نہیں اور نہ اس میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان کتابوں میں مذکور سب ناموں کی خبر دی اور نہ یہ کہ نبی ﷺ کو ان کا پورا پورا علم تھا، اور نہ کہ آپ نے وہ کتابیں صحابہ کرام کو دیں اور صحابہ کرام نے ان کو پڑھا، بلکہ اس میں یہ ہے: **ثم قال رسول اللہ ﷺ بیدیہ فنبذھما ثم قال فرغ ربکم من العباد فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر** (مشکوۃ ص ۲۱) یعنی آپ نے اپنے ہاتوں سے اشارہ کر کے ان کو پھینک دیا [مگر بے ادبی سے نہیں بلکہ عالم غیب کی طرف پھینک کر ان کی نظروں سے غائب کر دیا۔] پھر فرمایا تمہارا پروردگار بندوں سے فارغ ہو چکا ایک گروہ جنت میں جانے والا ہے اور (باقی آگے)

حضرت مفتی اعظم فرماتے ہیں:

کفر کا لفظی معنی چھپانے کے ہیں ناشکری کو بھی کفر اس لئے کہتے ہیں کہ محسن کے احسان کو چھپاتا ہے اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے(۲) مثلاً ایمان کا خلاصہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت قطعی ویقینی ہے اُن

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک گروہ دوزخ میں جانے والا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے سب کی تقدیر لکھی ہوئی ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ ﷺ کو سب کا علم ہوتا تو آپ اس کی تصریح کرتے کہ مجھے ان سب کا علم ہے مگر آپ نے یہ نہ کہا بلکہ اس کو اللہ کے حوالے کیا۔ علاوہ ازیں جب نصوص قطعیہ سے یہ فیصلہ ہو چکا کہ علم غیب اللہ ہی کی شان ہے تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ایسا معنی لیا جائے جو ان نصوص کے خلاف نہ ہو نہ یہ کہ اس روایت کی وجہ سے سب نصوصِ قطعیہ کو رد کر دیا جائے۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضورؐ کے نسب میں کوئی کافر نہیں گزرا (تفسیر نعیمی ج ۱ص ۳۰۵) ابوطالب...... کا ایمان شرعاً ثابت نہیں صرف نعت گوئی یا حضور ﷺ کی اس لئے خدمت کرنا کہ وہ میرے بھائی کے فرزند ہیں اس سے شرعاً ایمان ثابت نہیں ہوتا ایمان نام تصدیق کا ہے یعنی سچا ماننا نہ کہ سچا جاننا ہاں بہت ممکن ہے کہ یہ اللہ کے نزدیک مومن ہوں (تفسیر نعیمی ج ۱ص ۳۰۶)

**اقول** [۲] ابوطالب کا ایمان شرعاً ثابت نہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا ایمان کیونکر مان لیا جائے جن کے بت پرست ہونے اور کفر کی موت مرنے کا قرآن میں ذکر ہے [دیکھئے سورۃ الانعام: ۷۴، سورۃ التوبۃ: ۱۱۴] جب ان کا ایمان نہیں بلکہ کفر ثابت ہے تو تیرا یہ کہنا کیونکر درست ہے: حق تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضورؐ کے نسب میں کوئی کافر نہیں گزرا [۲] یہ بھی غلط ہے کہ بہت ممکن ہے کہ ابوطالب اللہ کے نزدیک مومن ہوں کیونکہ نبی ﷺ نے کفار کے ساتھ ان کے حشر کی خبر دی ہے (بخاری ج ۱ ص ۵۴۸، مسلم بتحقیق محمد فؤاد عبدالباقی ج ۱ص ۱۹۴، ۱۹۵) اور تو پہلے بھی ابوطالب کو کافر مان چکا ہے تو نے لکھا ہے: کفر چار طرح کا ہے کفر انکار وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو جانے ہی نہیں جیسے کہ رب سے بے خبر کفار، دوسرے کفر جحود وہ یہ کہ رب کو دل سے جانے مگر زبان سے اقرار واعتراف نہ کرے جیسے کہ ابلیس اور ضدی کافروں کا کفر تیسرے کفر عناد وہ یہ کہ دِل سے جانے بھی زبان سے بول دے لیکن کسی وجہ سے اس کی اطاعت نہ کرے جیسے ابوطالب کا کفر...... اور جیسے آج کل کے وہ ہندو وغیرہ جو کہ حضور ﷺ کی نعتیں لکھتے ہیں ان میں حضور ﷺ کی حقانیت کا اقرار کر جاتے ہیں لیکن مسلمان نہیں ہوتے چوتھے کفر نفاق وہ یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرے اور دِل میں اعتقاد نہ ہو (نعیمی ج ۱ص ۱۳۸، ۱۳۹)

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

نبوت اعمال سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ محض رب کے فضل سے ورنہ شیطان یا کسی فرشتے کو ملنی چاہئے تھی (تفسیر نعیمی ج ۱ص ۳۰۶)

**اقول** لگتا ہے کہ اس مفتی کو شیطان سے خاص تعلق ہے پہلے شیطان کے علم سے متاثر تھا کہتا ہے ''دیوبندی مولوی شیطان سے بڑھ کر عالم و عابد نہیں'' (نعیمی ج ۱ص ۲۷۸ سطر ۲۰) اور یہاں شیطان کے عمل سے۔ شیطان کے عمل سے تو اتنا متاثر ہوا کہ اس کو منصب نبوت کا اہل سمجھ بیٹھا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

☆ مفتی احمد یار خان ''اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ'' کے تحت لکھتے ہیں:

اُولٰٓئِکَ اگرچہ یہ کفار سننے والے کی نگاہ سے غائب تھے مگر چونکہ ان کے ایسے اوصاف بتا دیئے گئے جن سے وہ مثل محسوس کے ہوگئے لہٰذا ان کی طرف اُولٰٓئِکَ سے اشارہ فرمادیا گیا (نعیمی ج ۱ص ۳۰۴)

**اقول** جن احادیث میں ہے کہ قبر میں آنحضرت ﷺ کی بابت یوں پوچھا جاتا ہے مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ وہاں بھی یہ توجیہ کرلے کہ آپ ﷺ اپنے اوصاف کی بنا پر وہاں مثل محسوس کے ہوتے ہیں اس لئے آپ کی طرف ھٰذا سے اشارہ کر دیا جاتا ہے نہ کہ آپ ﷺ ہر قبر میں خود حاضر ہوتے ہیں۔

☆ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

بِاٰیٰتِنَا آیات سے اللہ کی یقینی نشانیاں مراد ہیں جو بھی اللہ کی نشانیوں کو جھٹلا دے یعنی یا تو آسمانی کتاب کا انکار کرے یا کسی پیغمبر کا یا قیامت، دوزخ جنت کا یا کسی بھی اسلامی حکم قطعی کا، وہ سب جہنمی ہیں نیز اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کم از کم تین آیتوں کا انکار کرے وہ دوزخی ہو اگر ایک آیت کا انکار کر دیا جہنمی ہو گیا کیونکہ (باقی آگے)

سب چیزوں کی دِل سے تصدیق کرنا اور حق سمجھنا، اس لئے جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اُن تعلیمات میں سے جن کا ثبوت یقینی اور قطعی ہے کسی ایک کو بھی حق نہ سمجھے اور اس کی تصدیق نہ کرے وہ کافر کہلائے گا (معارف القرآن ج ا ص ۱۱۷)

اشکال: قیامت کے دِن کوئی بھی خوف سے خالی نہ ہوگا تو **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ** کیوں فرمایا؟ (جواب) خوف دو طرح کا ہوتا ہے کبھی تو خوف کا باعث اور مرجع خائف (یعنی ڈرنے والے) میں پایا جاتا ہے جیسے مجرم بادشاہی جو بادشاہ سے ڈرتا ہے تو موجب خوف جرم ہے جو مجرم کی طرف رجوع ہوتا ہے اور کبھی مرجع خوف مخوف منہ یعنی جس سے ڈرتے ہیں اس میں کوئی امر ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی بادشاہ صاحب جاہ وجلال کے روبرو یا شیر کے روبرو ہو تو اس کے خائف ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ اس نے بادشاہ یا شیر کا جرم کیا ہے بلکہ قہر وجلال سلطانی اور خود شیر ہے آیت سے پہلی قسم کی نفی ہوئی نہ دوسری قسم کی۔ شبہ تو جب ہوسکتا تھا کہ **لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ** کی جگہ **لَا خَوْفَ فِيهِمْ** یا **لَا يَخَافُوْنَ** فرماتے۔ (عثمانی ص ۹ ح ۴)

## ﴿بائبل میں مذکور حضرت آدم علیہ السلام کے واقعات کا جائزہ﴾

مولانا عبدالحق حقانی ان آیات کے تحت لکھتے ہیں:

توراۃ کتاب پیدائش کے دوم اور سوم اور چہارم باب میں کسی یہودی نے سن سنا کر یوں لکھ رکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آدمؑ کو باغ عدن میں رکھا کہ اس کی باغبانی اور نگہبانی کرے اور خدا نے اس باغ کے بیچوں بیچ دو درخت لگائے تھے ایک حیات کا درخت (کہ جس کے کھانے سے ہمیشہ زندہ رہے جیسا کہ شیطان نے کہا یا تھا) دوسرا نیک وبد کی پہچان کا درخت۔ خدا نے آدمؑ سے کہا کہ اس باغ میں اس درخت کو نہ کھانا ورنہ تو مرجائے گا اور خدا نے زمین کے ہر ایک جانور اور آسمان کے ہر ایک پرندے کو آدمؑ کے پاس بھیجا تا کہ دیکھے کہ وہ ان کے کیا نام رکھے سو جو آدمؑ نے ہر جانور کو کہا وہی اس کا نام ٹھیرا (**وعلم آدم الاسماء كلها ثم عرضهم** الخ کے قصہ کو صحیح صحیح یاد رکھ کر اس میں الٹ پلٹ کر کے بیان کیا ہے) اور خدا نے آدمؑ کی دل بستگی کیلئے آدمؑ کو سوتا ہوا پا کر اس کی ایک پسلی کو نکال کر اس کی ایک عورت بنا کر آدمؑ کے پاس لایا۔ پس آدمؑ اور اس کی بیوی برہنہ رہتے تھے اور شرماتے نہ تھے۔

زمین کے سب جانوروں میں ہوشیار سانپ تھا اس نے آکر حواؑ سے کہا کہ سچ مچ خدا نے تم کو اس درخت کے کھانے سے منع کیا ہے اس نے کہا ہاں بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر تم کھاؤ گے تو مرجاؤ گے سانپ نے کہا تم ہرگز نہ مروگے بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم اس کو کھاؤ گے نیک وبد کی پہچان میں خدا کی مانند ہوجاؤ گے اور تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی تب حواؑ نے خوشنما اور خوش مزہ جان کر اس درخت کو کھایا اور آدمؑ کو کھلایا تب ان کی آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ ہم برہنہ ہیں پس انجیر کے پتے بدن پر چپکانے لگے۔

ٹھنڈے وقت میں جو خدا باغ میں پھرتا تھا اس کی آواز آدمؑ نے سن کر اپنے تئیں برہنگی سے شرما کر درختوں میں چھپایا تب آدمؑ نے خدا کو پکارا کہ تو کہاں ہے؟ اس نے کہا میں آپ سے شرما کر درختوں میں چھپ گیا ہوں خدا نے کہا تجھ کو کس نے بتلایا کہ تو ننگا ہے کیا تو نے اس درخت کو کھایا کہ جس سے میں نے تجھے منع کیا تھا اس نے کہا مجھ کو اس عورت نے دیا عورت نے کہا مجھ کو سانپ نے بہکایا۔ پس خدا نے سانپ سے کہا تو ملعون ہے ہمیشہ پیٹ کے بل چلے گا مٹی کھائے گا۔ اور عورت کی نسل میں اور تجھ میں عداوت ہوگی وہ تیرا سر کچلیں گے اور تو ان کی ایڑی کاٹے گا اور عورت جننے میں درد زہ کی مصیبت اٹھائے گی اور خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا وہ تجھ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک آیت کا انکار کل کا انکار ہے۔ بادشاہ کے ایک قانون کو توڑنا تمام کا توڑنا ہے۔ دیکھو جال کا ایک پھندا کھل جانے سے تمام پھندے کھل جاتے ہیں (تفسیر نعیمی ج ا ص ۳۰۴)

انول: جس طرح کسی سچے پیغمبر کا انکار کفر ہے اسی طرح کسی جھوٹے مدعی نبوت کو نبی ماننا بھی کفر ہے، پھر جس طرح اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا انکار کفر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کسی اور کیلئے علم غیب کو ماننا آیات کثیرہ کے انکار کی بنا پر کفر ہے۔

پر حکومت کرے گا۔ اور اے آدم تو زمین بڑی مشقت سے روٹی پیدا کر کے کھائے گا (۲۲) خدا کو فکر و تشویش ہوئی کہ آدمؑ نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا اب ایسا نہ ہو کہ حیات کے درخت سے بھی کھالے اور پھر ہمیشہ جیتا رہے اس لئے خدا نے آدمؑ کو باغ عدن سے باہر کر دیا **انتھی ملخصًا**

اس کے بعد مولانا عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں:

افسوس کس قدر الٹ پلٹ کر دیا اول تو خدا کو جھوٹ بولنے سے کیا کام تھا کہ تو اس درخت کو کھا کر مر جائے گا (۱) دوم اس بخل سے کیا مقصد تھا؟ کیا ان کا ننگا رہنا پسند تھا؟ سوم سانپ مسخرے کو کیونکر اس درخت کی تاثیر اور خدا کا مکر معلوم ہو گیا، آدم کو نہ معلوم ہوا؟ چہارم خدا کا باغ میں ہونا کجا پھر ٹھنڈے وقت سیر کرنا اور آواز دینا چہ معنی دارد؟ پنجم خدا کا آدمؑ کے ہمیشہ زندہ رہنے سے اندیشہ کر کے باغ سے نکالنا سمجھ نہیں آتا پس صحیح بات وہ ہے جس کو خدا نے قرآن میں واضح کیا اور علماء یہود کے محققین بھی اسی طرف مائل ہیں (تفسیر حقانی طبع دیوبند پارہ الم ص ۱۰۶)

---

۱) ہندو پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں جس طرح چودھویں باب میں قرآن پر اعتراض کئے ہیں اسی طرح تیرھویں باب میں بائبل پر اعتراض کئے ہیں اور یہ دونوں باب پہلے ایڈیشن میں نہ چھپ سکے بعد میں اس نے چھاپ دیئے (دیکھئے ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص ۳۳، طبع چہارم دیباچہ ص ۱،۲) مولانا حقانیؒ کے اس مضمون کے مناسبت سے دِل چاہا کہ بائبل کے اس مقام پر پنڈت کے اعتراضات بھی نقل کر دیئے جائیں تاکہ عیسائیوں کو پتہ چلے کہ عیسائی اگر قرآن پر گستاخانہ اعتراض کرتے ہیں تو ان کی بائبل پر بھی ایسے اعتراضات کرنے والے بھی ہیں۔ ان کو اسلام پر اعتراض کرنے کے بجائے عیسائیت پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دینا چاہئے۔ کیونکہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے جتنا بھی اختلاف ہو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا صدق دل سے ادب و احترام کرتے ہیں۔ البتہ ستیارتھ پرکاش کے جو اعتراضات انبیاء علیہم السلام پر یا اسلامی نظریات پر بنیں گے ان شاء اللہ ہم ان کو بغیر جواب کے نہ چھوڑیں گے۔

**پنڈت کا پہلا اعتراض:**

بائبل میں ہے "اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا" (پیدائش باب ۱: ۲۷) اس کے بارے میں پنڈت کہتا ہے: اگر آدم کو خدا نے اپنی صورت پر بنایا ہے تو خدا کی ذات پاک ہے علیم مطلق، راحتِ کل وغیرہ اوصاف سے موصوف ہے پھر اس کی مانند آدم کیوں نہ ہوا؟ اگر نہیں ہوا تو (ظاہر ہے کہ اس کی صورت پر نہیں بنا، اور (اگر) آدم کو (اپنی صورت ہی پر) پیدا کیا تو گویا خدا نے اپنی صورت ہی کو پیدا ہونے والی بنایا پھر خدا حادث کیوں نہ ہوا؟ (ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص ۶۴۵ سطر آخر تا ص ۶۴۶ سطر ۳)

**جواب:** [۱] اللہ تعالیٰ علیم مطلق تو ہے کہ وہ کسی چیز سے جاہل نہیں لیکن راحتِ کل کا مطلب کیا ہے؟ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کوئی زوال نہیں تو یہ مفہوم اس سے ادا نہیں ہوتا اگر یہ مطلب ہو کہ وہ سب کی ضرورتیں پوری کرنے والا ہے حاجت روا ہے مشکل کشا ہے تو راحت کل سے یہ مطلب سمجھ نہیں آتا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا تو یہ خود تمہارے نظریہ کے خلاف ہو تمہارے ہاں تو وہ گنہگار کو معاف بھی نہیں کر سکتا، نیک آدمی کو ہمیشہ کیلئے جنت نہیں دے سکتا (دیکھئے ستیارتھ پرکاش ص ۱۱۷ سطر ۸، ۹) اور اسلام یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گنہگار کی توبہ قبول کرتا ہے لیکن جو کفر کی موت مر جائے اس کے لئے اللہ کا عذاب بھی بہت سخت ہے اس کا اپنا ارشاد ہے: **نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (49) وَأَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمُ** (سورۃ الحجر: ۴۹، ۵۰)

[۲] پنڈت کی اس بات کو حدیث مشہور **خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ** [بخاری ج ۲ ص ۹۱۹] پر اعتراض سمجھا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے اسلام اس حدیث کا مفہوم ہرگز شانِ خداوندی کے خلاف نہیں مانتے علمائے اسلام کہتے ہیں کہ اس حدیث میں **صُوْرَتِهٖ** کی ضمیر کا مرجع یا آدم علیہ السلام ہیں یا اسم الجلالہ اگر ضمیر کا مرجع آدم علیہ السلام ہوں تو دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ آدم علیہ السلام جس صورت پہ جنت میں تھے اسی صورت میں دنیا میں تشریف لائے وفات تک اسی پر رہے ایسا نہیں کہ جنت میں آپ کسی اور صورت پر تھے دنیا میں آئے تو صورت وہ نہ رہی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد بتدریج اپنی صورت پر آتی ہے پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر جنین پھر ولد صغیر پھر بچپن پھر لڑکپن پھر جوانی جبکہ آدم علیہ السلام بتدریج جوانی کو نہ پہنچے بلکہ اللہ نے آپ کو جب پیدا کیا آپ جوان تھے۔

اور اگر **صُوْرَتِهٖ** کی **ھا** ضمیر کا مرجع اسم الجلالہ ہو تو پنڈت کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں علمائے اسلام شروع سے کہتے آئے ہیں کہ یہ حدیث اس صورت میں (باقی آگے)

 بائبل کے اس اقتباس سے یوں سمجھ آتا ہے کہ یہود ونصاری کے ہاں خدا تعالیٰ معاذ اللہ تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں کی طرح ایک بادشاہ ہے۔حالانکہ خدائی اور

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اپنے ظاہر پر نہ ہوگی کیونکہ قرآن کی محکم آیت ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ''اللہ جیسا کوئی نہیں''۔اس لئے اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی کچھ خاص صفات حیاۃ علم سمع بصر وغیرہ عطا فرمائیں اگر چہ فرق اپنی جگہ ہے کہ اللہ کیلئے سمع بصر ذاتی، بندے کیلئے عطائی، اللہ ہر ہر چیز کو دیکھتے سنتے ہیں بندہ اللہ کے حکم سے دیکھتا سنتا اور اسی چیز کو دیکھ یا سن سکتا ہے جسے خدا چاہے۔اگر چہ اور جانور بھی دیکھتے سنتے ہیں مگر ان کے دیکھنے سننے اور انسان کے دیکھنے سننے میں بڑا فرق ہے انسان روز بروز علم میں ترقی کرتا ہے دوسری مخلوق میں یہ بات نہیں۔ان صفات کی وجہ سے خلافت کی جو اہلیت انسان میں ہے اوروں میں نہیں ملا علی قاری مشکوۃ باب السلام کے تحت لکھتے ہیں:**باب السلام الفصل الأول ☆ عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ خلق الله ادم علی صورته أی علی صورته التی استمر عليها إلی أن أهبط وإلی أن مات دفعا لتوهم أن صورته كانت فی الجنة علی صفة أخری ، وقيل الضمير لله والمراد بالصورة الصفة من الحياة والعلم والسمع والبصر وإن كانت صفاته تعالی لا يشبهها شیء......وقال الخطابی الهاء مرجعها إلی آدم عليه السلام فالمعنی إن ذرية آدم خلقوا أطوارا فی مبدأ الخلق نطفة ثم علقة ثم مضغة ثم صاروا صورا أجنة إلی أن تتم مدة الحمل فيولدون أطفالا وينشؤون صغارا إلی أن يكبروا فيتم طول أجسادهم بقول إن آدم لم يكن خلقه علی هذه الصفة ولكنه أول ما تناولته الخلقة وجد خلقا تاما** (مرقاۃ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان ج۹۱ص۴۶)

<u>پنڈت کی طرف سے وید کی عبارات میں تاویل:</u>

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے (عقیدۂ طحاویہ ص۱۰) اور یہی بات پنڈت لکھتا ہے (ستیارتھ پرکاش ص۱۵۲ سطر۷) اور جب وید میں اعضاء والی عبارت آئی جس سے ہندوؤں کے دوسرے فرقوں نے استدلال کیا تو پنڈت نے وہاں تاویل کا دروازہ کھول دیا چنانچہ پنڈت خود کہتا ہے کہ وید میں ایک جگہ ہے: برہمن خدا کے منہ سے، کھشتری یعنی چھتری بازو سے، ویش ران سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں پھر اس کے جواب میں کہتا ہے کہ جب خدا غیر مجسم ہے تو اس کے منہ وغیرہ اعضاء نہیں ہو سکتے، پھر مذکورہ بالا عبارت میں تاویل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جو مخلوق میں منہ کی مانند سب سے افضل ہو وہ برہمن ہے، جس میں طاقت وتوانائی زیادہ وہ، کھشتری یعنی چھتری ہے جو سب اشیاء اور سب ملکوں میں رانوں کی طاقت سے جاوے آوے سفر کرے وہ ویش، اور جو پاؤں یعنی نچلے حصے کی مانند بے عقلی وغیرہ اوصاف والا ہو وہ شودر ہے (ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص۱۵۲، طبع چہارم ص۱۱۵) دیکھا اپنے لئے تاویل کا دروازہ کس طرح کھولا کہ ران سے سفر کرے ہندواور ران کی نسبت کردی خدا کی طرف۔اور دوسروں کی بے غبار عبارات پر بھی اس کو اعتراض ہی سوجھتے ہیں۔

**پنڈت کا دوسرا اعتراض:**

اعتراض سے پہلے پنڈت کا انداز سمجھئے پنڈت کا انداز یہ ہے کہ خود کو ''محقق'' کہہ کر سوال کرتا ہے ''عیسائی'' کے لفظ سے عیسائیوں کا جواب نقل کرتا ہے پھر ''محقق'' کے لفظ سے تنقید کرتا ہے۔ایک جگہ سوال کرتے ہوئے کہتا ہے: <u>محقق</u>:......آدمی کہاں سے پیدا کیا؟ [طبع چہارم ص۶۲۷ میں ہے: آدم کو خدا نے کہاں سے پیدا کیا؟] <u>عیسائی</u>: خاک سے پیدا کیا......پھر کہتا ہے:...... <u>محقق</u>: خاک کہاں سے آئی؟ [طبع چہارم ص۶۲۷ میں ہے: مٹی کہاں سے بنائی؟] <u>عیسائی</u>: اپنی قدرت سے۔<u>محقق</u>: خدا کی قدرت قدیم ہے یا جدید؟ <u>عیسائی</u>: قدیم ہے۔<u>محقق</u>: جب قدیم ہے تو دنیا کی علت مادی قدیم ہوئی پھر نیستی سے ہستی کیوں مانتے ہو؟ (ستیارتھ پرکاش ص۶۴۶ سطر۴ تا سطر۶)

**اقول:** [۱] شاہجہانپور کے دوسرے مباحثہ میں ہندوؤں کی طرف سے سوال ہوا کہ دنیا کو خدا نے کس چیز سے بنایا، عیسائیوں کی طرف سے اس کی جواب پادری اسکاٹ نے یہ دیا کہ دنیا کو خدا نے نیستی سے پیدا کیا، اپنی قدرت سے پیدا کیا (مباحثہ شاہجہانپور ص۶۹)

مباحثہ شاہجہانپور میں پادری اسکاٹ کے بعد حضرت نانوتویؒ کی باری تھی آپ نے پادری پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ کائنات کی اصل خدا کا دیا ہوا وجود ہے جیسے دھوپ کی اصل سورج کی روشنی ہے حضرت کے بیان کا خلاصہ آئندہ سطور میں آرہا ہے۔حضرت نانوتویؒ کے بعد باری ہندو پنڈت دیانند سرسوتی کی تھی وہ حضرت نانوتویؒ کے بیان پر تو اعتراض نہ کرسکا، مگر اس نے اپنے عقیدے کے مطابق ایک تو یہ بات کہی کہ کائنات کو خدا نے اس کے مادے سے پیدا کیا، اور مادۂ عالم قدیم ہے اور پھر قدیم زمانے سے عالم کا وجود ہے اور ہمیشہ ایسا ہی چلا جائے گا پھر عیسائیوں کا رد کرتے ہوئے کہنے لگا: اور جیسا کہ پادری کہتے ہیں کہ قدرتِ الٰہی سے نیست سے ہست ہو یہ بات معقول (باقی آگے)

چیز ہے بادشاہت اور چیز۔ خدا موجد ہے اور بادشاہ فقط وقتی حاکم۔ خدا کی خدائی لازوال ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت پر زوال آتا رہتا ہے خدا ایک ہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور بادشاہ خدا ہی جانتا ہے کتنے ہوئے اور کتنے ہوں گے؟

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہیں کیونکہ نیست کوئی چیز نہیں اس سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوسکتی (ایضاً ص ۷۷)

ستیارتھ پرکاش کی مذکورہ بالا عبارت میں پنڈت عیسائیوں کی اس بات کا رد کر رہا ہے کہ کائنات کو خدا نے نیستی سے پیدا کیا، اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی عقیدے کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہے کہ کائنات کا خالق کوئی نہیں کیونکہ وہ کائنات کے مادے کو بھی قدیم کہتا ہے اور ارواح کو بھی (دیکھئے ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص ۷۸۹) ☆ ایک جگہ لکھتا ہے: مادہ جیو (روح۔ فیروز اللغات جدید ص ۱۷۲) اور پرماتما (خدا، احکم الحاکمین۔ فیروز اللغات جدید ص ۱۶۴) تینوں غیر مخلوق ہیں (ستیارتھ پرکاش طبع چہارم ص ۲۷۲ سطر ۱۷) ☆ ایک جگہ لکھتا ہے: ایشور [یعنی اللہ تعالیٰ، فیروز اللغات جدید ص ۹۸] جیو اور کائنات کی علت مادی تینوں چیزیں ازلی ہیں (طبع دہم ص ۳۱۶ سطر ۲۰) ☆ نیز کہتا ہے: ہم جو لکھ آئے ہیں کہ برہم (خدائے تعالیٰ۔ فیروز اللغات جدید ص ۱۱۲) جیو اور دنیا کی علت مادی ازلی و ابدی ہیں وہ سچ ہے (طبع چہارم ص ۲۸۳ سطر ۱۸، ۱۹)

مباحثہ میں عیسائیوں کی طرف سے تو پنڈت کے جواب میں خاموشی رہی مگر اہل اسلام کی طرف سے پنڈت کی خلاف اسلام باتوں کا جواب اسی وقت دے کر عقل کی رو سے ثابت کر دیا گیا تھا کہ کائنات کیلئے خالق موجد کا ہونا ضروری ہے اور پنڈت کا یہ نظریہ کہ خدا تعالیٰ نے کائنات کو اس کے مادے سے پیدا کیا اس لئے باطل ہے کہ

وہ مادہ جسے یہ قدیم کہتا ہے اگر مخلوقِ خداوندی ہے تو پنڈت کے اس قاعدہ کے موافق کہ "ہر مخلوق کیلئے مادہ کی ضرورت ہے" خود اس مادہ کیلئے بھی مادہ ہوگا اور پھر اس مادہ کی نسبت بھی یہی کہا جائے گا کہ اگر مخلوق ہے تو اس کیلئے بھی مادہ کی ضرورت اگر اسی طرح یہ سلسلہ الیٰ غیر النہایہ چلا گیا تب تو تسلسل محال لازم آئے گا اور کہیں ختم ہوگیا تو پنڈت جی کا یہ قاعدہ غلط ہو جائے گا کہ مخلوقات کیلئے مادہ کی ضرورت ہے اور اگر مادۂ مذکور مخلوق نہیں تو خود خدا اور واجب الوجود ہوگا کیونکہ جو چیز خود موجود ہو کسی کی مخلوق نہ ہو تو اس کا خدا ہونا اور واجب الوجود ہونا دونوں ضروری ہیں الخ (مباحثہ شاہجہانپور ص ۸۰ حاشیہ) یاد رہے کہ تسلسل اور دور پنڈت کے نزدیک بھی محال ہیں چنانچہ پنڈت ایک جگہ لکھتا ہے: علم منطق میں تسلسل امور نامتناہی کے مترتب ہونے کو کہتے ہیں اور دور اسے کہتے ہیں کہ دریافت ایک علم کا موقوف ہو دوسرے علم پر اور علم ثانی پھر موقوف ہو علم اول پر جو خود مجہول ہے۔ دور، تسلسل بھی باطل ہے (ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص ۱۷۵ حاشیہ)

[۲] سوال میں یوں کہنا درست نہیں کہ خدا کی قدرت قدیم ہے یا جدید؟ بلکہ سوال میں یوں کہنا چاہئے کہ قدیم ہے یا حادث؟ کیونکہ جب جدید کے مقابل قدیم ہو تو قدیم و جدید دونوں حادث ہوسکتے ہیں۔ باقی خدا کی قدرت قدیم ہے مگر مقدور حادث ہے حضرت نانوتویؒ نے مباحثہ شاہجہانپور میں اس کو دلائل سے ثابت کیا، آپ نے فرمایا:

عالم کو خداوندِ عالم سے ایسی نسبت سمجھئے جیسے دھوپ کو آفتاب سے ہوتی ہے جیسے آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے نور سے عالم منور ہو جاتا ہے اور غروب ہوتا ہے تو اس کا نور اس کے ساتھ چلا جاتا ہے اور روئے زمین و آسمان تیرہ و تاریک رہ جاتے ہیں ایسے ہی ارادۂ ایجادِ خداوندی سے مخلوقات موجود ہو جاتی ہیں اس کے ارادۂ فنا سے مخلوقات معدوم اور فنا ہو جاتی ہیں جیسے دھوپوں وہ نورِ آفتاب ہے جو اس سے لے کر دور دور تک پھیلا ہوا ہے اور تمام زمین و آسمان کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے ایسے ہی تمام مخلوقات کی ہستی کا مادہ خدا کا وہ وجود ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے اور سب کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے (مباحثہ شاہجہانپور ص ۷۰ تا ۷۲ ملخصاً) نیز فرمایا:

چونکہ عطائے وجود بے اس کے متصور نہیں کہ ادھر سے وجود آئے اور جیسے آفتاب سے نور آکر زمین پر واقع ہوتا ہے اس پر وجودِ مشارالیہ آکر واقع ہو تو خواہ مخواہ ایک حرکت کا ادھر سے ادھر کو تسلیم کرنا پڑے گا جس کا مبدأ ادھر ہوگا اور منتہا ادھر۔ اور ظاہر ہے کہ حرکت کی وجہ سے جو چیز حاصل ہوتی ہے اس میں عدم اول ہوتا ہے اور وجود دوم یعنی حرکت مکانی اگر مثلاً ہوتی ہے تو کسی مکان تک پہنچنے سے پہلے یہ شخص اس مکان میں نہ تھا بعدِ حرکت وہ مکان اس شخص کو میسر آیا اور یہ شخص اس مکان میں آسمایا اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ اول وہ مادہ موجود نہ تھا پھر بوجہ عطاء مذکور موجود ہوگیا اور ظاہر ہے کہ یہ بات قدم کے خلاف ہے بلکہ اسی کو حدوث کہتے ہیں (مباحثہ شاہجہانپور ص ۸۰، ۸۱)

[۳] اگر اللہ کو خالق نہ مانا جائے تو ایک تو ازلی ہونے میں مادہ اور ارواح اللہ کے شریک ہوں گے اللہ وحدہ لاشریک نہ رہے گا، اس لئے ان تینوں کو وجود دینے والی کوئی اور ہستی ہونی چاہئے [۴] علاوہ ازیں اس نظریہ سے اللہ تعالیٰ کو اتنا عاجز ماننا لازم آتا ہے کہ وہ نہ ایک تنکے کو پیدا کر سکے نہ معدوم کر سکے، نہ ہی مادے کے کسی خاصے کو بدل سکے [۴] ہمارے عقیدے کی رو سے اللہ تعالیٰ مادے اور ارواح کا خالق بھی ہے مالک بھی ان کے ساتھ جو چاہے معاملہ کرے اس کا حق ہے جبکہ پنڈت کے عقیدے کے (باقی آگے)

نمرود وغیرہ نے بھی بادشاہت کو خدائی سمجھ کر دعوائے خدائی کیا تھا۔ بائبل کے قصص میں ایسے بہت سے اہم مضامین مذکور نہیں جن کا قرآن نے ذکر کیا مثلاً

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مطابق اللہ تعالیٰ بلا وجہ مادے اور ارواح پر اپنا حکم چلاتا ہے اس طرح خدا تعالیٰ عادل نہیں سب پر ہمیشہ کیلئے ظلم کرنے والا ٹھہرتا ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔

**پنڈت کا تیسرا اعتراض:**

عیسائی: پیدائش عالم سے پیشتر خدا کے سوا کوئی اور شے نہ تھی۔ محقق: اگر نہ تھی تو یہ جہان کہاں سے پیدا ہوا؟ اور خدا کی قدرت جوہر ہے یا عرض؟ ☆اگر جوہر ہے تو خدا کے علاوہ دوسری شے کا ہونا ثابت ہو گیا، اگر عرض ہے تو عرض سے جوہر کبھی نہیں بن سکتا جیسے کہ شکل سے آگ اور ذائقہ سے پانی کبھی نہیں بن سکتے ☆اور اگر خدا سے ہی دنیا بنی ہوئی ہوتی تو خدا کی مانند وصف، عمل اور فطرت والی ہوتی اس کے وصف عمل فطرت [یعنی صفات، افعال اور خواص۔ دیکھئے طبع چہارم ص ۶۲۸ سطر ۳] کی مانند نہ ہونے سے بھی تحقیق ہے کہ خدا سے نہیں بنی بلکہ دنیا علت مادی (ذرات بے جان چیز) سے بنی ہے۔ دنیا کی پیدائش (کا حال) جو وید وغیرہ شاستروں میں درج ہے وہی قابل تسلیم ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایشور دنیا کی علت فاعلی ہے۔ اگر آدم کی اندرونی صورت روح کی تھی اور بیرونی انسان کی تو کیا ویسی ہی شکل خدا کی ہے؟ کیونکہ جب آدم خدا کی مانند بنایا گیا تو خدا آدم کی مانند ہونا چاہئے (ستیارتھ پرکاش ص ۶۴۵ ص ۶۴۶)

**اقول:** [۱] یہ بات تو کتاب مباحثہ شاہجہانپور میں عقلی دلائل سے ثابت کی جا چکی کہ کائنات کو اللہ نے وجود دیا ہے مگر خدا کی صفت کو نہ جوہر کہہ سکتے ہیں نہ عرض کیونکہ جوہر عرض مخلوق کی قسمیں ہیں [۲] کائنات کی اصل تو عدم ہے اس کو وجود اللہ نے دیا ہے اس لئے کائنات کا ہر ہر فرد چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہو یا بڑے سے بڑا آسمان، وجود و عدم سے مرکب ہے اصل میں معدوم تھا اور اس کے پاس وجود اتنا ہے جتنا اللہ نے دیا اور اتنے زمانے کیلئے جتنے زمانے کیلئے اللہ نے دیا۔ چونکہ اصل میں یہ معدوم تھا اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی ساری صفات آ ہی نہیں سکتے۔ علاوہ ازیں اگر اس میں اللہ کی ساری صفات و خواص آ جائیں تو وہ مخلوق نہ رہے خالق بن جائے [۳] یہ بات مباحثہ کے حوالے سے گزر چکی ہے کہ اللہ کائنات کو پیدا کرنے والے ہیں اس لئے وہ علت فاعلی ہے اور چونکہ کائنات کا اپنا وجود نہیں اس لئے کہ اگر کائنات کا وجود اس کا اپنا وجود ہوتا تو وہ واجب الوجود ہوتی اللہ تعالیٰ کو اس پر کوئی حق نہ ہوتا کیونکہ نہ وہ اس کا خالق ہوتا نہ مالک۔ چونکہ مخلوق کا وجود اللہ کا دیا ہے اس لئے خدا کے دیئے ہوئے وجود کو کائنات کیلئے علت مادی کہہ سکتے ہیں [۴] **خلق اللہ آدم علی صورتہ** کے معنی کی بحث ہو چکی ہے اس لئے اس کا آخری اعتراض بھی اسلام پر وارد نہیں ہوتا۔ نیز ستیارتھ پرکاش کی جس عبارت میں اعضائے خداوندی کا ذکر ہے پنڈت کی طرف سے اس کی تاویل بھی گزر چکی ہے۔

**پنڈت کا چوتھا اعتراض:**

پنڈت کہتا ہے جب خدا نے عدن میں باغ بنا کر اس میں آدم کو رکھا تب کیا خدا نہیں جانتا تھا کہ اس کو پھر یہاں سے نکلنا پڑے گا اور جب خدا نے آدم کو خاک سے بنایا تو خدا کی صورت پر تو نہ ہوا۔ اور اگر ہوا ہے تو خدا بھی خاک سے بنا ہوگا؟ جب اس کے نتھنوں میں خدا نے سانس پھونکا تو وہ سانس خدا کی صورت تھا یا اس سے الگ؟ اگر الگ تھا تو آدم خدا کی صورت پر نہیں بنا، اگر الگ نہیں تھا تو آدم اور خدا یکساں ہو گئے اور اگر ایک سے ہیں تو آدم کی مانند پیدائش موت ترقی زوال بھوک پیاس وغیرہ کمزوریاں خدا میں آئیں گی پھر وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس لئے توریت کی یہ بات درست نہیں اور یہ کتاب بھی خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۶۴۶، ۶۴۷)

**اقول:** [۱] جہاں تک **عَلٰی صُوْرَتِہٖ** کی بات ہے اس کا جواب ہو چکا ہے۔ اسلامی عقیدے کی رو سے خدا تعالیٰ میں کوئی کمزوری ماننی لازم نہیں آتی مزید تفصیل کیلئے مباحثہ شاہجہانپور کا مطالعہ کریں ویسے بھی مخلوق وجود و عدم سے مرکب ہے جو کمالات ہیں وہ اللہ کے دیئے ہوئے ہیں اور جو کمال اللہ نے نہ دیئے مخلوق میں اپنے عدم کی وجہ سے وہ کمی رہ گئی اللہ کا وجود، اور اس کے کمالات ذاتی ہیں اس لئے وہاں کوئی کمی نہیں [۲] بائبل کی یہ بات غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت عدن میں رکھا اللہ نے آدم علیہ السلام کو جنت عدن میں نہیں، جنت ماویٰ میں رکھا تھا، پنڈت جنت ماویٰ کو نہیں مانتا تو اس کے انکار سے قرآن کی بات غلط نہیں ہو جائے گی اللہ کے علم کے آگے اس کے علم کی کیا حیثیت؟ [۳] انسان دنیا میں کچھ وقت کیلئے آتا ہے وقت پورا کر کے چلے جاتا ہے پنڈت خود بھی تو اپنے وقت پر مر گیا کیا اللہ کو اس کا علم نہیں؟ یقیناً اللہ کو اس کا علم ہے اور پنڈت بھی اللہ کو ہمہ دان ہی کہتا ہے (ستیارتھ پرکاش طبع چہارم ص ۱۸، ایضاً طبع دہم ص ۴۵) اسی طرح آدم و حواء علیہما السلام کا جنت میں ٹھہر کر نکل جانا اللہ کی لاعلمی کی نہیں [۴] چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں ٹھہراتے وقت "**اُسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ**" فرمایا، اس سے پتہ چلا کہ ان کو وہاں ہمیشہ رہنا نہ ہوگا، اس طرح جنت سے نکلنا اللہ تعالیٰ کے (باقی آگے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہمہ دان ہونے کی دلیل ہے حضرت مفتی صاحبؒ امام قرطبیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: لفظ "اُسْکُنْ" میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس اس وقت ان دونوں حضرات کیلئے جنت کا قیام عارضی تھا دائمی قیام جو شانِ ملکیت کی ہوتی ہے وہ نہ تھی کیونکہ لفظ "اُسْکُنْ" کے معنی یہ ہیں کہ اس مکان میں رہا کرو، یہ نہ فرمایا کہ یہ مکان تمہیں دے دیا گیا یہ تمہارا مکان ہے وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آئندہ ایسے حالات پیش آئیں گے کہ آدم و حواء علیہا السلام کو جنت کا مکان چھوڑنا پڑے گا......اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کہے کہ میرے گھر میں رہا کرو یا یہ کہ میرا گھر تمہارا مسکن ہے اس سے مکان کی ملکیت اور دائمی استحقاق اس شخص کو حاصل نہیں ہوتا۔ (قرطبی) (معارف القرآن ج۱ ص ۱۹۴)

**پنڈت کا پانچواں اعتراض:**

اگر خدا نے آدم کو خاک سے بنایا تو اس کی عورت کو خاک سے کیوں نہ بنایا؟ اور اگر عورت کو ہڈی سے بنایا تو آدم کو ہڈی سے کیوں نہیں بنایا؟ اور جیسے نر میں سے نکلنے کی وجہ سے (عورت کا) نام ناری رکھا گیا تو ناری سے نر کا نام بھی ہو سکتا ہے اور چاہئے کہ ان میں باہمی محبت بھی رہے جس طرح عورت کے ساتھ مرد محبت کرے ایسے ہی مرد کے ساتھ عورت بھی محبت کرے۔ صاحبانِ علم دیکھئے خدا کی فلاسفی کیسی جھلکتی ہے اگر آدم کی پسلی نکال کر عورت بنائی تو سب مردوں کی ایک پسلی کم کیوں نہیں؟ اور عورت میں یہی ایک پسلی ہونی چاہئے کیونکہ وہ ایک پسلی سے بنی ہے کیا جس مصالحہ سے اس نے تمام دنیا کو بنایا اسی سے عورت کا جسم نہیں بن سکتا تھا؟ اس سے ظاہر ہے کہ بائبل کی پیدائش کا حال قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۶۴۷)

**اقول:** بائبل میں ہے کہ آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے کہ ان کے جسم سے ایک پسلی نکال کر اس سے حضرت حواء کو پیدا کیا۔ پوری عبارت یوں ہے:

"اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں مین سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا اور خداوند خدا اُس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے لی تھی ایک عورت بنا کر اس کے پاس لایا اور آدم نے کہا یہ تو میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی" (پیدائش ۲: ۲۱ تا ۲۳)

پنڈت کا یہ اعتراض بائبل کی اس عبارت پر ہے اس کا جواب عیسائیوں کے ذمہ ہے۔ صحیح حدیث میں صرف اتنا ہے کہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا (ابن کثیر ج۱ ص ۴۴۹ سورۃ النساء آیت ۱) اس پر کوئی اعتراض نہیں اس لئے جیسے عام بچوں کی پیدائش مرد عورت کے ملاپ کے بعد بذریعہ حمل ہو کر مخصوص مقام سے ولادت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو ان اسباب کے بغیر حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا جیسے بچے کی پیدائش کے بعد عورت کے جسم سے کوئی عضو کم نہیں ہو جاتا اسی طرح آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حواء کی پیدائش کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں کوئی کمی نہ ہوئی۔

☆ ستیارتھ پرکاش کے حاشیہ میں ہے: یہاں اعتراض یہ ہے کہ اول آدم کیوں پیدا کیا گیا؟ اس کا کیا ثبوت ہے؟ اگر جواب میں یہ کہا جائے کہ عورت کا نام ناری ہونا بھی اس امر کا ثبوت ہے کیونکہ لفظ نر سے ناری بنتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ناری سے بھی نر بنتا ہے اور عورت کے پیدا کرنے کی وجہ بائبل میں چونکہ یہ بتائی گئی ہے کہ آدم کی تنہائی میں وہ آدم کی دلبستگی کیلئے پیدا کی گئی ہے تو اس مدعا میں بھی کوئی حرج نہ آئے گا کیونکہ عورت کی محبت اور الفت کیلئے مرد پیدا کیا جا سکتا ہے پس اصل وجہ پیدائش عالم کی معلوم ہونی چاہئے (ستیارتھ پرکاش ص ۶۴۷ حاشیہ)

**اقول:** [۱] ہمیں بائبل سے غرض نہیں مگر چونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پہلے پیدا کیا حضرت حواءؑ کو بعد میں۔ ہمارے عقیدے کی بنیاد اس پر ہے کہ اللہ نے انسان کو دنیا میں خلافت کیلئے پیدا کیا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اور خلافت کی اہلیت مرد میں ہے اس لئے اس کو پہلے پیدا کیا گیا۔ [۲] پنڈت نے جو کہا کہ ابتداء دنیا میں کئی انسان پیدا کئے تھے اور وہ جوانی کی عمر میں تھے (دیکھئے ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص ۳۳۶ سطر ۵ تا ۱۳، طبع چہارم ص ۲۹۱ سطر ۱۲ تا ۲۰) پنڈت بتائے کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ یہ بھی بتائے کہ وہ نر تھے یا مادہ؟ تیرے یہ بھی بتائے کہ اس عبارت میں پنڈت نے دنیا کیلئے ابتداء مان لی پھر اسی صفحہ میں اس نے کائنات کی ابتدا کا انکار کیوں کیا؟ کہتا ہے: کائنات کی ابتدا نہیں ازل سے یہی چکر چلا آ رہا ہے اس کا آغاز یا انجام نہیں (ایضاً طبع چہارم ص ۲۹۲ سطر ا طبع دہم ص ۳۳۶ سطر ۱۶)

(باقی آگے)

فرشتوں پر فوقیت دینا، آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائکہ بنانا، شیطان کا سجدے سے انکار کرنا اور خود کو اعلیٰ سمجھنا، شیطان کا مردود ہونا، اور خدا سے لمبی مہلت مانگنا، اور حضرت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **پنڈت کا چھٹا اعتراض:**

مولانا عبدالحق ؒ نے بائبل کا جو مضمون نقل کیا جسے ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں پنڈت نے بھی اس پر جو اعتراض کیا، وہ کئی اعتراضات پر مشتمل ہے ہم جواب کی تسہیل کیلئے اسے نمبر دے کر ذکر کرتے ہیں: [۱] عیسائیوں کا خدا علیم کل ہوتا تو اس شریر سانپ یعنی شیطان کو کیوں بنایا؟ اب چونکہ اس نے پیدا کر دیا ہے اس لئے خدا ہی قصوروار ہے کیونکہ اگر وہ اس کو موذی نہ بناتا تو وہ ایذا نہ پہنچاتا [۲] اور وہ پچھلا جنم نہیں رکھتا تھا پھر بلا قصور اس کو گنہگار کیوں پیدا کیا؟ [۳] اور سچ پوچھو تو وہ شیطان نہیں تھا بلکہ انسان تھا کیونکہ انسان نہ ہوتا تو انسان کی زبان کیونکر بول سکتا؟ [۴] اور جو آپ جھوٹا ہو، اور دوسرے کو جھوٹ میں چلائے اس کو شیطان کہنا چاہئے لیکن یہاں شیطان سچا تھا اور اسی وجہ سے اس نے اس عورت کو نہیں بہکایا بلکہ سچ سچ کہہ دیا اور خدا نے آدم اور حوا سے جھوٹ کہا کہ اس کے کھانے سے تم مرجاؤ گے [۵] جب وہ درخت عقل کے دینے اور دائمی زندگی کے بخشنے والا تھا تو اس کے پھل کھانے سے کیوں منع کیا اور اگر منع کیا تو خدا جھوٹا اور بہکانے والا ٹھہرا کیونکہ اس درخت کے پھل انسان کو علم اور سکھ کے دینے والے تھے لاعلمی اور موت کے دینے والے نہیں تھے [۶] جب خدا نے پھل کھانے سے منع کیا تو اس درخت کو کیوں پیدا کیا تھا؟ اگر اپنے لئے کیا تو آپ لاعلم اور موت کی خاصیت رکھنے والا تھا؟ اگر دوسروں کے لئے پیدا کیا تو پھل کھانے سے کچھ بھی قصور نہ ہوا۔ [۷] اور آج کل کوئی بھی درخت علم دینے والا اور موت سے بچانے والا دیکھنے میں نہیں آتا کیا خدا نے اس کا تخم ہی نیست و نابود کر دیا ، اگر ایسی باتوں کے کرنے سے انسان فریبی اور مکار ہوتا ہے تو خدا ویسا کیوں نہیں ہوا؟ کیونکہ اگر دوسرے سے مکاری کرے گا تو وہ فریبی مکار کیوں نہیں ہوگا؟ [۸] اور جن تینوں کو لعنت دی وہ بلا قصور تھے تو پھر کیا وہ خدا غیر منصف نہ ہوا؟ اور یہ لعنت خدا پر ہونی چاہئے تھی کیونکہ اس نے جھوٹ بولا اور ان کو بہکایا [۹] یہ فلاسفی تو دیکھو کیا بغیر درد کے وضع حمل ہو سکتا ہے اور بچہ ہو سکتا ہے اور بغیر محنت کے کوئی اپنی روزی کما سکتا ہے؟ کیا پہلے کانٹے دار درخت نہ تھے [۱۰] اور جبکہ خدا کے حکم سے سب آدمیوں کے واسطے نباتات کا کھانا لازم ہے تو دوسرے مقام پر بائبل میں جو گوشت کا کھانا لکھا ہے وہ (تحریر) جھوٹی کیوں نہیں؟ اور اگر وہ (تحریر) سچی ہے تو یہ جھوٹی ہے [۱۱] جب آدم کا کچھ بھی قصور ثابت نہیں ہوتا تو عیسائی لوگ کیوں بنی نوع انسان کو آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے گنہگار ٹھہراتے ہیں؟ بھلا ایسی کتاب اور ایسے خدا کو کبھی عقلمند تسلیم کر سکتے ہیں؟ (ستیارتھ پرکاش ۶۴۸، ۶۴۹)

**اقول:** اب بالترتیب جوابات لیجئے [۱] پنڈت جنات کا منکر تھا تو شیطان کا وجود کیسے مانتا؟ شاہجہانپور میں کسی پادری کی زبان پہ شیطان کا ذکر آ گیا تو پنڈت نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو خدا اسے گرفتار کر لیتا نہ یہ کہ اس کام کیلئے اسے مقرر کر دیتا، اسی طرح جنت کے بارے میں کہا کہ کوئی بتائے جنت کہاں ہیں؟ اس پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا اگر ہمیں موقع دیا جائے تو ہم بتلا دیں گے مگر آپ کو وہاں موقع نہ ملا (از مباحثہ شاہجہانپور ص ۱۰۹، ۱۱۰) مباحثہ ختم ہونے کے بعد ایک مجلس میں آپ نے ان کو عقلی دلائل سے ثابت کیا، کتاب انتصار الاسلام میں بھی آپ نے اس پر بحث کی (دیکھئے مباحثہ شاہجہانپور ص ۱۱۵ تا ص ۱۱۹، انتصار الاسلام ص ۱۴ تا ۱۷) آپ فرماتے ہیں کہ:

آدمی کی رغبت اور توجہ ہر دم فقط نیکی یا بدی ہی کی طرف مائل نہیں رہتی کبھی آدمی کا دل نیکی کی طرف راغب ہے تو کبھی بدی کی طرف مائل ہے اس اختلافِ رغبت و میلان سے ظاہر ہے کہ ترکیب روحانی بے شک ایسے دو جزوں سے ہوئی ہے جو باہم متضاد ہیں ورنہ ایک سے ایسی دو مختلف کیفیتوں کا پیدا ہونا محال ہے جیسا ایک عنصر خاکی یا آبی سے مثلاً یبوست و رطوبت دونوں کا پیدا ہونا محال ہے جیسے وہاں اس کی ضرورت ہے اگر یہ دونوں کیفیتیں کہیں مجتمع ہو جائیں تو دو عنصر مذکور ضرور ہی مجتمع ہوں گے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمائیے۔

پھر جیسے وہاں ہر ایک کے لئے ایک طبقہ جدا ہے ایسے ہی یہاں بھی ہر ایک کے لئے ایک جدا ہی طبقہ ہوگا جیسے وہاں ہر طبقہ میں ایک ہی خاصیت کیفیت ہے ایسے ہی یہاں بھی ہوگا اس لئے یہ بات خواہ مخواہ ماننی پڑے گی کہ ایک گروہ مخلوقات میں ایسا ہوگا کہ ان کی خاصیت اصلی بھلائی اور نیکی کی طرف رغبت ہوگی یوں جیسے بوجہ برف پانی میں یبوست آ جاتی ہے ان میں بھی اگر بوجہ خارجی برائی کی طرف رغبت آ جائے تو آ جائے اور ایک گروہ مخلوقات میں ایسا ہوگا کہ ان کی خاصیت اصلیہ برائی کی طرف رغبت ہو۔ یوں جیسے خاک میں بوجہ آب رطوبت آ جاتی ہے اگر بوجہ خارجی بھلائی کی طرف رغبت ہو جائے تو ہو جائے پہلے گروہ کو ہم ملائکہ اور دوسرے گروہ کو ہم شیاطین کہتے ہیں...... بالجملہ ملائکہ اور شیاطین کا وجود یقینی ہے...... پھر یہ کہنا کہ اگر شیاطین کو مانئے تو یہ معنی ہوں گے کہ گویا خداوند عالم نے اپنے ملک میں ایک قزاق اپنی طرف سے چھوڑ دیا ایسا ہوگا کہ گویا پانی آگ ہوا وغیرہ کے نقصانوں کو خیال کر کے کوئی شخص باوجود دلالت گرمی و رطوبت یہ کہے جائے کہ اگر جسم انسانی میں آگ ہو تو یوں کہو خدا نے ایسا کیا کہ کوئی شخص (باقی آگے)

آدم علیہ السلام کی اولاد کو گمراہ کرنے پر قسمیں کھانا، حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرانا، اور سوائے ایک درخت کے ہر چیز سے کھانے کی اجازت دینا، شیطان کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اپنے آپ چھپر بنائے اور پھر آپ ہی اس میں آگ بھی لگادے نہ یہ قرین عقل ہے نہ وہ قرین قیاس۔

الحاصل جیسے باوجود دلالتِ آثار وجود عناصر میں بوجہ مذکور تامل کرنا عاقل کا کام نہیں ایسے ہی باوجود دلالتِ آثار مشار الیہ وجودِ شیاطین میں بوجہ مذکور متامل ہونا اہل عقل سے دور ہے۔ جیسے ترکیبِ انسانی عناصر متضادہ سے بدلالتِ فطرتِ سلیمہ اس لئے ہے کہ اس ترکیب سے ایک عمدہ نتیجہ پیدا ہوا جس کو مزاج مرکب کہتے ہیں اور جس کے وسیلہ سے ہزاروں آثار عجیبہ نمایاں ہوئے جو حیوانات میں مشہود ہوتے ہیں ایسے ترکیب عالم میں شیاطین وملائکہ وغیرہ کا ہونا بے شک ایسے عمدہ نتائج پیدا کرے کہ کیا کہئے اور کیوں نہ ہو ہر حسن و جمال میں بھلی بری دونوں قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ مکان عمدہ وہی ہے جس میں پاخانہ [یعنی بیت الخلاء۔ راقم] بھی ہو۔ یہ نہیں کہ سوائے پاخانہ [بیت الخلاء۔ راقم] اور سب چیزیں ہوا کریں اور پاخانہ [بیت الخلاء۔ راقم] نہ ہو۔ حالانکہ پاخانہ کا برا ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو [بالخصوص اس زمانہ میں جب بیت الخلاء میں گندگی پڑی رہتی تھی خاکروب اٹھا کر دور لے کر پھینکتے تھے۔ راقم]

آدمی خوبصورت وہی ہے جس میں آنکھ ناک رخسار کے ساتھ ابرو و مژگان [پلکیں] و زلف و خط و خال بھی ہو حالانکہ خط و خال اور ابرو اور زلف و مژگان کی بدشکلی ان کے رنگ سے ظاہر ہے اگر پاخانہ نہ ہو تو مکان ناقص ہے اور خط و زلف و خال و ابرو و مژگان نہ ہو تو آدمی کا جمال ناتمام ہے۔

جب ایسی ذرا ذرا سی چیزوں میں اس اجتماع کی ضرورت ہوئی تو ایسے بڑے کارخانے کے حسن و جمال کیلئے جس کو عالم و جہان کہتے ہیں کیوں کر اس اجتماع کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور نہیں تو یہ برائیاں عالم میں کہاں سے آئیں اور یہ تکلیفیں کیونکر ظاہر ہوئیں۔ القصہ عالم میں برا بھلا آرام تکلیف سب ہونے چاہئیں اور بدلالتِ آثار پہلے یہ بات ثابت ہو چکی کہ واقعی موجود ہیں۔ اس قسم کے اعتراض جیسے پنڈت صاحب نے پادری صاحب پر کئے تھے بے شک اہل عقل وانصاف کے نزدیک صحیح نہ ہوں گے (مباحثہ شاہجہانپور طبع دار الاشاعت ص ۱۱۸، ۱۱۹، طبع میر محمد ص ۹۰ تا ۹۲) **اقول:** اور مرکب کا حادث ہونا (كُلُّ مُرَكَّبٍ حَادِثٌ) پنڈت بھی مانتا ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے: جو مرکب ہو کر بنتی ہے وہ ترکیب سے پہلے نہیں ہوتی اور اجزا کے جدا جدا ہونے کے بعد نہیں رہتی (ستیارتھ پرکاش طبع چہارم ص ۲۸۵، طبع دہم ص ۳۲۹)

[۲] پچھلے جنم سے اس کی مراد تناسخ ہے۔ تناسخ کا عقیدہ اس لئے بھی باطل ہے کہ پنڈت ہمارے لئے بھی پچھلا جنم مانتا ہے اور ہم میں سے کسی کو بھی پچھلا جنم یا اس کی کوئی بھی نیکی یا بدی یاد نہیں۔ اس لئے پچھلے جنم کا دعویٰ نرا سفسطہ ہے۔ پنڈت نے اس بارے میں دو دلائل دیئے ہیں ایک تو یہ کہ جیسے دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا علم ہوتا ہے دنیا میں دکھ سکھ دیکھ کر سابقہ جنم کا علم ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اگر جنم سابق نہ ہو تو خدا طرفدار ہو جاتا ہے۔ (ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص ۱۰۴ نیز ص ۳۶۶، ۳۶۷ طبع چہارم ص ۳۷ نیز ص ۳۲۲، ۳۲۳) مگر یہ دونوں دلائل بے کار ہیں پہلی تو اس لئے کہ اس کا درست ہونا موقوف ہے جنم سابق کو ماننے پر۔ دنیا کے دکھ سکھ کا پتہ ہے مگر جنم سابق کا نہیں تیرے کہنے سے اسے مان کر اپنی آخرت کیوں خراب کریں؟ دوسری دلیل اس لئے بے کار ہے کہ اللہ نے پہلی مرتبہ جب پیدا کیا تو کسی کو انسان بنایا کسی کو جانور کسی کو حشرات الارض اس وقت وہ طرفدار ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو جنم سابق نہ ماننے سے بھی طرفدار نہیں ٹھہرتا ساری کائنات اس کی مخلوق ہے اس کی مملوک ہے جو چاہے کرے ہاں تمہارے نزدیک نہ صرف یہ کہ وہ طرفدار بنتا ہے بلکہ مادے اور جیو یعنی روح کو بلا استحقاق اپنی مرضی سے استعمال کر کے ظالم بھی ٹھہرتا ہے۔ [۳] پنڈت کے قول ''وہ شیطان نہیں تھا بلکہ انسان تھا'' سے پتہ چلتا ہے کہ پنڈت جنوں کے وجود کا منکر تھا، جنوں کے وجود کی عقلی دلیل مباحثہ شاہجہانپور کے حوالے سے گزر چکی ہے [۴] اس کا جواب عیسائی دیں۔ ہاں ایک توجیہ ہو سکتی ہے کہ **فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ** کے مفہوم کو تورات کے مرتب نے مبالغۂ مرجانے سے تعبیر کر دیا ہو۔ واللہ اعلم [۵] اس کا جواب عیسائیوں کے ذمہ ہے۔ جنھوں نے ایسی فضول باتوں کو الہامی سمجھا ہوا ہے۔

[۶] درخت کا جو وصف بیان کیا اس کے مطابق تو اس کا جواب عیسائیوں کے ذمہ ہے ہاں یہ بات کہ جنت میں ایسے درخت کو پیدا ہی کیوں کیا جسے کھانے کی اجازت نہ تھی تو اس کا جواب یہ کہ یہ خدا کی حکمت ہے وہ جو چاہے کرے دنیا کے اندر ہی دیکھو کچھ نہ کچھ چیزیں ہر مذہب میں حرام ہوتی ہے خود ستیارتھ پرکاش میں ایک جگہ ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح حرام ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۱۴۱، ۱۴۲) کھانے پینے میں حرام چیزوں کا ذکر ہے۔ کہتا ہے: دسواں باب حلال وحرام (ایضاً طبع دہم ص ۳۸۱) [۷] اس کا جواب عیسائیوں کے ذمہ ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو ختم کرنا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا، مگر درخت کا جو وصف بائبل میں مذکور ہے اس کا ثبوت ہی نہیں۔ [۸] اس کا جواب تو عیسائی دیں قرآن کی رو سے اس وقت صرف ابلیس پر لعنت ہوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کو کھلم کھلا رد کرنے کی وجہ سے۔ کہنے لگا میں آدم کو کیوں سجدہ کروں میں اس سے (باقی آگے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جبکہ میں بہتر ہوں (الحجر:۳۵،ص۸۷) ☆ اللہ تعالیٰ تو جھوٹ سے پاک ہے مگر اپنے مذہب کو دیکھ جس میں نیوگ سے حاصل شدہ لڑکے کو نیوگ کرنے والے کا نہیں بلکہ مرے ہوئے خاوند کا لڑکا مانا جاتا ہے۔ پنڈت خود کہتا ہے کہ ''بیوہ عورت کے لڑکے نیوگ کرنے والے کے نہ لڑکے کہلاتے ہیں اور نہ اس کا گوتر [یعنی خاندان۔راقم] اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی اس کا دعوی ان لڑکوں پر ہوتا ہے بلکہ وہ (اس عورت کے) مرحوم خاوند کے لڑکے (شمار کئے جاتے ہیں) اسی کے گوتر [یعنی خاندان۔راقم] اور اسی کی جائداد کے دعوے دار ہوکر اسی کے گھر میں رہتے ہیں'' (طبع چہارم ص۱۴۷ نیز دیکھئے طبع دہم ص۱۸۹) جب پتہ ہے کہ یہ مرے ہوئے کے لڑکے نہیں تو ان کو مرے ہوئے کے لڑکے ماننا کیا یہ صریح جھوٹ نہیں۔ (تنبیہ) مگر عیسائی یہ جواب نہیں دے سکتے کیونکہ ان کی بائبل میں نیوگ کا ذکر ہے۔ بائبل میں ہے کہ یہوداہ کا بڑا بیٹا فوت ہوا تو اس نے دوسرے بیٹے سے کہا کہ اپنی بھاوج کے پاس جا، اور اپنے بھائی کیلئے نسل چلا، لڑکے نے سوچا کہ وہ نسل میری نہ کہلائے گی اس لئے جب وہ اپنے بھائی کی جورو کے پاس جاتا تھا تو نطفہ زمین پر گرا دیتا تھا (از پیدائش ۳۸:۷تا۱۰) اس واقعہ کو نقل کرکے پنڈت کہتا ہے کہ یہ بات تحقیق ہوگئی کہ پہلے ویدوکت نیوگ کا طریقہ سب ملکوں میں جاری تھا (ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص۶۶۱) مگر جب یہ ہے ہی بندوں کا بنایا ہوا قصہ تو مسئلہ کا ثبوت کیسے؟ مسئلہ کا ثبوت تو خدا کے کلام سے چاہئے۔

[۹] یہ ثابت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ باتیں ارشاد فرمائیں جو اس نے نقل کیں مگر بغیر درد کے ولادت اور بغیر مشقت کے روزی خدا کی قدرت سے بعید نہیں، آج ایسی دوائیاں تیار ہوگئی ہیں جن سے ولادت بغیر تکلیف کے ہوجاتی ہے۔ بنکوں میں رقم جمع کرواکر سود کھانے والے بغیر مشقت کے کماتے ہیں اس لئے بھی اللہ نے سود سے منع کیا ہاں ہندوؤں کے ہاں سود پر رقم لینا دینا بالکل جائز ہے (دیکھئے ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص۱۵۷) [۱۰] بائبل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا تھا: اور تو کھیت کی سبزی کھائے گا، اور تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا (پیدائش ۳:۱۸،۱۹) اس پر تنقید کرتے پنڈت کہتا ہے: اور جبکہ خدا کے حکم سے سب آدمیوں کے واسطے نباتات کا کھانا لازم ہے تو دوسرے مقام پر بائبل میں جو گوشت کا کھانا لکھا ہے وہ (تحریر) جھوٹی کیوں نہیں؟ اور اگر وہ (تحریر) سچی ہے تو یہ جھوٹی ہے (جواب) بائبل اسی طرح قرآن میں حلال جانوروں کے گوشت کو حرام کہہ کر صرف نباتات کھانے کا حکم نہیں دیا گیا تیری وید میں ہو تو ہمیں کیا؟ تیرے ہاں وہ حق کا معیار ہو تو ہو، اس کے ساتھ تجھے دوسروں پر اعتراض کا تو حق نہیں [۱۱] اس کا جواب عیسائیوں کے ذمہ ہے قرآن کریم نے جو بات کہی کہ شیطان کی جھوٹی قسموں پر وہ اعتماد کرکے درخت سے کھا بیٹھے پھر توبہ کی تو اللہ کا اور زیادہ قرب نصیب ہوا، مگر اس کی وجہ سے ان کی اولاد تو گنہگار نہیں **لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی** [الانعام:۱۶۴] لہٰذا عیسائیوں کا سب انسانوں کو گنہگار کہنا پھر بلا دلیل عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب وملعون کہہ کر سب عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ قرار دینا **ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ** کا مصداق ہے۔ مگر وہ ابھی تک اسی جہالت میں پڑے ہوئے ہیں چنانچہ جان پائپر ایک پادری کی ایک کتاب جس کا ترجمہ عیسائیوں نے اس نام سے شائع کیا ''پچاس وجوہات، مسیح مصلوب ہونے کیلئے کیوں آیا؟'' اس میں پہلی وجہ یہ لکھی ہے ''خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے'' اس کے تحت پولس کی یہ عبارت لکھی ہے: مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے [گلتیوں ۳:۱۳] (پچاس وجوہات ص۱۶) یہ تو یقینی بات ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہ ہوئے ان کو مصلوب کہنا قطعاً جھوٹ ہے پھر اس قطعی جھوٹ کو بنیاد بنا کر عیسیٰ علیہ السلام جیسی معزز ومقدس ہستی کو ملعون کہنا یہ دوسرا جھوٹ اور کفر ہے پھر شریعت کو لعنت قرار دینا، اور نام نہاد عیسائیوں کو لعنت سے پاک قرار دینا کفر در کفر ہے۔

### پنڈت کا ساتواں اعتراض:

پنڈت کہتا ہے: بائبل میں جہاں کہیں خدا کا ذکر پایا جاتا ہے وہ انسان کے ذکر کی مانند ہی پایا جاتا ہے (ستیارتھ پرکاش ص۶۴۹ سطر۲۴)

**اقول:** اس کا جواب تو عیسائی دیں مگر افسوس کی بات ایک اور یہ ہے کہ عیسائیوں کے ہاں انبیاء علیہم السلام کی کوئی قدر نہیں جس کا نمونہ ہم آیت ۳۶ کے تحت دکھا چکے ہیں، ان کے ہاں پولس کا درجہ انبیاء علیہم السلام سے اونچا بلکہ ان کے ہاں وہ خود صاحب شرع ہے۔ حالانکہ وہ پہلے یہودی تھا اور عیسائیوں کو بدعتی اور کافر کہتا تھا (قاموس الکتاب ص۲۳۰ سطر۸) یہ پولس ہی ہے جس نے اپنی یہودیت کی وجہ سے عقیدۂ کفارہ وضع کیا اور گلتیوں کے نام مذکورہ بالا خط میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملعون کہا اور عیسائیوں سے کہلوایا۔

### پنڈت کا آٹھواں اعتراض:

بائبل میں ہے کہ خدا کو فکر لگی کہ آدم کہیں زندگی کے درخت سے نہ کھالے پھر تو ہمیشہ جیتا رہے گا تو اس نے آدم کو باغ سے نکالا اور درخت کی نگرانی کیلئے (باقی آگے)

اس کی اتباع کا حکم نیز ہدایت کی پیروی کرنے والوں کا اچھا انجام اور نہ ماننے والوں کا برا انجام وغیرہ۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کروبیوں کو چمکتی تلوار کے ساتھ مقرر کیا (از پیدائش ۳: ۲۲ تا ۲۴) پنڈت اس کے بارے میں کہتا ہے: محقق: بھلا خدا کو ایسا حسد کیوں ہوا؟ اور ایسا شک کیوں گزرا کہ وہ علم میں ہمارے برابر ہوگیا؟ کیا یہ بری بات ہوئی؟ یہ شک ہی کیوں گزرا جبکہ خدا کے برابر کبھی کوئی نہیں ہوسکتا......اب دیکھئے آدم کے علم کی ترقی پر خدا کو کتنا دکھ (رنج) ہوا مزید براں دائمی زندگی کے درخت کے پھل کھانے پر (خدا نے) کتنا حسد کیا اور اول ہی جب اس کو باغ میں رکھا تب اس کو آئندہ کا علم نہیں تھا کہ اس کو پھر نکالنا پڑے گا اس لئے بائبلی خدا علیم کل نہیں تھا اور جو چمکتی ہوئی تلوار کا پہرہ مقرر کیا وہ بھی انسان کا کام ہے خدا کا نہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۶۴۹، ۶۵۰) **اقول:** اس کا جواب عیسائیوں کے ذمہ

﴿ہندوؤں کے کچھ اور اعتراضات کے جوابات﴾

☆ مولانا ثناء اللہ امرتسری آریہ کا اعتراض نقل کرتے ہیں کہ قرآن شرک سکھاتا ہے آدم کو سجدہ کروایا، کعبہ کی پوجا کروائی، موسیٰ نے آگ کو پوجا، شیطان نے بوجہ توحید سجدہ نہ کیا تو اس کو لعنتی گردانا پھر استقبال قبلہ اور واقعہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں ان کو متعلقہ آیات کے تحت بیان کریں گے اور قصہ آدم علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سجدۂ تعظیم تھا اگر یہ سجدۂ عبادت ہوتا تو شیطان **انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین** کی بجائے کہتا کہ اس میں اسی شرک کی تعلیم ہے جس سے ہمیں روکا جاتا ہے۔ شیطان کا مذکورہ جواب بھی اس سجدہ کے تعظیمی ہونے کی دلیل ہے (از تفسیر ثنائی ج ۱ ص ۵۶، ۵۷)

**اقول:** [۱] مگر ثناء اللہ امرتسری کا ترجمہ درست نہیں **اسجدوا لآدم** آدم کی تعظیم کرو **فسجدوا** پس سب نے تعظیم کی (ثنائی ج ۱ ص ۵۶) [۲] ارشاد باری: **فلیعبدوا رب هذا البیت** [قریش: ۳] اور **انما امرت ان اعبد رب هذه البلدة** [النمل: ۹۱] سے فیصلہ ہوتا ہے کہ مسلمان عبادت خانہ کعبہ کی نہیں رب کعبہ کی کرتے ہیں [۳] موسیٰ علیہ السلام نے آگ کو نہ پوجا، وہ جگہ خدا تعالیٰ کی تجلی گاہ تھی، اس لئے وہاں آگ کی عبادت کا نہیں اللہ کی عبادت کا حکم ہوا فرمایا: **اقم الصلوة لذکری** [طہ: ۱۴]

حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں: اہل اسلام کعبہ کو اپنے حق میں مختار نفع وضرر نہیں سمجھتے بلکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو ادھر کو عبادت کرتے تھے اُس سے افضل سمجھتے ہیں اگر اہل اسلام خانہ کعبہ کو اپنا معبود سمجھتے تو لاجرم جیسے بت پرست اپنے معبودوں کو مختار نفع وضرر اور عابدوں سے افضل سمجھتے ہیں وہ بھی خانہ کعبہ کو مختار نفع وضرر اور رسول اللہ ﷺ سے افضل سمجھتے اور یہی وجہ ہے کہ خانہ کعبہ کے استقبال میں اول خدا کے حکم کا انتظار رہا۔ اگر اہل اسلام خانہ کعبہ کو مثل بتان ہندو عرب مستحق عبادت سمجھتے تو جیسے خدا کی عبادت میں ان کو اور بتوں کی عبادت میں آرزوں کو کسی کے حکم کا انتظار نہیں ایسے ہی خانہ کعبہ کے استقبال میں بھی ان کو خدا کے حکم کا انتظار نہ ہوتا (قبلہ نما ص ۸۰، ۸۱)

☆ دیانند سرسوتی سورۃ البقرۃ آیت ۳۴ پر اعتراض کرتا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہمہ دان نہیں۔ اگر ہوتا تو شیطان کو پیدا ہی کیوں کرتا؟ اور خدا میں کچھ قدرت بھی نہیں کیونکہ شیطان نے خدا کا حکم ہی نہ مانا اور خدا اس کا کچھ بھی نہ کرسکا۔ اور دیکھئے ایک کافر شیطان نے خدا کے چھکے چھڑا دیئے۔ مسلمانوں کے خیال میں جہاں کروڑوں کافر ہیں وہاں ان کی اور ان کے خدا کی کیا پیش جائے گی؟ کبھی کبھی خدا بھی کسی کی بیماری بڑھا دیتا اور کسی کو گمراہ کر دیتا ہے خدا نے یہ باتیں شیطان سے سیکھی ہوں گی اور شیطان نے خدا سے [معاذ اللہ] کیونکہ سوائے خدا کے شیطان کا استاد اور کوئی نہیں ہوسکتا (ستیارتھ پرکاش طبع چہارم ص ۶۰۷) مولانا ثناء اللہ امرتسری اس کے جواب میں فرماتے ہیں: کس سے معلوم ہوا کہ خدا کو علم نہیں اگر شیطان کو پیدا کرنے سے بے علم ہونا ثابت ہوتا ہے تو بتا کہ خدا نے جینیوں کو کیوں پیدا کیا جو بقول آپ کے بت پرستی کے بانی مبانی ہوئے [دیکھئے ستیارتھ پرکاش ص ۴۰۰] غازی محمود کو کیوں پیدا کیا مسلمانوں کو کیوں پیدا کیا جنہوں نے تیرے مذہب کی حقیقت کھول کر رکھ دی ان سوالات کو جواب دو تو ہم بتا دیں گے کہ اللہ نے شیطان کو کیوں پیدا کیا؟ شیطان گمراہی کیلئے علت تامہ نہیں بلکہ وہ محض ایک مشیر بد کی طرح برے خیالات سوجھانے والا ہے شیطان خود کہے گا **ما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم** جو اللہ کے ذکر میں رہتے ہیں وہ بچ جاتے ہیں۔ شیطان مثل زہر ہے، روح خود مختار ہے [از ستیارتھ پرکاش ص ۲۲۸] (از حق پرکاش ص ۴۹، ۵۰)

**اقول:** کسی کو پیدا کرنے سے خدا تعالیٰ کا بے علم ہونا کیسے ثابت ہوا؟ تیرے ہاں تو خدا تعالیٰ خالق ہی نہیں جو خالق نہیں وہ مستقبل کا عالم کیونکر ہو؟ علم یا تو خالق کو ہوگا یا خالق کے دینے سے ہوگا۔ اللہ کو عاجز تو کوئی نہیں کرسکتا۔ ہاں شیطان کو خدا تعالیٰ نے کچھ دیر کیلئے مہلت دی اور اسے بتا دیا ہے کہ تیرا اور تیرے پیروکاروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، فوری طور پر جزا سزا کو تو بھی نہیں مانتا تو جزا سزا کو اگلے جنم میں کہتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ تیرا خدا تو ایک تنکے کو وجود نہیں دے سکتا، اور ہمارے قادر مطلق خدا سے کوئی مجرم بھاگ نہیں سکتا۔ باقی عقیدۂ تقدیر کے بحث سورۃ البقرۃ آیت ۷ کے تحت اور شیطان کو پیدا کرنے کی حکمت مباحثہ شاہجہانپور کے حوالہ سے اسی آیت کے تحت گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ والحمد للہ۔

## ﴿سوالات﴾

☆ آیت ۳۴ کا ماقبل سے ربط تحریر کریں ☆ انسان کو فرشتوں پر کس چیز میں فوقیت ہے قدرت میں یا علم میں اور کس دلیل سے؟ حضرت نانوتویؒ کا کلام بھی پیش کریں ☆ سجدہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی لکھیں، سجدۂ عبادت کسے کہتے ہیں نیز یہ بتائیں کہ عبادت کا حقدار تو اللہ ہے پھر یہاں سجدے سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کا اختلاف ذکر کریں اور راجح قول بھی لکھیں مع دلیل ☆ لفظ **شیطان** کی لغوی وصرفی تحقیق لکھیں ☆ مرزائی ان آیات میں سجدے کا کیا معنی کرتے ہیں؟ ان کے دلائل مع جواب تحریر کریں ☆ اس کو ثابت کریں کہ مسجودِ ملائکہ ہونا خاص آدم علیہ السلام کی فضیلت ہے ان کی اولاد اس میں شریک نہیں ☆ ابلیس اور شیطان ایک ہی وجود ہے یا الگ الگ ہیں اس بارے میں مرزا محمود کی رائے ذکر کر کے مرزائیوں سے ہی اس کا رد پیش کریں ☆ آخرت کی زندگی محض روحانی ہے یہ مسلمانوں کا نظریہ ہے یا عیسائیوں کا؟ حوالہ بھی پیش کریں ☆ محمد علی لاہوری کہتا ہے: کہ انسان شیطان کو اپنا فرمانبردار بنالیتا ہے نیز کہتا ہے: کمال انسانی کا یہی پہلا مرتبہ ہے کہ وہ شیطان کو اپنا فرمانبردار بنالے''۔ عبارت کو مکمل نقل کر کے اس پر تنقید کریں نیز یہ ثابت کریں کہ انسان کا مقصد شیطان کو فرمانبردار بنانا نہیں ☆ محمد علی لاہوری کی وہ عبارت ذکر کریں جس میں اس نے جنت کو مانا مگر جگہ اور کیفیت بدل دی، سب انسانوں کو مسجودِ ملائکہ کہا، نیز اپنی تحریف پر پردہ ڈالنے کیلئے آخر میں عیسائیت کا ذکر کر دیا۔ اس کا رد بھی لکھیں ☆ مشہور یہ ہے کہ پہلی شریعتوں میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا حضرت نانوتویؒ کی تحقیق اس بارے میں کیا ہے؟ ان کے دلائل بھی ذکر کریں۔ پھر یہ بھی ثابت کریں کہ بت یا صنم کسی طرح بھی مسجود بننے کے لائق نہیں ☆ چاند سورج ستارے دیوی صلیب درخت عمارت جنات کو سجدہ کرنا کفر کیوں ہے یہاں کوئی تاویل قبول کیوں نہیں؟ نفس وجوب اور وجوبِ ادا میں کیا فرق ہے مثال دے کر سمجھائیں نیز یہ بھی بتائیں کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے میں نفس وجوب کب ہوا وجوبِ ادا کب؟ ☆ قبلہ نما سے حضرت نانوتویؒ کی وہ عبارت ذکر کریں جس میں انہوں سے فرشتے کعبہ عرش کرسی وغیرہ ساری مخلوق سے افضل آنحضرت ﷺ کو بتایا اور ساتھ ہی توحیدِ خداوندی کا اعلان بھی کیا ☆ اسلامی شریعت میں سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے کے کچھ دلائل ذکر کریں ☆ کسی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی ممانعت کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کا کلام ذکر کریں ☆ کیا یہ درست ہے کہ جب فرشتے جھک گئے تو باقی چیزیں خود بخود قبضے میں آگئیں؟ ☆ مفتی احمد یار خان کی اس بات پر تبصرہ کریں: اِس عالم کی ابتدا بھی تعظیم نبی سے ہوئی......اور اُس عالم آخرت کی ابتدا بھی تعظیم نبی سے ہوگی......تمام کفروں کی جڑ توہین نبی ہے جو شیطان سے سرزد ہوا......سب سے بدتر کفر اہانتِ پیغمبر ہے کہ شیطان کا کفر اسی قسم کا تھا وہ رب کی ذات وصفات وغیرہ میں سے کسی چیز کا انکاری نہ تھا ☆ مفتی احمد یار خان کی ان بات پر تبصرہ کریں: حضور ﷺ کا منافقین کی رعایت فرمانا بے علمی کی وجہ سے نہ تھا ☆ جو کہے علم غیب اللہ ہی کی شان ہے وہ انبیاءؑ کا مصدق ہوگا یا گستاخ؟ مثال دے کر واضح کریں ☆ سجدے کا حکم فرشتوں کو تھا عتاب ابلیس کو کیوں ہوا؟ نیز ابلیس کے مردود ہونے کی وجہ کیا ہوئی؟ ☆ بشر کی سب سے پہلے تعظیم کس نے کی اور سب سے پہلے توہین کس نے کی؟ ☆ عملی نافرمانی سے انسان گنہگار تو ہوتا ہے کافر نہیں شیطان عملی نافرمانی سے کافر کیوں ہوا؟ ☆ **مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ** میں **لَا** کونسا ہے؟ **أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ** کا ترجمہ کریں اور **كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ** کے دو معنے تحریر کریں ☆ مفتی احمد یار خان کی اس بات کا جواب دیں: دیوبندی مولوی شیطان سے بڑھ کر عالم وعابد نہیں ☆ مفتی صاحب موصوف کی اس بات پر تبصرہ کریں: '' فرشتے اب تک رب کیلئے سجدے کرتے رہے......ان سجدوں میں براہِ راست رب ہی کی تعظیم تھی ماسوی اللہ کی تعظیم کو دخل نہ تھا آج اس سجدہ کا حکم دیا جارہا ہے جس میں بواسطہ حضرت آدم رب کی تعظیم ہوگی کیونکہ آج حضرت آدم نورِ الٰہی کی تجلی گاہ ہیں'' ☆ اس کو ثابت کریں کہ مٹی میں بہ نسبت آگ کے زیادہ فوائد ہیں نیز حضرت نانوتویؒ کی تحقیق ذکر کریں کہ اگر بالفرض آگ بہتر ہوتب بھی خلافت کی اہلیت مٹی سے بنی ہوئی مخلوق میں ہے ☆ آدم علیہ السلام کے جنت میں رہنے پھر نکلنے کے واقعہ سے پنڈت خدا تعالیٰ کی لاعلمی پر استدلال کرتا ہے اس کو جواب کیا ہے؟ ☆ اس واقعہ پر پنڈت کے اور اعتراضات مع جوابات تحریر کریں ☆ پنڈت دیانند سرسوتی خدا تعالیٰ کو تواب اور رحیم مانتا ہے یا نہیں اور کس دلیل سے؟ ☆ اس کو ثابت کریں کہ دنیا کیلئے ابتدا ضروری ہے اہل اسلام کے ہاں بھی اور ہندوؤں کے ہاں بھی ☆ ہر مرکب فانی ہے، دور اور تسلسل باطل ہے پنڈت نے ان کو کہاں لکھا ہے؟

☆ انسان کی تین بنیادی ضرورتیں کونسی ہیں اور وہ جنت میں کس طرح پوری ہوئیں؟ ازدواجی تعلقات قائم ہوئے یا نہیں اور کس دلیل سے؟ ☆ **وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ** میں **فَتَكُونَا** منصوب ہے یا مجزوم نیز علامتِ اعراب کیا ہے؟ ☆ مرزائیوں کے ہاں اس جنت کا محل وقوع کونسا علاقہ ہے؟ اس کا جواب کیا ہے؟ ☆ مرزا محمود کے ہاں **هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ** سے کیا مراد ہے؟ جواب کیا ہے؟ ☆ اگر **هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ** سے مراد شیطان کی اتباع ہو تو اس میں کیا قباحت ہے؟ ☆ مرزا محمود کی اس

بات پر تبصرہ کریں: ''اللہ تعالیٰ نے......آدم علیہ السلام سے کہا کہ اب تو اور تیرے ساتھی اس جنت میں رہو اور اسی استعارہ کو مدنظر رکھتے ہوئے نظام کی خرابیوں اور برے ساتھیوں کو ایک درخت قرار دے کر فرمایا کہ ایک طرف تو ہم اس جنت میں رہنے کا تم کو حکم دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کے مخالف صفات والے درخت سے بچنے کا حکم دیتے ہیں'' ☆ **وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** کے معنی میں مرزا طاہر اور محمد علی لاہوری نے جو تحریفیں کیں ان کو ذکر کر کے جواب لکھیں۔☆ **وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** کا حکم فطری ہے یا وحی سے ہے؟ محمد علی لاہوری کیا کہتا ہے؟ جواب کیا ہے؟ ☆جس درخت سے حضرت آدم وحواء کو روکا گیا، بائبل میں اس کو کس چیز کا درخت بتایا، محمد علی لاہوری نے کس چیز کا، صحیح بات کیا ہے؟ ☆محمد علی لاہوری کی اس بات پر تبصرہ کریں: آدم جس جنت میں تھے وہ اطمینان قلب کی جنت ہے اور وہ دار الخلد نہیں جو انسان کو موت کے بعد بطور جزائے اعمال عطا کی جاتی ہے ☆جس جنت میں آدم علیہ السلام اور حضرت حواءؑ کو ٹھہرایا گیا، اور جس درخت سے منع کیا گیا، ان کے بارے میں جاوید احمد غامدی کی اس درخت کے بارے میں رائے ذکر کر کے تبصرہ کریں نیز بتائیں کہ اس کی رائے کن لوگوں سے ملتی ہے؟ ☆سورۃ القلم میں آیت ۱۷ میں **اَلْجَنَّةَ** سے کیا مراد ہے اور یہاں البقرۃ:۳۵ میں **اَلْجَنَّةَ** سے کیا مراد ہے؟ ☆حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم کہنا حقیقت ہے یا مجاز؟ مفتی احمد یار خان نے اس کے بارے میں کیا کہا، اور آپ کیا کہتے ہیں؟ محی الدین ابن عربیؒ کا قول بھی ذکر کریں ☆یہ بتائیں کہ جنتی تو جنت میں ہمیشہ رہیں گے آدمؑ وہاں سے نکالے کیوں گئے؟ شیطان کو جنت سے نکلنے کا حکم ہوا تھا پھر وہ جنت کیسے گیا؟ بہشت میں شرعی احکام نہیں تو ان کو **وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** کیوں کہا گیا؟ ☆یہاں فرمایا **وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** [البقرۃ:۳۵] دوسری جگہ فرمایا: **لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ** [البقرۃ:۱۲۴] کیا ان سے یہ نتیجہ نکالنا جائز ہے کہ آدم علیہ السلام نبی نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو وجہ بتائیں ☆خالی جگہ پر کریں:

عام علماء......ہاں خاتمیت صرف زمانی ہوتی......ان کے......''خاتم النبیین''......معنی ''صرف آخری نبی''......جبکہ حضرت نانوتویؒ کے......خاتمیت......زمانی ہوتی ہے رتبی......مکانی......ہوتی ہے اور ان......ہاں......الاحزاب کی آیت خاتم النبیین......خاتمیت کی یہ تینوں قسمیں......ﷺ کیلئے ثابت ہوتی ہیں......حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رتبہ کے......سے سب انبیاء سے اعلیٰ، زمانہ......اعتبار سے سب......آخری ہیں کہ......ﷺ کے بعد کسی کو منصب......نہ ملے گا، ساتوں......میں......زمین اعلیٰ ہے......نے آپ ﷺ کو اس......میں مبعوث فرمایا ہے۔ تحذیر الناس ص ۱۴، ص ۲۸ میں خاتمیت رتبی......افضلیت مطلقہ ہی......بیان ہے مخالفین......ہر جگہ زمانی سمجھ......فتوے لگانے شروع کر دیئے۔ اگر حضرت نانوتویؒ......کہیں......اصطلاحات کی تصریح نہ کی......تو اور بات تھی مگر انہوں نے......صراحت کے ساتھ تحذیر......میں ان اقسام......ذکر فرمایا ہے......لئے مخالفین......فتوے قطعاً کالعدم......یا ان......اوپر......پلٹتے ہیں۔

☆حضرت آدمؑ کو کس چیز کے درخت سے منع کیا گیا؟ بعض علماء کہتے ہیں وہ گندم کا درخت تھا تو اس کا کیا جواب ہے کہ گندم کے تو درخت نہیں ہوتے گندم کے تو چھوٹے چھوٹے پودے ہوتے ہیں ☆شیطان کو جنت سے نکالا گیا پھر آدم وحواءؑ کے پاس جنت کیسے چلا گیا؟ ☆حضرت آدم علیہ السلام خدا کے نبی تھے وہ ممنوعہ درخت سے کیونکر کھا بیٹھے؟ ☆اس بات کو ثابت کریں کہ انبیاء کرام علیہم السلام جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، اس بارے میں معارف القرآن کاندھلویؒ سے بھی افادات ذکر کریں ☆حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے معصوم ہونے کے بارے میں مکاتیب قاسم العلوم اور مباحثہ شاہجہانپور سے حضرت نانوتویؒ کی کچھ خدمات پیش کریں ☆شاہجہانپور میں عصمت انبیاء پر پادریوں نے کیا اعتراض اٹھائے اور حضرت نانوتویؒ نے کیا جواب ارشاد فرمائے؟ ☆عیسائیوں کے اس اعتراض کا کیا جواب ہے کہ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ان گناہوں کا ذکر قرآن میں نہیں تو بائبل میں ہے اور قرآن تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے ☆انبیاء کرام تو عیسائیوں کے ہاں بھی محترم اور معصوم ہیں وہ ایسے اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ موجودہ عیسائیت کا بانی کون ہے؟ اس کی عبارات کی رو سے نبوت اور ختم نبوت کی بابت عیسائیوں کے عقائد ونظریات تحریر کریں ☆عیسائیوں کے ہاں انبیاءؑ کے القاب کیا ہیں اور مسلمانوں کے ہاں کیا؟ نیز یہ بتائیں کہ نبی کا معنی غیب دان کن سے ماخوذ ہے اور دلیل کیا ہے؟ ☆اس کو ثابت کریں کہ عیسائی انبیاء علیہم السلام کا ذکر بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی عام انسان کی طرح کرتے ہیں بلکہ ان مقدس ہستیوں کی طرف ایسی خرافات منسوب کر دیتے ہیں جن سے عام آدمی بھی پناہ مانگتا ہے ☆قرآن سے ثابت کریں کہ عیسیٰ علیہ السلام بن باپ اور اکلوتے تھے اپنی والدہ کے نہایت فرمانبردار تھے پھر یہ بتائیں کہ بائبل ان کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ ☆قرآن کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کا حضرت آدم وحواء علیہما السلام سے باقاعدہ مکالمہ ہوا تھا تو پھر **فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ** [الاعراف:۲۰] کا کیا مطلب ہے؟ ☆انبیاء علیہم السلام کے ادب واحترام کی تعلیم سے اسلام کا سچا ہونا ثابت کریں ☆عیسائیوں کی اس بات کا کیا جواب ہے کہ چونکہ تمہارا قرآن ہمارے نبی اور ان کی والدہ کی تعریف کرتا ہے اس لئے

مسلمانو تم عیسائی ہو جاؤ ☆اس کو ثابت کریں انبیاء کرام کی بھول بھی ہمارے لئے رحمت ہے ☆فرمان علی شیعہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کے بارے میں جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ تحریر کریں پھر خلفاء راشدین کی خلافت کی حقانیت پر چند سطریں تحریر کریں ☆أَخْرَجَهُمَا اور أَزَلَّهُمَا میں سے شیطان کی طرف کونسی نسبت حقیقی ہے کونسی مجازی اور کیوں؟ ☆اس کو ثابت کریں کہ شیعہ جن کو ائمہ کہتے ہیں وہ معصوم نہیں ☆اس کو ثابت کریں کہ سید مودودی نے انبیاء کرام کے بارے میں کچھ ایسی نازیبا باتیں لکھی ہیں جن کو نہ مودودی اپنے لئے ماننے کو تیار ہے نہ مودودی کے ماننے والے ☆حضرت آدم وحواء کو جنت سے نکالتے وقت اِهْبِطُوْا جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟ نیز ''بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ'' کے دو معنی ذکر کریں ☆''بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ'' کے تحت مرزا محمود قادیانی نے مرزائیت کیلئے بہت کچھ لکھا کچھ باتیں نقل کر کے ان کا رد کریں ☆مرزا محمود کے درج ذیل جملوں میں مرزائیت کی طرفداری کس طرح پائی جاتی ہے؟[۱] ''ہر نبی کے وقت میں پھر شیطان اسی طرح حملہ کرنے کی کوشش کیا کرے گا'' [۲] ''اس آیت سے ایک زبردست استدلال ہوتا ہے جو مسلمانوں کے ایک غلط عقیدہ کا قلع قمع کرتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کیلئے اسی دنیا میں رہنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور شیطانی حملہ سے بچنے کے لئے کسی اور جگہ جانے کو ناممکن بتایا ہے لیکن باوجود اس کے بعض مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر شیطان کی ذریت نے حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان سے بچانے کے لئے انہیں آسمان پر لے گیا'' ☆مرزا محمود کی وہ عبارت ذکر کریں جس میں اس نے یہ کہا کہ آدم علیہ السلام کو دھوکہ دینے والا ابلیس نہیں کوئی انسان تھا پھر اس کا جواب بھی لکھیں ☆مرزا محمود کہتا ہے: ''باقی رہا یہ سوال کہ وہ امر کیا تھا جس کے بارہ میں شیطان نے دھوکہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت سے اس امر کو پوشیدہ رکھا ہے''۔ اس عبارت کا مطلب تحریر کر کے اس کا رد بھی لکھیں ☆مُسْتَقَرٌّ کی صرفی ولغوی تحقیق لکھیں اور ثابت کریں کہ انسان کا عارضی طور پر فضا میں یا کسی دوسرے سیارے میں چلے جانا: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ کے خلاف نہیں ☆محمد علی لاہوری لکھتا ہے: قُلْنَا اهْبِطُوْا یہ کہنا بلحاظ اس حالت کے ہے جو پیدا ہوگئی گویا پہلے فعل کا نتیجہ یہ ہوا۔ نتیجہ بھی چونکہ حکم الٰہی سے وارد ہوتا ہے اس لئے اس پر قُلْنَا کا لفظ فرمایا'' عبارت کا مطلب سمجھائیں، پس منظر لکھیں پھر اس کا جواب بھی تحریر کریں ☆محمد علی لاہوری کی اس بات کا جواب لکھیں کہ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ...... میں شیطان کی عداوت کا ذکر نہیں ☆مفتی احمد یار خان لکھتا ہے: حضرت آدم وحواء کو جو کچھ ہوا وہ نسیاناً ہوا نہ کہ جان بوجھ کر۔ اس سے وہ علم غیب کیسے ثابت کرنا چاہتا ہے؟ اور جواب کیا ہے؟ ☆مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: ''ہماری بھول نفسانی شیطانی ہوتی ہے پیغمبر کی بھول رحمانی جس کے شاندار نتیجے نکلتے ہیں'' اس سے علم غیب کیسے ثابت کرتا ہے جواب کیا ہے؟ ☆مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: ''سب باتیں آدم علیہ السلام کے علم میں تھیں مگر ہونے والی ہو کے رہتی ہے جب یہ موقع آیا سب کچھ بھول گئے...... دوسرا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس طرح اور سب باتیں معلوم تھیں ایسے ہی اپنا یہ سارا واقعہ بھی معلوم تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا اس لئے شیطان سے بہت جرح نہ کی...... حضرت آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا خطائے اجتہادی کی وجہ سے تھا'' اس میں مفتی صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں اور جواب کیا ہے؟ ☆مفتی احمد یار خان کے ذکر کردہ عصمت انبیاء کے کچھ دلائل ذکر کریں ☆اس کو ثابت کریں کہ نسیان سے علم غیب پر استدلال ہرگز درست نہیں اور یہ کہ نسیان علم غیب کی دلیل نہیں بلکہ علم غیب نہ ہونے کی دلیل ہے ☆اس کا جواب کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر عیب اور ہر کوتاہی سے پاک ہے، دوسروں کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے اوروں کو علم غیب کے بعد نسیان ہو سکتا ہے ☆جو کہتے ہیں کہ لوگ چاند پر چلے گئے تم ابھی تک آخرت کی باتیں کرتے ہو یا جو کہتے ہیں سائنس پڑھوان کو کیسے مطمئن کیا جائے؟ ☆وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ سے مرزائی کن امور پر استدلال کرتے ہیں اور جواب کیا ہے؟ ☆فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ کا کیا ترجمہ ہے؟ كَلِمٰتٍ سے کیا مراد ہے اور ان کی تَلَقِّیْ کس طرح ہوئی؟ ☆محمد علی لاہوری کہتا ہے: ''فطری کمزوری کے نقص کا علاج وحی الٰہی سے کیا گیا'' اس میں مرزا قادیانی کا دفاع کس طرح ہے؟ ☆وحی الٰہی خارجی شے ہے یا فطرت کی آواز ہے اس بارے میں محمد علی لاہوری کے کلام کا تعارض ثابت کریں اور بتائیں کہ محمد علی لاہوری کی ایسی غلطیوں کی بنیاد کیا ہے؟ ☆شیعہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پانچ ہستیوں کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی جن کو شیعہ پنجتن پاک کہتے ہیں اس کا مفصل جواب تحریر کریں ☆کسی چیز کا محض تفسیر درمنثور میں ہونا اس کے صحیح یا راجح ہونے کی دلیل کیوں نہیں؟ ☆تفسیر درمنثور سے کچھ تفسیری روایات نقل کریں اور كَلِمَاتٍ کی تفسیر میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا الخ کے راجح ہونے کی کچھ وجوہات ذکر کریں ☆تَابَ کا مصدری معنی کیا کیا ہے،؟ بندے کیلئے توبہ میں کن کن چیزوں کا ہونا ضروری ہے؟ ☆تَائِبٌ اور تَوَّابٌ کے استعمال میں کیا فرق ہے؟ ☆کسی گناہگار کو حقیر کیوں نہیں سمجھنا چاہئے؟

☆ ایک طالب علم سے چوری ہوگئی دوسرا اساتذہ کے سامنے اکڑنے لگا کونسا اخراج کے زیادہ لائق ہے اور کیوں؟ ☆عاشورہ کے واقعات سے مفتی احمد یار خان نے گیارھویں کا مسئلہ کیسے نکالا؟ اور جواب کیا ہے؟ ☆مفتی احمد یار خان کہتے ہیں: ''یعقوب علیہ السلام...... کنعان میں بیٹھے یوسف کا ہر حال دیکھ رہے تھے'' کیا یہ واقعہ درست ہے

اور کیا اس سے یعقوب علیہ السلام کیلئے علم غیب پر استدلال ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کیوں ☆ اترنے کا حکم تو اکل شجرہ کے بعد ہی ہوگیا تھا، توبہ کے بعد پھر زمین پہ اترنے کے حکم کا کیا مطلب؟ شواہد کے ساتھ تحریر کریں

☆ حضرت آدم اور حضرت حواءؑ دو فرد ہیں ان کو حکم دینے کا تثنیہ کا صیغہ چاہئے جمع کا صیغہ **اِهْبِطُوْا** کیوں لایا گیا؟ ☆ حضرت آدم وحواءؑ اور شیطان اکٹھے زمین پر اترے یا الگ الگ اوقات میں؟ دلیل بھی ذکر کریں ☆ "**بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ**" میں خبر "**عَدُوٌّ**" کو واحد لانے کی توجیہات ذکر کریں ☆ شیطان کو تو پہلے ہی اترنے کا حکم ہو چکا تھا اب اس کو حکم دینے کی کیا ضرورت؟ ☆ ابلیس لعین اور سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعہ میں اترنے کا حکم کس کس موقع پر ہوا، کن کن صیغوں سے ہوا، اُن کی توجیہات کیا کیا ہیں؟ ☆ کیا ایسا کہنا درست ہے کہ پہلے **اِهْبِطُوْا** کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواءؑ کا جنت سے آسمانِ دنیا کی طرف نزول ہوا، دوسرے **اِهْبِطُوْا** کے ساتھ آسمان دنیا سے زمین کی طرف؟ اور کیوں؟ ☆ **فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى** کی نحوی طور اصل بتائیں اور ثابت کریں کہ انبیاء کرام کو بھیجنا اللہ پر لازم نہیں ☆ مرزا محمود لکھتا ہے: "**اِهْبِطُوْا** جمع کا لفظ ہے جس سے ظاہر ہے کہ اُس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی نہ تھے بلکہ آدم کے اتباع بھی تھے" نیز لکھتا ہے: "اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ آئندہ بھی وحی الٰہی ہوتی رہے گی"۔ ان پر تبصرہ کریں ☆ خالی جگہ پر کریں:

جیسے آپ ﷺ ...... دیگر تعلیمات ہدایت ...... آپ ﷺ ...... آخری نبی ...... کا دعویٰ بھی ...... ہے کیونکہ جس زبان سے آپ ...... نبوت کا ...... کیا اسی ...... سے آخری ...... ہونے ...... دعویٰ ......، پھر حضرت نانوتویؒ ...... بقول جیسے قطعی تواتر کے ...... آپ ﷺ ...... نبوت کا دعویٰ منقول ......، ویسے ہی قطعی ...... کے ساتھ آپ ﷺ ...... ختم نبوت ...... دعویٰ منقول ہوا، اس لئے ...... شخص آپ ﷺ کے آخری نبی ...... کا منکر ہے وہ ...... ﷺ کی نبوت کا ہی منکر ...... علاوہ ...... نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی ...... آپ ﷺ نے خبر دی وہ ...... تو ہدایت ہے اس ...... مرزا قادیانی ...... کو عیسیٰ علیہ السلام کہہ کر کافر ...... ٹھہرتا ہے۔

☆ مرزائی سورۃ البقرۃ آیت ۳۸ **فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى** اور سورہ الاعراف آیت ۳۵: **يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ** سے نبوت کے جاری ہونے پر کس طرح استدلال کرتے ہیں اس کا جواب لکھیں نیز عبدالرحمٰن خادم مرزائی نے تفسیر بیضاوی کی عبارت ترجمہ میں جو دھاندلی کی اس کی نشاندہی کریں ☆ محمد علی لاہوری مرزائی کی اس عبارت کا جائزہ لیں: "اس حالتِ ہبوط کا علاج یہ ہے کہ نسلِ انسانی میں وقتاً فوقتاً من جانب اللہ ہدایت آتی رہے گی اس کی پیروی سے پھر انسان اس کھوئی ہوئی جنت کو...... حاصل کر سکتا ہے...... وہ اس حالت پر قائم ہو جائے گا جہاں نہ شیطان کے حملے کا خوف ہے کہ وہ وسوسہ اندازی سے پھسلا دے اور نہ یہ غم ہوگا کہ یہ راہ اختیار کی یا نہ کی" ☆ محمد علی لاہوری نے وحی الٰہی کی ضرورت کو کیسے سمجھایا؟ ذکر کر کے تبصرہ کریں پھر اس موضوع پر حضرت نانوتویؒ کا منفرد بیان تحریر کریں ☆ توبہ کی قبولیت کے بعد فوراً آدم علیہ السلام کو جنت میں کیوں نہ بھیجا گیا؟ ☆ حضرت نانوتویؒ کے زمانے میں ایمان کے حوالے سے اہل اسلام کو کیا کیا خطرات پیش آئے حضرتؒ نے ان کے مقابل کیا کچھ کیا؟ نیز کسی بڑے عالم کا نام ذکر کریں جس نے حضرت نانوتویؒ کو اپنے زمانے کا مجدد قرار دیا ☆ مرزائیوں کا مرزے کے دعووں کے بارے میں اضطراب لکھیں اور ثابت کریں کہ مرزا قادیانی اضطراب کے ساتھ ہی دنیا سے گیا ☆ انبیاء کرام علیہم السلام کو فرشتوں کے ذریعے سے علم ملتا ہے یا فرشتوں کو انبیاء کے واسطے سے اس بارے میں مفتی احمد یار خان کے کلام کا تعارض ثابت کریں ☆ نام نہاد جماعت المسلمین کے امیر مسعود احمد کی اس بات پر تبصرہ کریں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت آئے گی وہ ہم تک اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ذریعہ پہنچے گی اس کے علاوہ ہدایت پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہ ہوگا۔

ہندوؤں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں حضرت نانوتویؒ نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کو ثابت کرنے کیلئے کن کن امور کو اوصافِ نبوت یا معیارِ نبوت قرار دیا؟ ☆ حضرت نانوتویؒ نے کہیں تو آنحضرت ﷺ کے اخلاقِ عالیہ سے نبوت کو ثابت کیا؟ کہیں عقل وفہم اور اخلاق عالیہ دو چیزوں کا ذکر کیا اور کہیں ان کے ساتھ اللہ کی شدید محبت کا بھی ذکر کیا، ایسا اختلاف کیوں ہوا؟ ☆ ثابت کریں کہ حضرت نانوتویؒ نے نبوت کے ذکر کردہ اوصافِ نبوت کو سب مذاہب نے بالاتفاق مان لیا ☆ حضرت نانوتویؒ کے ذکر کردہ اوصاف نبوت کی روشنی میں مرزا قادیانی کو پرکھنا جائز ہے یا نہیں اور کیوں؟ ☆ دو جملوں میں سے کونسا جملہ درست ہے؟ [پہلا جملہ] مرزا قادیانی اس لئے نبی نہیں کہ اس کے کام نبیوں والے نہیں [دوسرا جملہ] اگر بالفرض نبوت جاری ہوتی تو بھی مرزا نبی نہ ہوتا کیونکہ اس کے کام نبیوں والے تو کیا وہ اخلاق وکردار میں عام آدمی سے بھی گیا گزرا تھا ☆ چند ایسی کتابوں کا نام لیں جن میں حضرت نانوتویؒ نے آنحضرت کو آخری نبی کہا اور یہ بھی بتائیں کہ حضرتؒ نے کس کتاب میں ختم نبوت زمانی کے منکر کو برملا کافر بھی کہا ہے ☆ **فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ** میں خبر کے ساتھ فا لایا گیا، **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ** میں خبر کے فا کو کیوں نہ لایا گیا؟ ☆ مرزا محمود دوزخ کے ہمیشہ رہنے کا انکار کرتے ہوئے کہتا

ہے: حدیث میں آیا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اس میں کوئی بھی دوزخی نہ ہوگا، اور نسیم اس کے دروازے ہلائے گی۔ تفسیر معالم التنزیل سورۃ ہود زیر آیت وَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا۔ مرزا محمود کی بات کا بے بنیاد ہونا ثابت کریں۔ ☆ خالی جگہ پر کریں:

جنت و...... کا دائمی...... نصوص قطعیہ سے ثابت...... اس مین شک...... گنجائش...... ویسے بھی سوچنے...... بات ہے کہ جو شخص...... لئے کفر شرک...... بچتا ہے کہ کفر شرک کی...... دائمی دوزخ ہے تو اگر...... دوزخ دائمی نہ ہو تو...... اس کا...... نقصان نہیں کیونکہ...... کبھی نہ...... جنت چلا ہی جائے......، اور اگر کوئی اس...... سے کفر کرتا...... کہ...... دائمی نہیں...... یہودی کہتے تھے کہ ہم صرف...... دن دوزخ میں...... گے [دیکھئے سورۃ البقرۃ: ۸۰] تو اگر...... دائمی ہوئی۔ اور دوزخ...... کیلئے یقیناً...... ہے تو اس کو دوزخ...... کبھی نکلنا نصیب نہ...... گا، اگرچہ وہ فرشتوں...... چلا چلا کر کہتے...... کہ ہم تو دوزخ...... سزا دائمی نہیں مانتے تھے۔

☆ مرزا محمود قادیانی کی ان عبارات پر تبصرہ کریں:

اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت کے مطابق اس جدید روحانی سلسلہ کے متبع ایک جدید اور عظیم الشان تمدن کے بانی ہوئے، جس طرح آدم کا شیطان ناکام رہا...... یہ منافق بھی اسلام کو کوئی حقیقی نقصان نہ پہنچا سکیں گے...... الٰہی ہدایت کا سلسلہ محدود نہیں ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ ہدایت بھجواتا رہے گا...... آئندہ کسی وقت میں اس کا بند ہونا خلافِ عقل وخلافِ وحی الٰہی ہے۔

☆ مفتی احمد یار خان درج ذیل عبارت میں کیا کہنا چاہتے ہیں اور جواب کیا ہے؟

ہمارے حضور ﷺ نے دو کتابیں صحابہؓ کو دکھائیں ایک مومنوں کی دوسری کافروں کی فہرست تھی ☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں: حق تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام تا حضرت عبد اللہ حضورؐ کے نسب میں کوئی کافر نہیں گزرا، نیز کہتے ہیں: ابو طالب...... کا ایمان شرعاً ثابت نہیں...... ہاں بہت ممکن ہے کہ یہ اللہ کے نزدیک مومن ہوں۔ نبوت اعمال سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ محض رب کے فضل سے ورنہ شیطان یا کسی فرشتے کو ملنی چاہئے تھی۔

☆ کفر کا لغوی واصطلاحی معنی ذکر کریں اور یہ بتائیں کہ اللہ کے علاوہ کسی کیلئے علم غیب ماننا قرآن آیات کی تکذیب ہے یا نہیں؟ ☆ قیامت کے دن کوئی بھی خوف سے خالی نہ ہوگا تو لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ کیوں فرمایا؟ ☆ مفتی احمد یار خان "اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ" کے تحت لکھتے ہیں: "اُولٰٓئِکَ اگرچہ یہ کفار سننے والے کی نگاہ سے غائب تھے مگر چونکہ ان کے ایسے اوصاف بتادیئے گئے جن سے وہ مثل محسوس کے ہوگئے لہٰذا ان کی طرف اُولٰٓئِکَ سے اشارہ فرمادیا گیا" اس سے حاضر ناظر کے کسی استدلال کا جواب ذکر کریں ☆ قرآن کی بعض آیات کا انکار کل کے انکار کی طرح ہے وہ کیوں؟ ☆ بائبل میں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ کس طرح مذکور ہے حضرت مولانا عبد الحق حقانی نے اس پر کیا تبصرہ فرمایا؟ ☆ ستیارتھ پرکاش کے پہلے ایڈیشن میں بائبل اور قرآن پر اعتراضات نہ تھے بعد کے ایڈیشنوں میں ہیں یہ بتائیں کہ یہ اعتراضات پنڈت پنڈت دیانند ہی کے ہیں یا کسی اور نے اضافہ کئے اور دلیل کیا ہے؟ ☆ طلباء کو ہندوؤں کی طرف سے بائبل پر ہونے والے اعتراضات کا علم کیوں ہونا چاہئے ☆ کیا بائبل پر کئے جانے والے سب اعتراضات درست ہیں یا کچھ قابل جواب بھی ہیں ☆ اس کو ثابت کریں کہ نہ خدائی بادشاہت کی طرح ہے اور نہ خدا تعالیٰ ایک بادشاہ کی طرح ☆ اس کو ثابت کریں کہ بائبل کے قصص میں ایسے بہت سے اہم مضامین مذکور نہیں جن کا قرآن نے ذکر کیا ☆ پنڈت دیانند سرسوتی نے بائبل پر جو پہلا اعتراض کیا وہ اسلام پر بھی بنتا ہے یا نہیں ؟ اگر بنتا ہے تو کیسے اور جواب کیا ہے؟ ☆ بتائیں کہ حدیثِ مشہور خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ کہاں واقع ہے؟ پھر اس کا ایسا مفہوم ذکر کریں جو شان خداوندی کے خلاف ہرگز نہیں ☆ اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے اس بارے میں عقیدے کی کسی مشہور ومستند کتاب کا حوالہ پیش کریں، پھر یہ ثابت کریں کہ وید کی عبارت میں خدا تعالیٰ کیلئے اعضاء کا ذکر آئے تو دوسروں پر اعتراض کرنے والا پنڈت تاویل کا دروازہ کھول دیتا ہے ☆ ستیارتھ پرکاش میں پنڈت کا اسلوب کیا ہے؟ ☆ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کئے جانے پر پنڈت نے کیا کیا نکات اٹھائے؟ اور ان کے جواب کیا ہیں؟ ☆ شاہجہانپور کے دوسرے مباحثہ میں سوال ہوا کہ "دنیا کو خدا نے کس چیز سے بنایا؟" عیسائیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرف سے اس کے کیا کیا جواب دیئے گئے؟ ☆ عیسائیوں کے نمائندے پادری اسکاٹ کے جواب پر حضرت نانوتویؒ نے کیا اعتراض اٹھایا؟ اور پنڈت دیانند سرسوتی نے کیا؟ ☆ یہ بتائیں کہ ہندو کس کس کو قدیم مانتے ہیں؟ ☆ ہندو خدا تعالیٰ کو کائنات کا خالق مانتے ہیں یا نہیں اور کس دلیل سے؟ ☆ مباحثہ شاہجہانپور میں عقل کی رو سے کس طرح ثابت کیا گیا کہ کائنات کیلئے خالق موجد کا ہونا ضروری ہے اور پنڈت کا یہ نظریہ کہ خدا تعالیٰ نے کائنات کو اس کے مادے سے پیدا کیا کس دلیل سے باطل ہے ☆

اس کوثابت کریں کہ خدا کی قدرت قدیم ہے مگر مخلوق جومقدور ہے وہ حادث ☆مادہ اورارواح کوقدیم ماننے کے کچھ مفاسد تحریر کریں ☆''پیدائش عالم سے پیشتر خدا کے سوا کوئی اور شے نہ تھی'' اس پر پنڈت نے کیا کیا اعتراضات اٹھائے اور جواب کیا ہیں؟ ☆ ہندوؤں کے ہاں کائنات کی علتِ فاعلی کیا ہے اور علت مادی کیا؟ اور اسلام کیا کہتا ہے؟ نیز ہندوؤں کے مذہب پر کیا اعتراض وارد ہوتے ہیں؟ ☆اس کوثابت کریں کہ اگر خدا کی طرح مادہ اورارواح کو ازلی مانا جائے تو خدا کو وجود دینے والی بھی کوئی ہستی ہونی چاہئے ☆ اس کوثابت کریں کہ ہندوؤں کے عقیدے کے رو سے خدا تعالیٰ ایک تنکے کو بھی موجود یا معدوم نہیں کرسکتا ☆ اس کوثابت کریں کہ ہمارے ہاں خدا ظلم سے پاک ہے جبکہ ہندوؤں کے عقیدے کے رو سے خدا کائنات پر بلاوجہ حکم چلا کر ظالم ٹھہرتا ہے ☆اس کوثابت کریں کہ خدا تعالیٰ کی صفت کو نہ جوہر کہہ سکتے ہیں نہ عرض ☆ یہ بھی ثابت کریں کہ مخلوق خواہ چھوٹی سے چھوٹی ہوخواہ بڑی سے بڑی، مرکب ہے ☆مخلوق میں کمالات اللہ کے دیئے ہوئے ہیں تو جو کمی ہے وہ کس وجہ سے؟ ☆ بائبل میں ہے: جب خدا نے عدن میں باغ بنا کراس میں آدم کو رکھا، اس پر پنڈت کا کیا اعتراض ہے اور جواب کیا ہے؟ ☆اس کوثابت کریں کہ جنت میں رہنے کے بعد آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنا خدا کے علم کی دلیل ہے نہ کہ لاعلمی کی، اور''**اُسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ**'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ☆اگر حامد خالد سے کہے کہ میرے مکان میں رہا کرو تو کیا ان الفاظ سے خالد کیلئے حامد کے مکان کی ملکیت ثابت ہوگی یا نہیں؟ بائبل حضرت حواء کی پیدائش کے بارے میں کیا کہتی ہے اور پنڈت کے اس پر کیا اعتراض ہیں؟ یہ ثابت کریں کہ کہ صحیح حدیث میں حضرت حواءؑ کی پیدائش کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں ☆ پہلے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا گیا یا حضرت حواءؑ کو؟ اور کس دلیل سے؟ پنڈت کا اس پر کیا اعتراض ہے؟ الزامی وتحقیقی جواب ذکر کریں ☆ بائبل کہتی ہے کہ عدن کے باغ میں جو درخت عقل اور دائمی زندگی بخشنے والا تھا، سانپ نے آدم علیہ السلام کو اس درخت کے کھانے کی ترغیب دی، اس پر پنڈت نے کیا کیا اعتراض اٹھائے ہیں مع جواب ذکر کریں ☆ جنات وملائکہ کے وجود پر جو عقلی دلیل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ذکر فرمائی مختصر طور پر اسے پیش کریں ☆اس کا کیا جواب ہے کہ اگر شیاطین کو مانئے تو یہ معنی ہوں گے کہ گویا خداوندِ عالم نے اپنے ملک میں ایک قزاق اپنی طرف سے چھوڑ دیا ہے ☆ خالی جگہ پر کریں:

جیسے ترکیبِ انسانی عناصر متضادہ...... بدلالتِ فطرتِ سلیمہ اس...... ہے کہ اس ترکیب...... ایک عمدہ نتیجہ...... ہوا جس...... مزاج مرکب...... ہیں جس...... وسیلہ سے ہزاروں آثارِ عجیبہ نمایاں......، ایسے ترکیبِ عالم میں شیاطین وملائکہ...... ہونا بے شک ایسے عمدہ نتائج پیدا...... کہ کیا کہئے اور کیوں...... ہو ہر حسن وجمال...... بھلی بری ...... قسم کی چیزیں ہوتی......۔ مکان عمدہ وہی ہے جس...... پاخانہ [یعنی بیت الخلاء] بھی ہو حالانکہ...... کا برا ہونا ایسا...... جو کوئی نہ...... ہو۔ بالخصوص اس زمانہ...... جب بیت الخلاء...... گندگی پڑی رہتی تھی...... اٹھا کر دور...... جا کر پھینکتے تھے۔

☆ ہر مرکب حادث ہے اس بارے میں پنڈت کا کوئی حوالہ پیش کریں ☆ پچھلے جنم کے بارے میں پنڈت کے دو دلائل ذکر کرکے ان کا باطل ہونا ثابت کریں ☆ اس کوثابت کریں کہ پنڈت کے عقیدے کے مطابق خدا تعالیٰ طرفدار بھی ہے ظالم بھی معاذ اللہ تعالیٰ ☆ اس کا جواب تحریر کریں کہ جنت میں ایسے درخت کو کیوں پیدا کیا جسے کھانے کی اجازت نہ تھی ☆اس کی وضاحت کریں کہ نیوگ کی وجہ سے پنڈت کا مذہب جھوٹ سے پاک ہرگز نہیں ☆ بائبل کا کونسا واقعہ ہے جسے پنڈت نے نیوگ کے اثبات کیلئے پیش کیا پھر اس کا جواب بھی دیں ☆ بائبل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا تھا: اور تو کھیت کی سبزی کھائے گا، پنڈت نے اس پر کیا تنقید کی اور جواب کیا ہے؟ ☆ عیسائیوں کا خود کو لعنت سے پاک قرار دینا **ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ** کا مصداق کیوں ہے؟ ☆ پنڈت کے اس اعتراض کی کیا حقیقت ہے کہ بائبل میں خدا کا ذکر انسان کے ذکر کی مانند ہی پایا جاتا ہے ☆ اس کوثابت کریں کہ عیسائیوں کے ہاں پولس کا درجہ انبیاء علیہم السلام سے بلند ہے ☆ ہندو کہتے ہیں کہ قرآن شرک سکھاتا ہے کیونکہ اس نے آدم کو سجدہ کروایا، کعبہ کی پوجا کروائی، موسیٰ نے آگ کو پوجا، شیطان نے بوجہ توحید سجدہ نہ کیا تو اس کو لعنتی گردانا۔ اس کے جواب ذکر کریں ☆ اہل اسلام کے ہاں مستحق عبادت کعبہ نہیں اس بارے میں حضرت نانوتویؒ کی دلیل پیش کریں۔

☆☆☆☆☆

[عام انسانیت پر ہونے والی نعمتوں کے بعد انسانوں کے خاص طبقہ کو نعمتوں کی یاد دہانی اور ایمان کی دعوت]

يٰبَنِيْٓ (١) اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ (٢) الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ (٣) بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٤٠﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (٤) ﴿٤٢﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ (٥) الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ ﴿٤٥﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿٤٦﴾

**ترجمہ:** اے بنی اسرائیل میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور مجھ سے کئے عہد کو پورا کرو میں تم سے کئے عہد کو پورا کروں گا، اور خاص مجھ سے ڈرتے رہو ☆ اور اس کلام پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا جبکہ وہ اُس کی تصدیق بھی کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور تم اِس کے سب سے پہلے منکر نہ بن جاؤ، اور نہ خرید و میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت اور بالخصوص مجھ سے ڈرتے رہو ☆ اور حق کو باطل سے نہ ملاؤ اور حق کو نہ چھپاؤ اور تم تو جانتے ہو ☆ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ☆ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے ☆ اور صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو اور نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر جو خشوع کرنے والے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ وہ ضرور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

## ربط اور چند تفسیری نکات

۱) وجوہِ ربط: [۱] پہلے نعمتِ عامہ باعامہ کا ذکر تھا، یعنی نعمتیں بھی عام، اور تھیں بھی عام مخلوق پر اب نعمتِ خاصہ برخاصہ کا ذکر ہے یعنی نعمتیں بھی خاص اور جس قوم پر ہوئی ہیں وہ بھی خاص ہے یعنی بنی اسرائیل (٦)، چنانچہ گذشتہ آیات میں عام انسانوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی اور اپنے انعامات یاد کرائے جن کے ضمن میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بھی ذکر فرمایا، اور یہاں خاص بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دی جن کو حسب ونسب، ریاست و پیرزادگی سب طرح کا فخر و امتیاز حاصل

---

۱) بَنِیْ جمع ہے اِبْنٌ کی اِبْنٌ کو بعض علماء ناقص واوی مانتے ہیں کہتے ہیں اصل بَنْوٌ ہے واؤ کو خلاف قیاس حذف کر کے اعراب نون پر ڈال دیا ہے اس کی جمع مکسر اَبْنَاءٌ اور جمع سالم بَنُوْنَ اور بَنِیْنَ ہے (المصباح المنیر ج ۱ ص ۷۰) آیت کریمہ میں بَنِیْنَ کا نون اضافت کی وجہ سے گرا ہوا ہے۔ بَنِیْ منادی مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ بعض علماء اسے ناقص یائی مانتے ہیں، کہتے ہیں اِبْنٌ کا لفظ بِنَاءٌ سے ہے کیونکہ بیٹا اپنے باپ کا بنایا ہوتا ہے جیسے قصیدے کو بِنْتُ الْفِکْرِ کہہ دیتے ہیں (تفصیل کیلئے دیکھئے بیضاوی ص ۶۸، روح المعانی ج ۱ ص ۲۴۱)

۲) حضرت شیخؒ نے فرمایا: نِعْمَةَ مصدر ہے واحد کثیر سب پر بولا جاتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ "نعمت" بھی درست ہے اور "نعمتیں" بھی اور یہاں بہت سے نعمتیں مراد ہیں جیسے انبیاء کا بھیجنا، من سلوی کا اترنا وغیرہ۔

۳) اُوْفِ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: اَوْفُوْا بِعَهْدِيْ اِنْ تُوْفُوْا بِعَهْدِيْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۔ شرط میں علامت جزم حذف نون اعرابی اور جزا میں علامت جزم حذف حرف علت ہے۔ (۴) وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ میں واؤ حالیہ ہے۔ (۵) وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ میں واؤ حالیہ ہے۔

٦) مفتی احمد یار خان ربط یوں بیان کرتے ہیں کہ:

پہلے آدم علیہ السلام کے واقعات بیان فرما کر حضور علیہ السلام کی نبوت ثابت فرمائی گئی کہ اگر ہمارے محبوب علیہ السلام سچے پیغمبر نہ ہوتے تو بغیر پڑھے (باقی آگے)

تھااس لئے بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ نعمتیں ان کو یاد دلاتے ہیں تا کہ شرما کر ایمان لائیں اور دوسروں کے ایمان لانے کا ذریعہ بنیں (ذخیرۃ الجنان ج۱ص۱۴۱، تھانویؒ ج۱ص۲۶) [۲] ابلیس نے محض حسد اور تکبر کی وجہ سے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، اس کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم تکبر اور حسد کی وجہ سے نبی آخرالزمان ﷺ کی اتباع سے اعراض نہ کرو ورنہ حسد اور تکبر کا انجام تو تمہیں معلوم ہی ہے (کاندھلویؒ ج۱ص۱۶۴)

۴) لفظ اسرائیل کی تحقیق:

اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کا لقب ہے جس کے معنی عبرانی میں **صَفْوَۃُ اللّٰہ** ''اللہ کا چنا ہوا، اللہ کا برگزیدہ'' یا عبداللہ ''اللہ کا بندہ'' ہے (ا) (بیضاوی ص۶۸، خازن و نسفی ج۱ص۴۵، حقانی پارہ الم ص۱۰۸، کاندھلویؒ ج۱ص۱۶۴) یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا تھا۔ یہودیوں کو

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہوئے گذشتہ واقعات اس طرح سچے اور صحیح کیسے بیان فرمادیتے؟ اب بنی اسرائیل کے گزرے ہوئے واقعات بلا کم وکاست بیان ہو رہے ہیں تا کہ یہ لوگ ان واقعات کو اپنی کتابوں کے موافق پا کر حضور علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہوں (تفسیر نعیمی ج۱ص۳۰۷)

**اقول** جی ہاں مقصد یہ ہے کہ لوگ اس بات کے قائل ہوں کہ ان واقعات کا علم آپ کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اس لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں مولانا عاشق الٰہیؒ فرماتے ہیں: ان نعمتوں کا تذکرہ آپ کی نبوت کے دلائل سے ہے آپ نے کہیں پڑھا نہ تھا اہل کتاب کی صحبت نہ اٹھائی تھی (انوار البیان ج۱ص۷۵) اور یہ مقصد نہ تھا کہ لوگ اس بات کے قائل ہوں کہ آپ ﷺ حاضر ناظر ہیں ان واقعات کو دیکھ کر سناتے ہیں۔ الغرض ان واقعات کے بیان سے نبوت پر استدلال عقیدۂ حاضر وناظر کی نفی کرتا ہے۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ نے اہل مکہ کی ایذاؤں کا تذکرہ بھی نہ کیا یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی ایذاؤں کی شکایت والد سے نہ کی (تفسیر نعیمی ج۱ص۳۰۸)

**اقول** واقعی ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جیسے دیگر کمالات میں سب سے بڑھ کر تھے معاف کرنے میں بھی سب پر فائق تھے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا پھر سستے داموں بیچ دیا مگر اللہ نے بھائیوں کے اس ظلم کو یوسف علیہ السلام کیلئے مصر کی بادشاہت کا ذریعہ بنا دیا جبکہ مکہ والوں نے سالہا سال آپ علیہ السلام کو اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیتیں دیں حتیٰ کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ مکہ چھوڑ گئے مگر اہل مکہ حبشہ اور مدینہ میں بھی مسلمانوں کو سکون سے نہ رہنے دیا، بدر احد خندق کی لڑائیاں لڑیں جن میں آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور بہت سے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہوئے اور زخم تو بہت سوں کو لگے پھر یوسف علیہ السلام کے بھائی اگر مصر گئے تو غلہ لینے کیلئے ضرورت مند بن کر گئے۔ فتح مکہ کیلئے صحابہ کرامؓ اہل مکہ کی دعوت پر نہیں لڑنے کے ارادے سے نکلے تھے ہاں اللہ کی مہربانی پھر آپؐ کی حکمت عملی سے مکہ بغیر لڑائی کے فتح ہوگیا۔ فتح مکہ کے بعد نہ صرف آپ نے اُن جانی دشمنوں کو معاف کر دیا بلکہ صحابہؓ سے بھی معاف کروا دیا کسی صحابیؓ نے فتح کے بعد سابقہ جرائم کا بدلہ نہ لیا۔ حالانکہ اس وقت مشرکین مکہ میں مسلمانوں کے قریب ترین رشتے داروں کے قاتل موجود تھے ☆ حضرت یوسف علیہ السلام نے دس بھائیوں کو معاف کیا آپ نے پوری قوم کو معاف کیا اور کروایا۔

☆ مفتی احمد یار خان دیوبندیوں کا ایک اعتراض نقل کرتے ہیں:

کہ خدا کے سوا کسی سے خوف نہ کرنا چاہئے پھر تم ولیوں نبیوں ولیوں سے کیوں خوف کرتے ہو (تفسیر نعیمی ج۱ص۳۱۴)

**اقول** تم پہ یہ اعتراض نہیں اعتراض یہ ہے کہ تم گیارہویں، تیجا ساتواں وغیرہ کی آمدنی کے بند ہونے سے ڈرتے ہو۔ اس لئے سچی بات تمہارے منہ سے نکلتی نہیں۔

۱) محمد علی لاہوری لکھتا ہے: اسرائیل عبرانی ہے **اسر** بمعنی **عبد** ہے......اور ایل، اللہ کا نام ہے اسی نام سے اللہ تعالیٰ کو حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر پکارا، پس اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ یا اللہ کا بندہ ہوئے اور یہ حضرت یعقوب کا دوسرا نام ہے (مرزائی بیان القرآن ج۱ص۳۴ح۶۱)

**اقول** [ا] دیکھا اس مرزائی نے چپکے سے اپنا کفریہ نظریہ لکھ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تا کہ پڑھنے والا سمجھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کا قرآن میں ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وما قتلوہ وما صلبوہ**۔ اس لئے عام مسلمان کیلئے ایسے لوگوں کی کتابوں کا مطالعہ بہت خطرناک ہے۔

☆ اس آیت کے تحت مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

(باقی آگے)

اس لفظ سے خطاب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے باپ کی طرح اللہ کے بندے بن جاؤ جیسے کہا جائے یَا ابْنَ الْعَالِمِ اطْلُبُ الْعِلْمَ (ابن کثیر ج ۱ص ۸۳)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو بائبل کے بیان کے مطابق ان کو ان کی بہادری کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ تورات میں آتا ہے کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا (پیدائش باب ۳۲ آیت ۲۸) عبرانی کی لغت ANALYTICAL HEBREW AND DHALDEC میں لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لقب کے علاوہ ان کی نسل پر (بھی) یہ لفظ بولا جاتا ہے یعنی کبھی بنی اسرائیل کو خالی اسرائیل بھی کہہ دیتے ہیں (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ص ۳۵۰)

**اقول** اس نے یہاں بائبل سے ایک گستاخانہ جھوٹا واقعہ نقل کرکے اس پر تنقید نہ کی ارے یہ تو بتا کہ بھلا کوئی خدا تعالیٰ پہ غالب آسکتا ہے؟

☆ مرزا محمود قادیانی ہی لکھتا ہے:

عربی اسرائیل کا عبرانی تلفظ یسرائیل ہے اور یہ مرکب ہے یسرا اور ایل سے یسر کے معنی جنگجو بہادر سپاہی اور ایل کے معنی ہیں خدا۔ پس یسرائیل کے معنی ہوئے خدا کا بہادر سپاہی عربی زبان کے لحاظ سے یہ لفظ اسر اور ایل سے مرکب ہے...... چنانچہ لکھا ہے: **معناہ صفوۃ اللہ وقیل عبد اللہ**...... بعض لوگوں نے اس کے معنی **سری اللہ** کے کئے ہیں (تاج) سری کے معنی عربی زبان میں صاحب شرف ومروت اور فیاض کے یا معزز شریف سردار کے ہیں لیکن HEBREW AND ENGLISH LAXICON OF THE OLD TESTAMENT میں اس کی بات کی تصریح کردی گئی ہے کہ **یسو** کے حقیقی معنی **سوی** کے نہیں ہاں سے ملتا جلتا مفہوم ہے اصل بات یہ ہے کہ یسر چونکہ جنگجو بہادر کو کہتے ہیں الخ (مرزائی کبیر ج ۱ص ۳۵۰ تا ۳۵۲)

**اقول** [۱] دیکھا آپ نے کہ اس کی کوشش ہے کہ بائبل میں ذکر کردہ جھوٹے گستاخانہ واقعہ کو سچا ہی ثابت کرے۔

[۲] امین احسن اصلاحی صاحب کہتے ہیں کہ ان کے استاذ محترم عبرانی زبان سے واقف تھے۔ اس بارے میں ان کا بیان ملاحظہ فرمائیں اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے یہودی علماء اس کے معنی بطل اللہ کے بتاتے ہیں یہ معنی لینے میں غالباً اس روایت کو بڑا دخل ہوگا جو یہود نے تورات میں حضرت یعقوبؑ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کشتی لڑنے کی داخل کررکھی ہے۔

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی...... عبرانی زبان سے بھی واقف تھے ان کی تحقیق میں یہ لفظ دو جزوں سے مرکب ہے اسر، اور ایل۔ اسر کے معنی ان کی تحقیق میں بندہ کے ہیں اور ایل عبرانی میں اللہ کے معنی میں مشہور ہی ہے اس طرح مولانا کے نزدیک اسرائیل کے معنی عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ کے ہوئے۔

یہود نے اسرائیل کی وجہ تسمیہ معین کرنے میں جس قسم کی ذہانت دکھائی اسی قسم کی ذہانت انہوں نے یعقوبؑ کی وجہ تسمیہ معین کرنے میں بھی دکھائی ہے ان کے نزدیک یعقوبؑ کا نام یعقوب اس لئے ہوا کہ وہ اپنے بڑے بھائی عیسو کی ایڑیاں پکڑے پیدا ہوئے (۱) استاذ امام کے ہاں اس کی توجیہ بھی یہود کی توجیہ سے بالکل مختلف (باقی آگے)

---

۱) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں بائبل اور بائبل کو ماننے والوں کی کچھ عبارات بھی دکھادی جائیں

ایک مستند عیسائی مصنف ایس ایف خیر اللہ لکھتا ہے: اسرائیل: بائبل میں لفظ "اسرائیل" مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے (الف۔ اضحاق کے بیٹے یعقوب کے لئے، ب۔ اس کی اولاد یعنی عبرانیوں کیلئے ج۔ شمال کے دس قبیلوں کیلئے جن میں افرائیم پیش پیش تھا...... خدا نے ابرہام کے پوتے یعقوب کو بہت سے بیٹے بخشے مزید براں ۱۹۰۹ ق م کے قریب یعقوب کی فلسطین میں واپسی پر خدا اس کے ساتھ کشتی لڑکر اسے اس سطح پر لے آیا جہاں وہ مکمل تابع فرمانی کے لئے تیار تھا (پیدائش ۳۲: ۲۵، ہوسیع ۱۲: ۴) یوں جب یعقوب نے خدا کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی زندگی اس کے سپرد کردی تو اسے فتح حاصل ہوئی اور خدا نے اس کا نام بدل کر اسرائیل (عبرانی یسرا ایل) رکھا جس کا مطلب ہے: اس نے خدا کے ساتھ زور آزمائی کی (اور غالب رہا) (پیدائش ۳۲: ۲۸؛ ۳۵: ۱۰) (قاموس الکتاب ص ۷۹) یہی مصنف لکھتا ہے:

یعقوب اپنے توأم بھائی عیسو کی ایڑی (عبرانی عقب) پکڑے ہوئے تھا (پیدائش ۲۵: ۲۶) پس جو نام اسے دیا گیا، اس کا مطلب تھا "وہ پکڑتا ہے"۔ یا ایک سے زیادہ تفسیر کے مطابق "وہ پکڑتا ہے"...... یعقوب (چالاکی سے دوسرے کی جگہ لینے والے) نے اپنے بڑے بھائی کی بھوک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے پلوٹھے کا حق حاصل کرلیا تھا نیز اس نے دھوکے سے وہ برکات خود حاصل کرلیں جو دستور کے مطابق پلوٹھے بیٹے کو دی جانی چاہیے تھیں (قاموس الکتاب ص ۱۲۲۳) (باقی آگے)

**نکتہ:** اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میری نعمت کو یاد کرو جبکہ اس امت سے کہا : **فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ** اس میں امتِ مسلمہ کی خاص فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا تعلق محسن ومنعم سے بلاواسطہ ہے، یہ محسن کو پہچان کر احسان کو پہچانتے ہیں بخلاف دوسری امتوں کے کہ وہ احسانات کے ذریعہ محسن کو پہچانتے ہیں (معارف القرآن ج ۱ص ۲۰۶۔ از قرطبی)

<u>یہودی مدینہ میں کب سے آئے؟</u>

مولانا عاشق الٰہی بلندی شہریؒ عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار اور معجم البلدان للحمویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

یہودی علماء توریت شریف میں رسول اللہ ﷺ کی صفات پڑھتے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی جس میں کھجوریں ہوں گی اور

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہے وہ قرآن مجید کے اشارات کی روشنی میں حضرت یعقوبؑ کے یعقوب نام پانے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسحاقؑ کے بعد ان کے پیدا ہونے کی بشارت بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سنادی تھی (تدبر قرآن ج ۱ص ۱۷۶)

☆ اس آیت کے تحت مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

آدم علیہ السلام کی مثال دے کر یہ بتایا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ کوئی نیا دعویٰ نہیں بلکہ جب بشر کی عقل مکمل ہوئی اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر الہام نازل کیا تھا اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب شروع میں الہام نازل کر دیا تو پھر اور الہام کی کیا ضرورت ہے کیا وہ الہام کافی نہیں یہ سوال عام ہے اور اکثر نبوت کے مخالف بلکہ پرانے مذہب کے مدعیان بھی یہ اعتراض کرتے چلے آتے ہیں مخالفین نبوت کے اعتراض کی غرض تو صرف نبوت میں شک پیدا کرنا ہوتی ہے وہ اس اعتراض سے صرف یہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ موجودہ مدعی غلطی پر ثابت ہوگا سابق کا کوئی دعویدار اور نائب موجود ہی نہیں کہ اس کی اطاعت کا سوال ہو لیکن جو مذاہب قدیم ہیں ان کی غرض اس سوال سے یہ ہوتی ہے کہ ہمارے مذہب کی موجودگی میں اور کسی نبی کی ضرورت نہیں اس سوال کا دو طرح جواب دیا جاسکتا ہے ایک اس طرح کہ عقلاً نبوت کی ضرورت ثابت کی جائے دوسرے اس طرح کہ واقعات کی شہادت سے ثابت کر دیا جائے کہ نبوت آدم علیہ السلام کے بعد بھی جاری رہی۔ قرآن کریم نے نبوت کے اجراء کی ضرورت کو عقلی طور پر کئی دوسرے مقامات پر ثابت کیا ہے الخ (مرزائی کبیر ج ۱ص ۳۵۴)

**اقول:** [۱] اس کے جواب میں تین چیزوں کی ضرورت ہے ایک عقلی دلائل سے نبوت کی ضرورت کا ثبوت، دوسرے نسخ کے امکان کا ثبوت، تیسرے آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے کا ثبوت تا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت بھی ثابت ہو، اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ اب نجات کا دارومدار فقط آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے اور آپؐ کی (باقی آگے)

---

(بقیہ حاشیہ در حاشیہ) اب بائبل کی کچھ عبارات ملاحظہ ہوں۔ بائبل میں ایک مقام پر ہے:

اور جب اس کے وضع حمل کے دن پورے ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں توأم ہیں اور پہلا جو پیدا ہوا تو سرخ تھا اور اوپر سے ایسا جیسے پشمینہ اور انہوں نے اس کا نام عیسو رکھا اس کے بعد اس کا بھائی پیدا ہوا اور اس کا ہاتھ عیسو کی ایڑھی کو پکڑے ہوئے تھا، اور اس کا نام یعقوب رکھا گیا [حاشیہ میں ہے: عبرا ایڑھی پکڑنے والا (پیدائش ۲۵: ۲۴ تا ۲۶)

خداوند کا یہوداہ کے ساتھ بھی جھگڑا ہے اور یعقوب کی روش کے مطابق اس کو سزا دے گا اور اس کے اعمال کے موافق اس کو جزا دے گا۔ اس نے رحم میں اپنے بھائی کی ایڑی پکڑی اور وہ اپنی توانائی کے ایام میں خدا سے کشتی لڑا (ہوسیع ۲: ۳: ۴،۳) بائبل ہی میں ایک مقام پر ہے:

اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی کرتا رہا جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں ہوتا تو اس کی ران کو اندر سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اس کے ساتھ کشتی کرنے میں چڑھ گئی اور اس نے کہا مجھے جانے دے کیونکہ پو پھٹ چلی۔ یعقوب نے کہا کہ جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہ دوں گا تب اس نے اس سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا یعقوب۔ اس نے کہا تیرا نام آئندہ کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا تب یعقوب نے اس سے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں تو مجھے اپنا نام بتا دے۔ اس نے کہا تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے اور اس نے اسے وہاں برکت دی اور یعقوب نے اس جگہ کا نام فنی ایل رکھا اور کہا کہ میں نے خدا کو روبرو دیکھا تو بھی میری جان بچی رہی (پیدائش ۳۲: ۲۴ تا ۳۰) ''فنی ایل' عبرانی، اس کا معنی ہے خدا کا چہرہ خدا کا دیدار (قاموس الکتاب ص ۷۸۶) حاشیہ در حاشیہ پورا ہوا۔

وہ دو پتھریلی زمینوں کے درمیان واقع ہوگا لہٰذا وہ شام سے آئے اور اس صفت کے شہر کی تلاش میں نکلے تا کہ اس شہر میں جا کر رہیں اور مبعوث ہونے والے نبی پر ایمان لائیں اور ان کا اتباع کریں جب مدینہ منورہ آئے وہاں کھجوریں دیکھیں تو سمجھ گئے کہ یہی وہ شہر ہے جس کی تلاش میں ہم نکلے ہیں اور پھر وہیں رہنے لگے (انوار البیان ج ۱ ص ۳۴۷) محمد علی لاہوری کہتا ہے: اغلب یہ ہے کہ نبی آخر الزمان کی پیشگوئیوں کی بنا پر انہوں نے یہاں سکونت اختیار کی (مرزائی بیان القرآن ج ۱ ص ۳۴ ح ۶۱)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی اتباع میں ہے حضرت نانوتویؒ نے حجۃ الاسلام اور مباحثہ شاہجہانپور وغیرہ میں ان سب امور کو نہ صرف ثابت کیا بلکہ غیروں سے بھی منوایا۔ مگر مرزائی ایسے مضامین کبھی بیان نہ کریں گے کیونکہ نبی ﷺ کے صادق و امین ہونے سے مرزا قادیانی کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جاتا ہے؛ کیونکہ پھر آپ دعوائے نبوت ہی میں سچے نہیں ٹھہرتے بلکہ ختم نبوت کے دعویٰ میں اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر میں بھی آپ سچے ثابت ہوتے ہیں [۴] مرزا محمود نے حسب سابق یہاں بھی آدم علیہ السلام کو پہلا انسان نہیں مانا بلکہ کہتا ہے آدم علیہ السلام پہ بشر کی عقل مکمل ہوئی حالانکہ قرآن حدیث اور اجماع امت سے آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں اس لئے وہ ابوالبشر ہیں [۲] پھر اس نے یہ نہ کہا کہ نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہوگئی آپ کے بعد کسی کو منصب نبوت نہ ملا ہے نہ ملے گا بلکہ اس نے قرآن سے نبوت کے جاری رہنے کی طرف اشارہ دیا تا کہ اپنے باپ مرزا مسیح کے لئے مسلمانوں کے ذہن کو خراب کرے۔ **یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک۔**

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے:

سلسلۂ نبوت کی ایک کڑی جس کے بغیر ان پہلے نبیوں کی تکمیل نہیں ہوسکتی بنو اسماعیل میں ایک نبی کا وجود بھی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے یہ خبر دی گئی تھی کہ بنو اسماعیل میں بھی ایک نبی ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد کے نبیوں نے اس نبی کی آمد کی مزید وضاحت کی تھی پس ان انبیاء کی وحی کو بطور شہادت پیش کرنے میں دو فائدے ہیں ایک تو وحی کے اجراء کا ثبوت دوسرے اس امر کا ثبوت کہ اس سلسلۂ نبوت کے بعد وحی الٰہی کا بنو اسماعیل کی طرف منتقل ہونا لازمی اور ضروری تھا پس وحی نبوت کا اجراء ہی ثابت نہیں بلکہ اس کا آخری زمانہ کے مورد کا بنو اسماعیل اور عرب میں ہونا بھی ضروری تھا۔

چنانچہ اس دلیل کو بیان کرنے کیلئے اس رکوع سے بنو اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس امر کی سچی گواہی دو کہ خدا تعالیٰ کا الہام دنیا میں ہمیشہ نازل ہوتا رہا ہے اور تم بھی اس کے مہبط رہے ہو بلکہ یہ بھی کہ تمہاری کتب میں یہ بھی موجود ہے کہ ایک دن وحی الٰہی کا سلسلہ تم سے ہٹ کر تمہارے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہو جائے گا (مرزائی کبیر ج ۱ ص ۳۵۴)

**اقول** [۱] مرزا محمود کا یہ کہنا کہ نبوت بنی اسرائیل سے ہٹ جائے گی اس کے اپنے عقیدے کے خلاف ہے کیونکہ اس کا باپ مرزا قادیانی نبوت و رسالت کا بھی مدعی ہے [دیکھئے خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۶] اور اسرائیلی ہونے کا بھی [ایضاً ج ۱۸ ص ۲۱۶] [۲] اس نے صحیح تفسیر سے گریز کیا نیز نبوت کے ہونے کا تو ذکر کیا، نبوت کے ختم ہونے کا ذکر نہ کیا، یعنی یہ تو ذکر کیا کہ نبوت بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہوگی مگر یہ نہ کہا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت نہ ملے گا کیونکہ مرزا محمود اپنے باپ کو نبی مانتا ہے۔

☆ ''نِعْمَتِیَ'' کے تحت مرزا محمود عنوان باندھتا ہے کہ: یہ نعمت کیا ہے؟...... اس کے تحت لکھتا ہے:

**جعلکم ملوکا** سے یہ مراد نہیں کہ تم کو گزشتہ زمانہ میں بادشاہ بنایا گیا تھا بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ تم کو بادشاہ بنانے کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور چونکہ ساری آیت میں مضمون کا ایک ہی سلسلہ پیش کیا گیا ہے **اذ جعل فیکم انبیاء** بھی خدا تعالیٰ کے آئندہ وعدے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس میں سابق انبیاء کا ذکر نہیں اور مطلب اس قول کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اس وعدہ کو یاد کرو جو اس نے تم سے کیا ہے کہ وہ تم میں سے کثرت سے نبی بنائے گا اور تم کو بادشاہ بنائے گا اور تم کو وہ کچھ دے گا جو کسی قوم کو نہیں دیا گیا گویا سابق شوکت کا ذکر نہیں بلکہ آئندہ ملنے والی شوکت کا ذکر ہے اور ماضی کے الفاظ حتمی وعدہ کے لحاظ سے استعمال کئے گئے ہیں...... پس سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت میں جس نبوت اور بادشاہت کے دیئے جانے کا ذکر ہے وہی موعود بادشاہت اور نبوت ہے...... **لا ینال عهدی الظالمین** ...... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی کی نسبت بھی اس وعدہ کی توسیع کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے مشروط وعدہ فرمایا یعنی وعدہ کیا کہ تمہاری اولاد میں سے بعض اس عہد سے حصہ پائیں گے مگر حصہ پانے والے وہی ہوں گے جو قوی ظلم کے ذریعہ سے اپنے آپ کو محروم نہ کر چکے ہوں۔

**واوفوا بعهدی اوف بعهدکم** اس جملہ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ گو آخری قوم جس میں الہام کا سلسلہ دیر تک جاری رہا بنی اسرائیل کی قوم (باقی آگے)

۴) آنحضرت ﷺ کی عظمت کا اظہار:

بنی اسرائیل کو دعوتِ ایمان دینے میں نبی ﷺ کی عظمت کا اظہار بھی ہے کہ بڑے سے بڑے پڑھے لکھے بھی آپؐ کی اطاعت سے بے نیاز نہیں آخرت کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تھی لیکن ان سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ مشروط تھا جب تک بنی اسرائیل اس وعدہ کے مستحق رہے اللہ تعالیٰ اپنے عہد کو پورا کرتا رہا لیکن جب بنی اسرائیل کلی طور پر اس عہد کے انعامات کے ناقابل ہوگئے تو لازماً وہ عہد دوسری طرف منتقل ہوگیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا گیا تھا اس کا ذکر آچکا ہے وہ وعدہ یہ تھا کہ ان کی اولاد میں بھی نبی ہوں گے مگر جب ان کی اولاد کا کوئی حصہ ظالم ہوجائے گا تو پھر وہ اس عہد کا مستحق نہ رہے گا اور عہد اولاد کے دوسرے حصہ کی طرف منتقل ہوجائے گا (مرزائی کبیر ص۳۵۹ کالم۲ تا ص۳۶۲ کالم۱)

**اقول** موسیٰ علیہ السلام نے جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے کہا تھا: **يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ (20) يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ** (المائدۃ:۲۰، ۲۱) اس میں ماضی میں تین نعمتوں کے ملنے کی صراحت ہے قوم میں انبیاء کا ہونا، ملوک کا ہونا، ان کے علاوہ ایسی نعمتیں جو اوروں کو نہ ملیں مثلاً من وسلویٰ کا اترنا ان نعمتوں کے ذکر کے بعد آپؑ نے بنی اسرائیل کو ارضِ مقدسہ میں داخل ہونے کی ترغیب دی اگر یہ نعمتیں بعد میں ملنی ہوتیں تو کہا جاتا کہ جب تم داخل ہوگے تب یہ نعمتیں ملیں گی [۲] بنی اسرائیل میں انبیاء کا ہونا تو واضح ہے جیسے حضرت یوسف حضرت موسیٰ حضرت ہارون علیہم السلام رہی بادشاہت تو جب فرعون سے آزادی پا کر وہ گویا بادشاہ بن گئے۔ ابن کثیرؒ اس کے تحت لکھتے ہیں:

**قال تعالى: (وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ) أي: كلما هلك نبي قام فيكم نبي، من لدن أبيكم إبراهيم إلى من بعده. وكذلك كانوا، لا يزال فيهم الأنبياء يدعون إلى الله ويحذرون نقمته، حتى ختموا بعيسى بن مريم عليه السلام، ثم أوحى الله إلى خاتم الرسل والأنبياء على الإطلاق محمد بن عبد الله، المنسوب إلى إسماعيل بن إبراهيم، عليه السلام، وهو أشرف من كل من تقدمه منهم ﷺ وقوله: (وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا) قال عبد الرزاق، عن الثوري، عن منصور، عن الحكم أو غيره، عن ابن عباس، في قوله: (وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا) قال: الخادم والمرأة والبيت الخ** (تفسیر ابن کثیر ج ص) علاوہ ازیں دو نبی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ان میں اس وقت بھی موجود تھے تو محض مستقبل میں انبیاء کے ذکر کا کیا مقصد؟ ہاں اگر یہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا ہوتا کہ اگر تم نے جہاد کیا تو تم کو نبوت و بادشاہت ملے گی تو اس قسم کی بات سمجھ آتی مگر موسیٰؑ نے ایسے نہیں کہا۔

☆ مرزا محمود قادیانی ہی لکھتا ہے:

بنی اسرائیل جو خدا تعالیٰ سے عہد باندھنے کے لئے اپنے خیموں سے نکل کر دامن کوہ میں کھڑے تھے ڈر گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہم اس کلام کو نہیں سنتے۔ تو خدا سے سن کر ہمیں سنا دیا کر ہم ڈرتے ہیں کہ اس کلام کو سن کر کہیں مر نہ جائیں (خروج باب۲۰ آیت۱۹) اس پر خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے اچھا کہا ہے جب تک یہ احکام پر کاربند ہوں گے برکت پائیں گے لیکن آئندہ جب کوئی نبی تیری مانند کھڑا کیا جائے گا (یعنی صاحب شریعت ہوگا) تو وہ ان کے بھائیوں میں سے ہوگا (یعنی ان میں سے نہ ہوگا) گو حضرت موسیٰ نے کہا کہ تم میں سے تمہارے بھائیوں میں سے نبی کھڑا کیا جائے گا (استثناء باب۱۸ آیت۱۵) [میرے پاس بائبل کا نیا کمپوز شدہ جو نسخہ ہے اس میں استثناء ۱۸:۱۵ آیت یوں ہے: خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا۔ راقم] لیکن اول تو یہ خدا تعالیٰ کے اس کلام کے خلاف ہے جو اس نے موسیٰؑ سے کیا کیونکہ اس میں ''تم میں سے'' کے الفاظ نہیں بلکہ صرف یہی ہے کہ تمہارے بھائیوں سے دوم یہ فقرہ ہی بے معنی ہے......سوم بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے نبی کھڑا کیا جانا تو سزا کے طور پر تھا اگر انہیں میں سے نبی ہو تو سزا نہیں رہتی جیسا کہ استثناء باب۱۸ آیت۱۶ میں لکھا ہے: اس سب کی مانند جو تو نے خداوند اپنے خدا سے حورب میں مجمع کے دن مانگا اور کہا کہ ایسا نہ ہو کہ میں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں اور ایسی شدت کی آگ میں پھر دیکھوں تا کہ میں مر نہ جاؤں'' پھر لکھا ہے ''اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا (آیت۱۷، ۱۸) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل نے خدا کا کلام سننے سے انکار کر دیا جو کلام کہ شریعت کے متعلق تھا تو آئندہ خدا تعالیٰ نے ان کے لئے شریعت کا دروازہ بند کر دیا اور کہا کہ جب ایسے نبی کی ضرورت ہوگی (باقی آگے)

نجات اب آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی فرمانبرداری ہی میں ہے۔ پھر بنی اسرائیل کو اس انداز سے خطاب کیا جس سے ظاہر ہو کہ یہ دعوت نئی نہیں بلکہ تورات میں لئے ہوئے عہد کی یاد دہانی ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جو موسیٰ کی مانند ہو تو وہ ان کے بھائیوں میں سے کھڑا کیا جائے گا (مرزائی کبیرج اص ۳۶۳ کالم ۲ تا ص ۳۶۴ کالم ۲)

اقول [۲] قرآن پاک میں ہے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے سروں پر پہاڑ بلند کر دیا گیا (البقرۃ:۶۳) مگر مرزا محمود نے اس کے خلاف بائبل کی بات کو ذکر کیا، اور اس کی تردید نہ کی [۴] بیشک موسیٰ علیہ السلام بھی صاحب شریعت نبی آنحضرت ﷺ بھی صاحب شریعت مگر مرزا محمود کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد تشریعی نبوت بند ہوئی غیر تشریعی نبوت جاری ہے (دیکھئے مباحثہ راولپنڈی ص ۱۷۶) اور یہ نرا کفر ہے اس لئے کہ نبی ﷺ کے بعد ہر قسم کی نبوت بند ہے علاوہ ازیں نبوت ہوتی ہی تشریعی ہے کیونکہ جو نبوت کا دعوی کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے ماننا ضروری ہے میرے مانے بغیر نجات نہیں اور یہ شریعت کے احکام پر ایک بہت بڑے حکم کا اضافہ ہوتا ہے۔

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے:

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے...... مذکورہ بالا موسوی عہد کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے فرماتا ہے **ورحمتی وسعت کل شیء...... أولئک هم المفلحون** ...... وہ ضرور کامیاب ہوں گے یعنی باوجود غیر عرب ہونے کے ان برکات سے حصہ پائیں گے جو عرب کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی جماعت سے وابستہ ہیں کیونکہ وہ کسی ایک قوم کا نبی نہیں بلکہ سب دنیا کا نبی ہے...... اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے متعلق جو وعدہ کیا تھا، اس کا زمانہ اس موعود نبی کی بعثت تک تھا اس کی بعثت کے بعد یہ شرط تھی کہ اگر بنی اسرائیل اس نبی کو مانیں گے تو انعام پائیں گے ورنہ سزا پائیں گے (مرزائی کبیرج اص ۳۶۴ کالم ۱ تا ص ۳۶۵ کالم ۱)

اقول مگر اس مضمون کا سورۃ البقرۃ کی اس آیت کے کیا تعلق؟ اس آیت میں تو سب انبیاء پر اور بالخصوص آخری نبی ﷺ پر ایمان لانے کے عہد کا ذکر ہے نہ کہ بنی اسرائیل میں نبوت کے پائے جانے کا کیونکہ یہ آیت آخری نبی کے زمانے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح تفسیر کو چھوڑ کر مرزا محمود خدا جانے بات کو کیوں الجھا رہا ہے؟

☆ مرزا محمود ہی لکھتا ہے:

اس جگہ دو شبہات پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ بنی اسرائیل نے اور بہت سے نبیوں کا انکار کیا عہد تو اسی وقت ہی ٹوٹ چکا تھا پھر محمد رسول اللہ ﷺ سے اس پیشگوئی کا خاص تعلق کیونکر ہوا؟ دوسرے جب بنی اسرائیل میں نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو **اوفوا بعهدی اوف بعهدکم** کیوں کہا؟ بنی اسرائیل کے توبہ کر لینے سے اب نبوت تو ان میں واپس نہیں جا سکتی؟ پہلے کا جواب یہ ہے کہ پہلے انبیاء کا انکار عارضی تھا ان کے حالات اور الہام ان کی مقدس کتابوں میں شامل ہو گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی بنی اسرائیل ہی اول ایمان لائے "بنی اسرائیل کا وہ حصہ جو ان پر ایمان لایا اس عہد کے تسلسل کو قائم رکھنے والا تھا اور اگر وہ اپنے عہد کو قائم رکھتا تو نبوت کا انعام پھر بھی ان کو ملتا لیکن انہوں نے اس عہد کو قائم نہ رکھا اور نبوت دوسری طرف منتقل ہو گئی...... دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ گو محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے اسرائیلی نبیوں کا تسلسل ٹوٹ گیا اور بنی اسرائیل کے محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے وہ تسلسل پھر پہلی شکل پر قائم نہ ہو سکتا تھا لیکن پھر بھی **اوفوا بعهدی اوف بعهدکم** کے تحت بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ کی رحمتوں کا سلسلہ جاری رہ سکتا تھا...... **لاکلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم** ...... [المائدۃ:۶۶۔ راقم] تو وہ اپنے اوپر سے بھی کھاتے یعنی روحانی غذا کے دروازے ان کے اوپر کھولے جاتے اور آسمانی الہام ان پر نازل ہوتا وہ اپنے قدموں کے نیچے سے کھاتے یعنی مادی انعامات بھی ان پر نازل ہوتے...... اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ تورات وانجیل کے ماننے والے اگر ان کی تعلیم کو مانتے ہوئے اس کلام کو جو آخری زمانہ میں ان کی ہدایت کیلئے نازل کیا گیا ہے مان لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے الہام اور رزق طیب کا دروازہ کھول دے گا پس گو نبوت حسب پیشگوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے نکل کر بنی اسماعیل میں آگئی لیکن پھر بھی اگر بنی اسرائیل اپنے عہد کو پورا کرنے میں لگ جائیں تو ان کیلئے خدا تعالیٰ اپنے عہد کو پورا کرنے کیلئے تیار ہے (مرزائی کبیرج اص ۳۶۵ کالم نمبر ۱، تا ص ۳۶۷ کالم نمبر ۱ ملخصا)

اقول [۱] اس مضمون کا سورۃ البقرۃ کی اس آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں تو سب انبیاء پر اور بالخصوص نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کے عہد کا ذکر ہے اور اس پر وعدہ جنت میں داخلے کا ہے۔ اور اس پر ایسے کوئی سوال وارد نہیں ہوتے [۲] سورۃ المائدہ کی آیت میں ایمان لانے پر وسعت رزق کا وعدہ (باقی آگے)

۴) <u>قرآن پاک نے سب پر حجت پوری کردی:</u>

قرآن کریم نے یہودیوں کو نرمی سے بھی سمجھایا سختی سے بھی، انعام کا وعدہ بھی کیا عذاب کی وعید بھی سنائی، ان کے بڑوں کی بداعمالیوں کا بھی ذکر کیا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو حیرت کی کوئی بات نہیں ان کو مخلص نہ سمجھنا، ان کی عادت ہی ایسی ہے۔ اگر یہ تورات سے آخری نبی کی نشانیاں نہیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہے (جلالین ص ۱۴۹) نہ کہ الہام کا مگر مرزا محمود کا مقصد اپنے باپ کیلئے راہ ہموار کرنا ہے جو الہام کا بھی مدعی تھا اور اسرائیلی ہونے کا بھی چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''خدا نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی یعنی دونوں خونوں سے حصہ رکھتا ہوں'' (خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۶) مگر اس مغل بچہ کے پاس اپنے نبی ہونے کیلئے اور اپنے اسرائیلی اور فاطمی ہونے کیلئے سوائے الہام کے دلیل بھی کوئی نہیں۔ تو جیسے وہ دعوائے نبوت میں جھوٹا ہے فاطمی اور اسرائیلی ہونے کے دعوے میں بھی کذاب ہی ہے

☆ مرزا محمود کہتا ہے:

استثناء باب ۱۸ کی پیشگوئی کی طرف اشارہ کرنے کیلئے اس آیت [یعنی سورۃ المائدۃ:۶۶] میں ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ بنی اسرائیل کو ایمان لانے کی ہدایت کے بعد یہ آیت رکھی گئی کہ اے رسول! جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے سارا کا سارا پہنچا دے [یعنی المائدہ: ۶۷۔ راقم] اور یہی الفاظ استثناء کی پیشگوئی کے آخر میں ہیں کیونکہ وہاں لکھا ہے: اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا (باب ۱۸ آیت ۱۸) (مرزائی کبیر ج ۱ ص ۷۶۳ کالم ۱)

**اقول** اول تو آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس نے سورۃ المائدۃ آیت ۶۶ کی تفسیر درست نہ کی دوسرے آنحضرت ﷺ کی کامل تبلیغ سے اسے کیا حاصل؟ آنحضرت ﷺ نے جو نبوت کے ختم ہونے کا اعلان کیا، اللہ کی طرف سے کیا، آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی جو خبر دی وہ بھی اللہ کے کہنے سے دی۔ آپ نے حضرت مریمؑ کے پاکدامن ہونے عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے اور ان کے معجزات کی جو خبر دی سب اللہ کی طرف سے تھیں مگر مرزائیو تم ان سب کے منکر ہو، آنحضرت کی باتوں کا انکار کرنے میں تم نے یہودیوں والا کردار کیوں اپنا لیا؟

## <u>﴿بائبل پر پنڈت کے اعتراضات کا جائزہ﴾</u>

بائبل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے جو واقعات مذکور ہیں ہندو پنڈت دیانند سرسوتی نے ان پر اعتراضات کئے ان میں جو اعتراضات قابل جواب ہوں گے ان کا جواب دیا جائے گا۔ ان کو لانے کا ایک مقصد عیسائیوں کو سمجھانا ہے کہ اسلام پر اعتراض کرنے کے بجائے ہندوؤں کے اعتراضات کا فکر کریں مسلمان تثلیث یا کفارہ پر تو اعتراض کرتے ہیں لیکن حضرت مریم، حضرت عیسیٰ یا انبیاء سابقین علیہم السلام کا تو ادب ہی کرتے ہیں۔

☆ <u>پنڈت کا پہلا اعتراض:</u>

بائبل میں ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اپنے بڑے بیٹے ''عیسو'' کو برکت کی خاص دعا دینا چاہتے تھے عیسو سے کہا کہ شکار کر کے مجھے اس کا گوشت کھلا میں تجھے دعا دوں حضرت اسحاق کی بیوی چاہتی تھی کہ وہ دعا دوسرے بیٹے یعقوب کو ملے اس نے حضرت اسحاق کے لئے لذیذ کھانا پکایا حضرت یعقوب کو عیسو کی نفیس پوشاکیں پہنائیں عیسو کے بدن پر بال تھے اس لئے یعقوب کے ہاتھ اور گردن پر بکری کی کھال لپیٹ دی یعقوب نے کھانا پیش کیا اور دعا کی درخواست کی اسحاق نے کہا تو تو یعقوب معلوم ہوتا ہے مگر اس نے کہا میں عیسو ہوں اس نے جسم کو ٹٹولا جسم پر بال تھے اس نے یعقوب کو عیسو سمجھ کر برکت کی دعا کر دی۔ عیسائیوں کی مستند لغات بائبل میں ہے: اسحاق...... اپنی آخری عمر میں وہ اندھا ہو گیا [یا نظر کمزور ہو گئی تھی۔ راقم] وہ عیسو کو برکت دینا چاہتا تھا مگر ربقہ کے کہنے پر یعقوب نے اس سے دھوکے سے برکت حاصل کر لی (پیدائش ۲۷: ۱-۲۹) (قاموس الکتاب ص ۸۶ نیز دیکھئے ص ۱۲۲۳) بہر حال بائبل اور قاموس الکتاب میں مذکور اس واقعہ کو ذکر کر کے پنڈت کہتا ہے:

تعجب ہے کس جھوٹ اور مکر و فریب کی برکت سے اولیاء اور پیغمبر بن جاتے ہیں (ستیارتھ پرکاش ص ۶۵۹ سطر ۱۱، ۱۲)

**اقول** اعتراض درست ہے مگر یہودیوں عیسائیوں پر نہ کہ اسلام پر۔ قرآن تو کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب دس سال کے بعد فرعون کے پاس گئے اور فرعون نے ایک قبطی کے قتل کا ذکر کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکار نہ کیا بلکہ فوراً اقرار کیا اور کہا کہ ایسا غلطی سے ہو گیا تھا (الشعراء: ۱۹، ۲۰) حالانکہ واقعہ دس سال پرانا تھا فرعون یا اس کا کوئی درباری اس کا عینی شاہد نہ تھا۔ جس اسرائیلی کے سامنے قبطی کو مکا مارا تھا اس کے سوا کوئی گواہ نہ تھا، اور اتنے عرصے میں وہ قبطی شاید مر چکا ہو یا فرعون نے اسے مروا دیا ہو۔ اور اگر اتنے عرصے کے بعد گواہ گواہی دے ہی دے تو قاتل کہہ سکتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے اس نے مارا ہو گا مجھے کیا پتہ؟ کیونکہ گواہ تو اور کوئی ہے نہیں اور اتنی دیر مر دے (باقی آگے)

بتاتے یا ایسی نشانیاں بتاتے ہیں جن کی رو سے آنحضرت ﷺ آخری نبی نہ ہوں تو گھبرائیں نہیں یہ لوگ اپنی کتب میں تحریف کے بھی عادی ہیں اور خود لکھ کر اسے خدا کا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سنبھالے بھی نہیں جاتے کہ قاتل کے آنے پر مردے کا پوسٹ مارٹم ہو سکے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے بات کو الجھایا نہیں صاف اقرار کر کے پھر اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ دھوکے سے نبوتیں لینے والے تو یوں صاف گو نہیں ہو سکتے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی بائبل کی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ روایت اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت زیادہ ناقابل اعتماد ہے اور اس میں جو اخلاقی زندگی پیش کی گئی ہے وہ تورات کی دوسری محرف روایات کی طرح انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاندان کے شایان شان بھی نہیں ہے (قصص القرآن ج ۱ ص ۲۵۲)

**تنبیہ** بائبل کے ایسے واقعات کو کتب تفسیر میں جگہ نہیں دینی چاہئے۔ ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اعتقاد رکھیں کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد سے اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی۔

**فائدہ** حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کے ساتھ حضرت یعقوب کی جو خوشخبری سنائی گئی اس سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کا نبی ہونا سمجھ آتا ہے کیونکہ اگر محض پوتے کی خوشخبری دینی تھی تو پھر بڑے بیٹے کی دینی چاہئے تھی اور بائبل کے مطابق یعقوب علیہ السلام سے پہلے عیسو کی پیدائش ہوئی مگر خوشخبری عیسو کی نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی دی گئی۔ فرمایا: وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود:۷۱) اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے تھا کہ یعقوب علیہ السلام کو مستقبل میں نبوت ملے اور خوشخبری میں بھی یہ بتانا مقصد تھا۔

ایک جگہ فرمایا: وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ (سورۃ ص:۴۵) دیکھو اس میں تینوں پیغمبروں کیلئے ایک جیسی صفات بتائی ہیں جبکہ بائبل کے مطابق یعقوب حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہم السلام جیسے نہیں بلکہ معاذ اللہ جھوٹے اور خائن تھے۔ ایک جگہ فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (الانعام:۸۴) اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو باقی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ محسنین سے فرمایا جبکہ بائبل حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں کچھ اور ہی نظریہ دیتی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ سورۃ الانعام کی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

**يذكر تعالى أنه وهب لإبراهيم إسحاق، بعد أن طعن في السن، وأيس هو وامرأته "سارة "من الولد، فجاءه الملائكة وهم ذاهبون إلى قوم لوط، فبشروهما بإسحاق، فتعجبت المرأة من ذلك، و: قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ☆ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ [ہود:۷۲،۷۳]، وبشروه مع وجوده بنبوته، وبأن له نسلا وعقبا، كما قال: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ [الصافات:۱۱۲]، وهذا أكمل في البشارة، وأعظم في النعمة، وقال: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ [ہود:۷۱] أي :ويولد لهذا المولود ولد في حياتكما، فتقر أعينكما به كما قرت بوالده ، فإن الفرح بولد الولد شديد لبقاء النسل والعقب، ولما كان ولد الشيخ والشيخة قد يتوهم أنه لا يعقب لضعفه ، وقعت البشارة به وبولده باسم "يعقوب" ، الذي فيه اشتقاق العقب والذرية، وكان هذا مجازاة لإبراهيم عليه السلام، حين اعتزل قومه وتركهم، ونزح عنهم وهاجر من بلادهم ذاهبا إلى عبادة الله في الأرض، فعوضه الله، عز وجل، عن قومه وعشيرته بأولاد صالحين من صلبه على دينه، لتقر بهم عينه كما قال تعالى: فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا [مريم:۴۹]، وقال هاهنا: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا** (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۵) خط کشیدہ عبارت سے یہ سمجھ آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جیسے ان کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کے نبی ہونے کی بشارت دی گئی اسی طرح ان کو حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے نبی ہونے کی بھی بشارت دی گئی۔

☆ پنڈت کا دوسرا اعتراض:

بائبل کی کتاب پیدائش باب ۲۸ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک پتھر سر کے نیچے رکھ کر سو گئے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا، بیدار (باقی آگے)

حکم بھی بتا دیتے ہیں۔اس لئے ان کی طرف نہ دیکھو اپنی آخرت کا فکر کرو نبی ﷺ کی اعلیٰ تعلیمات ،آپ کا اعلیٰ کردار اور آپ کے معجزات کسی سے مخفی نہیں اس لئے ایمان قبول کرنے میں دیر نہ کرو۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ) ہوئے تو اس پتھر کو کھڑا کیا اور کہنے لگے یہاں اللہ کا گھر ہوگا،اس واقعہ کو ذکر کرکے پنڈت کہتا ہے

دیکھو جنگلیوں کے کام۔انہوں نے پتھر پوجے اور پجوائے اسی مقام کو مسلمان لوگ بیت المقدس کہتے ہیں۔کیا یہی پتھر خدا کا گھر ہے صرف اسی پتھر میں خدا رہتا ہے؟واہ جی واہ،عیسائی لوگو اسب سے بڑے بت پرست تو تم ہی ہو۔(ستیارتھ پرکاش ص۶۵۹ سطر ۱۶ تا ۱۸)

اقول [۱] عیسائیوں کا کفر و شرک مسلم،حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی طرف منسوب تصویر کا ادب اور ان سے استعانت کا کفر و شرک ہونا بھی مسلم،مگر بیت المقدس اور دیگر مساجد کی تعظیم اللہ کے حکم سے ہے۔[۲] اس جگہ کو بیت اللہ کہہ کر اللہ کی طرف نسبت کرنا تشریف یعنی عزت کیلئے ہے نہ کہ خدا کے وہاں رہنے کی وجہ سے۔مگر تعصب سے پنڈت کی عقل ہی الٹی ہوگئی تو بات کیا سمجھ آئے [۳] یہ پتھر جو رکھا اس کی عبادت مقصود نہ تھی بلکہ جائے پرستش کا پتھر تھا تجھے فرق نظر نہ آئے تو کیا کریں اس لئے کہ اگر پہلے پتھر کو بدل کر دوسرے کو لائیں تو وہی جگہ بیت المقدس ہے۔اور اللہ نے مسلمانوں کو جب بیت المقدس کی طرف رخ کرنے سے منع کر دیا تو مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہوگیا ثابت ہوا کہ مسلمان جب بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے معبود اس وقت بھی اللہ تھا اور جب بیت اللہ کی طرف رخ کرنے لگے تو معبود پھر بھی اللہ ہی ہے۔

☆ <u>پنڈت کا تیسرا اعتراض:</u>

بائبل میں ایک جگہ ہے اور خدا نے راخل [حضرت یعقوبؑ کی بیوی۔راقم] کو یاد کیا،اور خدا نے اس کی سن کر اس کے رحم کو کھولا اور وہ حاملہ ہوئی(پیدائش ۳۰:۲۲،۲۳) اس کو نقل کرکے پنڈت لکھتا ہے:

واہ انجیلی خدا تو تو عجیب ڈاکٹر ہے عورتوں کے رحم کو کھولنے کے کون سے اوزار اور دوائیاں رکھتا ہے کہ جن سے کھولا یہ تمام باتیں اندھا دندھ ہیں(ستیارتھ پرکاش ص۶۵۹ سطر ۲۱،۲۲)

اقول [۱] مطلب یہ ہے کہ اس کے عقم کو دور کر دیا مگر تیرا تعصب دور ہو تو تجھے یہ باتیں سمجھ آئیں [۲] معلوم ہوتا ہے کہ تیرے ہاں ڈاکٹروں کی قدرت زیادہ ہے جو اوزاروں کے ساتھ وہ کچھ کرسکتے ہیں جو خدا نہیں کرسکتا۔

☆ <u>پنڈت کا چوتھا اعتراض:</u>

بائبل میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیوی راخل نے اپنے باپ کے بت چرا لئے وہ غضب ناک ہوکر آیا تو خواب میں اللہ کا دیدار ہوا اللہ تعالیٰ نے اسے یعقوب کے ساتھ لڑنے سے روک دیا(پیدائش باب ۳۱) پنڈت دیانند سرسوتی اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ہزاروں آدمیوں کو خواب میں آیا ان کے ساتھ باتیں کیں بیداری میں ہو بہو ملا۔کھاتا پیتا آتا جاتا رہا۔اس قسم کی باتیں بائبل میں لکھی ہیں لیکن اب نہیں معلوم کہ وہ ہے یا نہیں کیونکہ اب کسی کو خواب یا بیداری میں بھی خدا نہیں ملتا......انجیلی خدا بھی پتھر کو ہی معبود مانتا ہے ورنہ معبودوں کو چرانا کیوں لکھا؟(ستیارتھ پرکاش ص۶۶۰ سطر ۱ تا ۵)

اقول جہاں تک بت چرانے کی بات ہے اس کے عیسائی ہی ذمہ دار ہیں،رہا خدا کا وجود سو وہ ازلی ابدی ہے اس پر کوئی زوال نہیں **اللہ الصمد** اللہ بے نیاز ہے،کھانے پینے کا محتاج نہیں فرمایا: **وَھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ** (الانعام:۱۴) اگر بائبل میں اللہ تعالیٰ کو کھانے پینے والا کہا گیا تو یقیناً باطل ہے۔رہا خواب میں دیدار خداوندی تو خواب میں اُس کا دیدار خوش نصیب لوگوں کو اب بھی ہو جاتا ہے لیکن نبوت کا سلسلہ بند ہے آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں دلائل مباحثہ شاہجہانپور انتصار الاسلام اور قبلہ نما میں دیکھ لیجئے۔

☆ <u>پنڈت کا پانچواں اعتراض:</u>

بائبل میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک جگہ فرشتے ملے تو کہنے لگے یہ خدا کا لشکر ہے(پیدائش ۳۲:۱،۲) اس پر تنقید کرتے ہوئے پنڈت کہتا ہے:

اب انجیلی خدا کے انسان ہونے میں کچھ بھی شک نہ رہا کیونکہ لشکر بھی رکھتا ہے(ستیارتھ پرکاش ص۶۶۰ سطر ۸)

اقول ساری مخلوق اللہ کی ہے جس سے جو کام چاہے لے لے ارشاد فرمایا: **وما یعلم جنود ربک الا ھو** [المدثر:۳۱] وہ رب الافواج ہے خالق الاسلحہ ہے(باقی آگے)

ایسی صاف صاف باتیں یہودیوں سے کسی نے نہ کی تھیں۔ یہودیوں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی ان کے اس قسم کے راز کوئی کھولے گا اور وہ بھی اتنی جرأت سے۔ مگر چونکہ باتیں بالکل صحیح تھیں اس لئے یہودی ان کو رد بھی نہ کر سکے۔ اس طرح لوگوں کے دلوں سے ان کی عظمت جاتی رہی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہاں تمہارے ہاں خدا پچھلے جنم کے اعمال کی جزا سزا دینے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن بے بس اتنا ہے کہ ایک تنکے کو بھی وجود نہیں دے سکتا۔ ظالم اتنا ہے کہ مادے اور ارواح کو اپنی مرضی کے تابع کر کے رکھتا ہے حالانکہ وہ ان کا نہ خالق ہے نہ مالک۔

☆ **پنڈت کا چھٹا اعتراض:**

بائبل سے یعقوب علیہ السلام کی کشتی کے گستاخانہ واقعہ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اُس پر تبصرہ کرتے ہوئے پنڈت کہتا ہے:

جب بائبلی خدا اکھاڑہ کا پہلوان ہے تب ہی تو سرہ اور راخل پر بیٹا ہونے کی رحمت کی [طنزیہ الزام۔ راقم] بھلا کبھی ایسا خدا خدا ہو سکتا ہے؟ اور تماشہ دیکھئے کہ ایک شخص اپنا نام پوچھے تو دوسرا اپنا نام ہی نہ بتلاوے اور خدا نے اس کی نس چڑھا تو دی اور جان بچادی لیکن اگر ڈاکٹر ہوتا تو ران کی نس کو اچھا بھی کر دیتا۔ اور ایسے خدا کی عبادت سے جیسا کہ یعقوب لنگڑاتا رہا ویسے ہی اور عابد بھی لنگڑاتے ہی ہوں گے۔ جب تک خدا کا جسم نہ ہو وہ کیونکر ظاہرا نظر آ سکتا، اور کشتی لڑ سکتا ہے؟ یہ صرف لڑکوں کا کھیل ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۶۶۰،۶۶۱)

**اقول** بائبل کا دفاع یا یہود ونصاریٰ کریں یا مرزا محمود جس نے اسرائیل کی وجہ تسمیہ میں اس واقعہ کو ذکر کیا، اور اس کا رد نہیں کیا (دیکھئے تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۵۰) البتہ دیدارِ خداوندی کے امکان کو ثابت کرنا ہمارے ذمہ ہے سو یاد رہے جیسے خدا کا سمیع بصیر ہونا بندوں کی طرح نہیں ایسا ہی اس کا دیدار ہونا بھی بندوں کی طرح نہیں۔ امکان کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ مومن کے دل میں دیدار کا شوق ہے کیونکہ اگر دیدار ممکن نہ ہوتا اس کی چاہت بھی نہ ہو دیکھئے حمل سے بچنے کیلئے عورتیں مانع حمل گولیاں کھاتی ہیں کیونکہ عورتوں کو حمل کا امکان ہوتا ہے مگر مرد تو مانع حمل گولیاں نہیں کھاتا کیونکہ مرد کو حمل کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس سے دیدارِ خداوندی کا امکان ثابت ہوا، رہا آخرت میں دیدار کا وقوع، تو اس کا ثبوت اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت دلائل سے ثابت ہے جب آپ کی نبوت ثابت ہوگئی تو آپ کے کہنے سے آخرت میں دیدارِ خداوندی کو ماننا ہوگا۔

**تنبیہ** اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے کشتی کرنا، اور بندے کا کشتی میں جیت جانا ایسا مہمل نظریہ ہے جس کا باطل ہونا اتنا بدیہی ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں قرآن کریم سے اس کا رد چاہئے تو دیکھئے سورۃ بنی اسرائیل کی آخر میں فرمایا: "**وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا**" اس کے تحت شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: یعنی ساری خوبیاں اور تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی ہر صفت وکمال میں یگانہ ہے اور ہر قسم کے عیب وقصور اور نقص وفتور سے بکلی منزہ ہے۔ اس کی ذات میں کسی قسم کی کمزوری نہیں جس کی تلافی کے لئے دوسرے کی حاجت پڑے۔ دوسرے سے مدد لینے میں تین احتمال ہو سکتے تھے چھوٹے سے مدد لی جائے جیسے باپ اولاد سے لیتا ہے، یا مساوی سے جیسے ایک شریک کو دوسرے شریک سے مدد پہنچتی ہے یا بڑے سے جس طرح کمزور آدمی ذلت ومصیبت کے وقت بڑے آدمیوں سے مدد لیتے ہیں اس آیت میں تینوں کی نفی کر دی گویا "**لم يتخذ ولدا**" میں پہلے احتمال کی "**لم يكن له شريك في الملك**" میں دوسرے کی اور "**لم يكن له ولي من الذل**" میں تیسرے کی نفی کرنے کے بعد "**كبره تكبيرا**" میں اس کی عظمت وکبریائی کی طرف متوجہ فرمادیا یعنی انسان کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان ودل سے اقرار کرے اور ہر طرح کی کمزوریوں سے رفیع وبرتر سمجھے اور لطف یہ ہے کہ "**لم يتخذ ولدا**" میں نصاریٰ کا "**لم يكن له شريك في الملك**" میں مشرکین کا، اور "**لم يكن له ولي من الذل**" میں ان یہود کا رد ہو گیا جن کے یہاں خدا تعالیٰ کشتی میں یعقوب علیہ السلام کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا (العیاذ باللہ) (عثمانی ص ۳۹۲)

☆ سورۃ الاخلاص کی آخری آیت "**وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ**" ☆ کا ترجمہ ہے: "اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی" حضرت شیخ الاسلام اس کے تحت لکھتے ہیں: جب اس کے جوڑ کا کوئی نہیں تو جورو یا بیٹا کہاں سے ہو؟ اس جملے میں ان اقوام کا رد ہو گیا جو اللہ کی کسی صفت میں کسی مخلوق کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کشتی یعقوب علیہ السلام سے ہو رہی ہے اور یعقوب خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں (العیاذ باللہ) **كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا** (عثمانی ص ۸۰۷)

**۵) <u>مضامین کا خلاصہ:</u>**

سورۃ بقرۃ کی چالیسویں آیت سے شروع ہوکر پندرھویں رکوع میں ایک سوتیئس آیات تک اہل کتاب کو خطاب ہے پہلی سات آیتوں میں یعنی پانچویں رکوع میں اجمالی خطاب ہے۔تین میں دعوتِ ایمان اور چار میں اعمال صالحہ کی تلقین،اس کے بعد تفصیلی خطاب ہے(از معارف القرآن مفتی صاحبؒ ج۱ص ۲۰۵)

اس رکوع میں پہلی بات یہ فرمائی **اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ** (۱) یعنی دنیا میں تمہیں جو عزت ملی ہوئی ہے وہ اللہ کے دینے سے ہے وہ تمہارا ذاتی کمال نہیں اللہ کے اس احسان کو یاد کرو تا کہ تمہارے اندر اللہ کی محبت اور اس کی فرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہو۔

پھر فرمایا: **وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ** (۲) **عَهْدِيْ** سے مراد وہ عہد ہے جس کا سورۃ مائدہ کی آیت ۱۲ میں ذکر ہے: **وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الخ** (۳)

---

۱) مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرنا حکم قرآنی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کو اس کا حکم دیا گیا لہٰذا محفل میلاد شریف بہت مبارک ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہوتا ہے جو کہ سب سے بڑی نعمت ہے دوسری جگہ قرآن پاک فرماتا ہے: **قل بفضل اللّٰه وبرحمته فبذلك فليفرحوا** یعنی اللہ کی رحمت پر خوب خوش رہو۔اسی طرح گیارھویں شریف عرس بزرگان وغیرہ کہ یہ تمام محفلیں ان بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنے اور ان کی سوانح حیات لوگوں کو سنا کر انہیں عبادتوں کی رغبت دینے کیلئے کی جاتی ہیں۔حج قربانی روزے رمضان وغیرہ سب میں اللہ کی نعمتوں کی یاد ہی ہے۔ان یادگاروں کی اصل یہ آیت اور اس جیسی دوسری آیات ہیں۔اگرچہ بعض لوگوں نے ان امور خیر میں بدعات ناچ گانا وغیرہ شامل کردیا مگر اس شمول سے اصل عرس حرام نہ ہوگا جیسے شادیوں میں باجہ گانا بجانا شامل ہونے سے نکاح حرام نہیں یا جیسے کعبہ معظمہ میں بت رکھ دیئے گئے تھے تو کعبہ کو نہیں ڈھایا گیا بلکہ بت نکال دیئے گئے <u>ایسے ہی خدا موقع دے تو ان برائیوں کو دور کردیا جائے گا</u>۔(تفسیر نعیمی ج۱ص ۳۱۲)

**اقول:** [۱] ان سے کھانا پینا،اور شور وغل نکال دیں تو پتہ چل جائے گا کہ تمہیں یادگار منانے کا کتنا شوق ہے؟ کہتا ہے خدا موقع دے تو ان برائیوں کو دور کردیا جائے گا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ برائیوں کو دور کرنا ان کے اختیار میں تھا مگر دور کرتے نہیں [۲] تمہاری نیت برائیاں دور کرنے کی نہیں بڑھانے کی ہے اس لئے برائیاں بڑھتی جارہی ہیں اور بڑھتی جائیں گی پہلے صرف مجلس میلاد تھی پھر جلوس نکلنے لگے گلیاں سجنے لگیں جھنڈیاں لگنے لگیں میوزک چلنے لگے،کیک کاٹے جانے لگے۔سپیشل لباس تیار ہونے لگے۔لڑکیاں سنور کر بے پردہ نکلنے لگیں بعض علاقوں میں اس مہینے میں اعتکاف ہونے لگا۔نمازِ عید پڑھی جانے لگی مہینے کا نام ربیع النور رکھا جانے لگا،اور جو ان خرافات میں شریک نہیں ہوتے ان کو سنانے کہتے ہو:

نثار تیری چہل پہل پہ ہزار عیدیں ربیع الاول سوائے ابلیس کے سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

الغرض دین کا نقشہ ہی بدل دیا گیا۔ان برائیوں کو دور کرو تو بغیر کسی تاریخ کی تعیین کے سیرۃ النبی ﷺ کا ذکر یا بزرگوں کے حالات کا بیان ہی رہ جائے گا،اس کو کوئی ناجائز نہیں کہتا، بلکہ اس کے ثواب ہونے میں کوئی شبہ نہیں (دیکھئے راہِ سنت ص ۱۶۰ تا ص ۱۷۰) [۳] ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ خرافات کو نکالو۔مگر تم ان کو نکالتے نہیں بڑھاتے جارہے ہو اور طعنے بھی دوسروں کو دیتے ہو [۴] مفتی صاحب خرافات کب نکالیں گے؟ وہ تو عرصہ ہوا دنیا سے چلے گئے،جو لوگ ان کو دین کا پیشوا سمجھ کر ان برائیوں میں پڑے اور ان میں اضافے کرتے گئے ان سب کے گناہوں سے بھی مفتی صاحب کو حصہ پہنچ رہا ہے۔ اب پچھتاوا کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

۲) **عهدى، بعهدكم** ۔اس کی دو ترکیبیں ہیں [۱] **عهد** مصدر دونوں میں اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے فاعل دونوں میں محذوف ہے تقدیر ہے **اوفوا بعهدكم اياى اوف بعهدى اياكم** ۔امام نسفیؒ فرماتے ہیں: **(بِعَهْدِى) بما عاهدتمونى عليه من الإيمان بى والطاعة لى، أو من الإيمان بنبى الرحمة والكتاب المعجز (أُوفِ بِعَهْدِكُمْ) بما عاهدتكم عليه من حسن الثواب على حسناتكم . والعهد يضاف إلى المعاهِد والمعاهَد جميعًا** (النسفی ج۱ص ۴۵،۴۶) [۲] پہلے میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے دوسرے میں مفعول کی طرف اور معنی یہ ہے کہ تم وہ عہد پورا کرو جو میں نے تم سے لیا میں وہ عہد پورا کروں گا جو میں نے اپنے فضل وکرم سے تم سے کیا۔امام بیضاویؒ لکھتے ہیں: **(وَاَوْفُوْا بِعَهْدِى) بالإيمان والطاعة (أُوفِ بِعَهْدِكُمْ) بحسن الإثابة والعهد يضاف إلى المعاهِد والمعاهَد، ولعل الأول مضاف إلى الفاعل والثانى إلى المفعول** (بیضاوی ص ۶۸، نیز دیکھئے روح المعانی ج۱ص ۲۴۲)

۳) پوری آیت کریمہ یوں ہے: **وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ج وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ط وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ط لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا** (باقی آگے)

أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ میں عَھْدِکُمْ(ا) سے مراد ہے: لَاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ مگر ایک شرط یہ بھی ہے: وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاؤ گے کیونکہ رُسُلِیْ میں اضافت استغراق کیلئے ہے اس لئے کہ بعض رسولوں کا انکار بھی کفر ہے اور یہ بات آیت ۳۴ کے تحت گزر چکی ہے کہ اضافت کبھی استغراق کیلئے بھی ہوتی ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الْاَنْھٰرُ ج فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (مائدۃ:۱۲) اس آیت میں اَوْفُوْا بِعَھْدِیْ کا مصداق ہے: لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا کہ یہ کام بنی اسرئیل کے ذمہ ہیں، اور اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ کا مصداق ہے: لَاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ۔ اور اِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ کا مصداق ہے: فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ.

**فائدہ** اس عہد کی تائید موجودہ تورات کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

خداوند تیرا خدا آج تجھ کو اِن آئین اور احکام کے ماننے کا حکم دیتا ہے سو تو اپنے سارے دل اور ساری جان سے ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند تیرا خدا ہے اور تو اس کی راہوں پر چلے گا اور اس کے آئین اور فرمان اور احکام کو مانے گا اور اس کی بات سنے گا اور خداوند نے بھی آج کے دن تجھ کو جیسا اُس نے وعدہ کیا تھا اپنی خاص قوم قرار دیا ہے تا کہ تو اُس کے سب حکموں کو مانے اور وہ سب قوموں سے جن کو اس نے پیدا کیا ہے تعریف اور نام اور عزت میں تجھ کو ممتاز کرے (استثناباب ۲۶ آیت ۱۶ تا ۱۸) ایک اور جگہ ہے: اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں میں ان کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا (استثناباب ۱۸ آیت ۱۵ تا ۱۸)

قرآن اللہ کا کلام ہے نبی ﷺ نے اس کو پڑھ کر سنایا اس لئے یہ پیشگوئی نبی ﷺ کے بارے ہی میں ہے۔

بائبل کا دوسرا حصہ جسے عہد نامہ جدید کہتے ہیں اس کے صحیفہ "رسولوں کے اعمال میں" ہے:

"مگر جن باتوں کی خدا نے سب نبیوں کی زبانی پیشتر خبر دی تھی کہ اس کا مسیح دکھ اٹھائے گا وہ اس نے اسی طرح پوری کیں پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تا کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا بلکہ سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا اُن سب نے اِن دِنوں کی خبر دی ہے (اعمال باب ۳: ۱۸ تا ۲۴)

اس عبارت سے پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے بعد ان کے نزول سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک عظیم الشان نبی کا آنا ضروری ہے اور ان کی آمد کی بشارت بہت سے انبیاء علیہم السلام دیتے رہے ہیں اور وہ نبی سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کوئی نہیں پھر آنحضرت ﷺ نے چونکہ ختم نبوت کا اعلان کر دیا اس لئے اب کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ اس میں خط کشیدہ عبارت "اور اس کی بات سنے گا" کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخر الزمان کو تسلیم کرنا ہوگا"۔ نبی ﷺ کے بارے میں تورات و انجیل کی پیشگوئیوں کا بیان ان شاء اللہ آگے بھی آئے گا۔

☆ محمد علی لاہوری کہتا ہے:

بنی اسرائیل کا خدا سے عہد: دونوں عہدوں کا ذکر کتاب استثناء ۲۶: ۱۷، ۱۸، ۱۹ میں ہے "تو نے آج کے دِن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے اور میں اس کی راہوں پر چلوں گا اور اس کی شرعوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا اور اس کی آواز کا شنوا ہوں گا اور خداوند نے بھی آج کے دِن تجھ سے اقرار فرمایا جیسا کہ اس نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو اس کی خاص گروہ ہووے اور تو اس کے سب احکام کی محافظت کرے اور تجھے سارے گروہوں سے جنہیں اس نے پیدا کیا صفت اور عزت اور نام میں بالا کرے" خداوند کی آواز کے شنوا ہونے کا یہ مطلب تھا کہ نبی آخر الزمان کو تسلیم کریں (مرزائی بیان القرآن ج ا ص ۳۴ ح ۶۲)

 **اقول** مگر تسلیم کرنے کا مطلب بھی تو سمجھو آپ ﷺ کو آخری نبی تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے آپ کی کامل تصدیق کرنا اور قرآن و حدیث کا وہی معنی لینا جو (باقی آگے)

☆ پھر ترغیب سے ترہیب کی طرف انتقال کرتے ہوئے فرمایا: وایای فارھبون (۴) کہ خاص مجھ سے ڈرتے رہو اپنے عوام معتقدین سے نہ ڈرو کہ انہیں عقیدت نہ رہے گی تو آمدنی بند ہو جائے گی جن پیشین گوئیوں کا ذکر تمہاری کتابوں میں موجود ہے اس کے مطابق جو رسول آیا ہے اور جو کتاب آئی ہے اس کو بلا کسی خوف اور بلا کسی چوں وچرا کے تسلیم کرو۔ رزق اور عزت کے خزانے اللہ کے پاس ہیں اگر وہ نہ دے تو کوئی دے نہیں سکتا۔ آخری نبی ﷺ بنی اسماعیل میں تشریف لے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) امت مسلمہ لیتی آئی ہے۔ آپ ﷺ کہیں عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو کہتا ہے عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مرزا قادیانی مسیح ہے۔ قرآن سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے ہوئے تو کہتا ہے بن باپ کے نہ ہوئے (بیان القرآن ج اص ۲۱۳) قرآن کریم حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد حضرت زکریا علیہ السلام کو انبیاء میں شمار کرتا ہے تو کہتا ہے وہ نبی نہیں (ایضاً ۲۰۲)۔ تو ہر موقع پر اپنی رائے کو مسلط کرتا ہے تو نے نبی ﷺ کو آخری نبی کیسے مان لیا؟

(۴) اس کی تقدیر ہے: وَاِیَّایَ ارْهَبُوْا فَارْهَبُوْنِیْ یا کو تخفیف کی غرض سے گرا دیا نون وقایہ مکسور کو رہنے دیا، پہلے فعل امر کو گرا دیا کیونکہ دوسرا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے تو رہ گیا: وایای فارھبون. اس میں فا یا عاطفہ ہے یا جزائیہ۔ اگر عاطفہ ہو تو مطلب یا تو یہ ہے کہ ''اور خاص مجھ سے ڈرو پھر مجھ سے ڈرو'' یعنی خاص مجھ سے ہمیشہ ڈرتے رہو، اور اگر فا جزائیہ ہو تو کلام شرط کے معنی کو متضمن ہوگا یعنی فَارْهَبُوْنِ سے پہلے شرط محذوف نکال کر جملہ شرطیہ یوں ہوگا: اِنْ كُنْتُمْ رَاهِبِیْنَ فَارْهَبُوْنِیْ (بیضاوی ص ۶۹) وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ کا حاصل معنی یہی ہوگا: اور خاص مجھ ہی سے تم ڈرتے رہو۔

**فائدہ:** اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں مفعول بہ کے مقدم ہونے کی وجہ سے تخصیص ہوئی اس لئے معنی یہ ہے کہ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں'' مگر وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ میں اس سے زیادہ تخصیص ہے اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ ایک جملہ ہے جبکہ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ دو جملے ہیں: وَاِیَّایَ ارْهَبُوْا فَارْهَبُوْنِیْ تو ڈرنے کا حکم مکرر ہے گویا یوں کہا گیا: اِرْهَبُوْنِیْ رَهْبَةً بَعْدَ رَهْبَةٍ اور یہ بات اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں نہیں ہے (حاشیہ بیضاوی ص ۶۹ طبع مجتبائی)

☆ اس آیت کے تحت مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

آیت اوفوا بعھدی اوف بعھدکم سے یہ استدلال بھی ہوتا ہے کہ امت محمدیہ میں غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بند نہیں وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے فرماتا ہے کہ اگر تم میرا عہد پورا کرو یعنی خدا کی باتوں کو مان لو اور وقت کے نبی محمد رسول اللہ پر ایمان لاؤ تو میں نے جو تم سے عہد کیا تھا وہ میں پھر تم سے پورا کروں گا اور اوپر بتایا جا چکا ہے کہ وہ عہد یہ تھا کہ ان سے نبی پیدا ہوتے رہیں گے پس معلوم ہوا کہ امت محمدیہ میں نبوت کا دروازہ مسدود نہیں صرف شریعت ختم ہوئی ہے ورنہ بے شریعت والے اور قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کے تابع اور خادم نبی اب بھی پیدا ہو سکتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ممکن نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کیا معنی ہوئے کہ اگر اب بھی تم اپنا عہد پورا کرو تو میں تم سے اپنا عہد پورا کروں گا یہ قول اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ امت محمدیہ میں نبوت کا دروازہ کھلا ہو اور بنی اسرائیل میں سے محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اس کا وعدہ دیا جائے۔

یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ بالا پیشگوئی کے مطابق بنی اسرائیل میں آئندہ شرعی نبوت کا دروازہ مسدود ہو چکا تھا اور صرف موسوی شریعت کے تابع نبوت کا دروازہ کھلا تھا کیونکہ استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ میں صاف لکھا تھا کہ شریعت والا نبی آئندہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے یعنی بنو اسماعیل میں سے آئے گا۔ پس محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے بھی ان میں بغیر شریعت کے نبی آتے تھے اور نبوت محمدیہ پر ایمان لانے کے بعد بھی یہ دروازہ ان کے لئے بند نہ تھا پس فرمایا کہ اگر وہ اب بھی اپنے عہد کو پورا کرنے لگو تو اس انعام سے حصہ پا سکتے ہو (مرزائی کبیر ج اص ۳۶۷ کالم ۱،۲)

**اقول:** [۱] دیکھا آپ نے، اس نے گذشتہ صفحات میں جس مقصد کیلئے تمہید باندھی بلکہ جس مقصد کیلئے اس نے تفسیر کے نام سے یہ کتاب لکھی اس کی یہاں تصریح کر رہا ہے۔ مگر اس نے یہ نہ بتایا کہ جب اسلامی شریعت مکمل ہے اور محفوظ بھی ہے تو غیر تشریعی نبی کس مقصد کیلئے آئے گا؟ اور یہ بھی نہ بتایا کہ قبر میں تو نَبِیِّیْ مُحَمَّدٌ ﷺ کہنے سے نجات ملے گی نبی ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کو نبی ماننے سے کیا حاصل جو نہ دنیا میں کسی کام کا نہ آخرت میں؟ ایسے نبی کو بھیجنا کیا یہ خدا کی شان کے خلاف نہیں۔ [۲] رہا ان کا مرزا تو وہ خاندانی طور پر تو مغل تھا اسی لئے مرزا کہلاتا تھا مگر اپنے الہام سے وہ فاطمی بھی ہے اسرائیلی بھی (روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۱۶) فارسی بھی (ایضاً ج ۷ اص ۳۶۵ حاشیہ)، چینی بھی ہے (ایضاً ج ۲۳ ص ۳۳۱)۔ ارے جب تم نے سب کچھ ماننا ہے اور مرزے کے دعووں سے ہی ماننا ہے تو قرآنی آیات میں تحریف معنوی کا گناہ تو نہ کماؤ (باقی آگے)

آئے تو اس میں تمہارا کیا نقصان؟ رب کی ساری نعمتیں تمہارے لئے ہی تو نہیں، رب کے خزانوں کے مالک تم تو نہیں، حسد سے باز آجاؤ، خدا کے انعامات کو یاد کرو اور اپنے اس وعدے کو پورا کرو کہ جب نبی آخر الزمان تشریف لائیں گے تو ان پر ایمان لاؤ گے۔ ورنہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ ان محسنین کی طرح نہیں جو احسان کر کے عاجز ہو جائیں حتیٰ کہ لوگوں نے کہہ دیا: **اِتَّقِ شَرَّ مَنْ اَحْسَنْتَ اِلَيْهِ** ''جس پر تو نے احسان کیا اس کے شر سے بچ'' بلکہ اس کے عذاب سے ڈرنا بھی ضروری ہے۔

---

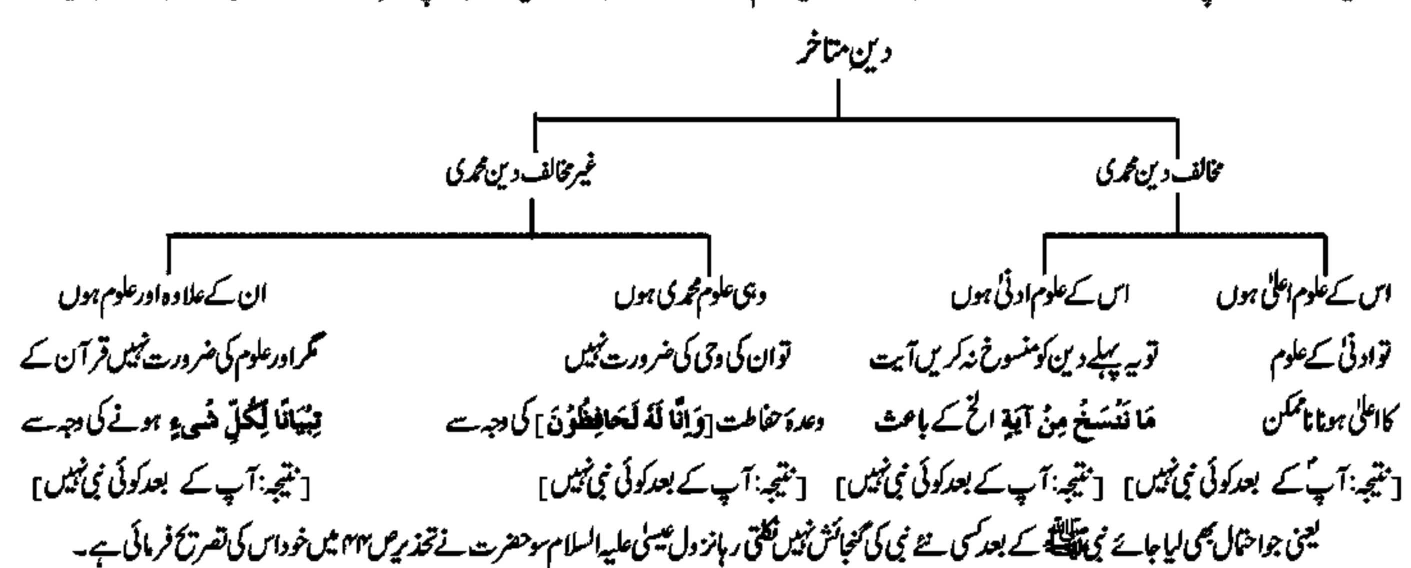
(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سورۃ البقرۃ کی آیت کا مطلب تو یہی ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ میرے نبی پر ایمان لاؤ گے تو میں بخش دوں گا۔ معنی کتنا صاف ہے اور بنی اسرائیل کے ہر فرد کیلئے ہے اور تم نے جو معنی کیا وہ اس زمانے کے کسی اسرائیلی کیلئے نہیں کیونکہ جو یہودی ایمان لائے ان کو نبوت تو نہ ملی۔ اور اگر سب یہودی ایمان لے آتے تو نبوت ان میں سے کسی کو نہ ملتی [۳] چونکہ بنی اسرائیل کی اکثریت ایمان نہ لائی اس لئے مرزا محمود کی اس تفسیر کے مطابق کسی اسرائیلی کو نبوت نہیں ملنی چاہئے دوسری طرف مرزائی کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی اسرائیلی بھی تھا، اور نبی بھی ارے پھر تو عہد بے کار ہو گیا کیونکہ شرط کے بغیر ہی جزا پائی گئی۔

☆ مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے: **وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ** کا ترجمہ اور مجھ (ہی) سے ڈرو پھر (میں کہتا ہوں کہ) مجھ (ہی) سے ڈرو (تفسیر صغیر ص ۱۵، تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۵۰) نیز لکھتا ہے: محذوف کو ظاہر کر کے عبارت یوں ہوگی **وَارْهَبُوْا اِيَّايَ ارْهَبُوْا فَارْهَبُوْنِ** اور ترجمہ یہ ہوگا کہ اور مجھ ہی سے ڈرو، ڈر جاؤ پس مجھ ہی سے ڈرو۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے خوف کو تین دفعہ بیان کیا گیا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۶۷ کالم ۲)

**اقول** یہ بات گزر چکی کہ تقدیر یوں ہے: **وَاِيَّايَ ارْهَبُوْا فَارْهَبُوْنِ**۔ ڈرنے کا ذکر تین مرتبہ نہیں دو مرتبہ ہے حاصل ترجمہ یہی ہے کہ خاص مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ مرزا محمود کے ترجمہ میں بھی ڈرنے کا ذکر تین مرتبہ نہیں۔ مرزا طاہر کا ترجمہ یوں ہے: اور بس مجھ ہی سے ڈرو (ترجمہ مرزا طاہر احمد ص ۱۶) محمد علی لاہوری یوں ترجمہ کرتا ہے: اور مجھ ہی سے ڈرو (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۳۴)

☆ مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے: اور چونکہ آپؐ خاتم النبیین ہونے والے تھے اس لئے ضروری تھا کہ سب دوسرے انبیاء کو جو براہِ راست نبوت کے مقام پر کھڑے ہونے والے تھے پہلے گذرنے دیا جاتا تا آخر میں آپ تشریف لاتے اور شریعت والی اور براہ راست نبوت کا دروازہ مسدود کر دیا جاتا (مرزائی کبیر ج ۱ ص ۳۶۸ کالم ۱)

**اقول** [۱] یہاں مرزا محمود قادیانی نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین تو کہا مگر ختم نبوت کے معنی خراب کئے تا کہ مرزے کیلئے گنجائش نکال لے۔ کہتا ہے کہ براہِ راست نبوت کا دروازہ مسدود کر دیا گیا مطلب یہ کہ اتباع سے نبوت مل سکتی ہے۔ مگر وہ کس کو صرف قادیانی کو، جو اخلاق و کردار میں عام آدمی سے گیا گزرا تھا اور کفریات میں فرعون اور نمرود سے بڑھ کر تھا واقعی اس درجہ کی جھوٹی نبوت کا دعوی ایسے ہی بد کردار کے لائق تھا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ [۲] حضرت نانوتویؒ نے تحذیر الناس کے شروع میں سد باب مذکور کا ذکر کر کے کسی بھی قسم کی نبوت کے جاری ہونے کی نفی کی ہے۔ آپ نے آنحضرت کو سب سے نبی اعلیٰ ثابت کیا پھر فرماتے ہیں جو سب سے اعلیٰ نبی ہوگا عقلی طور پر بھی اس کو سب انبیاء کے بعد ہی آنا ہوگا (تحذیر ص ۵۲، ۵۳)۔ آپ کے اس استدلال کی آسان لفظوں میں وضاحت ''آیات ختم نبوت'' ص ۸۸ میں ملاحظہ کریں اس جگہ آپ حضرتؒ کے استدلال کو جدول میں ملاحظہ فرمائیں۔




یعنی جو احتمال بھی لیا جائے نبی ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کی گنجائش نہیں نکلتی رہا نزول عیسیٰ علیہ السلام سو حضرت نے تحذیر ص ۴۴ میں خود اس کی تصریح فرمائی ہے۔

۶) بنی اسرائیل کو ایمان لانے کی صریح دعوت:

اب اس ایفائے عہد کا مطلب صاف لفظوں میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ (۱) مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (۲) مطلب یہ ہے کہ

---

۱) مولانا سعید احمد دہلویؒ تفسیر کشف الرحمٰن ضمیمہ پارہ الم ص۱۰ میں فرماتے ہیں کہ

بِمَآ اَنْزَلْتُ سے مراد یا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام یا قرآن۔ ارشاد فرمایا: وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ (البقرۃ:۸۹) نیز فرمایا: وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ (البقرۃ:۱۰۱) تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ پہلی کتابوں کو منزل من اللہ تسلیم کرتی ہے اگر چہ ان کے تمام احکام واجب التعمیل نہ ہوں۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ اس آیت کے تحت موضح قرآن میں لکھتے ہیں: توریت میں نشان بتایا تھا کہ جو کوئی نبی اٹھے اگر توریت کو سچا کہے تو جانو وہ سچا ہے نہیں تو جھوٹا ہے۔

**اقول:** بیشک آنحضرت ﷺ توراۃ وانجیل کے مصدق تھے قرآن کو ماننا اور آنحضرت ﷺ کو ماننا لازم ملزوم ہیں مگر لفظ ''اَنْزَلْتُ'' اس کو راجح کرتا ہے کہ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ مرسل ہیں منزل نہیں [مگر قرآن پر آپ کو ماننے بغیر ممکن نہیں] اس کی تائید سوتے وقت کی اس مسنون دعا سے بھی ہوتی ہے: اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ ، وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ ، رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ ، لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ ، اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ ، وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ (بخاری ج۲ص۹۳۴) واللہ اعلم۔

۲) اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان تفسیر نعیمی ج۱ص۳۱۵ میں لکھتے ہیں:

خیال رہے کہ مدعی گواہ کے سچے ہونے کا بھی قائل ہوتا ہے اور باخبر ہونے کا بھی کہ ان دونوں کے بغیر گواہی درست نہیں آج جو لوگ حضور کو سچا تو مانتے ہیں مگر عالم کل نہیں مانتے وہ اپنا قیامت والا مقدمہ کمزور کر رہے ہیں حضور رب کے سامنے ہمارے ایمان واعمال کے بھی گواہ ہیں **ویکون الرسول علیکم شھیدا۔**

**اقول:** [۱] قیامت کے دن آپ ﷺ صحابہؓ کے حق میں گواہی دیں گے کیونکہ صحابہ آپ کے دیکھے ہوئے آزمائے ہوئے ہیں اور صحابہ کرامؓ تابعینؒ کے حق میں۔ اسی طرح صحابہ کرام قرآن کریم کے بتانے سے پہلی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے یہ مطلب ہے **لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا** کا، اگر آپ ﷺ حاضر ناظر ہوں آپ سے کچھ پوشیدہ نہ ہو تو نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا؟ تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ (ہود:۴۹) [۲] ہم آنحضرت ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ اللہ کی طرف سے پہنچایا بالکل برحق ہے ہم ان کے کہنے سے قبر کے ثواب وعذاب کو مانتے ہیں قیامت کے دن زندہ ہونے کو حساب کتاب کو، نامۂ اعمال کے تقسیم ہونے کو، میزان صراط جنت دوزخ وغیرہ سب حقائق کو آپؐ کے کہنے سے مانتے ہیں، آپؐ کے کہنے سے ہم آپ کو اللہ کا آخری نبی بھی مانتے ہیں آپؐ کے کہنے سے ہم قیامت سے قبل نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بھی قائل ہیں اور آپ کے کہنے سے ہی ہم اس کو بھی مانتے ہیں کہ علم غیب اللہ ہی کی شان ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو عالم الغیب کہنے میں ہم آپ ﷺ کی تکذیب مانتے ہیں۔ لگتا ہے کہ تیری عقل پر پردہ پڑ گیا جو تو نبی ﷺ کی صریح تکذیب ہی کو عین ایمان سمجھے ہوئے ہے۔ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ ۔ آمین [۳] گواہ کیلئے عالم کل ہونا ضروری نہیں جس چیز کو گواہی دینی ہو گواہ کیلئے اس کا علم ضروری ہے نہ کہ ہر ہر چیز کا علم، دیکھئے کسی نکاح کا کیس اگر عدالت میں چلا جائے تو نکاح کے گواہ اسی پر گواہی دیں گے کہ ان کی موجودگی میں نکاح ہوا دلہن یا اس کے وکیل کی طرف سے ایجاب اور دولہا یا اس کے وکیل سے طرف سے قبول گواہوں نے سنا ہے۔ نکاح کے گواہ خواہ بریلوی ہی کیوں نہ ہوں دنیا جہان کے ذرے ذرے کے جاننے والے تو نہیں ہوتے۔ اس لئے قیامت دن آنحضرت ﷺ کے گواہی دینے سے آپ کا عالم الغیب ہونا بھی لازم نہیں آتا۔

☆ مفتی احمد یار خان ہی لکھتے ہیں:

جو آدمی اپنا پرانا دین چھوڑ کر مسلمان ہو اس کو چاہئے کہ اس دین کے خاص الفاظ کو چھوڑ دے (تفسیر عزیزی) لہٰذا مسلمان ہو کر رب کو بھگوان مت کہو اور اپنے شرکیہ نام بھی بدل ڈالو (تفسیر نعیمی ج۱ص۳۱۶)

**اقول:** کچھ شرکیہ نام کی نشاندہی بھی تو کر، یہ تو بتا کہ عطاء المصطفیٰ، عبد المصطفیٰ کہیں شرکیہ نام تو نہیں یا ان میں ایہام شرک تو نہیں۔

☆ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: علماء دیوبند ان بدنصیبوں کو اپنے کفر کا یقین ہو چکا ہے مگر عار کے مقابلے میں نار قبول کرتے ہیں (باقی آگے)

قرآن پر ایمان لانا عام آدمی کیلئے تو اس لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی بے مثال کتاب ہے پھر جو اس کو پڑھ کر سناتے ہیں یعنی جن پر وہ نازل ہوتی ہے وہ اپنے اخلاق کردار اور معجزات کے پیش نظر واقعی خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ مگر اے بنی اسرائیل اس قرآن پر ایمان لانا، اور حضرت محمد ﷺ کو خدا کا رسول اور آخری نبی ماننا تمہیں زیادہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چوتھا فرقہ وہ قاضی اور مفتی جو کہ رقم لے کر حکم شرع بدل دیتے ہیں جیسے آج کل پنجاب کے دیوبندی جو روپیہ لے کر کچہری کے تنسخ نکاح پر دوسرا نکاح پڑھا دیتے ہیں (تفسیر نعیمی ج ا ص ۳۱۷)

اقول [۱] منکوحہ کا کسی اور سے نکاح پڑھا دینا علمائے دیوبند پر صریح الزام ہے۔ صدر ایوب نے عائلی قوانین میں شریعت سے تجاوز کیا تو علماء دیوبند نے اس کے خلاف آواز اٹھائی مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے صاحبزادے مفتی تقی عثمانی صاحب سے کتاب لکھوائی اور ساری سن کر اس کی تصدیق فرمائی وہ کتاب ''ہمارے عائلی مسائل'' کے نام سے مکتبہ دار الاشاعت سے چھپی۔ غیر مقلد تین طلاق کو ایک کرتے ہیں علماء دیوبند اس کے بھی خلاف ہیں کسی غیر ذمہ دار نے کوئی ناجائز نکاح پڑھا دیا ہو تو ہم پر حجت نہیں [۲] عجیب بات ہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ کے خلاف غیر اللہ کیلئے علم غیب کا عقیدہ تو رکھے اور کافر دیوبندی ہو جائیں۔ ارے دیوبندیوں نے تو وہی بات کہی جو قرآن نے کہی۔ خلاف قرآن حاضر ناظر کا عقیدہ رکھے تو اور کافر ہو جائیں دیوبندی۔ خدا تعالیٰ کے ہاں ایسی اندھیر نگری ہرگز نہیں [۳] حضرت نانوتویؒ چلا چلا کر کہیں کہ آنحضرت ﷺ کیلئے خاتمیت زمانی بھی ہے خاتمیت رتبی بھی ہے خاتمیت مکانی بھی تو کہے وہ خاتمیت زمانی کے منکر ہو گئے ارے وہ تو خاتمیت زمانی کے منکر کو کافر کہتے ہیں اور تو کہتا ہے کہ انہیں اپنے کفر کا یقین ہو گیا [۴] تمہارے اعلیٰ حضرت نے خود ہی ایک فتویٰ بنایا خود ہی اس کی نسبت حضرت گنگوہیؒ کی طرف کر دی اور خود ہی شور کر دیا کہ گنگوہی صاحب کافر ہو گئے۔ ارے جس نے نہ ایسا فتویٰ لکھا نہ وہ اس پر راضی ہوا وہ کافر کیسے؟ ہاں جس نے کفریہ فتویٰ بنا کر دوسرے کی طرف منسوب کیا، اس کے ذمہ اس فتویٰ کے بنانے کا بھی گناہ، اور کفر کو دوسرے کی طرف منسوب کرنے کا بھی گناہ، لگتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ ارشاد باری یاد نہیں: وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (النساء:۱۱۲) سورۃ النساء کی یہ آیت نہ منسوخ ہے نہ اس کے عموم سے جناب احمد رضا خان بریلوی اور اس کو اعلیٰ حضرت کہنے والے مستثنیٰ ہیں۔

## ﴿محمد علی لاہوری کے بارے میں﴾

☆ اس آیت کے تحت محمد علی لاہوری اپنی تفسیر کی جلد ا ص ۳۵ حاشیہ ۶۳ میں لکھتا ہے:

قرآن کریم ہی ایک کتاب ہے جس نے نہ صرف انبیائے بنی اسرائیل کو سچا قرار دیا بلکہ تمام دنیا کے انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیا **مصدقا لما معکم** کے ایک اور معنی ابن جریر میں مروی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیاں ان کے پاس تھیں پس آپ کے ظہور سے ان پیشگوئیوں کی تصدیق ہوئی ورنہ ان کے غلط ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ تھا

اقول [۱] قرآن جس طرح سب سچے نبیوں پر ایمان ضروری قرار دیتا ہے اسی طرح سب جھوٹے مدعیان نبوت سے بیزاری کا اعلان بھی کرتا ہے [دیکھئے سورۃ الانعام: ۹۳] اور کوئی شک نہیں کہ مرزا قادیانی خود کو عیسیٰ علیہ السلام کہہ کر نبوت کا جھوٹا دعویدار قرار پاتا ہے اگرچہ لاہوری مرزائی جان چھڑانے کیلئے کہیں کہ مرزے نے دعوائے نبوت نہیں کیا [۲] آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے جن پیشگوئیوں کی تصدیق ہوئی ان میں سے ایک کتاب ''رسولوں کے اعمال'' باب ۳ کی وہ پیشگوئی بھی تو ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول کے درمیان ایک عظیم الشان نبی کی آمد مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء بھی درست ہے اور قیامت کے قریب نزول من السماء بھی اور یہ بات قرآن، حدیث اور اجماع امت کے عین مطابق ہے مگر مرزائی لاہوری ہوں یا قادیانی اس کا انکار کر کے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں۔

☆ محمد علی لاہوری ہی لکھتا ہے:

مثیل موسیٰ کی پیشگوئی: مثال کے طور پر خود حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئی کو لو' میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا (استثناء ۱۸:۱۸) اب موسیٰ جیسا ایک نبی آنا اس پیشگوئی کی رو سے ضروری ہے مگر عجیب بات ہے کہ بنی اسرائیل کے کسی نبی نے موسیٰؑ کی مثل نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی بنی اسرائیل کا کوئی نبی موسیٰؑ جیسا ہونے کا دعویٰ کر سکتا تھا کیونکہ وہ سب ایک رنگ میں حضرت موسیٰؑ کے خلفاء تھے۔

حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے زمانہ تک تین نبیوں کا انتظار: یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک برابر یہودیوں کو اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا انتظار چلا آتا تھا چنانچہ حضرت یحییٰؑ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تو مسیح ہے؟ اس نے کہا نہیں پھر دریافت کیا کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ (باقی آگے)

ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم تمہاری کتاب کی کئی طرح تصدیق کرتا ہے مثلاً تمہاری کتابوں میں پیشگوئی ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر دریافت کیا کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ یہاں ''وہ نبی'' پر تمام بائبلوں میں استثناء ۱۸:۱۸ کا حوالہ موجود ہے یعنی مثیل موسیٰ نبی (یوحنا ۱:۲۱) اب ظاہر ہے کہ اس وقت تک یہودیوں کو تین نبیوں کی انتظار تھی ان میں سے حضرت یحییٰ کو الیاس کی آمد کا مصداق خود حضرت عیسیٰ ؑ نے قرار دیا، اور مسیح ہونے کا خود دعویٰ کیا مگر وہ مثیل موسیٰ نبی ابھی باقی رہ گیا اور حضرت عیسیٰ کے بعد کوئی نبی ہوا نہیں (مرزائی بیان القرآن ج ۱ ص ۳۵ ح ۶۳)

یہی مرزائی سورۃ آل عمران آیت ۳۹ کے تحت اپنی تفسیر کی جلد ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵ حاشیہ ۴۱۴ میں لکھتا ہے:

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں کیلئے کتب سابقہ میں کچھ پیشگوئیاں تھیں حضرت یحییٰ کے متعلق پیشگوئی ان الفاظ میں ملاکی نبی کی کتاب میں تھی ''دیکھو خدا کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں الیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا'' (ملاکی ۴:۵) بظاہر اس پیشگوئی میں الیاس کے آنے کا ذکر ہے اور الیاس کے متعلق یہودیوں کا یہ خیال ہے کہ وہ زندہ آسمان پر چلا گیا ہے اور یہ صرف خیال ہی نہ تھا بلکہ ان کی کتاب میں یہ لفظ بھی تھے کہ ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا'' (۲۔ سلاطین ۲:۱۱) اب جب حضرت مسیح نے دعویٰ کیا تو یہودیوں نے اس پر اعتراض کیا کہ ہماری پیشگوئیوں میں لکھا ہے کہ مسیح سے پیشتر ضروری ہے کہ الیاس آئے چنانچہ شاگردوں نے یہ اعتراض حضرت مسیح کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ ''ایلیاہ تو آچکا اور انہوں نے اس کو نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا''۔ اس کے بعد لکھا ہے۔ ''تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ہم سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے'' (متی ۱۷:۱۲، ۱۳) اور دوسری جگہ اس کی وجہ یوں دی ہے ''اور وہ ایلیاہ کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا'' گویا یحییٰ کی آمد ہی الیاس کی دوبارہ آمد تھی اس لئے کہ وہ <u>اس کا مثیل ہو کر آیا</u> مگر یہودی اس تشریح سے مطمئن نہ ہوئے۔

﴿<u>اقول</u>:﴾ [۱] مرزائی کا مقصد قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ تفسیر کے نام سے اپنے کفریہ نظریات کیلئے ذہن سازی کرنا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے حضرت الیاس علیہ السلام کے نزول کی پیش گوئی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی آمد سے پوری ہوئی تھی اسی طرح نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی مرزا قادیانی علیہ ما علیہ کے آنے سے پوری ہوئی چنانچہ مرزے قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

بنی اسرائیل کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ مسیح کے ظہور سے پہلے حضرت الیاس ؑ کا ظہور ضرور ہوگا جو حضرت مسیح ناصری سے قریباً ساڑھے آٹھ سو سال پہلے گزر چکے ہیں...... <u>جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تو یہود نے صاف انکار کر دیا</u>...... اس کا جواب حضرت مسیح علیہ السلام نے دیا کہ <u>الیاس کے آنے کی جو خبر دی گئی ہے اس سے خود الیاس کا آنا مراد نہیں بلکہ وہ ایک ایسے نبی کی خبر تھی جو الیاس کی خو بو پر اس کا مثیل بن کر آنا تھا</u> اور وہ آچکا اور وہی یحییٰ ہے...... یہ مثال اس بات کو بھی واضح کرتی ہے کہ <u>خدا کے کلام میں جب کسی گزشتہ نبی کے آسمان سے نازل ہونے کی پیشگوئی ہو تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ وہی گزشتہ نبی آسمان کے پردوں کو پھاڑتا ہوا زمین پر اترے گا بلکہ اس سے اس کے کسی مثیل کا اترنا مراد ہوتا ہے</u>...... غرض عیسیٰ بن مریم کے ظاہری نام پر اڑ جانا اور صرف اس نام کی وجہ سے آنے والے مسیح کا انکار کر دینا سخت ہلاکت کی راہ ہے جس سے پرہیز کرنا لازم ہے (تبلیغ ہدایت ص ۵۷، ۵۸) مرزا بشیر احمد کی عبارت پڑھ کر فیصلہ کریں کہ محمد علی لاہوری کیا چاہتا ہے؟

[۲] ساری امت ایسی احادیث میں عیسیٰ بن مریم سے خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مراد لیتی رہی ہے۔ خود قادیانی بھی اس کو مانتا تھا سب مسلمان بلکہ اس کے گھر کے بچے بھی یہ عقیدہ رکھتے تھے (سیرۃ المہدی ج ۱ ص ۲۲، ۲۳) قادیانی کیا بدلا نصوص ہی کو بدلنا شروع کر دیا۔ مرزائیو! تم اس تاویل کے ساتھ امتِ مسلمہ سے خارج تو ہو سکتے ہیں امتِ مسلمہ پر اپنی تاویل کو مسلط نہیں کر سکتے۔

[۳] کہتا ہے کہ یہودی اس سے مطمئن نہیں ہوئے ارے عیسائی بھی اس تشریح سے مطمئن نہیں کیونکہ بائبل میں عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں خاص الیاس علیہ السلام کی آمد بھی مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو الیاس قرار دیا چنانچہ بائبل میں ایک مقام پر ہے: راہ میں اس نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ <u>لوگ مجھے کیا کہتے ہیں</u>؟ انہوں نے جواب دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا، اور <u>بعض ایلیاہ</u> اور بعض نبیوں میں سے کوئی۔ اس نے ان سے پوچھا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں اس سے کہا کہ تو مسیح ہے پھر اس نے ان کو تاکید کی کہ میری بابت کسی سے یہ نہ کہنا (مرقس ۸: ۲۷ تا ۳۰) اس سے پتہ چلا کہ اس زمانے میں عیسیٰ علیہ السلام کو یوحنا یعنی یحییٰ بھی کہا گیا اور ایلیاہ یعنی الیاس بھی۔ عیسائیوں کی مستند کتاب: قاموس الکتاب میں ایلیاہ۔ الیاس کے تحت لکھا ہے: یوحنا بپتسمہ دینے والے کو بھی ایلیاہ کہا گیا (باقی آگے)

کی طرح ایک عظیم الشان نبی آئیں گے وہ عظیم الشان نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جو تمہارے بھائیوں بنی اسماعیل سے ہیں اس طرح آپ کی تشریف آوری

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہے (متی ۱۱:۱۴؛ ۱۷:۱۰-۱۳؛ لوقا ۱:۱۷) جب پہاڑ پر مسیح کی صورت بدلی تو ایلیاہ بھی وہاں ظاہر ہوا (متی ۱۷:۱-۳، ۴؛ مرقس ۹:۴، ۵: لوقا ۹:۳۰-۳۳) (قاموس الکتاب ص ۱۳۵) مطلب یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یوحنا یعنی حضرت یحییٰ ہی کو ایلیاہ نہیں کہا گیا بلکہ خود ایلیاہ بھی تشریف لائے اس لئے حضرت الیاس کی آمد کی پیشگوئی ان کے آنے سے پوری ہوئی اور حواری ان کی آمد کے گواہ تھے۔ تو جب بائبل کی رو سے بھی حضرت یحییٰ کا الیاس ہونا متعین نہیں تو اس کو بنیاد بنا کر احادیث متواترہ کو رد کیسے کیا جاسکتا ہے؟

☆بائبل کی وہ عبارت جس میں حضرت الیاس کی آمد کا ذکر موجود ہے ☆

''چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا اور انہیں اونچے پہاڑ پر ساتھ لے گیا، اور ان کے سامنے اس کی صورت بدل گئی اور اس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا اور اس کی پوشاک نور کی مانند سفید ہوگئی اور دیکھو موسیٰ اور ایلیاہ اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے انہیں دکھائی دئے۔ پطرس نے یسوع سے کہا اے خداوند ہمارا یہاں رہنا اچھا ہے مرضی ہو تو میں یہاں تین ڈیرے بناؤں ایک تیرے لئے ایک موسیٰ کے لئے اور ایک ایلیاہ کے لئے۔ وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو ایک نورانی بادل نے ان پر سایہ کرلیا اور اس بادل میں سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اس کی سنو، شاگرد یہ سن کر منہ کے بل گرے اور بہت ڈر گئے یسوع نے پاس آکر انہیں چھوا اور کہا کہ اٹھو۔ ڈرو مت۔ جب انہوں نے اپنی آنکھیں اٹھائیں تو یسوع کے سوا اور کسی کو نہ دیکھا'' (متی ۱۷:۱ تا ۸ نیز مرقس ۹:۲ تا)

[۴] بائبل کی اس تشریح پر یہود و نصاریٰ مطمئن نہیں تو تمہارا مرزا بھی اس کو پسند نہیں کرتا چنانچہ مرزا قادیانی ایک جگہ لکھتا ہے کہ

پہلے نبیوں نے مسیح کی نسبت یہ پیشگوئی کی تھی کہ وہ نہیں آئے گا جب تک کہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہ آجائے مگر الیاس نہ آیا، اور یسوع بن مریم نے یونہی مسیح موعود ہونے کا دعوی کردیا حالانکہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہیں آیا اور جب پوچھا گیا تو الیاس موعود کی جگہ یوحنا یعنی یحییٰ نبی کو الیاس ٹھہرا دیا تا کہ کسی طرح مسیح موعود بن جائے حالانکہ پہلے نبیوں نے آنے والے الیاس کی نسبت ہرگز یہ تاویل نہیں کی اور خود یوحنا نبی نے الیاس سے مراد وہی الیاس مراد رکھا جو دنیا سے گذر چکا تھا مگر مسیح نے یعنی یسوع بن مریم نے اپنی بات بنانے کیلئے پہلے نبیوں اور تمام راستبازوں کے اجماع کے برخلاف الیاس آنے والے سے مراد یوحنا اپنے مرشد کو قرار دے دیا اور عجیب یہ کہ یوحنا اپنے الیاس ہونے سے خود منکر ہے مگر تاہم یسوع بن مریم علیہ السلام نے زبردستی ان کو الیاس ٹھہرا ہی دیا (براہین ج ۵ در روحانی خزائن ج ۲۱ ص ۴۲، ۴۳)

مرزائیو! بتاؤ تمہارے نزدیک ان نبیوں سے معاذ اللہ کون جھوٹا ہے؟ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو سچا کہیں تو پہلے سب نبیوں کو جھوٹا کہنا پڑتا ہے اور اگر پہلے نبیوں کو سچا کہیں تو عیسیٰ علیہ السلام مسیحیت کے دعویٰ میں جھوٹے ٹھہرتے ہیں اور اگر معاذ اللہ عیسیٰ علیہ السلام جھوٹے ہیں تو قادیانی ان کا مثیل ہو کر سچا کیسے ہوسکتا ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ بات مرزا قادیانی کی درست ہے یا اس کے بیٹے مرزا بشیر احمد اور اس کے مرید محمد علی لاہوری کی؟ اہل حق جانتے ہیں کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام سچے ہیں یہ قصہ جھوٹا ہے کیونکہ ارشاد باری ہے: **لم نجعل له من قبل سميا**. مرزا قادیانی اس کا معنی یوں کرتا ہے: یعنی یحییٰ علیہ السلام سے پہلے ہم نے کوئی اس کا مثیل دنیا میں نہیں بھیجا جس کو باعتبار ان صفات کے یحییٰ کہا جاسکے (ازالہ اوہام ص ۵۳۹ در روحانی خزائن ج ۳ ص ۳۹۰) تو پھر پہلے نبی کا نام ایلیا حضرت یحییٰ علیہ السلام پر کیسے اطلاق کیا جاسکتا ہے؟

**تنبیہ** مرزا غلام احمد قادیانی نے مثیلِ مسیح ہونے کا تو بے بنیاد دعوی کیا ہی تھا پھر اس جھوٹے بے بنیاد دعوے کے سہارے خود کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل بھی کہنے لگا۔ مرزائیوں کا ترجمان قاضی نذیر مرزائی لکھتا ہے:

واضح ہو کہ اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ محمدی سلسلہ کے مسیح موعود ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ جو مثیل موسیٰ ہیں موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اس لئے ضروری تھا کہ مثیل مسیح جو امت محمدیہ کا مسیح موعود ہے مسیح ناصری علیہ السلام سے افضل ہوتا (الحق المبین ص ۲۶۳، ۲۶۴)

**اقول** یہ درست ہے کہ بعض امور میں نبی کریم ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہیں مگر آپ کی افضلیت کی وجہ تو یہ نہیں بلکہ آپ بہت سے امور میں تمام انبیاء سے اعلیٰ ہیں مثلاً آپ معجزات میں سب پر فائق ہیں، عقل وفہم میں سب سے اعلیٰ و افضل ہیں، اخلاق میں سب سے بلند ہیں، پیشگوئیوں میں اور انبیاء سے بڑھ کر ہیں، (باقی آگے)

سے تمہاری کتاب کی تصدیق ہوئی۔☆ قرآن کریم تمہاری کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے جیسے ایک جگہ فرمایا: قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور اصل بات یہ ہے کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کیلئے نبی تھے اور نبی ﷺ کیلئے امتی جبکہ آپ امت کیلئے بھی نبی اور دیگر انبیاء کیلئے بھی نبی۔ یعنی آپ ﷺ نبی الانبیاء ہیں۔ (دیکھئے حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت ص ۳۱ تا ص ۳۵، آیات ختم نبوت ص نیز ص ۵۹۲ تا ۵۹۶ نیز ۷۷۲ تا ۷۸۹)

## ﴿مرزا محمود قادیانی کی کچھ عبارات کا جائزہ﴾

☆ اس آیت کے تحت مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

اور اس امر کی وجہ کہ گو اسحاق چھوٹے تھے مگر خدا تعالیٰ کا عہد پہلے ان کی اولاد کے ذریعہ سے پورا ہونا شروع ہوا ہے، یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد کو وہ نبوت ملنی تھی جو منسوخ نہ ہونے والی تھی اگر اس کے ذریعہ سے پہلے عہد پورا ہوتا تو بنو اسحاق نعمت سے بالکل محروم رہ جاتے پس اللہ تعالیٰ نے پہلے بنو اسحاق کو ایک لمبے عرصہ تک نبوت کے انعام سے حصہ دیا اس کے بعد بنو اسماعیل میں وہ نبی مبعوث فرما دیا جو خاتم النبیین تھا اور جس کی شریعت کو کسی اور شریعت نے منسوخ نہ کرنا تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۷۱)

**اقول:** [۱] مرزا محمود نے یہ نہ کہا کہ جس کے بعد کسی کو نبوت نہ ملنی تھی، جس کے بعد کسی نئے نبی نے آنا نہ تھا بلکہ یہ کہا ''جس کی شریعت کو کسی اور شریعت نے منسوخ نہ کرنا تھا'' تا کہ غیر تشریعی نبی کہہ کر مرزا قادیانی کیلئے گنجائش رکھ لے۔ ارے جب اللہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بنایا ہی نہیں تو تمہاری کوشش سے وہ نبی تو بننے سے رہا تم سب دوزخ کے ایندھن بن جاؤ گے۔

☆ مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

کتاب استثناء میں لکھا ہے میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا، اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے، جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا، یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جاوے (استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ تا ۲۱)......ان پیشگوئیوں کے مطابق (الف) رسول کریم ﷺ بنو اسماعیل میں سے یعنی بنو اسرائیل کے بھائیوں میں سے ظاہر ہوئے (ب......) آپ نے مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا**۔......یعنی آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب شریعت نبی تھے...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپؐ سے وعدہ کیا گیا کہ آپؐ کی امت میں سے متواتر مجددین آتے رہیں گے اور یہ کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری خلیفہ حضرت مسیح تھے اسی طرح قریباً اتنا ہی عرصہ آپؐ کے بعد ایک آپ کا خلیفہ ظاہر ہوگا جو مسیح کے نام سے موسوم کیا جائے گا چنانچہ اس پیشگوئی اور مشابہت کے مطابق حضرت رسول کریم ﷺ کے اتنا ہی عرصہ بعد بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسیح موعود بن کر خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے (ج) آپ [یعنی نبی کریم ﷺ۔ راقم] نے دعویٰ کیا کہ خدا کا کلام آپ کی زبان پر جاری ہے یعنی اپنی وحی کے جو الفاظ آپ پیش کرتے ہیں وہ بعینہ وہ الفاظ ہیں جو آپ کے دل پر نازل ہوئے......محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت اس پیشگوئی میں بتائی گئی کہ وہ خدا تعالیٰ کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان نہ کریں گے بلکہ خدا تعالیٰ کے مفہوم کو خدا تعالیٰ کے ہی الفاظ میں بیان کریں گے......(د) آپ [یعنی نبی کریم ﷺ۔ راقم] نے خدا کے کلام کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنایا، اور سارا کلام سنایا......رسول کریم ﷺ نے خود بھی اس امر کی شہادت دی اور لوگوں سے بھی دلوائی کہ آپؐ نے خدا تعالیٰ کا کلام سب کا سب دنیا کو پہنچا دیا چنانچہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب آپؐ کو یہ قرآنی وحی ہوئی **الیوم اکملت لکم دینکم** (مائدہ ع ۱) آج میں نے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا تو آپ نے تمام مسلمانوں کے دوبارہ مسلمانوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی اور پھر فرمایا **اللھم ھل بلغت** اے لوگو! خدا تعالیٰ کو گواہ رکھ کر بتاؤ کیا میں نے خدا تعالیٰ کا حکم پوری طرح دنیا کو پہنچا دیا ہے یا نہیں؟ اس پر سب صحابہ یک زبان ہو کر بولے۔ **اللھم نعم** ہم اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغام اچھی طرح پہنچا دیا ہے (مرزائی کبیر ج ۱ ص ۳۷۲ تا ۳۷۴)

**اقول:** [۱] آپ ﷺ نے ہر صدی میں مجدد کے ہونے کی خبر دی مگر یہ تو نہ کہا کہ مجھ سے اس کا وعدہ کیا گیا، اور ایسے ہی وعدہ کیا گیا جیسے موسیٰ علیہ السلام سے مجددین کا وعدہ کیا گیا، بلکہ آپ نے فرمایا: **كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ** (بخاری ج ۱ ص ۴۹۱) ترجمہ: ''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے جب ایک نبی فوت ہو جاتے ان کی جگہ دوسرے نبی آجاتے اور بات یہ ہے کہ میرے بعد (باقی آگے)

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (البقرۃ:

۱۳۶) ترجمہ: "(اے ایمان والو) کہہ دو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کوئی نبی نہیں اور خلفاء ہوں گے اور بہت سے ہوں گے"۔ یعنی آپ نے موسیٰ علیہ السلام کی امت اور اپنی امت میں فرق بتادیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت میں انبیاء آیا کرتے تھے مگر آپ کی امت میں انبیاء نہ ہوں گے۔ مرزا محمود اس امت میں مجددین کے ہونے کا تو لکھتا ہے مگر یہ نہیں لکھتا کہ ان میں سے کوئی نبی نہ ہوگا تا کہ مرزے کا کفر ظاہر نہ ہو[۲] کسی روایت میں نہیں کہ جتنے عرصہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی امت میں عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اتنے ہی عرصہ بعد اس امت میں کوئی مجدد پیدا ہوگا، اور نہ کسی روایت میں ہے کہ کسی مجدد کو مسیح کا نام دیا جائے گا یہ مرزا محمود کا سراسر بہتان ہے[۳] بیشک مرزا قادیانی مسیح موعود بن کر ظاہر ہوا مگر اللہ نے تو اس کو مسیح کا لقب نہ دیا، مرزا کا اپنا دعویٰ ہی ہے جو ہم پر ہرگز حجت نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزا مریم ہونے کا بھی مدعی ہے (خزائن ج ۱ص ۵۹۱ حاشیہ، تذکرہ ص ۷۱، ۲۷ حاشیہ) تو جیسے مرزا قادیانی حضرت مریم نہیں مرزا قادیانی سچا مسیح بھی نہیں۔[۴] مرزا کی ذلت ورسوائی کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ خود کو مسیح موعود کہتا ہے اس کے ماننے والے بھی اس کو مسیح موعود کہتے ہیں یعنی آنے کے بعد موعود مرنے کے بعد بھی موعود اس مطلب یہ ہوا کہ اس کا آنا نہ آنا برابر ہے۔ وہ مسیح موجود نہیں بلکہ مسیح کالعدم ہے وللہ الحمد علیٰ ذلک ☆ بیشک آپ ﷺ نے سب احکام خداوندی پوری طرح پہنچادیئے ان احکام میں عقیدۂ ختم نبوت بھی ہے اور قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کی خبر بھی۔ تیرے نزدیک آنحضرت ﷺ نے خدا کے احکام پوری طرح نہیں پہنچائے کیونکہ اگر تیرے ہاں احکام پوری طرح پہنچائے ہوتے تو تجھے اپنے کفریہ عقائد کیلئے نصوص قطعیہ میں تحریف کی ضرورت نہ ہوتی۔

☆ مرزا محمود ہی کہتا ہے:

کتاب اعمال میں لکھا ہے: پس توبہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں تا کہ خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آویں اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اٹھاوے گا جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنو اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اس نبی کی نہ سنے وہ قوم میں سے نیست کیا جاوے گا بلکہ سب نبیوں نے سموایل سے لے کر پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا ان دنوں کی خبر دی ہے ......(اعمال باب ۳ آیت ۱۹ تا ۲۶) یہ پیشگوئی اعمال میں ہے لیکن ظاہر ہے کہ پیشگوئی بہر حال حضرت مسیح علیہ السلام نے کی ہوگی کیونکہ حواری انہی کے اقوال نقل کرتے ہیں...... پس جو کچھ اعمال کے حوالہ میں کہا گیا ہے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا کہا ہوا ہے۔

اس حوالہ میں مندرجہ ذیل امور بیان ہوئے ہیں۔ ا۔ مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں نازل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ پیشگوئی موسیٰ کی پوری نہ ہولے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی موسیٰ کی مانند آئے گا۔ ۲۔ موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سموایل سے لے کر آخر تک سب نبیوں نے اس آنے والے کی خبر دی ہے۔ ۳۔ مسیح اول کی آمد اس نبی کی بشارت دینے والے کی تھی...... میں اوپر ثابت کر آیا ہوں کہ موسیٰ کی مانند نبی یا انجیل کے محاورہ کے مطابق وہ نبی رسول کریم ﷺ ہی تھے پس اس پیشگوئی میں جو کہا گیا ہے کہ ضروری ہے کہ مسیح آسمان پر ہی رہے جب تک سب پیشگوئیاں خصوصاً مثیل موسیٰ کے آنے کی پیشگوئی پوری نہ ہو جائے۔ اس میں رسول کریم ﷺ کی بعثت کی خبر دی گئی نیز یہ بھی بتایا گیا تھا کہ حضرت مسیح کی پہلی آمد اس لئے تھی کہ وہ اس نبی کیلئے راستہ صاف کریں...... اوپر کی پیشگوئی کو پورا کر کے رسول کریم ﷺ نے حضرت مسیح اور سموایل سے لے کر آخر تک سب کے سب نبیوں کی تصدیق کی اگر آپ نہ آتے تو یہ سب کے سب جھوٹے ٹھہرتے (مرزائی کبیر ج ۱ص ۳۸۲ کالم ۱، تا ۳۸۳ کالم ۲)

**اقول** [۱] مرزا محمود کی تشریح کے مطابق بھی اس پیشگوئی میں زمانہ ماضی میں عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا، پھر ان کے آسمان پر رہنے کا اور دوبارہ اترنے کا ذکر موجود ہے اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع ونزول کے درمیان نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر بھی مگر مرزا محمود چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع ونزول کا منکر ہے اس لئے بات کو الجھانے کیلئے ایک جگہ اس نے لکھ دیا "مسیح اول کی آمد"۔ کیونکہ مرزائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے مسیح تھے عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ دوسرا مسیح جو معاذ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہے۔ مرزا کا اپنا کہنا ہے کہ بیماری کی وجہ سے کسی نے مرزا کو افیون کھانے کا مشورہ دیا تو مرزے نے کہا، اگر میں افیون کھانے کی عادت کرلوں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح شرابی تھا، اور دوسرا افیونی (روحانی خزائن ج ۱۹ص ۴۳۴، ۴۳۵) معاذ اللہ تعالیٰ۔ بہر حال اس پیشگوئی میں صرف (باقی آگے)

اولاد پر اتاری گئی (اور ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر ) جو موسیٰ عیسیٰ اور (علیہم السلام ) اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی ہے ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے" دیکھئے قرآن کریم نے ایمان لانے میں پہلے انبیاء کی وحی کو قرآن کے برابر بتایا۔

قرآن کریم آخرت میں کامیاب انہی لوگوں کو قرار دیتا ہے جو قرآن کے ساتھ پہلی آسمانی کتابوں کو بھی مانتے ہوں چنانچہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ☆اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرۃ:۴،۵)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ) آنحضرت ﷺ کی آمد ہی کا ذکر نہیں قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بھی ذکر ہے[۲] مرزائی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے کے لئے کہیں گے کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اس لئے نزول کی احادیث میں اور اس پیشگوئی میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے ان کے مثیل کی آمد مراد ہے اور وہ مرزا قادیانی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے تو نہ فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں وہ قیامت سے قبل خود نازل نہ ہوں گے ان کا کوئی مثیل آئے گا اور نہ اس پیشگوئی میں ان چیزوں کا ذکر ہے مرزائیوں کو کیا حق بنتا ہے کہ وہ اپنا باطل عقیدہ آنحضرت ﷺ اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مسلط کریں۔ اگر ان کے دل میں ایمان ہوتا تو نزول کی احادیث کے پیش نظر عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل ہو جاتے مگر ان لوگوں کو احادیث نبویہ کا انکار منظور ہے، مرزا مسیح کو چھوڑنا منظور نہیں۔

اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا آمین

☆ اسی آیت کے تحت مرزا محمود قادیانی سورۃ آل عمران کی آیت: واذ اخذ الله میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمة......اور ترجمہ لکھ کر کہتا ہے:

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک تمام انبیاء کو ایک ایسے نبی کے آنے کی خبر دی گئی تھی جو سب انبیاء کی کتب کی تصدیق کرے گا، اور اس پر ایمان لانا سب قوموں کیلئے ضروری ہوگا......اور یہ کہ اس آیت کا موعود نبی ہر کتاب کا مصدق ہوگا اور ہر نبی کی امت کو اس پر ایمان لانا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں جس قسم کی تصدیق قرآن کریم بائبل کی کرتا ہے ویسی ہی تصدیق وہ ویدوں کی بھی کرتا ہے اور ویسی ہی تصدیق وہ ژند کی بھی کرتا ہے اور ویسی ہی ان تمام نبیوں کی کتب کی جو دنیا کے کسی گوشے میں گذرے ہوں (مرزائی تفسیر کبیر ج۱ص ۳۸۴)

**اقول** [۱] اس آیت سے معلوم ہوا کہ باقی سب انبیاء علیہم السلام کو نبوت آنحضرت ﷺ سے پہلے مل چکی اس لئے قادیانی اپنے دعوائے نبوت میں قطعاً جھوٹا ہے[۲] آپ اس آیت کے موعود نبی نہیں بلکہ اس آیت میں مذکور عہد کے موعود نبی ہیں کیونکہ تشریف آوری کے بعد تو آپ موعود نہیں اس آیت میں تو آپ کی آمد کا وعدہ نہیں بلکہ یہ آیت آپ کی بعثت کے بہت سال بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس لئے آپکو نبی موعود یا رسول موعود نہیں کہتے بلکہ نبی اور رسول کہتے ہیں۔ قبر میں فرشتے یہ تو نہ پوچھیں گے تیرا نبی موعود کون ہے بلکہ پوچھیں گے تیرے نبی کون ہیں، مومن یہ تو نہ کہے گا کہ میرے نبی موعود محمد ﷺ ہیں بلکہ کہے گا میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ مگر مرزا قادیانی ایسا مسیح ہے جو مرنے کے بعد بھی موعود ہی ہے کیونکہ وہ مسیح کالعدم تھا یعنی اس دعوے میں جھوٹا تھا۔ [۳] بیشک قرآن تمام انبیاء کی کتب کی تصدیق کرتا ہے مگر ویدوں کا اور ژند کا کتب الٰہی ہونا قطعی نہیں۔ احتمال کے درجہ میں کہا جا سکتا ہے کہ جن حضرات کی طرف ان کی نسبت ہے اگر وہ آنحضرت ﷺ سے پہلے ہوئے ہوں اور وہ خدا کے نبی ہوں تو یہ کتابیں اصل حالت میں خدا کی طرف سے ہو سکتی ہیں لیکن ان میں کفریہ شرکیہ مضامین یقیناً بعد والوں کی تحریف ہے جیسے حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ بید کلام خدا نہیں یا جعل سازوں کی شرارت سے اس میں تحریف ہوئی (قبلہ نما ص ۱۰، مباحثہ شاہجہانپور ص ۴۱، ۴۲) مگر مرزا محمود کی عبارت سے سمجھ آتا ہے کہ وہ ان کتابوں کو موجودہ حالت میں خدا کی کتابیں مانتا ہے، اور وید کو موجودہ حالت میں خدا کی کتاب ماننے سے انسان ہندو ہو جاتا ہے جیسا کہ بائبل کو موجود حالت میں خدا کی کتاب ماننے سے انسان عیسائی بنتا ہے۔ مگر لاہوری اور قادیانی مرزائیوں کو اس سے کیا؟ ان کا مجدد اپنی آخری کتاب میں وید کی تصدیق کرتا ہے (دیکھئے پیغام صلح در روحانی خزائن ج ۲۳ ص ۴۵۳، مجدد اعظم ج ۲ ص ۱۲۱۶) اس طرح مرزا اور مرزائی ہندو ہو کر مرتے ہیں۔

☆ مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

کلی تصدیق پہلی کتب کی نہ تو ممکن ہے اور نہ قرآن کریم ایسا کر سکتا ہے ممکن اس لئے نہیں کہ وہ سب کتب اس وقت دنیا میں موجود ہی نہیں اور قرآن کریم کی شان کے لائق اس لئے بھی نہیں کہ وہ خود ہی ان کتب کی غلطیاں بیان کرتا ہے......سب کتب سماویہ کے متعلق وہ یہ خبر دیتا ہے کہ جس وقت انہیں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا، وہ سچی تھیں وہ حضرت آدمؑ کے الہام، حضرت نوحؑ کے الہام، حضرت ابراہیمؑ کے الہام، حضرت موسیٰؑ کے الہام حضرت مسیحؑ کے الہام، حضرت کرشنؑ کے الہام، حضرت (باقی آگے)

قرآن پہلی کتابوں کے بنیادی مضامین کی تصدیق کرتا ہے چنانچہ تورات میں حکم تھا کہ اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا مشکل کشا سمجھ کر مت پکارو **اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا** [بنی اسرائیل:۲۔ بائبل میں ہے: اور میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا۔ استثنا۵:۷] قرآن کا حکم بھی یہی ہے فرمایا: **لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا** (سورۃ المزمل:۹) ☆ تورات میں زانی کے رجم کی حکم تھا [دیکھئے استثنا۲۲:۲۱ تا ۲۴] جسے یہودی علماء اسے چھپاتے تھے قرآن نے اس کو ظاہر کیا، اور سورۃ المائدۃ آیت ۴۳ میں **فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ** کہہ کر اس کی تصدیق کی (دیکھئے سورۃ المائدۃ آیت ۴۱، اور اس سے اگلی آیات کا شان نزول)

پھر قرآن تورات وانجیل کے کتب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے، اس لئے اہل کتاب کا قرآن کو نہ ماننا گویا ان کا اپنی کتابوں کو بھی نہ ماننا ہے۔ مگر ان میں کی گئی تحریفات (۱) تورات وانجیل ہونے ہی سے خارج ہیں اس لئے تورات وانجیل کی تصدیق سے تحریفات کی تصدیق نہیں ہوتی (از بیان القرآن تھانویؒ ج ۱ص ۲۶)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رامچندرؑ کے الہام، حضرت زردشتؑ کے الہام اور باقی تمام انبیاء کے الہاموں کی تصدیق کرتا ہے جو وقتاً فوقتاً اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ظاہر ہوئے خواہ ان کے نام بھی ہمیں معلوم نہیں (مرزائی کبیر ج ۱ص ۳۸۵، ۳۸۶ کالم ۱) **اقول** یہاں اس نے سچے نبیوں کے ساتھ کرشن رامچند اور زردشت کو بھی نبی کہا حالانکہ ان کا نبی ہونا قطعی نہیں۔ اگر یہ حضرات آنحضرت ﷺ سے پہلے ہوئے تو احتمال کے درجہ میں ان کو نبی کہنا تو اور بات تھی۔ پھر بھی ان کی طرف کفریات سے ان کی براءت کرنی ہوگی

☆ مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے: ایک نشان ایسا ہے جو سب نبیوں میں مشترک ہے اور وہ اپنی شہادت ہر وقت ساتھ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ جب کوئی نبی دنیا میں آتا ہے آخر کار (۱) اس کے مخالف ہلاک ہو جاتے ہیں اور (۲) اس کا نام دنیا میں رہ جاتا ہے اور اس کے اتباع کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے جس مدعیٔ الہام کی تائید میں یہ امر دیکھو سمجھو لو کہ خدا تعالیٰ کی تائید اس کے حق میں ہے اور وہ جھوٹا نہیں (مرزائی کبیر ج ۱ص ۳۸۶ کالم ۲) **اقول** [۱] شرعی طور پر یہ کوئی معیار نہیں ہے اس نے خود کالم نمبر ۱ میں لکھا ہے کہ بعض نبیوں نے نام بھی ہمیں معلوم نہیں [۲] دراصل یہ اپنے مرزا کو سچا کرنا چاہتا ہے اس کا مرزا مسیح کہتا ہے کہ جو حق کا دعویٰ کرے اور اس کا مذہب رائج ہو جائے اور دنیا میں چل پڑے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ شخص سچا تھا (سیرۃ المہدی ج ۳ص ۴۳) ارے جب مرزا ہے ہی جھوٹا مدعی نبوت تو اس کے نام کا باقی رہنا اسے سچا تو نہ کر دے گا۔ کیونکہ اس کو سچا ماننے سے نبی ﷺ کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے اور آپ ﷺ جھوٹے ہو نہیں سکتے۔ اس لئے یہ معیار غلط ہے آپ ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کو کتنی ہی کامیابی ہو جائے وہ جھوٹا ہی ہوگا اس کی اور اس کو ماننے والوں کی آخرت یقیناً خراب ہے۔ مگر نزول عیسیٰؑ سے اعتراض نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اول تو پہلے انبیاء میں ہیں دوسرے نزول کے بعد وہ دعوائے نبوت نہ کریں گے۔ امت مسلمہ ان کو خود پہچان کر عیسیٰ علیہ السلام مان لے گی۔

☆ مرزا محمود قادیانی تفسیر کبیر ج ۱ص ۳۸۶، ۳۸۷ میں کہتا ہے: **ما معکم** عام نہیں خاص ہے یا مطلب یہ ہے کہ ان کتب کی پیشگوئیوں کی تصدیق کرتا ہے یا تمہارے پاس جو کلام الٰہی ہے اس کی تصدیق کرتا ہے۔ **اقول** اسی طرح بہت سی آیات جن سے مرزا قادیانی عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے خلاف استدلال کرتا ہے وہ عام مخصوص منہ البعض ہیں اس لئے نصوص قطعیہ اور امت کے اجماعی عقیدے کے خلاف مرزے کا ان سے استدلال باطل ہے۔

☆ مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے: پیشگوئی خواہ کسی نبی کی ہو چونکہ علم غیب پر مشتمل ہوتی ہے ہر ایک شخص پر حجت ہوتی ہے (کبیر ج ۱ص ۳۸۸)

**اقول** انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیاں علم غیب پر نہیں غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتی ہیں علم غیب اللہ کے سوا کسی کی صفت نہیں اس نے پیشگوئیوں کو علم غیب کہہ کر مرزا کی طرفداری کی ہے کیونکہ وہ اپنے لئے جس طرح نبوت کا مدعی تھا علم غیب کا بھی مدعی تھا چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے: خدا نے ہم کو خواب میں ایک راجہ کے مرنے کی خبر دی ایک ہندو کو بتائی جب وہ خواب پورا ہوا تو وہ ہندو صاحب بہت ہی متعجب ہوئے کہ ایسا صاف اور کھلا ہوا علم غیب کا کیونکر معلوم ہو گیا (از براہین احمدیہ ج ۳ در روحانی خزائن ج ۱ص ۲۸۴ حاشیہ در حاشیہ) دیکھئے اس نے یہاں اپنے لئے علم غیب کا دعویٰ ہے اگرچہ ہندو کے الفاظ میں ہے مگر قادیانی نے اس کی تردید نہ کی بلکہ دوسری جگہ اپنے لئے علم غیب کو مانا ہے (دیکھئے ایک غلطی کا ازالہ ص ۴، ۵ در روحانی خزائن ج ۱۸ص ۲۱۰، ۲۱۱)

۱) مباحثہ شاہجہانپور ص ۵۴ میں ہے کہ عیسائیوں نے کہا حضرت داودؑ کے زنا اور حضرت سلیمانؑ کی بت پرستی کا ذکر بائبل میں ہے اور قرآن میں بائبل کی تصدیق موجود ہے اس پر حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ قرآن شریف میں بیشک تورات وانجیل کی تصدیق ہے مگر اس تورات وانجیل کی تصدیق ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (باقی آگے)

**فائدہ** حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: بعض اوامر ونواہی کا نسخ تصدیق کے مخالف نہیں تصدیق کے مخالف تکذیب ہے اور تکذیب کسی کتاب الٰہی کی ہو بالکل کفر ہے منسوخ تو بعض آیات قرآنی بھی ہیں مگر اس کو نعوذ باللہ کون تکذیب کہہ سکتا ہے (عثانی ص ۹ ح ۹)

<u>۷) ایمان کا حکم دینے کے بعد کفر سے دور رہنے کا صریح امر:</u>

چونکہ کفر سے دور رہے بغیر ایمان پایا ہی نہیں جاسکتا اس لئے ایمان کا حکم دینے کے بعد فرمایا **وَلَا تَكُونُوْٓا اَوَّلَ (۱) كَافِرٍۢ (۲) بِهٖ** ۔اور تم اِس کے سب سے پہلے منکر نہ بن جاؤ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) علیہا السلام پر نازل ہوئی تھیں جو تورات وانجیل تمہارے ہاتھوں میں ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اس میں تحریف واقع ہوچکی ہے پھر اسی موقع پر علماءِ اسلام نے بائبل میں تحریف کو ثابت کردیا۔ بائبل میں تحریف کے نمونوں کیلئے دیکھئے اظہار الحق اردو ج ص ۲۰۷ تا ص ۲۲۵۔

۱) **اَوَّلُ** کا وزن **فَوْعَلُ** بھی مانتے ہیں **اَفْعَلُ** بھی راجح یہ ہے کہ اس کا وزن **اَفْعَلُ** ہے اور اکثر علماء یہی کہتے ہیں پھر اس کا مادہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں تین قول ہیں **وَأَلَ** بمعنی **لَجَأَ**، **أَوَلَ** بمعنی **رَجَعَ** و **وَوَلَ** بمعنی **سَبَقَ** . ابن حاجبؒ اور رضی نے **وَوَلَ** ہے کو ترجیح دی کیونکہ اس میں ہمزہ کو خلاف قیاس واؤ سے بدلنا لازم نہیں آتا مگر یہ مادہ **اَوَّلُ** اور اس کی گردان کے علاوہ کہیں استعمال نہیں ہوتا۔ **اَوَّلُ** بروزن **اَفْعَلُ** ، غیر منصرف، اسم تفضیل کا صیغہ ہے کیونکہ اس کے بعد **مِنْ** بھی آجاتا ہے اور نکرہ بطورِ تمییز منصوب بھی ہوجاتا ہے (شافیہ ص ۸۴ بحث حروف زوائد اور ص ۱۲ ابحث اعلال، المصباح المنیر ج ۱ ص ۳۴ تا ۳۶، مفردات امام راغب ص ۳۸، ۳۹، شرح شافیہ المشہور بکمال ص ۲۸۷، رضی شرح شافیہ طبع لاہور ص ۲۳۵، مختار الصحاح ص ۷۰۵) گردان یوں ہے: **اَوَّلُ اَوَّلَانِ ، اَوَّلُوْنَ ، اَوَائِلُ اُوْلٰى اُوْلَيَانِ اُوْلَيَاتٌ اُوَلٌ** ۔

**اَوَّلُ** کی اصل اگر **اَوْأَلُ** بروزن **اَفْعَلُ** ہو تو ہمزہ کو واؤ سے بدلا گیا ہے اور اگر اصل **اَوْوَلُ** بروزن **اَفْعَلُ** ہو تو الف کو جو دوسرے ہمزہ سے بدل کر آیا ہے کثرتِ استعمال کی وجہ سے واؤ سے بدل کر ادغام کیا ہوا ہے۔ ابن حاجبؒ اور رضی کی تحقیق کے مطابق اس کے واحد تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں فقط واؤ کا واؤ میں ادغام ہوا ہے۔ **اَوَّلُ** کی اصل **اَوْوَلُ**، تثنیہ کی اصل **اَوْوَلَانِ** ، حالت نصب وجر میں **اَوَّلَيْنِ** کی اصل **اَوْوَلَيْنِ**، جمع مذکر سالم کی اصل **اَوْوَلُوْنَ** حالتِ نصب وجر میں **اَوَّلِيْنَ** کی اصل **اَوْوَلِيْنَ** ہے۔ اور جمع مکسر **اَوَائِلُ** کی اصل **اَوَاوِلُ** ہے چونکہ پانچ حرفی جمع منتہی الجموع میں الف جمع سے پہلے بھی حرف علت آگیا اس لئے الف کے بعد واؤ کو وجوباً ہمزہ سے بدل دیا۔ **اُوْلٰى اُوْلَيَانِ اُوْلَيَاتٌ** کی اصل ہے **وُوْلٰى وُوْلَيَانِ وُوْلَيَاتٌ** ۔ تثنیہ حالت نصب وجر **اُوْلَيَيْنِ** کی اصل ہے۔ **وُوْلَيَيْنِ**، ان سب میں پہلی واؤ کو ہمزہ سے وجوباً اس لئے بدلا کہ دوسری واؤ مدہ زائدہ مبدلہ نہیں کیونکہ جب شروع میں دو واؤ اکٹھی آجائیں تو رضی کی تحقیق کے مطابق پہلی واؤ کو برقرار رکھنا تب جائز ہوتا ہے جب دوسری واؤ مدہ بھی ہو زائدہ بھی اور مبدلہ بھی جیسے **وُوْرِيَ** (رضی شرح شافیہ ص ۱۰۳ طبع لاہور) **اُوَلٌ** کی اصل **وُوَلٌ** ہے اس کے شروع میں دو واؤ متحرک ہیں اس لئے پہلی واؤ کو وجوباً ہمزہ سے بدلا ہے۔ **اُوْلٰى** کی تصغیر اگر ہوگی تو **اُوَيْلٰى** ہوگی اس میں بھی اس لئے پہلی واؤ کو بدلا کہ دونوں متحرک ہیں **اَوَّلُ** کی تصغیر اگر ہو تو **اُوَيِّلُ** اور **اُوَيْوِلُ** جیسے **اَسْوَدُ** کی تصغیر میں دو طرح ہے **اُسَيِّدُ** ، **اُسَيْوِدُ** ۔ راجح **اُسَيِّدُ** ہے (شافیہ ص ۳۵، ۳۶ بحث تصغیر)

۲) یہاں ایک اشکال ہے کہ: **وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ** میں فعل ناقص کا اسم واؤ جمع مذکر کی ضمیر ہے اس کی خبر بھی جمع مذکر ہونی چاہئے مفرد کیوں ہے؟

<u>جواب:</u> امام نسفیؒ تفسیر میں لکھتے ہیں: (**وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ**) **أَيْ أَوَّلَ مَنْ كَفَرَ بِهٖ أَوْ أَوَّلَ حِزْبٍ أَوْ فَوْجٍ كَافِرٍ بِهٖ ، أَوْ وَلَا يَكُنْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمْ أَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ** (مدارک التنزیل مع الخازن ج ۱ ص ۴۶) یعنی اس کے تین جواب ہیں [۱] **لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ** کا معنی ہے: **لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ مَنْ كَفَرَ بِهٖ** اور **مَنْ** اسم موصول لفظاً واحد ہے معنی کبھی جمع کیلئے آجاتا ہے جیسے: **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ** (البقرۃ:۸) اس طرح **اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ** کو واؤ ضمیر جمع کی خبر بننا درست ہوگیا [۲] **كَافِرٍ** کا موصوف محذوف ہے وہ ہے حزب یا فوج. تقدیر عبارت یوں ہے: **وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ فَوْجٍ كَافِرٍۢ بِهٖ، وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ حِزْبٍ كَافِرٍۢ بِهٖ** اور حزب، فوج یا فریق اسم جمع ہیں اس لئے اس کو جمع کی خبر بننا درست ہے [۳] تیسری توجیہ فعل ناقص کے اسم میں ہوگی وہ یہ کہ **لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ** کا معنی یہ نہیں کہ تم سب مل کر اول کافر نہ بنو بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اول کافر نہ بنے۔

**أَوَّلَ كَافِرٍ (ا) کے معانی:**

[ا] اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ تم اول درجہ کے کافر نہ بنو اس لئے کہ جو یہودی نشانیاں دیکھنے کے باوجود، نبی ﷺ کو پہچاننے کے باوجود ایمان نہ لائیں ان کا کفر اہل مکہ کے کفر سے بڑھا ہوا ہوگا، ان کا کفر بدترین کفر ہوگا [۲] اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اہل مکہ نے جو کفر کیا وہ جہالت کی وجہ سے کفر کیا، اور یہودی علم کے ہوتے ہوئے کفر کرتے ہیں تو یہودی اپنی نوعیت کے پہلے کافر بنتے ہیں اس سے ان کو روکا گیا، اہل مکہ اس نوع کے کافر نہ تھے [۳] تیسرا معنی یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل اگر تم انکار کروگے تو تمہاری وجہ سے تم سے عقیدت رکھنے والے یہودی، مشرک اور اہل کتاب کا دوسرا گروہ یعنی نصاریٰ اور بعد کو پیدا ہونے والی نسلیں بھی انکار کریں گی ان

---

۳) اصلاحی صاحب اپنے استاذ محترم کے حوالہ سے **أَوَّلَ كَافِرٍ** اور **أَوَّلَ الْكَافِرِيْنَ** میں فرق یہ بتاتے ہیں کہ جب **أَوَّلَ كَافِرٍ** کا استعمال ہوگا تو اس میں بحث نہیں ہوگی کہ اس کے علاوہ کوئی اور بھی کافر پایا جاتا ہے یا نہیں اور دوسری شکل میں مفہوم یہ ہوگا کہ وہ کفر کرنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہے (تدبر قرآن ج ا ص ۱۸۰)

**اقول:** **أَوَّل** کا لفظ کبھی تقدم زمانی کیلئے ہوتا ہے کبھی تقدم رتبی کیلئے کبھی تقدم صناعی کیلئے کبھی تقدم نسبی کیلئے کسی قسم کا تعین قرینے سے ہوگا۔ امام راغب نے تقدم زمانی کی مثال دی **عبد الملک أولا ثم المنصور**۔ یعنی اموی خلیفہ عبدالملک کا زمانہ پہلے ہوا، عباسی خلیفہ منصور کا زمانہ بعد میں۔ تقدم رتبی کی مثال: **الأمیر أولا ثم الوزیر**۔ چونکہ وزیر کا رتبہ امیر کے بعد ہوتا ہے اگر چہ عمر وزیر کی زیادہ ہو اس لئے اس عبارت میں اول کا لفظ تقدم رتبی کیلئے ہے۔ تقدم نسبی کو سمجھنے سے پہلے یاد رکھیں کہ قادسیہ اور فید کے علاقے عراق اور مکہ کے درمیان ہیں قادسیہ عراق کے قریب ہے اور فید مکہ کے۔ اب جو شخص عراق سے مکہ جائے اسے کہا جائے گا: **القادسیة أولا ثم فید** اور جو مکہ سے عراق جائے تو اسے کہا جائے گا: **فید أولا ثم القادسیة**۔ تقدم صناعی کی مثال ہے: **الأساس أولا ثم البناء**۔ بنیاد پہلے عمارت بعد میں۔

امام راغب ہی لکھتے ہیں: **وقوله تعالى: (وأنا أول المسلمين)** [الأنعام:۱۶۳]، **(وأنا أول المؤمنين)** [الاعراف:۱۴۳] **فمعناه: أنا المقتدى بي في الإسلام والإيمان، وقال تعالى: (ولا تكونوا أول كافر به)** [البقرة:۴۱] **أي: لا تكونوا ممن يقتدى بكم في الكفر** (مفردات راغب ص ۳۸، ۳۹) یعنی ان سب میں **أَوَّل** کا لفظ تقدم رتبی کیلئے ہے حالانکہ پہلے دو میں اس کا مضاف الیہ معرفہ اور تیسرے میں اس کا مضاف الیہ نکرہ ہے۔ [ایک اور مثال] **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ** (آل عمران: ۹۶) میں مضاف الیہ نکرہ ہے اور **أَوَّلَ كَافِرٍ** میں بھی مضاف الیہ نکرہ ہے۔ مگر **أَوَّلَ بَيْتٍ** یعنی خانہ کعبہ زمانے کے اعتبار سے سب سے مقدم ہے اور **أَوَّلَ كَافِرٍ** یعنی یہودی زمانہ میں مقدم نہیں کیونکہ مشرکین مکہ کا کفر زمانہ میں یہود سے پہلے ہے۔

☆) اس آیت کے تحت مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

جب یہ کتاب تمہاری کتب کی پیشگوئیوں کی مصدق ہے تو تمہارا اس کتاب کا انکار کرنا اول درجہ کا کفر ہوگا...... گویا یہ مراد نہیں کہ چھوٹا کفر جائز ہے یا بعد میں انکار جائز ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ کفر بہر حال ناجائز ہے مگر تمہارا کفر تو اول درجہ کا کفر ہے اور زیادہ خطرناک ہے...... یہ محاورہ قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ** (ق ع ۳) میں اپنے بندوں پر بہت بڑا ظلم کرنے والا نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ میں تھوڑا ظلم کر لیتا ہوں بلکہ یہ معنی ہیں کہ پہلا مضمون جو گزرا ہے اگر اسے تسلیم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ بڑا ظالم ثابت ہوتا ہے مگر وہ ایسا نہیں ہے اردو میں بھی یہ محاورہ مستعمل ہے کہتے ہیں اتنا قہر کیوں توڑتے ہو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ چھوٹا قہر بے شک توڑ لو بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی پر ظلم کرنا تو ناجائز ہے پھر تم اتنا بڑا ظلم کیوں کرتے ہو؟ (مرزائی تفسیر کبیر ج ا ص ۵۸۹)

**اقول:** [ا] مرزا غلام احمد قادیانی خود کہتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کی طرح اس کا قائل تھا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے (دیکھئے روحانی خزائن ج ۲۱ ص ۱۱۱) بعد میں اسی عقیدے کو غلط کہہ کر وفات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے کو نشر کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ مرزائیو! یہودی اور ہندو اگر عیسیٰ علیہ السلام کے رفع ونزول کے قائل نہیں تو اس لئے نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں یہودی یا ہندو کہتے ہیں۔ مگر مرزائیو! تم خود کو مسلمان کہتے ہو مگر نہ قرآن کی مانتے ہو نہ حدیث کی نہ امت مسلمہ کی۔ اس لئے تم امت مسلمہ سے نہیں، اور تمہاری گمراہی یہود وہنود کی گمراہی سے زیادہ بڑی ہے۔ [۲] سورۃ قٓ آیت ۲۹ میں آسان توجیہ یہ ہے کہ اس میں **فَعَّال** کا وزن مبالغہ کیلئے نسبت کیلئے ہے تو **ظَلَّام** کا معنی **ذِيْ ظُلْم** ہے یعنی ظلم کرنے والا نہ کہ بہت ظلم کرنے والا۔ تفسیر الجلالین میں ہے: **وَظَلَّامٍ بِمَعْنٰى ذِيْ ظُلْمٍ لِقَوْلِهٖ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ**۔

سب کے اعتبار سے تم اول کافر ہوگے اور اللہ کے ہاں قانون یہ ہے کہ کوئی شخص لوگوں کیلئے نیکی کا ذریعہ بنے تو ان لوگوں کے اجر کے برابر اس کو بھی اجر ملے گا اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ آئے گی اور جس نے کوئی برا طریقہ رائج کیا اس پر جتنے لوگ چلیں گے جتنا گناہ ان کو ہوگا رائج کرنے والے کو ان سب کے برابر گناہ ہوگا اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ اس ضابطے کے مطابق یہ امت جتنی نیکیاں کر رہی ہے وہ تمام کی تمام آنحضرت ﷺ کے نامہ اعمال میں درج ہو رہی ہیں اور جو لوگ نیکیاں نہیں کرتے نماز نہیں پڑھتے روزے نہیں رکھتے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم صرف اپنا نقصان کر رہے ہیں بلکہ وہ آنحضرت ﷺ کو ملنے والے اجر میں کمی کا باعث بھی بنتے ہیں تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ اپنا خسارہ تو کرتا ہی ہے دوسرے مسلمانوں کا حق بھی مارتا ہے کیونکہ اس کی طرف سے یہ دعا مسلمانوں کو نہیں پہنچتی **اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ** اور نبی ﷺ کو اس کی طرف سے درود شریف نہیں پہنچتا (دیکھئے ذخیرۃ الجنان ج ا ص ۱۴۴ تا ۱۴۶)

**۸) آیات خداوندی یا احکام خداوندی کو بیچنا حرام:**

اس کے بعد فرمایا: **وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا** ''اور نہ خرید و میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت''، **وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ** (۱) ''اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو'' یا میری نافرمانی سے ہمیشہ بچتے رہو۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کو لینے کے لئے یا مریدوں میں بنی ہوئی عزت رکھنے کیلئے نہ خدا کی آیات کو چھپانا جائز ہے اور نہ ان کے معانی بدلنا جائز کیونکہ اشتراء سے مراد خرید و فروخت نہیں استبدال ہے حضرت تھانویؒ تفسیر کشاف کے حوالہ سے لکھتے ہیں: **قوله ولا تشتروا استعارة للاستبدال** (بیان القرآن ج ا ص ۲۶ حاشیہ)

مولانا احمد علی لاہوریؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں ''اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو''۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ قیمت پر آیات کو بیچ سکتے ہیں کیونکہ دنیا کا سامان جتنا بھی ہو آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں ''یوں سمجھو کہ 'ق' ایک آیت ہے ساری دنیا کے خزانے جمع ہو کر 'ق' یا 'حم' کی قیمت نہیں بن سکتے (ذخیرۃ الجنان ج ا ص ۱۴۶، ۱۴۷)

اشکال: پھر تو امامت، تدریس اور خطابت پر بھی اجرت جائز نہ ہوئی؟

جواب: یہ آیت امامت خطابت وغیرہ کے بارے میں نہیں (۲) کیونکہ بیع میں اصل چیز مبیع ہوتی ہے ثمن اس کا بدلہ ہوتا ہے اس لئے باحرف جار ثمن پر داخل ہوتا ہے (۳) تا کہ پتہ چلے کہ یہ مبیع کا بدل یا اس کے حصول کا ذریعہ ہے آیت کریمہ میں باحرف جار **آیَاتِیْ** پر داخل ہے فرمایا: **وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا**

---

۱) **وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ** کی طرح اس کی اصل یوں ہے **وَاِيَّايَ اتَّقُوْا فَاتَّقُوْنِ** پچھلی آیت میں رہب کا حکم تھا، اس آیت میں تقوی کا۔ فرق یہ ہے کہ رھب خوف کی ابتدائی حالت اور تقوی انتہائی اور کامل خوف کا نام ہے، یا اوپر کی آیت میں حکم عدولی سے ڈرانا تھا اور یہاں اپنے غصہ اور اپنے عذاب سے ڈرانا مقصود ہو واللہ اعلم (کشف الرحمٰن ضمیمہ پارہ الم ص ۱۰، بیان القرآن ج ا ص ۲۶ حاشیہ، انوار البیان ج ا ص ۷۷) رھب باب سمع سے ہے (مختار الصحاح ص ۲۵۹)

۲) حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آیات کا غلط مطلب بتا کر یا چھپا کر لوگوں سے پیسے لینا باجماع امت حرام ہے لیکن صحیح مطلب بتا کر اجرت لینا اس میں فقہاء کا اختلاف تھا مگر اسلامی حکومتوں کے نظام کے خراب ہونے کی بنا پر سب نے اس کے جواز کا فتوی دیا، اسی طرح امامت اذان حدیث وفقہ کی تعلیم ہے......مگر مردوں کے ایصال ثواب کیلئے اجرت کے ساتھ ختم قرآن کروانا حرام ہے ثواب نہ ملے گا (از معارف القرآن مفتی صاحبؒ ج ا ص ۲۰۷، ۲۰۸) مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے تفسیر معارف الفرقان ج ا ص ۱۶۵ تا ۱۶۸۔ اور حضرت امام اہل سنتؒ کی کتاب راہ سنت ص ۲۵۲ تا ۲۵۹، ص ۳۰۸، ۳۰۹۔

۳) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: ﴿فائدہ﴾ ظاہر کا مقتضی تھا کہ اس طرح فرماتے: **ولا تشتروا بآياتي متاعا قليلا** میری آیات کے بدلے تھوڑا سامان مت خریدو اس لئے کہ عرف میں سامان خریدا جاتا ہے ثمن اور قیمت نہیں خریدی جاتی لیکن بجائے اس کے **ولا تشتروا بآياتي ثمنا قليلا** فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ تمام دنیا کا ساز و سامان بمنزلہ قیمت کے ہے اور اصل مقصود آخرت ہے اور یہ مسلم ہے کہ معاملہ میں مقصود بالذات قیمت نہیں ہوتی اصل مقصود سامان ہوتا ہے اور (باقی آگے)

**قَلِيۡلًا** ۔تو آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ پیسے کو اصل بنا کر آیات کو اس کے حصول کا ذریعہ نہ بناؤ اس لئے شریعت کے حکم کو بدل کر نہ تھوڑی رقم لینا جائز ہے نہ زیادہ (۱) امامت، خطابت اور تدریس کرنے والے صحیح العقیدہ علماء و حفاظ وقت دیتے ہیں محنت کرتے ہیں اس کی تنخواہ لیتے ہیں، احکام شرع کو نہیں بدلتے (۲)

۹) <u>حق کو باطل سے ملانے اور حق کو چھپانے کی ممانعت:</u>

اگلی آیت میں فرمایا: **وَلَا تَلۡبِسُوا (۳) الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا (۴) الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ** ☆ اور حق کو باطل سے نہ ملاؤ اور حق کو نہ چھپاؤ جبکہ تم [باتوں کی برائی کو] جانتے بھی ہو [تو جان بوجھ کر ایسا کرنا اور بھی سخت گناہ ہے (کشف الرحمٰن ص ۱۱)

تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۶ میں ہے کہ کعب بن اشرف اور دوسرے یہودی رؤساء اور علماء نے اپنے عوام اور جہلاء پر ان کی پھلوں اور جانوروں سے سالانہ ناجائز چندے لگا رکھے تھے اس کے علاوہ نقد مال سے بھی لیتے تھے آپ ﷺ کی تشریف آوری پر یقین کر لیا کہ آپ ہی آخری نبی ہیں مگر یہ سوچا کہ اگر قوم ایمان لے آئی تو یہ چندے رک جائیں گے انہوں نے آپؐ کے اوصاف کو بدلا، آپؐ کے اسم گرامی کو چھپایا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اس آیت میں ایسے لوگوں کو سمجھایا گیا۔

<u>ربط:</u> گذشتہ آیت میں حکم تھا کہ خود گمراہی سے باز آؤ اور ایمان اور ہدایت کو قبول کرو، اس آیت میں یہ حکم ہے کہ دوسروں کو گمراہ نہ کرو (۵) جن لوگوں کے کان

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قیمت اور زر ثمن مقصود کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے پس اشارہ اس طرف ہے کہ تم نے اپنی نادانی اور غلط فہمی سے ثمن اور قیمت کو مقصود بالذات سمجھ لیا اور باقی کو دے کر فانی کو خرید لیا (کاندھلویؒ ج ۱ ص ۱۶۷) یا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ آیات کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو کہ ان کے معانی غلط بتا کر مال کو اصل مقصد بنا لیا جائے

۱) حضرت نانوتویؒ کا تعلیم کی اجرت کے جواز میں ایک مفصل و مدلل فتوی موجود ہے جو مولانا نور الحسن راشد کاندھلویؒ کی کتاب ''قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ'' ص ۶۶۰ تا ۶۷۶ میں موجود ہے۔ اہل علم اس سے ضرور استفادہ کریں۔ اس میں آپ فرماتے ہیں کہ اگر معقود علیہ امر حرام ہو جیسے منصفی، ڈپٹی کلکٹری وغیرہ مناصب حکومت جن میں خلاف **ما أنزل الله** حکم کرنے کی شرط ہے تو ایسی نوکری حرام ہے (دیکھئے کتاب مذکور ص ۶۶۱)

۲) راقم الحروف نے ہدایۃ النحو کی شرح میں حروف جارہ کی بحث کے تحت اس موضوع پر لکھا، اور وکلاء اور علماء کرام کا موازنہ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء کرام کہتے ہیں عورتوں کو وراثت سے محروم نہ کرو، عورت خواہ میت کی ماں ہو یا نانی دادی ہو، بیوی ہو یا بہن ہو، بیٹی ہو یا پوتی ہو جس کو بھی وراثت سے حصہ پہنچتا ہو اسے وراثت سے محروم کرنا ظلم اور خدا کے احکام سے مقابلہ ہے اب مولوی صاحب کے مسئلہ بتانے سے اگر کسی عورت کو حصہ مل جائے تو اس میں مولوی صاحب کا کچھ مفاد نہیں بلکہ مسئلہ بتانے میں اکثر لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے دوسری طرف وکلاء جو عوام کی نظر میں بڑے معزز ہیں ان کا حال یہ ہے کہ پیسے مل جائیں تو قاتل تک کا دفاع کرتے ہیں (عنایۃ النحو ص ۶۱۳)

۳) لَبِسَ قرآن کریم میں باب ضرب سے بھی آتا ہے سمع سے بھی ضرب سے ہو تو خلط ملط کرنا جیسے اس آیت میں: **ولا تلبسو الحق بالباطل**، سمع سے ہو تو معنی پہننا۔ جیسے: **وتستخرجون حلية تلبسونها** [فاطر: ۱۲] (مختار الصحاح ص ۵۹۰)

۴) **تَكۡتُمُوۡا** یا مجزوم ہے یا منصوب۔ مجزوم ہوگا **تَلۡبِسُوۡا** پر معطوف ہونے کی وجہ سے، علامت جزم حذف نون اعرابی ہے اور منصوب ہوگا نہی کے بعد جو واؤ (باقی آگے) ہے اس کے بعد اَنۡ کے مقدر ہونے کی وجہ۔ علامت نصب حذف نون اعرابی ہے۔ جیسے **لَا تَأۡكُلِ السَّمَكَ وَتَشۡرَبَ اللَّبَنَ** جس کا مفہوم ہے: **لَا تَأۡكُلِ السَّمَكَ مَعَ اَنۡ تَشۡرَبَ اللَّبَنَ** ۔ دودھ پینے کے ساتھ مچھلی نہ کھا۔ اسی طرح **وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَقَّ** کا مفہوم ہوگا: **وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ مع كتمانكم الۡحَقَّ.** امام نسفیؒ لکھتے ہیں: **(وَتَكۡتُمُواۡ الحق) هو مجزوم داخل تحت حكم النهي بمعنى ولا تكتموا، أو منصوب بإضمار أن، والواو بمعنى الجمع، أي ولا تجمعوا بين لبس الحق بالباطل وكتمان الحق كقولك لَا تَأۡكُلِ السَّمَكَ وَتَشۡرَبَ اللَّبَنَ** (النسفی مع الخازن ج ۱ ص ۴۶)

۵) مفسر قرآن حضرت صوفی عبد الحمید سواتیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

آج کے دور میں دیکھ لیجئے بد قماش قسم کے علماء محض دنیوی مفاد کی خاطر کس طرح غلط فتوے جاری کرتے ہیں...... مقصد یہ ہوتا ہے کہ حاکم وقت راضی ہو جائے تو اپنی عیش ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظالم بادشاہ اور فاسق امراء آخرت سے بے خوف ہو کر کمزور طبقے پر ظلم و جور کے پہاڑ توڑتے ہیں...... یہی حال وزیروں اور دیگر دفتری اہل کاروں کا ہے قانون کی آڑ میں عوام کے حق غصب کرتے ہیں...... پیروں گدی نشینوں اور علمائے سوء کا حال دیکھ لیں انہیں فرائض کا کوئی خیال نہیں کہ پورے ہو رہے ہیں یا نہیں مگر مستحبات اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کو سینے سے لگائے بیٹھتے ہیں جنہیں چھوڑنے کا تیار نہیں (معالم العرفان ج ۲ ص ۱۹۰، ۱۹۱)

کچھ حق سے آشنا ہو چکے ہوں......ان کو گمراہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حق اور باطل صدق اور کذب ہدایت اور ضلالت کو ان کے سامنے خلط ملط کر دیا جائے (ا) تا کہ حق کے قبول کرنے میں متردد ہو جائیں **لا تلبسوا الحق بالباطل** (ا) میں اسی طرف اشارہ ہے اور جس شخص نے کلمہ حق سنا ہی نہ ہو......اس کے گمراہ کرنے کا طریق

---

ا) حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور سحبان الہند مولانا سعید احمد دہلویؒ فرماتے ہیں: خود غرض لوگ اور علمائے سوء احکام شرعیہ کی تبدیلی دو طرح کیا کرتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر قابو چلا تو اس کو ظاہر ہی نہ ہونے دیا یہ کتمان ہے اور اگر ان کے چھپائے نہ چھپ سکا اور ظاہر ہو ہی گیا کہ کسی نے کوئی آیت یا حدیث پیش کر دی تو اس میں خلط ملط کرنے لگتے ہیں کہیں سہو کا تب بتلاتے ہیں، کہیں مجاز کا بہانہ پیش کر دیتے ہیں، کہیں محذوف و مقدر نکالتے ہیں یہ لبس ہے (از بیان القرآن تھانویؒ ج ا ص ۲۷، کشف الرحمن ج ا ص ۱۱)

**اقول** جیسے مرزائی عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی معجزہ ہوا ہی نہیں مثلاً کہتے ہیں کہ مردوں کے زندہ کرنے سے مراد گمراہوں کو ہدایت پر لانا ہے اندھے اور ابرص کے بیمار کو شفا دینے سے بھی یہی مراد ہے اور یہ آتا ہے کہ وہ بتاتے تھے کہ تم کیا کھا کر آئے ہو کیا گھر میں چھوڑ کر اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو صدقہ زکوۃ کے احکام بتاتے تھے (دیکھئے بیان القرآن مرزائی ج ا ص ۲۱۶ تا ۲۲۱) مسلم ج ۲ ص ۴۰۰ میں نزول کی حدیث میں: **نَبِیُّ اللّٰہِ عِیْسٰی** کے الفاظ ہیں یعنی اس میں بار بار خاص سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اللہ کہا گیا مگر مرزائی کہتے ہیں اس سے مراد اس امت کا مسیح موعود یعنی مرزا قادیانی ہے (دیکھئے پاکٹ بک خادم ص ۲۷۱، تبلیغ ہدایت ص ۲۹۴، ۲۹۵) مرزا نے پیشگوئی کی کہ محمدی بیگم اس کے نکاح میں آئے گی جب وہ اس کے نکاح میں نہ آئی تو مرزائی کہنے لگے مرزے کو بعد میں ایک اور الہام ہوا، اس کے مطابق شادی کے ہونے میں ایک اور شرط بھی جو نہ پائی گئی (پاکٹ بک قاضی نذیر ص ۲۶۱) ختم نبوت میں تاویل کرتے ہیں کہ مراد تشریعی نبی کا نہ آنا ہے اور مرزا قادیانی غیر تشریعی نبی تھا (تبلیغ ہدایت ص ۲۶۱، ۲۶۲) بریلوی نبی کریم ﷺ کے لئے علم غیب ثابت کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ جن آیات میں آپ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہاں ذاتی کی نفی مراد ہے بریلوی تو عطائی علم غیب مانتے ہیں کبھی کہتے ہیں علم غیب کے دعوی کی نفی مراد ہے نبی ﷺ نے علم غیب کا دعوی نہ کیا مگر آپ کو غیب کا علم تھا تو سہی (دیکھئے سورۃ الانعام آیت ۵۰ کے تحت خزائن العرفان ص ۱۹۴)

ا) حضرت امام اہل سنتؒ فرماتے ہیں:

بدعت سے دین خلط ملط ہو جاتا ہے انسان اس کو دین سمجھ کر کرتا ہے اس لئے باوجود گناہ ہونے کے اس سے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اگر بدعت کی مخالفت کریں تو بدعتی کہیں گے ہمارے دین کی مخالفت کی ہے اس لئے سو گناہ کبیرہ ایک طرف ایک بدعت ایک طرف تو بدعت کا گناہ زیادہ ہے...... مسجد میں سو بوتلیں شراب پینے سے زیادہ بدعت کا گناہ ہے کیونکہ بدعت سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے گناہ کرنے والا گناہ سمجھ کر کرتا ہے اس سے توبہ بھی کر سکتا ہے اور بدعتی بدعت کو دین سمجھ کر کرتا ہے تم بدعات کا رد کرو گے وہ کہیں گے انہوں نے ہمارے دین کی مخالفت کی ہے اس لئے سو گناہ کبیرہ ایک طرف اور ایک بدعت ایک طرف تو بدعت کا گناہ زیادہ ہے......جیسے آپ نے صبح کی نماز پڑھی آپ شکر ادا کریں گے یہ تو نہ کہیں گے کہ اس سے میری توبہ...... کتاب تحفۃ الہند میں ہے کہ تیجہ ساتواں دسواں برسی منانا عرس لگانا یہ تمام ہندوؤں کی رسمیں ہیں جو ہمارے اندر آ گئی ہیں ہندو سکھ مسلمان ہوئے مگر ان رسموں کو نہ چھوڑا (از ذخیرۃ الجنان ج ا ص ۱۴۷ تا ۱۴۹)

**اقول** حضرت کی اس بات کی تائید ہندوؤں کی کتاب ستیارتھ پرکاش سے بھی ہوتی ہے۔ اس کتاب میں پنڈت دیانند سرسوتی ہندوؤں کے کسی فرقے کا اعتراض نقل کرتا ہے کہ: ''سب برہمنوں نے اپنی روزی کی خاطر صورت نکالی ہوئی ہے اور جو وہ دس گاتر وغیرہ مردے کی خاطر دیا کرتے ہیں وہ بھی سب پیٹ کی خاطر ہے''۔ اگلے صفحے میں پنڈت اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے: ''برہموں نے پریت کرم (مردہ کے متعلق (سوم) اپنی روزی کی خاطر جاری کئے ہیں چونکہ یہ وید کے مطابق نہیں اس لئے قابل تردید ہیں'' (ستیارتھ پرکاش طبع چہارم ص ۵۳۷) غور کریں اس میں باقاعدہ ''سوم'' کا لفظ موجود ہے۔ اسی کو تیجہ کہتے ہیں۔ پنڈت کے رد کرنے معلوم ہوا کہ اصل ہندو مذہب میں یہ رسم نہ تھی برہموں نے ذاتی غرض کے تحت اس کو شروع کیا۔ بہر حال ایسے ہندو جب مسلمان ہوئے تو اپنے بعض رسم و رواج کو اسلام کے مطابق کرنے کی کوشش کی پہلے ان رسموں میں وید پڑھتے تھے اب قرآن پڑھنے لگے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جو لوگ جو مرزائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو مرزا قادیانی پر لعنت تو بھیجتے ہیں مگر ان سے مرزائیت پوری نکلتی نہیں کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور ان کی حیات و نزول کے منکر رہتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ مرزائیت سے تائب ہونے کا اعلان کریں انہیں عقیدۃ طحاوی یا عاجز کی کتاب ''دروس ختم نبوت'' اور ''الکلام الفصیح'' ضرور پڑھا دینی چاہئیں۔

یہ ہے کہ حق کو اس کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے...... **وتکتموا الحق** (ا) میں اسی طرف اشارہ ہے۔ حق کے مٹنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کو بیان نہ کیا جائے

---

(ا) آیت: **ولا تلبسوا الحق بالباطل** کے تحت مولانا عبدالقیوم قاسمی دامت برکاتہم نے بدعت کی تعریف، بدعت وسنت کا تقابل۔ اور بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کے بارے میں اچھی بحث کی ہے۔ جزاہ اللہ خیرا (دیکھئے تفسیر معارف الفرقان ج ا ص ۱۶۷، ۱۶۸) راقم کے نزدیک بہت سی بدعات کا پتہ نیت سے بھی چل جاتا ہے مثلا گیارھویں اور تیجے کا ختم دینے والوں کو ختم دلوانے کے بعد **جزاک اللہ** کہہ کر فارغ کر دیں اور ان کو نہ کچھ نقد دیں نہ کچھ کھلائیں پلائیں تو پتہ چلے گا کہ وہ ختم کی تائید کرتے ہیں یا مذمت۔

☆ اس آیت "**ولا تلبسوا الحق بالباطل**" کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں

اگر چہ یہ آیت علمائے بنی اسرائیل کے لئے آئی ہے لیکن اس میں وہ موجودہ علماء بھی داخل ہیں جو قرآن پاک کے معانی یا مطالب میں تبدیلی کرتے ہیں جیسے خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی مگر دیوبندیوں اور قادیانیوں نے اس کے معنی کئے اصلی نبی اور حضور علیہ السلام کے بعد بھی نئے نبیوں کا آنا جائز مانا (تفسیر نعیمی ج ا ص ۳۲۰)

**اقول** [ا] یہ علماء دیوبند پر سراسر الزام ہے علماء دیوبند اس کو کافر کہتے ہیں جو کہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آئے گا یا کسی کو منصب نبوت ملے گا۔ پاکستان میں جو تحریک بھی مرزائیوں کے خلاف چلی اس میں علماء دیوبند پیش پیش رہے ۱۹۷۴ء کی تحریک جس میں مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا اس کی قیادت بھی علماء دیوبند نے کی [۲] اگر مفتی صاحب کا اشارہ تحذیر الناس کی طرف ہے تو پہلے یہ بتائے کہ شاہجہانپور کے مباحثوں میں ہندوؤں اور عیسائیوں کے نامی گرامی مناظرین کے سامنے ختم نبوت کا اعلان کس نے کیا تھا؟ وہاں ختم نبوت کا اعلان تحذیر الناس کے مصنف ہی نے کیا تھا۔ شاہجہانپور بریلی کے قریب ہے وہاں اسلام کی ترجمانی کیلئے بریلویوں میں سے کوئی نہ گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ [۳] تحذیر الناس میں حضرت نانوتویؒ نے ہرگز نبی ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کو جائز نہیں لکھا، بلکہ اس کے صفحہ ۵۶ میں خاتمیتِ زمانی کے منکر کو کافر لکھا ہے۔ صفحہ ۴۴ میں خاتمیتِ زمانی کی حکمت سمجھاتے ہوئے یہ بات کہی کہ دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے نبی تھے نبی کریم ﷺ کے امتی اور ہمارے نبی ﷺ امت کے بھی نبی انبیاء کے بھی نبی۔ صفحہ ۵۳، ۵۴ میں لکھا کہ اللہ نے آپ کو سب سے آخر میں بھیجا تا کہ آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ نہ کرے۔ تحذیر الناس ص ۴۴ میں یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت سے قبل عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو آپ ہی کی شریعت نافذ کریں گے۔ الغرض حضرت نانوتویؒ نے ہرگز یہ نہ لکھا کہ چونکہ آپ ﷺ اصلی نبی ہیں اس لئے آپ کے بعد انبیاء آسکتے ہیں بلکہ آپ نے تو یہ لکھا ہے کہ چونکہ آپ اصلی نبی ہیں اس لئے آپ آخری نبی ہیں خاتم زمانی ہیں (تحذیر ۵۲، ۵۳) [چند صفحات قبل حضرت نانوتویؒ کی دلیل بھی حاشیہ میں گزر چکی ہے]

اور حضرت نانوتویؒ کی یہ بات خود مفتی احمد یار خان نے بھی کہی ہے مگر تحذیر الناس کا نام لئے بغیر کہی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں تمام پیغمبروں کے دین کیوں منسوخ کر دیئے گئے؟ دنیا کا قاعدہ ہے کہ <u>ہر چیز اپنی اصل پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے بلکہ</u> اپنے آپ کو اس اصل میں گم کر دیتی ہے رات بھر ستارے جگمگاتے ہیں مگر جہاں سورج چمکا سب چھپ گئے کیونکہ <u>سب تاروں میں سورج ہی کا تو نور تھا</u> تمام دریا سمندر کی طرف بھاگے جاتے ہیں کیونکہ ہر دریا سمندر سے بنا ہے سمندر سے بادل آیا پہاڑوں پر بارش بن کر یا برف بن کر گرا اس سے دریا بنا دریا اپنی اصل کی طرف بھاگا ایسا بھاگا کہ جس پل نے، درخت، کسی عمارت نے اس کو روکنا چاہا اس کو بھی گرا دیا مگر جہاں سمندر کے قریب پہنچا شور بھی جاتا رہا، روانی میں کمی ہو گئی اور جب سمندر سے ملا تو اس طرح فنا اور گم ہو گیا کہ گویا تھا ہی نہیں اور زبان حال سے کہا کہ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ۔۔۔ تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اسی طرح <u>تمام انبیاء کرام تارے ہیں حضور آفتاب</u> حضور کو قرآن میں فرمایا گیا **سِرَاجًا مُّنِيرًا** یا تمام انبیاء کرام دریا ہیں حضور علیہ السلام ان دریاؤں کے سمندر تمام نبوتیں ادھر ہی چلی آ رہی ہیں فرعونی ہامانی نمرودی ہزار ہا طاقتیں سامنے آئیں ان کو پاش پاش کر دیا مگر سمندر نبوت کو پا کر سب نے اپنے آپ کو اس میں گم کر دیا صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

یہ انبیاء و مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں ۔۔۔ سب جگمگائے رات بھر، چمکے جو تم کوئی نہیں (شان حبیب الرحمٰن ص ۳۲، ۳۳)

غور سے دیکھیں تحذیر الناس کے مضمون کو ہی مفتی صاحب نے آسان الفاظ میں ادا کیا ہے۔ تحذیر الناس میں نبی کریم ﷺ کی نبوت کو بالذات کہا یہاں اصل کے لفظ سے تعبیر کیا۔ پھر حضرت نانوتویؒ نے سورج کی مثال دی سمندر کی مثال نہ دی کیونکہ سمندر سے پانی نکالا جائے تو کچھ نہ کچھ کمی آتی ہے جو پانی سمندر سے لیا جائے وہ سمندر میں نہ رہے گا لیکن زمین پر جو دھوپ ہوتی وہ سورج کی روشنی سے ہے مگر اس وقت سورج میں کوئی کمی نہیں بلکہ زمین کی یہ روشنی اس وقت بھی سورج کے ساتھ ہے سورج کے (باقی آگے)

کیونکہ جب حق کو بیان نہ کیا جائے گا تو اگلی نسلوں کو کیا پتہ چلے گا کہ حق کیا ہے باطل کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ حق و باطل کو ایسا ملا دیا جائے کہ پتہ نہ چلے کہ حق کیا ہے باطل کیا ہے؟ آیت کریمہ میں دونوں سے روکا گیا ہے (کاندھلویؒ ج۱ ص۱۶۷، ذخیرۃ الجنان ج۱ ص۱۴۷، ۱۴۸)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) غروب ہونے سے یہ دھوپ ختم ہو جاتی ہے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کا ذہن جہاں تک گیا مفتی احمد یار خان کے ذہن کی رسائی وہاں تک نہ ہوئی۔ مفتی احمد یار خان صاحب نے اگر حضرت نانوتویؒ کو منکر ختم نبوت ہی کہنا تھا تو ان کے مضمون کو چوری کر کے اپنی کتاب کی زینت تو نہ بناتے۔

☆ آیت "**ولا تلبسوا الحق بالباطل**" کے تحت مرزا محمود قادیانی تفسیر کبیر ج۱ ص۳۹۱ میں لکھتا ہے:

اسی طرح آج کل بعض علمائے اسلام کرتے ہیں اسلام نے بہت سے مہدیوں کی خبر دی ہے بعض آ چکے اور اپنے متعلق پیشگوئیوں کو پورا کر چکے مگر یہ علماء آنے والے مہدی کے بارہ میں ان پیشگوئیوں کو بتا کر ان پیشگوئیوں کو مشتبہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس کے بارے میں ہیں اور پہلے زمانہ میں پوری ہو چکی ہیں۔

**اقول:** یہاں بھی اس کا مقصد مرزے کا دفاع ہے ارے اس کے بارے میں مجدد، مہدی یا مسیح ہونے کا تصور جانے دو پہلے اس کا اور اس کے معتقدین کا ایمان تو ثابت کرو۔ باقی جمہور امت کے ہاں مہدی سے مراد وہ ہستی ہے جن کے زمانے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے (دیکھئے المنار المنیف ص۱۴۲) اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مستقبل میں ہوگا اور یقیناً ہوگا مرزائی اور دنیا کی ساری کفریہ طاقتیں بھی مل کر ان کے نزول کو روک نہیں سکتیں۔

☆ مرزا محمود قادیانی ہی لکھتا ہے:

یہود سب علامتوں کو تسلیم کر کے کبھی کہہ دیتے کہ اصل علامت آنے والے کی یہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے ہوگا کبھی کہہ دیتے کہ اصل علامت یہ ہے کہ وہ یروشلم سے ظاہر ہوگا اس طرح عوام کو سچ قبول کرنے سے محروم کر دیتے ہیں حالانکہ صداقت کے پہچاننے میں اصل چیز جسے مد نظر رکھا جاتا ہے یہ ہے کہ موعود اس غرض کو پورا کرتا ہو جس کے لئے اس کی خبر دی گئی تھی اس زمانہ میں ظاہر ہو جس میں اس کے ظہور کی سب سے زیادہ ضرورت ہو اور کچھ حصہ پیشگوئیوں کا ظاہر میں اس کے حق میں پورا ہو جائے کچھ حصہ ان کا تعبیر طلب ہوتا ہے بے شک بعض جگہ بنی اسرائیل میں سے اس نبی کے آنے کی خبر دی گئی ہے مگر چونکہ دوسری جگہ بنو اسماعیل میں سے ہونے کی خبر ہے اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس کی قوم بنی اسرائیل کی برکات کی وارث ہوگی اور گویا آئندہ زمانہ میں وہ بنی اسرائیل کے قائم مقام ہوگی اور صیحون میں اس کے ظاہر ہونے کے الفاظ بے شک آتے ہیں لیکن اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ جس جگہ وہ ظاہر ہوگا وہ بھی خدا تعالیٰ کے مقدس مقامات میں سے ہوگا یعنی مکہ۔ بہت سی دوسری علامات کے حرف بحرف پورا ہو جانے کے بعد اور سب سے زیادہ یہ کہ <u>اس زمانہ میں ظاہر ہونے کے بعد جس میں کہ اس موعود کو ظاہر ہونا چاہئے تھا</u> اور وہ کام کرنے کے بعد جو اس کے لئے مقدر تھا پھر بنی اسرائیل کا یہ اعتراض کہ فلاں فلاں پیشگوئی ابھی پوری نہیں ہوئی یا لفظاً پوری نہیں ہوئی محض حق اور باطل کو ملانے والی بات ہے (مرزائی کبیر ج۱ ص۳۹۱)

**اقول:** [۱] مرزا بشیر احمد نے تبلیغ ہدایت میں اپنے خیال میں مرزا کے کچھ کام ذکر کر کے کہا کہ مسیح کے یہی کام ہوں گے لہٰذا مرزا قادیانی مسیح ہے اگرچہ اس کا نام عیسیٰ نہیں اس کی ماں کا نام مریم نہیں اوپر سے اس کا نزول نہیں ہوا، مرزا محمود نے یہ باتیں ایسے ہی مضامین کیلئے ذہن سازی کے لئے لکھی ہیں ورنہ تورات میں ہرگز نہ تھا کہ آخری نبی بنی اسرائیل سے ہوں گے اور نہ یہ کہ وہ صیحون میں ہوں گے، اہل کتاب کا ایسا خیال ہو تو الگ بات ہے مگر تورات میں ایسا ہرگز نہ تھا، اگر تورات میں ایسا لکھا ہوتا تو یہودی علماء دل سے آپ کو نبی نہ مانتے اور کھل کر کہہ دیتے کہ ہماری کتابوں میں ہے کہ آخری نبی بنی اسرائیل سے ہوں گے اور آپ تو بنی اسماعیل سے ہیں اور قرآن ان کے بارے میں یہ نہ کہتا: **اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ** [البقرۃ:۱۴۶] اور یہ بھی نہ کہتا: **يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ** [الاعراف:۱۵۷] ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ تورات و انجیل میں جو جو نشانیاں نبی آخر الزمان کی موجود تھیں وہ تمام نشانیاں آپ میں پائی جاتی تھیں اور اہل کتاب کے علماء بھی دل سے اس کو مانتے تھے۔ [۲] اس کے خط کشیدہ الفاظ بھی مرزے کے دفاع کیلئے ہیں کیونکہ عبد الرحمٰن خادم کہتا ہے مرزا اس زمانے میں آیا جب نبی کی ضرورت تھی لہٰذا مرزا نبی تھا وہ لکھتا ہے: جب دنیا میں گمراہی پھیل جائے تو نبی آتا ہے ارشاد فرمایا: **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ** (الروم:۴۱) **وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ** (الجمعہ:۲)

جہاں میں چار سو گمراہیاں     زمانہ خود ہی ہے طالب نبی کا     (پاکٹ بک ص۳۵۶ نیز ص۲۶۴، ۲۶۵)     (باقی آگے)

۱۰) ایمان لانے اور کفر کا حکم دینے کے بعد اہم اسلامی اعمال کی تعلیم دیتے ہوئے (۱) فرمایا:

**وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ** ☆ اور نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (۲)

<u>یہاں صلوۃ سے مراد نماز ہی ہے:</u>

صلوۃ کے لغوی معنی دعاء ہے اصطلاح میں ایک مخصوص عبادت ہے جسے نماز کہتے ہیں یہاں اصطلاحی معنی نماز ہی مراد ہے اور نماز بھی مسلمانوں والی حضرت کاندھلویؒ فرماتے ہیں: **الصلوة** میں الف لام عہد کا ہے یعنی صحابہؓ جیسی نماز پڑھو منافقین جیسی نہیں (از معارف القرآن کاندھلویؒ ج۱ ص۱۶۸)

<u>رکوع سے مراد فقط جھکنا نہیں:</u>

رکوع کے لغوی معنی جھکنے اور عاجزی کرنے کے ہیں اصطلاح میں نماز کے ایک رکن کو رکوع کہا جاتا ہے اکثر علماء نے اس کے ترجمہ میں رکوع (۳) کا ذکر کیا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **اقول** مگر قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ اور امت مسلمہ کے عقیدۂ محکمہ کے مقابلہ میں ایسی قیاس آرائیاں نہیں چل سکتیں، نبی ﷺ کی آمد کے بعد آپ کی امت آپ کی تعلیمات کو لے کر ہر طرف پھیل گئی۔ آپ نے بتایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی امام مہدی بھی اسی جماعت سے ہوں گے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو اس جماعت کے افراد ان کا استقبال کریں گے، الحمد للہ وہ جماعت موجود ہے اس لئے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ (دروس ختم نبوت ص۳۲۷، ۳۲۸ حاشیہ) بہر حال مرزا محمود کی یہ باتیں قرآن کی تفسیر نہیں، مرزائیت کی ترجمانی کرتی ہیں۔

۱) مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

پہلی آیات میں ایمان کی درستگی کی بنی اسرائیل کو ہدایت کی تھی اب اعمال کی درستی کی طرف توجہ دلائی ہے...... کہ...... بیشک تمہاری عبادات اور تمہارے اعمال شرک سے ایک حد تک پاک ہوں گے مگر اب وہ معیار توحید کا جو پہلے تھا بدل گیا ہے اب تو اس وقت تک تم خدا تعالیٰ کے فضلوں کے وارث نہیں ہو سکتے جب تک اس معیار توحید کو قائم نہ کرو جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے (مرزائی کبیر ج۱ ص۳۹۳)

**اقول** یہ کہنا چاہئے تھا کہ اب عبادت اس طریقے سے کرنی ہوگی جو طریقہ محمد ﷺ سکھائیں۔ معیار توحید تو ہر شریعت میں ایک ہی رہا ہے ہر نبی نے لا الہ الا اللہ کی تعلیم دی۔ ہر نبی نے یہی کہا کہ عبادت کا حقدار صرف ایک اللہ ہی ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہود نے توحید کو قائم نہ رکھا خدا کی گستاخیوں پر اتر آئے مثلاً اپنی کتابوں میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی کشتی کا گستاخانہ واقعہ لکھا، نبی کریم ﷺ کے زمانے کے یہودیوں نے کہا: **ید اللہ مغلولة** [المائدۃ:۶۴] یہ بھی کہا: **ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء** [آل عمران:۱۸۱]

۲) ان تین کاموں کا حکم کیوں دیا گیا؟ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: علمائے یہود کو ایمان لانے میں تین رکاوٹیں تھیں جو تین روحانی بیماریاں ہیں ایک یہ کہ ان کی قوم ان سے عقیدت رکھتی تھی وہ سوچتے تھے کہ اگر ایمان لے آئیں تو قوم کی عقیدت کا مرکز آنحضرت ﷺ کی ذات ہوگی ان سے ویسی عقیدت نہ رہے گی اسے حب جاہ یعنی مرتبے کی محبت کہتے ہیں۔ دوسری رکاوٹ مال کی محبت وہ اس طرح کہ یہودی علماء عوام سے مختلف طرح سے مال وصول کرتے تھے، سود سے منع کیا گیا مگر وہ سود پر قرض بھی دیتے تھے۔ ایمان لانے سے ان کو مالی آمدنی کم ہوتی نظر آتی، تیسری رکاوٹ حسد تھی کہ آخری نبی بنی اسماعیل سے کیوں ہوئے؟ ان روحانی امراض کے علاج کیلئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان تین کاموں کا حکم دیا۔ نماز سے ان کی حب جاہ کم ہوگی، زکوۃ سے حب مال گھٹے گی [ہر طرح کے غریب امیر مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے جو تواضع باطنی پیدا ہوگی اس] تواضع باطنی سے حسد وغیرہ میں کمی آوے گی یہی مرض ان میں زیادہ تھے (بیان القرآن تھانویؒ ج۱ ص۴۷ مع التوضیح)

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: یہود نے نماز زکوۃ کے احکام ختم کردیئے تھے تورات میں نماز کا ذکر نہیں زکوۃ کا مصرف کاہنوں ہی کو بنادیا تھا، نیز بجائے زکوۃ دینے کے سود کھانے لگ گئے تھے (از تدبر قرآن ج۱ ص۱۸۶) تو ان اعمال کا حکم دینے سے یہود کی بدعملی پر بھی تنبیہ ہوگئی۔

۳) حضرت شاہ رفیع الدین ترجمہ کرتے ہیں: اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔ نیز دیکھئے ترجمہ مولانا احمد علی لاہوریؒ، ترجمہ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر در ذخیرۃ الجنان، ترجمہ صوفی عبد الحمید سواتیؒ در معالم العرفان، ترجمہ ثناء اللہ امرتسری در تفسیر ثنائی ج۱ ص۵۹، ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی در احسن البیان، ترجمہ مسعود احمد امیر نام نہاد جماعت المسلمین در تفسیر قرآن عزیز ج۱ ص۲۲۲، ترجمہ امین احسن اصلاحی در تدبر قرآن ج۱ ص۱۷۵۔

بعض علماء نے ترجمہ میں جھکنے اور عاجزی کرنے کا ذکر کیا(۴) مگر ان کی مراد بھی رکوع کی شکل میں ہی جھکنا یا عاجزی کرنا ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی فرماتے ہیں:

رکوع کے معنی جھکنا ہیں چونکہ نماز کا یہ ایک جز ہے تو کل کو کبھی اس جز کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور کبھی سجدہ کے ساتھ (تفسیر حقانی پارہ الم ص ۱۱۱) حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: پہلے کسی دین میں باجماعت نماز نہیں تھی...... یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ صرف امور مذکورہ بالا نجات کیلئے کافی نہیں بلکہ تمام اصول میں نبی آخرالزمان کی پیروی کرو نماز بھی ان کے طور پڑھو جس میں جماعت بھی ہو اور رکوع بھی (عثانی ص ۹ ح ۱۱۲) مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں: نماز کے تمام ارکان میں سے اس جگہ رکوع کی تخصیص کیوں کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نماز کا ایک جز بول کر کل نماز مراد لی گئی ہے......حکمت یہ ہے کہ یہود کی نماز میں سجدہ وغیرہ تو تھا، رکوع (۵) نہیں تھا (معارف القرآنؒ ج ۱ ص ۲۱۵)

---

۴) حضرت شیخ الہندؒ نے **وارکعوا مع الراکعین** کا ترجمہ تو کیا: اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ مگر تفسیر میں رکوع کا ذکر کیا جیسا اوپر گزرا، نیز آل عمران آیت ۴۳: **وارکعی مع الراکعین** کا ترجمہ کیا: اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔ حضرت تھانویؒ نے **وارکعوا مع الراکعین** کا ترجمہ تو کیا: اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ۔ مگر سورۃ آل عمران کی آیت **وارکعی مع الراکعین** کا ترجمہ کرتے ہیں: اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔

۵) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تحقیق یہ تھی کہ پہلی امتوں میں رکوع بھی تھا جماعت بھی اور نماز باجماعت میں بالخصوص رکوع میں معیت ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت ادا ہو جاتی ہے چنانچہ سورۃ سورۃ الحج آیت ۲۶: **وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ** کے تحت شاہ عبدالقادرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''پہلی امتوں میں رکوع نہ تھا یہ خاص اسی امت محمدیہ کی نماز میں ہے تو خبر دی کہ آگے لوگ ہوں گے اس کے آباد کرنے والے'' اس کے بعد اپنا فیصلہ یوں دیتے ہیں: **وَفِيهِ نَظَرٌ فَتَأَمَّلْ** (عثانی ص ۴۴۶ ح ۵)

<u>تحقیق مزید:</u>

فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا تھا **يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ** (آل عمران: ۴۳) حضرت شیخ الاسلامؒ اس کے تحت لکھتے ہیں: جیسے **راکعین** خدا کے آگے رکوع کرتے ہیں تو بھی اسی طرح رکوع کرتی رہ، یا یہ مطلب ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتی رہ اور <u>چونکہ کم از رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہونے والا اس رکعت کو پانے والا سمجھا جاتا ہے شاید اس لئے نماز کو بعنوان رکوع تعبیر کیا گیا</u>، <u>**کما یفھم من کلام ابن تیمیة فی فتاواہ**</u> ۔ واللہ اعلم۔ اس تقدیر پر اگر ''اقْنُتِي'' میں ''قنوت'' سے قیام مراد لے لیں تو قیام، رکوع، سجود تینوں **ھیئات صلوۃ** کا ذکر اس آیت میں ہو جائے گا (تنبیہ) ممکن ہے اُس وقت عورتوں کو عام طور پر جماعت میں شریک ہونا جائز ہو، یا خاص فتنہ سے مامون ہونے کی صورت میں اجازت ہو، یا مریم کی خصوصیت ہو، یا مریم اپنے حجرہ میں رہ کر تنہا یا دوسری عورتوں کے ہمراہ امام کی اقتدا کرتی ہوں سب احتمالات ہیں۔ واللہ اعلم (عثانی ص ۷۱ حاشیہ ۷)

**اقول** [۱] اس تفسیر سے پتہ چلا کہ پہلی امتوں میں اور بالخصوص یہودیوں کے ہاں نماز باجماعت بھی تھی اور ان کی نماز میں رکوع بھی تھا کیونکہ حضرت مریم کو یہ باتیں حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے کہی گئی تھیں ظاہر ہے کہ ان پر کوئی شریعت تو نازل نہ ہوئی فرشتوں نے اسی زمانے کی شریعت موسوی کے مطابق ان سے یہ باتیں کہی تھیں۔

[۲] مگر اس سے حضرت مریم پر جماعت میں شرکت کا وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس کی معیت حسیہ پر دلالت قطعی نہیں چنانچہ حضرت تھانویؒ تفسیر میں لکھتے ہیں ''نماز کے طریقہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہنا جو رکوع بھی کیا کرتے ہیں پس مقصود اہتمام ہے رکوع کا'' حاشیہ میں لکھتے ہیں **قولہ فی الفائدۃ:** ان لوگوں کے ساتھ رہنا الخ **فالمعیة کھی فی قولہ کونوا مع الصادقین لا المعیة الحسیة فلا یکفی للدلالة علی الجماعة** (بیان القرآن ج ۲ ص ۱۷) یعنی اس آیت میں معیت ایسے ہی ہے جیسے **کونوا مع الصادقین** میں ہے نہ کہ معیت حسیہ لہٰذا جماعت پر دلالت کرنے کیلئے کافی نہیں۔

لیکن امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے آ رہا ہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت **وارکعوا مع الراکعین** میں معیت حسیہ مراد ہے وجہ یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت میں حکم مردوں کو ہے اور مردوں پر تو جماعت ہے واجب ہو یا سنت مؤکدہ۔ رہا یہ کہ رکوع میں معیت کا بالخصوص کیوں ذکر کیا؟ تو جواب یہی بنتا ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت (باقی آگے)

۱۱) <u>جماعت سنت مؤکدہ ہے:</u>

نماز پڑھنا تو ہر عاقل بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب ہے مردوں کو باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم کس درجہ کا ہے؟
مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں: صحابہ تابعین اور فقہائے امت کی ایک جماعت اس کو واجب قرار دیتی ہے مگر جمہور امت علماء وفقہاء صحابہ وتابعین کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہے ان حضرات کے نزدیک قرآن کریم کے امر: **وارکعوا مع الراکعین** (۱) کو دوسری آیات اور روایات کی بنا پر تاکید کیلئے قرار دیا ہے (از معارف القرآن ج ۱ ص ۲۱۶، ۲۱۷)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ادا ہو جاتی ہے۔ فاتحہ ضروری ہوتی تو اس کا حکم اولیٰ تھا کیونکہ امام کے پیچھے فاتحہ مل جائے تو رکوع تو مل ہی جائے گا۔

سوال:۔ کیا رکوع کا ذکر اس لئے نہ کیا کہ یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا؟

جواب:۔ اول تو ان کی نماز میں رکوع بھی تھا جماعت بھی جیسا کہ آیت **وارکعی مع الراکعین** سے سمجھ آتا ہے علاوہ ازیں اگر یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا تو ان کی نماز میں سورۃ فاتحہ بھی تو نہ تھی۔ اگر مقتدی پر قراءۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کا حکم زیادہ اولیٰ تھا کیونکہ امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ کی قراءۃ سے رکوع میں معیت ہو ہی جاتی ہے۔ بالخصوص رکوع میں معیت کے ذکر سے یہی سمجھ آتا ہے کہ رکوع کی خاص اہمیت ہے وہ یہ ہے رکوع میں ملنے میں رکعت ادا ہو جاتی ہے اگرچہ قراءت یا قیام میں معیت نہ ہو، سجدہ میں معیت سے ثواب تو ہے مگر رکعت نہ مانی جائے گا

<u>﴿مدرک رکوع کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ کا ارشاد﴾</u>

سورۃ آل عمران کی آیت کے تحت مولانا شبیر احمد عثمانی نے امام ابن تیمیہؒ کی جس عبارت کا حوالہ دیا، وہ عبارت امام ابن تیمیہ کے فتاوی کبریٰ میں ہے: فتاویٰ کبری ج ۲ ص ۴۳۱ میں بحث کا عنوان ہے: **مسئلة فی صلاة الجماعة هل هی فرض عین أم فرض کفاية**۔ اس عنوان کے تحت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

**وأیضا فقول تعالی: (وأقیموا الصلاة وآتوا الزکاة وارکعوا مع الراکعین) إما أن یراد به المقارنة بالفعل وهی الصلاة جماعة وإما أن یراد به ما یراد بقوله: (وکونوا مع الصادقین) فإن أرید الثانی لم یکن فرق بین قوله: صلوا مع المصلین وصوموا مع الصائمین و (ارکعوا مع الراکعین) والسیاق یدل علی اختصاص الرکوع بذلک. فإن قیل: فالصلاة کلها تفعل مع الجماعة قیل: <u>خص الرکوع بالذکر لأنه تدرک به الصلاة فمن أدرک الرکعة فقد أدرک السجدة فأمر بما یدرک به الرکعة</u> کما قال تعالی: (یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین) فإنه لو قیل: اقنتی مع القانتین لدل علی وجوب إدراک القیام ولو قیل: اسجدی لم یدل علی وجوب إدراک الرکوع بخلاف <u>قوله: (ارکعی مع الراکعین) فإنه یدل علی الأمر بإدراک الرکوع</u> وما بعده دون ما قبله وهو المطلوب** (الفتاوی الکبری لابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۳۳ دار المعرفۃ بیروت)

<u>نکتہ عجیبہ:</u> بعض فقہاء کے ہاں نمازِ کسوف میں ایک سے زیادہ رکوع کے قائل ہیں پہلے رکوع میں ملنے سے تو سب فقہاء کے ہاں رکعت ہو جائے گی، فقہاءِ مالکیہ کے ہاں دوسرے رکوع میں ملنے سے بھی رکعت ہو جاتی ہے (ارشاد السالک مع شرحہ اسہل المدارک ج ۱ ص ۳۴۵، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ج ۱ ص ۴۰۳) فقہ حنبلی میں ایک قول بھی اسی طرح ہے اور اگر ایک رکعت میں تین رکوع کئے جائیں پھر تو دوسرے رکوع میں ملنے سے فقہ حنبلی میں یقیناً رکعت ادا ہو جاتی ہے (الشرح الکبیر ج ۲ ص ۲۸۱ مع مغنی ابن قدامہ)

۱) نام نہاد جماعت المسلمین کا امیر مسعود احمد اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

دوسری چیز جس سے مدد لے کر ہم نظم وضبط کے عادی بن سکتے ہیں نماز ہے نماز میں انسان اپنی ہر ضرورت اور جسم کے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کیلئے روک لیتا ہے کچھ بھی ہوتا رہے وہ ضبط کر لیتا ہے کتنی ہی بے چینی ہو وہ نماز میں کھڑا رہتا ہے نظم کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جب تک امام اللہ اکبر نہ کہے وہ حرکت نہیں کرتا۔ اس کی حرکات وسکنات سب امام کے اشارے پر ہوتے ہیں (تفسیر قرآن عزیز مرتبہ مسعود احمد ج ۱ ص ۲۳۷)

**اقول** بے شک نماز میں بے شمار حکمتیں ہیں اور وہ صحیح معنی میں تب ہی حاصل ہوتی ہیں جب نماز کی پابندی کی جائے اور اس کے فرائض وواجبات پر اکتفا نہ کیا (باقی آگے)

غیر مقلد عالم مولانا عبدہ الفلاح آیت **وارکعوا مع الراکعین** کے تحت لکھتے ہیں: یعنی نماز باجماعت ادا کرو۔ بعض علماء نے اس سے نماز باجماعت کا وجوب

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جائے بلکہ سنن و مستحبات کی بھی رعایت کی جائے نماز کی حکمتوں کی ایک جھلک آپ کو اس عاجز کی کتاب ''نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ نماز'' میں ملے گی فی الحال نہایت اختصار سے دو حکمتیں ذکر کی جاتی ہیں ایک یہ کہ نماز سے حق گوئی یعنی حکام کے سامنے سچی بات کہنے کی تربیت ملتی ہے، دوسرے یہ کہ نماز حاکم کی اطاعت سکھاتی ہے۔

نماز سے حکام کے سامنے سچی بات کہنے کی تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ نماز میں امام سے غلطی ہو جائے تو مقتدی کو لقمہ دینا ہوتا ہے اگر چہ نماز پڑھانے والا امام اس وقت پولیس یا فوج کا اعلیٰ افسر ہو یا صدر یا وزیر اعظم ہو۔ اور نماز کی اس درستگی کو کوئی برا بھی نہیں مانتا بلکہ اس پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اب اگلی بات سنئے کہ مقتدی نماز کی حالت میں نماز پڑھانے والے افسر امام کی غلطی نکالے گا اور وہ افسر اس کو برداشت کرے گا تو نماز کے بعد بھی مقتدی اس کو درست بات کہنے کی ہمت کر سکے گا اور جب نماز میں حاکم اپنی اصلاح شریعت کا حکم سمجھ کر لے گا تو نماز کے بعد بھی شریعت کا حکم سن سکے گا اور اگر حاکم کو سب جی جی کرنے والے ہی نظر آتے ہوں تو اس کے سامنے حق بات کہنے کی کون ہمت کرے گا؟ اور اگر کوئی شخص بے نماز حاکم کے سامنے حق بات کہنے کی جرأت کر ہی لے گا تو حاکم اس کو برداشت نہ کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق بات کہنے سننے کا جذبہ نظام جمہوریت سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ نماز کے احکام کو جاننے اور نماز کو صحیح قائم کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

نماز سے حاکم کی اطاعت کا جذبہ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ شرعی طور پر امامت کا حق دار حاکم ہے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں قاضی یعنی حاکم شرع یا بادشاہ اسلام کے ہوتے ہوئے دوسرے کا امامت کا استحقاق نہیں (بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص ۶۲ ۴ نیز دیکھئے شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۲۳۶، فقہ مالکی میں اسہل المدارک ج ۱ ص ۲۴۵، فقہ حنبلی میں الروض المربع ج ۱ ص ۲۷) اور نبی علیہ السلام نے نماز باجماعت میں امام کو پڑھنے کا اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿ **اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا** ﴾ (نسائی طبع بیروت ج ۲ ص ۱۴۲، ابن ماجہ طبع بیروت ج ۱ ص ۲۷۶ مشکوۃ ص ۸۱) ''امام کو صرف اس لیے آگے کیا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے تو جب وہ اللہ اکبر کہے تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو''۔ تو جب حرکات و سکنات میں عام امام کے تابع ہوں، امام کی قراءت کے وقت قراءت نہ کریں خاموشی سے اس کی قراءت سنیں تو نماز کے بعد بھی اس کی اس کی بات سن سکیں گے اور اگر نماز کی حالت میں اس کی قراءت نہ سنیں بلکہ اپنی قراءت کریں تو بعد میں اس کی اطاعت کیسے کریں گے۔ مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے کتاب ''نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ نماز'' اور کتاب ''وارکعوا مع الراکعین''۔

☆ فرمان علی شیعہ اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

اس آیت میں خداوند عالم نے نماز جماعت کی ترغیب دلائی ہے کیونکہ فرادہ نماز کی بہ نسبت نماز جماعت کا ثواب بہت زیادہ ہے اور بعض روایت میں ہے کہ اس سے مراد ائمہ معصومین ہیں جن کی اطاعت کا حکم ہمیں دیا گیا ہے (حاشیہ ترجمہ فرمان علی ص ۱۱)

**اقول:** یہ دعویٰ بلا دلیل ہے ائمہ معصومین کا اسلام میں تصور نہیں اور وہ کسی کو ملتے بھی نہیں تو ان کے ساتھ رکوع کرنے کے حکم دینے کا کیا مقصد؟ علاوہ ازیں عام نمازوں میں بھی تو امام کی اتباع ضروری ہے امام سے اختلاف جائز نہیں تو جب آیت کریمہ کا آسان معنی سمجھ آتا ہے تو پیچیدہ معنی لینے کی کیا ضرورت؟

☆ محمد علی لاہوری مرزائی اور مرزا محمود قادیانی اس کے تحت لکھتے ہیں: رکوع کے اصلی معنی جھک جانا...... اصطلاح شرع میں ارکان نماز میں سے ایک رکن ہے...... یہاں اصلی معنی ہی مراد ہیں (بیان القرآن مرزائی ج ۱ ص ۳۶ ح ۶۶) **وارکعوا مع الراکعین** کے معنی اس جگہ نماز میں رکوع کے نہیں کیونکہ نماز میں صرف رکوع ہی نہیں ہوتا بلکہ رکوع کے سوا اور اجزاء بھی ہوتے ہیں پس کوئی وجہ نہ تھی کہ صرف رکوع کا ذکر کیا جاتا (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۹۴)

**اقول:** بعض علماء نے جھکنے یا عاجزی کے معنی بھی کئے ہیں مگر رکوع کی نفی نہیں کی اس لئے سورۃ آل عمران کی آیت میں وہ رکوع ہی کرتے ہیں پھر خاص رکوع کی ذکر کرنے کی حکمت گزر چکی ہے کہ جمہور اہل اسلام کے ہاں امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے (حوالہ جات کیلئے دیکھئے احسن الکلام ج ۱ ص ۳۰۰ تا ۳۰۲ ج ۲ ص ۴۲، ۴۳) خود مرزائی بھی اس کے قائل ہیں (دیکھئے فقہ احمدیہ ج ۲ ص ۱۵۲، ۱۵۳) اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کا حکم اس لئے دیا کہ عام نمازیوں کے ساتھ نمازوں کی حاضری ان کے کبر و نخوت کو توڑے ان میں خاکساری اور تواضع پیدا کرے۔ (از تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۹۷) (باقی آگے)

ثابت کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں (فتح القدیر) (۱)(اشرف الحواشی ص ۹)

۱۲) مسئلہ فاتحہ خلف الامام اور مسئلہ رفع یدین کا بہترین حل:

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ نہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ ضروری ہے اور نہ رکوع کے ساتھ رفع یدین ہے (۲) دلیل یوں بنتی ہے کہ جولوگ نماز کو اُس وقت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ☆ مرزا محمود قادیانی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۹۴ میں لکھتا ہے

مسلمانوں کی طرح اپنے سب اعمال کو خدا تعالیٰ کے لئے کردو اور کامل توحید کو اختیار کرلو شرک کی ملونی کو اپنے اعمال سے بالکل جدا کردو۔

**اقول** ایمان کا حکم اور شرک سے ممانعت پچھلی آیات میں ہو چکی اب اعمال کی درستگی کا حکم ہے اور یہ بات ص ۳۹۲ میں تو بھی لکھ چکا ہے۔

۱) یہاں فتح القدیر سے مراد ہدایہ کی شرح نہیں بلکہ قاضی شوکانیؒ کی تفسیر قرآن ہے قاضی شوکانیؒ اس میں لکھتے ہیں: **وقد أوجب حضور الجماعة بعض أهل العلم ، على خلاف بينهم في كون ذلك عينًا أو كفاية ، وذهب الجمهور إلى أنه سنة مؤكدة مرغب فيها ، وليس بواجب** (فتح القدیر ج ۱ ص ۷۷)

غیر مقلدین کی ان عبارات کو دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ ان میں فقہ کی اصطلاح ''سنت مؤکدہ'' مذکور ہے۔

۲) راقم کی اس موضوع پر ایک کتاب ہے، جس کا نام ہی یہ ہے'' **وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ** ''اس کے علاوہ اور کئی کتابوں میں یہ بات لکھی ہے کہ نماز با جماعت میں خاص رکوع میں معیت کا حکم ہے یہ نہ فرمایا کہ قیام کرو ساتھ قیام کرنے والوں کے، یہ بھی نہ فرمایا کہ قراءت کرو ساتھ قراءت کرنے والوں کے، یہ بھی نہ فرمایا تکبیر کہو ساتھ تکبیر کہنے والوں کے، یہ بھی نہ فرمایا کہ سجدہ کرو ساتھ سجدہ کرنے والوں کے۔ خاص رکوع میں ملنے کا حکم دیا اس میں حکمت یہ ہے کہ سجدے میں امام کے ساتھ مل جانے سے رکعت ادا نہیں ہوتی اور نماز با جماعت میں مقتدی کو قراءت کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا حکم ہے امام کے ساتھ رکوع مل جائے تو رکعت ادا ہو جاتی ہے آپؐ کا فرمان ہے: **اِذَا جِئْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَيْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ** (ابوداود ج ۱ ص ۱۳۶ ، ابن خزیمہ ج ۳ ص ۵۸)''جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدہ کرو اور اس کو کچھ شمار نہ کرو اور جس نے رکوع کو پالیا اس نے نماز (یعنی رکعت) کو پالیا''۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہ تھا کہ جب امام رکوع میں ہوتا تو اس سے رکوع میں ملنے کیلئے کھڑے ہو کر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور دوسری دفعہ اللہ اکبر کہے بغیر رکوع میں جا ملتے تھے (سنن کبریٰ ج ۲ ص ۹۱) اور اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں اس لئے یہ اجماع ہے (مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۵۴۴ شرح مقنع لابن قدامہ ج ۲ ص ۹)

غور کریں کہ صحابہ کرامؓ رکوع میں ملنے کیلئے دوسری دفعہ اللہ اکبر بھی نہ کہتے تھے جو اللہ کا ذکر ہے تو رکوع سے پہلے رفع یدین تو یقیناً نہ کرتے ہوں گے جو اللہ کا ذکر بھی نہیں صحابہؓ کا ترک رفع پر اجماع اس کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی وہ اس وقت رفع یدین نہ کیا کرتے تھے۔ کیونکہ نمازیں نبی ﷺ کے زمانہ سے ہیں بعد میں تو شروع نہ ہوئیں۔

﴿رکوع سے آگے پیچھے رفع یدین نہ کرنے کے بارے میں دلائل﴾

رکوع کے ساتھ رفع یدین کے قائلین صرف فعلی حدیث پیش کرتے ہیں مگر ہمارے پاس الحمد للہ قرآنی آیات بھی ہیں اور حدیث کی تینوں قسمیں قولی فعلی تقریری بھی۔ ذیل میں اس کی تصدیق ملاحظہ فرمائیں۔

[۱] قرآنی دلائل۔ ایک آیت **وارکعوا مع الراکعین** دوسری آیت **وارکعی مع الراکعین** ۔ان سے استدلال کی وضاحت گزر چکی۔ تیسری آیت **اقم الصلوة لذکری** (طٰہٰ:۱۴) اس سے استدلال اس طرح ہے کہ نماز کا مقصد اللہ کا ذکر ہے۔ نماز شروع کرتے وقت، رکوع اور سجدے کو جاتے وقت تکبیر کے ساتھ اللہ کا ذکر ہوتا ہے مگر رکوع سے آگے پیچھے جو رفع یدین کرتے ہیں اس کے ساتھ ذکر نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ اس آیت کے موافق نہیں [۲] قولی حدیث: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی وہ مفصل روایت جس میں ہے...... **فَاِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوْا وَارْكَعُوْا ...... وَاِذَا كَبَّرَ وَسَجَدَ فَكَبِّرُوْا وَاسْجُدُوْا** (مسلم ج ۱ ص ۱۷۴) استدلال اس طرح ہے کہ جیسے آپ نے سجدہ کو جاتے ہوئے دو کاموں کا حکم دیا تکبیر اور سجدہ ، وہاں رفع یدین نہیں کیا جاتا اسی طرح رکوع کو جاتے وقت بھی دو کاموں کا حکم ہے تکبیر اور رکوع اس وقت رفع یدین کرنا اضافی کام ہے جس اس ارشادِ نبوت کے موافق نہیں [۳] فعلی حدیث: بخاری شریف سے حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو صرف شروع میں تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرنے کا ذکر کیا، اور یہ رفع یدین ہی ہے۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں: **اَنَا كُنْتُ اَحْفَظَكُمْ لِصَلَاةِ** (باقی آگے)

پہنچیں جب امام اور مقتدی رکوع میں ہوں ان کو حکم ہے کہ ان راکعین کے ساتھ رکوع میں جا ملو۔ تو راکعین سے مراد رکوع میں گئے ہوئے امام اور مقتدی ہیں اور **اِرْكَعُوْا** کا امر اس وقت پہنچنے والوں کو ہے اور راکع امام سے صرف رکوع میں معیت کا حکم ہے۔ کہ بس تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں جا ملو۔ اس وقت مقتدی پر نہ ثناء نہ تعوذ، نہ تسمیہ نہ فاتحہ، نہ اگلی سورت نہ رکوع کی تکبیر۔ اور تکبیر تحریمہ ایسے ہی ضروری ہے جیسے باوضو ہونا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز ہی شروع نہیں ہوتی۔ جب یہ سب کچھ نہیں تو اکیلا رفع یدین کیونکر؟ مندرجہ بالا سب امور کا ترک ہم ثابت کرتے ہیں اس خاص موقع پر محض رفع یدین کرنا رفع یدین کے قائل دکھائیں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) **رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَأَيْتُهُ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ الخ** (بخاری ج۱ص۱۱۴ باب سنۃ الجلوس فی التشہد) اس کے بعد پوری نماز میں رفع یدین کا ذکر نہیں۔ ہم شروع نماز میں ہاتھوں کا نیچے کا حصہ کندھوں کے برابر کر کے اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ [۴] <u>تقریری حدیث</u>: اس طرح کہ یہ ثابت نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا تو اس کی تعریف کر دی، یا اس پر خاموش رہے ہاں یہ ثابت ہے کہ آپ نے صحابہؓ کو نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو منع کر دیا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **رآنا رسول اللّٰه ﷺ ونحن رافعی ایدینا فی الصلوۃ فقال اسکنوا فی الصلوۃ** ...... [دوسری روایت] ...... **دخل علینا رسول اللّٰه ﷺ ونحن رافعی ایدینا فی الصلوۃ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوۃ . رواہ مسلم فی الصحیح عن الاشج عن وکیع** (سنن کبریٰ ج۲ص۲۸۰) تو جب نماز کے اندر رفع یدین آپؐ کو پسند نہیں تو ترک رفع یدین پسند ہوا۔

<u>﴿قراءۃ خلف الامام اور ترک قراءۃ خلف الامام کے دلائل پر ایک نظر﴾</u>

امام کے پیچھے قراءت کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم قولی حدیث پر عمل کرتے ہیں جبکہ امام کے پیچھے قراءت کے وقت خاموش رہنے والے اللہ کے فضل و کرم سے دلیل کی سب قسموں پر عمل کرتے ہیں آیات پر بھی، حدیث کی تینوں قسموں قول فعل اور تقریر پر بھی۔ اس لئے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ ہمیں زیادہ ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے آمین۔ اب ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

[۱] <u>قرآن پاک سے دلیل</u>: ارشاد باری تعالیٰ ہے **﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾** (الاعراف ۲۰۴) ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' [۲] <u>قول نبوی ﷺ سے دلیل</u>: مذکورہ بالا آیت کریمہ میں قرآن پڑھنے کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ کون پڑھے تو خاموش رہو اس کی تفسیر نبی کریم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے **﴿وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا﴾** (نسائی طبع بیروت ج۲ص۱۴۲) (جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو) تو آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ جب امام قراءت کرے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔ [۳] <u>فعل نبوی ﷺ سے دلیل</u>: ترمذی ج۱ص۴۱ میں ہے کہ حضرت جبریل نے نبی ﷺ کو دو دن نمازیں پڑھائیں جبریل علیہ السلام نے ان میں قراءت کی ہوگی اور نبی ﷺ ان میں یقیناً خاموش رہے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ القیامۃ کی آیت ۱۶ میں جبریل کی قراءت کے وقت نبی کریم ﷺ کو خاموش رہنے کا حکم دیا (دیکھئے بخاری ج۱ص۳) [۴] <u>تقریر نبوی ﷺ سے دلیل</u>: تقریر کا معنی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی صحابی کو کوئی کام کرتا دیکھ لیں تو سکوت کریں اور اس سے منع نہ فرمائیں یہ سکوت اس عمل کے جائز ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ روایات میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ نبی ﷺ نے مقتدی کو امام کی اقتداء میں رہتے ہوئے قراءۃ کرنے کا حکم دیا، نبی کریم ﷺ کے پیچھے حضرات صحابہ کرامؓ نے قراءت کی اور آپؐ خاموش رہے یا آپؐ نے ان کی تائید کر دی ہاں یہ ملتا ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کے پیچھے قراءت کی تو آپؐ نے اسے ڈانٹ کر منع کر دیا فرمایا **مَا لِيْ اُنَازِعُ الْقُرْآنَ وفی روایۃ: مَا لِيْ اُنَازَعُ فِي الْقُرْآنِ** (نسائی ج۲ص۱۴۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۲۷۵) ''کیا ہے کہ میرے ساتھ قرآن کے بارے میں نزاع کیا جا رہا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپؐ کو امام کے پیچھے قراءۃ کرنا پسند نہیں تو ترک قراءۃ خلف الامام پسند ہوئی والحمد للہ۔ اب آپ کو یہ بات سمجھ آ جانی چاہئے کہ اگر کوئی شخص امام کے پیچھے قراءت کر کے خود کو اہل حدیث سمجھتا ہے تو امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے والے اللہ کے فضل و کرم سے **''اهل القرآن والحديث''** ہیں۔ **وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى ذٰلِكَ**

۔ ہمارے عمل کے دلائل بھی زیادہ ہیں۔ نیز ہم ان اعمال کو اپناتے ہیں جن کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے پسندیدگی کی سند حاصل ہے۔ اس لئے ان اعمال کو اپنانے سے ان شاء اللہ ثواب بھی زیادہ ملتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے آمین۔ مزید تفصیل کیلئے آپ ان کتابوں کو دیکھیں: وارکعوا مع الراکعین۔ نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ نماز۔

(۱۴) اس کے بعد فرمایا: أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ .

"کیاتم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے"۔

ربط و شان نزول:

گذشتہ آیات میں یہودیوں کو آنحضرت ﷺ پر کا ایمان لانے کا حکم دیا، اس پر ذہن میں ایک اشکال آتا ہے کہ شاید وہ ایمان اس لئے نہیں لا رہے کہ وہ معذور ہیں ان کو آپ کی نبوت کا علم ہی نہیں اس آیت کریمہ میں اس اشکال کا جواب ہے کہ وہ معذور نہیں، انہیں آنحضرت ﷺ کی نبوت کا علم ہے اس لئے کہ ان کے بعض عزیز و اقارب مسلمان ہوئے ان سے خفیہ کہہ دیتے کہ بے شک حضور پر نور پیغمبر برحق ہیں ہم کسی مصلحت سے ایمان نہیں لا رہے تم ایمان مت چھوڑنا، اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (۱) (بیان القرآن تھانویؒ ج ۱ ص ۲۷، لباب النقول مع تفسیر الجلالین ص ۱۴)

---

۱) مولانا عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہودی اوروں کو صدقہ زکوۃ کا حکم دیتے تھے خود نہ کرتے تھے (حقانی ص ۱۱۲) نیز فرماتے ہیں: اس شان نزول کے یہ معنی ہیں کہ یہ آیت ان یہودی علماء پر صادق آتی ہے یا اس میں ان کی طرف تعریض اور اشارہ ہے کہ خود اچھے کام نہیں کرتے تھے اوروں کو وعظ و پند کرتے تھے...... ورنہ خاص اس آیت کا ان لوگوں کے لئے اور اس حال پر متنبہ کرنے کیلئے جداگانہ نازل ہونا جب تسلیم کیا جاوے کہ جب کسی صحیح سند سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ آیت الگ ہو کر نازل ہوئی ہے اور اس سے اگلا اور پچھلا کلام جداگانہ نازل ہوا ہے فتامل (حقانی پارہ الم ص ۱۱۱ حاشیہ) اقول دونوں احتمال ممکن ہیں سیاق سے یہ آیت یہود کے بارے میں ہی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆ اس آیت کے تحت محمد علی مرزائی لکھتا ہے:

یہاں بالخصوص خطاب علماء سے ہے جو دوسروں کو لمبے چوڑے وعظ کرتے ہیں اور اپنی اصلاح نہیں کرتے اگر خطاب بنی اسرائیل کے علماء سے لیا جائے تو رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیوں کی طرف توجہ دلائی ہے مگر میرے نزدیک خطاب مسلمانوں سے ہے (مرزائی بیان القرآن ج ۱ ص ۳۶ ح ۶۷)

اقول [۱] نہ تو اس زمانے کے مسلمان بے عمل تھے اور نہ یہ بات سیاق کے مطابق ہے ہاں **العبرۃ لعموم اللفظ** کے تحت سب کو شامل ہے۔ [۲] مرزائیوں کو اس کے کیا حاصل؟ مرزائی خود کو مسلمان سمجھتے ہیں مگر اسلام سے محروم ہیں۔ ان کی ہمدردیاں کفار کے ساتھ ہیں مگر پھر خود کو مسلمان کہے جا رہے ہیں۔ مسلمان جیسے بھی گنہگار ہوں ایسے تو نہیں ہوتے۔ [۳] مرزائی اگر قرآن کی تفسیر بھی کرتے ہیں تو مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ سے کاٹ کر مرزا قادیانی سے جوڑنے کیلئے۔

☆ محمد علی لاہوری کہتا ہے:

یہ کہنا کہ مذہب میں عقل کا دخل نہیں صریح قرآن شریف کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ملزم کرتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے...... وحی فطرت کی روشنی یعنی عقل کو جلا دینے والی اور تیز کرنے والی چیز ہے ایک کو دوسرے کا مخالف بتانا دونوں کی حقیقت سے بے خبر ہونے کا نتیجہ ہے (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۶ ح ۶۷)

اقول لیکن عقل کو نقل صریح و قطعی کے مقابلہ میں ترجیح نہ ہوگی۔ آیات و احادیث کو عقل یا قانون قدرت کے خلاف کہہ کر رد نہ کیا جائے گا۔ حضرت نانوتویؒ نے کیا خوب فرمایا کہ یوں نہ کہو کہ شریعت کی کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہونی چاہئے یوں کہو کہ عقل کی کوئی بات شریعت کے خلاف نہیں ہونی چاہئے۔ یعنی عقل کو شریعت کے تابع کرو، شریعت کو عقل کے تابع نہ کرو (از تصفیۃ العقائد ص ۱۰)۔

☆ آیت ۴۵ کے تحت مرزا محمود لکھتا ہے

بنی اسرائیل نے باوجود اس نصیحت کے محمد رسول اللہ ﷺ کو بحیثیت قوم کے نہیں مانا مگر اس سے کس کا نقصان ہوا؟ کیا اسلام کو اس سے کوئی نقصان بھی پہنچا جس وقت یہ نصیحت کی گئی تھی صرف چند سو آدمی محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا چکے تھے لیکن اب چالیس کروڑ آدمی آپ کا کلمہ پڑھ رہا ہے ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے دنیا پر حکومت کی ہے اور اب پھر ان کی ترقی کے سامان اللہ تعالیٰ پیدا کر رہا ہے (مرزائی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۹۸)

اقول مگر نبی ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ آیت: **محمد رسول اللّٰہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم** حضرت محمد (باقی آگے)

<u>چند الفاظ کی وضاحت:</u>

**اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ** میں استفہام یا اظہار تعجب کیلئے ہے یا جھڑکنے کیلئے یعنی بہت تعجب اور سخت افسوس ہے (نسفی ج ۱ ص ۴۷) **تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ** کا معنی ہے کہ تم نے اپنے آپ کو بھلا رکھا ہے۔ یہاں نسیان ترک (۱) یعنی چھوڑنے کے معنی میں ہے (نسفی ج ۱ ص ۴۷) کہ دوسروں کو تو ایمان پر رہنے کی نصیحت کرتے ہو خود جان بوجھ کر ایمان نہیں لاتے۔ **اَلْكِتٰبَ** سے مراد یہاں تورات ہے۔ **وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ** یعنی تم توریت کی تلاوت کرتے رہتے ہو جس میں جابجا ایسے عالم بے عمل کی مذمتیں مذکور ہیں (معارف القرآن مفتی صاحبؒ ج ۱ ص ۲۱۲) اس لئے اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہاری کتاب میں کوئی تحریف نہیں کیونکہ تورات میں تحریف کا ذکر قرآن نے خود کر دیا ہے (دیکھئے النساء: ۴۶) **افلا تعقلون** کیا تم (اتنی موٹی بات بھی) نہیں سمجھتے (ذخیرۃ الجنان ج ۱ ص ۱۵۱)

<u>واعظ بے عمل نہ رہے:</u>

آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ بے عمل نصیحت نہ کرے تو پھر نہ نصیحت ہوگی نہ عمل ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ نصیحت کرنے والا بے عمل نہ ہو یعنی عمل بھی کرے اور نصیحت بھی کرے۔ (ابن کثیر ج ۱ ص ۸۶، بیان القرآن ج ۱ ص ۲۷، معارف القرآن مفتی صاحبؒ ج ۱ ص ۲۱۹)

**تنبیہ:** لوگ کہتے ہیں ہم داڑھی اس لئے نہیں رکھتے کہ کام داڑھی والے نہیں۔ انہیں کہو کہ شریعت نے کب کہا کہ داڑھی والے کام کرو تو داڑھی رکھو، شریعت کہتی ہے گناہ چھوڑو، داڑھی رکھو، تم کہتے ہو گناہ چھوڑ نہیں داڑھی رکھو نہیں۔ یاد رکھو کہ داڑھی والے سے گناہ ہو جائے تو ایک نافرمانی تم خدا کے دوہرے مجرم بنتے ہو۔

**فائدہ:** آیت **لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ** [الصف: ۲] میں نہ کئے ہوئے کام کے دعویٰ کرنے سے ممانعت ہے وعظ سے اس کا تعلق نہیں (بیان القرآن ج ۱۲ ص ۴)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی مگر جو کہے کہ یہ آیت مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے مریدوں کے بارے میں نازل ہوئی (دیکھئے ایک غلطی کا ازالہ در روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۰۷) وہ حضرت محمد ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے نہیں بلکہ وہ آپ کے کلمہ کا مذاق اڑانے والے ہیں۔

۱) "<u>نسیان کے احکام</u>" نسیان یعنی بھول جانا حقوق العباد میں عذر نہیں، اگر کسی نے بھول کر کسی انسان کا مال ضائع کر دیا ان پر ضمان واجب ہوگا حقوق اللہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بندے کی کوتاہی سے ہو جیسے نماز میں بھول کر کھا پی لینا تو چونکہ نماز کی حالت یاد دلاتی ہے اس لئے یہ عذر نہیں اور اگر بندے کی کوتاہی سے نہ ہو جیسے روزے کی حالت میں بھول کر کھا لینا، یا ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھول جانا تو یہ عذر ہے بھول کر کھانے سے روزہ نہ ٹوٹے گا، بسم اللہ بھول جانے سے ذبیحہ حرام نہ ہوگا، اسی طرح کسی پر سجدۂ سہو واجب ہے بھول کر سلام پھیر دے تو نماز سے نہ نکلے گا وہیں بیٹھے سجدہ سہو کر سکتا ہے (دیکھئے التوضیح مع التلویح طبع بیروت ج ۲ ص ۱۶۷ تا ۱۶۹)

﴿<u>حدیث: رُفِعَ عَنْ اُمَّتِيَ الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ کی تحقیق</u>﴾

باقی اس بارے میں جو حدیث مشہور ہے **رفع عن امتی الخطا والنسیان** اسے بہت سے علماء ذکر کرتے ہیں مثلاً حافظ ابن کثیر سورۃ الانعام آیت ۶۸ کے تحت لکھتے ہیں: **ولهذا ورد في الحديث رفع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه** (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴۵) اس کا مفہوم بالکل درست ہے علامہ الوسیؒ فرماتے ہیں: **ويؤيد ذلك مفهوم قوله ﷺ فيما أخرجه الطبراني ، وقال النووي حديث حسن: رفع عن أمتي الخطأ والنسيان وما أكرهوا عليه** (روح المعانی سورۃ البقرۃ ج ۳ ص ۷۰) امام ابن ماجہ اس کے بارے میں تین حدیثیں لائے ہیں: 2043، 2044، 2045۔ آخری حدیث یوں ہے: **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ** (ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۵۹) علامہ بوصیریؒ اس کو منقطع بتاتے ہیں (مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۵۳) حدیث 2043 حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً: **إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ** (ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۵۹) علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں: **هذا حديث ضعيف لاتفاقهم على ضعف ابى بكر الهذلى وله شاهد من حديث أبى هريرة رواه الائمة الستة** (ایضاً) حضرت ابو ہریرہؓ کی جس مرفوع حدیث کا حوالہ دیا، وہ یوں ہے: **إن اللّٰه تجاوز لأمتي عما وسوست أو حدثت به أنفسها ما لم تعمل به أو تكلم** (بخاری ج ۲ ص ۹۸۶ مسلم ج ۱ ص ۱۱۶ رقم ۲۰۱، ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۵۳ حدیث 2044)

۱۴) <u>ایمان کے راستے کی اہم دشواریوں کا علاج:</u>

یہود کو ایمان لانے میں دو دشواریاں تھیں حب مال حب جاہ کہ اگر ایمان لائیں تو چندے بند ہوں گے آنحضرت ﷺ کی غلامی کرنی ہوگی قوم میں بنا ہوا مقام جاتا رہے گا، وہ اسلام کی ترقی دیکھ کر حسد کرتے تھے مگر اصل مرض یہی دو تھے حب مال، حب جاہ، ان کے علاج کیلئے فرمایا: **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ** (۱) **وَالصَّلٰوةِ** (۲) اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے (۳) حب مال کا علاج صبر سے اور حب جاہ کا نماز سے ہے کیونکہ نماز میں غریبوں، مزدوروں کے ساتھ اور کبھی ان کے پیچھے کھڑا ہونا پڑتا ہے جس سے انسان کا تکبر ٹوٹتا ہے (از بیان القرآن تھانویؒ ج ۱ ص ۲۸ عثمانی ص ۱۰) مطلب یہ کہ ایمان لانے کے بعد ان کاموں کی پابندی کرو ایمان کی حلاوت ملے گی

<u>اِنَّهَا کی ضمیر کا مرجع کیا؟</u>

پھر فرمایا: **وَاِنَّهَا** (۴) **لَكَبِيرَةٌ**. کہ یہ بہت مشکل ہے۔ اِنَّهَا کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: یعنی صبر اور نماز حضورِ دل سے بہت بھاری

---

۱) اس آیت کے تحت مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

عالم دین لوگوں میں رہ کر تبلیغ کرتا ہے جس کی وجہ سے صدہا اس کے دشمن بن جاتے ہیں سب کی اذیتیں برداشت کرتا ہوا صبر سے اپنا کام کئے جاتا ہے وہ یقینی بڑے درجے والا ہے حضرات صحابہ کرام نے کسی کا باپ نہیں مارا تھا لیکن آج صدہا سال کے بعد بھی ان پر تبرا ہو رہا ہے (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۳۳۴)

**اقول** حضرت نانوتویؒ نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟ شاہجہانپور کے مباحثوں میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت ہی کا اعلان کیا تھا، عقیدۂ ختم نبوت ہی منوایا تھا۔ تجھے ماں، بہن کی گالی تو نہ دی تھی مگر تو آج تک ان کو اور ان سے حسن ظن رکھنے والوں کو اذیتیں دے رہا ہے اتنے بڑے مجددِ ختم نبوت کو منکر ختم نبوت کہنا کیا یہ تبرا کرنے سے کم ہے۔

۲) مرزا محمود قادیانی اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے:

اور صبر اور دعا کے ذریعہ سے (اللہ سے) مدد مانگو اور بے شک فروتنی اختیار کرنے والوں کے سوا (دوسروں کے لئے) یہ (امر) مشکل ہے (صغیر ص ۱۵ کبیر ج ۱ ص ۳۹۴ تا ۳۹۶) نیز لکھتا ہے: صبر کی پسندیدہ عادت سے اس روک کا مقابلہ کرو دوسرے اپنے دِل کو صاف کرنے کیلئے خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو تا کہ دِل کے زنگ دور ہوں اور تم میں صداقت کو قبول کرنے کی اہلیت پیدا ہو (کبیر ج ۱ ص ۳۹۷)

**اقول** [۱] یہاں صلوۃ سے مراد نماز ہی ہے نماز میں دعا آجاتی ہے مگر دعا میں نماز نہیں آتی علاوہ ازیں دعا کی نسبت تو صبر گراں ہے دعا میں نہ استقبال قبلہ شرط، نہ وقت کا تعین نہ جماعت، نہ جگہ بدن اور کپڑوں کی پاکی نہ دعا میں اسلام کے کسی شعائر کا اظہار۔ نہ اس میں رکوع سجدہ اور قیام کی طرح ارکان۔ بس دِل سے یا زبان سے مانگو دعا ہوگی۔ ہاں نماز پر پابندی گراں ہے [۲] دوسرے مرزائی بھی ایسا ترجمہ نہیں کرتے محمد علی لاہوری ترجمہ کرتا ہے: اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگتے رہو (بیان القرآن مرزائی ص ۳۶) مرزا محمود قادیانی کا بیٹا ترجمہ کرتا ہے: اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو (ترجمہ مرزا طاہر ص ۱۷) اس لئے جمہور کا ترجمہ اور تفسیر ہی درست ہے۔

۳) یعنی صبر اور نماز اللہ سے مدد طلب کرنے کا ذریعہ ہیں صبر اور نماز سے مدد نہیں مانگنی، مدد اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہے جس کا سبق سورۃ فاتحہ میں دیا گیا ہے **ایاک نعبد وایاک نستعین** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: **اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا** [الاعراف: ۱۲۸] مفتی احمد یار خان کہتے ہیں: یعنی اللہ سے بذریعہ صبر و نماز کے مدد مانگو یا <u>نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو</u> (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۳۲۹) خط کشیدہ جملے کا مطلب بھی یہی ہے کہ مدد اللہ سے حاصل کرو۔ ویسے بھی صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنے کا کیا مطلب؟ صبر اور نماز انسان کے اپنے افعال ہیں، بندے کے افعال کا خالق تو خدا ہے۔ مگر کاسب بندہ ہے اپنے افعال سے مدد مانگنے کا کیا مطلب؟

۴) غامدی لکھتا ہے:

**وانها لكبيرة** ان میں ہا ضمیر کا مرجع ہمارے نزدیک وہ سب باتیں ہیں جو اس سلسلہ بیان میں بنی اسرائیل سے کہی گئی ہیں (البیان ج ۱ ص ۶۱)

**اقول** ''ہمارے نزدیک'' کے الفاظ سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ یہ اس کی اپنی تحقیق ہے۔ جبکہ یہ بات اور مفسرین بھی کہتے ہیں حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

**(وَاِنَّهَا) عائد إلى الصلاة، نص عليه مجاهد، واختاره ابن جرير. ويحتمل أن يكون عائدا على ما يدل عليه الكلام، وهو** (باقی آگے)

ہے(عثمانی ص۱۰) تو اس کا مرجع استعانت ہے جو اِسْتَعِيْنُوْا سے سمجھ آتی ہے، حضرت شیخؒ فرماتے ہیں: اس کا مرجع یا صلوۃ ہے یا استعانۃ جو اِسْتَعِيْنُوْا سے معلوم ہوتی ہے یا مرجع وہ سب امور ہیں جن کا پہلے ذکر ہوا یعنی اظہار حق، اقامت صلوۃ، ایتاء زکوۃ، صبر وغیرہ۔

**نماز طبیعت پر گراں کیوں ہے؟**

اگر اِنَّهَا کی ضمیر کا مرجع صلوۃ ہو تو سوال ہے کہ خاص نماز ہی کو گراں کیوں کہا؟ اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں:

غیر ضروری خواہشات کے ترک کرنے پر انسان ہمت باندھ لے تو چند روز کے بعد طبعی تقاضا بھی ختم ہو جاتا ہے کوئی دشواری نہیں رہتی [اس لئے صبر قدرے آسان ہے۔ راقم] لیکن نماز کے اوقات کی پابندی اور اس کے تمام شرائط کی پابندی اور ضروری خواہشات سے بھی ان اوقات میں پرہیز کرنا یہ انسانی طبیعت پر بہت بھاری اور دشوار ہے [اس لئے نماز کے بارے میں فرمایا: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ۔ راقم] (معارف القرآن ج۱ ص۲۱۳)

**خاشعین کون لوگ ہیں نیز خشوع خضوع میں کیا فرق ہے؟**

عام لوگوں پر گرانی کا ذکر کے خاشعین کا استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (45) الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۱) "مگر ان لوگوں پر جو خشوع کرنے والے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں (۱) کہ وہ ضرور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

اگر اِنَّهَا کی ضمیر کا مرجع نماز ہو تو مطلب یہ ہے خاشعین پر نماز گراں نہیں باقیوں پر ہے، اگر اس کا مرجع امورِ مذکورہ ہو تو مطلب یہ ہے کہ امورِ مذکور خاشعین پر آسان ہیں دیگر لوگوں پر نہیں اور اگر اس مرجع استعانت ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ صبر وصلوۃ عام لوگوں پر گراں ہے خاشعین پر نہیں۔

خشوع اور خضوع میں فرق یہ ہے کہ خشوع کا لفظ آواز اور نگاہ کی پستی کے لئے بولا جاتا ہے..... فرمایا: وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ [طٰہٰ:۱۰۸] (آوازیں پست ہوگئیں) اور خضوع کا لفظ بدن کی تواضع اور انکساری کیلئے استعمال ہوتا ہے فرمایا: فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ [الشعراء:۴] "پس ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں" (از معارف القرآن مفتی صاحبؒ ج۱ ص۲۲۱)

خاشعین کے بارے میں جو فرمایا: يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ قیامت میں اللہ سے ملاقات کرنے کا یقین رکھتے ہیں اور ایک مطلب یہ ہے نماز پڑھتے وقت یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (کاندھلویؒ ج۱ ص۱۷۱،۱۷۲ نیز دیکھئے عثمانی ص۱۰) حاصل یہ کہ جب تک ایمان نہ ہو، آخرت میں خدا کے حضور پیشی کا فکر نہ ہو نہ گناہ چھوٹیں، نہ خدا کی صحیح فرمانبرداری ہو سکے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الوصية بذلك، كقوله تعالىٰ في قصة قارون: (وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّلَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ) [القصص:۸۰] وقال تعالىٰ: (وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ☆ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ) [فصلت:۳۴،۳۵] أي: وما يلقى هذه الوصية إلا الذين صبروا (وَمَا يُلَقّٰهَا) أي: يؤتاها ويلهمها (اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ) (تفسیر ج۱ ص۸۸)

۲) مفتی احمد یار خان نے یہاں ایک اعتراض نقل کرتے ہیں کہ: اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کسی خاص جگہ میں رہتا ہے...... پھر جواب دیتے ہیں کہ: اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ سے اس جگہ جانا مراد ہے جہاں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی ظاہری حکومت بھی نہ ہو یعنی میدان محشر کیونکہ دنیا میں بظاہر اوروں کی بھی حکومت ہے (نعیمی ج۱ ص۳۳۳)

**اقول** لیکن یعقوبؑ کے بڑے بیٹے نے بھائیوں سے جو کہا اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ [یوسف:۸۱] وہاں ایسی تاویل نہیں معلوم ہوا کہ اللہ حاضر ناظر ہے انبیاء حاضر ناظر نہیں۔

۲) ظن کا لفظ جس طرح گمان کے معنی میں آتا ہے یقین کے معنی میں بھی مستعمل ہے ہمارے ترجمہ میں دونوں احتمال ہیں بہت سے علماء یہاں ظن کو یقین کے معنی میں لیتے ہیں اور ظن یقین کے معنی میں آتا ہے لغت کے مشہور امام علامہ احمد بن محمد فیومیؒ (متوفی: ۷۷۰ھ) لکھتے ہیں: اَلظَّنُّ مَصْدَرٌ مِنْ بَابِ قَتَلَ وَهُوَ خِلَافُ الْيَقِيْنِ قَالَهُ الْاَزْهَرِيُّ وَغَيْرُهُ وَقَدْ يُسْتَعْمَلُ بِمَعْنَى الْيَقِيْنِ كَقَوْلِهٖ: اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْ رَبِّهِمْ (المصباح المنير ج۲ ص۳۴)

## ﴿سوالات﴾

☆......يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ کی کچھ وجوہ ربط تحریر کریں☆......مفتی احمد یار خان کا ذکر کردہ ربط لکھیں اور اس سے بریلویوں کے عقیدۂ حاضر ناظر اور عقیدۂ علم غیب کا رد ثابت کریں☆......اِبْنٌ کی صرفی تحقیق تحریر کریں نیز یہ بتائیں کہ نِعْمَةٌ کا ترجمہ واحد اور جمع دونوں طرح کیوں درست ہے؟ ☆...... اُوْفِ کے آخر سے حرف علت کیوں گرا ہے؟ ☆......ثابت کریں کہ آنحضرت ﷺ معاف کرنے میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر تھے☆......اہل بدعت تیجا، ساتواں وغیرہ بدعات کی مخالفت کیوں نہیں کرتے؟ ☆......اسرائیل کا لغوی معنی کیا ہے؟ اور یہ کس ہستی کا لقب ہے؟ بنی اسرائیل کن کو کہا جاتا ہے، آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کہہ کر خطاب کرنے کا کیا مقصد ہے؟ ☆......محمد علی لاہوری لکھتا ہے: ایــــل، اللہ کا نام ہے اسی نام سے اللہ تعالیٰ کو حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر پکارا" اس جملے میں کیا قباحت ہے؟ ☆......مرزا محمود کہتا ہے: "اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو بائبل کے بیان کے مطابق ان کو ان کی بہادری کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا" اس میں مرزا محمود نے بائبل میں مذکور کسی جھوٹے گستاخانہ واقعہ کی تردید و تکذیب کی یا اس کی تصدیق و تائید کی؟ اور وہ کیسے؟ ☆......مولانا حمید الدین فراہی کی تحقیق کے مطابق عبرانی زبان میں اسرائیل اور یعقوب کے کیا معنی ہیں؟ اور موجودہ بائبل میں ان ناموں کی وجہ کیا بتائی گئی ہے؟ بائبل اور بائبل کو ماننے والوں کی کچھ عبارات بھی پیش کریں☆......اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا، اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ، جبکہ اس امت سے کہا: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ اس میں امت مسلمہ کی خاص فضیلت کی طرف اشارہ ہے وہ فضیلت کیا ہے؟ ☆...... یہودی مدینہ منورہ میں کب آ کر آباد ہوئے؟ اور کس عقیدے کے ساتھ آ کر آباد ہوئے؟

☆......مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

> آدم علیہ السلام کی مثال دے کر یہ بتایا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ کوئی نیا دعویٰ نہیں بلکہ جب بشر کی عقل مکمل ہوئی اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر الہام نازل کیا تھا اس کے بعد یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب شروع میں الہام نازل کر دیا تو پھر اور الہام کی کیا ضرورت ہے کیا وہ الہام کافی نہیں۔ اس سوال کا دو طرح جواب دیا جا سکتا ہے ایک اس طرح کہ عقلاً نبوت کی ضرورت ثابت کی جائے دوسرے اس طرح کہ واقعات کی شہادت سے ثابت کر دیا جائے کہ نبوت آدم علیہ السلام کے بعد بھی جاری رہی۔ قرآن کریم نے نبوت کے اجراء کی ضرورت کو عقلی طور پر کئی دوسرے مقامات پر ثابت کیا ہے الخ"

یہ بتائیں کہ اصل سوال کا جواب کس طرح ہونا چاہئے اور مضبوط عقلی دلائل کے ساتھ وہ جواب کس نے دیا ہے؟ کب دیا اور کیسا دیا؟ پھر مرزا محمود کی عبارت میں کچھ خامیوں کی نشاندہی کریں۔

☆......مرزا محمود ہی لکھتا ہے: "اس رکوع سے بنو اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس امر کی سچی گواہی دو کہ خدا تعالیٰ کا الہام دنیا میں ہمیشہ نازل ہوتا رہا ہے اور تم بھی اس کے مہبط رہے ہو بلکہ یہ بھی کہ تمہاری کتب میں یہ بھی موجود ہے کہ ایک دن وحی الٰہی کا سلسلہ تم سے ہٹ کر تمہارے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہو جائے گا" اس عبارت میں کچھ خامیوں کی نشاندہی کریں☆......بنی اسرائیل کو دعوت ایمان دینے میں نبی کریم ﷺ کی عظمت کا اظہار کیسے ہے؟ ☆......"نِعْمَتِيَ" کے تحت مرزا محمود نے اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا کا معنی کیا بیان کیا؟ صحیح معنی کیا ہے اور کس دلیل سے؟ ☆......اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ کی صحیح تفسیر کیا ہے اور مرزا محمود نے "نِعْمَتِيَ" کے تحت اس کی کیا تفسیر کی؟ ☆مرزا محمود قادیانی لکھتا ہے:

> بنی اسرائیل جو خدا تعالیٰ سے عہد باندھنے کے لئے اپنے خیموں سے نکل کر دامن کوہ میں کھڑے تھے ڈر گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہم اس کلام کو نہیں سنتے ......اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل نے خدا کا کلام سننے سے انکار کر دیا جو کلام کہ شریعت کے متعلق تھا تو آئندہ خدا تعالیٰ نے ان کے لئے شریعت کا دروازہ بند کر دیا اور کہا کہ جب ایسے نبی کی ضرورت ہوگی جو موسیٰ کی مانند ہو تو وہ ان کے بھائیوں میں سے کھڑا کیا جائے گا"

اس عبارت میں مرزا محمود نے قرآن کے خلاف بائبل کی کس بات کو تسلیم کیا؟ نیز خط کشیدہ الفاظ میں اس نے مرزائیت کی طرفداری کس طرح کی؟

☆......مرزا محمود ہی لکھتا ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے متعلق جو وعدہ کیا تھا، اس کا زمانہ اس موعود نبی کی بعثت تک تھا اس کی بعثت کے بعد یہ شرط تھی کہ اگر بنی اسرائیل اس نبی کو مانیں گے تو انعام پائیں گے ورنہ سزا پائیں گے" اس پر تبصرہ کریں☆......مرزا محمود نے: لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

[المائدۃ:٦٦] کا ترجمہ اور تفسیر کس طرح کیا، اور کس مقصد کیلئے؟ اور صحیح تفسیر کیا ہے؟ ☆......قرآن کریم نے اہلِ کتاب اور غیر اہل کتاب سب پر حجت پوری کردی وہ کیسے؟
☆......ثابت کریں کہ مرزائی بائبل سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پائی جانے پیشگوئیاں تو پیش کرتے ہیں مگر آپ ﷺ کی تکذیب میں کردار یہودیوں والا اپناتے ہیں
☆......بائبل پر ہندوؤں نے جو اعتراضات اٹھائے علمائے اسلام کو ان کا علم ہونا کیوں ضروری ہے؟ ☆......بائبل اور عیسائیوں کی کتابوں میں وہ کونسا واقعہ ہے جس پر پنڈت نے یوں اعتراض کیا: ''تعجب ہے کس جھوٹ اور مکر وفریب کی برکت سے اولیاء اور پیغمبر بن جاتے ہیں'' پھر یہ ثابت کریں کہ اسلام ایسی خرافات سے پاک ہے ☆......حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا کوئی واقعہ لکھیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام انتہائی سچے، انتہائی سادہ تکلفات سے پاک اور انتہائی بہادر ہوتے ہیں۔

☆......دھوکے سے برکت لے کر نبی بننے کے واقعہ کا غلط ہونا حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ علیہما السلام کو ملنے والی بشارت سے ثابت کریں ☆......بائبل میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے ایک پتھر کھڑا کیا اور کہنے لگے یہاں اللہ کا گھر ہوگا، اس واقعہ پر پنڈت نے کیا اعتراض کیا؟ اور جواب کیا ہے؟ ☆......بائبل میں ہے کہ خدا نے یعقوبؑ کی بیوی کے رحم کو کھولا اور وہ حاملہ ہوئی، پنڈت کا اس پر کیا اعتراض ہے؟ اور آپ کیا کہتے ہیں؟ ☆......بائبل میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیوی نے اپنے باپ کے بت چرالئے وہ غضب ناک ہو کر آیا تو خواب میں اللہ کا دیدار ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے یعقوب کے ساتھ لڑنے سے روک دیا (پیدائش باب ۳۱) پنڈت دیانند سرسوتی نے اس پر کیا اعتراض کئے اور آپ کیا کہتے ہیں؟ ☆......بائبل میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک جگہ فرشتے ملے تو کہنے لگے یہ خدا کا لشکر ہے (پیدائش ۳۲ ۱:۲،) اس پر پنڈت کے کیا اعتراض ہیں جواب بھی لکھیں اور یہ بھی ثابت کریں کہ پنڈت کے عقیدے کے مطابق خدا تعالیٰ بے بس بھی ہے اور نہایت ظالم بھی۔

☆......بائبل میں مذکور یعقوب علیہ السلام کی کشتی کے گستاخانہ واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے پنڈت نے کیا کہا؟ اور اس کا جواب مرزائیوں کے ذمہ کیوں ہے؟ ☆......دیدارِ خداوندی کا امکان اور آخرت میں اہل ایمان کیلئے اس کا وقوع کن دلائل قطعیہ سے ثابت کریں ☆......یعقوب علیہ السلام کے کشتی کے واقعہ کے خلاف قرآن کریم کی کچھ آیات پیش کریں، کسی مستند تفسیر کے حوالے بھی ذکر کریں ☆......مفتی احمد یار خان نے **اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ** سے مجلس میلاد، گیارھویں اور عرس وغیرہ پر کس طرح استدلال کیا؟ اس کا جواب بھی تحریر کریں ☆......اس کو ثابت کریں کہ عرس وغیرہ میں بعض ایسے کام ہوتے ہیں جن کو مفتی احمد یار خان وغیرہ بھی بدعت اور گناہ مانتا تھا مگر باوجود با اختیار کے ان کو دور نہیں کرتے ☆......مفتی احمد یار خان کی اس بات کا کیا جواب ہے؟

بعض لوگوں نے ان امورِ خیر [محفل میلاد شریف، گیارھویں شریف عرس بزرگان وغیرہ] میں بدعات ناچ گانا وغیرہ شامل کر دیا مگر اس شمول سے اصل عرس حرام نہ ہوگا جیسے شادیوں میں باجہ گانا بجانا شامل ہونے سے نکاح حرام نہیں یا جیسے کعبہ معظمہ میں بت رکھ دیئے گئے تھے تو کعبہ کو نہیں ڈھایا گیا بلکہ بت نکال دیئے گئے (۱)۔

☆......اس کو ثابت کریں کہ دین تو مکمل ہو چکا بدعات مکمل نہیں ہوئیں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں جن سے دین کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے ☆......**اَوْفُوْا بِعَهْدِيْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ** میں **عَهْدِيْ** ، **عَهْدِكُمْ** کی نحوی تحقیق لکھیں نیز یہ بتائیں کہ ان سے کونسے عہد مراد ہیں؟ قرآن پاک میں ان کا ذکر کس جگہ ہے پھر بائبل سے اس کی تائید پیش کریں اور ثابت کریں کہ یہ پیشگوئیاں آنحضرت ﷺ کے بارے میں ہی ہیں ☆......**وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ** [المائدۃ:۱۲] میں اضافت کے استغراق کیلئے ہونے کی کیا دلیل ہے؟

☆......بائبل کے دوسرے حصہ ''عہد نامہ جدید'' سے ایسی پیشگوئی دکھائیں جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا بھی ذکر ہو، ان کے آسمان سے نازل ہونے کا بھی اور ان کے رفع ونزول کے درمیان ایک عظیم الشان نبی کی آمد کا بھی، اور اس پر ایمان کے لازم ہونے کا بھی ☆......محمد علی لاہوری نے بائبل سے ایک پیشگوئی ذکر کی، اسے نقل کریں پھر ثابت کریں کہ محمد علی لاہوری نہ نبی کریم ﷺ کی کامل تصدیق کرتا ہے اور نہ قرآن وحدیث کا وہ معنی لیتا ہے جو امتِ مسلمہ ہر دور میں لیتی رہی ہے۔

☆**وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ** کا ترجمہ وتفسیر کریں اور بتائیں کہ اس سے پہلے کلام کا اسلوب کیا تھا اور اس میں کیا؟ ☆......**وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ** میں فاء عاطفہ ہے یا جزائیہ؟ تقدیر عبارت کیا ہے؟ اس سے **وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ** کیسے بنا؟ اس کا لفظی ترجمہ کیا ہے اور حاصل معنی کیا؟ یہ بھی بتائیں کہ اس میں **اِيَّاكَ نَعْبُدُ** سے زیادہ تخصیص کیوں ہے؟

---

۱) جواب یہ ہے کہ کعبہ معظمہ پہلے سے اللہ کا گھر ہے بت بعد میں رکھے گئے تھے۔ بتوں کو نکالنے کے بعد وہ بتوں سے پاک ہوگیا، شادی یعنی نکاح پہلے سے اللہ کا حکم ہے، خرافات کا اضافہ بعد میں لوگ کرتے ہیں۔ خرافات کو ہٹانے کے بعد وہ سنت کے مطابق ہوگیا، جبکہ مجلس میلاد، گیارھویں، عرس اصل میں بدعت ہیں دیگر خرافات کے ملنے سے اور زیادہ برے ہوگئے۔ ان خرافات کے نکال دینے سے اصل یہ چیزیں بدعت ہی رہیں گی، سنت تو نہ بنیں گی۔

☆......أَوْفُوا بِعَهْدِيْ أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ کے تحت مرزا محمود کہتا ہے: ''امت محمدیہ میں غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بند نہیں'' اس سے مرزا محمود ختم نبوت کا قائل نظر آتا ہے یا ختم نبوت کا منکر اور کس طرح؟ مرزا محمود کی عبارت نقل کر کے تفصیل سے اس کا جائزہ لیں ☆......مرزا محمود وَإِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ کا ترجمہ کرتا ہے: ''اور مجھ (ہی) سے ڈرو پھر (میں کہتا ہوں کہ) مجھ (ہی) سے ڈرو'' تقدیر عبارت نکالتا ہے: وَارْهَبُوْا اِيَّايَ ارْهَبُوْا فَارْهَبُوْنِ دلائل سے اس کا رد کریں ☆......مرزا محمود لکھتا ہے:

اور چونکہ آپ خاتم النبیین ہونے والے تھے اس لئے ضروری تھا کہ سب دوسرے انبیاء کو جو براہِ راست نبوت کے مقام پر کھڑے ہونے والے تھے پہلے گذرنے دیا جاتا تا آخر میں آپ تشریف لاتے اور شریعت والی اور براہ راست نبوت کا دروازہ مسدود کر دیا جاتا''۔

بتائیں مرزا محمود اس عبارت میں ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے یا ختم نبوت کے معنی خراب کر رہا ہے؟ اور کس طرح؟ ☆......حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد ہر طرح کی نبوت بند ہے غیر تشریعی کی بھی کوئی گنجائش نہیں حضرتؒ کے موقف اور ان کی دلیل کو جدول کی شکل میں پیش کریں ☆......وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کا ترجمہ و تفسیر لکھیں نیز بتائیں کہ اس کی أَوْفُوا بِعَهْدِيْ سے کیا مناسبت ہے؟ ☆......قرآن کریم کس طرح بائبل کا مصدق ہے، کچھ وجوہات ذکر کریں ☆......تورات و انجیل کی تصدیق قرآن نے بھی کی، نبی کریم ﷺ نے بھی کی مگر وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ میں مَآ اَنْزَلْتُ سے کس کو مراد لینا بہتر ہے اور کیوں؟ ☆......مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں: ''آج جو لوگ حضور کو سچا تو مانتے ہیں مگر عالم کل نہیں مانتے وہ اپنا قیامت والا مقدمہ کمزور کر رہے ہیں'' مفتی صاحب اس عبارت سے کس باطل عقیدہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور جواب کیا ہے؟ ☆......قیامت کے دن نبی ﷺ کس کے حق میں گواہی دیں گے ہر ہر شخص کے حق میں یا صحابہ کرامؓ کے حق میں اور کس دلیل سے؟ ☆......خالی جگہ پر کریں:

ہم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق...... ہیں کہ آپ...... جو کچھ اللہ کی طرف...... پہنچایا بالکل...... ہے ہم ان کے کہنے...... قبر...... ثواب و عذاب کو مانتے......، قیامت کے...... زندہ ہونے کو حساب کتاب کو، نامۂ...... کے تقسیم ہونے کو، میزان صراط جنت...... وغیرہ سب حقائق کو آپؐ کے...... سے مانتے ہیں، آپؐ کے کہنے سے ہم...... کو اللہ کا آخری نبی بھی مانتے ہیں آپؐ...... کہنے سے ہم قیامت...... قبل نزولِ عیسیٰ علیہ السلام...... بھی قائل ہیں اور آپ کے کہنے...... ہی ہم اس کو بھی مانتے...... کہ علم غیب اللہ ہی...... شان ہے۔ اللہ کے...... کسی کو عالم الغیب کہنے...... ہم آپ ﷺ کی تکذیب...... ہیں۔ لگتا ہے...... تیری عقل پر پردہ پڑ گیا...... تو نبی ﷺ کی تکذیب...... کو عین ایمان...... ہوئے ہے کہ نبی ﷺ...... لئے علم غیب...... مانتا ہے۔

☆......ثابت کریں کہ گواہ کیلئے عالم کل ہونا ضروری نہیں ☆......مفتی احمد یار خان کی ان عبارات پر جاندار تبصرہ کریں [۱] ''علماء دیوبندان بدنصیبوں کو اپنے کفر کا یقین ہو چکا ہے مگر عار کے مقابلے میں نار قبول کرتے ہیں'' [۲] ''آج کل پنجاب کے دیوبندی جو روپیہ لے کر کچہری کے فسخ نکاح پر دوسرا نکاح پڑھا دیتے ہیں'' ☆......مثال دے کر ثابت کریں کہ بریلوی کفریہ عبارت خود بناتے ہیں اور نسبت اس کی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی طرف کر دیتے ہیں ☆......اس کو ثابت کریں کہ لاہوری مرزائی بھی مرزے کو نبی مانتے ہیں پھر یہ بھی ثابت کریں کہ قیامت سے قبل نزولِ عیسیٰ علیہ السلام جو امتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے بائبل سے بھی ثابت ہے ☆......یہ ثابت کریں کہ بائبل میں موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کے آنے کی جو پیشگوئی ہے اس کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا ☆......محمد علی لاہوری کہتا ہے:

حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے زمانہ تک تین نبیوں کا انتظار: الیاس کی آمد ثانی، مسیح اور وہ نبی یعنی مثیل موسیٰ نبی۔ ان میں سے حضرت یحییٰ کو الیاس کی آمد کا مصداق خود حضرت عیسیٰؑ نے قرار دیا، اور مسیح ہونے کا خود دعویٰ کیا مگر وہ مثیل موسیٰ نبی ابھی باقی رہ گیا [وروہ آپ ﷺ ہی ہیں۔ راقم] نیز لکھتا ہے: گویا یحییٰ کی آمد ہی الیاس کی دوبارہ آمد تھی اس لئے کہ وہ اس کا مثیل ہو کر آیا مگر یہودی اس تشریح سے مطمئن نہ ہوئے''۔

ثابت کریں کہ اس میں محمد علی لاہوری نے مرزائیت کی ترجمانی کی، اس بارے میں مرزا کے بیٹے کی عبارت بھی پیش کریں، پھر اس کا جاندار طریقے سے رد کریں اور ثابت کریں کہ اس تشریح سے عیسائی بھی مطمئن نہیں مرزا غلام احمد قادیانی بھی مطمئن نہیں۔ اس کو بنیاد بنا کر احادیث متواترہ کو رد کرنا نری جہالت ہے ☆......اناجیل سے کچھ ایسی عبارات ذکر کریں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت الیاس علیہ السلام کے بذاتِ خود موجود ہونے کا ذکر ہو ☆......مرزا غلام احمد قادیانی کی وہ عبارت پیش کریں جس میں اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حضرت الیاس علیہ السلام قرار دینے کے نظریہ سے استہزاء کیا پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کے کذب کو نمایاں

کریں☆......مرزاغلام احمد قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ کس بنیاد پر کیا؟ نیز مرزا کے اس دعوے کا سفسطہ ہونا ثابت کریں☆ مرزامحمود قادیانی لکھتا ہے:
''اللہ تعالیٰ نے......بنواسماعیل میں وہ نبی مبعوث فرمادیا جو خاتم النبیین تھا اور جس کی شریعت کو کسی اور شریعت نے منسوخ نہ کرنا تھا''۔ مرزامحمود نے اس میں قادیانیت کی ترجمانی کس طرح کی؟ اور جواب کیا ہے؟ ☆......مرزامحمود بائبل کی کتاب 'استثناء' کی مشہور پیشگوئی لکھنے کے بعد کہتا ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپؐ سے وعدہ کیا گیا کہ آپؐ کی امت میں سے متواتر مجددین آتے رہیں گے اور یہ کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری خلیفہ حضرت مسیح تھے اسی طرح قریباً اتنا ہی عرصہ آپؐ کے بعد ایک آپ کا خلیفہ ظاہر ہوگا جو مسیح کے نام سے موسوم کیا جائے گا چنانچہ اس پیشگوئی اور مشابہت کے مطابق حضرت رسول کریم ﷺ کے اتنا ہی عرصہ بعد بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسیح موعود بن کر خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے، حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب آپؐ کو یہ قرآنی وحی ہوئی: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ ع۱) آج میں نے دین کو تمہارے لئے مکمل کردیا تو آپ نے تمام مسلمانوں کے دوبارہ مسلمانوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی اور پھر فرمایا اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اے لوگو! خدا تعالیٰ کو گواہ رکھ کر بتاؤ کیا میں نے خدا تعالیٰ کا حکم پوری طرح دنیا کو پہنچادیا ہے یا نہیں؟ اس پر سب صحابہ یک زبان ہوکر بولے۔ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ ہم اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغام اچھی طرح پہنچادیا ہے''۔

کتاب استثناء کی پیشگوئی ذکر کرکے مرزامحمود کی ان باتوں کا گہری نظر سے جائزہ لیں اور بتائیں کہ مرزامحمود کی ان باتوں میں مرزائیت کی ترجمانی کیسے ہے؟ اور کونسی باتیں مرزامحمود کے خلاف ہیں؟ ☆......بائبل کتاب اعمال کی وہ پیشگوئی ذکر کریں جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے رفع نزول اور اس کے درمیان میں آنحضرت ﷺ بعثت کا ذکر ہے یہ بھی ثابت کریں کہ مرزامحمود کے ہاں یہ عیسیٰ علیہ السلام ہی کا کلام ہے پھر یہ بتائیں کہ مرزامحمود نے اس کے معنی خراب کرنے کیلئے کیا کچھ کیا؟ ☆......ثابت کریں کہ مرزائیوں کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام پہلے مسیح تھے قادیانی دوسرا مسیح تھا، پھر ان کے ہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ شرابی تھے اس لئے قادیانی یقیناً شرابی تھا☆......اگر مرزائی کہیں کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں اس لئے نزول کی احادیث میں اور کتاب اعمال کی اس پیشگوئی میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے ان کے مثیل کی آمد مراد ہے اور وہ مرزا قادیانی ہے اس کا کیا جواب ہے؟

☆......ثابت کرو کہ مرزامحمود قادیانی اور اس کے باپ مرزاغلام احمد قادیانی (۱) نے سورۃ آل عمران کی آیت: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الخ کا جو ترجمہ اور تفسیر

---

۱) مرزامحمود کی عبارت پہلے گزر چکی ہے مرزاغلام احمد قادیانی کی عبارتیں یہاں ملاحظہ فرمائیں[ا] مرزا قادیانی سورۃ آل عمران کی آیت کو نقل کرکے لکھتا ہے: (ترجمہ) ''اور یاد کر جب خدا نے تمام رسولوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں گا اور پھر تمہارے پاس آخری زمانہ میں میرا رسول آئے گا جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے گا تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی اور کہا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس عہد پر استوار ہوگئے انہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کرلیا تب خدا نے فرمایا کہ اب اپنے اقرار کے گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ اس بات کا گواہ ہوں''۔

اب ظاہر ہے کہ انبیاء تو اپنے اپنے وقت پر فوت ہوگئے تھے۔ یہ حکم ہر نبی کی امت کے لئے ہے کہ جب وہ رسول ظاہر ہو تو اس پر ایمان لاؤ ورنہ مؤاخذہ ہوگا۔ اب بتلاویں میاں عبد الحکیم خان نیم ملا خطرہ ایمان! کہ اگر صرف توحید خشک سے نجات ہوسکتی تھی تو پھر خدا تعالیٰ ایسے لوگوں سے کیوں مؤاخذہ کرے گا جو گو آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتے مگر توحید باری کے قائل ہیں۔

علاوہ اس کے توریت استثناء باب ۱۸ میں ایک یہ آیت موجود ہے کہ جو شخص اس آخرالزمان نبی کی نہیں مانے گا میں اس سے مطالبہ کروں گا پس اگر صرف توحید ہی کافی تھی تو یہ مطالبہ کیوں ہوگا (حقیقۃ الوحی درروحانی خزائن ج ۲۲ ص ۱۳۳، ۱۳۴) مرزا قادیانی ایک اور جگہ لکھتا ہے:
''قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ہر ایک نبی آنحضرت ﷺ کی امت میں داخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ پس اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام آنحضرت ﷺ کی امت ہوئے'' (ضمیمہ براہین احمدیہ ص ۱۳۳، درروحانی خزائن ج ۲۱ ص ۳۰۰)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی کے نزدیک بھی سورۃ آل عمران کی اس آیت میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر سب انبیاء سے نبی کریم کی اتباع کا عہد لیا تھا، یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت دیگر سب انبیاء کرامؑ کے بعد ہے اور آپ ﷺ نبی آخرالزمان ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ باقی مرزے کا کہنا کہ باقی انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے وقت پر فوت ہوگئے تو اس سے عیسیٰ علیہ السلام کا استثناء ضروری ہے۔ ان کا نزول یقیناً ہوگا۔ مرزائی یہود ونصاری کو بھی ساتھ ملالیں تو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو نہیں روک سکتے۔

کیا اس کی رو سے بھی مرزا غلام احمد قادیانی دعوائے نبوت میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے ☆......مرزا محمود کی اس بات کا کیا جواب ہے کہ ''جس قسم کی تصدیق قرآن کریم بائبل کی کرتا ہے ویسی ہی تصدیق وہ ویدوں [یعنی ہندوؤں کی مقدس کتب۔ راقم] کی بھی کرتا ہے اور ویسی ہی تصدیق وہ ژند [پارسیوں یعنی آتش پرستوں کی مقدس کتاب۔ راقم] کی بھی کرتا ہے'' ☆......اس کو واضح کریں کہ آنحضرت ﷺ سورۃ آل عمران کی آیت: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الخ کے موعود نبی نہیں بلکہ اس آیت میں مذکور عہد کے موعود نبی ہیں۔

☆......اس کو ثابت کریں کہ قرآن کریم بائبل کی تحریفات کا مصدق ہرگز نہیں ☆......مرزا محمود کی اس بات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں:

'' قرآن کریم حضرت آدمؑ کے الہام، حضرت نوحؑ کے الہام، حضرت ابراہیمؑ کے الہام، حضرت موسیٰؑ کے الہام حضرت مسیحؑ کے الہام، حضرت کرشنؒ [ہندوؤں کے مذہبی پیشوا۔ راقم] کے الہام، حضرت رامچندرؒ [ہندوؤں کے مذہبی پیشوا۔ راقم] کے الہام، حضرت زردشت [پارسیوں کے مذہبی پیشوا۔ راقم]ؒ کے الہام اور باقی تمام انبیاء کے الہاموں کی تصدیق کرتا ہے جو وقتاً فوقتاً اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ظاہر ہوئے خواہ ان کے نام بھی ہمیں معلوم نہیں''۔

☆......مرزا محمود کہتا ہے: جس مدعیٔ الہام کی تائید میں یہ امر دیکھو سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کی تائید اس کے حق میں ہے اور وہ جھوٹا نہیں'' ثابت کریں کہ اس کا مقصد اس سے تائید قادیانیت کے سوا اور کچھ نہیں ☆......مرزا محمود قادیانی کہتا ہے: ''ما معکم عام نہیں خاص ہے''۔ جن نصوص کو مرزا قادیانی رفع مسیح کے خلاف پیش کرتا ہے آپ اس عبارت سے ان نصوص کی شرح میں کس طرح کام لے سکتے ہیں؟ ☆......مرزا محمود کی اس بات پر تبصرہ کریں ''پیشگوئی خواہ کسی نبی کی ہو علم غیب پر مشتمل ہوتی ہے'' اور اس عبارت سے مرزا محمود کا مقصد بتائیں ☆......حضرت شیخ الہندؒ کی اس عبارت کو ثابت کریں بعض اوامر و نواہی کا نسخ تصدیق کے مخالف نہیں ☆......کیا ایمان کا حکم کافی نہ تھا کہ ایمان کے حکم کے بعد فرمایا: وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ۔ نیز اَوَّلَ كَافِرٍ کے کچھ معانی تحریر کریں اور بتائیں کہ یہودیوں کو اول کافر ہونے سے کیوں منع کیا گیا؟

☆......لفظ اَوَّلُ کا مادہ، مادے کا ترجمہ اور وزن کے بارے میں علماء صرف و لغت کے اقوال ذکر کریں ☆......لفظ اَوَّلُ کی گردان لکھیں اور جن صیغوں میں تعلیل ہوتی ہے ان کی تعلیل بھی ذکر کریں ☆اَوَّلُ اور اُوْلٰی کی تصغیر اگر ہو تو کیسے ہوگی؟ ان کی تعلیل ذکر بھی کریں ☆......وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ میں فعل ناقص کا اسم واو جمع مذکر کی ضمیر ہے اس کی خبر مفرد کیوں؟ کچھ توجیہات ذکر کریں ☆......تدبر قرآن میں اَوَّلَ كَافِرٍ اور اَوَّلَ الْكَافِرِيْنَ میں کیا فرق بتایا؟ آپ کی کیا رائے ہے؟ ☆......اس کو ثابت کریں کہ نماز نہ پڑھنے والے اللہ کی نافرمانی تو کرتے ہی ہیں بندوں کی حق تلفی بھی کرتے ہیں ☆......اس کو ثابت کریں کہ جیسے یہود و نصاریٰ آنحضرت ﷺ کا انکار کر کے اپنی کتابوں کے مکذب بنتے ہیں مرزا قادیانی عیسیٰ علیہ السلام کے حیات و نزول کا انکار کر کے خود اپنے عقیدے کا مکذب بنتا ہے ☆......ارشاد باری: وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (ق: ۲۹) پر اعتراض کیا ہے اور اس کا آسان جواب کیا ہے؟ ☆......''وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا'' کا ترجمہ و تفسیر لکھیں پھر بتائیں کہ امامت و تدریس پر اجرت جائز ہے یا نہیں، اور کس دلیل سے؟ اس آیت کا اس مسئلہ سے تعلق ہے یا نہیں؟ ☆...... پیچھے تھا: وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ یہاں فرمایا: وَ اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ، اس کی تقدیر عبارت لکھیں اور بتائیں کہ رَهْب اور تَقْوٰی میں کیا فرق ہے؟ ☆......فقہاء کہتے ہیں عقد بیع میں باء ثمن پر داخل ہوتی ہے [نور الانوار ص ۱۳۵] آیت کریمہ میں ثَمَنًا مفعول بہ بن رہا ہے اس میں کیا نکتہ ہے؟ ☆......وکلاء اور علماء حق کے کردار میں موازنہ ذکر کریں۔

☆......''وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' کا ترجمہ و تفسیر لکھیں، ماقبل سے ربط بیان کریں اور بتائیں کہ لبس اور کتمان میں کیا فرق ہے؟ ☆...... مادہ ''ل ب س'' کس کس باب سے آتا ہے اور ترجمہ کیا کیا ہے؟ ☆لَا تَلْبِسُوا تو لا نہی کی وجہ سے مجزوم ہے۔ تَكْتُمُوْا کا اعراب اور علامت اعراب کیا ہے؟ ☆......''خود غرض لوگ کہیں مجاز کا بہانہ پیش کر دیتے ہیں کہیں محذوف یا مقدر نکالتے ہیں'' اس کی کچھ مثالیں پیش کریں ☆......بدعت کیا ہوتی ہے اور شریعت میں اس کو اتنا برا کیوں سمجھا گیا ہے نیز یہ بتائیں کہ تیجہ وغیرہ کی رسمیں مسلمانوں میں کہاں سے آئیں؟ ☆ مرزائیت سے تائب ہونے والے اکثر لوگوں میں کونسے جراثیم رہ جاتے ہیں اور اس کا حل کیا ہے؟ ☆......مفتی احمد یار خان نے دیوبندیوں کے بارے میں لکھا کہ وہ خاتم النبیین کے معنی کرتے ہیں: اصلی نبی اور حضور علیہ السلام کے بعد بھی نئے نبیوں کا آنا جائز مانتے ہیں'' کیا آپ دیوبندی نبی ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کو مانتے ہو یا مفتی صاحب کی اس بات کو کھلا بہتان کہتے ہو؟ اگر یہ بہتان ہے تو ختم نبوت کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کی ایسی خدمات پیش کریں جن سے بریلوی بالکل محروم ہیں پھر ختم نبوت کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کا موقف واضح کریں اور یہ بھی ثابت کریں کہ مفتی صاحب نے بھی تحذیر الناس کے مضمون کو چرا کر اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے۔

☆......مرزا محمود قادیانی درج ذیل عبارات میں قادیانیت کی ترجمانی کس طرح کر رہا ہے اور جواب کیا ہے؟[۱] ''اسلام نے بہت سے مہدیوں کی خبر دی ہے بعض آ چکے اور اپنے متعلق پیشگوئیوں کو پورا کر چکے مگر یہ علماء آنے والے مہدی کے بارہ میں ان پیشگوئیوں کو بتا کر ان پیشگوئیوں کو مشتبہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس کے بارے میں ہیں اور پہلے زمانہ میں پوری ہو چکی ہیں'' [۲] ''صداقت کے پہچاننے میں اصل چیز جسے مدنظر رکھا جاتا ہے یہ ہے کہ موعود اس غرض کو پورا کرتا ہو جس کے لئے اس کی خبر دی گئی تھی اس زمانہ میں ظاہر ہو جس میں اس کے ظہور کی سب سے زیادہ ضرورت ہو''۔

☆......''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ '' ترجمہ اور تفسیر کریں اور بتائیں کہ یہود کو ان تین کاموں کا حکم کیوں دیا گیا؟ ☆......مرزا محمود کی اس عبارت پر تبصرہ کریں: ''اب وہ معیار توحید کا جو پہلے تھا بدل گیا ہے اب تو اُس وقت تک تم خدا تعالیٰ کے فضلوں کے وارث نہیں ہو سکتے جب تک اس معیار توحید کو قائم نہ کرو جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے'' ☆......اس کو ثابت کریں کہ یہاں صلوۃ، زکوۃ اور رکوع سے فقط لغوی معنی مراد نہیں ☆ پہلی امتوں میں نماز باجماعت اور رکوع تھا یا نہیں اس بارے میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تحقیق ذکر کریں ☆...... یہاں فرمایا: وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ حضرت مریم کو حکم ہوا تھا: وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ سوال یہ ہے کہ نماز باجماعت میں بالخصوص رکوع میں معیت کا حکم کیوں ہے؟ ☆......وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ سے عورتوں پر جماعت کا وجوب ثابت کیوں نہیں ہوتا؟ ☆......کیا وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ میں رکوع کا ذکر اس لئے نہ کیا کہ یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا یا کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے؟ ☆......مردوں کیلئے نماز باجماعت کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں غیر مقلدین کی عبارات بھی پیش کریں ☆......وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ سے سمجھ آتا ہے کہ رکوع میں مل جانے سے رکعت ادا ہو جاتی ہے اس بارے میں امام ابن تیمیہؒ کا ارشاد نقل کریں ☆......جو فقہاء نماز کسوف میں ایک سے زیادہ رکوع کے قائل ہیں ان کے ہاں مقتدی مدرک رکعت کب بنتا ہے؟ ☆......نماز کی کچھ حکمتیں ذکر کریں اور بتائیں کہ نماز کی حکمتیں کب حاصل ہوتی ہیں؟ ☆......اس کو ثابت کریں کہ نماز سے ایک طرف حاکم کی اطاعت کا شوق پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف حق گوئی کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

☆......فرمان علی شیعہ نے وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ سے اپنے ائمہ کی اطاعت پر استدلال کیا، اس کی عبارت ذکر کر کے جواب دیں ☆......مرزا محمود اور محمد علی لاہوری نے یہاں رکوع سے کیا مراد لیا اور جواب کیا ہے؟ ☆ ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ '' سے فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین کے مسئلہ کا بہترین حل پیش کریں اور بتائیں کہ ان دونوں مسئلوں میں دلائل کس کے زیادہ ہیں؟ کس کو نبی ﷺ کی پسندیدگی حاصل ہے؟ ☆...... یہ تو بتائیں کہ اگر وہ لوگ اہل حدیث بنتے ہیں تو ہم کیا ہیں؟ ☆......قرآن، حدیث اور اجماع صحابہؓ سے اس کو ثابت کریں کہ جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں مل جائے اس کی رکعت ہو جاتی ہے ☆......جب امام رکوع میں ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس وقت رکوع میں ملنے کیلئے کیا کرتے تھے؟ ☆......رکوع کے ساتھ رفع یدین نہ کرنے کے بارے میں چار قسم کے دلائل پیش کریں قرآنی آیات، مسلم شریف سے صحیح قولی حدیث، بخاری شریف سے صحیح فعلی حدیث، مسلم شریف اور سنن کبریٰ بیہقی سے صحیح تقریری حدیث ☆......نماز کے درمیان میں رفع یدین کرنا نبی ﷺ کو پسند تھا یا رفع یدین نہ کرنا اور کس دلیل سے؟ ☆......امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے بارے میں چار قسم کے دلائل پیش کریں آیت قرآنی، قولی حدیث، فعلی حدیث اور تقریری حدیث اور بتائیں کہ نبی ﷺ کو مقتدی کا قراءت کرنا پسند تھا، یا نہ کرنا اور کس دلیل سے؟ ☆......خالی جگہ پر کریں:

آیت ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ '' ...... پتہ چلتا ہے کہ......امام کے پیچھے......فاتحہ ضروری......اور نہ رکوع......ساتھ رفع یدین ہے۔ دلیل......بنتی ہے کہ جو لوگ نماز......اُس وقت پہنچیں......امام......مقتدی رکوع......ہوں ان کو حکم......کہ ان راکعین کے ساتھ رکوع......جا ملو۔ تو الرّٰكِعِيْنَ......مراد رکوع میں......ہوئے امام اور......ہیں اور اِرْكَعُوْا کا امر اس......پہنچنے والوں کو ہے اور راکع امام......صرف رکوع میں معیت کا حکم ہے کہ بس......تحریمہ کہہ کر امام......ساتھ رکوع......جا ملو۔ اس وقت مقتدی......نہ ثناء نہ تعوذ......تسمیہ نہ فاتحہ، نہ اگلی سورت نہ رکوع......تکبیر۔ اور تکبیر تحریمہ ایسے ہی ضروری......جیسے باوضو ہونا......ہے کہ اس کے بغیر نماز شروع ہی......ہوتی۔ جب یہ......کچھ نہیں تو......رفع یدین کیونکر؟ مندرجہ بالا......امور......ترک ہم ثابت کرتے......اس خاص موقع پر محض رفع یدین کرنا......یدین......قائل دکھائیں۔

☆......''اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ '' کا ربط اور شان نزول تحریر کریں ☆ محمد علی مرزائی ''اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ '' کے تحت لکھتا ہے: میرے نزدیک خطاب مسلمانوں سے ہے'' نیز کہتا ہے: ''یہ کہنا کہ مذہب میں عقل کا دخل نہیں صریح قرآن شریف کے خلاف ہے'' اس کی ان باتوں کا جائزہ لیں۔

☆...... آیت ۴۵ کے تحت مرزا محمود لکھتا ہے: جس وقت یہ نصیحت کی گئی تھی صرف چند سو آدمی محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا چکے تھے لیکن اب چالیس کروڑ آدمی آپ کا کلمہ پڑھ رہا ہے ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے دنیا پر حکومت کی ہے اور اب پھر ان کی ترقی کے سامان اللہ تعالیٰ پیدا کر رہا ہے"۔ ثابت کریں کہ مرزا محمود نے مرزائیت کی ترجمانی کی، اسلام سے اس کا کچھ تعلق نہیں ☆...... **اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ** میں استفہام کس معنی میں ہے؟ نسیان سے یہاں کیا مراد ہے ☆...... کیا **وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ** سے سمجھ آتا ہے کہ ان کی کتاب میں تحریف نہیں ہوئی؟ ☆...... بے عمل دوسرے کو نصیحت کر سکتا ہے یا نہیں، آیت: **اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ** اور آیت **لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ** [الصف:۲] سے کیا سمجھ آتا ہے؟ ☆...... جو کہتے ہیں ہم داڑھی اس لئے نہیں رکھتے کہ ہمارے کام داڑھی والے نہیں ان کا عذر کیسا ہے؟ ☆"نسیان کے شرعی احکام ذکر کریں اور مشہور حدیث: **رُفِعَ عَنْ اُمَّتِيَ الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ** کی تحقیق لکھیں ☆...... **وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ** کا ترجمہ و تفسیر کریں اور بتائیں کہ صبر اور نماز میں کن روحانی بیماریوں کا علاج ہے، یہ بھی بتائیں کہ یہودی مسلمان ہی نہیں تو انہیں صبر و نماز کے حکم دینے کا کیا مطلب؟ ☆...... مفتی احمد یار خان کی اس عبارت پر تبصرہ کریں: "حضرات صحابہ کرام نے کسی کا باپ نہیں مارا تھا لیکن آج صدہا سال کے بعد بھی ان پر تبرا ہو رہا ہے" ☆...... مرزا محمود کی وہ عبارتیں نقل کریں جن میں اس نے آیت: **وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ** میں صلوۃ سے لغوی معنی مراد لیا پھر اس کا رد کریں ☆...... اس کو ثابت کریں کہ صبر اور نماز اللہ سے مدد لینے کا ذریعہ ہیں مگر مستعان اللہ ہی کی ذات ہے ☆...... غامدی لکھتا ہے: **وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ** ان میں ہا ضمیر کا مرجع ہمارے نزدیک وہ سب باتیں ہیں جو اس سلسلہ بیان میں بنی اسرائیل سے کہی گئی ہیں" یہ بات بہت سے مفسرین نے لکھی ہے غامدی کے یہ الفاظ قابل اعتراض کیوں ہیں؟ ☆...... نماز طبیعت پر گراں کیوں ہے؟ ☆ خاشعین سے کون لوگ مراد ہیں نیز خشوع اور خضوع میں کیا فرق ہے؟ ☆...... **يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ** میں ظن سے کیا مراد ہے نیز اس جملے **يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ** کے دو معنی تحریر کریں ☆...... مفتی احمد یار خان کہتے ہیں: **اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ** سے اس جگہ جانا مراد ہے جہاں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی ظاہری حکومت بھی نہ ہو یعنی میدان محشر کیونکہ دنیا میں بظاہر اوروں کی بھی حکومت ہے" اس عبارت سے بریلویوں کے عقیدہ حاضر ناظر کا رد کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# کلمۃ الاختتام

الحمدللہ ”عمدۃ التفاسیر“ جلداول آپ کے ہاتھوں میں پہنچی۔ اللہ تعالیٰ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ اردو میں ’عمدۃ‘ کا معنی ہے ’بہترین‘ عربی میں ’عمدۃ‘ کا معنی ہے ’قابل اعتماد‘۔ لغت کے امام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازیؒ المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں وَالْعُمْدَۃُ بِالضَّمِّ مَا یُعْتَمَدُ عَلَیْہِ (مختار الصحاح ص۴۵۴) ترجمہ ”عمدہ وہ ہے جس پر اعتماد کیا جائے“۔ تو عُمْدَۃُ التَّفَاسِیْر کا معنی اردو زبان کے مطابق ہوا ”بہترین تفسیر“ اور عربی کے مطابق ہوا ”قابل اعتماد تفسیر“۔ یہ کتاب ان شاء اللہ تعالیٰ بہترین تفسیر بھی ہے اور قابل اعتماد تفسیر بھی۔ مگر اس وجہ سے نہیں کہ اس کو ترتیب دینے والا قابل اعتماد ہے یا بہت اچھا ہے۔ نہ میری ذات قابل اعتماد ہے نہ میرا قول یا فعل بہترین ہے۔ مگر جن حضرات کی تحقیقات پر اعتماد کیا ہے وہ حضرات قابل اعتماد تھے۔

کتب تفسیر میں اس کے اصل مراجع ہیں بیان القرآن تھانویؒ، تفسیر شیخ الہند و شیخ الاسلام عثمانیؒ، معارف القرآن مفتی صاحبؒ، معارف القرآن کاندھلویؒ، انوار البیان مولانا عاشق الہیٰؒ، ذخیرۃ الجنان حضرت امام اہل سنتؒ، معالم العرفان حضرت صوفی صاحبؒ۔ عربی فارسی کتب کے حوالوں کا زیادہ اہتمام اس لئے نہ کیا کہ عربی اور فارسی کتب تفسیر کا مکھن بھی یہ حضرات ہمیں دے چکے ہیں۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا۔ راقم کی کوئی بات ان حضرات کے خلاف ہو، نا قابل قبول ہے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ سمجھانے کا انداز مختلف ہو۔ جیسے تقسیم میراث میں راقم کا انداز اور ہے مگر مسائل میں کوئی فرق نہیں۔

**دیگر اساتذہ کرام:**

پیش لفظ میں راقم نے اپنے تفسیر کے اساتذہ کا ذکر کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ دینی تعلیم کے اساتذہ یہ ہیں:

مولانا عبدالقیوم ہزارویؒ سابق مدرس جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، راقم نے سنن ابی داود ان سے پڑھی ☆ حضرت مولانا عبدالمہیمنؒ۔ سنن نسائی، ابن ماجہ ان سے پڑھی ☆ مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحبؒ موطا امام مالک موطا امام محمد اور طحاوی شریف ان سے پڑھی ☆ مولانا قاری محمد الیاس صاحب دامت برکاتہم سابق مدرس مدرسہ اشرف المدارس فیصل آباد بانی مدینۃ العلم فیصل آباد۔ راقم نے نحو منطق زیادہ ان سے پڑھی ☆ مولانا محمد یاسین شاکرؒ جو پہلے مدرسہ اشرف المدارس فیصل آباد پڑھاتے تھے پھر خیر المدارس ملتان تشریف لے گئے سالہا سال وہاں تدریس فرمائی کچھ سال قبل وہیں ان کی وفات ہوئی۔ راقم نے تسہیل المبتدی اور گلستان کا کچھ حصہ ان سے پڑھا ☆ حضرت مولانا گلزار صاحب مدظلہ۔ راقم نے مدرسہ اشرف المدارس فیصل آباد میں حدیث کی سب سے پہلی کتاب زاد الطالبین ان سے پڑھی ہے تو راقم کے حدیث میں سب سے پہلے استاد مولانا گلزار صاحب مدظلہ ہیں آج کل علیل ہیں اللہ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین ☆ مولانا محمد شریف صاحب۔ راقم کی تعلیم کے پہلے سال ۱۳۹۵ھ، ۱۹۷۵ء کو موصوف مدرسہ اشرف المدارس پڑھاتے تھے راقم نے ان کے پاس بدائع منظوم اور مالا بد منہ پڑھی۔ اس کے بعد ان سے رابطہ نہ ہوا ☆ مولانا عبدالمتین ہزارویؒ راقم نے شرح جامی مختصر المعانی مطول اور قطبی وغیرہ بڑی کتب منطق ان سے پڑھیں ☆ قاری عطاء الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ ان سے قرآن کریم کی کچھ عرصہ مشق کی موصوف حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد تھے اور قاری عبدالمالک صاحب قاری اظہار احمد تھانویؒ کے استاد ہیں ☆ مکہ مکرمہ میں متعدد اساتذہ سے پڑھا جن میں مصر کے بہت بڑے فاضل قاری ڈاکٹر شیخ عبدالواحد سلیمؒ بھی ہیں

**گھریلو ماحول کی برکات:**

راقم کے گھریلو ماحول کے بھی اس میں اثرات ہیں حضرت والد صاحب حاجی عبدالحمیدؒ فرماتے تھے کہ درس قرآن میں قرآن بیان کیا کرو، لوگوں کو قرآن سناؤ، ادھر اُدھر کی باتیں نہ کرو۔ راقم کو اپنے دادا جی مولوی محمد اسماعیلؒ کی زیارت تو نہ ہوئی کیونکہ وہ راقم کی پیدائش سے کئی سال قبل فوت ہوگئے تھے بڑوں سے سنا ہے کہ وہ عقیدے کے بڑے پختہ تھے ہر باطل سے گفتگو کرتے تھے۔ مرزائیوں کو حکومت نے ۱۹۷۴ء میں غیر مسلم قرار دیا مگر ہم شروع سے ہی قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کو کافر سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں۔

**استاذ محترم کا ایک قیمتی ارشاد:**

استاذ محترم مولانا عبدالعلیم جالندھریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ کسی جلسے میں ایک خطیب صاحب نے کہا کہ میں ان کو قرآن سناتا ہوں یہ میرے سامنے رحمۃ اللہ پیش کرتے ہیں یعنی بزرگوں کے حوالے دیتے ہیں۔ استاذ محترمؒ نے فرمایا میں نے اس سے کہا کہ ہم اکابر کی بات سے معاذ اللہ قرآن کو رد نہیں کرتے ہم یہ کہتے ہیں قرآن کا مطلب وہ

ہے جو اکابر نے سمجھا، تو کہتا ہے قرآن کا مطلب وہ ہے جو میں کہتا ہوں الغرض ہم اکابر کو قرآن کے مقابلے میں نہیں تیرے مقابلے میں پیش کرتے ہیں۔

اقول: اکابر کیا ہیں؟ ہم سے پہلے والی امت مسلمہ ہی اکابر ہیں اَلَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ۔ اگر قرآن کو اس طرح سمجھنا ضروری نہ جس طرح امت مسلمہ نے سمجھا تو پھر منکرین حدیث اور مرزائی جس طرح تفسیر کرتے ہیں وہ بھی صحیح ہو۔ مرزائیوں کی تفسیروں کے کچھ حوالے آپ کو اس کتاب میں مل جائیں گے۔

علمائے دیوبند معصوم نہیں، ہم غیر معصوم ہیں:

مولانا محمد منظور مینگل دامت برکاتہم حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ایک مرتبہ فرمایا کہ ہمیں نئی تحقیقات کی ضرورت نہیں ہمارے اکابرین نے جو کچھ علمی ورثہ ہمارے لئے چھوڑا ہے اگر اسی پر ہم عبور حاصل کرلیں تو ہمارے لئے کافی ہے میں نے عرض کیا حضرات اکابرین دیوبند فرشتہ تو نہیں تھے کہ ان کی ہر بات صحیح ہو اور ان سے غلطی نہ ہوسکتی ہو آپ تو ان کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش فرمارہے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں بھائی میں اپنے اکابرین کو معصوم تو نہیں سمجھتا لیکن اپنے کو غیر معصوم سمجھتا ہوں اور جب ان کی کوئی بات میری سمجھ سے بالاتر ہو تو یہ سمجھتا ہوں کہ میری سمجھ کی کمی ہے کہ وہ بڑے حضرات تھے کہ ان کی بات کی تہہ تک میں نہیں پہنچ سکتا۔ پھر مجھ سے مسکرا کر فرمایا کہ بیٹا تم کیا انسان نہیں حیوان ناطق نہیں میں نے عرض کیا کیوں نہیں بالکل ہوں۔ فرمایا کوئی بات آپ کے سامنے اکابرین کی قابل اعتراض آجائے تو بجائے ان پر اعتراض کرنے کے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میری غلطی ہے میں غلط سمجھا ہوں وہ بڑے لوگ تھے فرمایا اس طرح کرنے سے گستاخی سے بھی بچوگے اور اللہ تعالیٰ آئندہ کیلئے کوئی سبیل پیدا فرمائیں گے اس بات کی اصل حقیقت بھی سامنے آئے گی۔ سبحان اللہ! حضرت اقدس کے اس جواب نے میرا دماغ درست کردیا...... غرور کا بھی علاج بتادیا اور عاجزی اور تواضع کا طریقہ بھی ارشاد فرمادیا (حیات ترمذی ص ۲۴۸)

خالص اسلام ہی ہمارا مسلک ہے:

ہمارا مسلک کیا ہے؟ کامل دین پر بغیر افراط و تفریط کے چلنا ہمارا مسلک ہے ہمیں اس کے دفاع میں کوئی عار نہیں ہے اس لئے کہ ہمارے ان اکابر نے خالص دین ہی ہم تک پہنچایا ہے۔ ان کا ہم پہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں آقا ﷺ سے ملایا ہے۔ اگر امت کے ان اکابر پر اعتماد نہ رہے تو نبی ﷺ کا دعوائے نبوت بھی ثابت نہ ہوگا حضرت نانوتویؒ نے ہندوؤں اور عیسائیوں سے مناظروں کے دوران جہاں نبی ﷺ کے معجزات اور دیگر کمالات کا ذکر کیا، امت مسلمہ پر بھی اعتماد ظاہر کیا کہ اس امت میں ہر زمانے میں نیک اور ثقہ ثبت افراد کی جماعت موجود رہی ہے ان کی وساطت سے ہمیں یہ دین پہنچا ہے (مزید دیکھئے عنایۃ النحو ص ۲۵، قبلہ نما ص ۱۹ مباحثہ شاہجہانپور ص ۴۰، ۴۱)

مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے کلام سے تائید:

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ امام اہل سنتؒ کی کتاب "تسکین الصدور" پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت مولانا علامہ فاضل فخر الاماثل محمد سرفراز خان صفدر صاحب کی تازہ تالیف **تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ و القبور** اول سے آخر تک حرفاً حرفاً پڑھی یوں تو علامہ موصوف کی ہر تالیف عمدہ سلیقہ کے ساتھ نہایت تحقیقات پر مشتمل ہر ایک بہت بہت معلومات افزا روح پرور، اور دلنشین ہوتی ہے خصوصیت اور بے انتہاء قابل قدر خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ بزرگان سلف سے ہی ہر بات ماخوذ ہوتی ہے خود رائی کو دین نہیں بنایا جاتا جو آج کل عام ہورہا ہے مجھے اس کتاب سے کچھ خاص دلچسپی ہوئی اور اس قدر کہ ہارٹ اٹیک اور بلڈ پریشر کی تشخیص پر ڈاکٹروں کی ممانعت کے باوجود شروع سے آخر تک دیکھ گیا۔

وجہ یہ تھی کہ تیس سال سے مجھے خود بھی ذاتی تجربہ ہورہا ہے کہ خود ہمارے بزرگوں نے جس مسئلہ میں جو نظریہ قائم کیا ہے واقع میں وہی راجح و حق ثابت ہوتا ہے جب خوب مکمل اور گہری تحقیق کی جاتی ہے تو وہ اس سے سر مو تجاوز نہیں کرپاتی۔ پوری تحقیقات کا نچوڑ آخر میں وہی دو لفظی مسئلہ نکلتا آنکھوں سے نظر آجاتا ہے اس وقت ان حضرات کے علم کا لدنی ہونا منکشف ہوتا ہے اپنے اس ذاتی تجربہ اور ایسے ہی اور علماء کے اس تجربہ سے یہ نتیجہ دل و دماغ کی تہ میں جم جانا ضروری ہے کہ جو شخص کسی مسئلہ میں بھی ذرہ برابر ان سے اختلاف رکھتا ہے وہ یقیناً کم نظری یا غلط فہمی یا کسی خارجی اثر میں مبتلا ہے (تسکین الصدور ص ۲۶)

قارئین سے دعا کی درخواست:

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ میرا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ میں نے اس کام کو محض اللہ کی رضا کیلئے شروع کیا ہے ہاں قارئین سے درخواست ہے کہ دعا کریں اللہ ہمارے سب دینی کاموں کو خالص اپنی رضا کیلئے بنالے آمین۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بندگی مطلوب ہے قبر میں جسے صحیح جواب نصیب ہوجائیں اسے یہ نہ کہا جائے گا تو بڑا محقق تھا تو مصنف تھا، تو سائنس دان تھا، تو جرنیل تھا، تو شیخ الحدیث والتفسیر تھا بلکہ اس کو یہ آواز آئے گی صَدَقَ عَبْدِیْ (مشکوٰۃ ص ۲۵، ابوداود ج ۲ ص ۳۱۰ حدیث ۴۷۵۳ مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس موقع پر اس ندا سے محروم نہ فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ **وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## تقریظ من جانب

# حضرت مولانا اعجاز احمد اشرفی صاحب مدظلہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ،أَمَّا بَعْدُ !

قرآن کریم وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی حضور ﷺ ہر سال رمضان میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ اس کا دور فرمایا کرتے تھے۔ جس سال آپ کو دنیا سے تشریف لے جانا تھا، اس سال آپ نے دو دفعہ قرآن کا دور کیا۔ شروع میں جب وحی نازل ہوتی تھی تو جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کے وقت آپؐ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے پھر قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں: **لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (16) إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (17) فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (18) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ** [سورۃ القیامۃ: ۱۶ تا ۱۹] ترجمہ: (اور اے پیغمبر) آپ (قبل اختتام وحی) قرآن کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی لیں ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا، تو جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کی پیروی کریں پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

ان آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے نزول کے وقت پڑھنا چھوڑ دیا۔ توجہ سے قرآن کریم سنتے، اللہ تعالیٰ قرآن کو آپ کے سینے میں محفوظ کر دیتا۔ صحابہ کرامؓ آپ سے سن کر لکھتے بھی اور حفظ بھی کرتے اس طرح امت میں قرآن کے حفظ اور کتابت کا سلسلہ شروع ہوا، اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی آپ ﷺ کے دل میں ڈال دیتا، آپ اپنے قول فعل اور تقریر کے ساتھ قرآن کے معانی کی وضاحت فرماتے۔

صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اجمعین قرآن کریم کا بہت گہرا علم رکھتے تھے مگر ان حضرات کو لوگوں کے سامنے تفسیر بیان کرنے کا زیادہ موقع نہ ملا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور خلفائے راشدین میں سے حضرت علیؓ نے قرآنی آیات کی تفسیر لوگوں کے سامنے زیادہ بیان فرمائی پھر یہ سلسلہ سلف سے خلف منتقل ہوتا رہا۔

اس آخری دور میں امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے سلف صالحین کے طریقہ پر قرآن کو پڑھانے اور سمجھانے کا بہت اہتمام کیا فجر کے بعد مسجد میں درس دیتے اس کے بعد مدرسہ نصرۃ العلوم تشریف لاتے تو دیگر اسباق سے پہلے طلبہ کو قرآن پڑھاتے ظہر کے بعد کالج میں درس قرآن دیتے۔ شعبان رمضان کو مدارس میں چھٹیاں ہوتیں مگر حضرتؒ کے ہاں مصروفیت بڑھ جاتی۔ علماء طلبہ کو تفسیر قرآن کا خصوصی دورہ کرواتے۔ جس کا انداز خالص علمی ہوتا تھا۔ ترتیب یہ ہوتی تھی کہ حضرت پہلے کسی طالب علم سے تلاوت کرواتے پھر سلیس بامحاورہ ترجمہ کرتے پھر آیات کا باہمی ربط، اور تفسیر بیان فرماتے۔ دورے میں تفسیر ابن جریر طبری تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر امام رازی، تفسیر ابی السعود، جلالین اور روح المعانی وغیرہ، بہت سی کتب کے حوالے دیا کرتے تھے۔

حضرت امام اہل سنتؒ اگرچہ حضرت مولانا حسین علیؒ کے شاگرد رشید تھے دورے میں ان کے حوالے بھی دیتے مگر دورے کا زیادہ دار و مدار حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن پر ہوتا تھا۔ حضرت تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن پر جو عربی حاشیہ لکھا ہے وہ بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔ حضرت امام اہل سنتؒ بسا اوقات کسی لفظ یا جملے کی لغوی یا نحوی وجوہات بیان فرماتے اور کبھی ایک آیت کی کئی کئی توجیہات بیان القرآن کے حوالے سے ذکر فرماتے۔

حضرتؒ کا دورہ اس اعتبار سے بھی منفرد ہوتا کہ اختصار کے ساتھ تمام تفاسیر کا خلاصہ ذکر کر دیتے۔ بڑے مشکل اور طویل مضمون کو نہایت آسان الفاظ سے چند فقروں میں بیان کر دیتے جس میں کئی سو صفحات کا مضمون سمٹ آتا تھا۔ حضرتؒ کے پاس پڑھنے سے پتہ چلتا کہ یہاں یہ بحث بھی ہے مثلاً ارشاد باری ہے: **وَلَوْ أَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْأَمْرُ جَمِيْعًا** [الرعد: ۳۱] حضرتؒ بتاتے تھے کہ یہاں شرط کی جزاء محذوف

ہےاوروہ یا تو ہے لَمَا آمَنُوا ، اور یا ہے لَکَانَ هٰذَا الْقُرْآنَ ۔ پہلی توجیہ پر مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس سے پہاڑ چلا دیئے جاتے تو ضدی کافر پھر بھی ایمان نہ لاتے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے پہاڑ سے اونٹنی کو نکلتے دیکھ کر بھی بہت سے کافر ایمان نہ لائے ۔ دوسری توجیہ پر مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس سے یہ کام ہو جاتے تو وہ یہی قرآن ہے ۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: جس نے روحانی طور پر پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا قلوب بنی آدم کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفت الٰہی کے چشمے جاری کر دیئے وصول الی اللہ کے راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرائے مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی جب ایسے قرآن سے تم کو ہدایت نہ ملی تو اگر مادی طور پر تمہیں یہ چیزیں دکھادی جاتیں تو امید تھی کہ تم ایمان لے آتے ۔ (تفسیر عثمانی)

طلبہ دورے میں صرف تفسیر ہی نہ پڑھتے تھے بلکہ اور بہت کچھ سیکھتے تھے مثلاً حضرتؒ وقت کی بڑی پابندی فرماتے تھے ۔ چھٹی کے دن بھی دینی مصروفیات میں گزارتے تھے ۔ حضرتؒ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حق بات برملا کہہ دیتے تھے اس بارے میں کسی کی رعایت نہ فرماتے تھے ۔ دورے میں عقائدِ حقہ کے اثبات کے ساتھ عقائدِ باطلہ کا مضبوط رد فرماتے تھے ۔ بریلویوں، شیعوں، مرزائیوں اور منکرین حدیث کے شبہات ذکر کر کے مضبوط دلائل سے ان کا ازالہ کرتے ۔ کہیں کہیں عصر حاضر کے نام نہاد مفسرین مثلاً مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ کے نظریات بھی رد فرمادیتے تھے ۔

حضرتؒ کے دروس کے کچھ افادات کتاب: ''ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن'' میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں مگر اس میں فجر کے بعد دیئے ہوئے درس کو لیا گیا ہے اس لئے اس کا انداز عوامی ہے کیونکہ وہ درس ان پڑھ لوگوں کے سامنے دیا جاتا تھا ۔ اور دورۂ تفسیر علمائے کرام اور مدارس کے طلبہ کیلئے ہوتا تھا اس لئے یہ نہایت علمی اور جامع ہوتا تھا ۔

حضرتؒ کے ایک خصوصی شاگرد مولانا محمد سیف الرحمٰن قاسم صاحب نے اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک مستقل اور جامع تفسیر لکھنے کا آغاز کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور لوگوں کیلئے نفع رسانی کا باعث بنائے اور اس کو قبولیت سے نوازے ۔ موصوف نے اس میں معروف باطل فرقوں کے ساتھ ساتھ لاہوری مرزائی، قادیانی مرزائی، منکرین حدیث خصوصاً غامدی کی تفاسیر اور ہندوؤں کی مشہور کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کی عبارات نقل کر کے ان کا جاندار تعاقب کرنا چاہتے ہیں ۔

یہ بہت بڑی محنت ہے کہ تمام باطل فرقوں کا یکجا رد کر کے کتاب کو انسائیکلوپیڈیا طرز کا بنانے کوشش کی ہے ۔ اہل علم حضرات کیلئے خصوصاً باطل فرقوں کے ساتھ مناظرہ کرنے والوں کیلئے یہ ایک گنج گراں مایہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے ۔ یہ اس کتاب کا پہلا حصہ ہے اس کے صفحات ۳۸۰ سے زائد ہیں ۔ اللہ تعالیٰ قبولیت کے ساتھ اس سلسلہ کو جاری وساری رکھے اور کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے ۔ آمین

موصوف کی باطل فرقوں خصوصاً مرزائیوں کے خلاف اور بھی متعدد کتابیں ہیں جن میں اپنے اکابر واسلاف کے مضامین کو عام فہم کر کے پیش کر رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کام کو قبول فرمائے ۔

آمین والسلام

(مولانا) اعجاز احمد سندھو

فاضل جامعہ اشرفیہ

۲۰۱۸/۱/۱۲ء موافق ۱۴۳۹/۴/۲۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## ﴿راقم کی کتاب ’’آیات ختم نبوت‘‘ پر ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی کا تبصرہ﴾

عقیدۂ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ قرآن، حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے، جو اس کا انکار کرے وہ نہ صرف کافر ومرتد اور زندیق ہے بلکہ تعلیمات نبوی کے اعتبار سے واجب القتل ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت کے اثبات اور ثبوت کیلئے اکابرین امت نے ہر دور میں مختلف انداز میں مختصر ومطول کتب تحریر فرما کر اپنا نام ناموس رسالت کے محافظین میں لکھوایا۔ بلاشبہ جس قدر یہ بنیادی اور اہم عقیدہ ہے اسی مناسبت سے اکابر امت نے اس موضوع پر زیادہ توجہ فرمائی ہے۔

پیش نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں مصنف موصوف نے ایک نئے اور اچھوتے انداز میں عقیدۂ ختم نبوت کو قرآن کریم کی مختلف آیات اور سورتوں سے ثابت کر کے ایک لاجواب خدمت انجام دی ہے۔

اس کتاب کا انداز دوسری کتابوں سے کسی قدر انوکھا اور اچھوتا ہے چنانچہ مصنف موصوف نے پورے قرآن پر غور وفکر کر کے ایسی تمام آیات کو [بلکہ اکثر آیات کو راقم] جمع کر دیا ہے جس سے کسی بھی انداز سے ختم نبوت کا مسئلہ ثابت ہو سکتا تھا پوری کتاب میں موجود آیات وسور کے مضامین کو اس مختصر تبصرہ میں نہیں سمویا جا سکتا ہے تاہم ان میں سے چند ایک مثالیں پیش کر کے اس کتاب کے انداز اور ختم نبوت پر طرز استدلال کو واضح کیا جاتا ہے لیجئے اس سلسلہ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ سورۂ تکویر کی آیت ’’وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ‘‘ اور وہ (رسول اکرم ﷺ) غیب کی باتوں پر بخیل نہیں ہیں...... سے واضح ہوا کہ اللہ کے نبی حضرت محمد غیب پر بخیل نہیں یعنی اللہ کی طرف سے ان کو جو وحی کی جاتی ہے آپ اس کو پہنچا دیتے ہیں اگر آپ کو آنے والے کسی نبی کا پتہ ہوتا تو آپ ﷺ امت کو اس کی ضرور اطلاع دیتے، لہٰذا آپ کا کسی نئے نبی کی اطلاع نہ دینا دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

۲۔ اسی طرح اس سورت میں ’’فَأَيْنَ تَذْهَبُوْنَ‘‘...... پس تم کہاں چلے جا رہے ہو...... سے بھی آپ کی ختم نبوت کا ثبوت ملتا ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں جب ہی تو انسانیت کو کسی دوسری جانب جانے سے منع کیا گیا ہے۔

۳۔ سورۂ تکویر سے ختم نبوت کی تیسری دلیل کا ثبوت یوں پیش کیا گیا ہے کہ ’’ان هو الا ذكر للعالمين لمن شاء منكم ان يستقيم‘‘...... یہ تو جہاں بھر کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے، اس کے لئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے۔ اس سے ختم نبوت کی دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن ساری انسانیت کے لئے ہی نہیں، عالمین کیلئے نصیحت ہے لیکن فائدہ وہی حاصل کرے گا جو استقامت کے ساتھ اس دین پر قائم رہے گا اس استقامت کی ضرورت ہے کسی اور نبی کی حاجت نہیں وغیرہ۔

الغرض اس کتاب میں قرآن مجید کی مختلف [بلکہ تمام۔ راقم] سورتوں اور آیات سے ختم نبوت کے دلائل کو جدید انداز سے جمع کیا گیا ہے نیز سیرت نبوی آیات اور احادیث [اسی طرح کلمہ طیبہ اور ارکان اسلام، اسلامی اعمال۔ راقم] سے اپنے موقف کو خوب خوب مبرہن کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ حضرت نانوتویؒ کی کتاب تحذیر الناس [اور دوسری کتب۔ راقم] سے استفادہ کر کے مسئلہ ختم نبوت کو مبرہن کیا گیا ہے [نیز مرزائیوں کے تمام اعتراضات کا جواب بھی ہے اور جن آیات سے وہ اجراء نبوت سمجھتے ہیں ان سے ختم نبوت کو ثابت کیا ہے۔ راقم] اور مرزا قادیانی کیا، تمام مدعیان نبوت کے کفر کو قرآن، حدیث، اجماع امت اور اکابرین کی کتب کی روشنی میں آشکارا کیا گیا ہے۔

الغرض کتاب خاصی دلچسپ اور لائق مطالعہ ہے۔ (ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی شمارہ نمبر ۱۱ جلد ۷۲ نومبر ۲۰۰۹ء ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ ص ۶۵، ۶۶)

☆☆☆☆☆

## تعارف کتاب ’’حَقُّ الْيَقِيْنِ بِأَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا ﷺ آخِرُ النَّبِيِّيْنَ‘‘

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت نے عنوان پر مایہ ناز کتاب لکھی ’’ختم نبوت کامل‘‘ جس میں ختم نبوت پر سو آیات دو سو دس احادیث نیز اکابر علماء کے اقوال تحریر فرمائے۔ قاضی محمد نذیر مرزائی نے اس کے رد میں کتاب لکھی ’’الحق المبين فى تفسير خاتم النبيين‘‘۔ راقم الحروف نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے 1712 صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں اس کا جواب لکھا ’’حق اليقين بان سيدنا محمدا ﷺ خاتم النبيين‘‘۔ اس کتاب کی کیا اہمیت ہے؟ اس کے بارے میں اگلے صفحے میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا مکتوب مبارک ملاحظہ فرمائیں۔

**MUFTI MUHAMMAD TAQI USMANI**

Chairman Shariah Council, AAOIFI, Bahrain
Member International Islamic Fiqh Academy, Jeddah
Vice President Jamia Darul-Uloom Karachi - Pakistan

**المفتي محمد تقي العثماني**

نائب رئيس المجلس الشرعي، البحرين
وعضو مجمع الفقه الإسلامي الدولي
ونائب رئيس جامعة دار العلوم كراتشي، باكستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر مکرم جناب مولانا محمد سیف الرحمن قاسم صاحب۔ زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ۔

آپ کا گرامی نامہ اور کتاب "حق الیقین" موصول ہوئی۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے وقت بندہ کی آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آج ہی آپ کا گرامی نامہ اور کتاب دیکھی، اور بہت مسرت ہوئی کہ آپ نے ایک اہم ضرورت کو پورا کر لیا۔ جب سے [illegible] مرزائی کی کتاب دیکھی تھی، دل میں داعیہ تھا کہ کوئی اس کا جواب لکھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت آپ کے حصے میں لکھی تھی، اس پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، مجھے ابھی کتاب پڑھنے کا موقع تو نہیں ملا لیکن اپنی خوشی کا اظہار کیلئے یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی محنت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں۔ آمین۔

والسلام

**Jamia Darul-Uloom Karachi**
Korangi Industrial Area,
Karachi - Pakistan, Post Code : 75180
Phone: (92) (21) 5043192, Fax : (92) (21) 5040234

جامعة دار العلوم كراتشي
كورنجي المنطقة الصناعية، الرمز البريدي ٧٥١٨٠
كراتشي - باكستان
هاتف ٥٠٤٣١٩٢ (٢١) (٩٢) فاكس ٥٠٤٠٢٣٤ (٢١) (٩٢)